تالیف
احمد حسن الزیات

مترجم
مولانا محمد فرحان عاطف

مکتبہ رحمانیہ
اقرأ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور
فون: 042-37224228-37355743

تاریخ ادبِ عربی
(اردو)

تالیف

احمد حسن الزیات

مترجم

مولانا محمد فرحان عاطف

مکتبہ رحمانیہ
MAKTABA-E-REHMANIA
اقرا سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 042-37224228-37355743

بسم اللہ الرحمن الرحیم

MAKTABA-E-REHMANIA

مکتبہ رحمانیہ

نام کتاب: .... تاریخ ادب عربی (اردو)

مترجم: .... مولانا محمد فرحان عاطف

ناشر: .... مکتبہ رحمانیہ

مطبع: .... لٹل سٹار پرنٹرز لاہور

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

جزيرة العرب على عهد النبي ﷺ

فہرست موضوعات

عرضِ مترجم ۱۷
مصنفِ کتاب ۱۸
احمد حسن الزیات ۱۸
(1885-1968ء) (1302-1388ھ)
مقدمہ ۱۹
ادب .... //
ادب کی تاریخ .... //
تاریخ ادب کا فائدہ ۲۰
تاریخ ادب کی تقسیم .... //
عرب آبادیاں، ان کے طبقات اور مشہور قبائل ۲۱
زمانہ جاہلیت میں عربوں کے اجتماعی، سیاسی، دینی اور عقلی احوال ۲۲
پہلا باب: زمانہ جاہلیت
فصل اوّل: عربی زبان کی ابتداء ۲۶
مکہ کی اہمیت اور قریش کے کاروباری احوال ۲۸
دوسری فصل: نثر ۲۹
ضرب المثل .... //
حکیمانہ مقولے ۳۰
خطبے اور وصیتیں .... //
نثر جاہلی کی خصوصیات .... //
خطابت .... //
انداز بیان ۳۱
خطباء .... //
قس بن ساعدہ الایادی ۳۱
حالاتِ زندگی .... //
اندازِ بیان .... //
نثر کا نمونہ ۳۲
حکیمانہ مقولے .... //
مرثیہ ۳۳
عمرو بن معدی کرب الزبیدی ۳۳
حالاتِ زندگی .... //
صفات اور مرتبہ ۳۴
جاہلی نثر کے چند نمونے ۳۵
ضرب الامثال .... //
حکیمانہ مقولے ۳۶
خطبے ۳۷
وصیتیں .... //
تیسری فصل: شعروشاعری ۳۹
شعر کی تعریف اور اس کی ابتداء .... //
شعروشاعری اور عرب ۴۰
شاعری کی قسمیں اور اس کے مقاصد .... //
جاہلی شاعری کی خصوصیات ۴۱
شعر اور معلقات کی روایت ۴۲
جاہلی شاعری کے نمونے ۴۳
چوتھی فصل: جاہلی شعراء اور ان کے طبقات ۶۲
امرؤ القیس (متوفی ۵۴۵ء) ۶۳

پیدائش اور حالاتِ زندگی ۶۳
امرؤ القیس کی شاعری ۶۴
شاعری کا نمونہ ۶۵
نابغہ ذبیانی (متوفی ۶۰۴ء) ۶۶
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری ۶۷
شاعری کا نمونہ .... //
زهیر بن ابی سلمیٰ (متوفی ۶۰۹ء) ۶۸
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری ۶۹
معلقہ کا مختصر تجزیہ ۷۰
اعشیٰ (متوفی ۶۲۹ء) ۷۳
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری .... //
شاعری کا نمونہ ۷۴
عنترہ عبسی (متوفی ۶۱۵ء) ۷۵
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری ۷۶
شاعری کا نمونہ .... //
طرفہ بن العبد (متوفی ۵۶۴ء) ۷۹
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری .... //
معلقہ کا مختصر تجزیہ .... //
عمرو بن کلثوم (متوفی ۵۸۴ء) ۸۳
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری ۸۴
شاعری کا نمونہ .... //
حارث بن حلزہ (متوفی ۵۷۰ھ) ۸۵
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری ۸۶
شاعری کا نمونہ .... //
لبید بن ربیعہ (وفات ۶۶۱ء) ۸۷
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری ۸۸
شاعری کا نمونہ ۸۹
حاتم طائی (وفات ۵۷۸ء) ۹۰
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
حاتم طائی کے اخلاق ۹۲
شاعری .... //
شاعری کا نمونہ .... //
امیہ بن ابی الصلت (وفات ۶۲۶ء) ۹۴
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری ۹۵
شاعری کا نمونہ ۹۶
سرزمین عرب میں کتابت کی ابتداء ۹۷
دوسرا باب: آغازِ اسلام اور عہد بنو امیہ
اسلامی ادب ۹۹
ادبِ اسلامی کے اسباب و مصادر اور اس کی قسمیں
اور رجحانات .... //
ادبِ اسلامی کے سرچشمے ۱۰۴
قرآن کریم .... //
قرآنی اسلوب ۱۰۵
قرآنی اعجاز ۱۰۶
قرآن کی زبان .... //

قرآن کے مقاصد و مضامین ۱۰۷
قرآن کی تاثیر .... //
قرآن کی قرأتیں .... //
قرآن کو جمع کرنا اور مدون کرنا ۱۰۸
نورِ قرآن کی جھلکیاں ۱۰۹
حدیث ۱۱۱
اسلوب حدیث ۱۱۲
حدیث شریف کا نمونہ ۱۱۳
زمانہ جاہلیت کی شاعری ۱۱۴
غیر ملکی ادب ۱۱۵
ادب اسلامی کی قسمیں ۱۱۸
شاعری .... //
حضور ﷺ کے زمانے میں شاعری .... //
خلفاء راشدین کے زمانہ میں شاعری ۱۱۹
عمومی نظر ۱۲۱
عراقی شاعری کی خصوصیات ۱۲۳
اخطل ۱۲۴
فرزدق .... //
جریر ۱۲۵
اخطل، فرزدق و جریر کا ہجویہ شاعری میں مسلک ۱۲۶
فرزدق ۱۳۰
جریر ۱۳۲
شیعہ شاعری ۱۴۵
خوارج شاعری ۱۴۹
اموی شاعری کا نمونہ ۱۵۲
طبقات شعراء ۱۶۴
مخضرمین شعراء ۱۶۵
کعب بن زهیر (وفات ۲۶ ہجری) ۱۶۵
پیدائش اور حالاتِ زندگی ۱۶۵
شاعری ۱۶۶
شاعری کا نمونہ .... //
خنساء رضی اللہ عنہا (وفات ۲۴ ہجری) ۱۶۷
حالاتِ زندگی .... //
شاعری ۱۶۸
شاعری کا نمونہ .... //
حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ۱۷۰
(پیدائش ۵۵۳ء۔ وفات ۵۴ ہجری ۶۷۴ء)
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری ۱۷۱
شاعری کا نمونہ .... //
حطیئه (وفات ۴۵ھ) ۱۷۴
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری .... //
شاعری کا نمونہ ۱۷۵
اسلامی شعراء ۱۷۶
عمر بن ابی ربیعه (وفات ۹۳ھ) .... //
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری ۱۷۷
شاعری کا نمونہ ۱۷۸
اخطل (وفات ۹۵ھ) ۱۸۱
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری ۱۸۲
شاعری کا نمونہ .... //
فرزدق (وفات ۱۱۰) ۱۸۴

پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری ۱۸۵
شاعری کا نمونہ .... //
جریر (وفات ۱۱۰ھ) ۱۸۸
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری ۱۸۹
شاعری کا نمونہ .... //
طرماح بن حکیم (وفات ۱۰۰ھ) ۱۹۲
پیدائش اور حالاتِ زندگی ۱۹۳
شاعری .... //
شاعری کا نمونہ ۱۹۴
نثر ۱۹۶
خطابت .... //
حضرت محمد رسول اللہ ﷺ .... //
ولادت، احوال زندگی اور بعثت .... //
آپ ﷺ کا حلیہ اقدس ۱۹۸
آپ ﷺ کی فصاحت .... //
زبان وادب پر احادیث کی اثر اندازی ۲۰۰
حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ۲۰۱
آپ کی پیدائش اور زندگی کے حالات .... //
آپ کا حلیہ مبارک اور فطری صلاحتیں ۲۰۲
آپ کے عہد ناموں اور خطبات کا نمونہ ۲۰۳
آپ رضی اللہ عنہ کے ایک خطبہ کا اقتباس ۲۰۴
حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ .... //
پیدائش اور زندگی کے حالات .... //
اخلاق اور فطری صلاحتیں ۲۰۵
نمونۂ کلام .... //
اور آپ کا مزید کلام ۲۰۶
سحبان وائل (المتوفی ۶۷۴م، ۵۴ ہجری) ۲۰۷
پیدائش اور حالاتِ زندگی ۲۰۸
خطبے کا نمونہ .... //
زیاد بن ابیہ (۶۲۲م.....۶۷۳م۔ ۱ھ.....۵۳ھ) .... //
پیدائش اور حالاتِ زندگی ۲۰۹
اخلاق اور فطری استعداد .... //
کلام کا نمونہ اور نامکمل خطبہ .... //
حجاج بن یوسف ثقفی (۴۱ھ.....۹۵ھ) ۲۱۰
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
خطبات کا نمونہ ۲۱۱
انشاء پردازی ۲۱۳
انشاء پرداز ۲۱۴
عبدالحمید بن یحییٰ .... //
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
عربی انشاء پردازی میں اس کی تاثیر ۲۱۵
طرز انشاء پردازی .... //
نثر کا نمونہ .... //
اس زمانے کی نثر کے نمونے ۲۱۶
حکیمانہ اقوال .... //
رسائل وخطوط ۲۱۸
وصیتیں اور نصائح .... //
زبان میں خامیاں اور عامی عربی کی ابتداء ۲۲۰
نحو ۲۲۱
عہد بنو امیہ میں علوم کی حالت .... //
اسلام کے بعد عربی تحریر کی حالت ۲۲۲
تیسرا باب: عباسی دورِ خلافت

اس دور کی بلندی شان، اس کا اثر اور امتیازی خصوصیات ۲۲۴
فصل اوّل: زبان اور فتوحات، سیاست اور شہریت
کا اس پر اثر ۲۲۴
فصل ثانی: نثر کلام ۲۲۶
خطابت ۲۲۸
نثر کے نمونے ۲۲۹
توقیعات .... //
تقریریں ۲۳۰
خطوط ۲۳۲
مقامات ۲۳۳
بدیع الزمان ہمذانی کا حرزیہ مقامہ .... //
تیسری فصل: انشاء پرداز ۲۳۵
ابن المقفع (متوفی ۱۴۲ھ) .... //
پیدائش اور زندگی کے حالات .... //
اخلاق اور علمی قابلیت ۲۳۶
نثر نگاری اور شاعری .... //
تراجم اور تصانیف .... //
نثر کے نمونے .... //
الجاحظ (۷۸۰......۸۶۹م ـ ۱۶۳......۲۵۵ھ) ۲۳۹
پیدائش اور زندگی کے حالات .... //
صفات و اخلاق .... //
علم و ادب .... //
نثر نگاری اور شاعری ۲۴۰
تالیفات .... //
نثر نگاری کے نمونے ۲۴۱
ابن العمید (۸۹۲......۹۷۰م ـ ۲۹۷......۳۶۰ھ) ۲۴۲
پیدائش اور زندگی کے حالات .... //
انشاء پردازی اور شاعری ۲۴۳
کلام سے انتخاب .... //
الصاحب بن عباد (۹۳۸...۹۹۵م ـ ۳۲۶...۳۸۵ھ) ۲۴۶
پیدائش اور زندگی کے حالات .... //
صاحب کی نثر نگاری .... //
کلام کا نمونہ ۲۴۷
الخوارزمی (۹۱۵...۹۹۳م ـ ۳۰۳...۳۸۳ھ) .... //
پیدائش اور زندگی کے حالات .... //
ادب اور انشاء پردازی میں اس کا مقام ۲۴۸
منتخب کلام .... //
بدیع الزمان ھمذانی (متوفی ۳۹۸ھ) ۲۵۰
پیدائش اور زندگی کے حالات .... //
اخلاق اور فطری صلاحتیں ۲۵۱
نثر اور شاعری .... //
مقامات .... //
منتخب کلام .... //
الحریری (۱۰۵۴...۱۱۲۲م ـ ۴۴۶...۵۱۶ھ) ۲۵۳
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
حلیہ اور اخلاق ۲۵۴
نثر اور شاعری .... //
تصانیف .... //
مقامات .... //
ان مقامات کے عیوب ۲۵۵
مقامات لکھنے کا سبب .... //
منتخب کلام .... //
القاضی الفاضل (۱۱۳۵...۱۲۰۰م ـ ۵۲۹...۵۹۶ھ) ۲۵۶
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //

انشاء پردازی میں اس کا مقام .... //
کلام کا نمونہ ۲۵۷
چوتھی فصل: شاعری پر تمدن اور سیاست کا اثر ۲۵۷
عباسی دور کی شاعری کے نمونے ۲۵۹
حکیمانہ اور ضرب الامثال ۲۶۹
معذرت خواہی اور مہربانی کی درخواست ۲۷۱
پانچویں فصل: مولد شعراء ۲۷۴
بغداد کے شعراء .... //
بشار بن برد .... //
بشار کے اوصاف اور اخلاق ۲۷۵
شاعری ۲۷۶
شاعری کے عیوب .... //
شاعری کا نمونہ ۲۷۷
ابوالعتاهیه (ولادت ۱۳۰ھ۔ وفات ۲۱۱ھ) ۲۷۹
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
اوصاف اور اخلاق ۲۸۰
شاعری .... //
ابو نواس (پیدائش ۱۴۵ھ۔ وفات ۱۹۹ھ) ۲۸۳
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
صفات اور اخلاق ۲۸۴
شاعری میں اس کا مقام .... //
شاعری کا نمونہ .... //
ابن الرومی (پیدائش ۲۲۱ھ۔ وفات ۲۸۴ھ) ۲۸۷
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری کا ایک نمونہ ۲۹۱
ابن المعتز (پیدائش ۲۴۹ھ۔ وفات ۲۹۶ھ) ۲۹۳
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری .... //
تصانیف ۲۹۴
شاعری کا نمونہ .... //
الشریف الرضی (پیدائش ۳۵۹ھ۔ وفات ۴۰۴ھ) ۲۹۷
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
صفات اور اخلاق ۲۹۸
شاعری .... //
تصانیف .... //
شاعری کا نمونہ ۲۹۹
طغرائی (پیدائش ۴۵۵ھ۔ وفات ۵۱۳ھ) ۳۰۰
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری .... //
شام کے شعراء اور ان کی شاعری ۳۰۲
ابو تمام (پیدائش ۱۸۸ھ۔ وفات ۲۳۱ھ) ۳۰۳
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
صفات اور اخلاق .... //
ابوتمام کی شاعری ۳۰۴
شاعری کا نمونہ ۳۰۵
بحتری (پیدائش ۲۰۶ھ۔ وفات ۲۸۴ھ) ۳۰۷
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
صفات اور اخلاق ۳۰۸
شاعری .... //
شاعری کا نمونہ ۳۰۹
متنبّی (پیدائش ۳۰۳ھ۔ وفات ۳۵۴ھ) ۳۱۱
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری ۳۱۳
شاعری کے عیوب ۳۱۴

شاعری کا نمونہ .... //
فلسفانہ شاعری ۳۱۵
ابوفراس حمدانی (پیدائش ۳۲۰ھ۔ وفات ۳۵۷ھ) ... ۳۱۷
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
اخلاق وعادات .... //
شاعری ۳۱۸
شاعری کا نمونہ .... //
ابو العلا المعری (پیدائش ۳۶۳ھ۔ وفات ۴۴۹ھ) ... ۳۲۰
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
صلاحیت اور عقائد وغیرہ ۳۲۱
شاعری ۳۲۲
نثر .... //
تصانیف .... //
شاعری کا نمونہ ۳۲۳
اندلس کے شعراء اور ان کی شاعری ۳۲۵
اندلسی شاعری کے نمونے ۳۲۷
اندلسی شعراء ۳۳۴
ابن عبدربه (پیدائش ۲۴۶ء۔ وفات ۳۲۸ھ) .... //
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری ۳۳۵
العقد الفرید ۳۳۶
شاعری کا نمونہ .... //
ابن هانی اندلسی (پیدائش ۳۲۶ھ۔ وفات ۳۶۳ھ) .. ۳۳۷
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
اخلاق اور عادات ۳۳۸
شاعری .... //
شاعری کا نمونہ ۳۳۹
ابن زیدون (پیدائش ۳۹۴ھ۔ وفات ۴۶۳ھ) ۳۴۲
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری ۳۴۳
نثر .... //
شاعری کا نمونہ .... //
نثر کا نمونہ ۳۴۶
ابن حمدیس الصقلی ۳۴۷
(پیدائش ۴۷۷ھ۔ وفات ۵۲۷ھ)
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
اوصاف ۳۴۸
شاعری ۳۴۹
شاعری کا نمونہ .... //
عشقیہ شاعری ۳۵۲
ابن خفاجه اندلسی ۳۵۳
(پیدائش ۴۵۰ھ۔ وفات ۵۳۳ھ)
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری .... //
شاعری کا نمونہ .... //
لسان الدین ابن الخطیب ۳۵۶
(پیدائش ۱۳۱۳ء، ۷۱۳ھ۔ وفات ۱۳۷۴ء، ۷۷۶ھ)
انشاء پردازی میں ان کا مرتبہ ۳۵۷
شاعری کا نمونہ .... //
عہد فاطمین میں مصر کے اندر علوم، شعر، انشاء پردازی اور فنون ۳۶۱
مصر میں شعراء ۳۶۳
کمال الدین بن النبیه (وفات ۶۱۹ھ، ۱۲۲۲ء) ... ۳۶۴
پیدائش وحالاتِ زندگی .... //

شاعری ۳۶۴
شاعری کا نمونہ ۳۶۵
ابن الفارض ۳۶۸
(پیدائش ۵۷۶ھ ۱۱۸۱ء۔ وفات ۶۳۲ھ ۱۲۳۵ء)
پیدائش و حالاتِ زندگی .... //
ان کی صفات .... //
شاعری ۳۶۹
شاعری کا نمونہ .... //
بہاء الدین زہیر ۳۷۱
(پیدائش ۵۸۱ھ ۱۱۸۶ء۔ وفات ۶۵۶ھ ۱۲۵۸ء)
پیدائش و حالاتِ زندگی .... //
شاعری .... //
شاعری کا نمونہ ۳۷۲
علوم ۳۷۴
ترجمہ و تالیف .... //
ادبی علوم ۳۷۵
علم ادب .... //
ادباء ۳۷۶
اصمعی (پیدائش ۱۲۳ھ، ۷۴۰ء۔ وفات ۲۱۶ھ، ۸۳۱ء) .. //
حالاتِ زندگی اور علمی مقام .... //
تالیفات ۳۷۷
ابوالفرج اصبہانی .... //
(پیدائش ۲۸۴ھ، ۸۹۷ء۔ وفات ۳۵۶ھ، ۹۶۷ء)
پیدائش و حالاتِ زندگی .... //
اخلاق اور علمی مرتبہ ۳۷۸
کتاب الاغانی .... //
شاعری کا نمونہ .... //
علم النحو ۳۷۹
علماء النحو ۳۸۰
سیبویہ .... //
(پیدائش ۱۴۸ھ، ۷۶۵ء۔ وفات ۱۸۰ھ، ۷۹۶ء)
پیدائش و حالاتِ زندگی .... //
کسائی (پیدائش ۱۱۹ھ، ۷۳۵ء۔ وفات ۱۸۹ھ، ۸۰۵ء) ۳۸۱
پیدائش و حالاتِ زندگی .... //
تالیفات ۳۸۲
الفراء (پیدائش ۱۴۴ھ، ۷۶۱ء۔ وفات ۲۰۷ھ، ۸۲۲ء) ... //
پیدائش و حالاتِ زندگی .... //
ابن حاجب ۳۸۳
(پیدائش ۵۷۰ھ، ۱۱۷۴ء۔ وفات ۶۴۶ھ، ۱۲۴۹ء)
پیدائش و حالاتِ زندگی .... //
تالیفات ۳۸۴
علم لغت .... //
لغویین ۳۸۵
خلیل بن احمد .... //
(پیدائش ۱۰۰ھ، ۷۱۸ء۔ وفات ۱۷۴ھ، ۷۸۶ء)
پیدائش و حالاتِ زندگی .... //
علمی خدمات .... //
تالیفات ۳۸۶
ابن درید .... //
(پیدائش ۲۲۳ھ، ۸۳۸ء۔ وفات ۳۲۱ھ، ۹۳۳ء)
پیدائش و حالاتِ زندگی .... //
حسن اخلاق اور علمی مرتبہ .... //
تالیفات ۳۸۸
علم بیان .... //

تاریخ ۳۸۹
تاریخ نویسی میں عربوں کا طرز ۳۹۰
علوم شرعیہ //
علم حدیث //
محدثین ۳۹۱
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ //
(پیدائش ۱۹۴ھ، ۸۱۰ء۔ وفات ۲۵۶ھ، ۸۷۰ء)
پیدائش وحالاتِ زندگی //
مسلم بن حجاج ۳۹۲
(پیدائش ۲۰۶ھ، ۸۲۰ء۔ وفات ۲۶۱ھ، ۸۷۵ء)
علم فقہ //
فقہاء کرام ۳۹۳
امام ابوحنیفہ نعمان رحمۃ اللہ علیہ //
(پیدائش ۸۰ھ، ۶۹۹ء۔ وفات ۱۵۰ھ، ۷۶۷ء)
پیدائش وحالاتِ زندگی //
اخلاق اور حلیہ //
علم وادب //
مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ۳۹۴
(پیدائش ۹۵ھ، ۷۱۲ء۔ وفات ۱۷۹ھ، ۷۹۵ء)
پیدائش وحالاتِ زندگی //
حلیہ اور اخلاق //
علم وفضل //
محمد شافعی رحمۃ اللہ علیہ ۳۹۵
(پیدائش ۱۵۰ھ، ۷۶۷ء۔ وفات ۲۰۴ھ، ۸۲۰ء)
پیدائش وحالاتِ زندگی //
حلیہ واخلاق //
علم وفضل //
احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ۳۹۶
(پیدائش ۱۶۴ھ، ۷۸۰ء۔ وفات ۲۴۱ھ، ۸۵۵ء)
پیدائش وحالاتِ زندگی //
علوم عقلیہ //
فلسفہ //
فلاسفہ ۳۹۸
ابن سینا //
(پیدائش ۳۷۰ھ، ۹۸۱ء۔ وفات ۴۲۸ھ، ۱۰۳۷ء)
پیدائش وحالاتِ زندگی //
تصانیف ۳۹۹
حجۃ الاسلام غزالی //
(پیدائش ۴۵۰ھ، ۱۰۵۸ء۔ وفات ۵۰۵ھ، ۱۱۱۲ء)
پیدائش اور حالاتِ زندگی //
تصنیفات ۴۰۰
ابن رشد //
(پیدائش ۵۱۴ھ، ۱۱۱۸ء۔ وفات ۵۹۵ھ، ۱۱۹۹ء)
پیدائش وحالاتِ زندگی //
فلسفہ اور تصانیف //
ساتویں فصل: عربی ادب میں قصے اور مقامات ۴۰۲
حکایات ۴۰۳
الف لیلہ ولیلہ //
امثال ۴۰۴
کلیلہ ودمنہ ۴۰۵
مقامات نویسی ۴۰۷

چوتھا باب: ترکی دور

سقوط بغداد کے بعد //
اس دور کی نمایاں شخصیتیں ۴۰۸

صفی الدین حلّی ۴۱۰
(پیدائش ۶۷۷ھ۔ وفات ۷۵۰ھ)
پیدائش وحالاتِ زندگی ..... //
شاعری ..... //
شاعری کانمونہ ۴۱۱
ابن منظور ۴۱۲
(پیدائش ۶۳۰ھ، ۱۲۳۲ء۔ وفات ۷۱۱ھ، ۱۳۱۱ء)
پیدائش وحالاتِ زندگی ..... //
تصانیف ..... //
لسان العرب ..... //
ابوا لفداء ۴۱۳
(پیدائش ۶۷۲ھ، ۱۲۷۳ء۔ وفات ۷۳۲ھ، ۱۳۳۱ء)
پیدائش وحالاتِ زندگی ..... //
تصانیف ..... //
ابن خلدون ۴۱۴
(پیدائش ۷۳۲ھ، ۱۳۳۲ء۔ وفات ۸۰۸ھ، ۱۴۰۶ء)
پیدائش وحالاتِ زندگی ..... //
عادات واخلاق ۴۱۵
انشاء پردازی اور شاعری ..... //
تاریخ کے بارے میں ان کی تصنیف ..... //
سیدہ عائشہ باعونیہ (وفات ۹۲۲ھ، ۱۵۱۶ء) ۴۱۶
پیدائش وحالاتِ زندگی ..... //
شاعری اور نثر نگاری میں ان کا مقام ..... //
شاعری کانمونہ ..... //

پانچواں باب: دورِ جدید

فصل اوّل: عمومی جائزہ ۴۱۹
جدید ترقی کے وسائل ..... [illegible]
مدارس ..... //
جامعہ ازہریہ ۴۲۳
جامعہ مصریہ ۴۲۴
طباعت ۴۲۵
صحافت ۴۲۶
اداکاری ۴۲۷
مجامع ادبیہ ..... //
تیسری فصل: نثر نگاری ۴۲۹
ڈرامہ اور افسانہ نویسی ۴۳۰
چوتھی فصل: جدید ترقی کے روحِ رواں ۴۳۱
مصر، شام، عراق اور مغرب میں ..... //
انشاء پرداز ۴۳۴
جمال الدین افغانی ..... //
(پیدائش ۱۲۵۴ھ، ۱۸۳۸ء۔ وفات ۱۳۱۴ھ، ۱۸۹۷ء)
حالاتِ زندگی اور خدمات ..... //
نثر کانمونہ ۴۳۶
استاد امام محمد عبدہ ۴۳۷
(پیدائش ۱۲۶۶ھ، ۱۸۴۹ء۔ وفات ۱۳۲۳ھ، ۱۹۰۵ء)
حالاتِ زندگی ..... //
عادات واخلاق ۴۳۸
لغت وادب میں ان کا اثر ..... //
علم ودین میں ان کا اثر ۴۳۹
ان کا اسلوب بیان ..... //
ان کی نثر کانمونہ ۴۴۰
شیخ علی یوسف ۴۴۱
(پیدائش [illegible] ۱۸۶۳ء۔ وفات ۱۳۳۱ھ، ۱۹۱۳ء)

اخلاق وفضائل ۴۴۲
اسلوب وعلم ۴۴۳
نمونہ نثر //
ابراهیم مویلحی ۴۴۵
(پیدائش ۱۲۶۲ھ، ۱۸۴۶ء۔ وفات ۱۳۲۳ھ، ۱۹۰۶ء)
حالاتِ زندگی //
ان کا اسلوب //
ان کے علمی آثار ۴۴۶
حفنی ناصف //
(پیدائش ۱۲۷۲ھ، ۱۸۵۶ء۔ وفات ۱۳۳۷ھ، ۱۹۱۹ء)
حالاتِ زندگی //
اخلاق ۴۴۷
نثر اور شاعری //
تالیفات //
نمونہ شاعری //
باحثه البادیه ۴۴۸
(پیدائش ۱۳۰۰ھ، ۱۸۸۳ء۔ وفات ۱۳۳۶ھ، ۱۹۱۸ء)
حالاتِ زندگی //
علم وادب میں ان کا مقام ۴۴۹
نمونہ نثر //
مصطفیٰ لطفی المنفلوطی ۴۵۰
(پیدائش ۱۲۹۳ھ، ۱۸۷۶ء۔ وفات ۱۳۴۲ھ، ۱۹۲۴ء)
حالاتِ زندگی //
اخلاق ۴۵۱
اسلوب وادب //
تالیفات اور ترجمے ۴۵۲
نثر کا نمونہ //
عبدالعزیز شاویش ۴۵۳
(پیدائش ۱۲۹۲ھ، ۱۸۷۶ء۔ وفات ۱۳۴۷ھ، ۱۹۲۹ء)
حالاتِ زندگی //
تالیفات ۴۵۴
نثر کا نمونہ //
ادباء ۴۵۵
ناصیف یازجی //
(پیدائش ۱۲۱۴ھ، ۱۸۰۰ء۔ وفات ۱۲۸۷ھ، ۱۸۷۱ء)
حالاتِ زندگی //
نثر وشاعری ۴۵۶
تالیفات اور علمی مقام //
نمونہ شاعری ۴۵۷
احمد فارس شدیاق //
(پیدائش ۱۸۰۴ء، ۱۲۱۸ھ۔ وفات ۱۸۸۷ء، ۱۳۰۴ھ)
حالاتِ زندگی //
نثر اور شاعری ۴۵۸
تالیفات //
نمونہ کلام ۴۵۹
بطرس بستانی ۴۶۰
(پیدائش ۱۲۳۴ھ۔ وفات ۱۳۰۰ھ)
حالاتِ زندگی //
علمی مقام ۴۶۱
ابراهیم یازجی //
(پیدائش ۱۲۶۲ھ۔ وفات ۱۳۲۳ھ)
حالاتِ زندگی //
علم وادب
نمونہ کلام //

حمزہ فتح اللہ ۴۶۳
(پیدائش ۱۲۶۵ھ۔وفات ۱۳۳۶ھ)
حالاتِ زندگی .... //
علمی مقام اور خلاق .... //
نمونہ کلام .... //
خطابت وخطباء ۴۶۴
عبداللہ ندیم ۴۶۵
(پیدائش ۱۲۶۰ھ۔وفات ۱۳۱۳ھ)
حالاتِ زندگی .... //
اخلاق وعادات ۴۶۶
نمونہ کلام .... //
مصطفیٰ کامل ۴۶۷
(پیدائش ۱۲۹۰ھ۔وفات ۱۳۲۵ھ)
حالاتِ زندگی .... //
مصطفیٰ کامل الخطیب .... //
خطابت کا نمونہ ۴۶۸
سعد زغلول .... //
(پیدائش ۱۲۷۳ھ۔وفات ۱۳۴۵ھ)
حالاتِ زندگی .... //
خطابت میں اُن کا مقام ۴۶۹
نمونہ شاعری ۴۷۰
پانچویں فصل: شاعری ۴۷۱
محمود سامی پاشا بارودی (وفات ۱۳۲۱ھ) ۴۷۲
پیدائش وحالاتِ زندگی .... //
شاعری ۴۷۳
تالیفات .... //
شاعری کا نمونہ ۴۷۴
اسماعیل صبری (وفات ۱۹۲۳ء) ۴۷۷
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری .... //
شاعری کا نمونہ ۴۷۸
احمد شوقی (وفات ۱۹۳۲ء) ۴۸۱
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
شاعری ۴۸۲
شاعری کا نمونہ ۴۸۳
محمد حافظ ابراہیم (وفات ۱۳۵۰ھ) ۴۸۵
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
حافظ کی ادبی حیثیت ۴۸۶
حافظ کی شاعرانہ حیثیت .... //
شاعری کا نمونہ ۴۸۷
جمیل صدقی الزہاوی (وفات ۱۳۵۴ھ) ۴۸۹
پیدائش اور حالاتِ زندگی .... //
زہاوی علم کے میدان میں ۴۹۰
شاعری کا نمونہ ۴۹۱
کچھ اہم اشعار ۴۹۲
خاتمہ ۴۹۴
استشراق ومستشرقین کے بارے میں .... //
مشہور مستشرقین ۴۹۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مترجم

عربی زبان کی تاریخ میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن ''تاریخ الادب العربی'' اپنے موضوع پر نہایت جامع اور مکمل کتاب ہے۔ عربی زبان پر ابتداء سے انتہاء تک جس قدر نشیب وفراز آئے، ان تمام کو اس کتاب میں ذکر کیا گیا ہے۔ عربی سے ہمارا تعلق بہت گہرا ہے۔ یہ ہماری مذہبی زبان ہے۔ قرآن وحدیث، تفاسیر اور دیگر علوم تمام عربی میں ہیں۔ اس لیے عربی کا سیکھنا نہایت ضروری ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے اندازہ ہوگا کہ کس طرح عربی زبان کی حفاظت کی گئی اور اس میں کمال پیدا کرنے کے لیے علماء نے کیسی محنتیں کی ہیں۔ اس کتاب کے مطالعے سے عربی ادب کی تاریخ کے ساتھ ساتھ اس کا بھی علم ہوتا ہے کہ عربوں نے کس طرح دیگر علوم دوسری قوموں سے حاصل کیے اور اُن کی کتابوں کو عربی زبان میں منتقل کیا گیا اور پھر آخرکار یہ علوم عربوں سے منتقل ہو کر مغرب میں چلے گئے جس کی بنیاد پر یورپ ترقی کرتا ہوا اس حد تک پہنچ گیا ہے جسے ہم دیکھ رہے ہیں۔ مصنف کتاب احمد حسن زیات رحمۃ اللہ علیہ نے جس احسن انداز سے عربی ادب کی تاریخ پر روشنی ڈالی ہے۔ تعریف کے لائق ہے۔

کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ آسان اور عام فہم کیا جائے، خصوصاً اعلام کی پہچان کے لیے دیگر مفید کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ پھر بھی ہم ہر اس شخص کے شکرگزار رہوں گے جو غلطیوں پر مطلع فرمائے۔ تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اسے درست کیا جا سکے۔

محمد فرحان

مصنف کتاب

احمد حسن الزیات (1885-1968ء)

(1302-1388ھ)

مجلۃ الرسالۃ کے مدیر و کار پرداز سرآمد روزگار ادباء میں سے ہیں۔ مصر کے گاؤں کفر دیرہ القدیم میں پیدا ہوئے جو طلخا کے علاقے میں واقع ہے۔ بارہ برس کی عمر میں جامعۃ الازہر میں داخلہ حاصل کیا مگر سندِ تکمیل حاصل کرنے سے قبل ہی پڑھائی کو خیر باد کہہ دیا۔ اور مقامی طور پر تدریس شروع کی۔ چنانچہ مدرسۃ الفریر میں سات سال تک عربی پڑھائی۔ اور کچھ عرصہ قاہرہ میں فرانسیسی کالج میں تعلیم حاصل کی۔ امیریکن کالج قاہرہ میں ۱۹۲۲ء میں ادب عربی کی تدریس کی۔ بعد ازاں دار المطمین بغداد میں تعلیم دی یہ ۱۹۲۹ء کا واقعہ ہے۔ یہاں تین برس کے دوران اپنی کتاب ''العراق کما عرفة'' لکھی۔ لیکن یہ مسودہ ہی نذر آتش ہو گیا اور چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔ پھر مصنف قاہرہ لوٹ آئے اور مجلّہ ''الرسالۃ'' جاری کیا۔ جو ۱۹۳۳ء سے ۱۹۵۳ء تک پابندی سے چھپتا رہا۔ اس کے بعد ''الروایۃ'' شروع کیا لیکن پھر دونوں کو بند کر دیا۔ اب مصنف مجمع اللغة العربية قاہرہ کے رکن منتخب ہوئے اور المجلس الاعلیٰ للآداب والفنون کے عہدیدار بنائے گئے۔ اس سے پہلے موصوف مجمع العلمی العربی دمشق کے رکن رکین رہے تھے۔ اپنی کامیابیوں کا سفر جاری رکھتے ہوئے انہوں نے ۱۹۶۲ء میں ''جائزة الدوالة التقديريه'' کا گراں قدر انعام حاصل کیا۔ پھر ۱۹۶۳ء میں رسالہ دوبارہ جاری کیا لیکن اب اس کی پہلے کی سی شان نہ تھی لہٰذا جلد ہی بند ہو گیا۔ اور مصنف نے کل وقتی خدمت کے طور پر ''مجلۃ الازھر'' کے لکھاری کی حیثیت سے ۱۳۷۲ھ سے ۱۳۷۴ھ تک کا عرصہ گزارا۔ قاہرہ میں وفات پائی اور اپنے آبائی علاقے میں مدفون ہوئے۔

مصنف کی اولین شہرت اسی زیر نظر کتاب ''تاریخ الادب العربی'' کے باعث ہوئی۔ بعد ازاں ''دفاع فن البلاغه'' چھپی۔ دیگر تصانیف میں ''حی الرسالۃ'' ۳ جلد، فی اصول الادب، فی ضوء الرسالہ، آلام فرتر (فرانسیسی سے ترجمہ) اور روفائیل (یہ بھی فرانسیسی سے ترجمہ ہے) وغیرہ شامل ہیں۔ مصنف طبعی طور پر رقیق القلب تھے اور عربی ادباء میں سے اچھوتے اور مؤثر اسلوب کے مالک تھے۔

سید جمال الدین آلوسی نے ان کے بارے میں ''ادب الزیات فی العراق'' نامی کتاب لکھی ہے جو چھپ چکی ہے۔

مُقدّمہ

ادب:

کسی زبان کا ادب اس کے شعراء اور مصنفین کا وہ انوکھا اور نادر کلام ہوتا ہے جس میں نازک خیالات اور باریک معانی و مطالب کی ترجمانی کی گئی ہو اور جو نفس انسانی میں شائستگی، افکار و خیالات میں وسعت، زبان میں سلاست پیدا کرے۔ اور کبھی ادب کا اطلاق ان تصانیف پر بھی ہوتا ہے جو اس زبان کی علمی یا ادبی تحقیق کا نتیجہ ہوں۔ اس اعتبار سے لفظ ادب ان تمام تصانیف کو اپنے اندر سمو لیتا ہے جو محقق علماء کے انکشافات، مصنفوں کے افکار، شاعروں کے اچھوتے تخیلات پر مشتمل ہوں۔

اور عربی ادب دنیا کی باقی ساری زبانوں کے ادب سے زیادہ مالدار ہے کیونکہ اس ادب کی ابتداء پیدائش انسانی سے ہوتی ہے اور انتہاء عربی تمدن کے ختم ہونے پر ہوگی۔ قبیلہ مضر کی یہ زبان اسلام پھیل جانے کے بعد صرف ایک قبیلہ کی زبان نہ رہی بلکہ ان تمام اقوام عالم کی زبان بن گئی جو وقتاً فوقتاً اسلام قبول کرتے رہے یا اس کے زیر نگیں ہوتے رہے اور یہ اقوام بھی اپنی زبانوں کے اسرار و غوامض، نادر معانی و مطالب، انوکھے خیالات کا اس زبان میں اضافہ کرتی رہیں پھر یہی زبان آگے چل کر اطراف عالم میں پھیلی اور دین و ادب، تمدن اور علم کی حامل ہوئی اور اس نے اپنے مقابلے میں آنے والی ہر زبان کو زیر کر دیا، اس طرح اس زبان نے یونانیوں، ایرانیوں، یہودیوں، ہنود، حبشیوں کے قدیمی علوم و آداب اپنی گود میں لے لئے اور ان درمیانی صدیوں میں زمانہ کی سخت گردش کے باوجود بخیر و خوبی محفوظ رہی اور اس دوران اپنے اردگرد بہت سی زبانوں کو تباہ و برباد ہوتے دیکھا مگر یہ بہادری کے ساتھ تمام مذہبی فلسفوں اور ادبی افکار و خیالات کو اپنے اندر جمع کرتے ہوئے سربلند کئے کھڑی رہی۔ دوسری قوموں کی زبانیں اس کے آگے نالوں، ندیوں اور نہروں کی حیثیت رکھتی ہیں کہ جو مختلف جگہوں پر پھیلے ہوئے ہونے کے باوجود ایک ہی سمندر میں گرتی ہیں اور وہ سمندر عربی زبان ہے۔

ادب کی تاریخ:

کسی زبان کے ادب کی تاریخ وہ علم کہلاتا ہے جس میں اس زبان کے متفرق ادوار اور مختلف زمانوں میں شعراء اور ادباء کی نظم و نثر کی خدمت، اور اس کی ترقی و تباہی کے اسباب کے بارے میں بحث ہو۔ اس ضمن میں اس زبان کے مشہور مصنفین اور بلند پایہ ادباء و شعراء کے حالات کا تذکرہ ان کی تصنیفات پر نقد و تبصرہ اور ان کا فکر و فن اور اسلوب نگارش میں باہمی تاثر بیان کیا جاتا ہے۔

تاریخ ادب کی یہ تعریف جدید اور خاص معنی کے اعتبار سے ہے ورنہ عام طور سے اس کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ زمانہ کے تسلسل کو مدنظر رکھتے ہوئے ان چیزوں کا بیان جو اوراق یا کتب میں مدون ہوں یا جو پتھروں پر کندہ کیا گیا ہو جس سے کسی جذبہ و خیال

کا اظہار یا کسی علم وفن کی تعلیم یا کسی حادثہ وسانحہ کی یاد کو ہمیشہ کے لیے باقی رکھنا مقصود ہو۔اس تعریف میں بلند پایہ علماء وحکماء مصنفین و مفکرین کے حالات ان کے طبعی رجحانات، مذاہب وعقائد اوران کی فنی قابلیت ومنزلت کا ذکر بھی داخل ہے تا کہ اس سے تمام علوم و فنون کی ترقی وانحطاط ظاہر ہو سکے۔

تاریخ ادب کا فائدہ:

کسی قوم کی بقاء وحیات میں اس کی تاریخ ادب کا بہت بڑا کردار ہوتا ہے کیونکہ زبان اوراس کا وہ مواد جو عقل وفکر کی کاوشوں سے حاصل ہوا ہوان کی حفاظت ان ظاہری بنیادی قوتوں میں سے ایک قوت ہے جس پر کسی قوم کی یک جہتی، سربلندی اور فخر وشرف کا دار و مدار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی قوم کواس کے موروثی علم وادب کے ذخیروں سے محروم کر دیا جائے اور ان کو قومی اور ادبی روش سے ہٹا دیا جائے تو لازمی طور پر وہ اپنے قومی خصائص اور امتیازات کھو بیٹھے گی اوراس کی وحدت کا شیرازہ بکھر جائے گا اور وہ عقلی غلامی کا شکار ہو جائے گی جو کہ سیاسی غلامی سے بہت بدتر ہے کیونکہ جسمانی غلامی کا علاج تو ممکن ہے اوراس سے شفاء کی امید کی جاسکتی ہے لیکن روحانی غلامی قومیت کی ایسی موت ہے کہ جس کی دوا کسی طبیب کے پاس بھی نہیں۔

تاریخ ادب کی تقسیم:

ہر قوم کی ادبی تاریخ اس کی سیاسی اور اجتماعی تاریخ سے منسلک ہوتی ہے بلکہ اگر کہا جائے کہ یہ دونوں باہم لازم ملزوم، ایک دوسرے کی معاون اور ایک دوسری پر اثر انداز ہوتی ہیں تو کچھ مبالغہ نہ ہوگا لیکن ان میں فرق صرف اتنا ہے کہ ادبی تاریخ، سیاسی اور اجتماعی تاریخ سے اس طرح پہلے ہوتی ہے جس طرح عمل سے پہلے اس کی فکر اور ارادہ۔ تمام سیاسی انقلابات اور اجتماعی کوششیں اس ذہنی انقلاب کا نتیجہ ہوتی ہیں جو پہلے پہل شاعروں کی زبانوں اور علماء کے زورِ قلم سے ظاہر ہوتا ہے ان کی حساس اور پاکیزہ طبیعتوں کی وجہ سے۔ پھر ان کا یہ تاثر تقریر وتحریر کے ذریعہ عوام میں پھیلتا ہے اور ایک انقلاب برپا کر دیتا ہے۔

اسی لیے ہم بھی دیگر مصنفین کی طرح اپنے تاریخ ادب کو ان ہی پانچ زمانوں میں تقسیم کرتے ہیں جن کے مطابق عربی اور اسلامی اقوام میں سیاسی اور اجتماعی انقلابات رونما ہوئے:

① **دور جاهلی:** یہ دور پانچویں صدی عیسوی کے نصف سے شروع ہوتا ہے جب عدنانیوں نے یمنیوں سے خودمختاری حاصل کی اور سن ۶۲۲ عیسوی ابتدائے اسلام پر ختم ہو جاتا ہے۔

② **صدر اسلام اور اموی حکومت:** یہ دور ابتدائے اسلام سے شروع ہوتا ہے اور سن ۱۳۲ ہجری میں عباسی حکومت کے قیام پر ختم ہوتا ہے۔

③ **دور عباسی:** یہ دور عباسیوں کی حکومت کی ابتداء سے شروع ہوتا ہے اور سن ۶۵۶ ہجری میں جب بغداد پر تاتاریوں کا قبضہ ہوا اس پر ختم ہوتا ہے۔

④ **دور ترکی:** بغداد پر تاتاریوں کے قبضہ سے شروع ہوتا ہے اور سن ۱۲۲۰ ہجری میں انقلابی تحریک شروع ہونے پر ختم ہوتا ہے۔

⑤ **دور حاضر:** محمد علی پاشا کے مصر کا حاکم بننے سے اس کی ابتداء ہوتی ہے اور اب تک یہی دور جاری ہے۔

عرب آبادیاں، ان کے طبقات اور مشہور قبائل:

عرب وہ قوم ہے جس کو مؤرخین اپنی اصطلاح میں سامی قوم کہتے ہیں (سام بن نوح کی اولاد) جو بابلیوں، اشوریوں، عبرانیوں، فینیقیوں، آرامیوں، اور حبشیوں پر مشتمل ہے۔ اور اصل میں یہ سب قومیں ایک ہی جڑ سے پھوٹی ہیں، جہاں انہوں نے ابتدائی پرورش پائی اور متفرق مقامات پر پھیل گئیں وہ اصل اور جڑ کون سی جگہ تھی اس کی تعیین میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ اس اختلاف کے باوجود اس بات کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ یہ قومیں بہت قدیم زمانے ہی میں منتشر ہو گئی تھیں چنانچہ بابلیوں اور اشوریوں نے عراق کو جائے مسکن بنایا اور فینیقیوں نے شام کا ساحلی علاقہ آباد کیا، عبرانیوں نے فلسطین میں رہائش اختیار کی اور حبشیوں نے حبشہ میں۔
عرب ایک جزیرہ نما ہے جو براعظم ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے شمال میں شام سے اس کی حدیں ملتی ہیں مشرق میں دریائے فرات اور بحر ہند واقع ہے، اور مغرب میں بحر احمر واقع ہے۔ اس جزیرہ نما کو جبل سراۃ جو کہ یمن سے شام کی آبادیوں تک پھیلا ہوا ہے دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے: ① مغربی جانب ② مشرقی جانب۔ مغربی جانب اس پہاڑ کے دامن سے لے کر بحر احمر کے ساحل تک نشیبی جگہ ہے اسی لیے اس کو غَوْر (نشیب) کہتے ہیں اور چونکہ گرمی بھی یہاں سخت پڑتی ہے اس لیے تہامہ بھی کہتے ہیں، اور مشرقی جانب ابھرتا ہوا عراق اور سماوہ تک پھیلا ہوا ہے چونکہ یہ بلند جگہ ہے اس لیے اس کو "نجد" کہا جاتا ہے اور غور و نجد کا درمیانی علاقہ "حجاز" کہلاتا ہے اس لیے کہ یہ دونوں حصوں کے درمیان حد فاصل اور آڑ ہے۔ وہ مشرقی حصہ جو نجد کو اپنے اندر لیتا ہوا یمامہ، کویت، بحرین، عمان کو اپنے اندر شامل کرتا ہے "عروض" کہلاتا ہے، اس لیے کہ یہ یمن اور نجد کے درمیان عرضاً پھیلا ہوا ہے۔ حجاز کے ورے جو جنوبی علاقہ ہے وہ یمن کہلاتا ہے یا تو اس لیے کہ یہ کعبہ کے داہنی جانب واقع ہے یا پھر اس وجہ سے کہ یہ بابرکت ہے۔

عرب کے مذکورہ بالا علاقوں میں دو خاندان آباد ہیں قحطان اور عدنان قحطانیوں نے یمن میں رہائش اختیار کی جہاں ان کی شاندار آبادی اور روشن تمدن ظہور پذیر ہوا لیکن جب آب و ہوا موافق نہ آئی تو مختلف علاقوں میں پھیل گئے چنانچہ کہلان میں سے بنو ثعلبہ بن عمرو حجاز کی طرف چلے گئے جہاں ان کی وجہ سے یہودیوں نے یثرب پر غلبہ پالیا۔ قبیلہ اوس و خزرج انہی کی نسل سے ہیں، حارثہ بن عمرو کا قبیلہ خزاعہ حرم میں جا ٹھہرا، عمران بن عمرو عمان چلے گئے چنانچہ ازدعمان انہی کی اولاد ہے، نصر بن ازد کے قبائل نے تہامہ میں سکونت اختیار کی اور یہ ازدشنؤۃ کہلاتے ہیں، جفنہ بن عمرو کے کچھ لوگ شام میں آبسے جہاں وہ اور ان کی اولاد رہی، غساسنہ انہی میں سے ہیں، بنولخم حیرہ میں آ گئے انہی میں سے نصر بن ربیعہ ہیں جو حیرہ کے بادشاہوں (مناذرۃ یہ ان کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا) کے جدامجد تھے۔ عدنانیوں نے حجاز اور اس سے متصل بائیں جانب عراق کی سرسبز و شاداب جگہ میں رہائش اختیار کی چنانچہ ان میں سے قریشی خاندانوں نے مکہ اور اس کے گرد و نواح کو اپنا مسکن بنایا اور کنانہ کے قبائل نے تہامہ کو مسکن بنایا، ذبیان نے تیماء اور حوزان کے درمیانی علاقے میں قیام کیا، اہل ثقیف طائف میں آباد ہو گئے اور ہوازن مکہ کی مشرقی جانب، بنو اسد تیماء کی مشرقی جانب اور کوفہ کی مغربی جانب سکونت پذیر ہوئے، بنو تمیم بصرہ کے صحراؤں میں جا بسے، تغلبی قبائل نے جزیرہ فراتیہ کو اپنا مسکن بنایا اور تمام کے تمام بکر بن وائل یمامہ سے سمندر تک کی زمین میں اور سواد عراق اور ایلہ میں آباد ہو گئے۔

مؤرخین عربوں کو تین طبقات میں تقسیم کرتے ہیں:

① **بائدہ:** یہ وہ طبقہ ہے جن کے حالات نہیں ملتے اور ان کے آثار مٹ چکے ہیں تاریخ میں ان کے بارے میں چند صفحات ہی ملتے ہیں اور وہ بھی غیر واضح، نہ تو وہ (صفحات) ان کے بارے میں کیے گئے گمان کی نفی کرتے ہیں اور نہ ہی کوئی حقیقت واضح کرتے ہیں۔
اور ان کے مشہور قبائل عاد، ثمود، طسم اور جدیس ہیں، قرآن پاک میں ان کا تذکرہ اس طرح آتا ہے:

''قوم ثمود کڑک کے ذریعے ہلاک کردی گئی اور قوم عاد کو سرکش ٹھنڈی ہوا کے ذریعے ہلاک کیا گیا''۔

طسم اور جدیس کے بارے میں گمان یہ کیا جاتا ہے کہ وہ عورتوں سے متعلق کسی بے تکے واقعے میں ایک دوسرے کو ہلاک کر بیٹھے۔

② **عاربہ:** یہ وہی یمنی لوگ ہیں جو یعرب بن قحطان کی طرف منسوب ہیں جن کا ذکر توراۃ میں یارح بن یقطان کے نام سے ملتا ہے۔ عربوں کا گمان یہ ہے کہ یہی بزرگ عربی زبان کی بنیاد اور بانی ہیں انہی پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنے اشعار میں فخر کرتے ہیں:

''تم نے ہمارے بزرگ باپ یعرب سے بات کرنا سیکھی پھر تم فصیح زبان بولنے لگے اور جتھے والے ہو گئے حالانکہ پہلے تم گونگوں کی طرح بات کرتے تھے اور تم بیابانوں میں پھرنے والے چوپایوں کی طرح تھے''۔

انہی یمنی لوگوں میں حمیر کے خاندان کی مختلف شاخیں ہیں۔ ان میں مشہور زید الجمہور، قضاعۃ اور سکاسک ہیں، اسی طرح کہلان کی شاخیں ہیں، جن میں مشہور ہمدان، طیٔ، مذحج، کندہ اور لخم ہیں لخم کی اولاد میں سے بنو المنذر حیرہ میں، ازد اور ازد سے اوس خزرج مدینہ میں، غساسنہ شام میں رہائش پذیر ہوئے۔ یمن پر حمیر کی حکومت تھی اور انہیں میں بادشاہ اور رؤساء ہوئے۔

③ **مُستعربہ:** یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں جو حجاز میں انیسویں صدی قبل مسیح کے قریب آکر ٹھہرے پھر جرہم بادشاہوں سے دامادی رشتہ قائم کیا ان کی بہت اولادیں ہوئیں جو زمانے کی تاریکیوں میں ایسے گم ہوئے کہ تاریخ تحقیقی طور پر ان میں سے صرف عدنان ہی کا تعارف پیش کرتی ہے چنانچہ عربی نسل کی صحیح کڑی انہی پر ختم ہوتی ہے۔ اس طبقہ کے مشہور قبائل ربیعہ، مضر، انمار اور ایاد ہیں۔ ربیعہ سے عبد القیس اور عبد القیس سے وائل کے بیٹے بکر اور تغلب کا سلسلہ شروع ہوا۔ مضر سے قیس عیلان اور یاس بن مضر کے مختلف قبائل پھیلے۔ قیس عیلان سے جاری ہونے والے خاندان کی شاخوں میں ہوازن اور غطفان ہیں۔ غطفان سے بغیض کے بیٹے عبس اور ذبیان کا سلسلہ جاری ہوا۔ رہی یاس کی اولاد تو وہ متفرق طور پر پھیل گئے۔ ان میں تمیم بن مضر کی مختلف شاخیں، ہذیل بن مدرکہ، بنو اسد بن خزیمہ اور کنانہ بن خزیمہ کی اولاد ہوئی۔ پھر کنانہ سے قریش کا خاندان شروع ہوا، اور مختلف شاخوں میں تقسیم ہوتا چلا جاتا ہے۔ انہی میں جمح، سہم، مخزوم، اور ہاشم پیدا ہوئے اور ہاشم سے عبد المطلب پیدا ہوئے اور عبد المطلب کے دس بیٹے ہوئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد عبد اللہ، ابو طالب، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد ہیں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔ علوی لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں اور عباسی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف۔ رہے اموی خاندان تو وہ بنو ہاشم سے نہیں ہیں۔
بنو ہاشم ہی وہ طبقہ ہے جنہیں عربی زبان میں فضیلت حاصل ہے اور ادب و بیان اور دین میں انہی کی طرف رجوع ہوتا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عربوں کے اجتماعی، سیاسی، دینی اور عقلی احوال:

یقینی طور پر کسی بھی علاقے کے باشندوں پر اس علاقے کی آب و ہوا کا طبعی طور پر کافی اثر پڑتا ہے، پس یہی آب و ہوا ان کے

معاشی ذرائع اور اجتماعی زندگی میں مؤثر ہوتی ہے اور ان کے اخلاق اور طبیعتیں اسی کے مطابق ہوتی ہیں۔ عرب کا علاقہ جزیرہ کی مانند ہے جو خشک ہے، بارش اور چشموں کی قلت ہے اسی وجہ سے یہ علاقہ کھیتی باڑی کے قابل نہیں اور نہ ہی شہری زندگی کے لیے مناسب، اسی وجہ سے یہاں کے باشندے فطرت کے مطابق دیہاتی لوگوں کی طرح خیموں میں زندگی گزارتے اور جانوروں کو چرا کر گزر بسر کرتے، ان کا گوشت اور دودھ استعمال کرتے، اور ان کی اون اور بالوں سے اپنا لباس تیار کرتے تھے بارانی علاقوں اور سرسبز چراگاہوں کو تلاش کرتے اور وہاں اپنے جانوروں کو چرایا کرتے وہاں کے ندی نالوں اور پتھریلی جگہوں پر اپنے جانوروں کو گھمایا پھرایا کرتے تھے، مگر قریش خانہ کعبہ کے انتظامات کی وجہ سے شہری زندگی ہی گزارتے تھے اور ان کو یمن اور شام کے قافلوں کے آنے جانے سے ہر طرح کا امن اور سکون حاصل تھا، اسی طرح قحطانی لوگ بھی شہری زندگی گزارتے تھے کیوں کہ ان کے علاقے سرسبز اور بارانی زمینوں پر مشتمل تھے ان کے ہاں پھل واناج کی کثرت تھی، جب بارش نہ ہوتی اور زمین قحط زدہ ہو جاتی تو ان میں سے بعض بعض پر ٹوٹ پڑتے اور ایک دوسرے کا مال لوٹ لیتے، اس وجہ سے ان کے دل فاسد ہو چکے تھے، ان میں مستقل جنگ، بدامنی اور نفرتیں پھیل چکی تھیں، لڑائی اور قحط سالی ہی ان کی زندگی میں اہم تصور کی جاتی تھیں اسی وجہ سے وہ لوگ بہادری اور سخاوت کی تعریف کرتے اور زبان اور فصاحت پر فخر کرتے تھے لڑکوں کو پسند کرتے اور لڑکیوں کو زندہ در گور کر دیتے تھے جماعت و جتھے کی کثرت انھیں محبوب تھی، اور رشتہ داریوں کی مضبوطی اور پیوستگی کو فخر سمجھتے تھے۔

ان لوگوں پر سفر اور خانہ بدوشی کی زندگی کو پسند کرنے اور لڑائی جھگڑوں میں منہمک رہنے کی وجہ سے آزادانہ زندگی، تعصب اور وحشی پن غالب آچکا تھا، اسی وجہ سے نہ تو ان کا کوئی اجتماعی طور طریقہ تھا، نہ حکومت، نہ لشکری نظام تھا اور نہ کوئی دینی فلسفہ، ان کے پاس کوئی بڑا سماجی تصور نہ تھا ہر گھر اور قبیلہ الگ طور پر ایک سماج بنا ہوا تھا، قبائل کے سرداروں کو حکومت وراثت میں ملتی تھی اور وہ اپنے دستور کے مطابق فیصلے کرتے تھے، ان کی حکومت کا طور طریقہ یونانیوں کے خاندانی نظام حکومت کی طرح نہ تھا اور نہ ہی مصر اور فارس کی شاہی حکومت سے ملتا تھا، اتنی بات ضرور ہے کہ حیرہ اور شام کے علاقوں میں بادشاہ ہوتے جو تاجدار ہوتے تھے، لیکن وہ کوئی مستقل جدا حیثیت نہ رکھتے تھے۔ حیرہ میں لخمی خاندان ایرانی بادشاہوں کے ماتحت ہوتا اور شام میں غسانی رومی بادشاہوں کے ماتحت ہوتے اسی وجہ سے شہری تمدن، رائے عامہ، خاندانی حکومت، جمہوریت اور جاگیرداری نظام کی وضاحت کے لیے ان کے ہاں الفاظ نہ تھے اور نہ ہی سماجی حکومتوں میں ان کا کوئی تصور تھا۔ لشکری نظام اسلام کے آنے کے بعد بھی پوری طرح منظم اور جم نہ سکا، اس کی وجہ یہ تھی کہ فوجی نظام کی بنیاد دو چیزوں پر ہے ایک تو ماتحتی اور دوسری اپنی انفرادی حیثیت کو چھوڑنا، یہ دونوں چیزیں عرب قوم کی طبیعت کے موافق نہ تھیں۔ اور دین بے تکلفی، سادگی اور عیش و عشرت سے نکلنے کا نام تھا (جو ان میں نہ تھیں) اسی وجہ سے یونانیوں کی طرح ان میں کثرت خداؤں کا تصور نہ تھا اور نہ بڑی بڑی عبادت گاہوں کا رواج نہ وہ بڑے بڑے مجسمے بناتے اور نہ ان کے ہاں کہانیوں کی کثرت ہوتی اسی طرح کسی دینی فلسفہ وعقائد سے بھی خالی تھے، دین ابراہیمی کے جو کچھ آثار باقی تھے وہ بھی لمبا عرصہ گزر جانے کی وجہ سے خراب ہو چکے تھے، اسی وجہ سے ان کے دل بت پرستی اور ان کی تعظیم کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ وہ کعبہ میں بتوں کو رکھتے اور گمان کرتے تھے کہ ان کے ذریعے اللہ کا تقرب حاصل ہوگا، یہی بت پرستی اکثر عربوں کا مذہب بن چکی تھی، باقی کچھ تو یہودیت کو اختیار کیے ہوتے جو

یمن، یثرب اور خیبر و تیماء کے علاقوں میں تھے اور کچھ عسائیت پر قائم تھے جو نجران، حیرہ اور شام میں طیٔ وغساسنہ کے قبائل میں آباد تھے۔

رہا ان کا خاندانی نظام جو کسی قبیلہ میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے تو اس کی مشابہت موجودہ مصر کے دیہاتی خاندانوں سے زیادہ ہے جو والدین، اولاد، پوتوں، پوتیوں اور غلاموں پر مشتمل ہوتا تھا، والد کو اپنے گھر والوں پر مکمل اختیار حاصل ہوتا تھا، اہل خانہ کی زندگی، موت، ان میں سے کسی کو بیچ دینا اور اپنے ہی نطفے سے پیدا شدہ حمل کی نفی کر دینا سب کا مالک ہوتا۔ بسا اوقات فقر کے خوف سے اپنی بیٹی کو زندہ دفن کر دینا، اور اپنی باندی سے ہونے والی اولاد کی عار کے خوف سے نفی کر دینا۔ خاندان میں شوہر کے بعد بیوی کا دوسرا درجہ تھا، شوہر اس کا احترام کرتا اور اپنے کاموں میں اس کو شریک کرتا اور اپنے اشعار میں اس کا نام لیتا۔ بیٹا جس طرح باپ کی طرف منسوب ہونے پر فخر محسوس کرتا اسی طرح ماں کی طرف نسبت کو بھی قابل فخر سمجھتا۔ عام طور پر مرد و عورت کے باہمی تعلق کا ذریعہ شادی ہی تھی جس میں صرف مرد کو طلاق کا حق حاصل ہوتا جب تک کہ عقد میں اس کے خلاف کوئی شرط نہ لگائی گئی ہو۔ شادی کے علاوہ کچھ اور طریقے بھی تھے جن سے مرد و عورت باہمی تعلق استوار کرتے لیکن ان کی زیادہ تر مشابہت زنا کے ساتھ تھی اور اس قسم کے طریقے بدمعاش نوجوان ہی اختیار کرتے۔ انہی طریقوں میں سے ایک بذریعہ تلوار کسی عورت پر قبضہ کر لینا تھا اس کی صورت یہ ہوتی کہ کوئی ایسا آدمی جو نہ تو ان کے قبیلے کا ہو اور نہ ہی حلیف قبائل میں سے ہو جب ان کو ملتا اور اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی ہوتی تو یہ اس آدمی سے قتال کرتا، پھر جب اس پر غالب آ جاتا تو اس کی عورت کو اس سے چھین کر اپنی بیوی بنا لیتا۔ ان کے ہاں بغیر کسی عدد معین کے کئی کئی شادیاں کرنے کا رواج تھا اور اپنے والد کی بیوی سے نکاح کو حلال سمجھتے البتہ بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ سے عقد کو حرام ہی سمجھتے۔ بہرحال ایک خاندان کا اپنے قبیلے والوں سے تعلق زمانہ جاہلیت کے اس مقولہ کا مصداق ہوتا کہ اپنے بھائی کا ساتھ دو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، امداد باہمی کا یہ سلسلہ جاری رہتا باوجودیکہ چچازاد بھائیوں میں حسد اور کینہ بھی ہوتا، لیکن ہر فرد پورے قبیلے کی حمایت میں اور پورا قبیلہ ایک فرد کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوتا۔

اور ان کا علمی مقام یہ تھا کہ یمن میں تبابعہ اور شمال میں مناذرۃ اور غساسنہ بعض علوم کے حامل تھے جن کی نشاندہی اس سے ہوتی ہے کہ انہوں نے ڈیم بنائے، زمینوں کو آباد کیا، شہروں کو بسایا لیکن ان کی ترقی کی حد اور ان کے علوم کی حقیقت زمین میں مدفون ایک پوشیدہ راز ہی رہے گی یہاں تک کہ کچھ عرصہ میں آثارِ قدیمہ کی کھود کرید اس راز پر سے پردے ہٹا دے۔

رہے عدنانیین تو ان کو ان کی قوت ملاحظہ، کثیر تجربات اور حاجات نے کچھ علوم سکھا دیئے تھے جن کی بنیاد تجربہ، تتبع، تلاش اور وہم پر تھی، چنانچہ جنگ و قتال میں اشتغال کی وجہ سے انہوں نے علم طب، گھوڑوں اور اونٹوں وغیرہ کا علاج معالجہ اور شہسواری سیکھ لی تھی، اسی طرح انہوں نے ستاروں کے طلوع اور غروب اور ہواؤں میں بھی غور و فکر کیا جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ان کی حاجات گھاس دانہ اور بارش سے متعلق تھیں اور دوسرے یہ کہ وہ ان ستاروں کے ذریعے سے خشکی اور سمندر میں راستوں کا پتہ لگاتے تھے۔ اور انہوں نے انساب، قصہ گوئی اور اشعار میں مہارت حاصل کی تا کہ ان کا قومی تعصب محفوظ رہے اور قابل فخر باتوں کو بیان کرتے رہیں اور ان کے آثار حمیدہ ہمیشہ ورد زباں رہیں، انہوں نے فراست اور کھوج لگانے میں ید طولیٰ حاصل کیا تا کہ ان میں موجود نسب کا پتہ معلوم ہو

سکے اور بھاگنے والے کو اس کے نشان قدم سے پکڑ سکیں۔ پھر روحانی پہلو سے ان کے اندر کہانت، عرافہ اور زجر کا اعتقاد پیدا ہوا چنانچہ وہ اپنی بیماریوں کے علاج کے لیے کاہنوں کے پاس جاتے اور اپنی حاجات و اغراض میں گذشتہ زمانے کے حالات وواقعات کے ماہرین کے پاس جاتے حتیٰ کہ اسلام نے آ کر ان سب توہمات کو مٹا دیا۔

مختصر یہ کہ عربوں کی اجتماعی زندگی ایک قبیلہ سے باہر سیاسی، اقتصادی اور زبان کے اعتبار سے تو مختلف تھی لیکن باعتبار شکل و صورت، ذہنیت اور ادب کے ان میں آپس میں ایک ربط موجود تھا۔ اور اگر ہمارے لیے اس بات کی گنجائش ہو کہ ہم عربوں کے بارے میں ان کی زبان و ادب کے لحاظ سے کوئی رائے قائم کریں تو بلاشبہ ہمیں ان میں بڑی بلند شخصیات، بصیرت رکھنے والے ذہن، حالات کی خوب خبر رکھنے والے تجربہ کار لوگ اور وسیع علم رکھنے والے لوگ ملتے ہیں، جنہوں نے ان میں سے اکثر صفات کو اپنی عالی طبیعتوں اور باہمی تجربات کے نتیجے میں حاصل کیا ہے، اس لیے کہ ان کی زبان نے، جو ان کی اجتماعیت کی صورت اور سبب ہے، کسی ایسے معنیٰ کو نہیں چھوڑا جس کا تعلق روح، فکر، جسم، گروہ، زمین، آسمان اور اس کے مابین کسی چیز سے ہو مگر یہ زبان ان تمام معانی کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ان تمام معانی کے اجزاء اس میں مرتب طور پر موجود ہیں۔ اور کسی لفظ کا کسی شے کے لیے وضع کیا جانا یہ اس شے کی موجودگی اور اس کے علم کی دلیل ہوتی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی زبان کا مہذب ہو جانا اس اجتماعی وقومی تمدن کے بعد ہی ہوتا ہے جو اس زبان کی تہذیب کی حقیقت پر غالب ہوتا ہے اگرچہ اس مہذب زبان کی شکل پر حاوی نہ ہو اور یہ تہذیب لغوی ایک عام اثر رکھتا ہے اگرچہ اہل زبان میں اتنی عمومیت اس کو حاصل نہ ہو۔

پہلا باب

زمانہ جاہلیت

فصل اوّل

عربی زبان کی ابتداء

عربی زبان سامی زبانوں میں سے ایک زبان ہے، عربی زبان اور تمام سامی زبانیں ایک ہی علاقے کی پیداوار ہیں جہاں سے یہ نکلیں ہیں۔ جب آبادی کی کثرت کی وجہ سے سامی لوگ اپنے علاقے سے نکلے تو ایک دوسرے سے جدا ہونے اور دوسری اقوام کے ساتھ ملنے کی وجہ سے ان کی زبانیں بدل گئیں۔ اور ماحول کے اثر، طویل زمانے کے گزر جانے اور تعلق کے منقطع ہونے کی وجہ سے اس تبدیلی میں اور اضافہ ہوا یہاں تک کہ ہر لہجہ ایک مستقل زبان اختیار کر گیا۔

کہا جاتا ہے کہ قرن وسطیٰ میں یہود کے علماء نے سامی زبانوں کے مابین تعلق اور مشابہت کو جان لیا تھا لیکن یورپ کے علماء متشرقین نے سامی زبانوں کے مابین تعلق کو نصوص و دلائل سے ثابت کیا یہاں تک کہ انہوں نے اسے ایک ایسی علمی حقیقت بنا دیا جس میں کوئی شک وشبہ نہیں رہا۔ علماءِ لغت نے جس طرح آریائی زبان کو تین حصوں میں تقسیم کیا یعنی لاطینی، یونانی اور سنسکرت، اسی طرح سامی زبانوں کو بھی تین طبقات میں تقسیم کیا:

① آرامی ② کنعانی ③ عربی۔

آرامی زبان کلدانی، اشوری اور سریانی زبانوں کی اصل ہے اور کنعانی زبان عبرانی اور فینقی کا سرچشمہ ہے اور عربی مضر قبیلہ کی فصیح زبان اور ان مختلف زبانوں پر مشتمل تھی جنہیں یمن اور حبشہ کے قبائل بولتے تھے۔ غالب گمان یہ ہے کہ عربی زبان بنسبت دوسری زبانوں کے اپنی اصل سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے کیونکہ یہ زمانے سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے اس تغیر وتبدل سے محفوظ رہی جو احوال کی تبدیلی سے دوسری زبانوں کو لاحق ہوا۔

عربی زبان کب وجود میں آئی، اس بات کو تلاش کرنا اب کسی کے بس کی بات نہیں تاریخ میں اس کے احوال اسی وقت ملتے ہیں جب یہ پورے جوبن پر تھی اس بارے میں پرانے کتبوں وغیرہ سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوا جو جزیرہ عرب سے نکالے گئے، البتہ وہ احوال جن کی وجہ سے زبان کے لہجوں میں وحدانیت پیدا ہوئی اور اس کے الفاظ مہذب ہوئے، وہ عقلی اور نقلی دلیلوں سے معلوم ہوسکتے ہیں۔ اصل میں عرب لوگ ان پڑھ قوم تھی تجارت، حکومت اور دین میں سے کوئی چیز ان کے درمیان ربط پیدا نہ کر سکی، چنانچہ وہ ایک شی کے کئی نام وضع کرتے، اور خانہ بدوشی کی زندگی گزارنے، الگ تھلگ رہنے اور گھل مل کر رہنے نے ان کی زبان میں خلل پیدا کر دیا، مترادف الفاظ کی کثرت ہوگئی، معرب، مبنی اور تعلیل کی وجہ سے لہجوں کا اختلاف مزید بڑھتا گیا، اور مزید اختلاف حروف کی ادائگی میں لاپرواہیوں کی وجہ سے پیدا ہوا، جیسے قضاعہ کا عجعجہ، حمیر قبیلے کا طمطمانیہ، ہذیل کا فحفحہ، تمیم کا عنعنہ، اسد قبیلے کا کشکشہ اور طئی کا قطعہ وغیرہ۔

ان تمام باتوں نے زبانوں کے مابین اسی قدر بعد پیدا کر دیا کہ قریب ہی تھا کہ ایک زبان کئی مختلف زبانوں میں تقسیم ہو جائے اور ہر ایک کی اصل بھی جدا جدا محسوس ہونے لگے۔

عربی زبانیں متعدد اور مختلف ہونے کی بناء پر دو بنیادی زبانوں میں تقسیم ہوتی ہیں: (۱) شمالی عربی۔ (۲) جنوبی عربی۔

دونوں زبانوں کے اعراب، ضمائر، صرف اور اشتقاق کے احوال میں بہت فرق ہے، حتی کہ ابو عمرو بن علاء نے یہاں تک کہہ دیا کہ "حمیر کی زبان ہماری زبان نہیں اور ان کی لغت ہماری لغت نہیں"۔ اس اختلاف کے باوجود یہ کہنا مشکل ہے کہ ایک زبان دوسری سے بالکل تعلق واسطہ نہیں رکھتی۔ غلازر الالمانی کی تحقیق کے مطابق جب ۴۴۷ء میں سیلاب آیا تو قحطانی قوم نے اپنے علاقوں سے نقل مکانی شروع کی اور جزیرہ عرب کے شمال میں رہنے لگے، انھوں نے اس بات کی کوشش کی کہ وہ اپنے مال اور ترقی کے بل بوتے پر جس طرح یمن میں عدنانیوں کو اپنے ماتحت کر چکے تھے اسی طرح عراق اور شام میں بھی انہیں اپنے ماتحت بنائیں، اسی وجہ سے دونوں فریقوں کے مابین سیاسی اور تجارتی تعلقات قائم ہوئے جس سے ان کے الفاظ میں قربت بڑھنے لگی اور لہجے ایک دوسرے سے ملنے لگے لیکن پھر بھی کوئی ایک جماعت دوسری پر غالب نہ آ سکی کیونکہ دونوں کو ایک دوسرے پر جزوی برتری حاصل تھی، قحطانی قوت میں زیادہ تھے اور عدنانی لوگ صحراء پر قابض تھے، زمانہ اسی حال میں رہا یہاں تک کہ چھٹی صدی عیسوی شروع ہوئی حمیر قوم کی حکومت کا زوال شروع ہوا اور یہ زوال کبھی یمن پر حبشیوں کی حکومت کی وجہ سے بڑھتا گیا اور کبھی ایرانیوں کی حکومت کی وجہ سے۔ جبکہ عدنانی قوم کے احوال اس کے برعکس تھے انہیں بازاروں اور حج بیت اللہ کی فضیلت، حمیر قوم اور ایرانیوں سے مقابلہ اور روم اور حبشہ سے جنگ اور تجارت کے سلسلے میں تعلقات کی وجہ سے لڑائی، محبت اور اجتماعیت وخود مختاری کے اسباب مہیا تھے، انہوں نے اپنی زبان اور ادب کو، مغلوب اور بے قدر حمیر قوم پر غالب کر دیا۔ پھر جب اسلام آیا تو اس نے جنوبی لہجوں اور یمنی قومیت کے خاتمے کے لیے گذشتہ عوامل کو مزید تقویت پہنچائی یہاں تک کہ حمیر قوم کی زبان، ادب اور احوال ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئے۔

صرف یہ بات نہیں ہوئی کہ شمالی زبانیں جنوبی زبانوں پر غالب آ گئیں بلکہ اس بات کی بھی کوشش کی کہ وہ تمام اثرات جو جہالت، کمینگی اور زبان میں اضطراب واختلاف اور مترادف کی کثرت کی خامیوں کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے ان کو بھی ختم کرے تو بلا آخر قریش کی زبان اپنی دینی، اقتصادی اور اجتماعی اسباب کی بنا پر باقی تمام زبانوں پر غالب آ گئی، ان میں سے کچھ چیدہ چیدہ اسباب ہم ذکر کرتے ہیں۔

(۱) **بازار:** عرب لوگ سال کے مختلف مہینوں میں خرید وفروخت اور تجارت کی غرض سے بازار لگایا کرتے تھے اور ایک بازار سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتے رہتے تھے، جب کہیں لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے تو انسانی فطرت اس بات کی مقتضی ہوتی ہے کہ ان کے درمیان گفتگو اور تبادلہ خیال ہو، باہم اشعار اور فصاحت و بلاغت کی مجالس قائم ہوں اور اپنے اور آباء اجداد کے کارناموں کا تذکرہ کر کے ایک دوسرے پر فخر کیا جائے، ان تمام باتوں کی وجہ سے عربوں کی زبان، دین، عادات واخلاق میں ہم آہنگی پیدا ہوئی کیونکہ شاعر یا بیان کرنے والا عام فہم اور آسان الفاظ اور بہترین اسلوب استعمال کرتا تا کہ لوگ آسانی سے اس کی بات سمجھ سکیں اور وہ لوگوں کی تعریف حاصل کر سکے۔ جو لوگ ان کے اشعار سنتے تو وہ مختلف قبائل میں جا کر ان کے اشعار کو پھیلا دیتے جس سے تمام اطراف میں

ان کے اشعار اور اشعار کے ساتھ لہجہ اور طرز وفکر بھی پھیلتا چلا گیا۔

مشہور بازار عکاظ، مجنۃ اور ذوالمجاز تھے۔ اوّل الذکر بازار عربی تہذیب میں زیادہ مؤثر کردار ادا کر رہا تھا یہ بازار ذی القعدہ کی پہلی تاریخ کو شروع ہوتا اور بیس تاریخ تک چلتا رہتا عرب کے بڑے بڑے سردار و امراء، تاجر، صاحب کلام تجارت، اداء حج، قیدیوں کو چھڑانے اور مقدمات کے فیصلوں کے لیے جمع ہوتے تھے۔ ہر آدمی اپنے مقامی سطح پر لگنے والے بازار میں ہی شرکت کرتا تھا اردگرد کے دوسرے بازاروں میں شریک نہ ہوتا تھا مگر عکاظ بازار ہی ایک ایسا بازار تھا جس میں چاروں اطراف کے لوگ دور دور سے شرکت کرتے تھے۔ یہ بازار چونکہ اشہر حرم (احترام والے مہینے) میں اور حج کے مقام پر لگتا تھا اس وجہ سے اسے ایک خاص اہمیت حاصل تھی یہی اس کی ترقی اور شہرت کا راز تھا یہاں پنچائت بیٹھتی اور لوگ اپنے مقدمات کا فیصلہ کروانے کے لیے ان کے پاس آتے تھے ان پر اعتماد کرتے اور ان کی بات کو لیتے تھے جس فریق کے دلائل زیادہ واضح اور صاف ہوتے اس کے حق میں فیصلہ کیا جاتا۔

مکہ کی اہمیت اور قریش کے کاروباری احوال:

ایک زبان ہونے اور عربوں کی ترقی میں سرزمین مکہ کا بہت دخل تھا کیونکہ جنوب کی طرف ہند اور یمن سے تجارتی سامان لانے والے قافلے مکہ میں آ کر ٹھہرتے تھے اور یہ چھٹی صدی کے وسط کا زمانہ تھا۔ مکہ والے ان سے سامان خرید لیتے اور مصر و شام کے بازاروں میں لے جا کر بیچتے تھے۔ بیت اللہ کی حرمت اور قریش کے مرتبے کی وجہ سے مکہ کے تجارتی راستے پرامن تھے، قریش کے تاجر تجارتی ساز و سامان سے بھرے ہوئے قافلے پرامن طریقے سے لے کر جاتے تھے اور مختلف علاقوں اور بازاروں میں جا کر ٹھہرتے جس کی وجہ سے یہ علم وفہم میں ترقی کرتے گئے مال میں ثروت حاصل ہوگئی اور امور دنیا کو احسن انداز سے جاننے لگے۔ اس کے علاوہ مکہ تمام عربوں کے لیے ایک تجارتی منڈی کی حیثیت اختیار کر گیا ہر طرف سے لوگ پیدل اور سواریوں پر یہاں حج کی ادائیگی اور ضروریات زندگی کے سامان کو خریدنے کے لیے آتے تھے۔ قریش چونکہ مکہ کے رہنے والے اور یہاں کے سردار تھے انھیں حج کے انتظامات سنبھالنے، عکاظ بازار میں حکمران ہونے اور گرمیوں میں شام اور سردیوں میں یمن کی طرف تجارتی سفر کرنے کی وجہ سے عرب قبائل سے بہت تعلقات رکھتے تھے اور ان سے میل جول بہت تھا۔ جنوب میں حبشہ، مشرق میں ایران اور شمال میں روم والوں سے ملتے جلتے اور انھیں آسمانی کتابوں کے بارے جاننے کا موقع ملا کیونکہ یہود یثرب اور اردگرد خیبر و تیماء کے علاقوں میں آباد تھے اور عیسائی شام، نجران اور حیرہ کے علاقوں میں آباد تھے جن سے میل جول کی وجہ سے ان کی معلومات میں اضافہ ہوتا گیا، ان تمام اسباب کی وجہ سے انھیں اس بات کا موقع ملا کہ وہ لوگوں کی زبان اور سوچ وفکر کو پرکھیں چنانچہ وہ مختلف زبانوں میں اور ان کے معانی و مطالب میں غور وفکر کرتے آخر انھوں نے نئے الفاظ کو اپنی زبان میں منتقل کیا اور اپنے لیے فصیح زبان تیار کر لی جو کہ بہت میٹھی تھی اس میں بہترین اسلوب اور مواد کی کثرت تھی پھر شعراء نے اس زبان کو ہر طرف پھیلا دیا یہاں تک کہ قرآن کریم بھی اسی زبان میں نازل ہوا جس سے اس زبان کے غلبہ میں رہی ہوئی کسر بھی پوری ہوگئی۔

دوسری فصل

نثر

کلام کی جتنی بھی قسمیں ہیں ان میں سے سب سے پہلے وجود میں آنے والی قسم نثر ہے اس لیے کہ یہ آسان اور بے قید ہوتی ہے اس کے ساتھ ہی ہر کسی کی ضرورت بھی ہے۔ نثر کی دو قسمیں ہیں:

① مسجع جس کے ہر دو یا زیادہ فقروں کے آخری کلمات کو ایک وزن پر لانے کا التزام کیا جائے۔

② مرسل جس میں یہ مذکورہ التزام نہ کیا جائے بلکہ سادگی ہو۔

اور عربوں کی نثر قوت طبعی، موروثی ذہانت اور عجمیوں کے ساتھ کم میل جول کی وجہ بہت عمدہ اور شستہ تھی البتہ طبعی اسباب کی وجہ سے تلفظ اور مخارج کی ادائیگی میں اختلاف تھا مثلاً ایک حرف کو پر کرنا یا باریک کرنا حروف کو کھینچ کر بولنا ایک حرف کی جگہ دوسرا مثلاً الف لام، کی جگہ میم بولنا، عربوں کے ادب کے راویوں نے نثر کی کثیر مقدار پائے جانے کے باوجود اس کی طرف کچھ توجہ نہ کی بس صرف نثر کا وہی حصہ ہم تک پہنچا جو اپنی نفاست و بلاغت اور ایجاز کی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں میں رچ بس گیا ہو۔ جیسے ضرب الامثال، حکمت کی باتیں، وصیتیں، خطبے، قصے کہانیاں یا ایسا نثر جس میں کسی چیز کا وصف بخوبی بیان کیا گیا ہو۔

ضرب المثل:

ضرب المثل کبھی تو بات کا ایک ٹکڑا ہوتی ہے اور کبھی مستقل جملہ ہوتی ہے جو ایک خاص واقعہ میں کہی جاتی ہے لیکن پھر وہ اس کے مشابہ واقعوں پر بلا تغیر و تبدیل بولی جاتی ہے اور سننے والا اس مختصر جملہ سے پورا واقعہ سمجھ لیتا ہے۔ نثر کی یہ قسم خاص طور پر عربوں کی اجتماعی زندگی اور انفرادی حادثات کی پیداوار ہے۔ بطور نمونہ چند امثال درج ہیں:

① وَافَقَ شَنٌّ طَبَقَةً: شن (ایک مرد کا نام) کو طبقہ (ایک عورت کا نام) مل گئی یہ مثل اس صورت میں بولی جاتی ہے جب کسی کو اسی جیسا مل جائے جیسے اردو میں کہتے ہیں جیسے کو تیسا ملا۔

② لِاَمْرٍ مَّا جَدَعَ قَصِيْرٌ اَنْفَهٗ: کسی مقصد کے لیے ہی قصیر نے اپنی ناک کاٹی ہے۔ اس شخص کے لیے کہا جاتا ہے جو اپنا مطلب نکالنے کے لیے کوئی حیلہ اختیار کرے۔

③ يَدَاكَ اَوْكَتَا وَفُوْكَ نَفَخَ: تیرے اپنے ہاتھوں نے باندھا ہے اور تیرے منہ نے پھونک ماری ہے۔ اس شخص کے لیے کہا جاتا ہے جو اپنی کوتاہی اور لاابالی پن کی وجہ سے نقصان اٹھائے۔

علماء نے اس قسم کی ضرب الامثال جمع کیں ہیں اور ان کی شرحیں بھی لکھی ہیں چنانچہ اس فن میں سب سے مشہور کتاب علامہ میدانی رحمۃ اللہ علیہ کی مجمع الامثال ہے جو انہوں نے تقریباً پچاس کتابوں سے لکھی ہے، اس میں حروف تہجی کے اعتبار سے امثال کو ذکر کیا ہے تمام مشہور قدیم ضرب الامثال اس میں موجود ہیں۔ علامہ میدانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سن ۵۱۸ ہجری میں ہوئی۔

حکیمانہ مقولے:

حکیمانہ مقولہ وہ دانشمندی کی بات کہلاتی ہے جو عمدہ ہونے کے ساتھ ساتھ حقیقت کے مطابق اور ضرورت سے زائد الفاظ سے خالی ہو یہ عموماً تجربہ کاری، دانائی اور وسیع واقفیت کا نتیجہ ہوتی ہے۔

چند مقولے ذیل میں درج ہیں:

(۱) اَلْخَطَاءُ زَادُا لعَجُوْل: غلطی جلد بازی کا نتیجہ ہے یعنی جلد بازی کرنے والے سے ہمیشہ غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔

(۲) مَنْ سَلَكَ الْجَدَدَا مِنَ الْعَثَارِ: جو سیدھے راستے پر چلے گا وہ ٹھوکر اور پھسلنے سے بچا رہے گا۔

(۳) عَیٌّ صَامِتٌ خَیْرٌ مِنْ عَیٍّ نَاطِقٍ: خاموش بیوقوفی ناطق بیوقوفی سے بہتر ہے۔

خطبے اور وصیتیں:

خطبہ اور وصیت دونوں سے مقصود لوگوں کو نفع والے اعمال کی ترغیب دینا اور نقصان دہ اعمال سے ڈرانا ہوتا ہے لیکن دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے وہ یہ کہ خطبہ تو بڑی بڑی مجلسوں اور میلوں وغیرہ میں دیا جاتا ہے اور وصیت خاص موقع پر مخصوص لوگوں کو ہی کی جاتی ہے جیسے سفر پہ جانے والا یا مرنے والا اپنے گھر والوں کو وصیت کرتا ہے۔

نثر جاہلی کی خصوصیات:

زمانہ جاہلیت کی نثر نہایت سادہ اور طبعی ہے کوئی تکلف، بناوٹ اور مبالغہ آمیزی کا اس میں شائبہ بھی نہیں اس میں دیہاتی اخلاق اور رہن سہن کی خوب ترجمانی کی گئی ہے اس کے ساتھ ہی شستہ اور وزن دار الفاظ، عمدہ ترکیبیں، چھوٹے چھوٹے جملے، بیان میں اختصار، جلد سمجھ آنے والا، اشعاروں کی کمی بھی اس کی خصوصیات میں شامل ہے اور کبھی ان عبارتوں میں بغیر کسی جوڑ اور مناسبت کے امثال اور مقولوں کا لگاتار سلسلہ بھی ملتا ہے۔

خطابت:

فن شاعری کی طرح خطابت کی اصل بھی خیالات وافکار اور بلاغت ہے۔ یہ فن آزادی وشجاعت کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے اور لوگوں کو متاثر کرنے کا اور کسی اہم کام پر ابھارنے کا مؤثر حربہ ہے۔ اس فن کے لیے چرب زبانی، صاف گوئی خوش بیانی، برجستہ گوئی ضروری چیزیں ہیں، عرب لوگ نہایت حساس، خوددار، غیور اور بہادر تھے اور ان صفات میں وہ باقی سب قوموں سے بڑھے ہوئے تھے اور اس فن کو حاصل کرنے کا سبب یہ ہوا کہ یہ دوسری غیر متمدن قوموں کی طرح آباء واجداد کے حسب ونسب پر فخر کرنے والے اور اپنی عزت وشہرت پر جان دینے والے تھے اسی طرح کی دوسری باتیں ہیں مثلاً دو قبیلوں میں صلح کرانا اور قبیلوں کے سردار اور نوابوں یا حکمرانوں اور ان کے نائبوں کے درمیان سفارت وغیرہ اس خطابت کا سبب ہوئیں وہ بچپن ہی سے اپنے بچوں میں اس فن کا ملکہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے اور اس بات کی شدید خواہش ہوتی تھی کہ ہر قبیلہ میں کوئی خطیب ہو جو ان کی تقویت کا باعث بنے اور ایک شاعر ہو جو ان کے ذکر خیر کا سبب بنے، اور کبھی یہ دونوں فن ایک ہی شخص میں جمع ہو جاتے تھے۔

انداز بیان:

ان کی تقریروں میں عمدہ اسلوب، خوشنما الفاظ، سحر بیانی، چھوٹے چھوٹے مسجع جملے اور ضرب الامثال کی بہتات ہوتی تھی اور مضمون ذہن نشین کرانے کے لیے مختصر کلام کے ساتھ ساتھ مقرر کا کسی اونچی جگہ یا سواری پر کھڑے ہو کر تقریر کرنا اور دوران تقریر ہاتھوں کا ہلانا اور مناسب اشاروں سے کسی بات کو واضح کرنا نیز ہاتھ سے کسی عصا یا نیزہ پر سہارا لینا یا اس سے اشارہ کرنا بھی ان کے ہاں رائج تھا۔

اور وہ ایسے مقرر کو بہت پسند کرتے تھے جو اچھی شکل وصورت والا اور بلند آواز، خوش بیان، دلیر اور نڈر ہو۔ زمانہ جاہلیت کے مشہور مقررین یہ ہیں: ① قس بن ساعدہ الایادی ② عمرو بن کلثوم تغلبی ③ اکثم بن صیفی تمیمی ④ حارث بن عباد البکری ⑤ قیس بن زہیر العبسی ⑥ عمرو بن معدیکرب الزبیدی۔ ہم اس مختصر کتاب میں قارئین کے مطالعہ کے لیے بطور نمونہ صرف دو بڑے خطیبوں کا ذکر کرتے ہیں۔

خطباء

① قس بن ساعدہ الایادی

حالاتِ زندگی:

یہ نجران کے بڑے پادری اور عرب کے مشہور خطیب دانشور تھے اور لوگوں میں ان کی بات چلتی تھی۔ اللہ پر ایمان ویقین رکھتا تھا اور پند ونصیحت کے ذریعہ لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا تھا انہی کے بارے میں کہتے ہیں کہ بلند جگہ پر کھڑے ہو کر سب سے پہلے اسی نے خطبہ دیا اور دوران خطبہ تلوار پر سہارا لینا اور خطبہ میں ''امابعد'' کہنے کی ابتداء بھی انہوں نے کی۔ عکاظ کے بازار میں حضور ﷺ نے ان کی تقریر سنی اور اس کی تعریف فرمائی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا:

''اللہ تعالیٰ قس پر رحم فرمائے مجھے امید ہے کہ کل قیامت کے دن اس کو تنہا ایک امت بنا کر کھڑا کیا جائے گا''۔

وقتاً فوقتاً قیصر روم کے دربار میں بطور ایلچی جایا کرتا تھا جہاں قیصر اس کے اعزاز واکرام میں کمی نہ کرتا تھا لیکن آخر عمر میں سب کام چھوڑ چھاڑ سادہ زندگی بسر کرنے لگا اور اکثر وقت اللہ کی عبادت اور لوگوں کو وعظ ونصیحت میں گذارنے لگا بڑی عمر پانے کے بعد سن ۶۰۰ء میں وفات پائی۔

اندازِ بیان:

جو نثر اس کی طرف منسوب ہے اگر وہ واقعتاً اس کا نثر ہے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس کا انداز بیان روانی طبع کا نتیجہ تھا بہت بااثر دلکش عبارت تھی جس میں چھوٹے چھوٹے ہم وزن فقرے اور عمدہ الفاظ ہوتے تھے اس کے کلام میں سرکشوں کی تباہی اور دنیاوی حالات کی تبدیلی سے عبرت حاصل کرنے کا درس ہوتا تھا ساتھ میں شعر بھی کہتا تھا جو حسن الفاظ عمدہ مطالب کے ساتھ ساتھ قوت تاثیر بھی رکھتے تھے جیسا کہ اس کے کلام سے ظاہر ہے جس کو ہم عنقریب بیان کریں گے۔

نثر کا نمونہ:

عکاظ کے بازار میں اس نے خطبہ کے دوران کہا:

''اے لوگو! دھیان سے سنو اور اس بات کو یاد رکھو کہ جو زندہ ہے وہ مر جائے گا اور جو مرے گا وہ دنیا سے چلا جائے گا اور جو کام ہونے والا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔ یہ اندھیری رات، یہ روشن دن، یہ برجوں والا آسمان، یہ چمکتے دمکتے تارے، یہ ٹھاٹھیں مارتے سمندر، یہ گڑے ہوئے پہاڑ، یہ بچھی ہوئی زمین، یہ بہتے دریا اور نہریں یہ سب اس بات کی شاہد ہیں کہ آسمان میں کوئی بڑا باخبر اور ذی اقتدار ہے اور زمین میں لوگوں کے لیے عبرتیں ہیں۔ آخر لوگوں کو کیا ہوا کہ وہ دنیا سے جانے کے بعد واپس ہی نہیں آتے؟ کیا وہ وہاں رہنے پر راضی ہو گئے؟ یا وہ دنیا چھوڑ کر سو گئے اے قبیلہ ایاد تمہارے آباء واجداد کہاں گئے؟ اور ظالم فرعونوں کا کیا ہوا؟ کیا وہ تم سے زیادہ مالدار نہ تھے؟ اور تم سے لمبی عمروں والے نہ تھے، زمانہ نے ان کے بڑے بڑے جسموں کو حوادث کی چکی میں پیس ڈالا اور ان کی بھاری جمعیت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا''۔

فِی الذَّاهِبِیْنَ الْاَوَّلِیْنَ مِنَ الْقُرُوْنِ بَصَائِرُ

''ہم سے پہلے گذرنے والوں کے حالات میں ہمارے لیے عبرت کی نشانیاں ہیں۔

لَمَّا رَاَیْتُ مَوَارِدًا لِلْمَوْتِ لَیْسَ لَهَا مَصَادِرُ

جب میں نے موت کے گھاٹوں کو دیکھا کہ وہاں پر جانے والا واپس نہیں لوٹتا۔

وَرَاَیْتُ قَوْمِیْ نَحْوَهَا یَسْعٰی الْاَصَاغِرُ وَالْاَکَابِرُ

اور یہ بھی دیکھا کہ میری قوم کے چھوٹے بڑے سب اس گھاٹ کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔

لَا یَرْجِعُ الْمَاضِیْ اِلَیَّ وَلَا مِنَ الْبَاقِیْنَ غَابِرُ

کوئی وہاں جا کر ہمارے پاس نہیں لوٹتا اور نہ ہی پیچھے رہنے والوں میں سے باقی رہنے والا ہے۔

اَیْقَنْتُ اَنِّیْ لَا مُحَالَةَ حَیْثُ صَارَ الْقَوْمُ صَائِرُ

تو مجھے یقین ہو گیا کہ میں بھی ضرور اسی جگہ پہنچوں گا جہاں میری قوم پہنچ رہی ہے''۔

حکیمانہ مقولے:

① جو تمہیں کسی چیز پر عار دلائے تو اس میں بھی ایسی ہی چیز ہو گی۔

② جو تم پر ظلم کرے گا اس کو بھی کوئی ظالم ملے گا۔

③ جب تم دوسرے کو کسی برے کام سے روکو تو پہلے خود اس سے باز آؤ۔

④ فقر کی حالت میں لوگوں سے الگ رہو اور مالداری میں مل جل کر رہو۔

⑤ جو آدمی کسی کام میں مشغول ہو اس سے مشورہ نہ لے اگر چہ وہ عقلمند ہو، اور نہ ہی بھوکے سے مشورہ لے اگر چہ وہ بڑا دانش مند ہو

اور نہ ہی خوفزدہ سے مشورہ لے اگرچہ وہ تمہارا خیر خواہ ہو۔

مرثیہ:

ان کے اشعار میں سے یہ مرثیہ ہے جو انہوں نے دیر سمعان میں اپنے دو بھائیوں کی قبر پر کھڑے ہو کر کہا:

خَلِیْلَیَّ هَبَّا طَالَمَا قَدْ رَقَدْتُمَا ۔۔۔ اَجِدُّ كُمَا لَا تَقْضِيَانِ كَرَاكُمَا

''اے میرے دوستو! تم بہت سو چکے اب اپنی نیند سے بیدار ہو جاؤ، کیا حقیقت میں تمہاری نیند ابھی تک پوری نہیں ہوئی۔

اَلَمْ تَعْلَمَا اَنِّی بَسِمْعَان مُفْرِدُ ۔۔۔ وَمَا لِیَ فِیْهِ مِنْ حَبِیْبٍ سِوَاكُمَا

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں دیر سمعان میں تنہا ہوں اور تم دونوں کے علاوہ کوئی بھی یہاں میرا دوست نہیں۔

اُقِیْمُ عَلٰی قَبْرَیْكُمَا لَسْتُ بَارِحًا ۔۔۔ طِوَالَ اللَّیَالِیْ اَوْ یُجِیْبَ صَدَاكُمَا

میں تمہاری قبروں پر ٹھہرا رہوں گا جب تک تمہاری قبروں سے میری بات کا جواب نہ آئے۔

جَرَیٰ الْمَوْتُ مَجْرَیٰ اللَّحْمِ وَالْعَظْمِ مِنْكُمَا ۔۔۔ كَاَنَّ الَّذِیْ یَسْقِیْ الْعَقَارَ سَقَاكُمَا

موت تمہارے گوشت پوست میں سرایت کر گئی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین سیراب کرنے والے ساقی نے تمہیں بہت زیادہ شراب پلا دی۔

فَلَوْ جُعِلَتْ نَفْسٌ لِنَفْسٍ وِقَایَةً ۔۔۔ لَجُدْتُ بِنَفْسِیْ اَنْ تَكُوْنَ فِدَاكُمَا

اگر ایک جان کو دے کر دوسری جان کو بچا لیا جاتا تو میں اپنی جان تم پر قربان کر دیتا۔

سَاَبْكِیْكُمَا طُوْلَ اللَّیَالِیْ وَمَا الَّذِیْ ۔۔۔ یَرُدُّ عَلٰی ذِیْ عَوْلَةٍ اَنْ بَكَاكُمَا؟

میں ہمیشہ تم پر روتا رہتا لیکن کیا اس رونے کی وجہ سے نالہ و بکاء کرنے والے کو کچھ مل جائے گا؟''۔

② عمرو بن معدی کرب الزبیدی

حالاتِ زندگی:

عمرو بن معدیکرب الزبیدی یمن کے مشہور گھڑسوار، عرب کے اونچے درجہ کے خطیب اور جنگ قادسیہ میں مسلمانوں کے ہیرو تھے ان کا نسب قحطان سے جا ملتا ہے ان کی کنیت ابوثور تھی سن ۹ ہجری میں حضور ﷺ جب تبوک سے واپس لوٹ رہے تھے تو یہ حضور ﷺ سے ملا اور اپنی قوم سمیت مسلمان ہو گیا لیکن وہ دل جو خالص جاہلیت میں پروان چڑھ کر بوڑھا ہو گیا ہو اور انسانوں کے خون اور گوشت سے کھیلا ہو، کھیل کود، شراب نوشی، پسندیدہ مشغلہ ہو وہ دین کو خلوص اور نیک نیتی سے قبول نہیں کرتا چنانچہ یہ بھی مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گئے پھر دوبارہ حق کی طرف لوٹ آئے اور اللہ کے راستہ میں خوب جہاد کیا اور قادسیہ کی جنگ میں جبکہ ان کی عمر ایک سو دس برس تھی شریک ہوئے اور اس میں بہت کارنامے انجام دیئے بالآخر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے آخری ایام میں سن ۶۴۳ء بمطابق ۲۱ ہجری جان جاں آفرین کے سپرد کر دی۔

صفات اور مرتبہ:

عمرو بن معدیکرب رضی اللہ عنہ بڑے مضبوط فربہ اور بہت زیادہ کھانے والے تھے اور اپنی قوم کے سردار، بہادر، پہلوان، خطیب اور شاعر تھے ان کا شمار شعراء کے دوسرے اور خطباء کے پہلے درجہ میں ہوتا ہے اور ان کی شاعری کا زیادہ حصہ اپنی شجاعت اور جوان مردی کے قصوں سے بھرا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نعمان بن منذر نے مدائن کی طرف نوشیرواں کے پاس جو وفد بھیجا تھا اس میں ان کو بھی خاص طور سے شامل کیا تھا تاکہ یہ نوشیرواں کے سامنے نعمان بن منذر کے عرب پر دعوے کو سچا کر دے اور اس کے سامنے نعمان کی عزت و درجہ بن جائے وہاں پہنچ کر عمرو بن معدیکرب نے درج ذیل خطبہ دیا۔

آدمی ہونے کا دار و مدار انسان کی دو چھوٹی چھوٹی چیزوں پر ہے، دل اور زبان، بات کی عمدگی سچائی اور امانت داری میں ہے اور منزل مقصود پر پہنچنا بار بار تلاش کرنے پر موقوف ہے، ایک بات کا خود ہو جانا زبردستی کرنے سے بہتر ہے اور اپنی معلومات کی حد میں رہنا حیران و سرگردان پھرنے سے بہتر ہے، اے بادشاہ سلامت آپ ہمارے دلوں کو اپنے لفظوں سے خرید لیجئے اور ہماری لغزشوں کو بردباری سے ضبط کیجئے اور ہمارے ساتھ نرمی کا معاملہ کیجئے کہ ہم آپ کے فرمانبردار ہو جائیں کیونکہ ہم ایسے لوگ ہیں کہ ٹھونگیں مار کر ہمارے سخت پتھر کو توڑنے کی کوشش کرنے والا ہم کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا بلکہ جو ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹانا چاہتا ہے ہم اس کے مقابلہ میں پوری طرح حفاظت اور مدافعت کرتے ہیں۔

شعر: ابو مرادی نے اس کو دھمکی دی تو اس کے جواب میں درج ذیل اشعار پڑھے:

أعاذل شِكتي بدني ورمحي　　　وكلُّ مُقَلَّصٍ سلس القياد

''اے ملامت کرنے والے! میرے بدن اور نیزہ اور فرمانبردار طاقتور گھوڑوں کو آرام کرنے دے۔

أعاذل إنما أفني شبابي　　　و قرح عاتقي ثقل النجاد

اے ملامت کرنے والے! یہ دیکھ لے کہ میری جوانی کو ختم کرنے والی اور میرے کندھے کو زخمی کرنے والی چیز میری تلوار کے پرتلے کا بوجھ ہے۔

تمناني ليلقاني أبي　　　وددْت وأينما منّيَ ودادي

ابی کی تمنا ہے کہ وہ مجھ سے جنگ میں مقابلہ کرے میری بھی یہی چاہت ہے پر میری چاہت پوری کہاں ہوتی ہے۔

ولو لا قيتني و معي سلاحي　　　تكشف شحم قلبك عن سواد

اگر تو مجھے اس حالت میں ملے کہ میں ہتھیار لگائے ہوئے ہوں تو تیرے دل کی چربی تیرے جسم سے نکل پڑے گی۔

أريد حياته ،ويريد قتلي!　　　عذيرك من خليلك من مُرادا

میں چاہتا ہوں کہ وہ زندہ رہے اور وہ مجھے مارنا چاہتا ہے تو کیا کوئی ہے جو تیرے قبیلے مراد کے دوست سے تیری جان بچائے''۔

اور ان کے چند اشعار یہ ہیں:

لیس الجمال بمئزر فاعلم و إن رُدِّیت بُردا

''خوب سمجھ لو کہ حسن و جمال کپڑوں سے نہیں ہوتا خواہ تمہیں عمدہ لباس پہنا دیا جائے۔

إن الجمال معادن ومناقب أورثن مجدا

حقیقی حسن و جمال وہ کارنامے اور بھلائی کے سرچشمے ہیں جن کی وجہ سے تمہاری عزت ہو۔

أعددت للحدثان سا بغة وَعَدَّاءَ عَلَنْدی!

میں نے بطور پیش بندی آنے والے حوادثات کے لیے مضبوط کامل زرہ، تیز رو قوی گھوڑا تیار کر رکھا ہے۔

نهداً وذا شُطَبٍ يَقُدّ البيض والأبدان قدا

اور چمکتی ہوئی تیز تلوار جو خودوں اور زرہوں کو کاٹ کے رکھ دے۔

کم من أخ لي صالح بوّأته بيدي لحدا

کتنے ہی میرے نیک بھائی تھے جن کی قبر میں نے اپنے ہاتھ سے بنائی۔

ما إن جزعت ولا هلعت ولا يرد بكاي رشدا

لیکن اس حالت میں بھی نہ تو میں گھبرایا اور نہ ہی بے قرار ہوا اور بات یہ تھی کہ اگر روتا بھی تو میرا رونا کچھ فائدہ مند نہ ہوتا۔

ذهب الذين أحبهم وبقيت مثل السيف فردا

جن لوگوں سے مجھے پیار تھا وہ چل بسے اور ان کے بعد میں تلوار کی طرح اکیلا رہ گیا''۔

جاہلی نثر کے چند نمونے

ضرب الامثال:

① إِذَا سَلِمَتِ الجُلَّةُ فَالنِّيبُ هَدْرٌ. جب بڑے اونٹ بچ جائیں تو بوڑھی اونٹنیاں رائیگاں ہیں یعنی جب قیمتی اور فائدہ مند چیز بچ جائے تو بے کار کا غم نہیں کرنا چاہیے۔

② إِنْ كُنْتَ رِيْحًا فَقَدْ لَاقَيْتَ اَعْصَارًا: اگر تو ہوا تھا تو بگولے سے مل گیا۔ یہ اس وقت پیش کی جاتی ہے جب ایک شخص کو اپنے سے بڑھ چڑھ کر کوئی شخص مل جائے (جیسے اردو میں کہتے ہیں سیر کو سوا سیر مل گیا)۔

③ اِنَّكَ لَا تَجْنِي مِنَ الشَّوْكِ العِنَبَ: تو کانٹوں سے انگور کا پھل نہیں چنے گا یعنی برے اخلاق والوں میں خوش اخلاق شخص نہیں ملے گا۔

④ ذَكَّرَنِي فُوْكَ حِمَارَيْ اَهْلِي: تو نے مجھے میرے گھریلو دو گدھے یاد دلا دیئے۔ اصل میں واقعہ اس طرح ہے کہ ایک آدمی کے دو گدھے گم ہو گئے وہ ان کو ڈھونڈنے کے لیے نکلا راستہ میں ایک عورت دیکھی جو اسے اچھی لگی اور اس کی وجہ سے وہ اپنے گدھوں کو بھول گیا تھوڑی دیر بعد جب اس عورت نے نقاب اٹھایا تو اس نے دیکھا کہ یہ تو بدشکل ہے تب اس نے یہ بات کہی۔

⑤ تَجَشَّأَ لُقْمَانُ مِنْ غَيْرِ شِبَعٍ: لقمان نے خالی پیٹ بناوٹی ڈکار لی، اس شخص کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو ایسی چیز کا دعویٰ

کرے جس کا وہ مالک نہ ہو۔

⑥ رَمَتْنِیْ بِدَائِهَا وَانْسَلَّتْ: وہ اپنی بیماری میرے اوپر پھینک کر بھاگ نکلی۔ یہ مثل اس کے لیے پیش کی جاتی ہے جو اپنا عیب دوسرے پر تھوپنے کی کوشش کرے۔

⑦ رُبَّ كَلِمَةٍ تَقُوْلُ لِصَاحِبِهَا دَعْنِیْ: بعض باتیں اپنے کہنے والے سے کہتی ہیں ہمیں چھوڑ دے یہ مثل فضول باتوں سے روکنے لیے پیش کی جاتی ہے تاکہ وہ بکواس سے باز رہیں۔

⑧ اَسَرَّ حَسْوًا فِیْ ارْتِغاء: جھاگ نکالنے کے بہانے چپکے سے دودھ کا گھونٹ بھر لے۔ یہ مثل اس شخص کے لیے پیش کی جاتی ہے جو بظاہر تمہاری بھلائی میں لگا ہوا ہو لیکن اندر خانہ اپنا نفع مقصود ہو۔ اس کا واقعہ اصل میں یہ ہے کہ ایک آدمی کے پاس دودھ لایا گیا تو وہ یہ ظاہر کرنے لگا کہ اس کا جھاگ نکال رہا ہے اور اس دوران کچھ دودھ بھی پیتا رہا۔

⑨ اَوْ سَعْتُهُمْ سَبًّا وَاَوْدَوْا بِالْإِبِلْ: میں نے ان کو خوب گالی گلوچ بھی دی لیکن وہ اونٹ لے بھاگے۔ اس کا واقعہ اصل میں یوں ہے کہ ایک آدمی کے اونٹوں پر لیٹروں نے ڈاکہ ڈالا اور ان کو لے چلے جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو یہ مالک ایک بلند ٹیلے پر چڑھ کر ان کو گالی دینے لگا جب واپس قبیلہ میں آیا تو لوگوں نے اونٹوں کے متعلق دریافت کیا اس وقت اس نے یہ بات کہی۔

⑩ أَحَشَفًا وَسُوْءَ كَيْلَةٍ؟: کھجوریں بھی گھٹیا اور ناپ میں بھی کمی۔ اس شخص کے لیے بولی جاتی ہے جو دو گندی عادتوں کو اختیار کرے (جیسے اردو میں کہتے ہیں ایک کریلا دوسرے نیم چڑھا)۔

⑪ قَدْ يَحْمَلُ الْعَيْرَ مِنْ ذَعْرٍ علىٰ الأَسَدْ: کبھی گدھا بھی گھبرا کر شیر پر حملہ کر دیتا ہے۔ یہ مثل اس شخص کے لیے بولی جاتی ہے جو خوف و گھبراہٹ کی وجہ سے خلاف توقع اور خلاف طبع بہادری کا مظاہرہ کرے۔

⑫ قَبْلَ الرَّمْیِ یُرَاشُ السَّهْمُ: تیراندازی سے قبل ہی تیر کو درست کیا جاتا ہے۔ یعنی کسی کام کے پیش آنے سے پہلے ہی اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

حکیمانہ مقولے:

① مَصَارِعُ الرِّجَالِ تَحْتَ بُرُوْقِ الطَّمَعْ: لالچ کے پھندوں میں پڑنے والے نقصان اٹھاتے ہیں۔

② كَلْمُ اللِّسَانِ اَنْكٰی مِنْ كَلْمِ السِّنَانِ: زبان کا زخم نیزے کے زخم سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

③ رُبَّ عَجْلَةٍ تَهَبُ رَيْثًا: کبھی جلد بازی کی وجہ سے تاخیر برداشت کرنا پڑتی ہے۔

④ اَلْعِتَابُ قَبْلَ الْعِقَابْ: سزا سے پہلے زجر و تنبیہ ضروری ہے۔

⑤ اَلتَّوْبَةُ تَغْسِلُ الْحَوْبَةَ: توبہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔

⑥ مَنْ سَلَكَ الْجَدَدَ اَمِنَ الْعِثَارْ: جو سیدھے راستے پر چلتا ہے وہ پھسلنے سے محفوظ رہتا ہے۔

⑦ اَوَّلُ الْحَزْمِ الْمَشْوَرَةُ: احتیاط کی ابتداء مشورہ ہے۔

⑧ رُبَّ قَوْلٍ اَنْفَذُ مِنْ صَوْلْ: بسا اوقات بات حملہ سے زیادہ کارگر ہوتی ہے۔

⑨ أَنْجَزَ حُرٌّ مَا وَعَدَ: شریف آدمی اپنا وعدہ پورا کرتا ہے۔
⑩ اُتْرُكِ الشَّرَّ يَتْرُكْكَ: تم برائی چھوڑ دو برائی تمہیں خود بخود چھوڑ دے گی۔
⑪ مَنْ ضَاقَ صَدْرُهُ اِتَّسَعَ لِسَانُهُ: جس کا سینہ تنگ ہو جائے تو وہ زبان دراز ہو جاتا ہے۔
⑫ يَدُكَ مِنْكَ وَاِنْ كَانَتْ شَلًّا: تیرا ہاتھ تیرا اپنا ہی ہے چاہے وہ شل ہو۔
⑬ رُبَّ مَلُوْمٍ لَا ذَنْبَ لَهُ: بسا اوقات بے گناہ ہی کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔
⑭ مِنْ مَأْمَنِهٖ يُؤْتَى الْحَذِرُ: محتاط شخص جہاں سے بےفکر ہوتا ہے وہیں سے اس کو نقصان پہنچتا ہے۔

خطبے:

① ہانی بن قبیصہ شیبانی نے اپنی قوم کو جنگ پر ابھارنے کے لیے یہ تقریر کی اس خطبہ سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت کی نثر میں کس طرح کمزور معانی اور کمزور ربط والے جملے ہوتے تھے:

"اے بنو بکر! عذر کے ساتھ مر جانے والا بھاگ کر جان بچانے والے سے بہتر ہے، تدبیر تقدیر کے مقابلہ میں کچھ فائدہ نہیں دیتی، صبر کرنا کامیابی کا سبب ہے، ذلت کی زندگی پر موت کو ترجیح دو، موت کا سامنے سے آنا پیچھے سے آنے سے بہتر ہے، سینہ پر نیزہ کھانا پیٹھ اور کولھے پر نیزہ کھانے سے بہتر ہے، اے بنو بکر دل کھول کر لڑو کیونکہ موت سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی"۔

② سیف بن ذی یزن نے جب حبشہ کو فتح کیا تو عبد المطلب نے یہ خطبہ دیا:

"اے بادشاہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے اور ایسے خاندان میں پیدا کیا جس کا نسب بہت اعلیٰ ہے اور جس کی شاخیں شریف خاندان ہیں جو متفرق عمدہ مقامات پر پھیلے ہوئے ہیں، آپ بلند نصیبہ ور اور عرب کے سردار ہیں، عرب کی فصل بہار آپ ہی کی وجہ سے سرسبز و شاداب ہے اور سارے عرب آپ کے زیر نگیں ہیں، آپ کے ہی سہارے عربوں کی ساری عمارت قائم ہے آپ سارے عربوں کے پناہ گاہ ہیں آپ کے اسلاف بہترین سلف تھے اور آپ ان کے بعد ہمارے لیے بہترین جانشین ہیں، جو آپ جیسا فرزند ارجمند چھوڑ جائے وہ کبھی ہلاک نہیں ہو سکتا اور جن کے لیے آپ سلف اور بزرگ بنیں گے وہ ہمیشہ نیک نام رہیں گے۔ اے بادشاہ! ہم اللہ کے حرم کے رہائشی اور بیت اللہ کے خادم اور پاسباں ہیں ہم آپ کی خدمت میں اس آرزو کو لے کر حاضر ہوئے ہیں جس نے ہمیں پر کٹھن اور مشقت والی زندگی سے نجات کی خوشخبری دی ہمارا یہ وفد آپ کو فتح کی مبارکبادی دینے کے لیے حاضر ہوا ہے کسی مصیبت وغیرہ پر تعزیت کے لیے نہیں"۔

وصیتیں:

زہیر بن جناب کلبی نے اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے کہا:

"اے میرے بیٹو! میں بوڑھا ہو چکا، میں نے زمانہ دیکھا ہے تجربات نے مجھے پختہ کر دیا ہے اور دنیاوی امور تجربے

اور آزمائش ہی کے ساتھ انجام پاتے ہیں، جو میں تمہیں کہنے لگا ہوں وہ کان کھول کر سنو، مصیبت کے وقت کم ہمتی سے بچو اور اپنے کام دوسروں پر مت ڈالو کیونکہ اس میں تمہیں غم اور تمہارے دشمنوں کو خوشی ہوگی اور اس کی وجہ سے تم اپنے خدا سے بدگمان ہو جاؤ گے، زمانہ کی گردشوں سے دھوکہ میں نہ رہنا اور اس کے حوادث کو مذاق ہنسی سمجھ کر بے فکر نہ رہنا کیونکہ جس قوم نے بھی گردش زمانہ کو مذاق سمجھا وہ سخت مصیبتوں میں پڑ گئی لیکن تم حوادث زمانہ کے منتظر رہو کیونکہ انسان دنیا میں تیر اندازوں کے اس نشانہ کی طرح ہے جو تختہ مشق ہو کہ کبھی تیر اس تک پہنچتا ہی نہیں اور کبھی دائیں بائیں سے گزر کر آگے نکل جاتا ہے لیکن کسی وقت تو ٹھیک نشانہ پر جا ہی لگتا ہے''۔

عرب کی ایک دیہاتی عورت نے اپنی بیٹی کو سہاگ رات کے موقع پر یہ وصیت کی:

''اے میری بیٹی اگر کسی کو ادب اور فضیلت کی وجہ سے وصیت کا محتاج نہ سمجھا جاتا تو تم اس کے لائق تھیں پر وصیت غافل کے لیے تنبیہ اور عقلمند کے لیے معاون ہوتی ہے اور اگر کسی عورت کو ماں باپ کی دولت اور ان کی ضرورت کی وجہ سے شوہر کی ضرورت نہ ہوتی تو وہ تمہی ہوتیں۔

پیاری بیٹی جس ماحول میں تم نے پرورش پائی تھی آج تم اسے چھوڑ کر جا رہی ہو اور تم اپنے آشنا گھر کو چھوڑ کر نا آشنا گھر اور ساتھی کے پاس جا رہی ہو اس لیے میری دس نصیحتیں یاد رکھو یہ تمہارے بہت کام آئیں گی، اپنے شوہر کے ساتھ صبر و قناعت سے رہنا، اور فرمانبرداری و وفاشعاری سے اس کے ساتھ زندگی بسر کرنا، ان کے مزاج کو سمجھنا اور ایسا موقع ہی نہ دینا کہ انہیں تمہارا کوئی عیب نظر آئے، ان کے کھانے کے اوقات معلوم کر لینا اور جب وہ آرام کر رہے ہوں تو خاموش رہنا کیونکہ بھوک کی گرمی غصہ لاتی ہے اور آرام میں خلل اندازی نفرت کا سبب ہوتی ہے پھر جس وقت وہ رنجیدہ ہو اس کے سامنے خوشی کا اظہار نہ کرنا، اور جب وہ خوش ہو تو تم اپنا غم ظاہر نہ کرنا کیونکہ پہلی بات کوتاہی اور بدتمیزی اور دوسری بات باعث تکلیف ہے، تم ان کا سب سے زیادہ احترام کرنا تاکہ وہ بھی تمہیں عزیز رکھے اور تم کو تمہاری حقیقی چاہت اور خوشی تبھی حاصل ہوگی جب تم اپنی رضا کو اس کی رضا پر قربان کر دو اور اپنی چاہت کو اس کی چاہت کی وجہ سے چھوڑ دو خواہ اس میں تمہارا نفع ہو یا نقصان، اللہ تمہارا بھلا کرے''۔

ایک اور دیہاتی عورت کی اپنے بیٹے کو وصیت:

''اے میرے پیارے بیٹے! چغل خوری بالکل نہ کرنا کیونکہ اس سے دلوں میں کینہ آتا ہے اور دوستوں سے جدائی ہوتی ہے، لوگوں کے عیوب نہ ڈھونڈنا ورنہ لوگ تمہارے عیوب دیکھیں گے اور نشانہ تیروں کی بہتات سے بچ نہیں سکتا ورنہ کم از کم بہت زیادہ تیر لگنے سے کمزور تو ہو ہی جاتا ہے۔ خبردار اپنے دین میں سخاوت اور مال میں بخل ہرگز نہ کرنا، اور جب تم کسی ضرورت و مجبوری کی وجہ سے کسی کا دروازہ کھٹکھٹاؤ تو ایسے شخص کا دروازہ کھٹکھٹانا جو تمہارے لیے نرم ہو جائے، کسی کمینے کا دروازہ نہ کھٹکھٹانا کیونکہ سخت چٹان سے پانی نہیں پھوٹتا، دوسرے کا جو کام تمہیں اچھا لگے اس کو نمونہ بنا کر عمل کی کوشش کرو اور دوسروں کی جس بات کو تم برا سمجھو اس کے قریب بھی نہ پھٹکو اس لیے کہ آدمی اپنی

برائیوں کو نہیں دیکھتا، جس کی دوستی میں خندہ پیشانی تو ہو لیکن کام دوستی کے خلاف کرتا ہو تو اس کا دوست ہوا کی طرح اس سے منہ پھیر لے گا اور لوگوں میں سب سے برے اخلاق، بے وفائی اور دھوکہ بازی ہے۔ جو بردبار ہونے کے ساتھ سخی بھی ہو تو گویا اس نے اپنی پوشاک نہایت عمدہ بنالی''۔

تیسری فصل

شعر وشاعری

شعر کی تعریف اور اس کی ابتداء:

شعر اس موزوں اور مقفیٰ کلام کو کہتے ہیں جس میں نادر خیالات اور باأثر حالات و مناظر کی ترجمانی کی گئی ہو، اور شعر جس طرح نظم کلام میں ہوتا ہے اسی طرح نثر میں بھی ہوتا ہے اور چونکہ شعر وشاعری کا انسانی احساسات سے تعلق اور طبیعت سے لگاؤ ہوتا ہے اور اس میں عقلی تمدنی، ترقی، نیز علمی گہرائی کی بھی ضرورت نہیں پڑتی اسی لیے ادبی آثار میں شعر وشاعری کو قدیم درجہ حاصل ہے۔

عربوں میں شعر وشاعری کی ابتداء کا زمانہ معلوم نہیں البتہ جس وقت تاریخ نے اس کو پایا تو یہ نہایت مستحکم اور مضبوط تھی اور عقلاً یہ بات جائز نہیں کہ شعر کی ابتدائی حالت ایسی شستہ اور حسین ہو جیسی مہلہل بن ربیعہ اور امرئ القیس کے شعروں میں نظر آتی ہے، یقیناً بہت سے زمانے اور حوادثات سے گزرنے کے بعد اور بہت زبانوں کے اسے رواں کرنے کے بعد ہی اس میں شائستگی اور موضوعات میں وسعت و کشادگی پیدا ہوئی ہوگی۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ عربوں نے آزاد نثر سے مسجع اور مسجع سے رجز کی طرف قدم بڑھایا ہو گا پھر آہستہ آہستہ رجز سے قصیدہ کی طرف ترقی کی ہوگی۔ اس اعتبار سے مسجع نثر ہی شعر کی ابتدائی حالت ہے جس کو کاہنوں نے اپنے دیوتاؤں کی پوجا پاٹ کے لیے اور حکمت کی باتوں کو یاد رکھنے کے لیے اور پہیلیوں میں جوابات دینے کے لیے اور سامعین کو محو حیرت کرنے کے لیے اختیار کیا تھا، یونانی کاہنوں کی طرح عرب کے کاہنوں نے بھی سب سے پہلے شعر وشاعری کو اپنایا ان کا خیال یہ تھا کہ ان پر الہام ہوتا ہے اور وہ اپنے دیوتاؤں سے سرگوشیاں کرتے ہیں چنانچہ وہ ترانوں کے ذریعے ان سے رحم کے خواستگار ہوتے تھے اور دعاؤں کے ذریعہ ان سے الہامات مانگتے تھے پھر لوگوں کو مقفیٰ اور مسجع کلام میں غیب کی باتیں بتلاتے تھے، اس کلام کو سجع اس لیے کہتے تھے کہ کبوتر کی آواز (سجع) کی طرح اس میں ایک ہم آہنگ نغمہ پیدا ہو جاتا ہے۔

جب عربوں میں غناء و موسیقی کا ذوق بڑھا اور شعر عبادت خانوں سے نکل کر جنگلوں اور صحراؤں میں پہنچا اور دعاء سے نکل کر حدی خواں تک پہنچا تو وزن و قافیہ ملنے کی وجہ سے رجز کی صورت نمودار ہوئی، پھر نغموں اور سروں کے اختلاف کی وجہ سے کئی اوزان وجود میں آئے چنانچہ بہادری کے لیے علیحدہ وزن، غزل کے لیے علیحدہ، ترنم کے لیے علیحدہ وزن بنا، اسی طرح دوسرے باقی اوزان بھی کسی نہ کسی چیز کے لیے خاص ہیں خلیل بن احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق کل پندرہ اوزان ہیں انہوں نے ہر وزن کو بحر کا نام دیا ہے۔[1]

مذکورہ بالا کلام سے آپ کو اتنا تو معلوم ہو چکا کہ شعر کی اصل، غنا اور موسیقی ہے۔ کبوتر کی آواز سجع سے مسجع کلام بنانا اور اونٹ کی

---

[1] خلیل رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اخفش رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور وزن بحر متدارک کا اضافہ کیا ہے۔

چال ڈھال سے رجز کا وجود میں لانا بھی اس امر کی دلیل ہے۔ اور خود لفظ شعر یہ عبرانی کے لفظ ''شیر'' سے بنا ہوا ہے جس کا معنی ترنم اور گنگناہٹ ہے نیز اب تک شعر پڑھنے کے لیے عربی میں ''انشاد'' (گانا) کا لفظ استعمال ہوتا ہے یہ دونوں باتیں بھی اس امر کی واضح دلیلیں ہیں کہ شعر کی اصل غناء ہے۔

شعروشاعری اور عرب:

جتنی بھی سامی قومیں ہیں سب سے زیادہ عربوں کی شعروشاعری سے فطری مناسبت ہے اور انہی کو شاعری پر کمال قدرت حاصل ہے کیونکہ ایک مفہوم کی ادائیگی کے لیے ان کی زبان میں بہت وسعت ہے اور ان کا ماحول خیالات کی آفرینش کے لیے نہایت موزوں ہے ان کی طبائع صاف و پاکیزہ، رہن سہن سادہ، قوم پرستی اور آزادی کا جذبہ ان کے کمال درجہ کا ہے اس کے ساتھ ہی ان کی سرزمین جزیرہ عرب ان تمام چیزوں سے خالی ہے جو غور وفکر کی راہ میں مانع بنیں وہ آسمان وصحراء کے درمیان ایسی لامحدود فضاء میں ہیں جو دل ودماغ کو خیالات وتفکرات اور جلال سے بھر دیتی ہے۔ علاوہ ازیں شاعرانہ مزاج حساس طبیعت ہونے کی وجہ سے جو خوف وامید کے جذبات، غم وغصہ اور خوشی کی کیفیات ان پر طاری ہوتیں وہ اس کو نظم بنا دیتے اسی وجہ سے شاعری ان کے علم وحکمت اور جنگی واقعات واخلاق کا خزانہ ہے اور ان کے صحیح وغلط کی ترجمان ہے، نیز ان کی باہمی گفتگو اور رات کی قصہ گوئی کا خلاصہ ہے، عربوں میں شاعری کا عام ذوق تھا اور اکثر شاعری فی البدیہہ اور بغیر تکلف کے ہے چنانچہ وجدانی احساسات، قلبی کیفیت کی جتنی ترجمانی اس زبان کی شاعری میں ہے اتنی کسی زبان کی شاعری میں نہیں اس لیے اگر ایک شاعر ان کو گمراہ کرنے یا نیک راستہ پر چلانے میں کامیاب ہو جائے یا ایک شعر ان میں انقلاب پیدا کرنے یا ختم کرنے کا سبب بن جائے تو یہ کوئی قابل تعجب بات نہیں شعروشاعری کی جو وقعت ان کے دلوں میں تھی اس کی مثالیں تاریخ میں بکثرت ملتی ہیں۔ مثلاً اعشٰی کے محلق کے ساتھ اور حسان کے بنوعبدالمدان کے ساتھ، حطیئہ کے بنوانف ناقہ کے ساتھ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

شاعری کی قسمیں اور اس کے مقاصد:

شعروشاعری تین قسم پر ہے:

① غنائی یا وجدانی، اس میں شاعر اپنی طبیعت سے مدد لے کر اپنے دل ودماغ کی کیفیات اور احساسات کی ترجمانی کرتا ہے۔

② قصصی یا بیانی، اس میں جنگی واقعات اور قومی مفاخر، قصہ کی شکل میں نظم کیے جاتے ہیں جیسے ہومر کی ''ایلیڈ'' اور فردوسی کا ماہنامہ۔

③ تمثیلی اس میں شاعر ایک خاص واقعہ کو مدنظر رکھتا ہے پھر اس واقعہ کے مناسب اشخاص ذہن میں پیدا کرتا ہے، اور ان میں سے ہر ایک سے واقعہ کے مناسب حال باتیں کہلواتا ہے۔ ان تین قسموں میں سے سب سے پہلے غنائی وجود میں آئی کیونکہ شاعری کی اصل غناء ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا اور انسان دوسروں کو جاننے سے پہلے اپنے آپ کو جانتا ہے اور دوسروں کے جذبات واحساسات کی نظم میں ترجمانی سے پہلے اپنے احساسات کی نظم میں ترجمانی کرتا ہے۔

جب شاعری کا اصل مواد خیالات ہیں اور خیالات کی غذاء محسوسات ہیں، اور ایک دیہاتی عرب کو اپنے دیہاتی مناظر کے علاوہ کوئی منظر دکھائی نہیں دیتا، جنگ وجدل کے واقعات کے علاوہ کوئی واقعہ اس کے ذہن کے دریچوں سے نہیں گذرا، عورت کے حسن

وجمال کے سوا کسی چیز کا حسن معلوم نہیں تو اس نے جو جانور، نرم زمین، پہاڑ دیکھے ان کو انوکھے انداز سے بیان کیا، جنگی واقعات کو دلکش انداز میں ڈھالا اور عشق ومحبت کی باتوں کو تشبیب اور غزل کے نئے نئے اسلوب میں بیان کیا، الغرض عربی شاعری ساری کی ساری غنائی ہے جس میں شاعر اپنے نفس کی تصور کشی، اپنے احساسات اور جذبات کی ترجمانی کرتا ہے اور دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات وجذبات اوران کی ترجمانی چونکہ تقریباً ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں اس لئے عربی شاعری میں تکرار، ایک ہی قسم کے خیالات کی بھرمار، دوسرے کے کلام کی چوری، اسلوب میں یک جہتی، تاثرات میں مشابہت بہت پائی جاتی ہے۔ اورزہیر نے بجا کہا۔

مَا اَرَانَا نَقُوْلُ اِلَّا مُعَارًا   او مُعَادًا مِنْ لَفْظِنَا مَكْرُوْرًا

''یعنی ہماری شاعری کے اکثر مضمون یا تو مستعار ہوتے ہیں یا دہرائے ہوئے اور مکرر ہوتے ہیں۔''

اس قسم کے علاوہ قصصی اور تمثیلی شاعری کا عربی شاعری میں کوئی وجود نہیں اس لئے کہ ان قسموں میں خوب غور وفکر کی ضرورت ہوتی ہے اور عرب بداہتاً اور ارتجالاً شعر کہنے والے ہیں، اس کے ساتھ ہی ان دونوں قسموں میں لوگوں کی طبیعتوں کو پرکھنا پڑتا ہے اور عربوں کو تو اپنی طبیعت میں مشغولی کی وجہ سے دوسروں کی طبیعت میں غور وفکر کی فرصت ہی نہیں ملتی، اوران دو قسموں میں تطویل وتحلیل اور تجزیہ کی ضرورت پڑتی ہے حالانکہ عرب تو اختصار کے بڑے پابند اور تحقیق سے بہت کم واسطہ رکھنے والے ہیں۔

علاوہ ازیں عربوں کو دور دراز کے اسفار اور سخت خطروں سے نبرد آزما ہونے کی نوبت کم آئی ہے اور ان کی سرزمین کی طبعی حالت، دینی کشادگی، تنگ خیالی، توحید الٰہی کا اعتقاد ان سب وجوہ کی بناء پر وہ ان قصے کہانیوں کے ذخیرہ سے محروم رہے جو قصے کہانیاں قصصی شاعری کا سرچشمہ ہیں۔ ان کے عربی شاعری کا سمندر، مفاخر وشجاعت، مدح و ہجا، مرثیہ اور عتاب، غزل و وصف بیانی، اعتذار اور حکمت بھری باتوں سے ٹھاٹھیں مارتا ہے، عربی شاعری اپنی وسعت اور کشادگی موضوع کے باوجود ان جنگی واقعات کے تفصیلی بیانوں سے خالی ہے جس سے قومی مفاخر بلند ہوں اور قوم کے بہادر اور نڈر سپوتوں کا ذکر ہمیشہ کے لئے باقی رہ سکے۔ جیسا کہ یونانیوں کے لئے ایلیڈ، رومیوں کے لئے اینیڈ، ہندوؤں کی مہابھارت، ایرانیوں کے لئے شاہنامہ۔

جاہلی شاعری کی خصوصیات:

عربوں میں صحرائی درشتی، زندگی کے روکھا پن، آزادئ فکر، ماحول کی تاثیر، دیہاتی سادگی نے ان کی جاہلی شاعری میں وہ خاص رنگ پیدا کیا جس کی وجہ سے وہ امتیازی شان کی حامل ہوگئی، چنانچہ اس کی ایک خصوصیت جذبہ اور فکر کی عکاسی میں سچائی، فطرت کی صحیح ترجمانی ہے اسی لئے آپ کو اس میں تکلف اور بناوٹ نام کی کوئی چیز نہ ملے گی اور یہی وجہ ہے کہ اس میں اختصار بہت زیادہ، مجاز بہت کم اور مبالغہ نادر الوجود ہے۔

ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں منطقی طریقوں اور طبعی تقاضوں کے مطابق افکار کی ترتیب پر توجہ بہت کم ہے اسی لئے معانی ومضامین کا باہمی ربط بہت کمزور ہوتا ہے اور اشعار کی ترتیب بے جوڑ ہے چنانچہ اگر قصیدہ کے کسی شعر کو حذف کر دیا جائے یا آگے پیچھے کر دیا جائے تو اس میں کوئی کمی یا نقصان نظر نہیں آئے گا اس کی وجہ یہی ہے کہ دیہاتی لوگ طبعاً فلسفی نظر نہیں رکھتے بلکہ ان کی نظر میں حوادث اور دیگر اشیاء سب الگ الگ ہیں جن کا باہمی کوئی ربط اور تعلق نہیں، یہی سبب ہے کہ ادباء عرب کے ہاں شاعری کو

پرکھنے کا معیار پورا قصیدہ نہیں بلکہ ہر ہر شعر ہوتا تھا۔

ایک خصوصیت نامانوس الفاظ لیکن ترکیب عمدہ اور الفاظ میں شان وشوکت ہے یہ ان کے طبعی اور اجتماعی نظام میں سختی اور دیہاتی پن کا اثر ہے۔ ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس شاعری کے اندر ابتداء میں ٹیلوں اور کھنڈرات کا ذکر ہوتا ہے کیونکہ وہ خانہ بدوش تھے جن کا محبوب مشغلہ ایک چراگاہ سے دوسری میں منتقل ہونا تھا (جہاں دیکھی توا، پرات وہاں گذاری ساری رات) اس لئے جو شاعر کبھی اپنی پہلی جگہ سے گذرتا تو اسے اپنا پرانہ زمانہ یاد آجاتا اور وہ دوست یاد آجاتے جو اسے چھوڑ کر چلے گئے، یہ یادیں اسے بے قرار کر دیتیں اور وہ اس مکان کو دعائیں دیتا اور احباب کی یاد میں روتا۔ خلاصہ یہ کہ جاہلی شاعری میں مشابہت بہت زیادہ نیرنگی کم ہے اور اس کی ساری دوڑ دھوپ تقلید وسماع کے ایک ہی میدان میں ہے۔

شعر اور معلقات کی روایت:

مختصر سے دور جاہلیت کی جو شاعری روایت کی گئی ہے وہ اتنی ہے کہ اس کو جمع کرنا مشکل اور یاد کرنا تقریباً ناممکن ہے جبکہ اس کی بہت بڑی مقدار روایانِ شعر کے فاتحانہ جنگوں میں مرنے کی وجہ سے ضائع ہوگئی۔ ابوعمرو بن علاء کا قول ہے: عربوں کی شاعری کا جو حصہ تم تک پہنچا ہے وہ بہت کم ہے اگر وہ سارا اور کامل حصہ پہنچتا تو تم تک علم وحکمت اور شعر وادب کا بہت حصہ پہنچتا۔ لیکن اس کثرت کی نسبت اور روایت، دورِ جاہلیت کی طرف کرنے میں بھی شک ہے کیونکہ شاعری کی تدوین دوسری صدی ہجری کے ابتداء میں ہوئی ہے اور اتنے طویل زمانہ تک زبانی شاعری کے منتقل ہوتے رہنے میں تبدیلی، اضافے اور مصنوعی شاعری کا احتمال ہے اور جاہلی شعر کے مشہور راوی حماد اور خلف احمر کے متعلق جو مشہور ہے کہ وہ شاعری کا مذاق بناتے تھے اور من گھڑت شعروں کو جاہلی شعراء کی طرف منسوب کرتے تھے اس سے مذکورہ احتمال کو اور تقویت پہنچتی ہے۔ شاید وہ انچاس قصیدے جن کو ابوزید قرشی نے اپنی کتاب ''جمہرۃ اشعار العرب'' میں جمع کیا ہے قدیم شاعری کی سب سے زیادہ صحیح روایت ہیں اور جاہلی اسلوب وطرز کی سچی مثال پیش کرتے ہیں۔ پھر بھی سب سے زیادہ مضبوط روایت والے اور حفاظت وعنایت کا بہت حصہ پانے والے وہ معلقات یا مذہبات یا سموط ہیں جن کے متعلق غالب گمان یہ ہے کہ وہی ایسے سات قصائد ہیں جو جمہور مؤرخین کے مطابق عربوں کے پسندیدہ تھے جن کو کتان کے کپڑے پر آب زر کے ساتھ لکھوا کر کعبہ پر لٹکا دیا گیا کہ ان کو دائمی شہرت اور مقبولیت رہے، جن میں سے چند فتح مکہ تک باقی رہے اور کچھ اس آگ کی نذر ہوگئے جو اسلام سے قبل کعبہ میں لگی تھی۔ یہ سات قصیدے، امرءالقیس، زہیر بن ابی سلمٰی، طرفہ بن العبد، لبید بن ربیعہ، عنترہ بن شداد، عمرو بن کلثوم، حارث بن حلزہ کے تھے اور کچھ لوگ بلا کسی مضبوط دلیل کے اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ یہ قصائد کعبہ پر لٹکائے گئے تھے۔ چنانچہ متقدمین میں سے ابوجعفر نحاس متوفی سن ۳۳۸ ہجری اور متاخرین میں سے مستشرق المانی نولڈکی ہیں، حالانکہ اہم صحیفوں کو کعبہ پر لٹکانے کا جاہلیت میں ایسا دستور تھا جس کا اثر اسلام آنے کے بعد بھی باقی رہا چنانچہ قریش نے وہ قرارداد جس میں انہوں نے بنوہاشم اور بنوعبدالمطلب سے اس وجہ سے ترک موالات کا عہد کیا تھا کہ یہ آپ ﷺ کی دعوتِ اسلام پر آپ کے حمایتی تھے، خانہ کعبہ پر لٹکائی۔ اسی طرح ہارون الرشید نے وہ عہدنامہ کعبہ پر لٹکایا جس میں اپنے بعد اپنے بیٹے امین اور مامون کے لئے خلافت کا عہد لیا تھا، پھر ان قصائد کے متعلق ایسا ماننے میں کون سی چیز مانع ہے، جبکہ معلوم ہے کہ عرب شاعری سے

کس قدر متاثر تھے اور شعراء کا ان کے ہاں کیا درجہ تھا۔ علاوہ ازیں اس رسم کی مثالیں یونانی ادب میں بھی ملتی ہیں چنانچہ غنائی شاعر کے سردار، بندار کا وہ قصیدہ جو اس نے ڈیگوراس کی تعریف میں کہا تھا اسے بھی لمنوس میں ایتھینز کے عبادت خانہ کی دیواروں پر سونے کے پانی سے لکھا گیا تھا۔

جاہلی شاعری کے نمونے:

امراء القیس نے کہا:

وَ قَدِ اغْتَدِیْ وَالطَّیْرُفِی وَکُنَاتِهَا   بِغَیْثٍ مِنَ الْوَسْمِیْ رَائِدُه خَالٍ

"میں صبح سویرے جبکہ پرندے ابھی اپنے گھونسلوں میں ہوتے ہیں موسم بہار کی پہلی بارش سے اگنے والے اس سبزہ زار کے لئے نکلتا ہوں کہ جس کے اکثر طلبگار ناکام رہتے ہیں۔

تحاماهُ أطرافُ الرماح تحامِیاً   وجادَ علیه کلّ أسْحَمَ هطال

اس کو نیزوں کی نوکوں نے خوب حفاظت میں لیا ہوا ہے اور اسی جگہ پر کالے سیاہ بادل خوب برستے ہیں۔

بعجلزة قد أترزَ الجریُ لحمَها   کُمَیْتٍ کأنها هراوةُ منوال

میں اپنے اس مضبوط کمیت گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتا ہوں جو بہت دوڑنے کی وجہ سے چھریرا ہو گیا اور جولاہے کی کھڈی کی اس لکڑی کے مشابہ ہو گیا جس پر وہ کپڑا لپیٹتا ہے۔

ذَعرت بها سربا نقیاً جلودُه   وأکرعه وشیُ البرود من الخال

میں نے اس گھوڑا کے ذریعہ جنگلی گایوں کے اس ریوڑ میں خوف و ہراس پھیلا دیا جن کی جلد صاف اور ٹانگیں دھاری دار تھیں۔

کأن الصُّوار إذْ تجاهدنَ غدوةً   علی جمزی خیل تجول بأجلالٍ

صبح سویرے وہ گائیں مخصوص انداز میں بھاگتی ہوئیں ایسی معلوم ہوتی تھیں کہ جھول پہنے ہوئے گھوڑے دوڑ رہے ہیں۔

فجال الصوار، واتقین بِقرْهَبٍ   طویل القرا والروق أخنس ذیال

ان گایوں نے دوڑ کر ایک ایسے جنگلی بیل کی پناہ لی جو بہت موٹا، لمبا، بڑے بڑے سینگوں والا، بیٹھی ناک اور لمبی دم والا تھا۔

فعادیت منه بین ثور ونعجةٍ   وکان عدائي إذا رَکِبتُ عَلَی بالي

میں نے ان کے پیچھے گھوڑا دوڑا کر ایک گائے اور ایک جنگلی بیل کو گرا لیا اور سوار ہونے کے بعد میں بہت احتیاط سے گھوڑا دوڑاتا ہوں۔

کأني بفتخاء الجناحین لقوةٍ   علی عجل منها أطأطِیء شملال

اپنے تیز رفتار گھوڑے پر ایڑ لگاتے ہوئے مجھے ایسے لگ رہا تھا کہ میں ایک پھرتیلے نرم بازو والے اور جھپٹنے والے عقاب پر سوار ہوں۔

تخطفُ خزانَ الانیعَم بالضحَی   وقد حَجَرتْ منها ثعالب أورَال

جو چاشت کے وقت مقام انیعم کے خرگوشوں پر جھپٹ رہا ہو اور جس کی دہشت سے ''اوراَل'' مقام کی لومڑیاں اپنے بلوں میں گھس گئی ہوں۔

كأنَّ قلوب الطيرِ رَطبًا ويابسا　　لدى وكرها العُنّابُ والحَشف البالي

پرندوں کے خشک اور تازہ دل اس کے گھونسلے کے آس پاس اس طرح پڑے ہوئے ہیں جیسے انگور اور ردی کھجوریں۔

فلو أنَّ ما أسعى لأدنى معيشة　　كفاني ولم أطلب قليلٌ مِن المال

اگر میں معمولی عیش گزر کے لیے کوشش کرتا تو مجھے تھوڑا مال ہی کافی ہو جاتا لیکن میں نے اس کی کوشش نہیں کی۔

ولكنما أسعى لمجد مُؤثَّلٍ　　وقد يدرك المجدَ المؤثلَ أمثالي

میری کوشش تو اس بزرگی کا حصول ہے جو دائمی عزت و شہرت کو لیے ہوئے ہو اور میرے جیسے اس کوشش میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔

وما المرءُ مادامت حُشاشةُ نفسِه　　بمُدرِكِ أطرافِ الخُطوب ولاآل

اور انسان تادم زیست انتھک کوشش کے باوجود مصائب کے سروں کو نہیں پا سکتا''۔

نابغه ذبیانی نے اپنے قصیدہ میں نعمان بن منذر کی تعریف کرتے ہوئے اور معذرت کرتے ہوئے کہا:

أَتَانِيْ أَبَيْتَ اللَّعنَ أَنكَ لُمْتَنِي　　وَتِلْكَ الَّتِيْ تَسْتَكُّ مِنْهَا الْمَسَامِعُ

''اے نصیبہ ور بادشاہ! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ نے مجھے ملامت کی یہ ایسی خبر ہے کہ کان اس سے بہرے ہو جاتے ہیں۔

مقالةُ أنْ قد قلت: سوفَ أنالهُ　　وذلكَ من تلقاءِ مثلك رائع

وہ بات یہ ہے کہ آپ نے کہا میں عنقریب اس کی پکڑ کروں گا اور آپ جیسوں سے یہ بات خطرہ سے خالی نہیں۔

لعمري وما عمري عليَّ بهين　　لقد نطقت بُطْلًا عَلَيَّ الأقارعُ

میری جان کی قسم! اور میری جان کوئی حقیر نہیں، اقارع نے مجھ پر بہتان تراشی کی ہے۔

أقارعُ عوفٍ، لا أحاول غيرها　　وُجوهُ قرودٍ تبتغي من تجادع

اور اقارع سے مراد صرف قریع بن عوف کی اولاد ہے جن کے بندروں کی طرح منہ ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ کوئی ان کے ساتھ جھگڑتا رہے۔

أتاك امرؤٌ مستبطنٌ لي بُغْضَةً　　له من عدوٍ مثل ذلك شافعُ

آپ کے پاس ایسا شخص آیا جو اپنے اندر میری خاطر کینہ چھپائے ہوئے ہے اور اس کو اپنے جیسا ایک دشمن سفارشی بھی مل گیا۔

أتاك بقول هَلْهَلِ النسج كاذبٍ　　ولم يأتِ بالحق الذي هو ناصع

اس نے آپ سے کمزور اور جھوٹی بات کہی، سچی اور خالص بات بالکل نہیں کہی۔

أتاك بقول لم أكن لأ قوله ولو كُبلت في ساعديّ الحوامع

اس نے آپ سے ایسی بات کہی کہ اگر میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی جائیں تب بھی میں وہ نہ کہہ پاتا۔

حلفتُ فلم أترك لنفسك ريبةً وهل يأثمَنْ ذوأمة، وهو طائع

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے کوئی شک وشبہ والی بات نہیں کی اور کیا دیندار فرمانبردار شخص جھوٹی قسم کھا سکتا ہے؟

بمصطحباتٍ من لِصافٍ وثَبْرَةٍ يرونَ إلا لاً، سَيرُهُنّ التدافع

ایسی اونٹنیوں کی قسم کھاتا ہوں جو ایک ساتھ تیز رفتاری سے، لصاف، ثبرۃ مقام اور الدل نامی پہاڑ سے گزر رہی ہیں۔

سماماً تُباری الرّيحَ خوصاً عيونُها لَهنَّ رزَايا بالطريق ودَائعُ

وہ پرندوں کی طرح ہوا سے باتیں کرتی ہوئی جارہی ہیں ان کی آنکھیں بیٹھی ہوئیں ہیں جن میں سے کچھ تو راستے میں مرگئیں اور کچھ باقی ہیں۔

عليهنّ شعث عامدون لحجهم فهُنّ كأطراف الحني خواضع

ان پر پراگندہ سر، حاجیوں کے قافلے سوار ہیں ان کے بدن کمان کی طرح جھکے ہوئے ہیں۔

لكلفتني ذنب امرىء، وتركته كذي العر يكوى غيره وهو راتع

آپ مجھے دوسرے کے گناہ کا مکلف بنا رہے ہیں اور اصل مجرم کو اس طرح چھوڑ رہے ہیں جیسے خارشی اونٹ کو چرتا چھوڑ کر صحیح اونٹ کو داغ دیا جائے۔

فإن كنت لاذ والضعن عني مُكذّبٌ ولا حَلِفي عَلَى البراءةِ نَافعُ

اگر آپ میرے دشمن کو نہ جھٹلائیں اور میری براءت کی قسم کا کچھ فائدہ نہ ہو۔

و لا أنا مأمونٌ بشيء أقولهُ وأنت بأمرٍ لا محالة۔ واقعُ

اور میری بات کا اعتبار نہ ہو اور آپ کا فیصلہ ہی صادر ہونے والا ہو۔

فإنك كالليل الذي هو مُدركي و إن خِلتُ أنَّ المنتأى عنك واسع

تو آپ تو رات کی طرح ہر چیز پر چھا جانے والے ہیں اگرچہ میں یہ خیال کروں کہ آپ سے بچ نکلنے کی جگہ بہت وسیع ہے۔

خطاطيفُ حُجّنٍ في حبال متينةٍ تُمدُّ بها أيدٍ إليك نوَازع

مڑے ہوئے آنکڑے مضبوط رسیوں میں بندھے ہوئے ہر طرف پھیلے ہیں جو بھاگنے والے کو چار و ناچار آپ کے پاس لے آتے ہیں۔

أتُوعِد عبداً لم يخنك أمانةً و يُترَكُ عبدٌ ظالمٌ وهو ضالع

کیا آپ اپنے ایسے غلام کو دھمکی دیتے ہو جس نے امانت میں کبھی آپ کے ساتھ خیانت نہیں کی اور ایسے ظالم کو چھوڑتے ہو جو جفا کار ہے۔

وَ أنت ربيعٌ يُنعِشُ النَّاسَ سَيبُه　　وسَيفٌ أُعِيرَتُهُ المنية قاطع

آپ فصل بہار ہیں جس کا فیض لوگوں کو زندگی بخشتا ہے اور ایسی تیز تلوار ہیں کہ جس میں موت کو مانگ لیا گیا ہے۔

أبى اللّٰه له إلا عدلهُ ووفاءهُ　　فلا النُّكْرُ معروفٌ ولا العرف ضائع

اللہ تعالیٰ نے آپ کو عدل وانصاف کا علمبردار بنایا ہے اس لیے آپ کے ہاں کوئی برائی بھلائی نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کوئی بھلائی ضائع ہو سکتی ہے۔

وتُسقى إذا ما شئتَ غيرَ مُصَرَّدٍ　　بزوراء في حاناتها المسكُ كانع

اور بلا کسی روک ٹوک کے آپ کی خواہش پر آپ کو زوراء کے میخانوں سے مشک ملی ہوئی شراب پلادی جائے''۔

درید بن الصمه[1] نے اپنے بھائی کے مرثیہ میں کہا:

أرَثَّ جَدِيْدُ الْحَبْلِ مِنْ أُمّ مَعْبَدِ　　بِعَاقِبَةٍ أَمْ أَخْلَفَتْ كُلَّ مَوْعِدِ

''کیا وجہ ہوئی کہ ام معبد کی محبت کا نیا عہد و پیمان کمزور ہو گیا یا ہر وعدہ کو پورا نہ کرنا اس نے اپنا شعار بنا لیا۔

وكانت، ولم أحمد إليك نوالها　　ولم ترجُ منّا ردّةً اليوم أوغدِ

وہ مجھ سے جدا ہو گئی کیونکہ میں نے اس کے عطیہ کی ناقدری کی اور آج کل وہ ہماری ملاقات سے بھی مایوس ہے۔

كأنَّ حمُولَ الحيِّ إذ متع الضحى　　بناصية الشحناء عصبة مذوَدِ

دوپہر کے وقت ناصیۃ الشحناء میں قبیلہ کے ہودے ایسے لگ رہے تھے جیسے مذود پہاڑ کی بیل بوٹیاں ان پر چڑھی ہوئی ہوں۔

أو الأَثابُ العَمُّ المحَرَّمُ سُوقُهُ　　بكابة لم يُخبط، ولم يتعَضدِ

یا وہ اُثاب کے قد آور درخت ہوں جن کو کاٹنا منع ہے اور اسی وجہ سے نہ ان کے پتے جھاڑے گئے ہوں اور نہ ان کی شاخیں تراشیں گئی ہوں۔

فقلت لعارض وأصحاب عارض　　ورهط بني السوداء والقومُ شُهَّدي

میں نے عارض اور اس کے ساتھیوں سے اور بنو سوداء کی جماعت (اس کے بھائی عبداللہ کے ساتھی) سے قوم کی موجودگی میں۔

علانيةً، ظُنوا بألفى مدجج　　سراتهم في الفارسي المُسَرد

ڈنکے کی چوٹ کہا: ذرا تم ان دو ہزار بہادروں کا تصور کرو جو اسلحہ سے لیس اور ایرانی مضبوط زرہیں پہنے ہوئے ہیں۔

---

[1] درید بن الصمہ عرب کا مشہور بہادر ہے اسلام کا زمانہ پایا لیکن مسلمان نہیں ہوا۔ بنو غطفان نے اس کے بھائی عبداللہ کو کسی جرم میں قتل کر دیا۔ درید نے اس کی جان بچانی چاہی لیکن بے سود اس صدمہ پر وہ تا حیات غمگین رہا، اور برابر اپنے بھائی کے رنج میں مرثیے کہتا رہا اور جب اس کی بیوی ام معبد نے اسے برا بھلا کہا تو اس نے اسے بھی طلاق دے دی اس قصیدہ میں اس نے اپنی بیوی کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی اپنے بھائی کا مرثیہ بھی کہا۔

وقلت لهم: إنَّ الأ حاليفَ هذه مطنبةٌ بين الستار وثهمدِ

اور میں نے یہ بھی کہا کہ یہ تمہارے خلاف لڑنے والے دشمن ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار اور حلیف ہیں، ستار اور ثہمد مقام کے درمیان خیمہ زن ہیں۔

ولما رأيت الخيلَ قبلا كأنها جرادُ يباري وجهَةُ الريح مغتدي

جب میں نے شہسواروں کو آتے ہوئے دیکھا جو لگ رہے تھے کہ ہوا کے مخالف اڑنے والے ٹڈی دل ہیں۔

أمرتُهمُ أمري بمنعرج اللوى فلم يستبينوا الرُّشد إلا ضحى الغد

تو میں نے ان کو، منعرج اللویٰ کا مشورہ دیا لیکن حقیقت حال دوسری صبح ہی ان پر منکشف ہوئی۔

فلما عصوني كنت منهم وقد أرى غوايتهم أني بهم غيرُ مُهتدي

جب انہوں نے میری بات نہ مانی تو چونکہ میں بھی انہی کا ایک فرد تھا اس لیے ان کی گمراہی کو اور اپنے گمراہ ہونے کو دیکھنے کے باوجود میں انہی کے ساتھ رہا۔

وهل أنا إلا من غزية؟ إن غوت غويت و إن ترشد غزّيةُ أرشُدِ

میں اس لشکر کا ایک سپاہی ہی تھا جب ساری قوم گمراہ ہوگئی تو میں بھی گمراہ ہی ہوں گا اور جب ساری قوم راہ راست پر آ جائے گی تو میں بھی راہ راست پر آ جاؤں گا۔

دعاني أخي والخيل بيني وبينه فلما دعاني لم يجدني بقُعْدُد

میرے بھائی نے مجھے اس وقت مدد کے لیے بلایا جب میرے اور اس کے درمیان شہسوار حائل ہو چکے تھے لیکن اس نے پھر بھی مجھے بزدل نہ پایا۔

أخ أرضعتني أمُّه من لبانها بثَدي صفاء بيننا لم يجدد

وہ میرا ایسا بھائی تھا کہ اس کی ماں نے اپنے پاک سینہ سے مجھے اور اس کو لگاتار دودھ پلایا تھا۔

فجئتُ إليه والرماحُ تنوشه كوقع الصيّاصي في النسيج الممُدّد

چنانچہ میں لبیک کہہ کر اس کے پاس پہنچا پر افسوس کے نیزے اس کے بدن میں اس طرح پیوست ہو چکے تھے جیسے جولاہے کے کنگھے بنے جانے والے پھیلائے ہوئے کپڑے میں پیوست ہوتے ہیں۔

وكنت كذاتِ البوّ ريعت فأقبلت إلى قطع من جلد بوّمجلد

اس وقت میں اس اونٹنی کی طرح حیران و سرگرداں تھا جس کے مردہ بچے میں بھس بھر دیا گیا ہو اور وہ پھر اسی بھوسہ بھرے ہوئے بچے کی طرف آئے۔

فطاعنتُ عنه الخيل حتى تنهنهت وحتى علاني حالكُ اللون أسود

چنانچہ میں نے شہسواروں سے خوب نیزہ بازی کی حتی کہ وہ پیچھے ہٹ گئے اور رات کی تاریکی مجھ پر چھا گئی۔

قتالَ امرئٍ آسى أخاهُ بنفسِه ويعلمُ أن المرء غيرُ مُخلد

میں نے یہ ثابت کر دیا کہ میں اپنے بھائی کو اپنی جان پر ترجیح دیتا ہوں اور یہ تو یقین ہے کہ آدمی دنیا میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔

تنادوا فقالوا: أردت الخيل فارساً! فقلتُ: أعبدُ اللّٰه ذلكم الرَّدِي؟

اچانک لوگوں کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی کہ شہسواروں نے ایک شہ سوار مار دیا، میں نے کہا کہیں وہ شہسوار عبداللہ تو نہیں۔

فإن يكُ عبدُ اللّٰه خلى مكانه فما كان وقّافاً ولا طائش اليد

اگر آج عبداللہ نے اپنی جگہ خالی کر دی تو کون سی عجیب بات ہے، وہ بزدل اور اناڑی تو نہ تھا۔

ولا برماً إمّا الرياحُ تناوحَتْ برطْب العِضاه، والضّريع المُنضدِ

اور نہ ہی کنجوس تھا بلکہ سخت سردی اور قحط کے زمانہ میں جبکہ تند و تیز ہوائیں سخت خاردار درختوں کو ہلا کر رکھ دیتی ہیں وہ اپنی سخاوت نہیں چھوڑتا تھا۔

و تخرج منه صرةُ القُرِّ جزاةً وطُولُ السّرى دُرِّيَّ عَضْبٍ مُهَنّد

سخت ٹھٹھرتی سردی اس سے چھری نکلوا لیتی تھی (یعنی وہ اس حالت میں بھی جانور ذبح کر کے سخاوت کرتا تھا) اور دور دراز کے سفروں میں تیز، چمکدار ہندی تلوار اس کے ساتھ ہوتی تھی۔

كميش الإ زارِ خارجٌ نصفُ ساقِه صبورٌ على الضراء طلاعُ أنجُدِ

وہ چھوٹے ازار والا تھا کہ اس کی آدھی پنڈلی تہبند سے باہر ہوتی تھی (یعنی چاق چوبند تھا) سختیوں پر بڑا صبر کرنے والے اور بلند و بالا چوٹیاں سر کرنے والا تھا۔

قليل تشكيه المصيبات ذاكر فمن اليوم أعقاب الأحاديث في غد

مصیبتوں کا کبھی شکوہ نہ کیا تھا اور دور اندیش اتنا تھا کہ کل ہونے والے واقعات کا آج ہی اندازہ لگا لیتا تھا۔

اذا هَبَط الأرض الفضاءَ تزَيّنت لرُؤيته كالمأتم المتلّبد

جب وہ کسی میدان میں پڑاؤ ڈالتا تو اس کی زیارت کو آنے والوں کی اتنی کثرت ہوتی تھی کہ جنگل لوگوں کے مجمعوں سے مزین ہو جاتا تھا۔

وكم غارةٍ بالليل واليوم قبله تداركها مني بسيد عمرّدِ

اس سے قبل بہت سے دن رات ہونے والے حملوں میں اس نے میرا ساتھ نبھایا تھا ایسے مضبوط گھوڑے پر سوار ہو کر۔

سليم الشظى عبلُ الشوى شنجُ النسا طويلُ القرَا نهدٌ أسيلُ المُقلد

جو نہایت توانا، لمبی پشت، ابھرے سینے والا، کسی ہوئی رانوں والا اور لمبی گردن والا تھا۔

يفوتُ طويل القوم عقدُ عذاره ۔ مُنيفٌ كجذع النخلة المتجرِّد

حتی کہ قوم کا سب سے لمبا آدمی اس کے سر پر کلغی نہیں باندھ سکتا تھا وہ اس کھجور کے درخت کی طرح لمبا تھا جس کی شاخیں کاٹ لی گئی ہوں۔

وكنت كأني واشق بمُصدَّرٍ ۔ يُمَشِّي بأكنافِ الخُبَيِّل فثهمَد

اس کے ہوتے ہوئے گویا میں ایسے مضبوط شیر کی پناہ میں تھا جو مقام خبیل اور ثہمد کے اطراف میں پھر رہا ہو۔

له كلُّ من يَلْقَى من الناس واحداً ۔ وإن يَلْقَ مثنَى القوم يفرَحَ ويَزْدَد

جب کوئی اکیلا اس سے ملے تو وہ خوش ہو اور اگر ایک جماعت مل جائے اس کی خوشی اور بڑھ جاتی ہے۔

وهوَّن وجدي أنني لم أقُل له: ۔ كذبت ولم أبخل بما ملكت يدي

اور اس بات کو سوچ کر میرا غم ہلکا ہو جاتا ہے کہ میں نے کبھی اس سے جھوٹی بات نہیں کی اور نہ ہی اپنا مال اس پر خرچ کرنے میں بخل سے کام لیا"۔

علقمه بن عبدة تميمى نے کہا:

طَحَابِكَ قَلْبٌ في الحِسَانِ طَرُوبُ ۔ بُعَيْدَ الشباب عَصْرَ حَانَ مشِيبُ

"اے نفس! دل تجھے ایسے وقت میں بھی حسینوں کی وادی میں مست کیے ہوئے ہے جبکہ تیری جوانی ڈھل گئی اور بڑھاپے نے تجھے آ لیا۔

يكلفني ليلَى، وقد شط وليُها ۔ وعادت عوادٍ بيننا وخُطوب

لیلیٰ نے مجھے تکلیف میں ڈال دیا حالانکہ اس کی ملاقات بعید ہے اور ہمارے درمیان بہت سے موانع اور مشکلات حائل ہیں۔

مُنعَّمة، ما يُستطاع كلامها، ۔ على بابها مِن أن تزارَ رَقيب

وہ ناز و نعمت میں پرورش یافتہ ہے، بھلا اس سے کون بات کر سکتا ہے جبکہ اس کے دروازے پر نگران اس کی زیارت بھی نہیں کرنے دیتا۔

إذا غاب عنها البعلُ لم تُفش سِرَّهُ ۔ وتُرضي إياب البعل حين يؤُوب

جب اس کا شوہر گھر سے سفر میں چلا جاتا ہے تو وہ اس کا کوئی راز فاش نہیں کرتی اور جب اس کا شوہر واپس آتا ہے تو وہ اس کو خوشی پہنچاتی ہے۔

فلا تعدلي بيني وبين مغُمَّر ۔ سَقتكِ روايا المُزْنِ حين تصوب

اے میری محبوبہ! تو مجھے ایک ناکارہ اور ذلیل آدمی کے برابر مت سمجھنا، اللہ تجھے خوب تیز برسنے والے بادلوں سے سیراب کرے۔

سقاكِ يمانٍ ذو حبي وعارضٍ تروحُ به جُنْحَ العشي جنوب

اور جنوب سے چلنے والی ہوائیں جن بھاری بادلوں کو کھینچ کر لائیں وہ تیری زمین کو سیراب کرے۔

وما أنت؟ أم ما ذكرها؟ ربْعِيَّةٌ يُخط لها من ثرمداء قليب

اے علقمہ! تو کہاں؟ اور اس کی یاد کہاں؟ وہ تو ربیعہ قبیلہ کی ہے اور اس کے لیے تو مقام ثرمداء میں ایک کنواں خاص کر دیا گیا ہے۔

فإن تسألوني بالنساء فإنني بصيرٌ بأدواء النساء طبيب

اگر تم مجھ سے عورتوں کے متعلق دریافت کرو تو خوب سمجھ لو کہ میں عورتوں کی بیماری سے خوب واقف ہوں۔

إذا شابَ رأسُ المرء أو قلَّ ماله فليس له من وُدِّهِنَّ نصيب

جب آدمی کے سر میں سفید بال نظر آنے لگیں یا اس کا مال کم ہو جائے تو پھر ان کی محبت کا کوئی حصہ اس کے لیے نہیں رہتا۔

يُردن ثراءَ المال حيث علمنهٗ و شرخُ الشباب عند هن عجيب

یہ اسی طرف چلتی ہیں جہاں مال و دولت کی ریل پیل ہو اور بھری جوانی تو ان کی پسندیدہ چیز ہے۔

فدعها وسلِّ الهَمَّ عنك بجسرةٍ كهمك فيها بالرِدافِ خبيب

اے علقمہ! تو اس کے خیال کو چھوڑ دے اور ایسی تیز رفتار اونٹنی پر سفر کر کے اپنا غم ہلکا کر، جو ایک سوار کے پیچھے سوار کو لے کر اس طرح دوڑے جس طرح تیری فکر۔

إلى الحارث الوهاب أعملتُ ناقتي بكلكلها .والقصريين وجيب

میں نے اپنی اونٹنی کو سخی حارث کے پاس پہنچنے کے لیے خوب بھگایا، حتیٰ کہ اس کا سینہ اور بالائی پسلیاں دھڑکنے لگ گئیں''۔

عبد یغوث حارثی یمنی نے کہا:

اَلَا لَا تَلُوْ مَانِیْ کَفٰی اللَّوْمِ مَابِیا فَمَا لَکُمَا فِی اللَّوْمِ خَیْرٌ وَلَا لِیَا

''اے میرے دوستو! مجھے ملامت نہ کرو کیونکہ جو میری حالت ہے وہ ملامت کے لیے کافی ہے لہٰذا تمہاری ملامت میں نہ میرا کچھ فائدہ اور نہ ہی تمہارا۔

ألم تعلما أن الملامة نفعُها قليل، وما لومي أخي من شماليا

کیا تم نہیں جانتے کہ ملامت کا اتنا فائدہ نہیں ہوتا اور اپنے بھائی کو ملامت کرنا میری عادت نہیں۔

فيا راكبا إما عرضتَ فبلغن ندا ماي من نجران أن لا تلاقيا

اے سوار! اگر تو حجاز پہنچ جائے تو میرے نجرانی ساتھیوں کو کہہ دینا کہ اب ہماری ملاقات کا کوئی راستہ نہیں۔

أباكرب والأ يهمين كليهما ... وقيسا بأعلى حضر موت اليمانيا

میرا یہ پیغام ابوکرب اور دونوں ایہموں کو پہنچا دو اور حضر موت کے یمنی بالائی علاقہ میں قیس کو بھی پہنچا دو۔

جزى الله قومي بالكلاب ملامة ... صريحهمُ والاخرين المواليا

اللہ تعالیٰ میری قوم کے آزاد اور غلاموں کو واقعہ کلاب کے بدلے ملامت دے۔

ولوشئت نجتني من الخيل نهدَةٌ ... ترى خلفها الحُوَّ الجيادَ توّاليا

اگر میں بھاگنا چاہتا تو مجھے مضبوط اور سبک رفتار گھوڑا وہاں سے نجات دلا دیتا اور تو میرے گھوڑے کے پیچھے بھاگنے والوں کے عمدہ سیاہ گھوڑے لگاتار جاتے ہوئے دیکھتا۔

ولكنني أحمى ذمار أبيكم ... وكان الرماح يختطفن المُحاميا

لیکن میں نے تمہارے آباؤ اجداد کی عزت کی حفاظت کی اور ایسے محافظ کو نیزے اچک رہے تھے۔

أقول وقد شدُّوا لساني بنسعةٍ ... أمعشر تيم أطلقوا عن لسانيا

جب انہوں نے تسمہ سے میری زبان باندھ دی تو میں نے ان کو کہا اے بنوتیم! تم میری زبان تو کھول دو۔

امعشر تيم قد ملكتم فأسجحوا ... فإن أخاكم لم يكن من بوائيا

اے بنوتیم! تم مجھ پر قابو تو پا ہی چکے ہو، اب میرے ساتھ نرمی کا سلوک کرو کیونکہ تمہارا مقتول میرے درجہ کا تو نہیں تھا۔

فإن تقتلوني تقتلوا بي سيداً ... وإن تطلقوني تحربوني بماليا

اگر تم مجھے قتل کرو گے تو ایک سردار کو قتل کرو گے اور اگر مجھے چھوڑ دو گے تو تمہیں میرا مال مل جائے گا۔

أحقا عبادَ اللّهِ أن لست سامعاً ... نشيد الرعاء المعزبين المتاليا

اے اللہ کے بندو! کیا یہ بات درست ہے کہ اب میں ان چرواہوں کے ہم آہنگ نغمے نہ سن سکوں گا جو بستی سے دور نکلے ہوئے ہیں۔

وتضحك مني شيخةٌ غبشميةٌ ... كأن لم ترى قبلي أسيراً يمانيا

بنو عبد شمس کی بڑھیا مجھے دیکھ کر ایسے ہنستی ہے کہ اس نے مجھ سے پہلے کوئی یمنی قیدی دیکھا ہی نہیں۔

وقد علمت عِرسي مليكة أنني ... أنا الليثُ معدُوًّا عَلَى وعَاديا

میری بیوی ملیکہ کو معلوم ہے کہ میں جب حملہ کرتا ہوں یا مجھ پر حملہ کیا جاتا ہے تو میں شیر ہوتا ہوں۔

وقد كنت نحارَ الجزور، ومُعْمِل الـ ... مَطيّ، وامضي حيث لا حيٌّ ماضيا

اور میں (بوجہ سخاوت) بہت اونٹ ذبح کرتا تھا اور اپنی سواری تیز دوڑاتا تھا اور ایسے ایسے کارنامے انجام دے دیتا تھا جو کوئی زندہ نہیں دے سکتا۔

وأنحر للشرب الكريم مطيتي ... واصدع بين القينتين ردائيا

میں اپنے مہربان ہم مشربوں کے لیے اپنی سواری تک بھی ذبح کر دیتا تھا اور اپنی چادر دوگانے والیوں کے درمیان بانٹ دیتا تھا۔

وكنت إذا ما الخيل شمصها القنا لبيقا بتصريف القناة بنانيا

اور جنگ میں جب نیزے گھوڑوں کو بھڑکا رہے ہوں تو میں نیزہ بازی میں پورا ہوشیار ہوتا تھا۔

وعادية سوم الجراد وزعتها بكفي وقد انحوا إلي العواليا

اور بہت سے ٹڈی دل لشکروں کو جو مجھے اپنے نیزوں کا نشانہ بنا رہے تھے میں نے اپنے ہاتھ سے پھیر دیا۔

كأني لم أركب جوادا ولم أقل لخيلي: كرّي نفسي عن رحاليا

اب ایسا لگتا ہے کہ میں کبھی گھوڑے پر سوار ہی نہیں ہوا اور کبھی میں نے اپنے دستہ کو حملہ آوروں کی مدافعت کا حکم ہی نہیں دیا۔

ولم أسبأ الزّق الروي، ولم أقل لأيسار صدق أعظموا ضوء ناريا

اور جیسے تو میں نے کبھی شراب نوشی کے لیے شراب کا مشکیزہ خریدا ہی نہیں اور کبھی اپنے جوئے باز ساتھیوں سے کہا ہی نہیں کہ میری آگ بلند کرو''۔

ذوالا صبع عدوانی نے کہا:

لِيَ ابْنُ عَمٍّ علٰى مَا كَانَ مِنْ خُلق مُخْتَلِفَانِ فَأَقْلِيْه وَيَقْلِيْنِيْ

''میرا ایک چچازاد بھائی ایسے اخلاق والا ہے کہ ان کی وجہ سے ہم دونوں میں جھگڑا ہے چنانچہ میری اس سے دشمنی ہے اور اسے مجھ سے دشمنی ہے۔

أزرى بنا أننا شالت نعامتنا فخالني دونه، وخلته دوني

اور ہمیں ہمارے اختلاف ہی نے ذلیل کیا ہے، چنانچہ وہ مجھے اپنے سے گھٹیا سمجھتا ہے اور میں اسے اپنے سے کمتر۔

يا عمرو إلا تدع شتمي ومنقصتي أضربك، حتى تقول الهامة: اسقوني

اے عمرو! اگر تو مجھے گالی دینے اور میری بے عزتی کرنے سے باز نہ آیا تو میں تجھے قتل کر دوں گا اور تیرے سر سے نکلنے والا الو چیختا ہی رہے گا کہ ''مجھے سیراب کرو''۔[1]

لاه ابن عمك! لا أفضلت في حسب عني، ولا أنت دياني فتخزوني

اے چچازاد! اس زیادتی کے بارے میں اللہ سے ڈر، نہ تو تم مجھ سے اعلیٰ نسب والے ہو اور نہ ہی میرے آقا ہو کہ مجھے رسوا کرتے ہو۔

ولا تقوت عيالي يوم مسغبة ولا بنفسك في العزّاء تكفيني

---

[1] عربوں کا خیال تھا کہ جب کوئی قتل کر دیا جائے اور اس کا بدلہ نہ لیا جائے تو مقتول کے سر سے الو کی طرح کا ایک پرندہ نکلتا ہے جو چیخ چیخ کر کہتا رہتا ہے مجھے سیراب کرو یعنی خون کا بدلہ لو۔

نہ تو تم میرے بال بچوں کی بھوک میں پرورش کرتے ہو اور نہ سخت موقعہ پر کبھی میری مدد کرتے ہو۔

إني لعمرك ما بابي بذي غلق عن الصديق، ولا خيري بممنون

اے برخوردار! تیری زندگی کی قسم، دوست کے لیے میرا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا، اور نہ میں احسان کر کے جتلاتا ہوں۔

ولا لساني على الأدنى بمنطلق بالفاحشات، ولا فتكي بمأمون

نہ میں کمزوروں پر گالی گلوچ کے ذریعہ اپنی زبان کھولتا ہوں لیکن جب پکڑ کرتا ہوں تو اس سے بچا نہیں جاسکتا۔

عفٌّ يؤوس إذا ما خفت من بلدٍ هوناً فلستُ بوقاف عَلَى الهُون

میں پاکباز ہوں اور خوددار ایسا ہوں کہ لوگوں کی دولت پر نظر اٹھتی ہی نہیں، جب مجھے ایک شہر میں بے عزتی کا ڈر ہوتا ہے، تو میں ذلت کی جگہ بالکل نہیں ٹھہرتا۔

عني إليك، فما أمِّي براعيةٍ ترعى المخاض، وما رأيي بمغبون

جاؤ میرے پاس سے چلے جاؤ، میری ماں ایسی نہ تھی کہ قریب الولادت اونٹنیاں چراتی اور نہ ہی میری رائے کمزور اور ناقص ہے۔

كل امرىء راجع يوما لشيمته و إن تخلق أخلاقاً إلى حين

ہر شخص ایک نہ ایک دن اپنی طبعی عادات کی طرف لوٹ آتا ہے اگرچہ وہ بہت زمانے تک مصنوعی اخلاق اپناتا رہا ہو۔

إني أبيٌّ أبيٌّ ذو محافظةٍ و ابن أبيٍّ أبيٌّ من أبيين

میں نہایت خوددار اور اپنے آباؤ اجداد کی عزت کی حفاظت کرنے والا ہوں میں خوددار کا بیٹا اور خودداروں میں سے ایک خوددار ہوں۔

وانتم معشر زيد على مائة فأجمعوا أمركم كلًّا فكيدوني

اے معشر زید! تم تو سو سے بھی زیادہ ہو، تم اپنے آپ کو مضبوط کر کے میرے خلاف جو کرنا چاہو کرلو۔

فإن علمتم سبيل الرشد فانطلقوا و إن جهلتم سبيل الرشد فأتوني

اگر تمہیں درست راہ معلوم ہے تو اس پر چل پڑو اور اگر تمہیں معلوم نہیں تو مجھ سے آکر پوچھ لو۔

ماذا علي و إن كنتم ذوي رحمي ألّا أحبكم إن لم تحبوني

تم خواہ کتنے ہی صاحب شرف و کرم ہو مجھے اس سے کوئی واسطہ نہیں، جب تم ہی مجھ سے محبت نہیں کرتے تو میں تم سے کیوں محبت کروں۔

لو تشربون دمي لم يرو شاربكم ولا دماؤكم جمعاً ترُوِّيني

اگر تم میرا خون پیوگے تو میرے خون سے سیراب نہیں ہو سکتے اور اسی طرح تم سب کا خون بھی مجھے سیراب نہیں کر سکتا۔

اللّٰه يعلمني، واللّٰه يعلمكم واللّٰه يجزيكم عني، ويجزيني

اللہ تعالیٰ کو میرا بھی حال معلوم ہے اور تمہارا بھی، تمہاری میرے ساتھ کاروائی کا اللہ تمہیں بدلہ دے گا، اور میری

تمہارے ساتھ کاروائی کا مجھے بدلہ دے گا۔

قدكنت أوتيكم ثم نصحي، وأمنحكم   وُدي على مثبتٌ في الصدر مكنون

میں تمہاری خیر خواہی کرتا رہا اور تمہارے ساتھ دوستی کرتا رہا، باوجودیکہ سینہ میں عداوت تھی۔

لا يخرجُ الكره مني غير مأبيةٍ   ولا ألينُ لمن لا يبتغي ليني

مجھ پر زبردستی اور اکڑ، کا میری طرف سے جواب صرف انکار کی صورت میں ملے گا اور جو میرے ساتھ نرمی سے پیش نہیں آتا میں اس کے لیے نرم نہیں ہوتا"۔

افوہ اودی نے کہا:

اَلْبَيْتُ لَا يُبْتَنىٰ اِلَّا لَهٗ عَمَدٌ   وَ لَا عِمَادٌ اِذْ لَمْ تُرْسَ اَوْ تَادُ

"کوئی گھر اس وقت تک کھڑا نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کا ستون نہ ہو اور جب تک ستون کی میخیں نہ گاڑی جائیں وہ نہیں ٹھہر سکتا۔

فإن تجمّعَ أوتادٌ وأعمدةٌ   وساكنٌ بلغوا الأمر الذى كادوا

اگر چند میخیں اور ستون جمع کر لیے جائیں اور کوئی گھر میں رہنے کے لیے بھی مل جائے تو وہ کام پورا ہو جاتا ہے۔

لا يصلحُ الناس فوضى لا سراة لهم   ولا سراة إذا جهالهم سادُوا

جس قوم کا کوئی سردار نہ ہو اس کا حال درست نہیں ہوسکتا اور جب جاہل، اجڈ سردار بن جائیں تو بھی یہی سمجھیں کہ ان کا کوئی سردار نہیں۔

تهدى الأمور بأهل الرأي ما صلحت   فإن تولت فبا لأشرار تنقادُ

جب تک امور اہل رائے وبصیرت لوگوں کے ہاتھوں میں ہوں تو وہ ٹھیک رہتے ہیں اور برے لوگوں کے ہاتھ میں آجائیں تو بگڑ جاتے ہیں۔

إذا تولى سراة الناس أمرهم   نما على ذاك أمر القوم فازدا دوا

جب لوگوں کا شریف سرداران کے امور کا نگہبان بن جائے تو اس قوم کے امور میں ترقی ہوتی ہے اور وہ خوب پھلتے پھولتے ہیں۔

وداک بن ثمیل مازنی نے کہا:

رُوَيْدَ بَنِي شَيْبَانَ بعض وَعِيْدَكُمْ   تُلَاقو غداً خَيْلِي عَلَى سَفْوَانَ

"اے بنوشیبان اپنی دھمکیاں چھوڑ دو، کل تم مقام سفوان پر میرے شہسواروں سے مل لوگے۔

تلاقوا جياداً لا تحيد عن الوغى   إذا ما غدت في المأزق المتداني

تم ایسے عمدہ گھوڑوں سے ملوگے جو میدان جنگ سے سخت جنگ کے وقت بھی منہ نہیں موڑتے۔

عليها الكماةُ الغرُّ من آل مازن　　ليوث طعان عند كل طعان

ان پر بنو مازن کے ایسے مسلح بہادر ہیں جو میدان جنگ کے شیر ہیں اور نیزہ بازی کے خوب ماہر ہیں۔

تلاقوهم فتعرفوا كيف صبرُهم　　عَلَى ما جنت فيهم يد الحدثان

ان سے ملو گے تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ وہ زمانہ کی چیرہ دستیوں پر کتنے صبر کرنے والے ہیں۔

مقاديم وصالون في الروع خطوهم　　بِكلِّ رقيق الشفرتين يمان

وہ آگے بڑھنے والے اور خوف کی جگہوں میں گھسنے والے ہیں، ان کے قدم یمنی، دو دھاری تلوار کے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔

إذا استنجدُوا لم يسألوا من دعاهم　　لأية حرب أم بأي مكان

جب ان کو جنگ کے لیے بلایا جاتا ہے تو وہ بلانے والے کو نہیں دیکھتے اور نہ ہی جنگ کی وجہ اور جگہ کو دیکھتے ہیں۔ (اس مدد کے لیے چل پڑتے ہیں)۔

زهیر بن ابی سُلمی نے ہرم بن سنان کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

وَأَبيَضَ فياض يداه غمامة　　عَلَى مُعْتَفِيهِ مَا تُغِبُّ فَوَاضِلُهُ

''وہ شریف اور سخی ہے، مانگنے والوں پر اس کے ہاتھ بادل کی طرح دولت برساتے ہیں، اس کے انعامات کا سلسلہ کبھی بند نہیں ہوتا۔

أخي ثقةٍ لا يهلك الخمر ماله　　ولكنه قد يهلك المال نائله

وہ نہایت بااعتماد ہے، شراب اس کا مال ختم نہیں کر سکتی، ہاں کبھی اس کی عطاء ہی مال ختم کر دیتی ہے۔

تراه إذا ماجئته متهللاً　　كأنك تعطيه الذي أنت سائله

جب تو اس کے پاس آئے گا تو اسے خوش پائے گا گویا کہ جو تم اس سے مانگ رہے ہو وہ تم خود ہی اس کو دے رہے ہو۔

نیز یہ بھی کہا:

وفيهم مقاماتٌ حسانٌ وجوههم　　وأنديةٌ ينتابها القول والفعل

''ان میں خوبصورت جماعتیں ہیں اور ایسی مجالس ہیں جہاں قول و فعل باری باری ہوتے رہتے ہیں۔

و إن جئتهم ألفيت حول بيوتهم　　مجالس قد يُشْفَى بأحلامها الجهل

جب تو ان کے پاس جائے گا تو ان کے گھروں کے ارد گرد ایسی مجلسیں پائے گا جو اپنی عقل سے جہالت کو ختم کر دیتی ہیں۔

على مكثريهم رِزقُ من يعتريهمُ　　وعند المقلين السماحة والبذل

ان کے مالداروں کے ذمہ، آنے والے مہمانوں کی مہمان نوازی ہے اور فقیروں کے ذمہ مہمانوں کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنا اور خاطر مدارت ہے۔

سعى بعدهم قوم لكي يدركُوهُمْ　　فلم يفعلوا ولم يليموا ولم يألوا

ان کے بعد اور لوگوں نے بھی کوشش کی کہ ان کا مقام پالیں، لیکن وہ نہ پاسکے اور چونکہ انہوں نے کوشش کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کی تھی اس لیے ان کو ملامت بھی نہیں کی جاسکتی۔

فما كان من خير أتوه فإنما توارثهُ آباءُ آبائهم قبل

ان کی جو خیر و بھلائی ہے وہ ان کو اپنے آباء واجداد سے وراثت میں ملی ہے۔

وهل يُنبِتُ الخطيَّ إلا وشيجُهُ وتُغرَس إلا في منابتها النخلَ؟

تو کیا نیزہ اپنے مخصوص درخت کے علاوہ کہیں اور سے حاصل ہوسکتا ہے اور کھجور کا درخت اس کے لیے تیار کی گئی زمین کے علاوہ کہیں اور لگایا جاسکتا ہے''۔

اعشی نے محلّق کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

لعمري لقد لاحت عيونٌ كثيرة إلى ضوء نار باليفاع تحرَّقُ

میری عمر کی قسم بہت سی آنکھوں نے اس آگ کی روشنی دیکھی ہے جو بلند ٹیلہ پر جل رہی ہے۔

تشَبُّ لمقرورين يصطليانها وبات على النار الندىٰ والمحلق

وہ آگ ایسے دو شخصوں کے تاپنے کے لیے جلائی گئی ہے جو سردی کے مارے ہوئے ہیں اور وہ دو شخص آگ پر رات گذارنے والے محلّق اور سخاوت ہیں۔

رضيعي لبانٍ ثدي أم تقاسما بأسحم داج عوضُ لا نتفرق

وہ دونوں دودھ شریک بھائی ہیں انہوں نے اندھیری رات میں یہ عہد و پیمان کرلیا ہے کہ ہم کبھی جدا نہ ہوں گے۔

ترى الجود يجري ظاهراً فوق وجهه كما زان متن الهِندُواني رونق

تمہیں سخاوت اس کے چہرہ پر اس طرح چھلکتی نظر آئے گی جس طرح ہندی تلوار چمک دمک کی وجہ سے مزین نظر آتی ہے۔

يداه يَدا صدق فكفٌ مبيدةٌ وكفٌ إذا ماضُنّ بالمال تنفِقُ

اس کے دونوں ہاتھ ہی سخاوت کرنے والے ہیں، پر ایک ہر وقت مال ہلاک کرتا رہتا ہے اور دوسرا اس وقت خرچ کرتا ہے جب قحط کی وجہ سے لوگ اپنے مال چھپا رہے ہوں''۔

تابط شرا نے اپنے چچازاد بھائی کی تعریف کی اور وہ صفات بیان کیں جو جاہلیت میں قابل مدح تھیں:

اني لَمُهدٍ من ثنائي فقاصدٌ به لابن عم الصدق شمس بن مالك

''میں تعریف کا ہدیہ پیش کرتا ہوں اپنے چچازاد بھائی شمس بن مالک کی خدمت میں جو کہ بڑا وفادار ہے۔

أهزُّبه في ندوة الحي عِطفَهُ كما هز عطفي بالهجان الأوارك

میں تعریف کے ذریعہ قبیلہ کی مجلس میں اسے ایسے خوش کروں گا جیسے اس نے نسلی موٹا اونٹ دے کر مجھے خوش کیا۔

قليل التشكي للمهم يصيبه كثير الهوى شتى النوى والمسالك

وہ مصیبتوں کا بہت کم شکوہ کرنے والا ہے، بہت سے شوق اور مختلف مقاصد، نت نئی راہیں نکالنے والا ہے۔

يظل بموماة ويمسى بغيرها جُحيشاً ويعروري ظهور المهالك

ایک جنگل میں صبح کرتا ہے تو دوسرے میں شام کرتا ہے، حالانکہ وہ اکیلا ہوتا ہے اور سخت ہلاکت کی جگہوں میں گھسنے سے دریغ نہیں کرتا۔

ويسبق وفد الريح من حيث ينتحى بمنخرق من شدة المتدارك

وہ جہاں جانے کا ارادہ کرتا ہے تو اتنی سرعت سے جاتا ہے کہ ہوا کو بھی پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔

إذا حاص عينيه كرى النوم لم يزل له كالىءٌ من قلب شيحانَ فاتك

جب وہ سو جاتا ہے تو مسلسل اس کا چوکنا دل پہرہ دیتا رہتا ہے۔

ويجعل عينيه ربيئة قلبه إلى سلةٍ من حد أخلق صائك

وہ اپنی آنکھوں کو اپنے دل کا جاسوس اور پیش رو بناتا ہے جب تک وہ اپنی چمکدار خوں بہانے والی تلوار نہ کھینچ لے۔

إذا هزه في وجه قرن تهللت نواجذ أفواه المنايا الضواحك

جب مد مقابل کی ہڈی میں اس تلوار کو مارتا ہے تو موت بھی مارے خوشی کے ہنس پڑتی ہے۔

يرى الوحشة الإنس الأنيس ويهتدي بحيث اهتدت أمُّ النجوم الشوابك

وہ وحشت کو بہت مانوس سمجھتا ہے اور ان بلند راہوں کو پالیتا ہے جہاں کہکشاں کے تارے ہوتے ہیں''۔

عمرو بن هذيل عبدي نے کہا:

ولا ترج خيراً عند باب ابن مسمع إذا كنت من حيي حنيفة أو عجل

ابن مسمع کے دروازے سے تو کسی بھلائی کی امید مت رکھ، جبکہ تو بنو حنیفہ یا بنو عجل سے ہو۔

ونحن أقمنا أمر بكر بن وائل وأنت (بثاج) ماتمرٌّ وما تَحْلى

ہم نے ہی تو بکر بن وائل کا معاملہ درست کیا ہے، تم تو مقام ثاج میں نہ کسی نفع کے ہو، نہ نقصان کے۔

وما تستوي احساب قوم تُورثت قديما وأحساب نبتن مع البقل

جو قوم پہلے ہی سے حسب ونسب والی ہو اس کے برابر بھلا وہ قوم ہو سکتی ہے جس کا حسب سبزیوں کے ساتھ اگ آیا ہو (یعنی ابھی حاصل ہوا ہو)''۔

لبيد بن ربيعه نے نعمان کے مرثیہ میں کہا:

ألا تسألان المرء ماذا يحاول أنحبٌ فيقضى أو ضلالٌ وباطل؟

اے دو دوستو! تم انسان سے یہ نہیں پوچھتے کہ وہ کس مصروفیت میں لگا ہوا ہے کیا کوئی نذر ہے جس کو پوری کر رہا ہے یا ایسے ہی گمراہی اور بیکار چیز میں لگا ہوا ہے۔

أرى الناس لا يدرون ماقدر أمرهم　　بلى، كل ذي لب إلى الله واصل

میرے خیال میں تو لوگوں کو اپنے معاملات کی سمجھ نہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ ہر عقلمند اللہ سے تعلق قائم کرتا ہے۔

ألا كلُّ شيء ما خلا الله باطل　　وكل نعيم لا محالة زائل

کان کھول کر سن لو! اللہ کے علاوہ ہر چیز نے فنا ہونا ہے اور ہر نعمت ضرور بالضرور ختم ہو کر رہے گی۔

وكل أناس سوف تدخل بينهم　　دويهيةٌ تصفر منها الأنامل

اور تمام لوگوں کو ایسی مصیبتوں کا سامنا کرنا ہے جس کی دہشت سے انگلیاں زرد ہو جائیں گی۔

و كل امرىء يوماً سيعلم غيبه　　إذا حُصِّلت عند الإ له الحصائل

اس دن ہر شخص کو اپنی زندگی کا خفیہ پہلو معلوم ہو جائے گا جب اس کے اعمال کے نتیجے اللہ تعالیٰ کے سامنے جمع ہوں گے۔

إذا المرء أسرى ليلةً خال أنه　　قضى عاملاً، والمرء مادام عامل

آدمی جب کسی رات سفر کرتا ہے تو سمجھتا ہے کہ میں نے کام پورا کر لیا، حالانکہ انسان موت تک عمل میں لگا ہوا ہے۔

فقولا له إن كان يقسم أمره　　ألما يعظك الدهر؟ أمك هابل

اے میرے دوستو! جو شخص اپنے امور کی نظم بندی میں لگا ہوا ہے اس سے کہہ دو تیری ماں تجھے روئے، کیا تجھے ابھی تک زمانہ نے درس عبرت نہیں دیا۔

فتعلم أني لست مدرك مامضى　　ولا أنت مما تحذر النفس وائل

تجھے پتہ چل جاتا کہ جو کچھ گذر چکا تو اسے پا نہیں سکتا اور نہ تو اس خوف سے چھٹکارا پا سکتا ہے جو تیرے دل کو لگا ہوا ہے۔

فإن أنت لم ينفعك علمك فانتسب　　لعلك تهديك القرون الأوائل

اگر تجھے تیرے علم نے نفع نہیں پہنچایا تو تو اپنا نسب شمار کر کے دیکھ لے شاید پہلوں کے حالات ہی تجھے سدھار دیں۔

وإن لم تجد من دون عدنان والداً　　ودون مَعَدٍّ فلتزعك العواذل

جب عدنان اور معد سے اوپر نسب نہیں ملتا تو پھر تمہیں حوادث زمانہ سے عبرت حاصل کرنی چاہیے"۔

عدی بن زید عبادی نے کہا:

أَيُّهَا الشَّامِتُ المُعَيِّرُ بالدَّهرِ　　أَأَنتَ المُبَرَّأُ المَوفُورُ

"اے دوسرے کی برائی پر خوش ہونے والے اور حوادثاتِ زمانہ کو عار دلانے والے، کیا تو اسی آسودہ حال میں رہے گا اور زمانہ کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہے گا۔

أم لديك العهد الوثيق من الأيا　　م أم أنت جاهل مغرور؟

کیا تمہارے پاس زمانے کے حوادث سے محفوظ رہنے کا سرٹیفکیٹ ہے یا تو نادان دھوکہ میں پڑا ہوا ہے۔

من رأيت المنون خلدن أم من　　ذا عليه من أن يُضام خفير؟

تمہاری نگاہ میں کون ایسا شخص ہے جس کو موت نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا ہو یا ایسا کون شخص ہے جس کو آفات ومصائب سے کچھ بچانے والا ہو۔

أين كسرىٰ ، كسرىٰ الملوك أبوسا سان أم أين قبله سابور؟

ایران کے بادشاہوں میں سے ابوساسان کہاں چلا گیا اور اس سے بھی پہلے سابور کہاں ہے؟۔

وأبو الخضر إذ بناه و إذ دجـ له تجبى إليه والخابور

اور خضر کا مالک، جس نے اسے تعمیر کیا تھا اور جس کے پاس دجلہ اور دریائے خابور کی آمدنی جمع ہوتی تھی۔

شاده مرمراً وجلله كلـ ـساً فللطير في ذراه وكور

جس نے اس خضر محل کو سنگ مرمر سے پختہ کیا تھا اور اس پر شیشہ چڑھایا تھا آج اس کی بلند و بالا فصیل اور کنگروں پر پرندوں کے گھونسلے ہیں۔

وتبين رب الخورنق إذ أشـ ـرف يوماً وللهدى تفكير

اور قلعہ خورنق کے مالک کے بارے میں غور کرو جب ایک دن وہ بلند جگہ پر چڑھا، اور راہ ڈھونڈنے والے کے لیے تو غور کرنا ضروری ہے۔

سره خاله وكثرة مايمـ ـلك والبحر معرضاً والسدير

وہ اپنی حالت، مال و دولت اور وسط شہر میں بہتے ہوئے دریا اور قلعہ سدیر کی وجہ سے خوش ہوا۔

فارعوى قلبه فقال وما غبـ ـطة حي إلى الممات يصير؟

لیکن اچانک اس کے دل نے پانسا پلٹا اور وہ کہنے لگا ایسی زندگی پر کیا خوش ہونا جس میں آخر کار موت کے منہ میں جانا ہے۔

ثم بعد الفلاح والملك والأمة وارتهم هناك القبور

پھر اس کامیابی اور ملک و سلطنت کے بعد قبروں نے ان کو چھپالیا۔

ثم أضحوا كأنهم ورق جف فألوت به الصبا والدبور

اور وہ اس خشک پتے کی طرح ہو گئے جس کو جنوبی اور شمالی ہوائیں الٹتی پلٹتی رہتی ہیں۔

امرء القیس نے اپنے معلقہ میں رات کا وصف بیان کرتے ہوئے کہا:

وليل كموج البحر أرخى سدوله علي بأنواع الهموم ليبتلي

اور سمندر کی موج کی طرح رات نے بہت سے ہموم و غموم کی چادر میرے اوپر آزمائش کے لیے ڈال دی۔

فقلت له لما تمطى بصلبه وأردف أعجازاً وناء بكلكل

پھر جب اس نے انگڑائی لے کر اپنی کمر کو لمبا کیا اور اپنا پچھلا حصہ ساتھ لے کر بمشکل اپنا سینہ اٹھایا تو میں نے اس سے کہا،

ألا أيها الليل الطويل ألا انجلي بصبح، وما الإصباح منك بأمثل

اے لمبی رات! تو صبح کے ذریعہ کھل جا لیکن صبح بھی تو تجھ سے کچھ افضل و آرام دہ نہیں ہے۔

فيالك من ليل كأن نجومه   بكل مُغار الفتل شدت بيذبل

تو بھی عجیب رات ہے کہ تیرے تارے اپنی جگہوں پر ایسے جمے ہوئے ہیں گویا انہیں یذبل پہاڑ کے ساتھ مضبوط رسیوں سے باندھ دیا گیا ہے۔

نیز اسی معلقہ میں اپنے گھوڑے کے وصف میں کہتا ہے:

وقد أغتدي والطير في وكناتها   بمنجرد قيد الأوابد هيكل

صبح سویرے جبکہ پرندے ابھی اپنے گھونسلوں میں ہوتے ہیں میں اپنے ایسے کم بالوں والے عمدہ مضبوط گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتا ہوں جو جنگلی جانوروں کو بھی قید کر لیتا ہے۔

مِكر مِفرٍّ مُقبل مُدبر معاً   كجلمود صخر حطه السيل من عل

یہ گھوڑا جنگ میں کروفر کی چالوں سے خوب واقف اور ایک ساتھ ہی آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے پر قادر ہے، اس چٹان کی طرح تیز رفتار ہے جس کو سیلاب نے بلندی سے گرا دیا ہو۔

له أيطلا ظبي وساقا نعامةٍ   وإرخاء سرحان و تقريب تتفل

اس کی کوکھ ہرن کی طرح ہے اور پنڈلیاں شتر مرغ کی سی ہیں اسے بھیڑیے کی دوڑ اور لومڑی کے بچہ کی چال ملی ہے۔

طرفہ بن عبد نے کشتی کے وصف میں کہا:

كأن حدوج المالكية غدوة   خلايا سفين بالنواصف من (دَدٍ)

قبیلہ مالکیہ کی عورتوں کے ہودج صبح سویرے یوں معلوم ہوتے ہیں جیسے وہ مقام دد کی پہاڑی وادی میں چلنے والی بڑی کشتیاں ہوں۔

عدولية أو من سفين ابن يامن   يجور بها الملاحُ طوراً ويهتدي

وہ کشتیاں قدیم طرز پر بنی ہوئی ہیں یا ابن یامن نے ان کو بنایا ہے جن کو ملاح کبھی سیدھے راستے پر چلاتا ہے اور کبھی موڑوں سے گزارتا ہے۔

يشق حباب الماء حيزومُها بها   كما قسم التُّربَ المفايل باليد

اس کشتی کا سینہ پانی کی موجوں کو اس طرح چیرتا ہوا جاتا ہے جس طرح مٹی میں کوئی چیز چھپانے والا اپنے ہاتھ سے مٹی کو دو حصوں میں بانٹتا ہے۔

ابوصعترہ بولانی نے کہا:

فما نطفة عن حب مزن تقاذفت   به جنبتا الجودي والليل دامس

ان اولوں کا پاکیزہ پانی جو اندھیری رات میں جودی پہاڑ کے دونوں جانب برسے۔

فلما أقرته اللصاب تنفست شمالٌ لأعلى مائه فهو فارس

اور جب وہ پہاڑ کے کھڈوں میں جمع ہو گیا اور اس کے اوپر بادشمالی چلنے سے ٹھنڈا یخ ہو گیا۔

بأطيب من فيها وما ذقت طعمه ولكنني فيما ترى العين فارس

یہ پانی محبوبہ کے لعاب دہن سے زیادہ عمدہ اور لذیذ نہیں، میں نے اس لعاب کو چکھا تو نہیں لیکن جو کچھ میری آنکھ دیکھتی ہے اس کا اندازہ بخوبی لگا سکتا ہوں۔

اعشی نے کہا:

ما روضةٌ من رياض الحزن معشبة خضراء جاد عليها مسبل هطل

سخت زمین پر سرسبز وشاداب باغ جس پر موسلا دھار برسنے والا بادل برسا ہو۔

يضاحك الشمس منها كوكب شرِق مؤزر بعميم النبت مكتهل

اور اس کے تروتازہ پھول چمن میں سورج کی طرح روشنی کیے ہوئے ہوں اور قسما قسم کے پودوں اور گھاس سے یہ زمین ڈھکی ہوتی ہے۔

يوماً بأطيب منها نشر رائحة ولا بأحسن منها إذ دنا الأصُل

پر محبوبہ کی مہکتی ہوئی خوشبو سے زیادہ خوشگوار نہیں ہو سکتا اور نہ ہی یہ باغ شام کے وقت محبوبہ سے زیادہ حسین ہو سکتا ہے۔

متلمس جریر بن عبدالعزیٰ نے اپنے قصیدہ میں کہا:

وكنا إذا الجبار صعّر خده أقمنا له من خده فتقوّما

جب کوئی سرکش اور متکبر اپنے غرور کا اظہار کرتا ہے تو ہم ایسے لوگ ہیں کہ اس کا غرور نکال کر اسے سیدھا کر دیتے ہیں۔

لذي الحلم قبل اليوم ما تقرع العصا وما عُلِّم الإنسان إلا ليعلما

آج سے پہلے کبھی عقلمند کے لیے عصا نہیں کھڑ کھڑا گیا، اور انسان کو پڑھانے سکھانے کا مقصد ہی یہی ہے کہ وہ سمجھدار ہو جائے۔

ولو غير أخوالي أرادوا نقيصتي جعلت لهم فوق العرانين ميسما

اگر میرے ماموؤں کے سوا کوئی اور میری عیب جوئی کرتا تو میں اس کی ناک داغ دیتا۔

وما كنت إلا مثل قاطع كفه بكف له أخرى فأصبح أجذما

میری مثال اس شخص کی سی ہو گئی کہ جس نے اپنا ایک ہاتھ کاٹ لیا ہو دوسرے ہاتھ سے اور ٹنڈا ہو گیا ہو۔

فلما استقاد الكف بالكف لم يجد له دركا في أن تبينا فأحجما

پھر جب اپنے ایک ہاتھ سے کٹے ہوئے ہاتھ کا بدلہ لینے کے لیے اسے کاٹنے لگا تو لامحالہ دونوں ہاتھوں نے ختم ہونا تھا اس لیے وہ اس ارادہ سے رک گیا۔

يداه أصابت هذه حتف هذه　　فلم تجد الأخرى عليها مقدما

جب اس کے دو ہاتھوں میں سے ایک نے دوسرے کو ڈس لیا تو دوسرا پہلے کے خلاف پیش قدمی نہ کر سکا۔

فأطرق إطراق الشجاع ولو يرى　　مساغاً لنابيه الشجاع لصمما

اس نے سانپ کی طرح گردن جھکالی اور اگر اس کو اپنے دانت گاڑنے کی گنجائش ملتی تو وہ ضرور گاڑ دیتا۔

چوتھی فصل

جاہلی شعراء اور ان کے طبقات

عرب میں ہر قبیلہ کی یہ خواہش تو ہوتی ہی تھی کہ ان میں ایک شاعر اور راہنما اور خطیب ہو لیکن سب سے زیادہ ترجیح وہ شاعر کو ہی دیتے تھے چنانچہ جب کسی قوم میں کوئی عمدہ، بلند پایہ شاعر وجود میں آتا تو وہ دعوتیں کرتے خوشیاں مناتے اور دوسرے قبیلے انہیں مبارکباد دیتے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ شعراء حضرات ہی ایسے لوگ تھے جو اپنے کلام کے ذریعہ قومی رہنمائی کرتے اور مجالس میں اپنی قوم کی مدافعت کرتے اور اپنے قومی کارناموں کے دیر تک باقی رہنے اور قوم کے دل و دماغ میں ان کے مفاخر نقش کرنے کا سبب ہوتے تھے اور ان سب خدمات کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے۔ بعض شعراء نے اگرچہ شاعری کو کمائی کا پیشہ بنانے کی وجہ سے اپنا رتبہ گھٹا لیا تھا لیکن ان کے اشعار کے مرتبہ میں کوئی فرق نہیں آیا جیسے نابغہ ذبیانی کا نعمان بن منذر اور زہیر کا ہرم بن سنان اور اعشٰی کا مختلف سرداروں اور بادشاہوں کے ساتھ رہنا (ان کی تعریف کر کے پیسے کمانے کے لیے) اور ہر شاعر کا ایک راوی ہوتا تھا جو شاعر کے ساتھ اس طرح ہر وقت ساتھ رہتا تھا جیسے شاگرد استاد کے ساتھ، اور وہ اس شاعر کے طور طریقہ کو اپناتا اور اس کی شاعری کو عوام میں پھیلاتا تمام بڑے بڑے شعراء نے ایک زمانہ تک راوی بن کر تربیت اور مشق حاصل کی ہے۔ چنانچہ امرؤ القیس، ابوداؤد ایادی کا اور زہیر، اوس بن حجر کا اور اعشٰی، میتب بن علس کا راوی تھا۔ شعراء زمانہ کے اعتبار سے چار طبقات پر ہیں:

① **جاھلی شعراء:** یہ وہ شعراء ہیں جو اسلام سے پہلے زندہ رہے اور اسلام کا زمانہ نہیں پایا یا اسلام کا زمانہ پایا تو سہی لیکن اس میں کوئی قابل ذکر کلام نہیں چھوڑا مثلاً امرؤ القیس، زہیر، امیہ بن ابی الصلت، لبید۔

② **مخضر مین شعراء:** یہ وہ شعرا ہیں جو زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں ہی میں اپنی شاعری کی وجہ سے مشہور ہوئے جیسے خنساء اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

③ **اسلامی شعراء:** یہ وہ شعراء ہیں جو زمانہ اسلام میں پیدا ہوئے اور ادب عربی میں قدیم پختہ اسلوب پر کاربند رہے، یہ اموی دور کے شعراء ہیں۔

④ **مولد شعراء:** یہ وہ شعراء ہیں جن کا زبانی ملکہ خراب ہو گیا تھا اور انہوں نے صنعتوں کے ذریعہ اس کمی کا تدارک کیا یہ عباسی دور کے شعراء ہیں۔

شعر پرکھنے والے ماہرین کے نزدیک کلام کی عمدگی کے اعتبار سے شعراء کے تین طبقے ہیں: پہلے طبقہ میں امرؤ القیس، زہیر اور

نابغہ ذبیانی کا شمار ہوتا ہے دوسرے میں اعشی، لبید، اور طرفہ کا، تیسرے طبقہ میں عنترۃ، درید بن الصمہ، اور امیہ بن ابی الصلت کا شمار ہوتا ہے۔ لیکن اس تقسیم میں غلطی اور یک طرفہ فیصلہ کا قوی امکان ہے کیونکہ ذوق ہر کسی کا مختلف ہوتا ہے اور قدیم لوگ تنقید کے اصول سے بھی زیادہ باخبر نہیں تھے۔

امرؤ القیس (متوفی ۵۴۵ء)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ملک الضلیل، ذوالقروح جندح بن حجر کندی، شریف خاندان کا ماں، باپ کی طرف سے معزز بچہ تھا اس کا باپ کندہ کے بادشاہوں کی نسل میں سے بنواسد کا بادشاہ تھا اور ماں کلیب اور مہلہل بن ربیعہ کی بہن تھی۔ نہایت ناز ونعمت میں پروان چڑھا اور سرداری کے ماحول میں بڑھا لیکن اس آزادی کا نتیجہ یہ نکلا کہ عادتیں خراب ہوگئیں شراب نوشی، عورتوں سے عشق پیچہ، کھیل کود، شعرو شاعری کو اپنا مشغلہ بنالیا آوارہ گردی کو شیوہ بنالیا اور بلند ہمت لوگ جن کاموں کی طرف بڑھتے ہیں ان سے جی چرانے لگا چنانچہ باپ نے اسے گھر سے نکال دیا حالانکہ یہ سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ گھر سے نکل کر وہ عربوں کے گھٹیا اور آوارہ گروہ میں شامل ہوگیا جو باغات اور تالابوں کی تلاش میں پھرتے تھے جہاں پانی ملتا وہاں خیمہ لگالیتے کھیلتے کودتے، شراب نوشی کرتے اور شکار کرتے جب پانی خشک ہوجاتا اور گھاس وغیرہ ختم ہوجاتا تو وہ دوسرے علاقے کا رخ کرلیتے اسی حالت میں وہ یمن کے ایک علاقہ دمون پہنچا یہاں اسے خبر پہنچی کہ بنواسد نے اس کے باپ کو قتل کردیا کیونکہ وہ ان پر ظلم کرتا تھا اور برے سلوک سے پیش آتا تھا، یہ خبر سن کر اس نے کہا:

"جب چھوٹا تھا تو باپ نے مجھے گھر سے نکال دیا اور اب جب بڑا ہوگیا تو اپنے خون کا بار مجھ پر ڈال دیا آج ہوش نہیں اور کل نشہ نہیں آج شراب ہے اور کل معاملہ کی بات"۔

پھر اس نے قسم کھائی کہ جب تک میں ان کے سو آدمی قتل نہ کردوں اور سو کے سر، مونڈ کر ذلیل نہ کردوں نہ شراب پیوں گا نہ گوشت کھاؤں گا اور نہ تیل لگاؤں گا جب شام ہوگئی اور اس نے کہیں بجلی چمکتی دیکھی تو کہا:

أرقت لبرق بليل أهل يضيء سناه بأعلى الجبل

میں اس بجلی کے لیے بیدار رہا جو رات میں کوندی اور جس کی روشنی پہاڑ کی بلندی پر نظر آئی ہے۔

أتاني حديث فكذبته بأمر تزعزع منه القُلل

مجھے ایک ایسی خبر پہنچی جس سے پہاڑ کی چوٹیاں بھی لرز جائیں لیکن میں نے اس کو جھٹلا دیا۔

بقتل بني أسد ربهم ألا كل شيء سواه جلل

کہ بنواسد نے اپنے سردار کو قتل کردیا اس خبر کے سامنے سب چیزیں بے وقعت ہیں۔

پھر اگلے روز اس نے اپنے ماموؤں بکر اور تغلب سے مدد مانگی اور ان کو لے کر بنی اسد کی طرف چلا اور ان پر حملہ کردیا، اس پر بنواسد نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کے سو معزز آدمی بطور فدیہ لے لے لیکن اس نے انکار کردیا اور جنگ کرنے پر اصرار کرتا رہا اس

پر بنوبکر اور تغلب نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ منذر بن ماء السماء کو اس کی قوم سے پرانی دشمنی تھی اس کی بناء پر وہ اس کے پیچھے لگ گیا اور اس پر طرہ یہ کہ نوشیرواں نے ایک لشکر کے ذریعہ اس کی مدد کی تو جو جماعتیں امرؤالقیس کی حامی تھیں وہ منذر کے ڈر سے تتر بتر ہو گئیں اور وہ مختلف قبائل میں مدد مانگنے کے لیے پھرنے لگا لیکن کسی نے اس کی مدد نہ کی بالآخر وہ سموئل ابن عادیا کی پناہ میں پہنچا اور اس کے پاس اپنی زرہیں بطور امانت رکھیں اور اس سے حارث بن ابی شمر غسانی کے نام ایک سفارشی خط لکھوایا کہ وہ اس کو مَلکِ روم قیصر تک پہنچا دے جب وہ قیصر روم کے پاس پہنچا جو کہ ان دنوں مقام جستنیاں میں تھا تو اس نے اس کا خوب اکرام کیا اسے یہ لالچ تھی کہ امرؤالقیس کے ذریعہ عربوں میں اس کی قوت بڑھ جائے گی اور وہ ایرانیوں کو زیر کر سکے گا چنانچہ اس نے ایک بڑا لشکر امرؤالقیس کے ہمراہ کیا پھر بعد میں اس کا خیال بدل گیا اور اس کو واپس بلا لیا، واپسی پر امرؤالقیس کسی جلدی بیماری میں مبتلا ہو گیا جس کی وجہ سے اس کے جسم پر پھوڑے نکل آئے اور گوشت گل گیا اور بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ امرؤالقیس جب لشکر لے کر نکلا تو طماح اسدی قیصر کے پاس آیا اور اس کی چغلی کھائی اور امرؤالقیس کے خلاف اس کو اکسایا تا کہ اس سے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لے سکے اس پر قیصر نے امرؤالقیس کی طرف ایک جوڑا بھیجا جو زہر آلود تھا جب وہ انقرہ پہنچا تو اس نے وہ لباس پہنا جس کی وجہ سے اسے یہ بیماری پہنچی۔ اس سلسلہ میں مؤرخین مندرجہ ذیل اشعار سے استدلال کرتے ہیں:

لقد طمح الطماح من نحو أرضه ليلبسني من دائه ما تلبسا

طماح اپنی سرزمین سے اس لیے آیا کہ جو مصیبت اس پر ہے وہ مجھ پر ڈال دے۔

وبدلت قرحاً دامياً بعد صحة فيالك نعمى قد تحولت أبوسا

میں تندرستی کے بعد خونی زخموں میں مبتلا ہو گیا افسوس ہے اس نعمت پر جو تکلیف میں بدل جائے۔

فلو أنها نفس تموت سوية ولكنها نفس تساقط أنفسا

اگر یہ ایک ہی جان مرتی تو معاملہ برابر سرابر تھا پر یہاں تو یہ ایسی جان ہے کہ بہت سی جانوں کو لے ڈوبے گی۔

جب موت کا نشہ اس پر چھا گیا تو اس حالت میں اس نے کہا کتنے ہی لبریز پیالے اور نیزوں کے تیز پھل اور فصیح و بلیغ خطبے کل انقرہ میں رہ جائیں گے پھر اس نے جان دے دی اور سن ۵۶۰ء[1] میں جبل عسیب مقام میں دفن کیا گیا۔

امرؤالقیس کی شاعری:

امرؤالقیس نجدی اگرچہ اصل میں یمنی تھا لیکن بنو اسد کے خالص عربی ماحول میں پرورش پائی اشعار سننے اور ان کی روایت کی اسے شعراء سے مقابلہ بازی کا بھی شوق تھا اور نوعمری ہی میں اشعار کہنا شروع کر دیا تھا اس کی شاعری میں عمدہ الفاظ، نادر تراکیب، شعروں کا عمدہ ربط ہوتا تھا حد درجہ ذہین، تشبیہ اور ندرت خیال لانے میں کمال تھا، مختلف اسفار اور خطروں سے مقابلے اور ہر قسم کے لوگوں سے ملنے کی وجہ سے اس کی طبیعت میں بہت کشادگی آ گئی تھی چنانچہ وہ نت نئے معانی و مضامین، انوکھے اور نئے اسلوب اختیار کرتا اس کی شاعری میں اس کے ہم زمانہ شعراء کے اشعار بھی ملتے ہیں جو اس کی غیر معمولی ذہانت اور بلند مرتبہ کی وجہ سے اسی کی

[1] لیکن صحیح قول یہ ہے کہ سن ۵۴۵ء میں اس کی وفات ہے۔

طرف منسوب کیے جاتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا شاعر ہے جو ٹیلوں پر کھڑا ہوا اور پرانے دیار کی یاد میں رویا اور شاعری میں عورتوں سے عشقیہ باتوں کا ذکر کیا، ان کو نیل گایوں اور ہرنیوں سے تشبیہ دی، مسلسل اسفار اور گھڑ سواری کی وجہ سے رات اور گھوڑے کا وصف عمدہ انداز میں بیان کیا۔ آپ اس کی شاعری میں اس کی زندگی اور اخلاق و عادات کی مکمل تصویر پائیں گے جس میں شاہی شوکت وعزت، فقیرانہ عاجزی ومسکنت، قلندروں کی مستی، بھڑکے ہوئے شیر کی حمیت، بے حیائی کے شکوے، آوارہ پن کی ذلت، سب ہی کچھ موجود ہے سب روای اس پر متفق ہیں کہ امرؤ القیس مذکورہ بالا وجوہ کی بناء پر جاہلی شعراء کا قائد اور لیڈر تھا۔

شاعری کا نمونہ:

اس کی روایت کی ہوئی شاعری کا سب سے عمدہ حصہ وہ معلقہ ہے جو لوگوں میں ضرب المثل کی طرح مشہور ہو چکا ہے اس معلقہ میں اس نے اپنی محبوبہ چچازاد بہن عنیزہ کے ساتھ اس کا جو مشہور واقعہ ہے اس کو نظم کیا ہے پھر ضمنی طور پر رات اور گھوڑے کا وصف بھی بیان کیا اور آوارہ گردی اور شکار کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس معلقہ کا مطلع یہ ہے:

قفانبك من ذكرى حبيب ومنزل　　　بسقط اللوى بين الدخول فحومَل

اے دو ساتھیو! ذرا ٹھہرو تا کہ ہم سقط اللویٰ میں اپنے محبوب اور اس کے گھر کی یاد میں رولیں جو دخول اور حومل کے درمیان واقع ہے۔

اس کے شعر کے کچھ نمونے جاہلی شاعری کے نمونے، کے تحت گذر چکے ہیں۔ اسی معلقہ میں غزل کا نمونہ یہ ہے:

أفاطم مهلا بعض هذا التدلل　　　وإن كنت قد أزمعت هجري فأجملي

اے فاطمہ! اپنے ناز ونخرے ذرا کم کر دے اور اگر تو نے مجھ سے جدا ہونے کا پکا ارادہ کر لیا ہے تو کسی اچھے طریقے سے جدا ہو۔

أغرك مني أن حبك قاتلي　　　وأنك مهما تأمري القلب يفعل

کیا تو میری طرف سے اس دھوکہ میں ہے کہ تیری محبت نے مجھے قتل کر دیا اور جو تو میرے دل کو حکم کرتی ہے وہ کر گزرتا ہے۔

وما ذرفت عيناك إلا لتضربي　　　بسهميك في أعشار قلب مقتل

اور تیری آنکھوں سے جو آنسو گرتے ہیں وہ میرے مقتول دل کے دس ٹکڑوں میں اپنے دو تیر مارتے ہیں۔

فإن كنت قد ساءتك مني خليقة　　　فسلي ثيابي من ثيابك تنسل

اگر تجھے میرے رویہ سے تکلیف پہنچی ہے تو تو اپنے کپڑے میرے کپڑوں سے نکال لے۔

تسلت عمايات الرجال عن الصبا　　　وليس فؤادي عن هواها بمنسل

لوگوں کو جب سمجھ آتی ہے تو ان کے بچپن کے کھیل اور شوخیاں چھوٹ جاتی ہیں لیکن عجیب بات ہے کہ میرے دل سے تیری محبت نہیں چھوٹ رہی۔

ایک قصیدہ میں عمرو بن قمیئہ کے ساتھ قیصر کی طرف ہونے والے سفر کا تذکرہ کر کے کہتا ہے:

إذا قلت هذا صاحب قد رضيته　　　وقرت به العينان بدلت آخرا

جب میں کہتا ہوں کہ یہ میری پسند کا ساتھی ہے اور میری آنکھوں کو اس کی وجہ سے تسکین ہوتی ہے تو اس کی جگہ دوسرا آ جاتا ہے۔

كذلك جدي لا أصاحب واحداً　　من الناس إلا خانني وتغيرا

میری قسمت ہی ایسی ہے کہ میں جس کو بھی دوست بناتا ہوں وہ مجھے دھوکہ دے کر چلا جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا آ جاتا ہے۔

تذكرت أهلي الصالحين وقد أتت　　على جمل بنا الركاب وأعفرا

جب ہمارا قافلہ ''جمل'' اور ''اعفرا'' مقام پر پہنچا تو مجھے اپنے اچھے گھر والے اقرباء یاد آئے۔

ولما بدت حوران والآل دونها　　نظرت فلم تنظر بعينيك منظرا

جب مقام حوران نظر آنے لگا اور آل اس کے ورے تھا تو تو نے نظر دوڑائی لیکن کوئی منظر تجھے دکھائی نہ دیا۔

تقطّع أسبابُ اللبانات والهوى　　عشية غادرنا حماة وشيزرا

اس شام عشق ومحبت کے تمام راستے کٹ گئے جس شام ہم حماۃ اور شیزر مقام سے آگے بڑھے۔

بكى صاحبي لما رأى الدرب دونه　　وأيقن أنا لاحقان بقيصرا

جب میرے ساتھی نے سامنے قیصر کی سلطنت میں داخل ہونے کا پھاٹک دیکھا تو وہ رو پڑا اور یقین کر لیا کہ ہم قیصر سے جا ہی ملیں گے۔

فقلت له: لا تبك عينك إنما　　نحاول ملكا أونموت فنعذرا

میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ رومت یا تو ہم حکومت حاصل کر لیں گے یا مر جائیں گے کہ کوئی ہم پر الزام نہ دھر سکے۔

نابغہ ذبیانی (متوفی ۶۰۴ء)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ان کا نام ابوامامہ زیاد بن معاویہ ہے اور لقب نابغہ یہ لقب اس لیے پڑا کہ نابغ بہتے چشمہ کو کہتے ہیں اور اس نے شعر تب کہنا شروع کیے جب یہ اس فن میں خوب مہارت حاصل کر چکا تھا اور ایسے اشعار کہے کہ سب شعراء کو مات دے دی اور اس کے پاس شاعری کا ایک سیل رواں تھا جو رکتا ہی نہ تھا اس لیے لوگوں نے اس کو ماء نابغ (بہتے پانی سے) تشبیہ دے دی اور یہی بطور لقب مشہور ہو گیا۔ وہ بنو ذبیان کے سرداروں اور چوہدریوں میں سے ایک تھا لیکن جب اس نے شعر گوئی کو اپنا پیشہ بنا لیا تو اس کی عزت اور شرافت کم ہو گئی وہ نعمان بن منذر کے پاس چلا گیا جس نے اسے اپنے خواص اور مقربین میں داخل کر لیا اور خوب انعام واکرام کیا یہاں تک کہ وہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھاتا تھا اور اسی طرح خوش حال زندگی بسر کر رہا تھا اور نعمت وکشادگی کے سایوں میں تھا کہ بعض حاسدوں نے ان کے تعلقات خراب کرنے کے لیے نعمان کو اس کی چغلی کھائی اور بطور ثبوت اس کا وہ قصیدہ پیش کیا جس میں اس نے نعمان کی بیوی متجردہ کا وصف بیان کیا تھا اس چغلی سے متاثر ہو کر بادشاہ نے نابغہ کو دھمکی دی وہ اپنی جان بچانے کے لیے شام چلا گیا اور عمرو بن حارث اصغر غسانی کی پناہ حاصل کی یہاں بھی اس کی خوب عزت ہوئی اور وہ اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگا نعمان کا کینہ اس بات سے

اور زیادہ ہو گیا کہ اس نے اس کے دشمن اور مدمقابل کی پناہ لی ہے نابغہ بنی غسان کے پاس رہا ان کی مدح کرتا رہا وہ سونے چاندی سے اس کو بدلہ دیتے رہے یہاں تک کہ اسے نعمان کے بیمار ہونے کی خبر ملی تو اس نے نعمان کے پاس سفارش طلب کی اور اپنی براءت کا اظہار کرنا چاہا اپنے سفارشیوں کے ساتھ اس نے وہ قصیدے بھی بھیجے جو معذرت خواہی میں اپنی مثال آپ تھے جن کی وجہ سے نعمان کی دلی رنجش دور ہوگئی اور نابغہ اپنے اسی عہدے پر آ گیا اور مزے کی زندگی گزارنے لگا یہاں تک کہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کے بدن میں رعشہ پڑ گیا اور بڑھاپے نے اس کو قید کر کے رکھ دیا اور وہ زندگی سے عاجز آ گیا اور اس نے یہ شعر کہے:

المرء يأمل أن يعيـ ـش وطول عيش قد يضرُّه

آدمی کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ لمبی زندگی پائے حالانکہ لمبی عمر اسے نقصان ہی دیتی ہے۔

تفنى بشاشته ويبـ ـقى بعد خلو العيش مرُّه

اس کی تروتازگی ختم ہو جاتی ہے اور مزے کی زندگی ختم ہو کر تکلیف والی باقی رہ جاتی ہے۔

وتخونه الأيام حتى لا يرى شيئًا يسره

زمانہ اس کے ساتھ بیوفائی کرتا ہے یہاں تک کہ اسے کوئی مسرت والی چیز نظر نہیں آتی۔

كم شامت بي إن هلكـ ـتُ وقائل: لله درُّه

میرے مرنے پر کتنے ہی لوگ خوش ہوں گے اور کتنے کہیں گے کہ اللہ اس کا بھلا کرے کتنا اچھا آدمی تھا۔

شاعری:

نابغہ ان تین بلند پایہ شعراء میں سے ایک ہے جن کی گرد راہ کو بھی کوئی نہیں پہنچ سکتا اور ان کی نظیر ملنا مشکل ہے وہ امرؤ القیس، نابغہ خود اور زہیر ہیں۔ نابغہ کا اپنے ان دو ساتھیوں سے یہ خصوصی امتیاز ہے کہ اس کی شاعری میں کنایہ کے اندر جدت اور ندرت، اشارہ میں باریکی، مضمون کی صفائی، تکلف کی کمی، مزید بریں اس کی شاعری دل کی خواہشات کے موافق ہوتی ہے اسی وجہ سے زمانہ جاہلیت اور صدر اسلام میں اس کے شعر عوام میں اس درجہ تک قبولیت حاصل کر چکے تھے کہ بہت کثرت سے ان کو گایا جاتا تھا اس نے خوفزدہ کی رات، مجرم کی معذرت خواہی، منعم کی مدح کو جس حسنِ خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی لیکن کہیں کہیں اس کی شاعری میں اقواء کا عیب پایا جاتا ہے جس کے متعلق وہ کہتا تھا کہ میری شاعری میں کوئی عیب ہے لیکن میں اسے جانتا نہیں پھر جب ایک مرتبہ اس نے کسی گویے سے اپنے وہ اشعار سنے جن میں اقواء کا عیب تھا تو وہ اس عیب کو سمجھ گیا اور دوبارہ کبھی یہ عیب اپنی شاعری میں نہیں آنے دیا، عرب کے تمام شعراء شاعری میں اس کے بلند درجہ کے معترف تھے چنانچہ عکاظ کے میلے میں اسے پیش پیش رکھتے تھے ادبی مباحثوں اور جھگڑوں میں اس سے فیصلہ کراتے اس کا فیصلہ صحیح ہوتا تھا اور تسلیم کیا جاتا تھا۔

شاعری کا نمونہ:

عمرو بن حارث غسانی کی تعریف کرتے ہوئے ایک قصیدہ میں کہا:

كليني لهمٍّ ياأميمة ناصب وليل أقاسيه بطيءِ الكواكب

اے امیمہ! مجھے اس غم کے لیے چھوڑ دے جو تھکا دینے والا ہو اور اس تکلیف والی رات کے لیے چھوڑ دے جس کے تارے آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔

وصدر أراح الليل عازب همه　　　تضاعف فيه الحزن من كل جانب

اور اس سینہ کے لیے چھوڑ دے کہ رات نے جس میں لمبے لمبے افکار ڈال دیئے ہیں اور ہر جانب سے اس کے غم ہی بڑھ رہے ہیں۔

علّي لعمرو نعمة بعد نعمةٍ　　　لوالده ليست بذات عقارب

عمرو کے والد کے بعد عمرو کے میرے اوپر بہت احسانات ہیں جن میں تکلیف کا شائبہ بھی نہیں۔

وثقت له بالنصر إذ قيل قد غزت　　　كتائب من غسان غير أشائب

جب یہ خبر ملی کہ غسان کی خالص افواج نے حملہ کر دیا ہے تو مجھے اس کی فتح پر کامل یقین آ گیا۔

إذا ما غزوا بالجيش حلق فوقهم　　　عصائب طير تهتدي بعصائب

جب وہ لشکر لے کر حملہ کرتے ہیں تو ان کے اوپر پرندے غول در غول مسلسل اڑتے رہتے ہیں۔

فهم يتساقون المنية بينهم　　　بأيديهم بيضٌ رقاق المضارب

وہ آپس میں ایک دوسرے کو موت کا جام پلاتے ہیں ان کے ہاتھوں میں چمکدار تیز تلواریں ہیں۔

ولا عيب فيهم غير أن سيوفهم　　　بهن فلولٌ من قراع الكتائب

ان میں صرف یہی عیب ہے کہ ان کی تلواروں میں لشکروں سے مقابلہ کی وجہ سے دندانے پڑ گئے ہیں۔

لهم شيمةٌ لم يعطها الله غيرهم　　　من الجود، والأحلام غير عوازب

اللہ تعالیٰ نے انہیں سخاوت و عقلمندی کی کچھ ایسی خصلتیں دی ہیں جو کسی اور کو نہیں دیں۔

رقاق النعال طيبٌ حجزاتهم　　　يحيون بالريحان يوم السباسب

ان کے جوتے نرم چمڑے کے ہیں ان کے نیفے پاک ہیں، خوشی کے مواقع پر انہیں خوشبودار پھولوں کے گلدستے پیش کیے جاتے ہیں۔

ولا يحسبون الخير لا شر بعده　　　ولا يحسبون الشر ضربة لازب

وہ خوش حالی میں یہ نہیں سمجھتے کہ اس کے بعد کبھی بد حالی کا زمانہ نہیں اور نہ ہی تنگی میں یہ خیال کرتے ہیں کہ اس سے چھٹکارا ناممکن ہے۔

زہیر بن ابی سلمیٰ (متوفی ۶۰۹ء)

پیدائش اور حالات زندگی:

زہیر بن ابی سلمیٰ بن ربیعہ بن رباح المزنی اپنے باپ کے رشتہ دار بنو غطفان میں پروان چڑھا تھا اور اپنے باپ کے ماموں بشامہ بن غدیر کے پاس ایک عرصہ تک رہا یہ ایک بیمار، بے اولاد، لیکن بڑا سمجھدار شخص تھا، درستگی رائے، عمدہ شاعری اور مال کی کثرت کی وجہ سے بہت مشہور تھا چنانچہ زہیر نے شاعری میں اس کی خوشہ چینی کی اور اس کی حکمت وعلم سے متاثر ہوا جس کا واضح ثبوت وہ جواہر

حکمت ہیں جن سے اس نے اپنی شاعری کو مزین کیا، اور جب قبیلہ مرہ کے دو شخص حارث بن عوف اور ھرم بن سنان، عبس اور ذبیان قبیلوں میں صلح کرانے گئے اور دونوں قبیلوں کے مقتولوں کی دیت جو کہ تین ہزار اونٹ بنتی تھی اپنے سر لے کر جنگ کی آگ کو بجھایا تو زہیر ان کی اس خصلت سے بہت متاثر ہوا اور اپنے مشہور معلقہ میں ان کی تعریف کی، پھر بعد میں بھی وہ ہرم بن سنان کی تعریف کرتا رہتا تھا اور خوب کرتا تھا ادھر ہرم نے بھی قسم کھائی تھی کہ زہیر جب بھی اس کی تعریف کرے گا یا اس سے سوال کرے گا یا اسے سلام کرے گا تو وہ اسے غلام یا باندی یا گھوڑا ضرور دے گا، حتی کہ زہیر اس کی بہت زیادہ بخششوں کو لیتے لیتے شرم محسوس کرنے لگا اس لیے جب کسی مجمع میں ہرم کو دیکھتا تو کہتا ہرم کے سواتم سب مبارک دن گزارو اور جس کو میں نے دعاء میں شریک نہیں کیا وہ تم سب سے بہتر ہے، ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہرم کے کسی لڑکے سے کہا زہیر کے وہ اشعار جو اس نے تمہارے باپ کی تعریف میں کہے تھے سناؤ انہوں نے کچھ شعر سنائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ تمہاری خوب تعریف کرتا تھا اس لڑکے نے کہا ہم بھی بدلہ میں اسے خوب مال دیتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو مال تم نے دیا وہ تو ختم ہو گیا لیکن جو کچھ اس نے تمہیں دیا وہ باقی ہے، زہیر باوجود مال و دولت کے خوش اخلاق، نرم مزاج، درست رائے والا پاکباز، صلح پسند، اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھنے والا تھا اس کی دلیل معلقہ کے یہ اشعار ہیں:

فلا تكتمن الله ما في صدوركم ليخفي ومهما يكتم الله يعلم

خدا سے اس چیز کو چھپانے کی کوشش مت کرو جو تمہارے سینے میں ہے کیونکہ اس پر ہر پوشیدہ چیز آشکارا ہے۔

يؤخر فيوضع في كتاب فيدخر ليوم حساب أو يعجل فينقم

جب وہ تاخیر سے بدلہ لینا چاہے تو اس کو اعمالنامہ میں لکھ کر قیامت کے دن تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے اور جب وہ جلدی بدلہ لینا چاہے تو دنیا ہی میں بدلہ لے لیتا ہے۔

زہیر نے سو سال سے زیادہ عمر پائی ہے جیسا کہ اس کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے:

بدالي أني عِشْتُ تسعين حجة تباعا وعَشراً عشتها وثمانيا

مجھ پر یہ ظاہر ہو گیا کہ میں لگاتار نوے سال اور دس سال اور آٹھ سال زندہ رہ چکا ہوں۔

ہجرت سے گیارہ سال پہلے اس کا انتقال ہوا اس کے دونوں بیٹے کعب اور بجیر رضی اللہ عنہما مسلمان ہو گئے تھے۔

شاعری:

زہیر شاعری میں ممتاز شخصیت کا مالک تھا ان کا باپ اور باپ کا ماموں اور اس کی دو بہنیں سلمٰی اور خنساء اور اس کے دو بیٹے کعب اور بجیر سب ہی کا قابل ذکر شعراء میں شمار ہوتا ہے یہ ایسی خصوصیت ہے جو کسی دوسرے شاعر کے نصیب میں نہیں جیسے پہلے بھی گزر چکا ہے کہ زہیر زمانہ جاہلیت کے تین بڑے شعراء میں سے ایک ہے اور بعض لوگ اس کو امرؤ القیس اور نابغہ سے بھی بڑھا دیتے ہیں کیونکہ ان کی شاعری میں لہجہ کی سچائی، الفاظ کی بے جا زیادتی اور پیچیدگی کا نہ ہونا، بیہودہ خیالات اور فحش باتوں سے منزہ ہونا اور تھوڑے الفاظ میں کثیر معانی کا جمع کرنا یہ ایسی خصوصیات ہیں جو دوسروں میں کم ہی پائی جاتی ہیں یہ ان شعراء میں سے ایک ہے جو

مدح سرائی، حکیمانہ مقولے، اور کہاوتیں نظم کرنے میں ماہر تھے، زہیر شاعری کے ان غلاموں سے ایک ہے جنہوں نے شاعری کو سیکھا اور خوب تنقیح کی اس کے قصیدے ''حولیات'' (یعنی ایک سال میں تیار ہونے والا) کہلاتے ہیں کہا جاتا ہے کہ وہ چار ماہ میں نظم کرتا پھر چار ماہ میں کانٹ چھانٹ کرتا پھر چار ماہ تک ماہرین شعر کے سامنے اسے پیش کرتا تھا، عوام میں ایک سال کے بعد ہی پیش کرتا تھا۔

معلقہ کا مختصر تجزیہ:

معلقہ کا موضوع جیسا کہ پہلے بھی گذر چکا ہے قبیلہ مرہ کے دو شخصوں حارث بن عوف اور ہرم بن سنان کی مدح سرائی ہے ان کے قبیلہ عبس اور ذبیان میں صلح کرانی کی وجہ سے، لیکن جاہلی شعراء کی عادت کے مطابق اس نے بھی اپنے معلقہ کی ابتداء محبوبہ کے مکان پر ٹھہرنے اسے سلام و دعا دینے اور اس کا وصف بیان کرنے سے کی ہے، کھنڈرات کو دیکھ کر پرانی یادوں کو تازہ کرتا ہے چونکہ ام اوفی کے ان پرانے مٹے ہوئے کھنڈرات پر وہ بیس برس بعد آیا تھا اس لیے مشکل سے ہی ان کی پہچان کر سکا۔

فَلما عَرَفْتُ الدارَقلتُ لِرِبعِهَا   اَلَا عِمْ صباحًا ایُها الرِبْع واسلِم

''جب میں نے اس کے مکان کو پہچان لیا تو میں نے اس گھر سے کہا اے گھر! تیری صبح بخیر ہو اور تو سلامت رہے''۔

پھر اس کے ذہن میں محبوبہ کے قافلہ کا وہ منظر آیا جب کہ وہ سب کی سب گلابی حاشیہ کے باریک پردوں والے ہودجوں میں بیٹھی جا رہی تھیں اور وہ اپنی غمگین آنکھیں اور عشق میں ڈوبے ہوئے دل کو ان پر جمائے ہوئے تھا پھر وہ ان راستوں کا اور منزلوں کا بیان کرتا ہے جن راستوں سے اس قافلہ نے گزرنا ہے اور جن جگہوں پر اس نے پڑاؤ ڈالنا ہے، ان مناظر کی تصویر کشی میں کتنا خوبصورت انداز ہے اس کا گویا کہ وہ سواریاں ان مقامات سے اس کی نظروں کے سامنے سے گزر رہی ہیں اگر اس کا دوست ذرا غور سے دیکھے تو وہ بھی ان سواریوں کو دیکھ لے:

تبصر خليلي هل ترى من ظعائن   تحملن (بالعلياء) من فوق (جرثم)

اے میرے دوست! ذرا غور سے دیکھ کیا تجھے وہ سواریاں نظر آ رہی ہیں جو جرثم کے بالائی علاقے ''علیاء'' مقام پر جا رہی ہیں۔

تلون بأنماط عتاق وكلة   وراء حواشيها مشاكهة الدم

ان کے اوپر باریک صاف رنگ کی چادریں ہیں جن کے کنارے خون کی طرح سرخ ہیں۔

بكرن بكوراً واستحرن بسحرة   فهن لوادي الرس كاليد في الفم

وہ سواریاں صبح سویرے چلنا شروع ہوئیں اور اب وہ وادی رس کے اس طرح قریب جا پہنچی ہیں جیسے ہاتھ منہ کے لیے۔

وفيهن - ملهى للصديق ومنظر   أنيق لعين الناظر المتوسم

ان سواریوں میں دوست کی دلبستگی کا سامان ہے اور صاحب ذوق اہل بصیرت کے لیے دلکش منظر ہیں۔

فلما وردن الماء زرقا جمامة   وضعن عصي الحاضر المتخيم

جب وہ سواریاں گہرے نیلے پانی پر اتریں تو انہوں نے خیمے تان کر وہاں پڑاؤ کر لیا۔

پھر ان کے ذکر کو چھوڑ کر شاعر ان دو آدمیوں کی تعریف کرنے لگتا ہے جنہوں نے قبیلوں میں خون ریزی کو روک دیا چنانچہ وہ کہتا ہے:

يمينا لنعم السيدان وجدتما على كل حال من سحيل ومبرم

اللہ کی قسم آپ دونوں نرمی وتنگی ہر حال میں نہایت بلند مرتبہ ثابت ہوئے۔

تداركتما عبسا وذبيان بعدما تفانوا ودقوا بينهم عطر منشم

تم نے عبس اور ذبیان کی لڑائی بہت اچھے طریقہ سے روک دی حالانکہ وہ ایک دوسرے کو فنا کے گھاٹ اتار رہے تھے اور منشم [1] کے عطر کو اپنے درمیان ڈال چکے تھے۔

وقد قلتما إن ندرك السلم واسعا بمال ومعروف من الأمر نسلم

تم نے کہا تھا کہ مال و دولت یا کسی طرح بھلائی کے ذریعہ اگر صلح کی صورت نکلی تو ہم نکال لیں گے۔

فأصبح يجري فيهم من تلادكم مغانم شتى من إفال المزتم

پھر آپ کے مویشیوں میں سے اولیاء مقتولین کو بطور فدیہ جوان اور کان کٹے اونٹ ملنے لگے۔

پھر عارضی طور پر تعریف کا سلسلہ روک کر جنگ کرنے والوں کو نرمی اور محبت سے صلح کی دعوت دینے لگا لیکن جب جنگ کا ذکر آیا تو اس میں کچھ سختی آ گئی اور اس کی ناپسندیدگی کو بیان کیا کہ اس میں لوگوں کا کتنا جانی و مالی نقصان ہوتا ہے:

وما الحرب إلا ماعلمتم وذقتم وما هو عنها بالحديث المرجم

اور جنگ کا مزہ تو تم چکھ ہی چکے اور اس کا نتیجہ تمہیں معلوم ہو گیا اور یہ بات کوئی اٹکل پچو نہیں ہے۔

متى تبعثوها تبعثوها ذميمة وتضر إذ ضربتموها فتضرم

جب تم جنگ کو چھیڑو گے اس کے برے نتائج ہی پاؤ گے اور جب تم اسے بھڑکاؤ گے تو وہ بھڑکتی ہی چلی جائے گی۔

فتعرككم عرك الرحا بثفالها وتلقح كشافا ثم تحمل فتتئم

اور تمہیں اس طرح پیس کر رکھ دے گی جس طرح چکی اس کپڑا کو پیس دیتی ہے جو نچلے پاٹ کی کیل میں لپٹا ہوتا ہے اور وہ سال میں دو مرتبہ حاملہ ہو گی لیکن ایک ساتھ ہی دونوں کو جن دے گی۔

فتغلل لكم ما لا تغل لأهلها قرى بالعراق من قفيز ودرهم

پھر وہ تمہارے لیے اتنی مشکلات پیدا کر دے گی کہ عراق کے علاقہ میں اتنا غلہ اور دولت بھی پیدا نہیں ہو سکتی۔

پھر اپنے ممدوحوں کی طرف لوٹتا ہے اور ان کی تعریف کرتا ہے کہ انہوں نے ایسی مشکل کو حل کیا جس کے پیدا کرنے میں وہ شریک نہ تھے اور جنگ بھڑکانے کا جرم، ہم بن ضمضم پر لگاتے ہوئے کہتا ہے۔

وكان طوي كشحا على مستكنة فلا هو أبداها ولم يتجمجم

اس کے سینہ میں کینہ اور انتقام کی آگ چھپی ہوئی تھی نہ تو وہ اس کو ظاہر ہی کرتا تھا اور نہ ابہام کے ساتھ بتاتا تھا۔

---

[1] منشم ایک عطر فروش عورت کا نام ہے ایک قوم نے اس سے عطر خریدا اور باہم معاہدہ کیا کہ اپنے دشمنوں کو بالکل ختم کر دیں گے اور اس معاہدہ کی نشانی عطر میں ہاتھ ڈبونا بنایا پھر انہوں لڑائی کی اور سارے ختم ہو گئے اس وقت سے "عطر منشم" منحوس کام کے لیے ضرب المثل بن گیا۔

وقال سأقضي حاجتي ثم أتقي عدوي بألف من ورائي ملجم

اس نے دل ہی دل میں کہا میں اپنا منصوبہ پورا کرتا ہوں پھران ہزار سواروں کے ذریعہ اپنے دشمن سے بچ جاؤں گا جو ان کے لیے تیار کھڑے ہیں۔

فشد ولم تفزع بیوت کثیرة لدي حیث ألقت رحلها أم قشعم

چنانچہ اس نے حملہ کیا اور بہت سے گھروں کو خوفزدہ کیے بغیر اس جگہ جا پہنچا جہاں موت نے اپنا ڈیرہ ڈالا ہوا تھا۔

لدي أسد شاكي السلاح مقذفٍ له لبد أظفاره لم تقلم

جہاں ہتھیار بند، بہادر شیر رہتا تھا جس کی گردن پر لمبے بال تھے اور اس کے ناخن کاٹے نہیں گئے تھے۔

رعوا مارعوا من ظمئهم ثم أوردوا غمارا تسیل بالرماح و بالدم

انہوں نے جب تک چاہا اپنے جانور چرائے پھران کو ایسے گہرے پانی میں اتار دیا جہاں خون اور نیزے بہہ رہے تھے۔

فقضوا منایا بینهم ثم أصدروا إلى كلإ مستوبل متوخم

پھران میں سے جس جس کے مقدر میں موت تھی اس نے اپنا مقدر پورا کر لیا اور باقی بچنے والے اس چراگاہ میں واپس چلے گئے جس کی گھاس نہایت ثقیل اور بدانجام تھی۔

پھر شاعر پر انسانیت اور فلسفیانہ طبیعت کا رنگ غالب آ جاتا ہے اور وہ ایک حکیم کی طرح زندگی کی اکتاہٹ اور موت کے بارے میں غور وفکر کرتا ہے اور اپنے تجربے بیان کر کے نصیحت کرتا ہے:

رأيت المنايا خبط عشواء من تصب تمته ومن تخطیء یعمر فیهرم

میں موت کو اندھی اونٹنی کی طرح سمجھتا ہوں جو اندھا دھند چلتی ہے جس کو اس کی ٹانگ پڑ جاتی ہے وہ تو جلد ہی مر جاتا ہے اور جس کو نہ پڑے وہ لمبی عمر پاتا ہے اور بڑھا کھوسٹ ہو جاتا ہے۔

ومن هاب أسباب المنایا ینلنه ولو نال أسباب السماء بسلم

جو موت کے پھندوں سے ڈرتا ہے تو موت اسے ضرور پا کر رہتی ہے اگرچہ وہ سیڑھی کے ذریعہ آسمان پر بھی پہنچ جائے۔

ومن یجعل المعروف من دون عرضه یفره، ومن لا یتق الشتم یشتم

جو اپنی آبرو کی حفاظت کے لیے مال و دولت خرچ کرتا ہے وہ اپنی آبرو بچا لیتا ہے اور جو گالی گلوچ سے نہیں بچتا اس کو گالی سننا پڑتی ہے۔

ومن یجعل المعروف في غیر أهله یعد حمده ذما علیه ویندم

اور جو نا اہلوں کے ساتھ بھلائی کرتا ہے اس کی یہ نیکی بھی بدی شمار ہوتی ہے اور اس کو پشیمانی اٹھانا پڑتی ہے۔

ومهما تكن عند امرئ من خلیقة وان خالها تخفى على الناس تعلم

جو عادت کسی شخص میں ہو، تو وہ اسے لوگوں سے لاکھ چھپائے آخر ایک نہ ایک دن معلوم ہو ہی جاتی ہے۔

وكائن تري من معجب لك شخصه　　زيادته أو نقصه في التكلم

بہت سے لوگ جسامت کو دیکھ کر تعجب کرنے لگتے ہیں حالانکہ فضیلت یا منقصت کا دارومدار تو گفتگو پر ہے۔

لسان الفتى نصف، ونصف فؤاده　　فلم يبق إلا صورة اللحم والدم

انسان کا آدھا حصہ تو اس کی زبان ہے اور دوسرا آدھا حصہ دل ہے اس کے علاوہ وہ جو باقی ہے تو خون اور گوشت کا ایک ڈھانچہ ہے۔

وإن سفاه الشيخ لا حلم بعده　　و إن الفتى بعد السفاهة يحلم

بوڑھے کی حماقتوں کے بعد بردباری کی اس سے امید نہیں رہتی لیکن نوجوان کی حماقتوں کے بعد اس سے بردباری کی امید باقی رہتی ہے۔

اعشیٰ (متوفی ۶۲۹ء)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ان کا پورا نام ابوبصیر میمون بن قیس بن جندل ہے یہ ان ماہر شعراء میں سے ایک ہے جنہوں نے شاعری کو ذریعہ معاش بنایا اور شاعری کی بہت سی قسموں میں شعر کہے۔ یمامہ میں منفوحہ نامی بستی میں پیدا ہوا اور شاعری کی تربیت اپنے ماموں میسّب بن علس کا راوی بن کر حاصل کی یہاں تک کہ جب اس کی عقل پختہ ہوگئی اور زبان ماہر ہوگئی تو اس نے ملکوں کا چکر کاٹنا شروع کیا بادشاہوں کے دروازے پر جاتا ان کی تعریف کرتا اور ان سے بخشش مانگتا، نجران کے بادشاہ بنو عبدالمدان کے پاس پہنچا تو انہوں نے اس کا خوب اکرام کیا اور بھاری عطیے دیئے انہیں کی صحبت سے شراب نوشی کی عادت پڑ گئی یہ ان کے خیالات وافکار سے بھی متاثر ہوا جس کی جھلک اس کے اشعار میں ظاہر ہوتی ہے خصوصاً شراب کا وصف قابل ذکر ہے۔ اعشیٰ نے بڑی لمبی عمر پائی حتی کہ بڑھاپے کی وجہ سے آنکھوں کی بینائی بھی جاتی رہی، حضور ﷺ کی نبوت کا چرچا سنا تو آپ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہا اور حجاز کی طرف کوچ کیا قریش کو اس کے اسلام سے بڑی گھبراہٹ ہوئی اور ابوسفیان نے ان سے کہا اللہ کی قسم اگر یہ حضور ﷺ کے پاس چلا گیا یا اس کی پیروی کر لی تو اپنی شاعری سے تمہارے خلاف عرب میں آگ بھڑکا دے گا چنانچہ انہوں نے سو اونٹ جمع کیے اور اعشیٰ نے ان کو قبول کر لیا اور واپس چل دیا راستہ میں جب یمامہ کے قریب پہنچا تو اپنی اونٹنی سے گر پڑا اور اونٹنی نے اس کی گردن توڑ دی۔

شاعری:

بعض رواۃ اور شاعری کو پرکھنے والے، اعشیٰ کو امرؤ القیس، زہیر اور نابغہ کا چوتھا قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امرؤ القیس بہترین شاعر ہے جب وہ سوار ہو اور زہیر جب شوق میں ہو اور نابغہ جب خوف زدہ ہو اور اعشیٰ جب موج مستی میں ہو۔ اس بات سے اگرچہ کسی کو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس کی شاعری کا بلند ثبوت ملتا ہے۔

اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان کے شعر میں وہ رونق اور خوش اسلوبی اور شراب کی عمدہ تعریف کے ساتھ ساتھ لمبا مضمون، عمدگی

سے بیان کرنا ایسی خصوصیات ہیں جن کی مثال دوسرے شاعروں کے کلام میں نہیں ملتی۔ اس کے اشعار کانوں کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور دلوں پر ہیبت چھا جاتی ہے لوگوں پر ان کا اثر ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کا لقب ''صناجۃ العرب'' پڑ گیا (عرب کا جھانجھ والا) اس نے اپنی شاعری میں بہت سوں کو عزت دی اور بہت سوں کو ذلت دی محلق [1] کے ساتھ اس کا قصہ اور قریش کا اس کے اسلام سے ڈر جانا اس امر کی واضح دلیل ہیں۔

شاعری کا نمونہ:

اس کی عمدہ شاعری میں سے وہ لامیہ قصیدہ ہے جس کو کچھ لوگ معلقات میں شمار کرتے ہیں جس کا مطلع یہ ہے:

وَدِّعْ هريرةَ ان الرَّكْبَ مرتحل   وهل تطيق وداعًا ايها الرجل؟

ہریرہ کو الوداع کہو کہ قافلہ چلنے والا ہے اور کیا تیرے اندر الوداع کہنے کی طاقت بھی ہے یا نہیں۔

اس قصیدہ کے کچھ اور اشعار ملاحظہ ہوں:

أبلغ يزيد بني شيبان مالكة   أبا ثبيت أما تنفكُّ تأتكل

بنو شیبان کے یزید کو میرا یہ پیغام پہنچا دے کہ اے ابوثبیت کیا تو ہمیشہ ہم سے جلتا رہے گا۔

ألست منتهياً عن نحت أثلتنا   ولست ضائرها ما أطت الإبل

کیا تو ہمارے خاندان کی آبرو ریزی سے باز نہیں آئے گا حالانکہ تو کبھی اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

كناطح صخرة يوماً ليوهنها   فلم يضرها و أوهى قرنَه الوعل

تیری مثال اس بارہ سنگھا کی طرح ہے جو مضبوط چٹان کو کمزور کرنے کے لیے اس میں سینگ مار رہا ہو کہ اس کا تو کچھ نقصان نہیں ہوتا وہ اپنے ہی سینگوں کو کمزور کر لیتا ہے۔

لقد زعمتم بأنا لا نقاتلكم   إنا لأمثالكم يا قومنا قتلُ

تمہارا خیال ہے کہ ہم تم سے جنگ نہ کریں گے ہم تو تمہارے جیسوں کو بڑی اچھی طرح قتل کرنے والے ہیں۔

قالوا الطراد، فقلنا تلك عادتنا   أو تنزلون فإنا معشر نُزُلُ

کہنے لگے ہم مل کر حملہ کریں گے ہم نے کہا یہ ہماری عادت ہے اور اگر تم ایک ایک کر کے آؤ تو اس طریقہ سے بھی ہم تم سے جنگ کریں گے۔

اور جو قصیدہ حضور ﷺ کی شان میں تیار کیا تھا اس کے چند اشعار یہ ہیں:

---

[1] محلق عرب کے گمنام اور مفلس لوگوں میں سے ایک شخص تھا جس کی سات جوان لڑکیاں گھر بیٹھی تھیں، باپ کی گمنامی اور مفلسی کی وجہ سے کوئی ان کا رشتہ مانگنے نہیں آتا اس کی بیوی نے اسے رائے دی کہ وہ اعشیٰ کی مہمانی کر کے اس کے سامنے اپنی مشکل بیان کرے تاکہ وہ اپنی شاعری کے ذریعہ اس کی تعریف کرے اس طرح لوگوں میں اس کی شہرت ہو جائے بیوی کی تجویز کے مطابق محلق نے شاعر کی مہمانی کی اور باوجود تنگدستی کے ایک اونٹنی ذبح کر دی اعشیٰ نے اس سخاوت پر ایک پورا قصیدہ اس کی مدح میں کہہ دیا جس کا کچھ حصہ پہلے نمونوں میں گزر چکا ہے۔

ألم تغتمض عيناك أرمدا وبت كما بات السليم مسهدا

کیا تیری آنکھ آشوب چشم کی وجہ سے رات بھر جاگتی رہی اور تو نے مار گزیدہ کی طرح رات گزاری۔

وما ذاك من عشق النساء وإنما تناسيت قبل اليوم خلة مهدَدا

اور تیری یہ شب بیداری عورتوں کے عشق کی وجہ سے نہ تھی کیونکہ تو نے آج سے پہلے ہی مہدد (محبوبہ) کی دوستی کو بھلا دیا تھا۔

ولكن أرى الدهر الذي هو خائن إذا أصلحت كفاي عاد فأفسدا

لیکن میں دیکھتا ہوں کہ زمانہ خیانت کرنے والا ہے جب میری حالت درست ہوتی ہے وہ اسے پلٹ کر پھر بگاڑ دیتا ہے۔

شباب وشيبٌ وافتقار وثروةٌ فلله هذا الدهر كيف ترددا!

کبھی جوانی کبھی بڑھاپا، مالداری اور مفلسی اللہ ہی جانے یہ زمانہ کیا کیا رنگ بدلتا ہے۔

اور اسی قصیدہ میں سے ہے:

فآليت لا أرثي لها من كلالة ولا من وجى حتى تلاقي محمدا

میں نے قسم کھالی ہے کہ میں اونٹنی کے تھکنے اور اس کے زخمی ہونے پر ترس نہیں کھاؤں گا حتی کہ وہ محمد ﷺ سے جا ملے۔

متى ما تناخي عند باب ابن هاشم تراحي وتلقي من فواضله ندى

تو جب ابن ہاشم کے دروازے پر جا کر پہنچے گی تب تو آرام پائے گی اور اس کی بخششوں سے فیض پائے گی۔

نبي يرى ما لا يرون وذكره أغار لعمري في البلاد وأنجدا

وہ ایسا نبی ہے جو ان چیزوں کو دیکھ لیتا ہے جن کو عام لوگ نہیں دیکھتے، میری عمر کی قسم تمام ملکوں میں اس کا چرچا ہو کر رہے گا۔

له صدقاتٌ ما تغبُّ ونائل وليس عطاء اليوم يمنعه غدا

اس کی بخششیں مسلسل نہ ختم ہونے والی ہیں اور اس کی آج کی عطاء، کل عطاء سے مانع نہیں ہوتی۔

عنترہ عبسی (متوفی ۶۱۵ء)

پیدائش اور حالات زندگی:

یہ ابوالمغلس عنترہ بن عمرو بن شداد العبسی ہے اس کا باپ شریف النسل اور ماں حبشن تھی جس کو زبیبہ کہا جاتا تھا اس کا شمار غیر عربوں میں ہوتا ہے جب وہ پیدا ہوا تھا تو اس کے باپ نے جاہلی دستور کے مطابق کہ وہ باندیوں کے بچوں کو اپنا نہیں بناتے تھے اس کا انکار کر دیا لیکن عنترہ نے اپنے آپ کو اس غلامی کی حالت سے نکالنے کی کوشش کی چنانچہ اس نے سپہ گری و شہسواری اور جنگی تربیت اچھی طرح حاصل کر لی اور بالآخر وہ مرد میداں اور لشکر کا سالار بن گیا ایک مرتبہ عرب کے چند قبیلوں نے ان کے قبیلہ عبس پر حملہ کیا اور کچھ اونٹ لے بھاگے چنانچہ عبسیوں نے ان کا پیچھا کیا عنترہ بھی ساتھ تھا عنترہ کے باپ نے اس سے کہا اے عنترہ آگے بڑھ کر حملہ کرو باپ نے چونکہ اسے غلام بنایا ہوا تھا اس لیے سینہ میں کینہ تھا جس کی وجہ سے اس نے کہا کہ غلام حملہ کرنا اچھی طرح نہیں جانتا وہ تو دودھ دوہنا اور تھن باندھنا اچھی طرح جانتا ہے اس کے باپ نے کہا تو آزاد ہے آگے بڑھ کر حملہ کر چنانچہ یہ آگے بڑھا اور پر زور

لڑائی کی حتیٰ کہ مال لوٹنے والوں کو شکست ہوئی اور یہ اپنے اونٹ واپس لے آئے اس واقعہ کے بعد سے اس کے باپ نے اسے اپنا بیٹا تسلیم کر لیا اس کے بعد ہی اس کی شہرت ہوئی اور اس کی بہادری کا چرچا ہونے لگا حتیٰ کہ بہادری اور پیش قدمی میں وہ ضرب المثل بن گیا۔

اس کی اس شہرت اور بہادری کی جو معقول توجیہ اس نے کی ہے اس کو ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کسی نے اس سے پوچھا آپ لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر اور دلیر ہیں؟ اس نے جواب دیا نہیں اس نے پوچھا پھر تیری یہ شہرت لوگوں میں کیوں ہوئی؟ جواب دیا کہ میں جب آگے بڑھنا بہتر سمجھتا ہوں تو پیش قدمی کرتا ہوں اور جب پیچھے ہٹنے میں احتیاط سمجھتا ہوں تو پیچھے ہٹتا ہوں ایسی جگہ نہیں گھستا جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نظر نہ آئے، بزدل اور ضعیف کو دیکھ کر پوری قوت سے اس پر وار کرتا ہوں جسے دیکھ کر بہادر کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں پھر پلٹ کر اسے بھی مار دیتا ہوں۔

عنترہ نے داحس اور غبراء کی مشہور لڑائی میں لشکر کے دستوں کی سالاری کے فرائض حسن وخوبی کے ساتھ سر انجام دیئے اور بالآخر یہ سرداری کے بلند مقام پر پہنچ گیا، اس نے بہت عمر پائی بڑھاپے کی وجہ سے اس کی ہڈیاں کمزور اور کھال لٹک گئی تھی سن ۶۱۵ کو قتل کر دیا گیا۔

شاعری:

عنترہ سے حالت غلامی میں نہ تو اچھے شعر منقول ہیں نہ برے کیونکہ غلامی دل پر زنگ چڑھا دیتی ہے اور آتش جذبات کو بجھا دیتی ہے لیکن باپ نے اسے اپنا بیٹا تسلیم کر لیا اور حملہ میں اسے فتح ہوگئی اور عبلہ کی محبت اس کے دل پر چھا گئی تو شاعری کا طوفان اس کے سینے میں موجیں مارنے لگا اور وہ نہایت عمدہ اور پر جوش شعر کہنے لگا اس کی شاعری میں محبت کے اور جنگ وفخر کے اشعار ہیں آپ کو اس کی شاعری میں غزل وتشبیب کی مٹھاس اور سنجیدہ فخر بہت ملے گا لیکن اس کی شاعری اکثر مصنوعی ہے جسے اس کی شاعری سے صرف اتنی نسبت ہے کہ وہ طرز بیان اور موضوع میں اس کے اشعار سے ملتا جلتا ہے۔ اس کی خالص اور غیر مخلوط شاعری میں وہ عمدہ معلقہ ہے جسے اس نے اپنی شاعری کا سکہ جمانے اور اپنی فصاحت کی دھاک بٹھانے کے لیے نظم کیا تھا اس کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ عبس کے ایک شخص نے اس کو گالی دی اور اس کی ماں کے حبشن ہونے کا اسے طعنہ دیا عنترہ نے اس سے کہا میں جنگ میں حصہ لیتا ہوں اور مجھے مال غنیمت کا پورا حصہ ملتا ہے سوال کرنا ناپسند سمجھتا ہوں اپنے مال سے خرچ کرتا ہوں اور اہم مواقع پر مجھے فضیلت دی جاتی ہے، وہ شخص کہنے لگا میں تم سے بڑا شاعر ہوں عنترہ نے کہا یہ بھی تم کو عنقریب معلوم ہو جائے گا پھر صبح اس نے اپنا مشہور قصیدہ ''مذھبہ'' لوگوں کے سامنے پیش کیا جس نے اس حریف کا منہ بند کر دیا اور اس کی بات کو نیچا کر دیا۔

شاعری کا نمونہ:

اپنے معلقہ میں کہا:

ولقد شربت من المدامة بعد ما　　　　رکد الھو احر بالمشوف المعلم

اور دو پہر کی تپش ختم ہونے کے بعد میں نے شراب پی ایسے چمکدار دراہم کے بدلے جن پر ٹھپہ لگا ہوا تھا۔

فإذا سكرت فإنني مستهلك مالي، وعرضي وافر لم يكلم

جب میں نشہ میں ہوتا ہوں تو اپنے مال کو بے دریغ خرچ کرتا ہوں اور میری آبرو صحیح سالم ہوتی ہے جس میں کوئی دھبہ نہیں لگتا۔

وإذا صحوت فلا أقصر عن ندىً وكما علمتِ شمائلي وتكرمي

اور جب میں نشہ دور کر کے صحیح ہو جاتا ہوں تو بھی سخاوت میں کمی نہیں کرتا میری خصلتیں اور شرافت تو، تُو خوب جانتی ہے۔

ومدجج كره الكماة نزاله لا مُمعنٍ هرباً ولا مستسلم

وہ مسلح جنگجو جس کا مقابلہ کرنے سے بڑے بڑے پہلوان کتراتے ہیں جو میدانِ کارزار سے نہ تو بھاگتا ہے اور نہ ہی اپنے آپ کو دشمن کے حوالہ کرتا ہے۔

جادت يداي لهُ بعاجل طعنة بمثقّب صدق الكعوب مقوّم

میں نے پھرتی کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے مضبوط اور سیدھا نیزہ اس میں گھونپ دیا۔

فشككت بالرمح الأصم ثيابه ليس الكريم على القنا بمحرم

پھر میں نے اس سیدھے نیزے میں اس کا جسم پرو دیا اور کوئی شریف انسان نیزہ پر حرام نہیں کیا گیا۔

فتركته جزر السباع ينشنه يقصمن حسن بنانه والمعصم

میں نے اس کو درندوں کی خوراک بنا دیا جو اس کا گوشت نوچ رہے تھے اور اس کے پورے اور ہڈیوں کے جوڑ چبا رہے تھے۔

لما رأيتُ القومَ أقبل جمعهم يَتَذَا مرونَ كررتُ غيرَ مذمّم

جب میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کو جنگ پر ابھار رہے ہیں تو میں نے قابل تعریف حملہ کیا۔

يدعون عنتر والرماح كأنها أشطان بئر في لبان الأدهم

لوگ کہہ رہے تھے کہ اے عنترہ آگے بڑھو اور میرے سیاہ گھوڑے کے سینہ میں نیزے اس طرح لگے ہوئے تھے جس طرح کنویں کی رسیاں ہوں۔

مازلت أرميهم بثغرة نحره ولبانه حتى تسربل بالدم

میں برابر گھوڑے کے سینے کو دشمن کی طرف بڑھا رہا تھا اور اس کا سینہ اس طرح خون سے رنگین ہو گیا تھا کہ گویا اس نے خون کا لباس پہنا ہوا ہے۔

فازور من وقع القنا بلبانه وشكا إلي بعبرة وتَحَمْحُم

اپنے سینہ پر بہت سے نیزے کھا کر اس گھوڑے نے اپنی گردن موڑی اور آنسو بہا کر ہنہناتے ہوئے مجھ سے فریاد کی۔

لو كان يدري ما المحاورةُ اشتكى ولكان لو علم الكلام مكلمي

اگر اسے گفتگو کرنا آتی تو وہ ضرور مجھ سے شکایت کرتا اور اگر اسے بات کرنا آتی تو وہ مجھ سے ضرور بات کرتا۔

ولقد شفى نفسي وأبرأ سُقمها قيلُ الفوارس ويك عنتر أقدم!

شہسواروں کی اس بات نے میرے دل کو خوش کر دیا اور تمام کدورت ختم کر دی کہ اے عنترہ شاباش آگے بڑھو۔

والخيل تقتحم الغبار عوابسا ما بين شيظمةٍ وأجرد شيظم

اس حال میں کہ کم بالوں والے لمبے گھوڑے نرم ریتلی زمین میں داخل ہو رہے تھے۔

نیز یہ بھی کہا:

بكرت تخوفني الحتوف كأنني أصبحت عن غَرَض الحتوف بمعزل

وہ مجھے موت سے اس طرح ڈرانے لگی گویا کہ میں موت کے نشانہ سے بچ کر ایک کونہ میں جا بیٹھا ہوں۔

فأجبتها إن المنية منهل لا بد أن اسقى بكأس المنهل

میں نے اس کو جواباً کہا کہ موت کا گھاٹ ایسا ہے کہ اس کا پیالہ مجھے ضرور پلایا جائے گا۔

فاقني حياءك لا أبالك واعلمي أني امرؤ سأموت إن لم أقتل

تو ہوش میں آ اور اپنے دامن حیاء کو تھام اور سمجھ لے کہ میں ایک انسان ہی ہوں اگر مجھے قتل نہ کیا گیا تو ایک دن خود مر جاؤں گا۔

إن المنية لو تمثلّ مثلت مثل إذا نزلوا بضنك المنزل

جب لوگ میدان جنگ میں اترتے ہیں تو موت اگر کسی شخص کے روپ میں آتی ہے تو میرا روپ دھار کر آتی ہے۔

إني امرؤ من خير عبس منصباً شطري، وأحمي سائري بالمنصل

میں ایسا شخص ہوں کہ میرا آدھا نسب عبس کے اعلیٰ خاندان سے ہے اور میں تلوار سے اپنے باقی نسب کی حفاظت کرتا ہوں۔

وإذا الكتيبة أحجمت وتلاحظت ألفيت خيرا من معم مخول

اور جب لشکر پیچھے ہٹ جائے اور کن انکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تو میں اس وقت شریف دھیال اور ننھیال والوں سے بہتر پایا جاتا ہے۔

والخيل تعلم والفوارس أنني فرقت جمعهم بضربة فيصل

سوار دستے اور گھڑسوار سب جانتے ہیں کہ میں فیصلہ کن وار سے ان کی جمعیت کو تتر بتر کر دیتا ہوں۔

والخيل ساهمة الوجوه كأنما تسقى فوارسها نقيع الحنظل

گھوڑے اس طرح منہ بگاڑے ہوتے ہیں کہ گویا ان کے سواروں کو پانی میں حنظل گھول کر پلا دیا گیا ہے۔

ولقد أبيت على الطوى وأظله حتى أنال به كريم المأكل

اور میں باعزت خوراک حاصل کرنے کے لیے مسلسل کئی دن رات بھوکا رہ لیتا ہوں۔

طرفہ بن العبد (متوفی ۵۶۴ء)

پیدائش وحالاتِ زندگی

طرفہ بن عبد بن سفیان بکری پیدائش کے وقت ہی یتیم تھے اس لیے پرورش چچاؤں کے زیر تربیت پائی لیکن تربیت میں ان کے لاپرواہی کی وجہ سے یہ بے ادب ہو گیا جوان ہوا تو کھیل کود اور بیکاری میں پڑ گیا اور مے نوشی و آرام پرستی میں لگ گیا لوگوں کی آبرو ریزی کرنا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا چنانچہ جوانی کے مستی میں آ کر بادشاہ عمرو بن ہند کی ہجو میں شعر کہے حالانکہ اس کو چاہیے تھا کہ بادشاہ کو راضی کرتا۔ اس کی وجہ سے عمرو کے دل میں اس کے خلاف کینہ بیٹھ گیا، پھر جب ایک مرتبہ وہ اپنے ماموں ملتمس کے ساتھ بادشاہ کے پاس مدد طلبی کے لیے گیا (ملتمس نے بھی پہلے اس بادشاہ کی ہجو کی تھی) بادشاہ بظاہر ان سے اچھی طرح سے ملا تاکہ انہیں ہر قسم کا اطمینان رہے اور ان کے لیے انعام کا حکم دیا اور دو خط دیئے اپنے گورنر بحرین کے نام کہ وہ اس سے اپنا انعام طلب کر لیں جب راستہ میں پہنچے تو ملتمس کے دل میں کچھ شک پیدا ہو گیا اس نے کوئی پڑھا لکھا آدمی ڈھونڈا کہ وہ اس خط کو پڑھ کر سنا دے چنانچہ ایک آدمی نے اسے پڑھ کر سنایا اس میں لکھا ہوا تھا:

> "اللہ کے نام سے ابتداء ہے، یہ خط عمرو بن ہند کی جانب سے مکعبر کو ہے جب ملتمس تمہارے پاس یہ خط لے کر پہنچے تو تم اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر زندہ درگور کر دینا ملتمس نے یہ سن کر وہ خط پھاڑا اور نہر میں ڈال دیا پھر ملتمس نے طرفہ کو کہا اللہ کی قسم تیرے خط میں بھی یہی ہے اس نے کہا وہ میرے لیے ہرگز اس طرح نہیں لکھ سکتا اور اپنے راستے چلتا رہا حتی کہ گورنر بحرین کے پاس پہنچا تو اس نے اسے قتل کر دیا اس وقت اس کی عمر چھبیس سال تھی۔

شاعری:

طرفہ بچپن ہی سے نہایت ذہین حساس اور سریع الفہم تھا بیس برس سے بھی کم عمر میں وہ شعر کہنے میں مہارت حاصل کر چکا تھا لیکن عمرو بن کلثوم کی طرح اس کی شہرت بھی اس کے معلقہ کی وجہ سے ہوئی، بہت ممکن ہے کہ اس کے اور بہت سے اشعار ہیں جو راویوں کے علم میں نہیں آئے طرفہ کو وصف بیانی میں سچائی اور مبالغہ کے بہت کم استعمال کرنے میں دوسروں سے ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے اشعار میں پیچیدگی نامانوس الفاظ اور مبہم مضامین پائے جاتے ہیں ان سب چیزوں کے نمونے آپ کو اس کے اس معلقہ میں نظر آئیں گے جس کی ابتداء اس نے تغزل سے کی، پھر درمیان کلام میں نہایت انوکھے انداز سے پینتیس شعروں میں اپنی اونٹنی کی تعریف کی ہے پھر اس کے بعد اپنے ذاتی کمالات بیان کیے ہیں جو کہ نہایت پر مغز اور بلیغ ترین شاعری ہے آیئے اس کے معلقہ کا مختصر سا تجزیہ کرتے ہیں۔

معلقہ کا مختصر تجزیہ:

طرفہ نے اپنے معلقہ کی ابتداء اپنی محبوبہ خولہ کے کھنڈرات کی یاد سے کی ہے جس میں اس نے ان کھنڈرات کو ہاتھ میں گدے ہوئے دھندلے نقوش سے تشبیہ دی ہے، پھر وہاں تھوڑی دیر کھڑا ہو کر محبوبہ کے گنبد نما ہودوں کا تصور کیا جو صبح کی وقت کوچ کر رہے

تھے اور نہایت اختصار اور عمدگی کے ساتھ ان خیالات کی تصویر کشی کی ہے پھر پیار بھرے انداز میں خود اپنی محبوبہ کی تعریف کی جس کی وجہ سے اس کے سینہ میں عشق کا غم ابھرتا ہے اس لیے اس کی یاد کو چھوڑ کر اپنی اونٹنی کی تعریف کرنے لگتا ہے اس کے اعضاء اور اس کی ایک ایک حرکت کو طول دے کر نہایت خوش اسلوبی اور نرالے انداز میں اس کا وصف کرتا ہے۔

وانی لَاَمْضِیْ الھَمَّ عند احتضارِہ　　بِھَوْجاءَ مِرْقالٍ تروح وتغتذی

جب غم و فکر مجھے گھیر لیتے ہیں تو میں صبح و شام تیز دوڑنے والی سانڈھنی پر سوار ہو کر ان غموں کو دور کرتا ہوں۔

تباري عتاقاً ناجياتٍ، وأتبعت　　وظيفاً وظيفاً فوق مور مُعَبَّد

یہ مقابلہ میں تیز رفتار سانڈھنیوں سے آگے نکل جاتی ہے اور وہ سیدھے راستے پر ایسے چلتی ہے کہ ہر اگلا قدم پچھلے کے نشان پر پڑتا ہے۔

صهابيةُ العثنون موجدةُ القرا　　بعيدة وخد الرحل موّارة اليد

اس کی گردن کے بال صہاب نسل کے اونٹوں کی طرح لمبے ہیں، مضبوط پیٹھ، قدم کا فاصلہ لمبا اور پھرتی سے ہاتھ چلانے والی ہے۔

واتلعُ نهاضٌ إذا صعّدت به　　كسكان بوصي بدجلة مصعد

اس کی گردن لمبی اور اوپر اٹھی رہتی ہے جب وہ اسے بلند کرتی ہے تو ایسے لگتا ہے کہ دریاء دجلہ میں چلنے والی کشتیوں کے سرے پر لگا ہوا پنکھا ہے۔

اس کے بعد اپنی تعریف کرتا ہے کہ وہ امن کی حالت میں کھیل کود میں لگنے والا اور جنگ میں خطرات سے کھیلنے والا ہے:

إذا القوم قالوا: من فتى؟ خلت أنني　　عُنيت فلم أكسل ولم أتبلد

جب قوم کہتی ہے کہ ''ہے کوئی مرد میداں'' تو میں سمجھتا ہوں کہ اس پکار سے مجھے طلب کیا جا رہا ہے پھر نہ تو میں سستی کرتا ہوں اور نہ ہی بدحواس ہوتا ہوں۔

ولست بحلال التلاع مخافة　　ولكنْ متى يسترفد القوم ارفد

میں میزبانی کے ڈر سے چھوٹے چھوٹے ٹیلوں پر پڑاؤ کرنے والا نہیں بلکہ قوم جب بھی مجھ سے مدد طلب کرتی ہے تو میں مدد کرتا ہوں۔

فإن تبغني في حلقة القوم تلقني　　و إن تلتمسني في الحوانيت تصطد

اگر تم مجھے قومی محفلوں میں تلاش کرو گے تو تمہیں وہاں مل جاؤں گا اور اگر شراب خانوں میں ڈھونڈو گے تو وہاں بھی مجھے پا لو گے۔

وما زال تشرابي الخمور ولذتي　　وبيعي وإنفاقي طريفيْ ومتلدي

میری مے نوشی، آرام طلبی اور اپنے ذاتی اور موروثی مال کو بیچنے اور خرچ کرنے کی عادت نہیں ختم ہوئی۔

إلى أن تحامتني العشيرة كلها وأفردت إفراد البعير المعبد

حتی کہ میری ان عادات کی وجہ سے تمام خاندان مجھ سے علیحدہ ہو گیا اور میں اس خارشی اونٹ کی طرح اکیلا ہو گیا جسے تارکول مل کر باقی اونٹوں سے علیحدہ کر دیا گیا ہو۔

رأيت بني غبراء لا ينكرونني ولا أهل هذاك الطراف الممدد

گدڑی پوش عام لوگ بھی مجھے پہچانتے ہیں اور شاندار اونچے خیموں میں رہنے والے بھی میری شرافت اور احسان کو تسلیم کرتے ہیں۔

الا أيهذا الزاجري أحضر الوغى وأن أشهد اللذات هل أنت مخلدي؟

اے مجھے اس بات پر ملامت کرنے والے کہ میں جنگ میں شریک ہوتا ہوں اور اپنی دل چسپیوں میں مصروف رہتا ہوں کیا تو مجھے ہمیشہ کے لیے زندہ رکھ لے گا۔

فإن كنت لا تستطيع دفع منيتي فدعني أبادرها بما ملكت يدي

اگر تو میری موت کو دور نہیں کر سکتا تو پھر مجھے چھوڑ دے کہ میں موت سے پہلے اپنے مال سے نفع اٹھا لوں۔

پھر نہایت سچائی اور بے باکی سے یہ اعلان کرتا ہے کہ دنیا میں اس کے صرف تین مقصد ہیں شراب، عشق، جوانمردی، اگر یہ تین محبوب مشغلے نہ ہوتے تو اسے نہ زندگی کی تمنا ہوتی اور نہ موت کا خطرہ:

ولو لا ثلاث هن من عيشة الفتى لعمرك لم أحفل متى قام عُوّدي

اگر وہ تین کام نہ ہوں جو نوجوان کا سامان زندگی ہیں تو تیری جان کی قسم مجھے اپنے تیمارداروں کے کھڑا ہونے کی کوئی پرواہ نہ ہوتی۔

فمنهن سبقي العاذلات بشربة كميتٍ متى ما تُعْلَ بالماء تزبد

ان میں سے ایک صبح اٹھتے ہی ایسے وقت میں ارغوانی شراب پینا جس میں پانی ڈالنے سے مزید جھاگ بنتے ہیں جبکہ ملامت کرنے والیاں بھی نہ جاگی ہوں۔

وتقصير يوم الدجن والدجن معجب ببهكنة تحت الخباء المعمد

گھٹا چھایا ہوا دن جو سب کو اچھا لگتا ہے اس کو خوش اندام معشوقہ کے ساتھ اونچے ستونوں والے خیمے میں چھوٹا کرنا۔

وكري إذا نادى المضاف محنباً كسيد الغضى ذي السورة المتورد

اور خوفزدہ کی مدد کے لیے میرا اپنے تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر جانا اس غضبناک بھیڑیے کی طرح جو پانی پر اتر رہا ہو اور اسے چونکا دیا جائے۔

پھر مختصر اور جلد ختم ہونے والی زندگی میں موت سے پہلے پہلے جلدی جلدی مزے اڑانے، کھیل کود کرنے، مال کو خرچ کرنے، خطرے کی جگہوں پر گھسنے کو موت اور بخل کے فلسفہ میں بیان کرتا ہے:

أرى قبر نحام بخيل بماله　　كقبر غوي في البطالة مفسد

میں دیکھتا ہوں کہ تنگ دل، بخیل کی قبراورآوارہ وفضول خرچ آدمی کی قبرایک جیسی ہیں۔

أرى الموت يعتام الكرام ويصطفي　　عقيلة مال الفاحش المتشدد

میں دیکھتا ہوں کہ موت سخی اور شریف انسان کوچن لیتی ہےاور بخیل کے پسندیدہ مال کوبھی چن لیتی ہے۔

أرى العيش كنزاً ناقصا كل ليلة　　وما تنقص الأيامُ والدهرُ ينفدِ

میرے خیال میں زندگی ایک ایسا خزانہ ہے جو، ہررات کم ہورہا ہے دن اسی طرح کم ہوتے رہیں گےاورزمانہ ختم ہوجائے گا۔

لعمرك إن الموتَ ما أخطأ الفتى　　لكا الطول المرخي وثنياهُ باليد

تیری زندگی کی قسم جس انسان سے بھی موت چوکتی ہے اس کی مثال اس جانور کی سی ہے جس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی گئی ہواوراس کے دونوں سرے سوار کے ہاتھ میں ہوں۔

متى ما يشاء يوما يقده لحتفه　　ومن يكُ في حبل المنية ينقد

جس دن وہ چاہے اسے موت کی طرف کھینچ کر لے جائے اور جوموت کی رسیوں میں جکڑا ہوا ہو وہ ضرور کھنچتا چلا جائے گا۔

بعدازاں شاعراپنے چچا کے بیٹے پرغصہ ہوتا ہےاپنی قوم کے ظلم کا شکوہ کرتا ہےاوراپنی ثابت قدمی کی تعریف کرتا ہے:

فمالي أراني و ابن عمي مالكاً　　متى أدنُ منهُ ينأ عني و يبعد

میرے چچازاد بھائی مالک کوکیا ہوگیا کہ جب میں اس کے قریب جاتا ہوں تو وہ مجھ سے بھاگتا ہے۔

وظلم ذوي القربى أشد مضاضةً　　عَلَى النفس من وقع الحسام المهند

رشتہ داروں کےظلم سے انسان پرایسے زخم لگتے ہیں جوتیزتلوار کے گھاؤ سے بھی سخت ہوتے ہیں۔

أرى الموت أعداد النفوس ولا أرى　　بعيداً غداً، ماأقرب اليوم من غدا!

میں دیکھتا ہوں کہ موت کی تعداد انسانوں کے برابر ہے آنے والا دن مجھے دور دکھائی نہیں دیتا، آج وکل کا آپس میں کتنا گٹھ جوڑ ہے۔

أنا الرجل الضربُ الذي تعرفونه　　خشاشٌ كرأس الحية المتوقد

میں ہی وہ چاق وچوبند شخص ہوجسے تم جانتے ہوجوسانپ کے پھن کی طرح ہروقت ہوشیاررہتا ہے۔

إذا ابتدر القوم السلاح وجدتني　　منيعاً إذا بلّت بقائمه يدي

جب لوگ جلدی جلدی ہتھیاروں کواٹھاتے ہیں توتم مجھے دیکھوگے کہ میں تلوار کوایسی مضبوطی سے پکڑتا ہوں کہ میرے ہاتھ میں پسینہ آجاتا ہے۔

فلو كنتُ وغلا في الرجال لضرني　　عداوةُ ذي الأصحاب والمتوحد

اگرمیں بن بلایا مہمان ہوتا تواس وقت مجھے ان لوگوں کی دشمنی سے نقصان پہنچتا جوجماعت کے ساتھ ہیں یااکیلے ہیں۔

ولكن نفى عني الرجال جراءتي　　عليهم وإقدامي وصدقي ومحتدي

لیکن میری بہادری، پیش قدمی، راست گوئی اور خاندانی شرافت کی وجہ سے لوگ میرے مقابلہ میں آنے سے کتراتے ہیں۔

ستبدي لك الأيام ما كنت جاهلا ويأتيك بالأخبار من لم تزود

جن باتوں سے تم بے خبر ہو زمانہ عنقریب تمہیں واضح طور سے بتا دے گا اور وہ شخص تم کو اطلاع پہنچائے گا جس کو تم نے کبھی توشہ بھی نہیں دیا۔

عمرو بن کلثوم (متوفی ۵۸۴ء)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

عمرو بن کلثوم بن مالک تغلبی نے جزیرہ فرات میں تغلب کے دانا اور قابلِ عزت لوگوں میں پرورش پائی، جوان ہوا تو اس میں بڑے لوگوں کی طرح خودداری، غیرت اور زبان کی فصاحت تھی ابھی وہ پندرہ برس ہی کا تھا کہ اپنی قوم کا معزز اور قبیلہ کا سردار بن گیا۔ بکر اور تغلب کی جنگِ بسوس میں یہی لڑائی کا روح رواں تھا جس میں یہ کڑی آزمائش سے گزرے بالآخر دونوں قبیلوں نے عمرو بن ہند کے ہاتھ پر صلح کر لی جو کہ آلِ منذر میں سے حیرہ کا بادشاہ تھا لیکن جلد ہی یہ صلح ختم ہوگئی اور ان کے سرداروں میں پھوٹ پڑ گئی اور حمیت ان میں بھڑک اٹھی حتیٰ کہ وہ عمرو بن ہند کے دربار ہی میں جھگڑ پڑے چنانچہ قبیلہ بکر کا مشہور شاعر حارث بن حلزہ کھڑا ہوا اور اپنا مشہور معلقہ پڑھ سنایا جس سے بادشاہ کی نظر کرم قبیلہ بکر کی طرف ہوگئی حالانکہ وہ پہلے تغلب کا حامی تھا اس پر عمرو بن کلثوم بادشاہ سے ناراض ہو کر چلا گیا پھر کچھ عرصہ بعد بادشاہ نے اپنے وزراء سے پوچھا کیا کوئی ایسا شخص ہے کہ جس کی ماں میری ماں کی خدمت کو عار سمجھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ صرف عمرو بن کلثوم کی ماں لیلیٰ ہی ایسی نظر آتی ہے کیونکہ اس کا باپ مہلہل بن ربیعہ ہے اور چچا کلیب بن وائل ہے اور شوہر عرب کا شہسوار کلثوم بن عتاب ہے اور اس کا بیٹا عمرو بن کلثوم اپنی قوم کا سردار ہے، اس پر عمرو بن ہند نے عمرو بن کلثوم کو پیغام بھیجا کہ وہ بمع اپنی والدہ مجھ سے ملنے کے لیے آئے چنانچہ عمرو بن کلثوم تغلب کی ایک جماعت کے ہمراہ اپنی والدہ کو لے کر جزیرہ فرات سے عمرو بن ہند کے پاس پہنچا، بادشاہ نے فرات اور حیرہ کے درمیان شامیانے لگوائے اپنی مملکت کے امراء و وزراء کو بھی پیغام بھیج کر بلا لیا، ادھر عمرو بن ہند نے اپنی ماں کو کہا کہ تم لیلیٰ بنت مہلہل سے کوئی کام کروانا، جب لیلیٰ شامیانہ میں جا کر اطمینان سے بیٹھ گئی تو بادشاہ کی والدہ نے لیلیٰ سے کہا "مجھے ذرا وہ سینی لا کر دینا" اس نے بڑے اطمینان سے جواب دیا کہ جس کو ضرورت ہو وہ خود اپنی ضرورت پوری کرے، جب بادشاہ کی ماں نے بہت اصرار کیا تو لیلیٰ نے چیخ کر کہا "ہائے میری ذلت" یہ آواز اس کے بیٹے نے سنی تو غصہ میں بھر گیا اور وہیں عمرو بن ہند کو قتل کر ڈالا، پھر فوراً ہی اپنے جزیرے میں واپس چلا آیا اور اپنا معلقہ کہا جس کی ابتداء شراب اور عورتوں کے ذکر سے کی پھر عمرو بن ہند کے ساتھ اپنا گزرا ہوا، واقعہ بیان کیا، اپنی اور اپنی قوم کی بڑائی کا ذکر کیا، یہ قصیدہ اتنا مقبول ہوا کہ مجلسوں میں اسی کو پڑھا جانے لگا اور یہ زبان زد عوام و خواص ہو گیا خاص طور سے بنو تغلب نے اس کے پھیلانے اور گانے میں حد کر دی حتیٰ کہ ایک شاعر نے ان کے بارے میں کہا:

ألهى بني تغلب عن كل مكرمة قصيدةٌ قالها عمرو بن كلثوم

بنو تغلب کو عمرو بن کلثوم کے قصیدہ نے ہر قسم کے کارناموں سے مستغنی کر دیا۔

يفاخرون بها مذكان أولهم يا للرجال لشعر غير مسئوم!

اس قصیدہ کے ذریعہ وہ اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرتے ہیں اے لوگو! یہ وہ شاعری ہے جس سے جی نہیں بھرتا۔
چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں اس کا انتقال ہوا۔

شاعری:

عمرو بن کلثوم فی البدیہہ شعر کہنے والا تھا، اس کا طرز بیان اور مضمون نہایت عمدہ ہے، لیکن کم گو شاعر ہے، شاعری کی مختلف قسموں میں اس نے طبع آزمائی نہیں کی، نہ اپنی فطری قابلیت کو آزاد چھوڑا اور نہ ہی اپنی خداداد صلاحیتوں کے سامنے سرخم کیا اس کی کل شاعری ایک تو اس کا معلقہ ہے کچھ دوسرے قطعات ہیں جو اسی مضمون سے وابستہ ہیں۔

شاعری کا نمونہ:

اپنے معلقہ میں کہتا ہے:

أبا هند فلا تعجل علينا وأنظرنا نخبرك اليقينا

اے ابو ہند! ہمارے خلاف فیصلہ کرنے میں جلدی مت کر اور ہمیں مہلت دے کہ ہم تجھے حقیقت حال سے مطلع کردیں۔

بأنا نورد الراياتِ بيضا ونصدرهن حمراً قد روينا

ہم جنگ کے میدان میں سفید جھنڈے لے کر آتے ہیں اور جب واپس جاتے ہیں تو وہ خون سے سیراب ہونے کی وجہ سے سرخ ہو چکے ہوتے ہیں۔

ورثنا المجد عن عليا معد فطاعن دونه حتى يبينا

بزرگی اور شرافت ہمیں قبیلہ معد کے بزرگوں سے وراثت میں ملی ہے جس کی حفاظت میں ہم پوری قوت سے لڑیں گے تاکہ وہ سب پر واضح ہو جائے۔

كأن سيوفنا منا ومنهم مخاريقٌ بأيدي لاعبينا

ہماری اور ان کی تلواریں میدان جنگ میں اس طرح چلتی ہیں جیسے کھیلنے والوں کے ہاتھوں میں لکڑی کی تلواریں چلتی ہیں۔

ألا لا يجهلن أحد علينا فنجهل فوق جهل الجاهلينا

خبردار کوئی ہم سے حماقت نہ کرے کہ ہم اس سے بڑھ چڑھ کر نادانی کریں گے۔

بأي مشيئة عمرو بن هند تطيع بنا الوشاة و تزدرينا؟

عمرو بن ہند نے کس وجہ سے ہمارے چغل خوروں کی بات مان کر ہمیں حقیر سمجھا؟

فإن قناتنا يا عمرو أعيت على الأعداء قبلك أن تلينا

اے عمرو! ہماری شرافت نے تجھ سے پہلے دوسرے دشمنوں کو بھی تھکا کر عاجز کر دیا مگر اس میں کوئی خلل نہ آیا۔

وقد علم القبائل من معد إذا قببٌ بأبطحها بنينا
معد کے قبیلے جانتے ہیں کہ جب صحراؤوں میں خیمے لگائے جاتے ہیں۔

بأنا المطعمون إذا قدرنا وأنا المهلكون إذا ابتُلينا
تو ہم ہی کھانا کھلاتے ہیں جب غلبہ پالیں اور ہم ہی میدان جنگ میں دشمنوں کو تہس نہس کرتے ہیں۔

وأنا المانعون لما أردنا وأنا النازلون بحيث شئنا
اور جس چیز کو ہم چاہتے ہیں دوسروں پر اسے بند کر دیتے ہیں اور جس جگہ ہم چاہتے ہیں پڑاؤ ڈالتے ہیں۔

وأنا التاركون إذا سخطنا وأنا الآخذون إذا رضينا
جس سے ہم ناراض ہوتے ہیں اسے چھوڑ دیتے ہیں اور جس سے خوش ہوتے ہیں اس کو مضبوطی سے تھام لیتے ہیں۔

ونشرب إن وردنا الماء صفواً ويشرب غيرنا كدراً وطينا
ہم جب کسی گھاٹ پر اترتے ہیں تو صاف پانی پیتے ہیں اور ہمارے علاوہ باقی لوگ گدلا اور مٹی ملا ہوا پانی پیتے ہیں۔

إذا ما الملك سام الناس خسفاً أبينا أن نقر الخسف فينا
جب کوئی بادشاہ لوگوں پر ظلم وستم ڈھاتا ہے تو ہم اس کے ظلم برداشت کرنے کا سختی سے انکار کر دیتے ہیں۔

لنا الدنيا ومن أمسى عليها ونبطش حين نبطش قادرينا
دنیا اور اس کے تمام باسی ہمارے لیے ہیں اور ہم جب کسی کی گرفت کرتے ہیں تو پوری قوت سے کرتے ہیں۔

ملأنا البر حتى ضاق عنا وماء البحر نملأه سفينا
خشکی کو ہم نے بھر دیا حتی کہ اس میں جگہ تنگ پڑ گئی اور سمندر کو بھی ہم نے کشتیوں سے بھر دیا۔

إذا بلغ الفطام لنا صبي تخر له الجبابر ساجدينا
ہمارا بچہ جب دودھ چھوڑنے کی عمر کو پہنچتا ہے تو بڑے بڑے سرکش اس کے سامنے سجدے میں گر پڑتے ہیں۔

حارث بن حلزہ (متوفی ۵۷۰ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ابو ظلیم حارث بن حلزہ یشکری، بکری کا بنو بکر میں وہی درجہ اور مقام تھا جو تغلب میں عمرو بن کلثوم کا تھا، اس کی شہرت اس قصیدہ کی وجہ سے ہوئی جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ اس نے بادشاہ عمرو بن ہند کے سامنے فی البدیہہ کہا تھا تاکہ بادشاہ کی ہمدردی حاصل کر لے اور اپنی قوم کی صفائی پیش کر سکے؛ اس قصیدہ کہنے کا سبب یہ ہوا کہ بکر اور تغلب دونوں قبیلوں نے عمرو بن ہند کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تھے کہ وہ ان سے ضمانتیں لے کر ظالم سے مظلوم کا حق دلوائے، اس موقع پر دونوں قبیلے ایک دوسرے پر الزام لگا رہے، تغلب نے بکر پر غداری کا الزام لگایا اور عمرو بن ہند کے سامنے ہی بات زبانی جھگڑے سے بڑھ کر لڑائی پر آ گئی، بادشاہ کی حمایت وہمدردی تغلب کے ساتھ تھی اس پر حارث بن حلزہ جو وہاں موجود تھا کھڑا ہوا اور یہ قصیدہ پڑھنا شروع کیا اس وقت وہ کمان پر ہاتھ رکھ

کر سہارا لیے ہوئے تھا کہا جاتا ہے کہ کمان کی وجہ سے اس کا ہاتھ کٹ گیا لیکن اسے شدت غضب کی وجہ سے پتہ ہی نہ چلا، اس قصیدہ میں اس نے بادشاہ کی بہت عمدہ تعریف کی جس کی وجہ سے بادشاہ کو اس نے اپنا اور اپنی قوم کا ہمنوا بنالیا اور اپنی قوم کے سردار نعمان بن ہرم کی جلد بازی سے جو کینہ بادشاہ کے دل میں آ گیا تھا اسے بھی ختم کر دیا، حارث نے بہت لمبی عمر پائی حتی کہ اصمعی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ اس قصیدہ کے کہنے کے وقت اس کی عمر ایک سو پینتیس سال تھی۔

شاعری:

ہمارے سامنے اس کے اشعار کی کل پونجی ایک تو اس کا معلقہ ہے اور کچھ قطعات ہیں جن سے نہ تو اس کی شہرت کی وجہ معلوم ہوتی ہے اور نہ ہی اس کا طبقہ متعین ہوتا ہے جیسے ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ اس کی مثال طرفہ اور عمرو بن کلثوم کی سی ہے لیکن اس کا طویل قصیدہ عمدہ تراکیب نادر مضامین اور خصوصاً ایک ہی جگہ کھڑے ہو کر سارا قصیدہ پڑھنے کی وجہ سے بہت مقبول ہوا، ابو عمرو شیبانی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر یہ سارا قصیدہ ایک سال میں بھی پڑھتا تب بھی مستحق تعریف تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کو برص کی بیماری تھی اس لیے قصیدہ پردہ کے پیچھے سے پڑھنا شروع کیا لیکن جب بادشاہ کو یہ قصیدہ اچھا لگا تو اس کی حوصلہ افزائی کے لیے حکم دیا کہ پردہ ہٹا دیا جائے۔ شروع قصیدہ میں عورتوں کا ذکر ہے پھر اپنی اونٹنی کی تعریف کی ہے پھر تغلبیوں کو ان لڑائیوں کا طعنہ دیا ہے جن میں بنو بکر ان پر غالب رہے اور عرب کے بھی چند اہم واقعات ذکر کیے ہیں، آخر میں بادشاہ عمرو بن ہند کی تعریف کی ہے اور بادشاہ کے سامنے اپنی قوم کی بڑائی اور بلند کارناموں کا ذکر کیا ہے۔

شاعری کا نمونہ:

إن إخواننا الأراقم يغلو ن علينا في قيلهم إحفاءُ

ہمارے تغلبی بھائی ہم پر زیادتیاں کرتے ہیں اور اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں۔

يخلطون البريءَ منا بذي الذنـ ب ولا ينفع الخلي الخلاء

ہمارے بے گناہ لوگوں کو وہ مجرموں کے ساتھ کھڑا کرتے ہیں اور بے گناہ کا بےقصور ہونا اسے کچھ فائدہ نہیں دیتا۔

أيها الناطق المرقش عنا عند عمرو وهل لذاك بقاء؟

اے عمرو بن ہند کے سامنے ہماری باتوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے والے! کیا یہ حرکتیں زیادہ دیر تک رہ سکتی ہیں۔

لا تخلنا على غراتك إنا قبل ما قد وشى بنا الأعداء

یہ نہ سمجھنا کہ ہم تمہاری باتوں سے ڈر گئے ہیں تم سے پہلے بھی بہت سے دشمنوں نے ہماری چغلی کھائی ہے۔

فبقينا على الشناءةِ تنميـ نَا حصونٌ وعزةٌ قعساء

ان کی دشمنی ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکی بلکہ سربلند مضبوط قلعے ہماری عزت وشوکت کو بڑھاتے رہے۔

مَلِكٌ مقسطٌ وأفضل من يمـ شي ومن دون ما لديه الثناء

وہ عادل بادشاہ ہے اور سارے زمین والوں سے افضل ہے اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔

أيما خُطةٍ أردتم فأدو ها إلينا تسعى بها الأملاء

جیسا بھی مشکل مسئلہ ہو اسے ہمارے پاس لاؤ شرفاء کی جماعت اس کو سلجھانے کی کوشش کرے گی۔

فاتركوا الطيخ والتعاشي وإما تتعاشوا ففي التعاشي الداء

غرور اور تغافل کو چھوڑ دو اگر تم تغافل کرو گے تو اس کا انجام برا ہوگا۔

واذكروا حلف ذي المجاز وما قد م فيه العهود والكفلاء

اور ذوالمجاز کا معاہدہ یاد کرو اور وہاں کیے گئے عہد و پیمان یاد کرو۔

واعلموا أننا وإياكم فيـ ما اشترطنا يوم اختلفنا سواء

اور جان لو کہ لڑائی کے دن فریقین اپنی شرطوں کو توڑنے میں برابر کے شریک تھے۔

أعلينا جناح كندة أن يغـ نم غازهمُ ومنا الجزاء؟

کیا گناہ تو کندہ قبیلہ کرے کہ ان کا حملہ آور مال غنیمت لوٹ لے جائے اور بدلہ ہم سے لیا جائے؟

اسی معلقہ میں کوچ کا منظر اس طرح پیش کرتا ہے:

أجمعوا أمرهم عشاء فلما أصبحوا أصبحت لهم ضوضاء

انہوں نے سر شام ہی اپنے سفر کا پختہ عزم کر لیا اور تیاریاں کر لیں جب صبح ہوئی تو ایک شور بپا تھا۔

من مناد ومن مجيب ومن تصـ هال خيلٍ خلال ذاك رُغاء

کوئی کسی کو پکار رہا تھا اور کوئی جواب دے رہا تھا، گھوڑے ہنہنا رہے تھے اور ان کے بیچ ہی اونٹوں کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔

اسی معلقہ میں کہتا ہے:

لا يقيم العزيز بالبلد السهـ لِ ولا ينفع الذليل النجاء

معزز آدمی نشیبی علاقے میں نہیں رہتا اور ذلیل کو بھاگ کر بچ نکلنا کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔

ليس ينجي موائلاً من حذارٍ رأس طودٍ وحرة رجلاء

خوف سے بچنے والے کو نہ تو پہاڑ کی چوٹی میں پناہ مل سکتی ہے اور نہ دشوار گزار سیاہ کنکریوں والے میدان میں۔

لبید بن ربیعہ (وفات ۶۶۱ء)

پیدائش اور حالات زندگی:

ان کا پورا نام ابو عقیل لبید بن ربیعہ العامری ہے اس نے سخاوت اور بہادری کے ماحول میں پرورش پائی تھی، اس کا باپ ربیعہ پریشان حالوں کا ملجاو ماویٰ تھا اس کے چچا کا لقب ملاعب الاسنہ (نیزوں سے کھیلنے والا) تھا یہ قبیلہ مضر کا مشہور شہسوار تھا، اس کے شعر کہنے کا سبب یہ ہوا کہ ربیع بن زیاد جو عبس کا سردار تھا (یعنی اس کے ننھیالی خاندان کا) نعمان بن منذر کے پاس گیا اور وہاں بنو عامر کا

برے الفاظ میں تذکرہ کیا (شاعر بنو عامر میں سے ہے) اس کے بعد جب بنو عامر کا وفد شاعر کے چچا ملاعب الاسنہ کی ماتحتی میں بادشاہ کے دربار میں پہنچا تو بادشاہ نے ان کا پہلے جیسا اکرام نہ کیا بلکہ ان سے بے رخی برتی بنو عامر کو بادشاہ کے اس رویہ سے بہت صدمہ ہوا لبید اس وقت کم عمر تھا اس نے وفد کے اراکین سے کہا کہ اسے بھی اپنے معاملے میں شریک کرلیں، انہوں نے چھوٹا ہونے کی وجہ سے انکار کر دیا لیکن جب اس نے بہت اصرار کیا تو انہوں نے اس کی بات مان لی، اس نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ ربیع کی ہجو کر کے بدلہ لے گا اور ایسی ہجو کرے گا کہ وہ بادشاہ سے مل بھی نہ سکے گا، انہوں نے کہا پہلے ہم تمہارا امتحان لیتے ہیں، اس نے کہا کیسا امتحان؟ انہوں نے کہا یہ جو سامنے بوٹی ہے اس کی ہجو کرو وہ بوٹی پتلی، زمین پر بچھی ہوئی تربہ نامی بوٹی تھی، اس نے کہا "یہ تربہ بوٹی نہ تو آگ لگانے کے کام آتی ہے اور نہ ہی گھر کی زینت بن سکتی ہے نہ کسی پڑوسی کی خوشی کا سامان بنتی ہے، اس کی لکڑی کمزور ہے، فوائد اس کے بہت کم ہیں، شاخیں چھوٹی چھوٹی ہیں، چارے کے اعتبار سے بدتر ہے مشکل سے اکھیڑی جاتی ہے" اس پر انہوں نے لبید کو ہجو کرنے کی اجازت دے دی چنانچہ اس نے تیز چبھتی ہوئی ہجو کہی جس کا اوّل مصرعہ ہے:

مهلاً اَبيتَ اللعن لا تأكل معه.

"اے بادشاہ! اللہ آپ کا نصیبہ بلند کرے ذرا ٹھہریے اس کے ساتھ کھانا نہ کھایئے"۔

اس ہجو کو سن کر بادشاہ ربیعہ بن زیاد سے ناراض ہو گیا اور اس کو دربار سے نکال دیا بنو عامر کا اکرام کیا اور ان کو اپنا مقرب بنا لیا، کہتے ہیں کہ یہ پہلی رجز تھی اور یہی اس کی شہرت کا سبب بنی اس کے بعد بھی لبید چھوٹے بڑے شعر کہتا رہا یہاں تک کہ اسلام کی دعوت ظاہر ہوئی اور لبید اپنی قوم کے ایک وفد کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا، اسلام قبول کرنے کے بعد قرآن پاک حفظ کیا اور شعر گوئی چھوڑ دی حتی کہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اسلام کے بعد صرف ایک شعر کہا وہ یہ ہے:

الحمدلله اذ لم ياتنى أجلى　　حتى لبستُ من الاسلام سربالا

"تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں کہ اس نے مجھے موت سے پہلے اسلام کی دولت سے نواز دیا"۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد لمبی عمر پانے کے باوجود ان کا شمار جاہلی شعراء میں ہوتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب کوفہ شہر بسایا گیا تو لبید وہاں چلا گیا اور وہیں سکونت اختیار کر لی اور یہیں پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت سن ۴۱ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا، مشہور قول کے مطابق ان کی عمر ایک سو پینتالیس سال ہوئی انہوں نے خود اس کے بارے میں ایک شعر کہا ہے:

ولقد سمت من الحياة وطولها　　وسوالِ هذا الناس كيف لبيد

"میں تو زندگی اور اس کے لمبا ہونے سے اکتا گیا ہوں اور لوگوں کے اس سوال سے کہ لبید کا کیا حال ہے"۔

شاعری:

لبید بہت سخی، نہایت عقلمند، شریف النفس، خوددار اور بہادر تھا، اس کے اخلاق وجذبات اس کی شاعری میں واضح نظر آتے ہیں اس کی شاعری، فخریہ اور شریفانہ ہے اس کی نظم کی عبارت میں مضبوط الفاظ بڑے سلیقے کے ساتھ ہیں جس میں کوئی زوائد نہیں، حکمت

عالیہ، موعظت حسنہ اور جامع کلمات سے مزین ہے، ہماری رائے میں جاہلی شعراء میں مرثیہ نگاری، صابر ومحزون کے جذبات کی عکاسی میں سب سے ماہر لبید ہے، جو ایسے مناسب الفاظ اور پر اثر اسلوب اختیار کرتا ہے کہ اپنی نظیر آپ ہے۔

اس کے معلقہ میں مضبوط الفاظ، عمدہ اسلوب کے ذریعہ دیہاتی زندگی اور ان کے اخلاق کی تصویر کشی کا عمدہ کردار ادا کیا گیا ہے نیز اس میں عاشقوں کی شوخیوں باہمت لوگوں کے بلند مقاصد وعزائم کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

اس نے اپنے معلقہ کی ابتداء محبوبہ کی یاد اور اس کے کھنڈرات کے وصف سے کی ہے، پھر طرفہ کی طرح اپنی اونٹنی کا طویل وصف کیا ہے، پھر اپنی زندگی، پسندیدگی، بہادری اور سخاوت کا ذکر کیا ہے آخر میں اپنے قوم کے مفاخر بیان کر کے معلقہ مکمل کر دیا اور اس سب کچھ میں راست بازی، اخلاص اور اعتدال کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا۔

شاعری کا نمونہ:

إنا إذا التقت المجامع لم يزل ... منا لِزازٌ عظيمة جشامُها

جب مختلف جماعتیں باہم ملتی ہیں تو اہم معاملات کا ذمہ دار اور بڑے کام کرنے والا ہمیشہ ہمیں میں سے ہوتا ہے۔

ومُقسمٌ يعطي العشيرة حقها ... ومُغَذْمرٌ لحقوقها هضامها

وہ عادل سردار جو قبیلہ کو اس کا حق دے اور وہ ظالم، تند خو، مطلق العنان سردار جو قبیلہ کے حقوق غصب کرتا ہے ہمیں میں سے ہوتا ہے۔

من معشر سنت لهم آباؤهم ... ولكل قوم سُنَّةٌ وإمامها

ہمارے لیے ہمارے بزرگوں نے ایک لائحہ عمل اور طریق کار بنا دیا ہے اور ہر قوم کا ایک دستور اور طریق کار ہوتا ہے۔

لا يطبعون ولا يبور فعالهم ... إذ لا تميل مع الهوى أحلامها

ہم لوگ عیوب سے بری ہیں اور ہمارے کارنامے ہمیشہ رہیں گے کیونکہ ہماری عقلیں خواہشات کے تابع نہیں ہیں۔

فاقنع بما قسم المليك فإنما ... قسم الخلائق بيننا علامها

اللہ کی تقسیم پر قانع رہو کیونکہ ہمارے اندر اخلاق وعادات کی یہ تقسیم بڑے دانا اور بینا نے کی ہے۔

وإذا الأمانةُ قسمت في معشر ... أوفى بأوفر حظنا قسامها

اور جب لوگوں میں امانت تقسیم کی گئی تو قسام ازل نے ہمیں ہمارا بھرپور حصہ دیا۔

فبنى لنا بيتاً رفيعا سمكه ... فسما إليه كهلها وغلامها

چنانچہ اس نے ہمارے لیے بلند چھت والا (فخر اور سروری کا) مکان بنا دیا ہمارا نوعمر اور ادھیڑ عمر اس بلندی سے سرفراز ہوا۔

وهم السعاة إذا العشيرة أفظعَتْ ... وهم فوارسها وهم حكامها

جب قبیلہ کو کوئی خوف وخطر محسوس ہوتا ہے تو وہ اس کے درد کے داماں ہوتے ہیں اور اس کے جانباز شہسوار اور فرماں روا ہوتے ہیں۔

وهم ربيع للمحاور فيهمُ ... والمرملاتِ إذا تطاول عامها

قحط کے لمبے زمانے میں پناہ گزین، رانڈوں، بیواؤں کے لیے ان کا وجود فصل بہار کی طرح ہوتا ہے۔
اپنے بھائی اربد کے مرثیہ میں کہتا ہے:

بلينا وما تبلى النجوم الطوالع وتبقى الديارُ بعدنا والمصانعُ

ہم بوسیدہ ہو گئے لیکن چمکنے والے ستارے جوں کے توں رہیں گے ہم نہیں ہوں گے لیکن ہمارے بعد آبادیاں اور کارخانے باقی رہیں گے۔

وقد كنت في أكنافِ جار مضنة ففارقني جار بأربدَ نافع

میں ایک جان سے زیادہ عزیز پڑوسی کی مہربانی میں تھا اور اربد کی جدائی کی وجہ سے وہ پڑوسی مجھ سے جدا ہو گیا۔

فلا جزع إن فرق الدهر بيننا فكل امرىء يوماً به الدهر فاجع

اگر ہمارے درمیان زمانے نے جدائی ڈال دی تو کوئی گھبراہٹ کی بات نہیں کیونکہ زمانہ تو ہر ایک کو ختم کر کے دکھ پہنچائے گا۔

وما الناس إلا كالديار وأهلها بها يوم حلّوها وراحوا بلاقع

لوگوں کی مثال بستی اور بستی والوں کی سی ہے کہ جب وہ گھروں میں رہتے ہیں تو آبادی ہو جاتی ہے اور جب وہ خالی کر کے وہاں سے جاتے ہیں تو کھنڈر بن جاتے ہیں۔

وما المرء إلا كالشهاب وضوئه يحور رماداً بعد إذ هو ساطع

آدمی کی مثال تو شرارے اور اس کی روشنی کی سی ہے جو ابھر کر چمکنے کے بعد راکھ بن جاتی ہے۔

وما المال والأهلون إلا ودائع و لا بد يوما أن ترد الودائع

اہل وعیال اور مال تو صرف امانتیں ہیں اور امانتوں کو ایک نہ ایک دن لوٹانا ہی پڑتا ہے۔

وما الناس إلا عاملان فعامل يُتَبِّرُ ما يبني وآخر رافع

دنیا میں بسنے والے انسان ان دو معماروں کی طرح ہیں کہ جن میں سے ایک عمارت کو ڈھانے والا ہے اور دوسرا بنانے والا۔

فمنهم سعيد آخر بنصيبه ومنهم شقي بالمعيشة قانع

ان میں سے خوش نصیب ہیں جو اپنا حصہ پورا پورا لے لیتے ہیں اور بدنصیب ہیں جو معمولی گزران پر قانع ہیں۔

لعمرك ماتدري الضوارب بالحصى ولا زاجرات الطير ما الله صانع

تیری عمر کی قسم! کنکری مار کر یا پرندوں کو اڑا کر شگون لینے والیاں یہ نہیں جانتیں کہ اللہ تعالیٰ کیا کرنے والے ہیں۔

حاتم طائی (وفات ۵۷۸ء)

پیدائش اور حالات زندگی:

حاتم بن عبداللہ بن سعد بن حشرج طائی کا والد اس کے بچپن میں ہی انتقال کر گیا تھا، اس کی تربیت اس کی ماں نے کی تھی جو بہت مالدار ہونے کے علاوہ سخی بھی بہت تھیں، اپنے پاس کچھ مال نہ رکھتی تھی، اس کے بھائیوں نے ایک مرتبہ اس کا تمام مال روک کر

اسے سال بھر تک قید میں رکھا تا کہ فاقہ اور تنگی کا مزہ چکھا کر اسے مال کی قدر و قیمت بتلا دیں، پھر جب انہوں نے اسے قید سے نکالا اور مال میں سے اس کا حصہ دیا تو قبیلہ ہوازان کی ایک عورت مدد لینے آئی اس نے وہ تمام مال اسے دے دیا اور کہا کہ بھوک کی جو تکلیف مجھے ہوئی اس کی وجہ سے میں نے قسم کھالی کہ سائل سے کچھ بچا کر نہ رکھوں گی۔

اس فیاض ماں نے اس کی تربیت کی اور یہی خصلت اسے وراثت میں دی، جوان ہو کر وہ بڑا سخی ہو گیا، حتی کہ سخاوت ہی اس کی خوشی بن گئی اور حد سے متجاوز ہو کر جنون کی شکل اختیار کر گئی، بچپن میں جب وہ اپنے دادا کے ساتھ رہتا تھا تو اپنا کھانا باہر لے کر چلا جاتا اگر کوئی ساتھ کھانے والا مل جاتا تو ٹھیک ورنہ وہ کھانا پھینک آتا۔

یہ فضول خرچی اس کے دادا کو بری لگی، چنانچہ دادا نے اونٹوں کی نگرانی اس کے سپرد کر دی؛ ایک دن عبید بن الابرص، بشر بن حازم، نابغہ ذبیانی، نعمان بن منذر کے پاس جاتے ہوئے اس کے پاس سے گزرے اور اس سے مہمانی کے لیے کہا، حاتم اگرچہ ان کو جانتا نہ تھا پھر بھی ہر ایک کے لیے ایک ایک اونٹ ذبح کر دیا پھر جب انہوں نے اپنے نام بتائے اور تعارف کروایا تو اس نے سارے اونٹ جو تین سو کے لگ بھگ تھے ان میں بانٹ دیئے اور خوشی خوشی اپنے دادا کے پاس آیا اور کہا کہ ''ہمیشہ کی عزت اور سروری کا بار میں نے تیرے گلے میں ڈال دیا'' اور وہ تمام قصہ سنا دیا، دادا نے یہ سن کر کہا کہ بس اب ہمارا تمہارا نباہ نہیں ہو سکتا حاتم نے کہا مجھے کوئی پرواہ نہیں اور یہ شعر پڑھے:

وإني لعفٌّ الفقر مشترك الغنى   وتارك شكل لا يوفقه شكلي

میں تنگدستی میں کنارہ کش اور تونگری میں مل جل کر رہنے والا ہوں اور جو شکل میرے موافق نہ ہو اس کو چھوڑ دیتا ہوں۔

وأجعل ما لي دون عرضي جُنَّةً   لنفسي وأستغني بما كان من فضلي

میں اپنے مال کو اپنی آبرو کے لیے ڈھال بناتا ہوں اور جو کچھ بچ جائے اس سے بھی بے نیاز ہوتا ہوں۔

وما ضرني أن سار سعدٌ بأهله   وأفردني في الدار ليس معي أهلي

اگر سعد (اس کا دادا) اپنا گھر بار لے کر چلا گیا اور مجھے گھر میں تن تنہا چھوڑ دیا اس کا مجھے کچھ دکھ نہیں۔

چنانچہ چند ہی دنوں میں حاتم کی سخاوت کا چرچا ہونے لگا اور اس کی سخاوت کی داستانیں ضرب المثل ہو گئیں، اس سلسلہ میں اس کے عجیب و غریب قصے بیان کیے جاتے ہیں جن میں سے اکثر من گھڑت ہیں بالکل ایسے جیسے راویوں نے بنو امیہ کی دینداری، عنترہ کے فخر، ابو عتاہیہ کے زہد و ورع میں ابو نواس کی بے باکی اور مزاح میں اشعار اور قصے گھڑ لیے، یہ لوگ پہلے کسی بناء پر کچھ شعر موزوں کر لیتے ہیں پھر وہ مضامین جس کی شاعری سے مناسبت رکھتے ہوں اس شاعر کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

اور بقول ابن اعرابی، حاتم بڑا کامیاب و نصیبہ ور شخص تھا جب بھی جنگ کرتا کامیاب ہوتا جب کسی مقابلہ میں شرکت کرتا تو بازی اسی کی ہوتی تھی اور جب جوا کھیلتا تو جیت اسی کے قدم چومتی، جب رجب کا مہینہ آتا اور قبیلہ مضر جاہلیت کے خیال کے مطابق اس کی تعظیم کرتے تو یہ ہر روز دس اونٹ ذبح کر کے لوگوں کو کھلاتا تھا اور لوگ بھی اس کے پاس آ کر جمع ہو جاتے تھے۔

حاتم نے پہلے نوار سے شادی کی پھر شاہان یمن میں سے ایک کی بیٹی ماویہ بنت عفزر سے شادی کی ان دونوں سے تین بچے

ہوئے عبداللہ، عدی، سفانہ، آخری دونوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور مشرف باسلام ہوئے۔ حاتم نے پوری زندگی لوگوں کو کھانا کھلانے مال لٹانے میں خرچ کی یہاں تک کہ سن ۶۰۵ء میں دار فانی سے کوچ کر گیا۔

حاتم طائی کے اخلاق:

حاتم طائی نہایت بلند اخلاق کا مالک تھا زمانہ جاہلیت میں ایسے اخلاق والے خال خال ہی تھے، خاموش طبع، نرم دل، بہت بامروت آدمی تھا، اس نے اپنی ماں کے اکلوتے بیٹے کو کبھی نہیں مارا تھا اور نہ ہی اپنے چچازاد بھائیوں پر ظلم کیا تھا:

فإني وحدي رُب واحد امه　　　أجرتُ فلا قتلٌ عليه ولا أسر

میری عمر کی قسم! بہت سے اپنی ماں کے اکلوتے بیٹے جنہیں میں نے پناہ دی اور نہ تو میں نے ان کو قتل کیا نہ ہی قیدی بنایا۔

ولا أظلم ابن العم إن كان إخوتي　　　شهوداً وقد أودى بإخوته الدهر

اور میں کبھی اپنے چچازاد بھائیوں پر ظلم نہیں کرتا کہ میرے بھائی تو زندہ رہے اور زمانہ ان کو فنا کر دے۔

حاتم کی بیٹی سفانہ جب قید ہو کر آپ ﷺ کے پاس آئی تو آپ کے سامنے کھڑے ہو کر ان الفاظ میں اپنے باپ کا وصف بیان کیا تا کہ آپ اس وجہ سے اسے رہا کر دیں۔

اس نے کہا ''میرا باپ قیدیوں کو آزاد کراتا تھا اپنے اور متعلقین کے حقوق کی حفاظت کرتا تھا، مہمان نواز تھا اور مصیبت زدہ کی مصیبت دور کرتا تھا، کھانا کھلاتا تھا اور سلام کو عام کرتا تھا، کسی ضرورت مند کو کبھی خالی ہاتھ واپس نہ کیا تھا'' حضور ﷺ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: اے لڑکی! یہ تو مؤمن کی صفات ہیں اگر تیرا باپ مسلمان ہوتا تو ہم اس کے لیے دعاء رحمت کرتے، پھر فرمایا اس کو آزاد کر دو کیونکہ اس کا باپ اچھے اخلاق کو پسند کرتا تھا۔

شاعری:

یہ بات یقینی ہے کہ زبان دل کی ترجمان ہے اور شاعری جذبات کا آئینہ ہے یہی وجہ ہے کہ ہم نے اوپر حاتم کے جو اوصاف بیان کیے ہیں وہ آپ کو اس کو شاعری میں اثر انداز اور چلتے پھرتے نظر آئیں گے، اس کی شاعری نرم الفاظ، نہایت پختہ اسلوب پر مشتمل ہے، اس کا موضوع پاکیزہ اور بلند ہے جس کی مثال بدوی شعراء میں ہمیں نہیں ملتی اسی وجہ سے ابن الاعرابی نے کہا ''اس کی سخاوت اس کی شاعری کی طرح ہے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی شاعری بحر ذخار ہے اس میں سخاوت کی ضرب الامثال، کہاوتیں اور اس پر ملامت کرنے والیوں کے موضوعات کا بحر ذخار ہے اس میں شہرت اور اس کی کوشش کا بڑے خوبصورت انداز میں بیان ہے۔ اس کی شاعری میں جو تفاوت نظر آتا ہے وہ اس لیے ہے کہ اس کی طرف بہت سے موضوع اشعار منسوب کر دیئے گئے ہیں اس کا شمار شعراء کے دوسرے طبقہ میں ہوتا ہے۔ اس کے شعر ایک دیوان کی صورت میں بلیدن، اور بیروت سے چھپ چکا ہے۔

شاعری کا نمونہ:

اپنے ایک قصیدہ میں کہتا ہے:

أماوي إن المال غادٍ ورائح　　　و يبقى من المال الأحاديث والذكر

اے ماویہ! دولت تو آنے جانے والی چیز ہے لیکن اس کے خرچ سے ہونے والی شہرت اور ناموری ہمیشہ رہنے والی ہے۔

أماوي إما مانعٌ فمبينٌ وإما عطاء لا ينهنهه الزجر

اے ماویہ! یا تو بالکل کھلم کھلا بخل اپنانا چاہیے یا ایسی بخشش ہو کہ کسی کے روکنے سے بھی نہ رکے۔

أماوي ما يغني الثراء عن الفتى إذا حشرجت يوما وضاق بها الصدر

اے ماویہ! یہ مال ودولت اس وقت کچھ کام نہ آئے گا جب جان گلے میں اٹک گئی ہو اور سینہ تنگ ہو گیا ہو۔

أماوی إن يصبح صداي بقفرة من الأرض لا ماءٌ لدي ولا خمر

اے ماویہ! جب میں جسد بے جان ہو کر ایسے ویرانے میں پڑا ہوں گا جہاں نہ پانی ہو نہ شراب۔

ترى أن ما انفقت لم يك ضرني وان يدي مما بخلت به صفر

تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ جو مال میں نے خرچ کیا ہے اس سے مجھے نقصان نہیں پہنچا اور جس پر میں نے بخیلی کی وہ بھی میرے ہاتھ میں نہ ہوگا۔

أماوي إن المال إما بذلته فأوله شكر وآخره ذكر

اے ماویہ! جو مال میں نے خرچ کیا ہے اس کا پہلا فائدہ تو لوگوں کی شکر گزاری ہے اور دوسرا فائدہ مرنے کے بعد نیک نامی۔

وقد يعلم الأقوام لو أن حاتما أراد ثراء المال كان له وفر

یہ تو لوگ جانتے ہی ہیں کہ اگر حاتم کو مال ودولت کے جمع کرنے کا شوق ہوتا تو وہ بہت مالدار ہوتا۔

اس کے یہ اشعار بھی ہیں:

تحلم عن الأدنين واستبق ودهم ولن تستطيع الحلم حتى تحلما

اپنے رشتہ داروں سے بردباری کے ساتھ پیش آؤ اور ان کی محبت کو باقی رکھو، تم اس وقت بردبار بن سکتے ہو جب بتکلف بردباری کرتے رہو۔

ونفسك أكرمها فإنك إن تهن عليك فلن تلقى لها الدهر مكرما

اپنی عزت خود کرو کیونکہ اگر تم اپنی نگاہ میں ذلیل ہو گئے تو کبھی کوئی تمہاری عزت نہیں کرے گا۔

أهن في الذي تهوى التلاد فإنه يصير إذا مامت نهبا مقسما

جس کے لیے تم مال ودولت جمع کرنے کی خواہش رکھتے ہو اس کو اتنا درجہ مت دو کیونکہ جب تو مر جائے گا تو یہ مال ورثاء میں تقسیم ہونے کے لیے مال غنیمت بن جائے گا۔

قليلا به ما يحمدنك وارث إذا ساق مما كنت تجمع مغنما

کم ہی کوئی وارث ہوگا جو تیرے جمع کیے ہوئے مال کو مال غنیمت سمجھ کر تقسیم کرنے کے بعد تیری تعریف کرے گا۔

متى ترق أضغان العشيرة بالأدنى وكف الأذى يحسم لك الداء محسما

جب تو نرمی کے ساتھ قبیلہ کی باہمی رنجشوں کا مداوا کرے گا تو دلوں کی تمام بیماریاں جڑ سے ختم ہو جائیں گی۔

وعوراءَ قد أعرضتُ عنها فلم تضر و ذي أودٍ قومته فتقوما

بہت سی بری باتوں سے میں نے اعراض کیا تو میرا کچھ بھی نہ بگڑا اور بہت سے کج خلقوں کو میں نے سیدھا کیا تو وہ سیدھے ہو گئے۔

وأغفر عوراءَ الكريم ادخاره واعرض عن شتم اللئيم تكرما

میں شریف آدمی کی غلطی کو معاف کرتا ہوں تاکہ اس کو اپنا ہمدرد بنالوں اور کمینہ آدمی کی گالی گلوچ کی پرواہ نہیں کرتا اپنی عزت بچانے کے لیے۔

ولن يكسب الصعلوك محدا ولا غنى إذا هو لم يركب من الأمر معظما

فقیر آدمی ہرگز مال و دولت اور ناموری و بزرگی حاصل نہیں کر سکتا جب تک وہ کسی بڑے کام میں نہ گھسے۔

لحا الله صعلوكاً مناه وهمه من العيش أن يلقي لبوساً ومطعما

خدا برا کرے اس فقیر کا جس کی غایت تمنا اور فکر یہ ہو کہ اسے کھانے کے لیے روٹی اور پہننے کے لیے کپڑا مل جائے۔

اس کا ایک خوبصورت مضمون پر مشتمل شعر یہ ہے:

إذا كان بعض المال ربا لأهله فإني بحمد الله مالي معبد

''اگر کسی کا مال اس کا رب بنا ہوا ہو تو بنا رہے میں نے تو الحمد للہ اپنے مال کو اپنا غلام بنا رکھا ہے''۔

امیہ بن ابی الصلت (وفات ۶۲۶ء)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ابو عثمان بن ابی الصلت ثقفی کی عمر کا ایک لمبا حصہ تجارت میں گزرا اسی سلسلہ میں کبھی شام کبھی یمن جاتا رہا، وہ فطرتاً دیندار تھا، اپنے چند سفروں میں پادریوں اور راہبوں سے ملا اور قدیم دینی کتب میں سے کچھ سنا جس سے صحیح دین کی تلاش میں لگ گیا، ٹاٹ پہننے لگا، شراب چھوڑ دی، بتوں کے بارے میں شک میں پڑ گیا، اور خود نبی بننے کی ہوس کرنے لگا۔ دین ابراہیمی کے متعلق اس نے کہا:

كل دين يوم القيامة عند الله الا دين الحنيفة زور

''اللہ کے ہاں کل قیامت کے دن دین حنیفی کے سوا سب ادیان باطل ہوں گے''۔

جب حضور ﷺ کی بعثت ہوئی تو وہ پشیمان ہو گیا اور حسد کی وجہ سے آپ پر ایمان نہ لایا اور کہنے لگا کہ میں تو اس امید پر تھا کہ نبوت مجھے ملے گی۔ اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

﴿ وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴾ [الاعراف:۱۷۵]

''آپ ان کو اس شخص کا واقعہ بتا دیجیے جس کو ہم نے اپنی نشانیاں دیں پھر وہ ان نشانیوں سے نکل گیا اور شیطان نے اس کو اپنے پیچھے لگا لیا سو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا''۔

اس کے بعد وہ لوگوں کو حضور ﷺ کے خلاف اکسانے لگا اور بدر میں مرنے والے کافروں کا مرثیہ کہا، اس پر حضور ﷺ نے اس کے اس طرح کے اشعار پڑھنا منع کر دیا جب حضور ﷺ اس کے توحید کے بارے میں کہے ہوئے اشعار سنتے تو فرماتے:

''اس کی زبان تو ایمان لے آئی پر دل کافر رہا''۔

پھر وہ اپنی بیٹی کو لے کر یمن کی آخری حدود میں بھاگ گیا وہاں سے پھر طائف لوٹ آیا اور یہیں موت نے اپنا جال اس پر ڈال دیا موت سے پہلے کچھ غشی ہوئی جب افاقہ ہوا تو کہنے لگا ''میں تم دونوں کی خدمت میں حاضر ہوں لو میں تمہارے سامنے ہوں، نہ تو مال مجھے چھڑا سکتا ہے اور نہ ہی کنبہ و خاندان بچا سکتا ہے اے اللہ اگر آپ مجھے بخشنا چاہیں تو تمام گناہ بخش دیجئے اور آپ کا کون سا بندہ ایسا ہے جو گنہگار نہ ہو پھر جو لوگ وہاں تھے ان کی طرف متوجہ ہو کر چند شعر کہے:

كل عيش وإن تطاول دهراً   منتهي أمره إلى أن يزولا

زندگی خواہ کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو جائے آخر ایک دن ختم ہو جائے گی۔

ليتني كنت قبل ما قد بدالي   في رؤس الجبال أرعى الوعولا

کاش میں اپنی اس حالت کے ظاہر ہونے سے پہلے پہاڑ کی چوٹیوں پر بارہ سنگھے چرایا کرتا۔

اجعل الموت نصب عينيك واحذر   غولة الدهر، إن للدهر غولا

تو موت کو اپنا مطمح نظر بنالے اور زمانہ کی اچانک افتاد سے بچ کر رہ کیونکہ زمانہ کی گرفت اکثر اچانک ہوتی ہے۔

اس شاعر کی اکثر زندگی کے حالات کا مدار راویوں کے من گھڑت اور نا قابل یقین قصوں پر ہے۔

اس کی شاعری:

امیہ کا طبعی رجحان دینی مضامین کی طرف تھا اور اسی میں وہ مشہور بھی تھا اس کی شاعری پر بھی یہی دینی رنگ چڑھا ہوا تھا چنانچہ اس نے اپنی شاعری میں اللہ تعالیٰ اور ان کے جلال کا وصف کیا، قیامت اور اس کے ہولناک مناظر کی تصویر کشی کی، جنت، جہنم، فرشتوں کا ذکر کیا، اور تورات میں موجود قصے مثلاً سدوم کی تباہی، اور حضرت ابراہیم و اسحاق علیہما السلام کا قصہ نظم میں بیان کیا، یہ ایسے انوکھے انداز اور جدید موضوعات شاعری میں پیدا کرتا تھا جس سے اکثر شعراء نابلد تھے اور زبان میں ایسے الفاظ و تراکیب استعمال کرتا تھا جن سے اہل عرب ناواقف تھے ان میں سے کچھ تو عبرانی سے لیے ہوئے تھے اور کچھ اپنے بنائے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ کو سلطیط اور تغرور اور آسمان کو صاقورہ اور حاقورہ کہا کرتا تھا ان کا خیال تھا کہ چاند گہن کے وقت ایک غلاف میں چلا جاتا ہے جس کا نام ساہور ہے انہی وجوہ کی بنا پر علماء لغت اس کی شاعری کو سند نہیں سمجھتے۔

امیہ بن ابی الصلت کا طرز شاعری اپنے ہم عصر سب شعراء سے جدا ہے اسی لیے علماء جب کوئی اس طرز کا شعر پاتے ہیں اور اس کا قائل معلوم نہ ہو تو اسی کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ ناقلین شعر اسے پہلے طبقہ کے شعراء میں شمار کرتے ہیں لیکن ہمارے سامنے جو اس کے اشعار ہیں وہ اس رائے کی تائید میں نہیں کیونکہ اس کے اکثر الفاظ کمزور، بے ربط اور قافیے کے قاعدہ سے ہٹے ہوئے ہیں ہاں یہ بات قابل تسلیم ہے کہ زمانہ نے اس کی عمدہ شاعری کو ختم کر دیا ہو جیسا کہ حجاج نے ممبر پر ایک مرتبہ کہا تھا:

''جو لوگ امیہ کے شعر پہچانتے تھے وہ چلے گئے اور کلام اسی طرح ضائع ہوتا ہے''۔

شاعری کا نمونہ:

اپنے نافرمان بیٹے کو عتاب کرتے ہوئے کہتا ہے:

غذوتك مولوداً ومنتك يافعاً تعل بما أجني عليك وتنهل

تجھ کو میں نے بچپن سے پالا پوسا اور جب تو نوجوان ہوا تو تیری ضرورتوں کو پورا کیا، اور میری کمائی سے تو جی بھر کے سیر ہوتا رہا۔

إذا ليلة نابتك بالشجو لم أبت لشكواك إلا ساهراً أتململ

جب رات کو تجھے کوئی تکلیف ہوتی تھی تو میں پوری رات تیری تکلیف کی وجہ سے جاگتے اور پہلو بدلتے ہوئے گزار دیتا تھا۔

كأني أنا المطروق دونك بالذي طرقت به دوني، فعيني تهمل

گویا تیری تکلیف تجھے نہیں بلکہ مجھے پہنچی ہے اور میری آنکھ آنسو بہاتی رہتی تھی۔

تخاف الردى نفسي عليك وإنني لأعلم أن الموت حتم مؤجل

مجھ پر تیری موت کا خوف سوار رہتا تھا حالانکہ مجھے یقین تھا کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔

فلما بلغت السن والغاية التي إليها مدى ماكنت فيك أؤمل

جب تو اس عمر اور حد کو پہنچ گیا جس تک تیرے پہنچنے کی میں بہت خواہش کرتا تھا۔

جعلت جزائي غلظة وفظاظة كأنك أنت المنعم المتفضل

تو تو نے میرے ان احسانات کا بدلہ درشتی اور سنگدلی سے دیا گویا کہ تو ہی مجھ پر انعام وفضل کرتا رہا ہے۔

نیز کہتا ہے:

الحمدلله ممسانا ومصبحنا بالحمد صبحنا ربي ومسانا

سب کی سب تعریفیں ہماری صبح وشام اللہ ہی کے لیے ہیں جو ہماری صبح وشام بخیر وعافیت گزار رہا ہے۔

رب الحنيفة لم تنفد خزائنه مملوءة، طبق الآفاق سلطانا

وہ دین ابراہیمی کا پروردگار ہے اس کے خزانے کبھی ختم نہیں ہوتے بلکہ بھرے رہتے ہیں اور سارے جہان پر اسی کی بادشاہی ہے۔

ألا نبي لنا منا فيخبرنا ما بعد غايتنا من رأس محيانا

کیا کوئی نبی نہیں جو ہمیں بتائے کہ ہماری زندگی کی ابتداء اور انتہاء میں کتنا فاصلہ ہے۔

وقد علمنا لو أن العلم ينفعنا أن سوف يلحق أخرانا بأولانا

اگر ہمارے علم نے ہمیں کچھ نفع دیا تو ہم یہ بات معلوم کر چکے ہیں کہ ہمارے بعد والے ہمارے پہلے والوں سے عنقریب مل جائیں گے۔

سرزمین عرب میں کتابت کی ابتداء

کتابت تہذیب وتمدن کے مظاہر میں سے ایک ہے اور اجتماعی وتجارتی آثار میں سے ایک اثر ہے اسی لیے فینیقی اور مصری قومیں اس فن میں پیش پیش تھیں اور خانہ بدوش بدوی لوگ اس فن سے بالکل نابلد تھے، عرب کے صرف اسی علاقہ میں یہ فن پایا جاتا تھا جہاں تمدن پھیل چکا تھا اور آبادی ترقی پر تھی جیسے یمن، یمنی لوگ ایک رسم الخط استعمال کرتے تھے جسے وہ اپنی زبان میں ''مسند'' کہتے تھے اس میں سب حروف جدا جدا لکھے جاتے ہیں ان کا خیال تھا کہ یہ رسم الخط حضرت ہود علیہ السلام کے کاتب پر بذریعہ وحی نازل ہوا ہے لیکن آثار قدیمہ کی تحقیقات اور زبانوں کے باہمی ربط تلاش کرنے کے علم سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فینیقی رسم الخط تمام سامی رسم الخطوں کا اصل اور منبع ہے اسی طرح آرامی اور مسند رسم الخط اور ان کی تمام اقسام اسی فینیقی رسم الخط سے نکلے ہیں، آرامی رسم الخط سے حوران میں خط نبطی اور عراق میں سطرنجیلی سریانی خط پھیلے، یہی دونوں خط عربی رسم الخط کی جڑ ہیں پہلے سے خط نسخ پیدا ہوا دوسرے سے خط کوفی نے جنم لیا جو اسلام سے پہلے حیرہ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ''حیری'' کہلاتا تھا، پہلا خط عربوں نے شام کے تجارتی سفروں کے دوران سیکھا اور دوسرا انبار سے سیکھا اس کو سب سے پہلے بشر بن عبدالملک کندی جو کہ دومۃ الجندل اکیدر بن عبدالملک کا بھائی تھا، نے سیکھا، اور مکہ آ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دادا حرب کا داماد بن گیا اس نے قریش کی ایک جماعت کو یہ رسم الخط سکھلا دیا تھا جس سے وہاں اس رسم الخط والوں کی ایک بڑی تعداد ہو گئی تھی، پھر جب کوفہ بسایا گیا اور یہ خط مساجد اور محلات پر لکھی جانے والی تحریرات میں استعمال ہونے لگا تو اس میں کچھ خوبصورتی اور ڈھنگ پیدا ہو گیا اور اسے خط کوفی کہا جانے لگا۔

اگلے صفحہ پر موجود نقشہ میں چند رسوم کے نقش درج ہیں:

مصری مقدس ہیروغلیفی	مصری للخاصۃ ہیراطیقی	مصری للعامۃ دیموطیقی	آرامی	فینیقی	سطرنجیلی	نبطی	حمیری او کوفی	عربی حالیہ
								ا
								ب
								ج
								د
								ھ
								و
								ز
								ح
								ط
								ی
								ک
								ل
								م
								ن
								س
								ع
								ف
								ص
								ق
								ر
								ش
								ت

دوسرا باب

آغاز اسلام اور عہد بنوامیہ

اسلامی ادب

ادبِ اسلامی کے اسباب ومصادر اور اس کی قسمیں اور رجحانات:

زمانہ جاہلیت کا ذکر ہم ایسی حالت میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ جزیرہ عرب کا پیٹ آتش حیات سے اس طرح جوش مار رہا تھا جیسے بند منہ والے برتن میں پانی کھولتا ہو، اور جزیرہ کے پیٹ سے مراد حجاز ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ ایرانیوں نے جب جنوبی عرب، یمن پر قبضہ کرلیا اور شمالی عرب، عراق میں لخمیوں کی حکومت کو بے دخل کر دیا تو ان دونوں علاقوں کی تمام سرگرمیاں معطل ہوگئیں اور انقلاب عرب کا تیز سیلاب حجاز کی طرف رواں دواں ہوگیا اور وہاں زور پکڑنے لگا خصوصاً مکہ مکرمہ میں کیونکہ مکہ خانہ کعبہ کی وجہ سے لوگوں کی زیارت گاہ بنا ہوا تھا اور عربوں کی پناہ گاہ تھا کیونکہ وہ صحراء میں ہونے کی وجہ سے بیرونی ریشہ دوانیوں سے محفوظ تھا، اور جنوب سے ہندوستان اور یمن کا سامان تجارت شام اور مصر لے جانے والے قافلوں کے درمیان میں پڑنے کی وجہ سے مال و دولت کا مخزن بنا ہوا تھا، مکہ کی حیثیت اس وقت تجارتی منڈی اور مذہبی آماجگاہ کی طرح تھی جہاں اطراف سے عرب آتے اور دیسی بدیسی سودے خریدتے، ارکان حج ادا کرتے عکاظ کے میلے میں شریک ہوتے اور حرام مہینوں (جو کہ ان کے نزدیک مقدس اور امن کا زمانہ تھا) کے ظل وعافیت میں امن وسلامتی کی نعمت سے بہرہ ور ہوتے، حملوں اور جنگوں میں جن تعلقات کو نیزوں سے منقطع کر دیتے تھے اس امن کے زمانہ میں انہیں پھر سے جوڑتے تھے۔

ان تمام دینی، اقتصادی، اجتماعی تحریکوں کی باگ ڈور قریش کے ہاتھ میں تھی کیونکہ وہی خانہ کعبہ کے متولی، عکاظ کے میلے کے منتظم اور تجارتی کاروبار میں سربراہ تھے، پر امن تجارتی سفر کرنے کی وجہ سے وہ آسودہ حال تھے اور جہاندیدہ وتجربہ کار تھے، ان کا مختلف قبیلوں سے اچھا تعلق تھا، قصہ مختصر یہ کہ تمام عرب ان کے دین، عزت، مال کی وجہ سے ان کے سامنے سرنگوں تھے، انہوں نے قریش کی زبان اور ان کے ادب کو اپنے اوپر لازم کرلیا تھا انہی کی برکت سے مختلف لہجے متحد اور لوگوں کے دل ایک مقصد کی طرف متوجہ ہوتے جا رہے تھے۔

ادھر یہودی مدینہ اور یمن میں اپنی صنعتی اور زراعتی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ سود خوری کو عام کر رہے تھے، اور تورات کی تعلیمات اور پیشین گوئیاں پھیلا رہے تھے اور عیسائی پادری اور پوپ انجیل کی خوشخبریاں سنا رہے تھے اور لوگوں کو آخرت کی طرف راغب کر رہے تھے، یہ لوگ یونان اور روما ن کے فلسفہ اور قانون سے متاثر تھے اور لوگوں کو اللہ کی باتوں کے لیے تیار کر رہے تھے۔

شعراء مسلسل ایک میلہ سے دوسرے میلہ، ایک گھاٹ سے دوسرے گھاٹ جاتے، قبائلی عصبیت کے سازوں پر فخر وشجاعت کے شعر گاتے جس سے ایک طرف تو وہ قبائل میں دشمنی اور اختلاف کی آگ بھڑکاتے لیکن دوسری طرف اخلاق وعادات اور زبان

میں اتحاد کے اسباب پیدا کر رہے تھے، اور وہ بے تاب و مجبور لوگوں کے اس منزل مقصود تک پہنچنے کی راہ ہموار کر رہے تھے جس کی طرف خدائے پاک انہیں بلانے والا تھا۔ عرب خانہ بدوش جنگلی گھاٹیوں میں تھے، جہالت، قحط سالی، جنگ نے ان کو بالکل ہلاک کر دیا تھا اس پر مستزاد بڑے سرداروں کا جبر و استبداد، مشائخ اور پیروں کی خود غرضی، امن کا فقدان، سیادت اور قوت کے بل بوتے پر دولت کی تقسیم تھی، روزی کے معاملہ میں ان کو بڑی مشقت، حد سے بڑھے ہوئے سود، حرام خوری، ناپ تول کی کمی، زمانہ کی چیرہ دستیوں کی وجہ سے سہنی پڑی۔ اس قبیح مادہ پرستی، تنگ ظرفی، اور فاسد نظام کا اثر یہ ہوا کہ سلیم الطبع لوگ اس موجودہ زندگی کو چھوڑ کر ایسی زندگی کے لیے تیار ہو گئے جو موجودہ سے بہت اعلیٰ وارفع ہو۔

لیکن بقول ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ ''عرب قوم درشتی، خودداری، بلند ہمتی، سرداری میں باہمی مسابقت کے باعث ایک دوسرے کی ماتحتی مشکل ہی سے قبول کرنے والی تھی ان کے اغراض و مقاصد کم ہی ہم آہنگ ہوتے تھے ان اسباب کی وجہ سے کوئی طاقت ان پر اقتدار حاصل نہیں کر سکتی الا یہ کہ وہ دینی رنگ میں رنگ جائیں خواہ نبوت وولایت ہو یا کوئی دوسری دینی کوشش۔

اور درحقیقت یہی وہ اصلاحی ذریعہ تھا جس کی برکت سے عرب اقوام، عالم میں پیغام رسالت پہنچائیں اور ان پر حکمرانی کریں اس وقت اسلام کا ظہور ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا اور اس زندگی کا ایک واضح ردعمل جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ قرآن نے دین کو ''اسلام'' اور اس سے پہلے زمانے کو ''جاہلیت'' کہا ہے یہ نام دونوں زندگیوں اور ذہنیتوں کی ابتداء اور انتہاء میں واضح فرق بتاتے ہیں کیونکہ جہالت کا معنی حماقت، نادانی، خود پسندی ہے اور انہیں عادتوں پر جاہلیت کے اکثر لوگ تھے اور اسلام کا معنی سلامتی، صلح پسندی، اللہ کی فرمانبرداری ہے اور یہی خصلتیں اس نئے مذہب کی روح ہیں جو کہتا ہے:

﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴾ [الفرقان:۶۳]

''اور خدا کے وہ بندے جو زمین پر نرمی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلام''۔

اور یہی عمرو بن اہتم کے اس قول کا مطلب ہے جو اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے احنف بن قیس پر خود کو ترجیح دینے کے لیے بطور فخر کہا تھا، جس وقت یہ دونوں سرداری کے لیے امیدوار تھے:

> ''جب ہم تم زمانہ جہالت میں تھے تو اس وقت فضیلت جہالت کرنے والے کی ہوتی تھی چنانچہ اس وقت ہم نے تمہارے خون بہائے، تمہاری عورتوں کو قید کیا آج ہم اسلام میں ہیں جس میں فضیلت بردبار کی ہے بس میری دعا ہے کہ اللہ میری اور تمہاری مغفرت فرما دے''۔ اس طرح وہ احنف پر غالب ہو گیا۔

اسلام نے اس وقت عربی ذہنیت کو یکسر بدل دیا تھا اور جاہلیت پر پوری قوتوں سے ہلہ بول دیا تھا اور اجتماعی زندگی وسماج کے ایسے بلند اصول پیش کیے جو ان کے پرانے اصولوں کے مخالف اور ان کے مسلمہ اقدار کے مناقض تھے۔

بہادری، جرأت و جانبازی، فضول خرچی اور بربادی تک پہنچا دینے والی سخاوت، قبیلہ کے نفع اور وفاداری میں مرمٹنا، انتقام میں سنگ دلی، عزیز و اقارب پر قولی یا فعلی زیادتی کرنے والے سے بدلہ لینا، یہ جاہلیت کے مایہ ناز اخلاق و کردار ہیں اس کے برعکس اسلام نے انسان کے لیے جو اخلاق مقرر کیے ان میں سے اہم عنصر خدا کے سامنے جھک جانا، اس کے احکام کی تابعداری کرنا، قناعت اور

عاجزی کا اظہار کرنا، مال و دولت کی ہوس اور فخر وغرور سے بچنا، اور صبر وشکر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ [الحجرات : ۱۳]

''کہ تم میں سے اللہ کے ہاں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہو''۔

اور حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ میں ارشاد فرمایا:

''اللہ نے جاہلیت کے غرور اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے کو ختم کر دیا ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے ہیں کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں ہاں صرف تقویٰ کی بنیاد پر''۔

اس سے قومی اور نسلی عصبیت ختم ہوگئی اور سرداری نسب ونسل سے نکل کر دین کے ہاتھ میں آ گئی، محبت واخوت، عصبیت کے بجائے خالص اللہ کے لیے بن گئی، اس ذہنی انقلاب کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ذہنی سوچ وفکر اور قول وفعل بدل گئے چنانچہ وہ شاعر جس کا شیطان اسے فخر اور نفرت انگیز اور ہجویہ قصائد الہام کرتا تھا اور وہ خطیب جس کی زبان عداوت ونفرت کی زہر پاشی کرتی تھی اور وہ شہسوار جو دن رات خون ریزی میں لگا رہتا تھا، اور وہ سردار جو امتیازی حیثیت سے زندگی گزار رہا تھا اور وہ مالدار جو تجارت کے ذریعے غریب عوام کا خون چوس رہا تھا یہ سارے لوگ اسلام کی دعوت پر خاموشی سے ہمہ تن گوش ہو گئے ان کے افعال واقوال اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق ہو گئے، قرآن وحدیث امت کا دستور العمل بن گئے وہی قوانین مقرر کرتے وہی آداب زندگی مقرر کرتے اور اخلاق کو مہذب بناتے، وہی ان کے مشرک اور گنہگار دلوں میں کلمہ توحید اور نیکی کی حقیقت کو پیوستہ کرنے والے تھے۔

قرآن وحدیث ہی نے ان کے لیے ایسا عائلی اور قومی قانون اور نظام بنایا جو ان کے پہلے قانون سے مختلف تھا، حضور ﷺ کے زمانہ میں عصبیت کے ختم ہو جانے اور دینی روح کے قوی ہونے کی وجہ سے شعر وشاعری کا دائرہ تنگ ہو گیا اور خطابت سمٹ کر قرآن کے جھنڈے تلے آ گئی جو قرآن کی طرف دعوت اور آنے والے وفود پر تعلیمات قرآن کرنے میں کام آنے لگی، الغرض خطابت اور شاعری قرآن کی روشنی سے منور ہو کر اسی کے راستے پر گامزن ہو گئیں۔

اس عظیم الشان دعوت اسلامی کا لازمی تقاضا تھا کہ خط وکتابت کا سلسلہ جاری ہو، چنانچہ ایک نئے انداز میں یہ رونما ہوا دینی کاموں میں خط وکتابت کی ضرورت اور جنگ بدر کے بعد آپ ﷺ کا اس کی ترغیب دینے اور دفتری کام کے عربی زبان میں منتقل ہونے کی وجہ سے کافی حد تک ناخواندگی ختم ہو گئی۔

دوسری طرف دشمنان دین قرآن کے بارے میں مناظرے اور بحثیں کرنے لگے جس پر حامیان اسلام نے قرآنی تعلیمات کی حفاظت اور تعلیم کا سلسلہ عام کر دیا، اسلام کی اس روز افزوں ترقی کی وجہ سے ضرورت پڑی کہ دین کے سرچشموں سے اصول احکام کا استنباط کیا جائے اور غیر منصوص احکام میں قیاس واجتہاد سے کام لیا جائے چنانچہ عربی کی خداداد وسعتیں اور منطقی صلاحیتیں ان فیصلوں سے آشکارا ہونے لگیں جو حضرت علی، عمر، زید بن ثابت، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم نے فرمائے تھے، منطقی فقہ کی یہ روح حضرت علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما کے باہمی مناقشات کے بعد علویوں، امویوں اور خوارج کے درمیانی تنازعات سے اور نکھر کر سامنے آ گئی۔

تاہم ہماری یہ بات مبالغہ سے خالی نہ ہوگی کہ تعلیمات اسلامی ہر شخص کے دل میں راسخ ہوگئی ہو، اور ان کے دل میں اس درجہ متمکن ہوگئی ہو کہ عربی ذہنیت مکمل بدل چکی تھی، یہ دعویٰ اگر چہ مہاجرین وانصار سابقین پر تو صادق آتا ہے لیکن فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں پر صادق نہیں آتا اور نہ ہی ان خانہ بدوش عربوں پر جو فطرتاً مذہبی، قانونی، حکومتی ہر طرح کی پابندی کے خلاف بغاوت کے عادی تھے، اور وہ اپنے اجڈ پن، سنگ دلی کی وجہ سے کفر و نفاق پر بڑی سختی سے جمے ہوئے تھے اور اللہ و رسول کی مقرر کردہ حدود سے بہت زیادہ بیگانے تھے جن کے کچھ سربراہ قیس بن عاصم کی طرح دین کو حق سمجھتے ہوئے نہیں بلکہ اس خیال سے مسلمان ہوئے کہ آپ ﷺ کے بعد آپ کا جانشین بن جائے، حضور ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ہدایت و علم دے کر بھیجا ہے اس کی مثال بارش کی سی ہے جو ایک ایسی زمین پر برسے جس کا ایک ٹکڑا قابل کاشت اور زرخیز ہو جو پانی اپنے اندر جذب کرلے پھر وہاں سبزہ اور نباتات بکثرت پیدا ہو جائے، دوسرا ٹکڑا سخت پتھریلا نشیبی ہے جو پانی کو روک لے اس پانی سے اللہ لوگوں کو فائدہ پہنچائے کہ وہ اس سے پئیں، اپنے جانوروں کو پلائیں اور کھیتی کو سیراب کریں، ایک ٹکڑا ایسا ہے کہ جو چٹیل میدان ہے جس میں نہ تو پانی رکے اور نہ ہی وہ اپنے اندر جذب کرے کہ اس میں گھاس وغیرہ اُگ آئے''۔

اس حدیث کا مصداق ہم دیکھتے ہیں کہ خانہ بدوش عربوں میں ہجو گوئی، تعصب، حمیت بے جا اور مے خواری کی عادتیں باقی رہیں۔ نبی کریم ﷺ کی رحلت کے فوراً بعد ہی ارتداد رونما ہو گیا اور حجاز کے شہروں میں گانا بجانا، شراب نوشی اور موسیقی عام ہونے لگی، قحطانی، عدنانی، ہاشمی، اموی جھگڑوں کی شکل میں جاہلیت کے خاندانی تعصب کا سر ابھارنا بالخصوص عہد بنی امیہ میں اس کا عروج پر ہونا اس کا بین ثبوت ہے۔ یہ سب کچھ ہمیں بتا رہا ہے کہ دور اموی کی شاعری اسلامی روح سے بالکل متاثر نہ ہوئی بلکہ جاہلی دور کی شاعری کے طرز پر رہی اس لیے کہ بیشتر شعراء دیہاتی علاقوں سے آتے اور مختلف جماعتوں اور قبیلوں میں اپنے تعصب بھرے جذبات بیان کرتے رہتے۔

اسلام نے عربی ذہنیت اور اس کے ادبی فنون پر صرف اپنے عقیدہ و شریعت اور اسلامی روح کے ذریعہ ہی اثر نہیں ڈالا بلکہ اس میں اسلامی فتوحات اور امامت کے باہمی جھگڑوں کا بھی بڑا دخل تھا، عربوں کا جزیرہ عرب سے نکل کر جہاد کے لیے جانا اور مختلف ملکوں میں پھیل جانا، کسریٰ و قیصر کی سلطنتوں پر قابض ہو جانا، مختلف قوموں اور نسلوں سے اختلاط، مختلف تہذیبوں اور ذہنیتوں کا تاثر انہی فتوحات کا نتیجہ تھا، عراق جو کہ قدیمی متمدن شہر تھا اور بہت سی بڑی قوموں اور نسلوں کا مرکز تھا اس کو فتح کیا اور وہاں کوفہ اور بصرہ آباد کیا اور ایران کو اپنا زیر نگیں بنایا جو کہ دنیا کی ان دو سپر پاور طاقتوں مین سے ایک تھا جنہوں نے اس وقت ساری دنیا کے باسیوں اور ان کے ذہنوں کو اپنا غلام بنا رکھا تھا، اور شام کو فتح کیا جس میں رومانی تہذیب اور عیسائی مذہب کا چرچا تھا اس میں فینیقی، کنعانی، مصری، یونانی، غسانی اپنے اعتقادات وعادات اور طرز حکومت کے نمایاں آثار چھوڑ گئے تھے، مصر کو فتح کیا جو تہذیب و تمدن وفنون کا گہوارہ تھا اور ایرانی، رومی تہذیب کا مرکز تھا اور مشرقی و مغربی فلسفے وہاں آکر مل گئے تھے، مغربی ممالک کو فتح کرتے ہوئے وہ جبل الطارق تک جا پہنچے تھے اور ماوراء النہر کی طرف کاشغر تک پہنچ گئے تھے۔

ان مختلف ممالک کے باشندے سامی، حامی اور آریہ نسلوں کے تھے جو مختلف آسمانی یا زمینی مذہب پر عمل پیرا تھے اور فارسی، قبطی، عبرانی، سریانی، یونانی اور لاطینی زبان بولتے تھے، عربوں نے ایک طرف تو ان کو فتوحات کے ذریعہ مادی طور پر اور زبان و دین کے ذریعہ ادبی و روحانی طور پر سرنگوں کیا دوسری طرف عرب خود عقلی اور نسلی اعتبار سے ان کے زیر اثر آ گئے ان میں رہائش، شادی بیاہ اور غلام باندی بنا کر انہی کے تمدن، ذہنیت اور نسل کو اپنانے لگے، اس باہمی عجیب امتزاج کا نتیجہ یہ ہوا کہ علوم شرعیہ، فنون ادبیہ اور تمدن اسلامی ایسی صورت میں ظاہر ہوئے کہ روئے زمین کو اپنے احاطہ میں لے لیا اور انسان کی ترقی کے لیے راستہ ہموار کر دیا۔

یہ تو فتوحات کا اثر تھا، اور امامت کے بارے میں اختلافات کا اثر ان چار فرقوں کے باہمی جنگ و جدل کی شکل میں رونما ہوا جنہوں نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی خلافت میں اختلاف سے جنم لیا، اسی جنگ و جدل اور بحث و مباحثہ کا اثر تھا کہ عربی ذہن کے مطلع پر دلائل اور نئے مسائل استنباط کرنے کی قوتیں چھا گئی تھیں۔

کیونکہ ان تمام بحثوں کا دارومدار قرآن پاک کی تاویلات اور وضع احادیث پر ہوتا تھا، اس ضمن میں تعصبات کو پیدا کرنے اور ہوا دینے کے لیے شاعری ہی کو آلہ بنایا جاتا، سیاسی مسائل اور دینی تعلیمات کے لیے پرزور و مدلل تحریریں شائع کی جاتیں، مناظروں اور خطبوں سے کام نکالا جاتا، حجاز میں ابن الزبیر کے حامیوں کی جماعت تھی، شام میں بنوامیہ کے جانثاروں کی جماعت، عراق میں شیعہ تھے جو اہل بیت کی طرف دعوت دیتے تھے، اور خوارج ان سب کے منکر اور باغی تھے۔ جیسا کہ پہلے بھی کہا ہے کہ ان میں سے ہر ایک گروہ کی، خلافت کے بارے میں الگ الگ رائے، جداگانہ نظریہ، کتاب و سنت سے علیحدہ علیحدہ دلیلیں، خطبات و شاعری کا معتدبہ مواد رکھتی تھیں، اگر آپ ان کی کچھ بحثیں اور مناظرے طبری، عقد الفرید، شرح النہج لابن الحدید اور الکامل للمبرد میں پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس اختلاف کا عربی ذہن پر کتنا اثر ہوا نیز فنون ادبیہ پر ان کے افکار کا کیا نتیجہ مرتب ہوا۔

ماقبل جو بحث گزری ہے اس کا ہم یہ خلاصہ نکال سکتے ہیں کہ ادب اسلامی کے اہم عوامل یہ ہیں:

> ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں جاہلانہ عصبیت کا خاتمہ، بنوامیہ کے دور میں اس کا پھر سے سر ابھارنا، دینی روح کی نشوونما، عربی ذہنیت میں انقلاب، اجتماعی اور اقتصادی حالات کی درستگی، سیاسی جماعتوں کا ظہور، اسلامی فتوحات کی کثرت، غیر اقوام کا زبان، عادات، اعتقادات اور آداب میں عربوں پر اثر انداز ہونا، پھر مزید برآں قرآن واحادیث کا اسلوب، جاہلی شاعری اور امثال کی صحیح اور مستند روایتیں''۔

یہاں ہم نے ان عوامل کو اجمال کے ساتھ اس لیے ذکر کیا ہے کہ آئندہ ہر فن پر جداگانہ بحث کرتے ہوئے ان عوامل کی حسب ضرورت تفصیل کر دیں گے، اب ہم اس بحث کو چھوڑ کر ادب اسلامی کے سرچشموں سے سیراب ہوتے ہیں۔

ادبِ اسلامی کے سرچشمے

ہم ان ادبِ اسلامی کے چشموں کو قرآن، حدیث، ادب جاہلی اور غیر ملکی ادب میں محدود کر سکتے ہیں۔

قرآن کریم

قرآن کریم عربی زبان کی پہلی مرتب شدہ و مدون کتاب ہے اسی وجہ سے تاریخ ادب کے لیے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے کیونکہ چھٹی صدی عیسوی کے آخر اور ساتویں صدی کے ابتداء میں عربوں کی ادبی اور عقلی زندگی کا یہی مظہر تھا، یہی فنی نثر کا بانی ہے اور ان مضامین و اسالیب اور معرفتوں کا سرچشمہ ہے جو اس دور میں ادب میں عام تھے، قرآن کریم ایسے بدیع اسلوب میں نازل ہوا کہ لوگوں کی سماعت اور ذہن اس جیسے کلام سے نامانوس تھے نہ تو وہ موزوں و مقفیٰ کلام ہے نہ ایسی سجع بندی ہے جس میں ایک ہی معنی کئی جملوں میں الگ الگ بیان کیا جائے اور نہ ہی ایسا آزاد اسلوب ہے جو بغیر وزن اور سجع کی رعایت کے آخر تک چلا گیا ہو درحقیقت یہ ایسی جدا جدا آیتیں ہیں جن میں ایک دوسرے کی مشابہت ہے ان آیتوں پر آواز رک جاتی ہے، اور ذہن قرار پاتا ہے کیونکہ جہاں ان آیات کے معانی مستقل حیثیت کے ہیں وہیں ان کے صوتی آہنگ پڑھنے والے کی روح و وجدان سے مکمل مطابقت رکھتے ہیں۔

سو جب اہل عرب نے اسے سنا اور وہ شاعرانہ تراش کے ساتھ ساتھ نثر و بیان میں بھی بے مثل اور امام فن تھے، نہایت مرعوب ہو گئے اور اسے عجیب چیز قرار دیا وہ حیران تھے کہ قرآن پاک کو اپنے مروج و معروف کلام کی کس صنف میں سے شمار کریں چنانچہ اضطراب اور تردد کی حالت میں انہوں نے کبھی اسے شاعری کہا کبھی جادو اور کبھی کاہنوں کی تک بندی قرار دیا اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا قرآن مجید کو کلام کی ان اصناف میں سے شمار کرنا جو عقل کو اڑا دیتی ہیں، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن ان کے اذہان و قلوب پر بڑی شدت سے اثر انداز ہوا ہے۔

جب قرآن مجید کو اس زاویے سے دیکھا جائے کہ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات محکم ہیں اور رب حکیم و خبیر کی طرف سے ان کو جدا جدا وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے، کلامی تنقید کی مجال نہیں کہ اس کے پاس بھی پھٹک سکے نیز یہ حضور ﷺ کا معجزہ ہے جس نے تمام عرب کو یہ چیلنج کیا ہے کہ وہ اس کے مثل ایک سورت ہی لا کر دکھا دیں مسلمان اس کے طرز تحریر کی نقل کرنے سے بھی گریز کرتے تھے کہ مبادا ان پر قرآن کا مقابلہ کرنے کا الزام نہ لگ جائے نیز اس بات کا بھی خیال تھا کہ کلام الٰہی مخلوق کے کلام کے مشابہ نہ ہو، لیکن یہ بھی بجا ہے کہ بہت سے مشرکوں، نبوت کے جھوٹے دعویداروں نے قرآن کریم کی حجت کو ختم کرنے کے لیے اور اس کے طرز اسلوب کی نقل کرتے ہوئے قرآن کے معارضہ میں کلام کیا ہے جیسے مسیلمہ کذاب نے کہا تھا:

يَا ضِفْدَعُ نَقِّي مَا تُنَقِّيْنَ فَلَا الْمَاءَ تكدرين وَ لَا الشَّارِبَ تمنعين.

اے مینڈکی! تو جتنی ٹرٹر کر سکتی ہے کر لے کیونکہ نہ تو تو پانی کو گندہ کر سکتی ہے اور نہ ہی کسی پینے والے کو روک سکتی ہے۔

لیکن راویوں نے اس جیسے کلام کو نقل کرنے میں غفلت برتی ہے یا تو خوف خدا کی وجہ سے یا قابل اعتناء نہ سمجھنے کی وجہ سے جیسا کہ ابن مقفع، متنبی، ابوالعلاء کی طرف جو کلام منسوب ہے اس میں انہوں نے غفلت برتی ہے، ان کے علاوہ کچھ متاخرین نے قرآن پاک کے اسلوب کی دلکشی کو دیکھتے ہوئے اس کی نقل کرنا شروع کی لیکن ایک تو لوگوں کی طرف سے ملامت و مذاق دوسرے قرآنی اسلوب سے عاجز ہونے کی وجہ سے وہ اس سے باز آ گئے، اسی لیے قرآن کریم نے نثر کا کوئی ایسا باب نہیں کھولا کہ لوگ اس طرح کا کلام بنا سکیں اور اس پر نقد و تبصرہ ہو سکے، البتہ قرآن کریم نے نثر میں اتنا اثر ضرور ڈالا ہے کہ نثر اپنے طرز قدیم چھوٹے چھوٹے مسجع جملوں سے نکل کر ایسی صورت میں آ گیا جو حضور ﷺ کی احادیث، خطبات، مکتوبات اور صحابہ و تابعین کے کلام میں نظر آتا ہے جس کے جملے موزوں اور مربوط، الفاظ چیدہ، ترتیب عمدہ، تشبیہ بلیغ، مضمون مدلل اور منطقی، عقل و دل کی گہرائی میں اتر جانے والا ہے اسی طرح قصہ گوئی، وصف بیانی، قانون سازی، منطقی استدلال، موعظہ حسنہ میں ایسے الفاظ و تراکیب اور موضوعات دیئے کہ عرب ان کو پہچانتے بھی نہ تھے چنانچہ اس کی آیتیں ہمیشہ خطیبوں کے لیے زور بیان، ادیبوں کے لیے زینت بخشتی رہیں گی جن کی وجہ سے ان کا کلام دوسرے کلاموں سے اس طرح ممتاز رہے گا جس طرح نقلی موتیوں کے ہار میں اصلی موتی ہوتا ہے۔

قرآنی اسلوب:

قرآن کریم واقعات و حوادث کی مناسبت سے تیئس سال کے عرصہ میں قسط وار نازل ہوا، تیرہ سال مکہ مکرمہ میں اس دوران ترانوے سورتیں نازل ہوئیں، دس سال مدینہ منورہ میں اس دوران اکیس سورتیں نازل ہوئیں، زمانہ، جگہ اور واقعات کے مختلف ہونے کی وجہ سے ان ایک سو چودہ سورتوں کا موضوع اور اسلوب ایک جیسا نہیں بلکہ مختلف ہے چنانچہ کسی واقعہ میں ایک دو آیتیں اور کسی میں پوری سورت ہی نازل ہو جاتی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے جیسے نازل ہوتا رہتا اس کو یاد کرتے جاتے یا اس کو لکھ لیتے تھے یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک قانون تالیف (کہ وحدت اسلوب اور وحدت موضوع ہو اور مختلف مقاصد کے تحت مختلف ابواب باندھے جائیں) کا پابند نہیں، قرآن کریم کی موجودہ شکل و ترتیب حضور ﷺ کی وفات کے بعد ہی وجود میں آئی اس طرح کہ کاتبین کو جو سینوں میں محفوظ یا کسی چیز پر مسطور قرآن پاک ملتا تھا اس کو لکھ لیتے تھے پھر یہ ترتیب بھی نزول قرآن اور واقعات کے اعتبار سے نہیں رکھی گئی بلکہ چھوٹی بڑی سورتوں کے اعتبار سے رکھی گئی اسی لیے بہت سے قصے برے اعمال کے انجام بد سے ڈرانے کے لیے یا اسباب کے مشابہ ہونے کی وجہ سے مکرر ہوئے ہیں اور عرصہ دراز میں نازل ہونے اور اغراض و مقاصد کے مختلف ہونے اور مختلف مقامات پر نازل ہونے کی وجہ سے وحدت موضوع اور وحدت اسلوب نہ رہا یہی فرق ہے قرآن کریم اور تورات و انجیل کے اسلوب میں کہ ان میں وحدت موضوع اور وحدت اسلوب ہے اور قرآن کریم میں ایسا نہیں ہے۔

قرآن کریم کی مکی سورتیں جو تقریباً دو تہائی قرآن کریم ہیں اصول دین پر مشتمل ہیں اور مدنی سورتیں اصول احکام پر مشتمل ہیں اصول دین کا تمام تر نچوڑ اور خلاصہ اللہ اور رسول ﷺ، یوم قیامت پر ایمان لانا اور نیک کاموں کو کرنا، برے کاموں سے بچنا ہے یہ ایسے امور ہیں جو جذبات اور وجدان سے متعلق ہیں اس لیے ان کی طرف دعوت اور ان پر ابھارنے کے لیے ایسے شاعرانہ اسلوب کی ضرورت ہے جو بہت زور آور اور دل کو بہت مؤثر کرنے والا ہو، نصیحت آمیز قصوں، اعلیٰ حکمتوں، جاری و ساری ضرب الامثال، یقین دلانے والے،

وعدے ڈرانے والی دھمکی کے ذریعہ، یہی وجہ ہے کہ اسلوب قرآنی چھوٹی چھوٹی آیات، مسجع کلام، عمدہ تشبیہ، قوی استعاروں پر مبنی ہے۔

اصول احکام یعنی عبادات و معاملات مدنی سورتوں کا موضوع ہے ان کو بیان کرنے کے لیے پختہ اسلوب لمبے لمبے جملے مفصل آیات، واضح مقاصد بیان کیے گئے، علاوہ ازیں قرآن پاک نے قانون سازی میں اسالیب فقہ اور قانون کی تعریفات کا لحاظ نہیں کیا البتہ کچھ احکام کو دعوت و ہدایت کے ضمن میں بیان کیا کیونکہ اس کا مقصد اولین توحید کا پرچار، دین کا اظہار اور دلوں کو گمراہی، جہالت و شرک کی گندگیوں سے پاک کرنا ہے اور یہ بھی وجہ ہے کہ یہ نئی اسلامی مملکت، وحی کے نازل ہونے کے زمانے میں اس قدر وسیع نہ ہوئی تھی کہ مفصل قانون سازی درکار ہوتی۔

قرآنی اعجاز......

اس بات کہ بہت سے دلائل ہیں کہ قرآن پاک معجزہ ہے اور اجماع بھی اس پر منعقد ہے لیکن وجہ اعجاز میں اختلاف ہے: کوئی مقصد کی بلندی، رنگا رنگ کے مضامین اور غیب کی خبریں دینے کو سبب بتاتا ہے، کوئی عمدہ فصاحت، واضح مقصد، پختہ اسلوب کو سبب قرار دیتا ہے اور ہماری بھی یہی رائے ہے کیونکہ جن لوگوں کو قرآن کریم کے مقابلہ کی دعوت دی گئی وہ فلاسفہ اور فقہاء نہ تھے کہ ان کا قرآن کے مثل کلام لانے سے عاجز ہونا قرآن کا معجزہ ہوتا وہ تو فصاحت و بلاغت کے ماہر پرزور مقرر بلند پایہ شعراء تھے، اور قرآن پاک کی باریک تشبیہ و تمثیل اجمال و تفصیل کا عمدہ انداز، دلکش اسلوب پرزور استدلال ہی وہ چیزیں ہیں جو انسانی طاقت سے باہر ہیں اور یہی وہ امتیاز ہے جس نے مقابلہ کرنے والوں کو چپ لگا دی اور ان کی گردنوں کو جھکا دیا۔

قرآن کی زبان:

قریش کی زبان ہی قرآن کی زبان ہے کیونکہ حضور ﷺ قریش ہی میں پیدا ہوئے اور اسی میں رسول بنا کر بھیجے گئے نیز یہ زبان صوتی حلاوت، پاکیزگی کی ساخت اور عمدہ ترتیب کی وجہ سے دوسری عرب کی زبانوں سے افضل تھی اور یہ قبیلہ خانہ کعبہ کے پڑوسی ہونے کی وجہ سے اور حاجیوں کی سقائی اور مسجد حرام کی خدمت کی وجہ سے دوسرے سب قبائل سے زیادہ عزت و شرف والا تھا اس کے علاوہ قرآن کریم بنوسعد کی زبان میں بھی نازل ہوا کیونکہ اس خاندان سے حضور ﷺ نے دودھ پیا تھا اور یہ بنوسعد بن بکر، ہوازن کی سب سے عمدہ زبان والے تھے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں عرب میں سب سے فصیح ہوں کیونکہ ایک تو میں قریشی ہوں دوسرے بنوسعد بن بکر میں میں نے پرورش پائی ہے''۔

قرآن پاک میں دوسری عربی زبانوں کے بھی کچھ کلمات ہیں جیسے:

﴿ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ﴾ [الحجرات: ١٤]

''تمہارے اعمال میں اللہ تعالیٰ کچھ کم نہ کریں گے''۔

اس میں يَلِتْكُمْ بنوعبس کی زبان کا لفظ ہے اس کے علاوہ غیر عربی زبانوں کے بھی تقریباً سو کلمات قرآن کریم میں ہیں جیسے فارسی، رومی، نبطی، حبشی، عبرانی، سریانی، قبطی زبانیں ہیں۔ مثلاً جِبْت (بت) استبرق (کمخواب) سندس (ریشمی کپڑا) قسطاس (ترازو) زنجبیل (ادرک) ان کو عربوں نے اپنی زبان میں شامل کر لیا تھا اور اپنے معروف اوزان کے مطابق ڈھال لیا تھا اس وجہ سے وہ بھی عربی ہی بن گئے۔

قرآن کے مقاصد و مضامین:

یہ تو آپ کو معلوم ہو گیا ہے کہ کچھ قرآن کریم مکہ مکرمہ میں اور کچھ مدینہ منورہ میں نازل ہوا مکی سورتوں میں وہ اہم مضامین ہیں جن کی وجہ سے حضور ﷺ کی بعثت ہوئی مثلاً اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اس کی صفات و آیات کی بزرگی کا بیان اور معاندین کو حضور ﷺ نے جو چیلنج دیا اس میں آپ کی تائید، گذشتہ لوگوں کے واقعات کو بیان کرنا، بتوں اور ان سے متعلق عادات و رسوم کو چھوڑنا، آخرت کے دن اور اس کے ساتھ متعلق جنت و جہنم، خوشخبری و دھمکی کو برحق ثابت کرنا پھر آخر میں حضور ﷺ کو مشرکین کے ساتھ جہاد بالسیف کی اجازت دی گئی ہے۔ مدنی سورتوں میں مغازی اور ان کے اسباب کا بیان ہے اور ان سے پیدا ہونے والے مفید نتائج سے مسلمانوں کو آگاہ کیا ہے اور عبادات نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، اجتماعیات مثلاً انفرادی زندگی تمدنی معاملات، عدالتی قوانین اور اس کے متعلق حدود و قصاص کا بیان ہے اور ان سب چیزوں میں آپ کو ہر جگہ الفاظ کی معانی کے ساتھ ہم آہنگی اور معانی کا مقاصد کے ساتھ ایسا اتفاق نظر آئے گا کہ منطق وفن اس سے بہت پیچھے ہیں اور اس سے اوپر اللہ کی قدرت ہی قدرت نظر آتی ہے۔

قرآن کی تاثیر:

مسلمان قرآن میں ہمہ تن مشغول ہو گئے تھے حتیٰ کہ مسجدوں میں ان کی دعاء، گھر میں انتظام، باہر کی دنیا میں لائحہ عمل اور ان کی حکومت کا دستور قرآن ہی قرآن بن گیا قرآن کی تعلیمات ہی ان کے روح رواں اور وہی ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی، قرآن پاک نے ان کی زبان، دل، نظام پر ایسا گہرا اثر ڈالا کہ کسی دوسری آسمانی کتاب نے اپنے ماننے والوں پر ایسا اثر نہیں ڈالا، زبان اور اس کے ادب پر یہ اثر ڈالا (یہی ہمارا موضوع ہے یہاں) کہ اس نے قوم کے سخت دل لوگوں کو نرم کر دیا اور درشت مزاجوں میں محبت کا بیج بو دیا ہلکی اور سطحی عقلوں کو وزنی اور ٹھوس بنا دیا، قرآن کریم کے اس عمل و تاثیر نے ان کی زبان میں مٹھاس، تراکیب میں عمدگی، انداز میں شائستگی، استدلال میں قوت، معانی و مضامین میں نیرنگی پیدا کر دی نیز نئے دینی الفاظ مثلاً صلاۃ، زکاۃ، قیام، رکوع، سجود، وضوء، مؤمن کافر وغیرہ سے زبان کو مزید وسعت دی، بہت سے نئے علوم کی ضرورت پیدا کر دی جیسے نحو، صرف، اشتقاق زبان کی خامیوں کو دور کرنے کے لیے اور معانی، بیان، بدیع اپنے معجزہ ہونے کو ثابت کرنے کے لیے، علم لغت اور ادب مشکل الفاظ کی تشریح کے لیے، علم حدیث، اصول فقہ، تفسیر احکام شرعیہ کے استنباط کے لیے، اسی قرآن نے ان گذشتہ صدیوں میں ان علوم کو باقی رکھا اور انہیں دور دراز کے علاقوں میں پھیلایا جس سے اس فرمانِ خداوندی کی تصدیق ہوتی ہے:

﴿ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴾ [الحجر: ۹]

"بے شک ہم نے قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں"۔

اور قرآن کی حفاظت کے لیے اس کی زبان کی حفاظت ضروری ہے۔

قرآن کی قرأتیں:

نور اسلام کے پھیلنے کے وقت تک عربی کی مختلف زبانوں اور لہجوں میں باہمی امتزاج اور یگانگت مکمل طور پر نہ ہوئی تھی بلکہ لوگ بہت سی لسانی خامیاں اپنی زبان میں رکھتے تھے مثلاً امالہ، اظہار، ادغام، مد، قصر، ہمزہ کو جھٹکے سے یا تخفیف سے پڑھنا، حرف کو پر یا

باریک پڑھنا، علیہم اور الیہم میں ''ہ'' اور میم کو ضمہ دینا وغیرہ، جب قرآن کریم قریش کی زبان میں نازل ہوا تو ان کے علاوہ باقی عرب یہ تو کرنہیں سکتے تھے کہ اتنے قلیل عرصہ میں اپنی فطری زبان اور مادری لہجہ کو بدل سکیں اس لیے انہوں نے اپنے اپنے لہجوں میں قرآن کریم کو پڑھنا شروع کر دیا اور حضور ﷺ نے بھی لوگوں کی سہولت اور قرآن مجید کی قرأت کو آسان کرنے کی غرض سے ان تمام طریقوں سے پڑھنے کو باقی رکھا۔

لیکن جب مفتوحہ علاقے وسیع ہو گئے اور عرب ان علاقوں میں پھیل گئے اور نئے نئے فرقے پیدا ہو گئے تو زبانیں حد سے زیادہ خراب ہو گئیں فطری صلاحیتیں بگڑ گئیں دلوں میں کجی پیدا ہو گئی نیز لہجوں سے ناواقفیت لہجوں اور حروف کے اداء کرنے میں سخت اختلاف اور کج بحث جھگڑالوؤں کی جسارت سے کچھ ایسی قرائتیں بھی پیدا ہو گئیں جن کی نہ تو سند ہی صحیح تھی اور نہ ہی وہ صحیح عربیت کے مطابق تھیں اور نہ ہی ان کا رسم الخط قرآنی تھا چنانچہ صحیح قرائتوں کو ضبط میں لانے اور ان کی وجوہ کو شمار کرنے اور ان کے مذاہب کو بیان کرنے کے لیے پہلی صدی ہجری ہی میں ایک جماعت کمربستہ ہو گئی جنہوں نے ان قراءتوں کو ایک مستقل فن بنالیا جیسا کہ اس زمانہ میں حدیث وتفسیر کے لیے کچھ لوگ کمربستہ ہو گئے تھے، اس طبقہ اور اس کے بعد کے طبقہ میں سے سات شخص بہت مشہور ہوئے جن کی طرف آج تک یہ قراءتیں منسوب کی جاتی ہیں وہ سات اشخاص یہ ہیں:

① ابوعمرو بن العلاء وفات ۱۵۴ ہجری
② عبداللہ بن کثیر وفات ۱۲۰ ہجری
③ نافع بن نعیم وفات ۱۶۹ ہجری
④ عبداللہ بن عامر وفات ۱۱۸ ہجری
⑤ عاصم بن بہدلہ اسدی وفات ۱۲۸ ہجری
⑥ حمزہ بن حبیب الزیات وفات ۱۵۶ ہجری
⑦ علی بن حمزہ کسائی وفات ۱۸۹ ہجری

انہی کی سات قراءتیں ہیں کہ جن کی صحت پر ائمہ کا اتفاق ہے ان کے علاوہ تین قراءتیں اور ہیں جن کی صحت اور تواتر کا درجہ ان مذکورہ سات سے کم ہے۔

① ابوجعفر مدنی کی قراءت وفات ۱۳۲ ہجری
② یعقوب بن اسحاق حضرمی کی قراءت وفات ۱۸۵ ہجری
③ خلف بن ہشام کی قراءت۔

ان دس کے علاوہ جو قراءتیں ہیں وہ شاذ ہیں۔

قرآن کو جمع کرنا اور مدون کرنا:

جیسا کہ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ قرآن پاک قسط وار تئیس سال کے دورانیہ میں واقعات وحالات کی مناسبت سے اترتا رہا

اور حضور ﷺ کی وفات طیبہ سے تین ماہ قبل جبکہ اس کی سورتیں مکمل ہو گئیں اور آیتیں مرتب کر دی گئیں اس نے اپنے ختم ہونے کا اعلان کر دیا، لیکن یہ سورتیں حضور ﷺ کی حیات میں کسی ایک کتاب میں جمع نہ کی گئی تھیں بلکہ حضور ﷺ کی وفات کے وقت قرآن مجید یا تو کھجور کی شاخوں، سفید پتھروں، اونٹ کی ہڈیوں پر لکھا ہوا تھا یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبانوں پر رواں تھا، پھر جب غزوۂ یمامہ میں ستر قراء کے شہید ہونے کا سانحہ پیش آیا تو مسلمان گھبرا گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خوف ہوا کہ اگر اسی طرح حفاظ شہید ہوتے رہے تو قرآن ہی ختم ہو جائے گا چنانچہ انہوں نے قرآن پاک کو ایک جگہ جمع کرنے کی تجویز خلیفہ رسول ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کچھ تامل ہوا اور کہنے لگے ''جو کام حضور ﷺ نے نہیں کیا اور نہ ہی ہمیں اس کا حکم دیا ہے وہ میں کیسے کروں'' بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بار بار اصرار کرنے کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کام کے لیے تیار ہو گئے اور یہ کام آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جو کہ کاتبین وحی میں سے ایک تھے ان کو سونپا یہی وہ صاحب ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کو آخری مرتبہ قرآن کریم سنایا، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے پاس نوشتہ اور حفظ کیا ہوا اکٹھا کیا اور اسے ایک اوراق کی شکل میں لکھ دیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہے پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دختر حضور ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہے لیکن جب دائرہ حکومت وسیع ہو گیا اور قراء مختلف مقامات پر پھیل گئے جہاں انہوں نے اپنے اپنے لب و لہجے کے اختلاف کے ساتھ قرآن کریم کے پڑھنے میں بھی اختلاف کیا اور ایک دوسرے پر صحیح روایت اور عمدہ قراءت میں بھی فخر کرنے لگے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خطرہ محسوس کیا کہ کہیں لوگ قراءت کے اختلاف کی وجہ سے قرآن کریم سے استدلال میں بھی اختلاف نہ کرنے لگ جائیں اس لیے آپ نے حضرت زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص اور عبدالرحمٰن بن ہشام رضی اللہ عنہم کو اس خدمت پر مامور کیا کہ وہ ان اوراق کو ایک مصحف میں نقل کریں اور اس کی سورتوں کو طول واختصار کی مناسبت سے ترتیب دیں اور صرف قریشی زبان میں لکھیں کیونکہ قرآن اسی زبان میں نازل ہوا ہے، بعد ازاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مصحف کے چند نسخے نقل کرنے کا حکم دیا اور اطراف مملکت میں ہر طرف ایک نسخہ بھیج دیا اور ایک نسخہ مدینہ میں روکے رکھا جو مصحف عثمان رضی اللہ عنہ اور ''الامام'' کے نام سے مشہور ہے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس نسخہ کے علاوہ تمام قرآنی تحریروں کو جمع کرنے کا حکم دیا جن کو جمع کر کے جلا دیا گیا۔

نور قرآن کی جھلکیاں:

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''کیا تم لوگوں کو تو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ ہو سکتا ہے تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔ بارہا تھوڑی جماعت بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے غالب ہوئی۔ نرم جواب دینا اور درگزر کرنا بہتر ہے اس صدقہ سے جس کے پیچھے ستانا ہو۔ ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور اپنے دلوں کو ثابت کر کے ایسی ہے جیسے ایک باغ جو بلند زمین پر ہو اس پر زور کی بارش ہوئی تو اس نے اپنا پھل دو چند دیا اور اگر اس پر بارش بھی نہ پڑی تو اس کے لیے پھوار ہی کافی ہے۔ اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتا ہے۔ تم نیکی میں کمال ہرگز حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنی پسندیدہ چیز

سے کچھ خرچ نہ کرو۔ اگر آپ تند خو، سخت دل ہوتے تو یہ تیرے پاس سے متفرق ہو جاتے۔ اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو تم پر کوئی غالب نہ ہو سکے گا اور اگر وہ تمہاری مدد نہ کرے تو پھر ایسا کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکے۔ جو کوئی برا کام کرے گا اس کی سزا پائے گا اور نہ پائے گا اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی اور نہ ہی مددگار۔ آپ کہہ دیجئے کہ برابر نہیں ناپاک اور پاک اگرچہ تجھ کو بھلی لگے ناپاک کی کثرت۔ اچھے کام کرنے والوں پر (پکڑ کی) راہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتے جب تک وہ نہ بدلیں جو ان کے جیوں میں ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہر کوئی اپنے ڈھنگ پر کام کرتا ہے۔ اللہ کے ہاتھ میں ہیں سب کام پہلے اور پچھلے۔ اللہ نے کسی مرد کے اندر دو دل نہیں رکھے۔ اور برائی کا داؤ الٹے گا انہی داؤں والوں پر۔ تمہاری سرکشی کا وبال تمہاری جانوں پر ہوگا۔ پھر جو کوئی قول توڑے تو وہ اپنے نقصان کو توڑتا ہے اور جو کوئی پورا کرے اس چیز کو جس پر اقرار کیا ہے اللہ سے تو وہ اس کو بہت بڑا بدلہ دے گا۔ اور برابر نہیں نیکی اور نہ بدی، جواب میں وہ کہہ جو اس سے بہتر ہو پھر تو دیکھ لے کہ تجھ میں اور جس میں دشمنی تھی گویا وہ دوست ہے قرابت والا۔ ہر جی نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ ہر ایک جی اپنے کیے کاموں میں پھنسا ہوا ہے۔ تو سمجھے کہ وہ اکٹھے ہیں حالانکہ ان کے دل جدا جدا ہو رہے ہیں۔ ہر فرقہ جو ان کے پاس ہے اس پر نازاں ہے۔ اور جب تو دیکھے ان کو تو اچھے لگے تجھ کو ان کے ڈیل اور اگر وہ بات کہیں تو سنے تو ان کی بات وہ گویا کہ ایسے ہیں جیسے دیوار سے لگائی ہوئی لکڑی جو کوئی چیخے جانیں کہ ہم ہی پر بلا آئی۔ سو جس نے ذرہ بھر بھلائی کی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور تیرا رب حکم کر چکا کہ اسی کی عبادت کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو، اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو نہ کہہ ان کو ''ہوں'' اور نہ جھڑک ان کو اور ان سے ادب کی بات کر، اور عاجزی کے ساتھ ان کے سامنے کندھے جھکا دے نیازمندی کے ساتھ اور کہہ اے رب ان پر رحم کر جیسا کہ پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا، تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے، اگر تم نیک ہو گے تو وہ رجوع کرنے والوں کو بخشتا ہے۔ اور دے قرابت والے کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو اور مت اڑا بے جا فضول بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے، اور اگر کبھی تو ان کی طرف سے تغافل کرے اپنے رب کی مہربانی کے انتظار میں جس کی تجھے امید ہے تو ان کو نرمی کی بات کہہ، اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ اور نہ ہی اس کو بالکل کھول دے کہ پھر تو الزام کھایا ہارا ہوا بیٹھا رہے، تیرا رب جس کے لیے چاہے روزی کھول دیتا ہے اور تنگ بھی وہی کرتا ہے وہی اپنے بندوں کو خوب جاننے والا دیکھنے والا ہے، اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے مار نہ ڈالو ہم روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو، بے شک ان کا مارنا بڑی خطا ہے، اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے، اور نہ مارو اس جان کو جس کو منع کر دیا ہے مگر حق پر، اور جو مارا جائے ظلم سے اور ہم نے اس کے وارث کو زور دیا تو وہ قتل کرنے میں حد سے نہ نکل جائے اس کو مدد ملتی ہے، اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ مگر جس طرح کہ بہتر ہو جب تک کہ وہ پہنچے اپنی جوانی کو اور پورا کرو عہد کو بے شک عہد کی پوچھ ہوگی، اور جب ماپ کر دینے لگو تو ماپ پورا بھر کر دو اور تولو سیدھی ترازو سے یہ بہتر ہے اور اس کا انجام اچھا ہے اور جس بات کی تجھ کو خبر نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑ بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پوچھ ہوگی، اور زمین پر اترا کر مت چل کہ نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ پہاڑوں تک لمبا ہو کر پہنچ سکتا ہے۔ یہ جتنی باتیں ہیں ان سب میں تیرے رب کی بیزاری بری چیز ہے۔

حدیث

حدیث کا اطلاق حضور ﷺ کے قول اور آپ کے فعل کی حکایت اور آپ کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باتیں ان سب پر ہوتا ہے مذہبی اور ثقافتی امور میں اس کا درجہ قرآن کے بعد ہے لیکن عبادات اور حقوق کے قوانین سازی میں سب سے بڑا ماخذ یہی ہے اور قرآن کو سمجھنے کا سب سے سیدھا راستہ ہے کہ جس سے قرآن کے مشکل مقامات کی وضاحت، اجمال کی تفصیل، اطلاق کی تقیید، عموم کی تخصیص ملتی ہے البتہ وہ احادیث جو حضور ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہیں بہت تھوڑی ہیں تاہم ان پر فصاحت، الہام، اور خداداد صلاحیتوں کی مہر ثبت ہے کیونکہ حضور ﷺ قریش میں پیدا ہوئے بنی سعد عربوں کے فصیح ترین قبیلہ میں پرورش پائی نیز آپ کو لغت قرآن پر کامل عبور اور عربوں کی زبان پر کامل دسترس اور نئے نئے بلند اسالیب کے ایجاد پر فطری قدرت تھی اور دینی وفقہی مطالب کے لیے نئے الفاظ وضع فرما لیتے تھے، لیکن اس سب کچھ کے باوجود حدیث کی لسانی قدر و منزلت اور تاریخی راہنمائی قرآن کریم کی بلندیوں تک نہیں پہنچ پاتیں کیونکہ قرآن کریم کو کاتبینِ وحی نازل ہوتے ہی لکھ لیا کرتے تھے اور کلام اللہ ہونے کی وجہ سے اس کے متن کی حفاظت مسلمانوں کا فریضہ ہو گیا تھا اس ارشاد کی وجہ سے:

﴿ فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ﴾ [البقرۃ: ۱۸۱]

''یعنی جو شخص بھی اس کو سننے کے بعد اسے بدلے گا تو اس کا گناہ بدلنے والوں پر ہوگا''۔

اور حدیث کی تدوین تو کہیں دوسری صدی ہجری کے وسط میں ہوئی اس سے پہلے وہ محض حافظہ سے بیان کی جاتی تھی اور حافظہ اکثر دھوکہ دے جاتا ہے چنانچہ حدیث میں جاہلی شاعری سے بھی زیادہ لفظی تبدیلیاں اور روایتی اختلافات رونما ہوئے اس پر مستزاد یہ کہ علماء نے حدیث کی روایت بالمعنی کی اجازت دے دی کیونکہ سالہا سال زبانی روایت کی بناء پر حدیث کے الفاظ بعینہٖ یاد رکھنا محال ہے اس کے علاوہ کچھ سیاسی جھگڑے پیدا ہو گئے نئی نئی جماعتیں نکل آئیں تو کچھ خواہش پرستوں نے نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹی احادیث منسوب کرنے کو بھی جائز بنا لیا اس طرح انہوں نے اپنی دعوت کی تائید اور اپنے مذہب کی ترجیح میں ہزاروں حدیثیں گھڑ لیں، ایک اور جماعت نے اصول دین کے موافق اور اعمال کے فضائل کے سلسلہ میں حدیثیں گھڑنے کو جائز بنا لیا اور دلیل اس کی یہ بنالی کہ لوگ کتاب یا سنت کی نص صریح کے علاوہ کچھ نہیں سنتے اور کسی کو قابل عمل نہیں سمجھتے اس لیے انہوں نے ترغیب وترہیب کی حدیثیں گھڑ گھڑ کر کتابیں بھر دیں اور یہاں تک بڑھے کہ بعض اشخاص یا اور کچھ شہروں اور سورتوں کی فضیلت میں کسی سیاسی تحریک، یا خاندانی عصبیت یا دینی غرض کی بناء پر حدیثیں گھڑ لیں اسی طرح بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی بعض پر فضیلت کی احادیث یا جس طرح بعض تفسیروں میں قرآن مجید کا شوق دلانے کے لیے بعض سورتوں کی فضیلتیں نقل کر دی گئیں کیونکہ اس زمانہ میں لوگوں نے فقہ اور سیرت میں اس درجہ مشغولیت اختیار کی کہ قرآن پاک کی طرف بے توجہی ہو گئی تھی، اس وضع حدیث کے ذریعہ انہوں نے عربی کہاوتوں دانشمندانہ مقولوں اور عجمی آراء وافکار کا ایک معتدبہ حصہ حدیث میں شامل کر دیا جس نے تقریر و مناظرہ اور شاعری میں غیر معمولی اثر چھوڑا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور چند دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زیادہ احادیث روایت کرنے کو ٹھیک نہیں سمجھتے تھے ایک تو وضع کے خطرہ سے بچنے

کے لیے دوسرا تاکہ لوگ کتاب اللہ کی طرف زیادہ راغب رہیں کہ موضوع حدیثوں کی وجہ سے کلام میں اختلاف نہ ہو سکے اور لوگ اس سے بے توجہی نہ برتیں۔ جب حضرت قرطبہ بن کعب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی صحابہ رضی اللہ عنہم عراق کو جانے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے ارشاد فرمایا:

''تم ایسی آبادی میں جارہے ہو جہاں کے باشندوں کی تلاوت سے شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح آواز نکلتی ہے تم ان کو حدیث میں مشغول کر کے قرآن سے نہ ہٹا دینا قرآن کو اچھی طرح پڑھو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں کم بیان کرو''۔

اور ہمارا خیال ہے کہ اسی خطرہ کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جیسے قرآن کو جمع کرنے کا مشورہ دیا تھا احادیث کو جمع کرنے کا مشورہ نہیں دیا تاکہ قرآن مجید کے ساتھ کوئی دوسری ایسی کتاب نہ ہو جس کو لوگ اہمیت دیں، زہری رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قصہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احادیث کو لکھنے کا ارادہ کیا اور اس بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے رائے لی چنانچہ اکثر کی رائے یہی تھی کہ جمع کر لیا جائے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خود اس بارے میں کچھ تردد تھا اس لیے ایک مہینہ اللہ سے اس بارے میں استخارہ کرتے رہے آخر ایک دن جب اللہ نے ان پر حقیقت واضح کر دی تو انہوں نے لوگوں سے فرمایا:

''تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے احادیث کو لکھنے کا ارادہ کیا تھا لیکن پھر مجھے یاد آیا کہ تم سے پہلے اہل کتاب نے کتاب اللہ کے ساتھ دوسری کتابیں لکھیں اور کتاب اللہ کو چھوڑ کر دوسری کتابوں میں منہمک ہو گئے اور اللہ کی قسم میں کتاب اللہ کو دوسری کسی کتاب کے ساتھ خلط ملط نہیں کروں گا''۔

اسی خوف نے وہ بدنظمی پیدا کی کہ مذہب کی ساری رونق ختم ہوگئی اور تاریخی حقائق مستور ہو گئے اور فتنہ فساد کی خوب مدد ہوئی اور جب لوگوں کو اس بدنظمی کے ختم کرنے کا خیال آیا تو معاملہ ہاتھوں سے نکل چکا تھا اور یہ بیماری لاعلاج ہو چکی تھی۔ ایک ادیب کا یہ کام نہیں کہ وہ فقیہ، لغوی، نحوی، یا مؤرخ کی طرح حدیث کے اختلافات اور تبدیلیوں کو زیر بحث لائے نہ اس کا یہ کام ہے کہ محدثین پر جو جرح و تعدیل ہوئیں ان کی تحقیق کرے۔ ادب میں تو حدیثوں کو خواہ وہ سچی ہوں یا جھوٹی اس نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ وہ کلام کے طریقوں میں سے ایک طریقہ اور معانی کا ایک سرچشمہ ہے یہی وہ دو چیزیں ہیں جو ادب پر گہرا اثر ڈالتی ہیں، اس میں بھی شک نہیں کہ جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز بیان کی نقل کرتے تھے اور اسی طرح کی اصطلاحات اور الفاظ استعمال کرتے تھے، حتیٰ کہ اکثر موضوع احادیث میں اور صحیح میں یہی فرق ہے کہ ان کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی ہے اور ان کی سچی یہ تو احادیث کا لفظی پہلو ہے معنوی لحاظ سے صحیح حدیثیں علم و ہدایت کا راستہ ہیں اور جعلی حدیثیں قیاس و اجتہاد کی راہ ہیں کیونکہ یہ شخصی و اجتہادی آراء تھیں جنہیں جعل ساز نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے تھے تاکہ انہیں بھی قبولیت عامہ حاصل ہو اس طرح یہ احادیث فقہ کو پھیلانے، اخلاق کو سنوارنے، ثقافت کو عام کرنے اور مجتہد کی رائے کو پھیلانے میں اور قانون سازی میں سنت صحیحہ کے برابر تھیں۔

اسلوب حدیث:

حدیث (اس کا معنی ہے بات، گفتگو) روزمرہ کی اس عام فہم گفتگو سے خارج نہیں ہے جو ہر مجلس میں ہوتی رہتی ہے اور ہر قسم کے موضوع پر مشتمل ہوتی ہے، حاضر جوابی، غور و فکر کی کمی، مقامات و احوال کے اختلاف سے کلام کا مختلف ہونا سب اس کے لازمی

تقاضے ہیں لیکن حضور ﷺ کی احادیث پر باوجود برجستگی کے فیضان سماوی کا اثر، غیر معمولی صلاحیت کا نشان اور بلاغت کی مہر نظر آتی ہے، حدیث کا سلوب اتنا قرآن کے قریب نہیں جتنا دور نبوت کے اسلوب کے قریب ہے، البتہ حدیث پاک دوسرے کلاموں سے اپنی ظاہری چمک دمک، عبارت کی ترتیب وروانی، واضح اور معین غرض وغایت کو لانے کے لیے مناسب الفاظ کو لانے، بیان کے حسب حال ہونے، اور جس سے گفتگو کی جائے اس کی بولی کے مطابق ہونے کی وجہ سے ممتاز ہے۔ دوسری زبانوں سے موافقت ایسی شکل میں بہت زیادہ ظاہر ہو جاتی تھی جب آپ باہر سے آنے والے وفود سے مخاطب ہوتے تھے، حضور ﷺ غریب الفاظ استعمال کرتے اور ایسے متروک الفاظ استعمال کرتے جو ان کی زبان میں مستعمل ہوتے، مقفیٰ کلام کا التزام کرتے اسی سلسلہ میں آپ کی وہ باتیں ہیں جو آپ نے طہفہ ابن ابی زہیر نہدی اور لقیط بن عامر بن منتفق کے ساتھ کیں جن سے آپ کی خوش خلقی، اعلیٰ تربیت زور بلاغت اور قوت اثر اندازی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اکثر احادیث پر روانی طبع کی رونق، جلال نبوت اور رونق فصاحت واضح نظر آتی ہے، حضور ﷺ کو تشبیہ وتمثیل، حکیمانہ کلام اور عمدہ گفتگو پر عجیب قدرت حاصل تھی یہی خصوصیت آپ سے پہلے آنے والے انبیاء میں بھی تھی خصوصاً سیدنا عیسیٰ علیہ السلام میں کچھ زیادہ ہی تھی وجہ اس کی یہ ہے کہ انبیاء لوگوں کے لیے اساتذہ اور اتالیق کی طرح ہوتے ہیں اور تعلیم میں تمثیل وخوش بیانی کا طریقہ بہت کارگر ہے۔

حدیث شریف کا نمونہ:

سواری کو تیز دوڑا کر قافلہ سے بچھڑ جانے والا نہ تو مسافت ہی طے کرتا ہے اور نہ ہی سواری کو کسی کام کی چھوڑتا ہے۔ مؤمن تو نکیل پڑے ہوئے اونٹ کی طرح نرم اور مطیع ہوتا ہے اگر اسے ہانکا جائے تو چلنے لگتا ہے اور اگر چٹان پر بھی بٹھایا جائے تو وہیں بیٹھ جاتا ہے۔ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے جس کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پالو گے۔ اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھو تو وہ تمہیں ایسے رزق دے جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر آتے ہیں۔ مؤمن کی مثال شہد کی مکھی کی طرح ہے کہ اچھی چیز ہی کھائے اور اچھی چیز ہی کھلائے، تم سارے لوگوں کو اپنے مال سے تو خوش نہیں کر سکتے لہٰذا اچھے اخلاق سے ان کو خوش کرو۔ مؤمن تو خوش اخلاق اور ہر دل عزیز ہوتا ہے اور جو خوش اخلاق وملنسار نہ ہو وہ تو کسی کام کا ہی نہیں۔ تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب اور قیامت میں میرے زیادہ قریب وہ ہوگا جو بہترین اخلاق والا، مہمان نواز، لوگوں سے محبت کرنے والا ہو جس سے لوگ بھی محبت کریں اور سب سے زیادہ ناپسند اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ دور وہ لوگ ہوں گے جو بہت باتونی، مسخرے اور چبا چبا کر باتیں کرنے والے ہوں گے۔ دیکھو گھورے کی سبزی سے بچو یعنی اس حسینہ سے جو خراب ماحول میں پلی ہو۔ عورت پسلی کی طرح ہے کہ تم اگر اسے سیدھا کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ تمام انسان کنگھی کے دانتوں کے طرح برابر ہیں۔ مرد کی جنت اس کا گھر ہے۔ کچھ لوگ ایک کشتی پر سوار ہوئے ہر ایک نے اپنی اپنی جگہ تقسیم کر لی اور اس پر بیٹھ گئے ان میں سے ایک شخص اپنی جگہ پر کلہاڑی مارنے لگا لوگوں نے پوچھا کیا کر رہے ہو؟ کہنے لگا یہ میری جگہ ہے یہاں جو میرا دل کرے کروں گا، اب اگر لوگ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو روکیں گے تو یہ بھی بچ جائے گا اور سارے لوگ بھی بچ جائیں گے لیکن اگر اس کو اسی حال میں چھوڑ دیا تو یہ خود بھی ہلاک ہو گا باقی بھی ہلاک ہوں گے۔ حضور ﷺ کا طرز بیان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کلام میں عام پایا جاتا ہے خصوصاً ان

صحابہ رضی اللہ عنہم کے کلام میں جو آپ کی صحبت میں بکثرت رہے یا جنہوں نے آپ سے روایات کثرت سے کی ہیں جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''دھیان سے سنو! گناہوں کی مثال ان سرکش گھوڑوں کی سی ہے جن پر گنہگار لوگ سوار ہیں اور وہ بے لگام ہیں جو انہیں لے کر جہنم میں کود پڑے اور تقویٰ کی مثال فرمانبردار گھوڑوں کی سی جن پر نیک لوگ سوار ہوں اور ان کی لگامیں ان کے ہاتھوں میں ہوں اور وہ انہیں لے کر جنت میں چلے گئے، یہاں حق و باطل کی کھینچا تانی ہے اور ہر ایک کے کچھ حمایتی ہیں، جس کے سامنے جنت و جہنم ہوں وہ بڑی مشغولیت میں ہے تیز دوڑنے والا کامیاب ہے اور سست روی سے چلنے والے کی نجات کی امید ہے لیکن کوتاہی کرنے والا آگ میں گرے گا، دائیں بائیں گمراہی کے راستے ہیں اور درمیانی راستہ کامیابی کا راستہ ہے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ احادیث بیان کرنے والے صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کی مرویات کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر ۵۳۷۴ ہے ان روایات کے الفاظ اور طرز بیان کا ایک بہت بڑا حصہ خود ان کا ہے اگر چہ وہ احادیث کے اسلوب کے مطابق ہے ان کی کثرت روایت کی وجہ سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان پر شک ہوا تو انہوں نے فرمایا:

''تمہارا خیال ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث زیادہ بیان کرتا ہے اللہ کے ہاں تو ایک دن جانا ہے میں مسکین و مفلس آدمی تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پڑا رہتا تھا اور جو کچھ کھانے کو مل جاتا اس سے پیٹ بھر لیا کرتا تھا مہاجرین بازار میں تجارت میں مشغول رہتے تھے اور انصار اپنے مویشی اور زمینوں میں مشغول رہتے تھے لیکن میں ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتا تھا لہٰذا جب اور صحابہ رضی اللہ عنہم نہ ہوتے تو میں اس وقت بھی موجود ہوتا تھا اور وہ باتیں یاد کر لیتا تھا جو وہ بھول جاتے تھے''۔

زمانہ جاہلیت کی شاعری

عربی نثر کو قرآن کریم اور حدیث پاک کی بدولت ایک نیا طریق کار اور ادبی سرچشمہ ملا چنانچہ اس نے ان دونوں کو اپنا معاون و مددگار بنا کر تدریجی ارتقاء، تکمیل اور آزادی کا سفر شروع کر دیا، اور عربوں کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری بھی اسلام کی طرف منتقل ہوئی لیکن اسلام نے اس ڈر سے کہ کہیں عصبیت اور جاہلیت کے یہ شعر مسلمانوں کے اتحاد اور عربوں کی باہمی الفت کو نہ توڑ دیں اس شاعری کو مرحبا نہیں کہا اور اس کو اتنا زیادہ مقبول نہ ہونے دیا چنانچہ اس میں بھی دیہاتی عربوں کے طرح نفاق رہا اور اس کا طبعی میلان دیہاتی زندگی اور خانہ بدوشوں کی طرف رہا جن سے وہ اپنے خیالات، طریقے اور مناظر لیتی رہی، ہم اسلامی شاعری کو تبھی سمجھ سکتے ہیں جب اس کے اصل منبع و ماخذ (جاہلی شاعری) کی طرف رجوع کریں اور گذشتہ اوراق میں جاہلی شاعری کا ہم کافی وافی ذکر کر آئے ہیں جس کو یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں اس لیے ہم چوتھے سرچشمہ کی طرف چلتے ہیں۔

غیر ملکی ادب

جزیرہ عرب دنیائے عالم کے دو بڑے خطوں کے درمیان واقع ہے مشرقی سمت ایران اور مغرب میں روم، جزیرہ عرب اور ان دو علاقوں کا بہت پرانا میل جول تھا اس لیے مادی اور معنوی تبادلوں کی وجہ سے لغت اور ادب میں کچھ آثار اس کے باقی ہیں لیکن جب اسلام نے ان دونوں علاقوں کو فتح کر لیا تو یہ میل جول سخت امتزاج کی صورت اختیار کر گیا جس کی وجہ سے زبان، افکار اور عقائد میں اتنا امتزاج ہوا کہ یہ آمیزہ ادب کے سرچشموں میں سے ایک قوی سرچشمہ بن گیا، ان حکومتوں کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا اور بہت سے غلام باندی بن کر عربوں کے گھروں میں آ گئے جن کو مجبوراً عربی زبان سیکھنی پڑی البتہ اس قسم کے لوگوں نے صرف زبان ہی تبدیل کی تھی باقی خیالات، افکار و تصورات اور اسلوب بیان اپنی پہلی فطرت پر رہے وہ فارسی یا رومی ذہن سے سوچتے تھے البتہ بولنے اور لکھنے میں عربی زبان استعمال کرتے تھے، ان کی زبانوں کے قواعد مرتب، ادب سلجھا ہوا، اور تہذیب کے سب پہلو روشن تھے لہٰذا ضروری طور پر عربی آداب، عجمی آداب اور آریہ ذہنیت سے متاثر ہوئے اور اس اثر کا سب سے زیادہ ظہور زبان، قانون سازی، اخلاق، شاعری، خطوط و رسائل اور قصص و حکایات پر ہوا۔ زبان کا حلقہ ان فارسی الفاظ کے شامل کرنے سے وسیع ہوا جن کو دفتری کاروائی، حکومتی تنظیم و ترتیب، ملکی سیاست، تمدنی ضروریات مثلاً آلات کار، غذاء، اور آرائشی سامان کے اظہار کے لیے استعمال کیا گیا، کیونکہ عرب کے خانہ بدوش ان چیزوں سے ناواقف تھے عربی زبان کے قواعد سریانی طریقے پر بنائے گئے اور ان کو عجمیوں نے مرتب کیا، اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''المزہر'' میں ایک فصل لائے ہیں جس میں ان الفاظ کا بیان ہے جو عربوں نے فارسی، رومی، سریانی، اور قبطی زبانوں سے لیے ہیں، لیکن لغت مرتب کرنے والوں نے ان زبانوں سے ناواقفیت کی بناء پر اس سلسلہ میں بہت التباس پیدا کر دیا ہے بہت سے الفاظ ان زبانوں کی طرف منسوب کر دیئے جو ان کے نہ تھے دوسری طرف ایرانیوں نے جہالت اور تعصب کی وجہ سے بہت سے معرب کلمات کو اپنی زبان کا بتانے میں بہت مبالغے سے کام لیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فارسی زبان میں گفتگو فرمائی تھی اس بارے میں وہ دو حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں ایک تو ''ان جابرا صنع لکم سورا'' ہے جس میں ''سور'' بمعنی ضیافت ہے دوسری ''العنب دُوْوا لتمریکٌ'' ہے یعنی انگور دو دو کر کے کھاؤ اور کھجور ایک ایک، حالانکہ یہ دونوں علماء کی تحقیق کے مطابق بے بنیاد ہیں، جاحظ نے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں ایرانیوں کی آمد کی وجہ سے مدینہ والے کچھ فارسی الفاظ جاننے لگے تھے چنانچہ وہ بطیخ (خربوزہ) کو خربز اور سمیط (میدہ) کو روذق کہنے لگے تھے، اہل کوفہ مسحاۃ (پھاوڑا) کو ''بال'' اور سوق (بازار) کو بازار کہنے لگے تھے اور یہ سارے فارسی کے لفظ ہیں، ابو مہدیہ اعرابی نے کچھ عجمی الفاظ نقل کیے ہیں جو اس کے زمانے میں عربی میں عام طور پر استعمال ہوتے تھے پھر ان کی تردید کی ہے کہ یہ عربی کے نہیں، ان میں سے بطور مثال چند الفاظ ان اشعار میں پیش کیے ہیں:

یقولون لي شنبذ ولست مشنبذاً ۔ طوال اللیالي ما أقام ثبیر

لوگ مجھے شنبذ (مستجاب الدعوات) کہتے ہیں حالانکہ میں رہتی دنیا تک شنبذ نہیں ہو سکتا۔

ولا قائلاً زودا ليعجل صاحبي ویشتان في قولي على كبير

اور نہ ہی میں اپنے ساتھی سے جلدی چاہنے کے لیے لفظ ''زود کا استعمال چھوڑوں گا اور اپنی زبان میں بستان (باغ) کہنا مجھ پر بہت گراں گزرتا ہے۔

ولا تاركاً لحني لأتبع لحنهم ولو دار صرف الدهر حيث يدور

اور نہ ہی میں اپنا لب ولہجہ چھوڑ کر دوسروں کا لہجہ اختیار کروں گا اگر چہ گردش زمانہ کوئی بھی رخ اختیار کر لے۔

قانون سازی کی تفاصیل میں رومی دانش وفقہ کا زیادہ اثر ہے اور اخلاق کا زیادہ تر مدار ان یونانی حکیمانہ مقولوں پر ہے جو سریانی زبان میں منقول ہوئے، دوسرے ممالک کے آزاد کردہ غلاموں کی ایک جماعت نے شعر وشاعری اور نثر گوئی کو اپنا مشغلہ بنا لیا، جیسے زیاد الاعجم، ابوالعباس الاعمی، موسیٰ شہوات، اسماعیل بن یسار شاعروں میں اور ہشام کے آزاد کردہ غلام سالم اور ان کے شاگرد عبدالحمید بن یحییٰ اور ان کے دوست ابن المقفع نثر نگاروں میں ہیں۔ ابو ہلال عسکری نے کہا ہے کہ ''جو کسی زبان میں فن بلاغت پر عبور حاصل کرے اور پھر دوسری زبان اختیار کرے تو دوسری زبان میں بھی ایسی ہی قدرت حاصل ہو جاتی ہے چنانچہ مشہور نثر نگار عبدالحمید نے انشاء پردازی کے کچھ قواعد فارسی میں لکھے پھر انہی کو عربی میں منتقل کر دیا۔

قصص سے مراد وہ تفسیر، تاریخ اور واقعات ہیں جو بطور ارشاد ونصیحت بیان کیے جائیں، اس میں علم اوّل بھی کچھ کچھ شامل ہے علم اوّل سے مراد پہلی امتوں کے احوال، انبیاء علیہم السلام کے واقعات ہیں اور اہل کتاب میں سے مسلمان ہونے والے جو بشارت یا دھمکی بیان کریں وہ بھی اسی میں شامل ہے جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے موقع پر مسلمان ہوئے اور کعب احبار جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مسلمان ہوئے یا ہمسایہ غلام اقوام میں سے مسلمان ہونے والے مثلاً وہب بن منبہ جو ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے یمن میں رہ کر یہودیوں کی تاریخ اور حبشیوں سے تعلقات قائم کر کے عیسائیوں کی تاریخ معلوم کی، علاوہ ازیں یہ چونکہ یونانی زبان سے بھی واقف تھے اس لیے ان کی معلومات اور وسیع ہو گئیں یہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں انبیاء علیہم السلام کے قصے لکھے، انہیں لوگوں میں سے طاؤس بن کیسان تابعی اور موسیٰ بن سیار اسواری ہیں، ان موسیٰ کے بارے میں جاحظ کا یہ قول ہے:

''کہ وہ دنیا کی حیرت انگیز چیزوں میں سے تھا عربی وفارسی پر ان کو یکساں عبور حاصل تھا وہ اپنی مشہور مجلس میں بیٹھتا تھا تو عرب ان کے دائیں جانب اور ایرانی بائیں جانب بیٹھتے پھر وہ قرآن مجید کی ایک آیت پڑھ کر عربوں کی طرف رخ کر کے اس کی تفسیر عربی میں بیان کرتے اور بائیں جانب رخ کر کے ایرانیوں کو فارسی میں تفسیر بیان کرتے اور یہ معلوم نہ ہوتا کہ کس زبان میں زیادہ خوبی سے بیان کرتے ہیں''۔

ادب عربی میں یونان وروم کے ادب کی بہ نسبت غلام اقوام کے ادب کی تاثیر زیادہ واضح طور پر ہوئی کیونکہ یونان وروم کے باشندوں نے نہ اسلام قبول کیا نہ عربی زبان اختیار کی کہ ادب عربی ان سے بلاواسطہ متاثر ہوتا، یہ خود مختار اقوام تھیں انہوں نے معاشی واقتصادی تعلقات کے علاوہ عربوں سے کچھ واسطہ نہ رکھا، اور عربوں نے تہذیب سے دوری، ان کی زبانوں سے لاعلمی، فتوحات اور

لڑائی جھگڑوں میں مشغولیت، نیز اپنے آداب میں تعصب کی بناء پر ان اقوام میں سے کسی کے ادب کو اپنی زبان میں لانے کے مسئلہ پر غور ہی نہیں کیا لیکن ایرانیوں نے جو ذاتی، معنوی اور وطنی طور پر عربوں میں مدغم ہو رہے تھے از خود براہ راست و بلا درخواست عربوں کے دین اور ان کی زبان پر اثر اندازی شروع کر دی، عربوں کی تمامتر توجہ حکومت چلانے اور فوجی نظام قائم کرنے کی طرف تھی اور ان دو شعبوں سے انہوں نے مفتوح قوموں کو دور رکھا اس لیے یہ مفتوح اقوام علوم شرعیہ کی تحصیل اور فنون ادبیہ کی تکمیل میں مشغول ہو گئے چنانچہ رواۃ حدیث، فقہ کے علمبردار، دفاتر کے منشی اور محرر، شاعر، نحو ولغت کے عالم سب انہیں میں سے ہونے لگے اور اس طرح وہ ہمارے رشتہ میں منسلک ہو گئے اور ان کا ادب ہمارے ادب میں اس طرح گم ہو گیا جیسے بارش کے قطرے سمندر کی موجوں میں فناء ہو جاتے ہیں۔

ادب اسلامی کی قسمیں

شاعری

حضور ﷺ کے زمانے میں شاعری:

ظہور اسلام کے وقت عربوں کی زندگی میں ٹھیٹھ جاہلیت، اکھڑ ذہنیت اور فرقہ وارانہ تعصب بہت مستحکم تھا اور شاعری ان صفات کو ظاہر کرنے اور ان جذبات کو ابھارنے کا ذریعہ بنی ہوئی تھی پھر جب حضور ﷺ نے ان اخلاق فاسدہ کے خلاف اعلان جنگ کیا تا کہ عربوں کے دل آپس میں جڑ جائیں اور ان میں اتحاد پیدا ہو تو اس بات کی ضرورت لازمی طور پر ہوئی کہ شاعری کو بے توقیر کیا جائے اور شاعروں کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے چنانچہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا:

﴿ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴾ [الشعراء : ٢٢٤]

''اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں''۔

نیز فرمایا:

﴿ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ ﴾ [یس : ٦٩]

''اور ہم نے اس (نبی ﷺ) کو شاعری نہیں سکھائی اور نہ ہی شاعری ان کے شایان شان ہے''۔

اور حدیث شریف میں ہے:

''تم میں سے کسی کا منہ شعر و شاعری سے بھرے اس سے بہتر یہ ہے کہ اس کا پیٹ پیپ سے بھر کر سڑ جائے''۔

چنانچہ اکثر مسلمانوں نے شعر گوئی اور اس کی روایت سے بالکل احتراز کر لیا حالانکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ اسلام نے کلی طور پر شاعری کو ناپسند نہیں کیا بلکہ صرف ایسی شاعری کو ناپسند کیا ہے جو باہمی اتحاد و اتفاق کی دھجیاں اڑا دے اور جو دلوں کی پوشیدہ بغض و عداوت کو ابھارے، پھر اسلام نے سارے عرب کو ایک عظیم الشان دعوت میں مشغول کر دیا تو کوئی اس دعوت کا حامی بنا اور کوئی مخالف، حضور ﷺ اور قریش میں سخت جھگڑے ہونے لگے اور انہوں نے کھلم کھلا مخالفت اور نیزوں کا استعمال شروع کر دیا لیکن شعراء عرب غیر جانبدار ہو کر توحید و بت پرستی، جمہوریت و ملوکیت اور محمد ﷺ و قریش کے درمیان ہونے والے معرکہ کے نتیجہ کے منتظر تھے اس جھگڑے میں قریشی شعراء کے علاوہ کسی شاعر نے حصہ نہ لیا اسلام سے قبل قریش میں تمدنی وتجارتی مصروفیات کے باعث شاعر کم تھے لیکن ظہور اسلام کے بعد جھگڑے، مخالفت اور مباحثہ کی وجہ سے ان کی کثرت ہو گئی اس حملہ کی پہل قریش میں سے عبداللہ بن الزبعری، عمرو بن العاص اور ابوسفیان نے کی انہوں حضور ﷺ اور آپ کے متبعین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت ہجو کے ذریعہ بہت تکلیف پہنچائیں جس سے مسلمانوں میں بھی جذبہ شاعری بھڑک اٹھا اور انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ان کو مخالف شاعروں کے جواب میں شاعری کی اجازت دے دیں، تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ:

''جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اپنے ہتھیاروں سے مدد کی ہے ان کو کیا چیز مانع ہے اس بات سے''

کہ وہ اپنی زبانوں سے ان مدد کریں''۔

چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت قریشیوں کے مقابلے کے لیے تیار ہوگئی جن میں حسان بن ثابت، کعب بن مالک اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم قابل ذکر ہیں، یہ شاعرانہ جنگ بالکل جاہلانہ طرز پر تھی نہ مخالفین بتوں کے فضائل بیان کرتے اور نہ مسلمان اسلامی فضائل بیان کرتے جس کے باعث ہم یہ کہہ سکیں کہ شاعری نے فنی اعتبار سے اس زمانہ میں نیا قدم بڑھایا بلکہ وہ اپنے جانے پہچانے طریقے پر ایک دوسرے کی ہجو کرتے جس میں حسب ونسب پر فخر ہوتا سرداری و بزرگی کی ڈینگیں ماری جاتیں اور اس بات کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہوتی ہے آپ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ کہ وہ قریش کے عیوب اور کمزور پہلو خوب جانتا ہے'' نیز یہ قول بھی کہ ''تم قریش کی ہجو کیسے کرو گے حالانکہ میں انہی میں سے ہوں'' اور اس پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا یہ جواب کہ میں آپ کو ان سے اس طرح نکال دوں گا جس طرح گندھے ہوآٹے سے بال نکالا جاتا ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ عہد نبوت میں شاعری اپنے جاہلی طریقہ پر ہی رہی اور ایک مدت بعد جب قریش اور بقیہ عرب اسلام کے سامنے سرنگوں ہو گئے تو تمام بدزبانیں گونگی ہوگئیں اور جاہلی شاعری دوبارہ بھاگ کر صحراء میں پناہ گزین ہوگئی، اور مسلمان قرآن کو یاد کرنے، احادیث کی روایت اور مشرکین کے ساتھ جہاد میں مشغول ہو گئے چنانچہ شاعری کے دواعی اور باعث کی کمی کی وجہ سے شاعری کی آواز مدہم پڑ گئی البتہ وقتاً فوقتاً حقیقی مدح یا سچا مرثیہ کہنے کے لیے وہ ظاہر ہو جاتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر و شاعری کے سننے میں نرمی والا پہلو اختیار کیا بلکہ بعض شاعروں کو انعام بھی دیا اور شاعری کے بارے میں ارشاد فرمایا بعض بیان جادو کی سی تاثیر رکھتے ہیں اور بعض شعر حکمت و دانشمندی سے پر ہوتے ہیں۔

خلفاء راشدین کے زمانہ میں شاعری:

یہ تو عہد نبوت میں شاعری کی حالت تھی اور اس کے بعد تو شاعری کی حالت اور زیادہ ناقابل التفات اور بے وقعت ہوگئی مقابلہ اور مباحثہ کے ختم ہونے کی وجہ سے اور خلفاء کے شعراء کے خلاف سخت تادیبی کاروائی اور عربوں کے فتوحات میں انہماک کی وجہ سے، لیکن دوسری طرف دین اسلام لوگوں کے دلوں میں اثر انداز ہو رہا تھا اور تمدن کی روشی ذہنوں میں پہنچ رہی تھی جس کا ہلکا سا اثر مخضرمین کی شاعری میں نمودار ہونے لگا مثلاً کعب بن زہیر، حطیئہ، معن بن اوس اور نابغہ جعدی، لیکن یہ اثر چند دینی الفاظ مثلاً امر بالمعروف، نہی عن المنکر، صلاۃ، زکوۃ، جنت، نار، مہاجرین وانصار وغیرہ سے آگے نہ بڑھا یہی وجہ ہے کہ ہمارے خیال میں مخضرمین کو علیحدہ طبقہ قرار دینا مبالغہ ہے کیونکہ ان کی شاعری جاہلی طرز پر ہی باقی تھی اور اسلام سے بالکل خفیف سے متاثر ہوئی تھی مثلاً حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی شاعری میں اسلوب کی کمزوری حضرت لبید رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں کم گوئی یا جیسے حطیئہ اور نابغہ جعدی کے کلام میں کثرت اور فراوانی لیکن حق بات وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کی کہ عربی شاعری جاہلیت اور اسلام میں اپنی اقسام کے اعتبار سے عہد بنوامیہ کے اواخر تک ایک ہی ڈگر پر رہی مغلوب اقوام، سیاست وتمدن اور مذہب کے اثر نے اس کو کسی نئے راستے پر نہیں موڑا البتہ اس کے بہت سے گوشوں کو اجاگر کر دیا معانی و مضامین میں وسعت پیدا کر دی جس کی وجہ سے شاعری کے بعض موضوعات کو تقویت پہنچی جیسے ہجو اور بعض میں کوئی نمایاں خصوصیت آ گئی مثلاً غزل۔ اور شاعری میں نئے اطوار کیونکر پیدا ہو سکتے ہیں جب کہ تمام شعراء دیہاتوں

اور جنگلوں سے آتے تھے خود خلفاء بھی صحراء نوردی کے تعصب میں مبتلا تھے، راوی، ادیب اور لغوی سب ہی شعر ولغت کو حاصل کرنے کے لیے دیہاتوں کا رخ کرتے تھے۔

علاوہ ازیں عرب فطرتاً تقلید پسند تھے اور قدیم سیاست اور قدیم اخلاق وروایات کا احترام کرتے تھے، ہم اس بے فائدہ بحث میں پڑنا نہیں چاہتے کہ پہلی صدی ہجری میں شاعری کا ایسا نیا طرز رونما ہو چکا تھا جو ادب عربی میں بنیادی حیثیت کا حامل ہو اس لیے کہ عمر بن ابی ربیعہ کا غزل گوئی میں وہی طرز تھا جو امرء القیس کے تغزل میں تھا صرف اتنا فرق ہے کہ عمر بن ابی ربیعہ کے تغزل میں کچھ شہری خیالات اور تمدنی ترقی کے آثار پائے جاتے ہیں، اسی طرح ہجو گوئی میں جریر اور فرزدق کا طریقہ حطیہ اور شماخ سے کچھ مختلف نہ تھا فرق صرف اتنا تھا کہ جریر وفرزدق کے کلام میں سیاسی مضامین پائے جاتے تھے، لہٰذا ہم اب عہد بنوامیہ میں عراق وحجاز میں شاعری کی تحریک کا تجزیہ، اس کی اہمیت اور عربوں کے لیے عقل ومواد کی فراہمی میں اس کی خدمات کا ذکر کرتے ہیں۔

قحطانیت، عدنانیت، علویت، بکریت، ہاشمیت، امویت، عربیت اور قومیت کی آگ مسلمانوں کے اندر ہی اندر اس طرح سلگ رہی تھی جیسے لاوا پھٹنے سے پہلے پہاڑ کے اندر ابلتا ہے لیکن یہ اندرونی آگ حکام کی سیاست اور ان کے نظام حکومت کے لحاظ سے کبھی ہلکی ہو جاتی اور کبھی تیز ہو جاتی قبائل عرب اسی تعصب والے فکر کے ساتھ مختلف شہروں میں بستے تھے خود بصرہ وکوفہ اسی خیال کے پیش نظر آباد کیے گئے تھے، ایران، شام، عراق اور اندلس سے اس خیال کی مخالفت ہو رہی تھی اور اس تمام کوشش کا مدعا قیادت و امامت کا حصول تھا جو شخص زمانہ جاہلیت میں سردار تھا اس کی خواہش تھی کہ اسلام میں بھی وہ سردار بنے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عربوں نے اس نئے مذہب کو اس کے سوا کچھ نہ سمجھا کہ یہ بھی حصول اقتدار، غلبہ، سرمایہ اور حکومت تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے فقط، آپ کو یاد ہوگا کہ بعض قبائل سرداروں مثلاً قیس بن عاصم، احنف بن قیس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ وہ دین اسلام میں داخل ہونا چاہتے ہیں لیکن یہ سمجھ کر نہیں کہ یہ دین حق ہے بلکہ صرف اس لیے کہ آپ کے بعد حکومت واقتدار ان کو مل جائے۔

قبائلی تعصب کی یہ روح حضرات شیخین (حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما) کے زمانہ میں ان کی حسن تدبیر اور عدل وانصاف نیز عربوں کے جہاد، مال غنیمت اور فتوحات میں مشغولیت کی وجہ سے دبی رہی لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ زمام اقتدار کے حامل ہوئے تو ان کے ہاتھ کمزور ہو گئے اور انہیں دوسرے ہاتھ نے سہارا دیا، خیالات میں اختلاف ہونے لگا اب صرف خلیفہ ہی رائے دینے والا نہ تھا بلکہ آپ کے خاندان والوں نے بھی عربی قومیت کو چھوڑ کر اموی تعصب کو سامنے رکھتے ہوئے حکومت شروع کر دی، یہ وہ زمانہ تھا جب کثرت فتوحات کی وجہ سے مسلمانوں کے پاس بے حد مال ودولت آ رہی تھی، اور یہ فتنہ جاگ اٹھا اور انقلاب برپا ہو گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اس کا اختتام ہوا لیکن فوراً ہی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما میں نئی لڑائی چھڑ گئی حضرت امام شہید کر دیئے گئے نظام حکومت درہم برہم اور حکومت اسلامی کا شیرازہ بکھر گیا، عرب دشمنوں سے جہاد کرنے کی بجائے آپس ہی میں زبان وتلوار کی جنگ لڑنے لگے اور بہت سی جماعتوں میں بٹ گئے جن میں سے کچھ دیندار تھیں اور کچھ دنیادار۔ شام میں بنوامیہ کے حامی تھے جو ان کے لیے حکومت وامارت کی راہ ہموار کر رہے تھے، حجاز میں ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے حامیوں کی جماعت تھی جو ان کے دعویٰ کی حمایت اور ان کی آواز پر لبیک کہنے والی تھی، عراق میں ایک جماعت اہل بیت کی حامی تھی جو ان کے خلافت کے حق دار ہونے کی مدعی تھی ایک

جماعت جمہوریت پسند تھی جو ان تمام جماعتوں کے مخالف تھی اور ان سب کو کافر کہتی تھی وہ خلافت کے بارے میں عوام کے مشورہ کی قائل تھی، مذکورہ بالا چاروں جماعتیں ایسی تھیں جن میں مسلمانوں کی آراء بٹ گئی تھیں سوائے ایک مختصر سی جماعت کے کہ جو ان جھگڑنے والوں کا فیصلہ کل قیامت کے دن اللہ پر چھوڑے ہوئے تھی یہ جماعت مرجئہ کہلاتی ہے، باقی جماعتوں میں جھگڑے ہونے لگے اور ہر فریق دوسرے کے ساتھ انتہائی سختی سے پیش آتا لیکن جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ علی الاطلاق اقتدار کے حامل ہو گئے تو آپ نے اپنے مخالفین کے ساتھ حسن تدبیر کے ساتھ نرمی، چشم پوشی اور بخشش و انعام کا معاملہ کیا جس کی وجہ آپ کی زندگی تک حکومت منظم طریقہ سے چلتی رہی صرف خوارج نے کہیں کہیں بدنظمی پیدا کی لیکن آپ کے انتقال کے فوراً بعد ہی آپ کی سیاست کا وہ نشہ جو ان کے دشمنوں کو بے حس کیے ہوئے تھا وہ کافور ہو گیا اور انہوں نے ان کے تخت کو ہلا ڈالا آخر کار مروان اور اس کے بیٹوں نے اس کو سنبھالا وہ اس کو بچا کر اس پر بیٹھ گئے لیکن عبدالملک کے زمانے میں جھگڑے پھر نازک شکل اختیار کرتے چلے گئے اور لڑائیاں ہونے لگیں خلافت کے دعویدار بڑھتے گئے عربوں کا دائرہ حکومت وسیع ہو گیا مال غنیمت کے چشمے پھوٹ پڑے اور جس نسل نے زمانہ اسلام میں جنم لیا تھا وہ اب کمال شباب پر پہنچ گئی اور فتوحات کے ثمرات چننے لگی تمدن کے جمال سے خوب نفع اٹھایا اور مختلف جماعتوں میں مل کر ان فتنوں میں اپنی زبان اور ہاتھ سے ان کا ساتھ دیا اور ادب عربی اپنی انتہا کو پہنچ گیا پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ شاعری اس پر ہنگامہ زندگی، تعصب پرستی جنگجو جماعتوں اور مختلف خیالوں سے بچی رہتی حالانکہ عربی شاعری ہی اس جنگ وجدل کی پروردہ تھی، جسے فرقہ پرستی ابھارتی ہے اور جنگ قوت بخشتی ہے جدائی ڈالنے والے شیاطین اس کے مضامین شعراء کے دل میں ڈالتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ان فتنوں کا ایندھن اور ان فرقوں کی زبان، شاعری ہی تھی، جھگڑنے والے شاعری سے وہی خدمت لیتے جو اس زمانہ میں اخباروں اور رسالوں سے لی جاتی ہے، یہی شاعری اپنے لیڈروں کی حفاظت اور ان کے افکار و خیالات کی حمایت کرتی تھی اور جس عقیدہ کے وہ حامی تھے اسی رنگ میں رنگی ہوئی تھی اب جبکہ آپ کو معلوم ہو گیا کہ تمام عرب نے اس جھگڑے میں حصہ لیا تھا اور عربوں کی اکثریت شاعر ہے خاص طور پر ایسے ہنگاموں میں پھر بنو امیہ نے شاعروں کو مال دے کر اپنی طرف مائل کرنا شروع کر دیا تھا اور شاعروں میں باہمی مقابلہ اور ہجو کی آگ بھڑکا دی تھی نیز یہ کہ شاعری اس وقت ایک جداگانہ پیشہ بن گئی تھی جس پر بہت سے لوگوں کا گزارہ تھا، تو آپ کو عبدالملک کے زمانہ میں شاعری کی کثرت اور شعراء کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ معلوم ہو جائے گی اس زمانہ میں وہاں نامور اور بلند پایہ شعراء کی تعداد سو تک پہنچ چکی تھی، اس میں شک نہیں کہ شاعری اپنے پرانے انداز و مزاج ہی پر قائم رہی تاہم وہ اس نئی زندگی سے بھی مضامین و مقاصد اخذ کرنے میں نمایاں طور پر متاثر ہوئی لیکن یہ زندگی صرف سیاسی جھگڑوں اور دینی بحثوں ہی میں محدود نہ تھی کہ اس کا اثر اسی حد پر ختم ہو جاتا، بلکہ اس زندگی کے دوسرے پہلو بھی تھے جن کو شاعری کے اثرات بیان کرنے سے قبل بتا دینا بہتر ہو گا۔

عمومی نظر

عراق: ان سیاسی اور اجتماعی اختلافات کا لازمی نتیجہ تھا کہ عربی زندگی میں اس کے مظاہر مختلف ہوں، عراق جو زمانہ قدیم سے اپنی زرخیزی اور شادابی کی وجہ سے عربوں کی تلاشِ معاش کا مرکز تھا عرب اس کے اطراف و اکناف میں اسلام سے پہلے ہی پناہ گزین ہو

چکے تھے یہاں ایرانیوں کی زبان اوران کی حکومت تھی اس لیے انہوں نے مناذرہ کی حکومت بنائی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب عربوں نے اسے فتح کرلیا تو وہاں آباد ہونے لگے اور دیہاتی سرحدوں پر کوفہ و بصرہ کو آباد کرلیا، عراق میں پچھلی قوموں کے علم و ادب اور مذہب کا وافر ترکہ موجود تھا لیکن اسے ہضم کرنے کی جو قوت مصر میں تھی وہ عراق کو میسر نہ ہوئی جس کے ذریعہ وہ اپنے باشندوں کو ایک قوم اور ایک ذہنیت کا بنادیتا چنانچہ وہاں کے باشندوں کے خیالات پراگندہ اور دل منتشر ہوگئے نیز خود عرب بھی وہاں نزاری اور یمنی تعصبات لے کر پہنچے تھے پھر اسی سرزمین میں اسلام کے المناک واقع مثلاً جنگ جمل اور ائمہ و قائدین کی شہادت پیش آئے جن کی وجہ سے شیعہ اور خوارج وجود میں آئے نیز بنوامیہ کی سخت مخالفت، بصریوں کا کوفیوں سے سیاسی، دینی اور علمی مسالک میں شدید اختلاف، بصرہ عثمانی اور کوفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وہاں قیام کے بعد علوی ہوگیا تھا، جزیرہ فراتیہ میں یا تو عیسائی آباد تھے یا پھر خوارج اس لیے کہ وہ خاندان ربیعہ کا مسکن تھا جو بقول اصمعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہر فتنہ کی جڑ تھا، بنوتغلب بھی ربیعہ میں سے تھے جن کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے عرب کے خنزیرو! اللہ کی قسم اگر یہ حکومت میرے پاس آ گئی تو میں تم پر ضرور جزیہ لگاؤں گا''۔

عراقی شاعری اسی باہمی منافرت، پریشان انقلابی زندگی کی تصویر ہے اسی لیے پرزور اور سخت متشدد ہے اس میں ہجو اور فخر بہت زیادہ ہے قبائلی تعصب، وطنی، مذہبی، اور قومی جماعت بندیاں اس میں مختلف رویوں میں ظاہر ہوئی ہیں اور جاہلی جھگڑے اسلامی تعلیمات سے زیادہ پائے گئے ہیں اس پر مستزاد، بدوی ماحول اور اموی انعامات ہیں، اس طرح یہ شاعری پھلی پھولی اور اتنی وسعت اختیار کرگئی کہ ہر زبان اس میں مشغول ہوگئی اور یہ ہر جگہ جا پہنچی اور اس نے ہر اصول و مقصد کی ترجمانی کی۔

حجاز: حجاز اسلامی سرچشمہ تھا اس دریائی چشمہ کی طرح جس سے خاموشی اور نرمی کے ساتھ صاف شفاف پانی پھوٹ رہا ہو لیکن جوں جوں وہ دور پہنچتا جائے راہ میں آبشاروں کے ملنے اور طوفانی امواج کے پیدا ہونے سے اس کا پاکیزہ اور میٹھا پانی گدلا ہونا شروع ہو جائے اور اس کا زور و شور بڑھتا جائے پھر وہ متفرق ندی، نالوں میں چلا جائے جن میں سے کچھ تو بنجر زمینوں میں تھے اور کچھ زرخیز علاقوں میں چنانچہ کچھ علاقوں کو سیراب کر دے اور دوسرے بعض کو زیرآب کر دے، یہاں سے خلافت، باہمی مخالفت اور علم، شام و عراق کی طرف منتقل ہوگیا حجاز جیسے پہلے تھا اور آج بھی ہے ویسا ہی رہ گیا جو ہر علاقہ سے مال و امداد کو قبول کرتا ہے۔ بنوامیہ نے اپنی سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر ہاشمی نوجوانوں کو وہاں بند کر دیا تھا کہ وہ بلا اجازت یہاں سے نہیں جاسکتے تھے اور ان کو ہر طرح کی آسائش دے کر مال و دولت میں بہلا کر حکومت سے بیگانہ کر کے عیش کوشی کا عادی بنادیا تھا علاوہ ازیں انہیں اپنے آباء واجداد مجاہدین سے مال غنیمت اور باندی میراث ملے تھے اس کے ساتھ ساتھ اہل حجاز فطرتاً خوش مذاق، وسیع ظرف، نرم دل، حساس تھے ان میں قوتِ گویائی، کھیل کود اور تفریحی مشاغل کی دلچسپی موجود تھی چنانچہ وہ عیش و آرام میں مست ہو کر بے فکری سے مزے اڑانے لگے اور اپنے روز و شب رنگارنگ کی صحبتوں اور خوش گپیوں میں گزارنے لگے، ہنسی، مزاح اور تفریحی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہ ہوگا جہاں وہ نہ پہنچے ہوں حج کعبۃ اللہ انہیں حسین عورتوں اور گانے والیوں سے ملانے کا ذریعہ بنا ہوا تھا، اس صورت حال نے تمام گانے والوں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور وہ اطراف مملکت سے مکہ و مدینہ میں کھنچے آئے نوبت یہاں تک پہنچ گئی بقول اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ ایک وقت میں وہاں ذیل کے گویے جمع ہوگئے تھے: ''ابن سریج، غریض، معبد، حنین، ابن محرز، جمیلہ، ہیت، طویس، دلال، برد الفواد، نومۃ الضحیٰ، رحمت، ہبۃ اللہ،

مالک، ابن عائشہ، ابن طنبورہ، عزۃ المیلاء، حبابہ، سلامہ، بلبلہ، لذۃ العیش، سعیدہ، زرقاء، ابن مسجح''۔

حتیٰ کہ گانا لوگوں کے کاروبار اور دوسرے رجحانات پر بھی غالب آ گیا، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ایک قصہ بیان کیا ہے کہ:

''بچپن میں میں گویوں کے پیچھے لگا رہتا تھا اور ان سے گانا سیکھتا تھا، ایک دن میری ماں نے مجھ سے کہا بیٹا! گویا اگر بدشکل ہو تو کوئی اس کا گانا نہیں سنتا لہٰذا تم گانا چھوڑ و اور فقہ حاصل کرو کیونکہ اس میں بدصورتی کچھ نقصان نہیں پہنچاتی اس پر میں نے گویوں کی صحبت چھوڑ دی اور فقہاء کے پاس رہنے لگا چنانچہ خدا نے مجھے اس مرتبہ پر پہنچا دیا جس پر تم مجھے اب دیکھ رہے ہو''۔

انہی اسباب کی وجہ سے بلاد حجاز میں عشق و محبت کا چرچا عام ہو گیا تھا اور ان کے جذبات نازک ہوتے چلے گئے تھے چنانچہ وہ شاعری میں شائستہ، نازک اور سچی غزلوں کے راستے پر چلے حتیٰ کہ شاعری کی یہ قسم ان کی جدت نگاری اور نیرنگی اسالیب کی وجہ سے ان سے شروع ہوئی اور انہی پر ختم ہو گئی۔

شام: شام کا علاقہ ذاتی جھگڑوں اور سیاسی اختلافات سے بچا رہا کیونکہ اہل شام بنو امیہ کے ماتحت ہو کر ان کے مخلص، وفادار اور مؤید بن گئے تھے، اس میں نہ تو حجاز کی طرح آتش جذبات بھڑک رہی تھی اور نہ ہی عراق کی طرح مختلف پراگندہ خیالات کی کشمکش تھی، خلفاء نے بھی اس علاقہ کو بے ضرر سمجھتے ہوئے اپنے حال پر چھوڑ دیا اور کسی کے خلاف اس کے تعصب کو نہ ابھارا، نہ ہی مال و دولت سے اس کے جذبۂ لالچ کو برانگیختہ کیا چنانچہ یہاں کی شاعری خمیدہ ہی رہی نہ کسی محرک نے اسے ابھارا اور نہ اس کے مطالعہ اور اشاعت کی طرف کسی محقق نے زیادہ توجہ دی، یہاں شاعری کا اکثر حصہ ان شعراء کا تھا جن کو عراق و حجاز سے قصر شاہی کی سخاوت یا حکمت عملی کھینچ لائی تھی یا پھر وہ ادباء جنہیں خلفاء کسی مشکل لغوی، نحوی یا ادبی مسئلہ کے حل کے لیے بلاتے تھے۔

عراقی شاعری کی خصوصیات:

شاید عراق کی اسلامی شاعری بدوی زندگی کی سچی عکاس اور نفسیات عرب کی صحیح ترجمان ہے کیونکہ بقول ہمارے اگرچہ شاعری جاہلی طرز پر ہی باقی رہی تھی، اسی کے زور سے محرک تھی اور اسی کے چشموں سے پھوٹ رہی تھی، یہ شاعری پاکیزہ جملوں، واضح اسباب پر مشتمل تھی اور نسبت کی صحت میں بالکل مکمل تھی اس لیے کہ یہ تدوین علوم کے زمانہ کے قریب تھی اور سیاسی ذرائع و تاریخی واقعات کے ساتھ اس کا اتصال تھا اور یہی اس تمدنی زندگی کا مظہر تھی جو اسلام نے شروع میں عربوں کو دی، جس نے متفرق جماعتوں میں ایسی یگانگت پیدا کر دی تھی کہ بظاہر جمعیت و محبت نظر آتی تھی اگرچہ باطن میں دشمنی اور تفرقہ بازی تھی یہ شاعری آپس میں ایک دوسرے کی ہجو، جماعتوں کے باہمی مقابلہ و مباحثہ اور قبائل کے باہمی فخر، سرداروں اور خلفاء کی مدح پر مشتمل ہے اور یہ موضوعات ایسے ہیں کہ ان کے لیے عمدہ الفاظ، پختہ اسلوب، طویل بحر اور بدوی طریقہ لازمی ہیں، ہجو گوئی میں شاعری کا زیادہ مدار آباء و اجداد کے عیوب مثلاً بزدلی، بخل، کمزوری، ذلت پر تھا، اور مدح و فخر میں اپنے گذشتہ خونی واقعات کے ذکر پر اور اپنے اسلاف کے غلبہ اور لوٹ مار کے ذکر پر تھا۔ ہجو کی خاص و عام تمام اقسام کا مظہر اس زمانہ میں عراق ہی تھا کیونکہ آپس میں لڑنے والے قبائل وہاں جمع تھے اور نئے نئے مذاہب وہاں پیدا ہو رہے تھے اور اس کے باشندوں پر بدویت، تکبر اور نخوت کا غلبہ تھا اسی وجہ سے وہاں کے شعراء عام طور سے ہجو سے

شاعری کی ابتداء کرتے اسی میں نئے نئے طریقے نکالتے اور اسی پر گذارہ کرتے تھے، ہجوگوئی ان کے یہاں مختلف اسباب و ذرائع اختیار کر کے رنگا رنگ کے لباس پہن لیتی، وہ شخصی، خاندانی، وطنی، دینی اور سیاسی شکل میں رونما ہوتی لیکن حقیقت میں ان سب میں باعث ایک ہی تھا یعنی موروثی عصبیت اور پرانی دشمنی:

و قد ینبت المرعٰی دَمِن الثریٰ وتبقٰی حزازات النفوس کما ھیا

''کبھی نمناک زمین پر بھی گھاس اگ آتی ہے لیکن دلوں کی کدورتیں اور عداوتیں اپنے حال پر باقی رہتی ہیں''۔

اخطل:

یہ شعر غیاث بن غوث اخطل کا ہے جو کہ جزیرہ کی آواز اور تغلب کی زبان، عیسائی ادیب اور بنوامیہ کا شاعر تھا اس نے اپنی شاعری کی ابتداء ہجو کے ذریعہ کی، کمسنی میں اس نے اپنے باپ کی بیوی کی ہجو کی، جوان ہو کر تغلب کے شاعر کعب بن جعیل کی ہجو کی اور اس کو بے عزت و بے آبرو کر دیا اسی گستاخی کی وجہ سے اسے جوانی ہی میں اخطل (بیوقوف) کا لقب مل گیا تھا، پھر وہ ان جھگڑوں کو جو اس کے ساتھ ہوتے یا اس کے قبیلہ کے، دیگر قبائل کے ساتھ ہوتے نظم کرنے لگا حتیٰ کہ ایک مرتبہ ولی عہد یزید بن معاویہ اور عبدالرحمٰن بن حسان انصاری کے درمیان بحث و تکرار ہوئی تو یزید نے کعب بن جعیل سے کہا کہ انصار کی ہجو کرے انہوں نے یہ کہا کہ ان لوگوں نے حضور ﷺ کو پناہ دی تھی میں ان کی ہجو نہیں کرتا اور کہا کہ میں تمہیں ایک پختہ کار بدکار شاعر یعنی اخطل کی نشان دہی کرتا ہوں چنانچہ اخطل نے انصار کی ہجو کی اور ان کو کاشتکاری، کمینگی اور شراب نوشی کے طعنے دیئے اور اپنے قصیدہ رائیہ میں قریش کو انصار پر فضیلت دی، اس حرکت کے بعد وہ بڑی مشکل میں پڑ جاتا اگر یزید کی مدد اس کے ساتھ نہ ہوتی، بنوامیہ نے اس کا بہت اعزاز و اکرام کیا اور اس نے بھی بنوامیہ کی حمایت میں کسر نہ رکھی، پھر انصار کے بعد زبیریوں کے خلاف بولنے لگا، پھر قبائل قیس کا رخ کیا اور اپنے اس قصیدہ کے ذریعہ جس کا مطلع درج ذیل ہے ان کے ایک ایک قبیلہ کا پردہ چاک کر دیا:

ألا یا أسلمی! یا ھندُ ھندَ بنی بکر و ان کان حیّانا عِدیً آخر الدھر

''اے ہند! بنو بکر کی ہند تو سلامت رہ اگرچہ ہمارے قبیلے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کے دشمن ہیں''۔

اس لیے کہ ایک طرف تو قبائل قیس نے امویوں سے دشمنی کر رکھی تھی دوسری طرف وہ جزیرہ میں شاعر کی قوم پر غلبہ پائے ہوئے تھے، پھر اس نے اپنی بقیہ زندگی فرزدق کی ہمراہی میں جریر کی ہجو کرتے ہوئے گزار دی، اخطل باوجود اس کے کہ خلفاء سے گہرے تعلقات تھے عیسائی مذہب کا سختی سے پابند تھا جیسا کہ عربوں کی طبیعت ہے، پادری لامنس یسوعی اس کے متعلق ایک فصل میں لکھتا ہے:

''اخطل کے دین میں عیسائیت کا رنگ ہلکا سا تھا اور اس کی عیسائیت غیر مہذب قوموں کی طرح سطحی تھی''۔

وہ دین کی آڑ میں مستقل مے نوشی کرتا رہا: ''خلیفہ کی پناہ میں آ کر خوب ہجو کرتا، تغلب کی پشت پناہی میں تمام قبیلوں پر حملہ کرتا لیکن اس کی ہجو کے الفاظ پاک اور مہذب ہوتے جن میں نہ مبالغہ آمیزی ہوتی اور نہ اخلاقی حدود سے تجاوز''۔

فرزدق:

ابوفراس ہمام بن غالب فرزدق دارمی ثم تمیمی بھی اسی طرح بصرہ میں ہجو کہتا تھا باوجودیکہ معزز و مالدار گھرانے کا شریف النفس

فرد تھا، بدخلقی اور طبیعت میں سختی کی وجہ سے اپنے ہی خاندان والوں کی ہجو کرتا تھا جب لوگ اس کے باپ سے شکایت کرتے تو وہ اس کی پٹائی کرتا، پھر وہ لوگوں کی ہجو کرنے میں اس حد تک پہنچ گیا کہ لوگ اس کی شکایت لے کر والی عراق زیاد جو کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے گورنر تھا گئے زیاد نے اس کی طلبی کی تو وہ بھاگ کر عراق کے دوسرے شہروں اور قبیلوں میں چلا گیا پھر آخر کار مدینہ پہنچا اور وہاں کے والی سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے زیاد سے بچنے کے لیے پناہ مانگی جنہوں نے اسے پناہ دے دی، پھر جب زیاد مر گیا تو شاعر اپنے وطن واپس لوٹ آیا اور ان لڑائیوں میں شریک ہوا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کے مرنے کے بعد واقع ہوئیں حتیٰ کہ مقدر نے اسے جریر کے ساتھ ہجو گوئی میں مشغول کر دیا پھر اس کی تمام توجہ اسی طرف ہوئی اور اس کی زندگی کو مصروف بنا دیا اور اس کی شاعری کو چمکا دیا چالیس سال سے زیادہ یہ سلسلہ عوام کے لیے ایک دلچسپ مشغلہ، ارباب سیاست کے لیے سامان دل بستگی، ادب عربی کے لیے عظیم الشان سرمایہ بنا رہا جو فحش کلامی اور سفلہ پن کے باوجود حکمت سے خالی نہیں ہے۔

جریر:

جریر بن عطیہ خطفی تمیمی نے بھی فرزدق واخطل کی طرح نوعمری ہی میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا اور ان کی طرح ہجو یہ شاعری کی لیکن چرواہوں کے طرز پر اپنی شاعری کی ابتداء رجز سے کی کیونکہ یہ چرواہا تھا اس کے قبیلہ کی گمنامی، خاندان کو پستی، باپ کی ناداری اور اخلاق کی درشتی یہ ایسے اسباب ہیں جنہوں نے اس کی طبیعت کو شاعری میں کمال اور ہجو گوئی میں امتیاز حاصل کرنے کے لیے مدد دی، اس نے سب سے پہلے غسان سلیطی کی قوم کی ہجو کر کے اس کو لاجواب وزیر کیا جس پر سلیطی نے بعیث شاعر سے مدد مانگی اور اس نے جریر کی ہجو کی جس کے جواب میں جریر نے بہت سخت ہجو کی، ادھر فرزدق کی جریر کے ساتھ کوئی باہمی رنجش تھی تو اس نے بعیث کی حمایت میں جریر کی ہجو کہی، پھر تو ان دونوں تمیمی شاعروں میں زوروں کا مقابلہ ہوا، اخطل نے بھی اس مقابلہ میں فرزدق کو جریر پر فوقیت دی یا تو قیس کی مدافعت میں یا پھر محمد بن عمیر سے رشوت لینے کی وجہ سے اس پر جریر نے اخطل کی بھی ہجو کہہ دی پھر تو ہر طرف سے اس پر ہجو کی بوچھاڑ ہو گئی حتیٰ کہ اسی (۸۰) شاعروں نے اس سے مقابلہ کیا اور یہ سوائے اخطل وفرزدق کے سب پر غالب رہا البتہ یہ دونوں اس کے مقابلہ میں ثابت قدم رہے اور غلبہ کی کوشش کرتے رہے جریر وفرزدق کی اس لڑائی میں لوگوں کے بھی دو گروہ بن گئے کچھ ایک شاعر کے طرفدار بن گئے، کچھ دوسرے کے، ان دونوں فریقوں میں بھی اسی طرح کے جھگڑے ہونے لگے جس طرح علویوں اور امویوں میں ہوتے تھے، ان میں سے ہر فریق کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ دوسرے پر غالب آ جائے کسی طرح بھی پروپیگنڈہ کر کے یا لالچ دے کر یا ڈرا دھمکا کر یا کسی قبیلہ کی حمایت لے کر فرزدق کے حمایتیوں کا تربد میں اجتماع ہوتا اور جریر کے حامیوں کا بنی حصن کے قبرستان میں، ہر شاعر اپنے حامیوں میں اپنا کلام سناتے جسے اس کے ساتھی لکھ لیتے اور راوی اسے مشہور کر دیتے، ادباء اور امراء ان کے کلام میں موازنہ کرتے اور اس کے متعلق فیصلہ کرتے، انصار ومعاونین شعراء کو رشوت دیتے علماء کو اپنا طرفدار بناتے تاکہ فیصلہ ان کے شاعر کے حق میں کریں چنانچہ صاحب ''اغانی'' نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے چار ہزار درہم اور ایک گھوڑا اس شخص کو دیئے جس نے فرزدق کو جریر پر فوقیت دی، ان کے معاملہ میں لوگوں کی دلچسپی اور اہتمام اتنا ہو گیا تھا کہ دو لشکر آپس میں لڑائی کرنے والے تھوڑی دیر صرف اس لیے رکے کہ کوئی خارجی ادیب بنو مہلب کے ان دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کر دے جو فرزدق وجریر کے بارے میں جھگڑ

رہے تھے چنانچہ ابن سلام نے ذکر کیا ہے کہ مہلب کا لشکر جب خوارج سے برسرپیکار تھا تو مہلب کے لشکر میں دو آدمیوں کا فرزدق و جریر کے بارے میں جھگڑا ہو گیا وہ مہلب کے پاس گئے تو اس نے کہا کہ میں ان کے بارے میں کچھ نہیں کہتا اور مفت کی برائی مول لینے کو اس نے ناپسند کیا اور کہا کہ میں تمہیں ایسا شخص بتاتا ہوں جو ان دونوں کی ناراضگی کو برداشت کرسکتا ہے ''عبید بن ہلال'' وہ اس وقت قطری بن فجاءۃ مدمقابل کے لشکر میں تھا یہ دونوں گئے اور لشکر گاہ کے قریب پہنچ کر اسے آواز دی وہ اس خیال سے کہ مقابلہ کے لیے بلا گیا ہے اپنا نیزہ گھسیٹتے ہوئے باہر نکلا تو انہوں نے کہا کہ فرزدق بڑا شاعر ہے یا جریر اس نے جواب دیا تم پر اور ان دونوں پر خدا کی لعنت ہو انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے سوال کا جواب دیں پھر جہاں تم چاہو ہم چلے جائیں گے اس نے پوچھا یہ شعر کس کا ہے:

وطوىٰ القياد مع الطراد بطونها   طيّ التجارة بحضر موت برودا

''پیہم سفروں اور لگاتار تعاقب نے ان کے پیٹوں کو اس طرح لپیٹ دیا ہے جس طرح تاجر حضر موت میں چادروں کو لپیٹتے ہیں''۔

انہوں نے کہا یہ تو جریر کا ہے کہنے لگا بس یہی بڑا شاعر ہے۔

عراقی شعراء کا ایک گروہ عبید راعی، ابوالنجم العجلی، اور راجز کی طرح تھا جنہوں نے شاعری کو ناخنوں اور نوکیلے دانتوں کی مانند بنا کر لوگوں کی عزت و آبرو کو تار تار کیا اور بدگوئی فحش کلام لوگوں میں پھیلایا لیکن کسی کی شاعری اتنی بلند نہ ہوئی اور نہ ہی کوئی ایسا نامور ہوا جیسے فرزدق، جریر و اخطل ہوئے، کیونکہ بقول ابوعبیدہ ان تینوں کو شاعری کا وہ حصہ دیا گیا تھا جو اسلام میں کسی اور کو نہیں دیا گیا ان لوگوں نے جن کی تعریف کی انہیں معزز کر دیا اور جن کی مذمت کی ان کو بالکل بے وقعت کر دیا اور جنہوں نے ان کی ہجو کی اور انہوں نے جواب دیا تو وہ اسی وجہ سے مشہور ہو گئے اور جن کی ہجو کا انہوں نے جواب دینا ضروری نہ سمجھا وہ ان کی اس بے توجہی سے خود ہی گر گئے۔

اخطل، فرزدق و جریر کا ہجویہ شاعری میں مسلک:

ہجو میں ان کا وہی پرانا طرز تھا جو پہلے سے چلا آ رہا تھا البتہ ان کے طبقہ اور ماحول اور طبائع کے مختلف ہونے سے ہجو میں کچھ فرق بھی پایا جاتا ہے۔

اخطل اپنی قوم کا سردار، شریف النسب، پاک طینت تھا، شراب نوشی کا عادی تھا اور بادشاہوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا وہ دین کا احترام کرتا تھا اور اپنے مذہب کی خاطر پادری کی عار اور قید و بند کی تکلیف بھی برداشت کرتا تھا لیکن کامل زاہد و عابد نہ تھا انہی وجوہ کی بناء پر اس کی ہجو میں زبان خواص کی زبان ہوتی تھی جس میں گندے الفاظ اور شرمناک مضامین نہ ہوتے تھے بلکہ وہ اپنے مدمقابل کی مردانہ صفات پر حملہ کرتا اور اس کو سخاوت، شجاعت، بزرگی اور راست بازی سے عاری بتلاتا جیسے قبیلہ تیم کے متعلق کہتا ہے:

وكنت إذا لقيت عبيد تيم   وتيما قلت أيهما العبيدا

میں جب تیم کے غلاموں اور ان کے سرداروں سے ملتا ہوں تو پوچھتا ہوں کہ ان میں سردار کون ہے اور غلام کون سا ہے۔

لئيم العالمين يسود تيما   وسيدهم وإن كرهوا مسود

تیم کا سردار دنیا بھر کا کمینہ انسان بنتا ہے اور ان کا سردار غلام ہی رہتا ہے اگرچہ وہ ان کو ناپسند ہو۔

اور کلیب بن یربوع کے بارے میں کہتا ہے:

بئس الصحاب وبئس الشرب شربهم إذا جرى فيهم المزّاء والسكر

یہ بدترین ساتھی اور بدترین شرابی ہیں جب شراب ان کی رگ و پے میں دوڑے۔

قوم تناهت إليهم كل مخزية وكل فاحشة سبت بها مضر

یہ ایسے لوگ ہیں کہ ہر ذلت و رسوائی کا سلسلہ ان پر ختم ہو چکا اور جو گالی بھی خاندان مضر کو دی گئی وہ ان کے پاس پہنچ کر رک گئی۔

الآكلون خبيث الزاد وحدهم والسائلون بظهر الغيب ما الخبر

یہ لوگ خبیث غذا کھاتے ہیں اور وہ بھی اکیلے ہی، اور دور دور سے پوچھتے ہیں کیا خبر ہے۔

وأقسم المجد حقاً لا يحالفهم حتى يحالف بطن الراحة الشعر

شرافت نے ٹھیک ہی قسم کھائی ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ نہ رہے گی جب تک کہ ہتھیلی پر بال نہ اگ آئیں۔

اور شاید اس کی سب سے فحش ہجو وہ ہے جو اس نے جریر کی قوم کے بارے میں کہی:

قوم إذا استنبح الضيفانُ كلبهم قالوا لأمهمُ بولي على النار

یہ ایسی قوم ہے کہ جب مہمان ان کے کتے کی آواز سن کر ان کی اقامت گاہ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو یہ اپنی ماں سے کہتے ہیں کہ آگ پر پیشاب کر دے۔

فتمنع البول شحاً أن تجود به ولا تجود به إلا بمقدار

لیکن وہ بھی بخل کی وجہ سے زیادہ پیشاب نہیں کرتی بلکہ ایک اندازے سے کرتی ہے۔

والخبز كالعنبر الهندي عندهم والقمح خمسون أردباً بدينار

روٹی ان کے یہاں ہندوستانی عنبر کی طرح کمیاب ہے حالانکہ گندم کی ارزانی اتنی ہے کہ ایک دینار میں پچاس اردب (تقریباً ۶۰ من) ملتی ہے۔

اسی طرح آپ اس کو دیکھیں گے کہ اپنے مدمقابل کو عار دلانے اور دکھ پہنچانے میں اس کے ذاتی عیوب پر پکڑ نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے قبیلہ کا مدمقابل کے پورے قبیلہ سے مقابلہ کرتا ہے اور بلند کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور مقابلہ کی دوڑ میں سبقت لے جانے پر مقابلہ کرتا ہے، اور انہی مضامین میں وہ اپنے لیے کافی شافی مواد پاتا ہے چنانچہ وہ جریر کی طرح مجبور ہو کر جلدی کے راستے ذلیلانہ غلبہ حاصل کرنے کے لیے معمولی معمولی عیوب نہیں بیان کرتا، جریر کے بارے میں اس کے اشعار ملاحظہ کریں:

يا ابن المراغة إن عمي اللذا قتلا الملوك وفككا الأغلالا

اے ابن مراغہ! میرے دو چچا ایسے ہیں جنہوں نے بادشاہوں کو قتل کیا اور قید و بند کھول دیئے۔

وأخوهم السفاح ظمأ خيله حتى وردن جبيّ الكلاب نهالا

اوران کا بھائی سفاح جس نے گھوڑوں کو پیاسا رکھا یہاں تک کہ وہ پانی پینے کے لیے بنوکلاب کے حوض پر اترے۔

فانعق بضأنك يا جرير فإنما منتك نفسك في الخلاء ضلالا

اے جریر تو اپنی بھیڑوں کے گلہ کو آواز دے کیونکہ تنہائی میں تیرا دل تجھے گمراہ کن آرزوئیں دلاتا ہے۔

منتك نفسك أن تكون كدارم أو أن توازي حاجباً وعقالا

وہ تجھے یہ آرزو دلاتا ہے کہ تو دارم کی طرح بلند مرتبہ ہو جائے یا حاجب وعقال کی جگہ پہنچ جائے۔

نیز جریر کو کہتا ہے:

ولقد شددت على المراغة سرجها حتى نزعت وأنت غير مجيد

تو نے مراغہ پر اس کی زین اس حد تک کس دی کہ تو نے اس کو ہٹا دیا اور تو پھر بھی ذلیل و بے عزت ہی رہا۔

وعصرت نطفتها لتدرك دارماً هيهات من أمل عليك بعيد

اور تو نے اس کے نطفہ کو نچوڑا تا کہ دارم کے مرتبہ کو پہنچ جائے لیکن تیری اس لمبی اور نہ پوری ہونے والی امید پر افسوس ہے۔

وإذا تعاظمت الأمور لدارم طأطأت رأسك عن قبائل صيد

جب دارم پر امور مشکل ہو جاتے ہیں تو تو بہادر قبیلوں کے سامنے اپنا سر جھکا دیتا ہے۔

وإذا عددت بيوت قومك لم تجد بيتاً كبيت عطارد ولبيد

جب تو اپنی قوم کے گھرانے شمار کرے گا تو عطارد ولبید کے گھرانوں کی طرح ایک بھی گھر نہ پائے گا۔

اس سے آپ کو معلوم ہو ہی گیا ہوگا کہ اس کی ہجو منافرت اور فخریہ مضامین کے بہت قریب ہے اور یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ پاک و صاف اور بلند ہجو باوجود ایذا رسانی کے جریر کے ساتھ ایک میدان میں نہیں دوڑ رہی اور ان کے ہجو یہ اشعار بھی عوام کی نظر میں یکساں نہیں ہیں چہ جائیکہ اخطل کے جذبات بھی بڑھاپے کی وجہ سے سرد تھے اور جریر میں جذبات جوانی ٹھاٹھیں مار رہے تھے خود جریر نے آخری مقابلہ میں اپنے حریف کی کمزوری کو بڑھاپے پر محمول کرتے ہوئے کہا:

''جب میرا اس سے مقابلہ ہوا تو اس کی ایک کچلی (نوکیلا دانت) تھی اور اگر اس وقت دو ہوتی تو وہ مجھے کھا ہی جاتا''۔

جب اخطل نے جریر کے مقابل فرزدق کو ترجیح دی تو جریر نے اپنے قصیدہ نونیہ میں اس کی ہجو کرتے ہوئے کہا:

حاريتُ مطلّع الرهانِ بنابهٖ روقٌ شبيبتُهٗ و عمرك فانِ

''اے مرد میداں تو اس شخص سے مقابلہ کر رہا ہے جس کی جوانی چوٹی پر ہے اور تیری عمر ختم ہونے کو ہے''۔

اخطل نے جو جریر کی ہجو کی ہے اس کے علاوہ اس کی زیادہ تر ہجو قومی اور سیاسی اغراض پر مشتمل ہے اور انہی ہجو یہ قصائد میں سے وہ دو قصیدے ہیں جو اس کے مذہب کا خلاصہ اور اس کی فنی تصویر پیش کرتے ہیں، ایک تو قبائل قیس کی ہجو میں کہا گیا جس کا مطلع یہ ہے:

ألا يا اسلمى! يا هند هند بنى بكر و انكان حيانا عدىٰ اخر الدهر

''اے ہند بنو بکر کی ہند تو سلامت رہ اگرچہ ہمارے قبیلے اختتام زمانہ تک دشمن رہیں''۔

اور دوسرا عبدالملک بن مروان کی تعریف اور اس کے مقابل کی مذمت میں کہا جس کا مطلع یہ ہے:

خف القطين فراحوا منك اوبكروا　　　وازعجتهم نوىً فى صرفها غير

''ٹھہرنے والوں نے سفر شروع کر دیا پس وہ صبح یا شام ہی تیرے پاس سے چلے جائیں گے لیکن منزل مقصود کے غیر متعین ہونے نے ان کو پریشان کر رکھا ہے''۔

اسی قصیدہ میں کہتا ہے:

بني أمية إني ناصح لكُم　　　فلا يبيتن منكم آمناً زُفر

بنوامیہ میری تمہیں نصیحت ہے کہ زفر تم سے بے خوف ہو کر رات نہ گزارنے پائے۔

فإن مشهده كفر وغائلة　　　وما يُغيب من أخلاقه وعر

کیونکہ اس کی موجودگی کفر اور مصیبت ہے اور اس کے پوشیدہ اخلاق بہت ہی گھٹیا ہیں۔

إن العداوة تلقاها و إن كنت　　　كالعُر يكمن حيناً ثم ينتشر

دشمنی چاہے کتنے دن ہی چھپی رہے آخر کار ظاہر ہو جاتی ہے جیسے کھجلی ایک زمانہ دبی رہنے کے بعد پھیل ہی جاتی ہے۔

بني أمية قد ناضلت دونكم　　　أبناء قوم همُ آووا وهم نصروا

اے بنوامیہ! میں نے تمہاری خاطر اس قوم کے فرزندوں سے لڑائی لی جنہوں نے آپ ﷺ کی مدد کی اور آپ کو ٹھکانہ دیا۔

وقيس عيلان حتى أقبلوا رقصاً　　　فبايعوك جهاراً بعد ما كفروا

اور قیس عیلان سے لڑائی لی حتی کہ وہ ناچتے ہوئے آئے اور علی الاعلان بیعت کی حالانکہ پہلے انہوں نے بیعت سے انکار کر دیا تھا۔

ضجوا من الحرب إذ عضت غواربهم　　　وقيس عيلان من أخلاقها الضجر

جب جنگ کی مصیبت ان کے کندھوں پر آ پڑی تو وہ گھبرا کر چیخ اٹھے اور گھبراہٹ و اکتاہٹ اس قوم کی سرشت میں داخل ہے۔

اخطل عیسائی ہونے کی وجہ سے اسلام سے کوئی ذریعہ فخر یا ہجو کا مواد تو پیدا نہ کر سکا اور اس نے آباء و اجداد کے مناقبت اور اپنے دشمنوں کے عیوب ذکر کرنے پر اکتفاء کیا لیکن پھر بھی کبھی کبھار وہ ان اعمال کو بھی ہجو میں شامل کر لیتا تھا جن کو اسلام ناپسند کرتا ہے چاہے وہ خود اس کے نزدیک درست ہوں مثلاً انصار کو شراب نوشی کا طعنہ دیتے ہوئے کہتا ہے:

قوم اذا هدر العصير رائيتهم　　　حمرا عيونهم من المسطار

''یہ ایسی قوم ہے کہ جب شراب جوش مارے تو تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھیں نشہ کی وجہ سے سرخ ہو جاتی ہیں''۔

اور جیسے کلیب بن یربوع کے بارے میں کہتا ہے:

بئس الصحاب وبئس الشرب شربهم　　اذا جرت فیهم المزّاء والسکَرُ

''یہ لوگ بدترین ساتھی ہیں اوران کے شراب نوشوں میں جب شراب اثر کرے تو یہ بدترین شرابی ہیں''۔

فرزدق:

فرزدق بھی اخطل کی طرح اپنی قوم کا معزز شخص تھا لیکن وہ برملا دشمنی کرتا تھا چھپاتا نہ تھا بے جھجک ہنسی مذاق کی بات کر دیا کرتا تھا اور نہایت ہی بے شرمی سے آوارگی اور بدکاری کی باتیں کرتا تھا اکھڑ مزاج ایسا تھا کہ کوئی نرمی کی بات نہ کرتا تھا اسی وجہ سے اپنی ہجو میں شرمناک باتیں کرتا اور کھلے الفاظ میں نام لے کر ذلیل وعریاں مضامین اس طرح نظم کرتا کہ شرمیلی لڑکی کا تو ذکر ہی کیا نوجوان مرد بھی ان کے پڑھنے سے شرم محسوس کرے، میرے خیال میں اس بیہودہ اور بازاری ہجو گوئی کے اسباب صرف بدویت، کج خلقی، بدزبانی اور بدطینتی ہی نہ تھے کیونکہ حطیئہ اور اس سے پہلے کے شاعروں نے باوجودیکہ ان اخلاق کے ساتھ متصف تھے اتنی فحش گوئی سے کام نہیں لیا بلکہ اس کا اصل سبب اس زمانہ کی عراقی زندگی کا اثر ہے کیونکہ عربی مستحکم اخلاق کی گرہیں دیہات سے شہر جانے کی وجہ سے کمزور پڑ گئیں تھیں اور عربوں کے عجمیوں کے ساتھ اختلاط کے بعد ڈھیلی ہوگئیں تھیں اور دینی بندشیں بھی مختلف جماعتوں کے غلبہ پانے کی وجہ سے اور حمیت دینی کے ختم ہونے کی وجہ سے کمزور ہوگئیں تھیں اس پر طرہ یہ کہ بصرہ کا سیاسی اقتدار شعراء وقبائل کے ان طنز آمیز مذاق اور آنکھ مچولی سے اپنی آنکھیں بند کیے منہ پھاڑ کر قہقہے لگا رہا تھا، میں قبائل اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ہر قبیلہ اپنے شاعر کے پیچھے تھا اور اس کے غلبہ کے لیے مالی جانی اور پروپیگنڈہ کی صورت میں ہر ممکن مدد کرتا تھا اور کبھی تو ایسا بھی ہوتا کہ قبیلہ کا ہر فرد ایک دو شعر بنا کر شاعر کی مدد کرتا جیسا کہ قبیلہ تیم نے جریر کی ہجو میں اپنے شاعر عمرو بن لجاء کے ساتھ کیا۔ سب سے گندی اور فحش ہجو وہ ہے جو فرزدق نے جریر کے بارے میں کہی جس میں وہ اس کو ذلیل النسب، کمزور ولاچار، بکریاں پالنے والا، اونٹوں کا چرواہا اور گدھیوں کے ساتھ بدفعلی کرنے والا بتاتا ہے اور ان عیوب کو عجیب انداز سے طول دے کر بیان کرتا ہے اور اس نے سارے قصیدوں میں یہی عیوب مختلف صورت واسلوب میں بیان کیے ہیں اور یہ اس حد تک ہجو میں بڑھ گیا تھا کہ بسا اوقات جس کی ہجو کی جارہی ہے اس کو ذلیل کرنے اور تکلیف دینے کے لیے جھوٹے مضحکہ خیز واقعات گھڑ لینے بھی کوئی عار نہ سمجھتا تھا، اور یہ وہ آخری حد ہے جہاں عیاشی و آسودگی کی زندگی میں ہجوگو اور قصہ گو پہنچ جاتے ہیں، بڑی بات تو یہ ہے کہ اپنے حریف کو ایسی گھٹیا گالی دی جائے کہ لوگ اس کو باور نہ کر سکیں اور سچ نہ جانیں اس طرح کے اوچھے ہتھکنڈے اس وقت استعمال کیے جاتے ہیں جب کسی کی انتہائی تذلیل وتحقیر اور بدنامی مقصود ہو جیسا کہ عموماً نچلے طبقہ کے لوگ کرتے ہیں اس طرح پہلے زمانہ کی ہجو یہ شاعری میں نہ تھا کیونکہ اس وقت شاعر اگر کسی کی خوبی دیکھتا تو تعریف کرتا اور برائی دیکھتا تو مذمت کرتا اور دونوں حالتوں میں سچ ہی بولتا تھا۔

فرزدق ہجو گوئی میں اس قدر گر گیا تھا کہ اس کو انسانیت گوارا نہیں کرسکتی چنانچہ اس مرثیہ کا جواب جو جریر نے اپنی بیوی کے لیے کہا تھا نہایت دلخراش ہجو سے دیتا ہے اور میت کی حرمت اور عورت کی عزت کا بھی خیال نہیں کرتا مثلاً ایک جگہ کہتا ہے۔

کانت منافقۃ الحیاۃ وموتہا　　خزی علانیۃ علیك وعار

تیری بیوی زندگی میں منافق تھی اور اس کی موت تیری کھلم کھلا رسوائی اور باعث عار ہے۔

فلئن بكيت على الأتان لقد بكى جزعاً غداة فراقها الأعيار

اگر تو گدھی پر رویا تو کون سی نئی بات ہے اس کی جدائی کے صدمہ میں تو بہت سے گدھے بھی رو رہے ہیں۔

تبكي على امرأةٍ وعندك مثلها قعساءُ ليس لها عليك خمار

تو ایک عورت پر روتا ہے حالانکہ تیرے پاس اس جیسی ایک تنے ہوئے سینہ والی موجود ہے جس کے دوپٹے کا بھی بوجھ تجھ پر نہیں۔

وليكفينك فقد زوجتك التي هلكت موقعةُ الظهور قصار

تیری بیوی کے بدلے تجھے پست قد کی ستی ہوئی پیٹھوں والی سواریاں کفایت کریں گی۔

إن الزيارة في الحياة ولا أرى ميتاً إذا دخل القبور يُزار

زیارت تو زندگی میں ہوتی ہے اور میں نے نہیں دیکھا کہ میت سے قبر میں دفن کرنے کے بعد بھی ملاقات ہوتی ہے۔

عورت کے متعلق فرزدق کی رائے اس کے اکھڑ مزاج اور بے حمیت ہونے پر واضح دلیل ہے اور اس سے اس زمانہ کی عربی زندگی میں عورت کی قدر و منزلت کا بھی پتہ چلتا ہے اور یہ بات ہم ان اشعار سے اخذ نہیں کر رہے جو جریر کی بیوی کے بارے میں اس نے کہے ہیں اس میں تو آپس کے جھگڑے کا اثر بھی ہو سکتا ہے بلکہ ہم نے یہ بات ان اشعار سے لی ہے جو فرزدق نے اپنی بیوی کے مرنے کے بعد اس کے بارے میں کہے چنانچہ کہتا ہے:

يقولون زُر حدراء والترب دونها وكيف بشيء وصله قد تقطعا

لوگ کہتے ہیں حدراء کی زیارت کرو حالانکہ اس پر پڑی ہوئی مٹی درمیان میں حائل ہے اور اس چیز کو کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے جس تک پہنچنے کا ذریعہ ختم ہو گیا ہو۔

ولست و إن عزت علي بزائر تراباً على مرموسه قد تضعضعا

وہ باوجودیکہ مجھے محبوب تھی لیکن میں اس مٹی کی زیارت کرنے والا نہیں جو اپنے مردے پر دھنس چکی ہو۔

وأهون مفقود إذا الموت ناله على المرء في أصحابه من تقنعا

انسان کو اپنے ساتھیوں میں جس کی موت کا سب سے کم دکھ ہوتا ہے وہ اس کا پردہ نشین ساتھی ہے۔

يقول ابن خنزير بكيت ولم تكن على امرأة عيني إخال لتدمعا

ابن خنزیر کہتا ہے کہ تو رویا ہے حالانکہ میرے خیال میں میری آنکھ کسی عورت پر آنسو بہانے والی نہیں۔

وأهون رزء لامرئ غير عاجز رزية مرتج الروادف أفرعا

جو مرد کمزور و ضعیف نہ ہو اس کے لیے سب سے آسان مصیبت لمبے بالوں اور موٹے کولہوں والی عورت کی موت ہے۔

جریر کے ساتھ ہجو گوئی کا مقابلہ اور عوام میں مقبولیت اور فوقیت حاصل کرنے کا شوق اور طویل مدت تک ہجو گوئی کرنے کی وجہ سے مضامین کا ختم ہو جانا مذمت کرنے کا عادی ہونے کے باعث احساس و عزت نفس کا ختم ہو جانا یہ وہ سارے اسباب ہیں کہ جن کی وجہ

سے فرزدق بھی رفتہ رفتہ جریر کی طرح عریاں ہجو گوئی اور ناگوار خاطر پر مائل ہو گیا حتی کہ ان کی باہمی ہجو گوئی باوجودیکہ عمدگی سے بھرپور تھی عوام کی نظر میں معیار سے گر گئی تھی لیکن فرزدق شیعہ ہونے کی وجہ سے کبھی کبھار مذہب کا احترام کرتے ہوئے شاعری سے توبہ کر لیتا اور لوگوں کی ہجو سے باز آ جاتا اپنے آپ کو قرآن مجید حفظ کرنے پر لگا دیتا اور کہتا:

ألم ترني عاهدت ربي وأنني لبينَ رتاج قائماً ومقام

کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں نے اپنے رب سے مقام ابراہیم اور دروازے کے درمیان کھڑے ہو کر یہ عہد کیا ہے۔

على قسم لا أشتم الدهر مسلما ولا خارجا من في سوء كلام

قسم کھا کر میں عمر بھر کسی مسلمان کو گالی نہ دوں گا اور نہ ہی منہ سے غلط بات نکالوں گا۔

یا کبھی خاندانی ریت و رواج کو برقرار رکھنے کے لیے ہجو گوئی سے سے خودداری و شرافتِ نفس کے ساتھ عہدہ برآ ہو جاتا ہے اس صورت میں اس کی شاعری کے مضامین بلند اور الفاظ پاکیزہ ہو جاتے مثلاً وہ اشعار جو اس نے معاویہ کی ہجو میں کہے تھے جس وقت معاویہ نے اس کے چچا کی وفات کے بعد اس کا سارا ترکہ سمیٹ لیا تھا۔

أبوك وعمي يا معاوي أورثا تراثاً فيحتاز التراث أقاربه

اے معاویہ! تیرے باپ اور میرے چچا دونوں نے ترکہ چھوڑا اور عادت یہ ہے کہ ترکہ قریبی رشتہ دار کو ملتا ہے۔

فما بال ميراث الحتاتِ أخذته وميراث حرب جامد لك ذائبه

پھر کیا وجہ ہے کہ میرے چچا حتات کا ترکہ بھی تو نے لے لیا اور تمہارے دادے حرب کا ترکہ بھی سارا تمہیں ہی ملا۔

فلو كان هذا الأمر في جاهلية علمت من المرء القليل حلائبه

اگر یہ بات زمانہ جاہلیت میں پیش آتی تو تمہیں معلوم ہو جاتا کہ کس کے حمایتی کم ہیں۔

آگے کہتا ہے:

وما ولدت بعد النبي وأهله كمثلي حصانٌ في الرجال يقاربه

حضور ﷺ اور آپ کے خاندان کے بعد میرا جیسا بچہ کسی پاکباز خاتون نے پیدا نہیں کیا ہو گا جسے آپ سے زیادہ قرب حاصل ہو۔

وكم من أب لي يا معاوي لم يزل أغر يباري الريح ما ازور جانبه

اے معاویہ میرے خاندان میں بہت سے ایسے سردار گزرے ہیں کہ پہلو موڑے بغیر ہوا سے مقابلہ کرتے تھے۔

نمتهُ فروع المالكين ولم يكن أبوك الذي من عبد شمس يخاطبه

ان کو مالک خاندان کے نجیبوں نے بڑھایا تیرا باپ عبد شمس تو ان سے بات کرنے کی جراءت بھی نہ کر سکتا تھا۔

جریر:

بڑی مصیبت تو جریر ہے جو بے لگام و منہ پھٹ تھا نہ کوئی بندش اسے روکتی تھی اور نہ کوئی لگام، نہ وہ اخطل کی طرح سیاسی تھا اور نہ ہی فرزدق کی طرح مذہبی اور نہ ان دونوں کی طرح خاندانی شرافت کا حامل تھا بلکہ بازاری اور چرواہا تھا اللہ نے اسے تیزی ذہن، عمدہ

اسلوب میں پختگی، قافیہ میں روانی بھی پیدا کر دی تھی چنانچہ اس نے شخصی اور خاندانی ہجو کو نہایت تکلیف دہ اور کامل و مضبوط بنا دیا تھا بلکہ یہی پہلا شخص ہے جس نے شاعری کو مجبور کیا کہ وہ ہجو میں عامیانہ اور متبذل اسلوب اختیار کرے مثلاً پردہ کی باتیں، آبرو ریزیاں وغیرہ جس کی وجہ سے اس کے مخالفین بھی مجبور ہو گئے تھے کہ اس کی زبان ہی میں بات کریں اور اس کے ہی ہتھیار استعمال کریں نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ عراق میں اس نجاست سے ملوث ہوئے بغیر کوئی ہجو عوام پر اثر انداز نہ ہوتی تھی بشار و حماد کی باہمی ہجو تو فرزدق و جریر کی ہجو یہ شاعری کا ایک عکس اور پرتو ہے۔

جریر اپنے عامیانہ پن اور ماحول کی وجہ سے اور ان اسباب کی وجہ سے جن کو ہم پہلے فرزدق پر کلام کرتے ہوئے بیان کر کے آئے ہیں ہجو گوئی میں نئے نئے حیرت انگیز طریقے ایجاد کیا کرتا تھا وہ اخطل کو بے ختنہ ہونے، خنزیر کا گوشت کھانے اور نشہ کرنے کا طعنہ دیتا تھا اور بعیث کو اس کی ماں کے ملوث ہونے کا الزام لگاتا تھا جو بجستانی لونڈی تھی فرزدق کو اس کی دادی کی وجہ سے چھیڑتا تھا اور اسے جبیر نامی لوہار کے ساتھ متہم کرتا تھا اور اس کی بہن جعثن پر یہ الزام دھرتا تھا کہ بنی منقر اس سے ناجائز تعلقات رکھتے ہیں کیونکہ فرزدق نے قیس بن عاصم کی پوتی ظمیاء بنت طلبہ کے ساتھ بوس و کنار کیا تھا اور اس کی قوم کو عمرو بن جرموز کے ساتھ بدعہدی کرنے کا طعنہ دیتا ہے زبیر کے قتل کرنے کی وجہ سے پھر اس کے چھوٹے چھوٹے عیوب تلاش کرتا ہے اور معمولی معمولی لغزشوں پر پکڑ کرتا ہے اور ان کو مبالغہ آرائی کے ساتھ بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے جیسے رومی کو مارتے وقت تلوار کے اچٹ جانے کا طعنہ اور نوار سے زبردستی نکاح کرنے کا طعنہ۔

فرزدق ہجو گوئی میں اپنے آباء و اجداد پر فخر کا طریقہ اپناتا تھا چنانچہ وہ ان لڑائیوں کا ذکر کرتا جن میں انہیں غلبہ ہوا اور پرانی قابل فخر کارگزاریوں کو دہراتا، اس میدان میں جریر اس کے ساتھ نہیں دوڑ سکتا تھا لہٰذا وہ اس کے فخر اور آبائی شرف کا جواب نہایت تکلیف دہ ہجو اور فحش کلامی سے دیتا اور جب جریر اس طرح کی بدکلامی پر اتر آتا تو کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا، مثلاً فرزدق کا وہ قصیدہ دیکھئے جس کا مطلع یہ ہے:

إن الذي سمك السماء بنى لنا ... بيتاً دعائمه أعز وأطول

جس ذات نے آسمان بلند کیا اس نے ہمارے لیے ایسا گھر بنایا جس کے ستون بڑے اونچے اور باعزت ہیں۔

اس کے بعد کہتا ہے:

بيتا زرارة محتب بفنائه ... ومجاشع وأبو الفوارس نهشل

وہ ایسا گھر ہے کہ زرارہ، مجاشع، ابوالفوارس اور نہشل جیسے لوگ اس کے صحن میں گھٹنے ٹیکے بیٹھے ہیں۔

لا يحتبي بفناء بيتك مثلهم ... أبداً إذا عد الفعال الأفضل

لیکن جب شرافت و بزرگی کے کارنامے شمار کیے جائیں تو تیرے گھر میں ان کی طرح کے باعزت لوگ کبھی نہ بیٹھے پائیں گے۔

اس کی تردید میں جریر کہتا ہے:

أخزي الذي سمك السماء مجاشعاً ... وبنى بناءك في الحضيض الأسفل

جس ذات نے آسمان کو بلند کیا اس نے مجاشع کو رسوا کر دیا اور تیرا گھر پست زمین میں بنایا۔

بيتا يحمم قينكم بفنائهِ دنسا مقاعده خبيث المدخل

ایسا گھر ہے کہ تمہارا لوہار اس کے صحن میں بیٹھا بھٹی جلا رہا ہے اور اس گھر کی نشست گاہیں گندی ہیں اور داخل ہونے کا راستہ بھی برا ہے۔

قتل الزبير وأنت عاقدُ حبوةٍ تباً لحبوتك التي لم تحلل

زبیر قتل کر دیا گیا اور تو گھٹنے باندھے بیٹھا ہے افسوس ہے تیرے اس بیٹھنے پر کہ تیری گھٹنا بندی نہیں کھلی۔

وافاك غدرك بالزبير على منى ومَجَرُّ جعثنكم بذات الحرمل

تو نے منیٰ میں زبیر کے ساتھ بدعہدی کی اور تمہاری جعثن ذات الحرمل جگہ میں بے عزت ہوتی رہی۔

بات الفرزدق يستجير لنفسه وعجان جعثن كالطريق المعمل

فرزدق ساری رات اپنی جان بچانے کے چکر میں رہا اور جعثن کی شرمگاہ آباد راستہ کی طرح چالو رہی۔

ایک جگہ اسی قصیدہ میں فرزدق کہتا ہے:

حلل الملوك لباسنا في أهلنا والسابغاتِ إلى الوغى نتسربل

''ہمارے گھر میں ہماری پوشاکیں شاہانہ لباس ہیں اور جنگ میں ہم بھرپور زرہ پہنتے ہیں''۔

اس کے جواب میں جریر کہتا ہے:

لا تذكروا حلل الملوك فإنكم بعد الزبير كحائض لم تغسل

''تم بادشاہوں کی پوشاک کا تذکرہ بھی مت کرو کیونکہ زبیر کے بعد تمہاری مثال اس حائضہ عورت کی سی ہے جو غسل کر کے پاک نہ ہوئی ہو''۔

فرزدق کہتا ہے:

أحلامنا تزن الجبال رزانة وتخالنا جنا إذا ما نجهل

ہماری عقلیں پہاڑوں کی طرح وزنی ہیں اور جب ہم بگاڑ کرنے لگیں تو تم ہمیں جن بھوت سمجھو گے۔

فادفع بكفك إن أردت بناءنا ثهلانُ ذو الهضبات هل يتحلحل؟

اگر تم چاہو تو اپنے ہاتھ سے ہماری عمارت کو دھکا دے دو کیا ٹیلوں والا ثہلان پہاڑ ہل جائے گا۔

خالي الذي غصب الملوك نفوسهم وإليه كان حباءَ جفنةَ ينقل

میرا ماموں وہ ہے جس نے بادشاہوں کی جانیں لے لیں اور جفنہ قبیلہ کے تحائف اسی کو پیش کیے جاتے ہیں۔

إنا لنضرب رأس كل قبيلة وأبوك خلف أتانه يتقمل

ہم تو ہر قبیلہ کے سردار کو مات دے دیتے ہیں اور تیرا باپ گدھی کے پیچھے جوئیں مارتا پھرتا ہے۔

جریر جواب میں کہتا ہے:

كان الفرزدق إذ يعوذ بخاله مثل الذليل يعوذ تحت القرمل

فرزدق جب اپنے ماموں کی پناہ لیتا ہے تو اس ذلیل کی طرح ہوتا ہے جو قرمل (نرم و نازک پودا) کے پیچھے پناہ لے۔

وافخر بضبة إن أمك منهمُ ليس ابن ضبة بالمعم المخول

تو ضبہ پر فخر کر کہ تیری ماں انہی میں سے ہے اور ابن ضبہ شریف چچاؤں اور ماموؤں والا نہیں تھا۔

أبلغ بني وقبان أن حلومهم خفت فلا يزنون حبة خردل

بنی وقبان کو بتا دو کہ ان کی عقلیں اتنی ہلکی ہیں کہ رائی کے برابر بھی ان کا وزن نہیں۔

أذري بحلمهم الفياش فأنتم مثل الفراش عشين نار المصطلي

ان کی ظاہری ٹیپ ٹاپ نے ان کی عقلوں کو ناقص کر دیا اور تم ان پروانوں کی طرح ہو جو آگ کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں۔

فرزدق کہتا ہے:

وهب القصائد لي النوابغُ إذ مضوا وأبو يزيد وذو القروح وجرول

مجھے بلند پایہ شعراء نے دنیا سے جاتے ہوئے شاعری کی سند بخشی اور ابوالیزید ذوالقرح (امرءالقیس) اور جرول نے بھی۔

بعد ازاں وہ ان شعراء کے نام گنا تا ہے اور کہتا ہے:

دفعوا إلي كتابهن وصية فورثتهن كأنهنَّ الجندل

ان سب نے مجھے اپنے قصائد کے دفتر بطور وصیت دیئے اور میں کنکریوں جتنے لاتعداد قصائد کا وارث بن گیا۔

جریر اس کو جواب میں کہتا ہے:

أعددت للشعراء سما ناقعاً فسقيت آخرهم بكأس الأول

میں نے شعراء کے لیے قاتل زہر تیار کر رکھا ہے اور جس گلاس سے پہلے کو پلایا اسی سے آخری کو بھی پلایا۔

لما وضعت على الفرزدق ميسمي وصغي البعيث جدعت أنف الأخطل

جب میں نے فرزدق پر اپنے داغنے کی سلاخ رکھی اور بعیث خاموش ہو گیا اور اخطل کی ناک کاٹ لی۔

حسب الفرزدق أن يسب مجاشع ويعد شعر مرقش ومهلهل

فرزدق کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ مجاشع کو تو گالی دی جا رہی ہو اور وہ بیٹھا مرقش و مہلہل کے شعر شمار کر رہا ہو۔

اس نمونہ سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ جریر آسان راستہ پسند کرتا ہے اور سنجیدگی کی حرارت کو مذاق کی خنکی سے مارتا ہے اور ایک مسلح جنگجو کا مقابلہ اپنی معمولی اور عام پوشاک پہنے ہی کرتا ہے جریر کو اپنے مقابل کی اندرونی و بیرونی زندگی کے حالات معلوم کرنے میں کمال دسترس تھی وہ آہستہ آہستہ مقابل کے حالات سے آگاہی اختیار کرتا پھر اس میں سے قابل اعتراض باتیں چن لیتا اور ان کو اپنے اشعار میں برملا ظاہر کر کے رسوا کرتا۔

فرزدق نے حدراء بنت زیق بن بسطام سے اس کے باپ کے کہنے پر شادی کی تو جریر نے کہا:

يا زيق قد كنت من شيبان في حسب يا زيق ويحك من أنكحت يا زيق

اے زیق! تو تو بنی شیبان میں باعزت آدمی تھا اے زیق! تیرا ستیاناس ہو تو نے اپنی بیٹی کس کے ساتھ بیاہ دی۔

أنكحت ويلك قينا في استه حمم يا زيق و يحك هل بارت بك السوق

ارے زیق! تجھ پر افسوس کہ ایک لوہار جس کے چوتڑ سیاہ ہیں اس کو تو نے بیٹی دے دی اے زیق! تجھ پر ہلاکت ہو، کیا بازار میں تیرے مال کی کوئی قدر نہ تھی۔

يا رُب قائلة بعد البناء بها: لا الصهر راض ولا ابن القين معشوق

اس کی رخصتی کے بعد بہت سے عورتیں کہنے لگیں نہ تو سسر راضی ہے اور نہ ہی داماد لوہار کا بیٹا اچھا ہے۔

حدراء کے خاندان والے اس کے پاس آ کر کہتے کہ وہ تو مر گئی اب اس کا ذکر چھوڑ تا کہ ہماری عزت خراب نہ ہو لیکن جریر نہ رکتا اور اپنے شعر میں حقیقت حال یوں بیان کرتا ہے:

وأقسم ما ماتت ولكنما التوى بحدراء قوم لم يروك لها أهلاً

اللہ کی قسم! وہ مری نہیں بلکہ حدراء کے گھر والوں نے اسے روک رکھا ہے وہ تجھے اس قابل ہی نہیں سمجھتے۔

فرزدق جوانی کی مستی میں مدینہ میں کوئی حرکت کر بیٹھتا ہے اور اپنے شعر میں یوں اعتراف کرتا ہے:

هما دلتاني من ثمانين قامةً كما أنقض باز أقتم الريش كاسرهُ

ان دونوں نے اسی (۸۰) قد کی دوری سے ہی مجھے اپنے دام فریب میں یوں لے لیا جس طرح بھورے پروں والا عقاب جھپٹتا ہے۔

اس پر جریر اسے کہتا ہے:

تدليت تزني من ثمانين قامة وقصرت من باع العلا والمكارم

زنا کے لیے تو اسی (۸۰) قد کی دوری سے بھی تیزی سے پہنچ گیا اور بلندی و شرافت کا ایک ہاتھ بھی طے کرنے سے عاجز رہا۔

فرزدق سلیمان بن عبدالملک کے سامنے رومی کو قتل کرتا ہے تو اس کی تلوار اچٹ جاتی ہے اس پر جریر اسے کہتا ہے:

بسيف أبي رغوان سيف مجاشع ضربت و لم تضرب بسيف ابن ظالم

تو نے ابو رغوان مجاشع کی تلوار سے مارا اور ابن ظالم کی تلوار سے نہ مارا۔

اس قسم کے واقعات اپنی ظرافت وجدت کے باعث دلوں پر نقش اور زبانوں پر رواں ہو جاتے ہیں جیسے آج کل متفرق جماعتوں کے اخبارات کہ اپنے جھگڑے کا موضوع و مواد، مخالفین کی روز مرہ کی زندگی سے حاصل کرتے ہیں، جریر طویل مدت تک ہجوگوئی اور جھگڑوں میں بے خطر کود پڑنے کی وجہ سے انتہائی طنز کرنے والا عریاں بیاں اور بری طرح بھد اڑانے والا بن گیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ جب مربد میں جریر کا کوئی قصیدہ پڑھا جاتا تو فرزدق کا رنگ اڑ جاتا، اور بھلا اس سے زیادہ تکلیف دہ طنز کیا ہوگا؟

يا تيم لن بيوتكم تيمية　　　فعس العماد قصيرة الأطناب

اے خاندان تیم تمہارے خیمے بھی تیمی ہیں جن کے ستون ٹیڑھے اور طنابیں چھوٹی ہیں۔

قوم إذا حضر الملوك وفودُهم　　　نتفت شواربهم على الأبواب

تم ایسی قوم ہو کہ تمہارا کوئی وفد جب بادشاہ کے پاس جاتا ہے تو دروازے پر ہی ان کی مونچھیں (بوجہ ذلت) نوچ لی جاتی ہیں۔

اور اس کا یہ شعر:

زعم الفرزدق أن سيقتل مربعاً　　　أبشر بطول سلامة يا مربع!

فرزدق کا خیال ہے کہ وہ مربع کا قتل کردے گا اے مربع خوش ہو جا! تو عرصہ دراز تک سلامت رہے گا۔

اور اس کا یہ شعر:

والتغلبي إذا تنحنح للقرى　　　حك استه وتمثل الأ مثالا

اور تغلبی جب مہمانی سے بچنا چاہتا ہے تو چوتڑ کھجانے لگتا ہے اور الٹی سیدھی ہانکنے لگتا ہے۔

اور اس کا یہ شعر:

فحل الفخر يا ابن أبي خليد　　　وأد خراج رأسك كل عام

اے ابن ابی خلید فخر کرنا چھوڑ دے اور ہر سال اپنا جزیہ ادا کرتا رہ۔

لقد علقت يمينك رأس ثور　　　وما علقت يمينك باللحام

تیرے ہاتھ میں بیل کا سر ہوگا لگام نہ ہوگی۔

ہجو گوئی جریر کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی جس کی وجہ سے وہ لوگوں پر بلا جان پہچان معمولی معمولی بات پر الزامات لگانا شروع کر دیتا چنانچہ ایک مرتبہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دربار میں پہنچا وہاں عدی بن رقاع عاملی بھی بیٹھا تھا، خلیفہ نے جریر سے پوچھا تم اسے پہچانتے ہو اس نے کہا نہیں خلیفہ نے کہا یہ عاملہ خاندان سے ہے جریر نے برجستہ کہا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ ۝ تَصْلَى نَارًا حَامِيَةً ﴾ [الغاشية : ٣-٤]

''کام کرنے والے، تھکنے والے دہکتی ہوئی آگ میں جلیں گے''۔

اور ایک بہت ہی بیہودہ شعر پڑھا جس کا ویسا ہی جواب عدی نے بھی دیا اس پر جریر نے ایک پورا قصیدہ اس کی ہجو میں کہہ ڈالا جس کا مشہور شعر یہ ہے:

و ابن اللبون إذا ما لز في قرن　　　لم يستطع صولة البزل القناعيس

رسی سے بندھا ہوا دوسالہ اونٹ کا بچہ پختہ عمر کے مضبوط اونٹ کی طرح حملہ نہیں کر سکتا۔

اور شاید جریر اس فحش گوئی اور ایذاء رسانی میں اپنی ماں کی طبیعت پر گیا تھا جو اپنے بیٹے کو اپنی طبیعت پر دیکھنا چاہتی تھی کہتے ہیں کہ اس کی یہ تمنا اسے خواب میں بھی دکھائی گئی چنانچہ جب جریر اس کے پیٹ میں تھا اس نے خواب دیکھا کہ ایک رسی اس سے نکل کر لوگوں پر

جھپٹ رہی ہے اور کبھی کسی کا گلا گھونٹتی ہے اور کبھی کسی کا، جب اس نے خواب کی تعبیر معلوم کی تو اس سے کہا گیا کہ تیرے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوگا جو عوام اور شعراء کے لیے بڑی آفت اور بلاء جان ہوگا اور ان کی ہجو کرے گا اسی لیے اس کی ماں نے اس کا نام جریر (رسی) رکھا، خواہ اس کی ماں نے یہ خواب دیکھا ہو یا یونہی گھڑ لیا ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی طبیعت کو ادھر مائل کرنے میں اس کی ماں کا بڑا دخل تھا۔

مجموعی طور پر جریر کی ہجو کا فخریہ پہلو کمزور ہے کیونکہ خاندانی شرف سے محرومی کے باعث اسے دور کی کوڑی لانی پڑتی ہے لہٰذا فرزدق اپنی فخریہ شاعری کے علاوہ اس کو کہیں مات نہ دے سکا اور اس کا جریر سے یہ کہنا بالکل درست ہے:

غلبتك بالمفقأ والمعنى وبيت المحتبى والخافقات

میں تجھ پر ''المفقاء'' اور ''المعنیٰ'' اور ''المحتبیٰ'' اور ''الخافقات'' والے قصیدوں میں غالب رہا ہوں۔

المفقاء سے وہ اپنے اس شعر کی طرف اشارہ کرتا ہے:

ولست ولو فقأت عينك واحداً أبا لك إن عد المساعي كدارم

اگر تو اپنی آنکھ بھی پھوڑے تب بھی شرافت کے کارنامے شمار ہوتے وقت کوئی دارم جیسا باپ نہیں پا سکتا۔

اور المعنیٰ سے یہ شعر مراد ہے:

وإنك إن تسعى لتدرك دارماً لأنت المعنى ياجرير المكلف

اگر تو دارم کے بلند مرتبہ تک پہنچنے کی کوشش کرے گا تو اے جریر تو اپنے آپ کو بڑی تکلیف اور مشقت میں ڈالے گا۔

المحتبیٰ سے اس شعر کی طرف اشارہ ہے:

بيتاً زرارة محتب بفنائه ومجاشع وأبو الفوارس نهشل

ایسا گھر کہ جس کے صحن میں زرارہ، مجاشع، ابوالفوارش اور نہشل جیسے لوگ گھٹنے باندھے آرام سے بیٹھے ہیں۔

الخافقات سے یہ شعر مراد ہے:

وأين تقضى المالكات أمورها بحق وأين الخافقات اللوامع۔

مالکات اپنے امور انصاف کے ساتھ کہاں انجام دیں گے اور لہرانے والے جھنڈے کہاں نصب ہوں گے۔

فرزدق اپنے ان شعروں سے ان قصائد کی طرف اشارہ کرتا ہے جن میں یہ شعر موجود ہیں اور انہی قصائد میں اس کی اعلیٰ اور ٹھوس فخریہ شاعری موجود ہے۔

جریر کی کمزوری فخریہ شاعری میں مضمون کے اعتبار سے ہے اسلوب کے اعتبار سے نہیں کیونکہ حسن ادائیگی، بلاغت، باریکی لفظ، نزاکت بیانی اور کثرت سے تنوع کرنے میں وہ اپنے تمام حریفوں سے بڑھا ہوا تھا، مشکل الفاظ کی کمی اور آسان شاعری کی وجہ سے علماء اور راویوں میں کم البتہ عوام اور شعراء میں اس کی شاعری خوب مقبول ہوئی۔

ان تینں ہم عصروں کی ہجو سے اگر ہم جدید مضامین، سخت لہجہ، عمدہ عکاسی کو نکال دیں تو ان کی ہجو مخبل قریعی، حسان بن ثابت

نبی اللہ اور حطیہ جیسے اساتذہ فن کے دائرہ سے نکلی ہوئی نہ ہوگی جو پرانے کھنڈروں کے وصف اور تشبیب سے شروع ہوتی ہے اور اس کا مدار مفاخرت اور منافرت پر ہوتا ہے ماضی کے چھپے عیوب تلاش کیے جاتے ہیں اور دفعتاً ایک مضمون چھوڑ کر دوسرا اختیار کرلیا جاتا ہے۔

جریر وفرزدق کی شاعری میں بڑا عیب کثرتِ تکرار ہے کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی انہی واقعات وعیوب کے ذریعہ ہجو کرتے تھے جو ہم نے پہلے ذکر کر دیئے ہیں صرف انہی کو ذکر کرتے تھے نہ ان پر کوئی زیادتی کرتے نہ کمی ہر قصیدہ یا جوابی کاروائی میں انہی عیوب کو مختلف اسلوب بدل کر اور مختلف قوافی میں ڈال کر پیش کرتے تھے چنانچہ اگر ہم ان کا ایک ایک قصیدہ پڑھ لیں تو باقیوں کو پڑھنے کی چنداں ضرورت نہ ہوگی ایسے ہی اگر ہم اخطل، جریر، فرزدق کی ہجویہ شاعری کا مطالعہ کرلیں تو ایسا ہے گویا ہم نے اس دور کی ساری ہجویہ شاعری کا مطالعہ کرلیا کیونکہ باقی ساری شاعری انہی کی شاعری سے نکلی ہے، اور اسی نمونہ کے مطابق ڈھالی گئی ہے۔

البتہ جماعتی ہجو میں عراقی شعراء کا طرز شخصی وانفرادی ہجو سے مختلف تھا، جہاں شخصی ہجو میں وہ کھلی بدزبانی و بہتان تراشی سے کام لیتے وہاں اجتماعی و جماعتی ہجو میں جاہلی شعراء کے مسلک پر قائم تھے اس میں باہم اپنے آباء واجداد پر فخر کرتے کثرتِ تعداد و دولت پر فخر کرتے، پاکیزہ الفاظ اور عمدہ اسلوب کو ترجیح دیتے، یہ علیحدہ بات ہے کہ فخر میں غلو کرتے ہوئے مذہب، حکومت، علم اور وطن کو بھی اس میں شامل کر لیتے تھے۔ اعشیٰ ہمدان جو ابن اشعث کے حامیوں سے تھا کہتا ہے:

اکسع البصري إن لا قيته إنما يكسع من قل وذل

اگر بصری سے تمہاری ملاقات ہو جائے تو اسے لات مار کر نکال دو کیونکہ ذلیل اور اقلیت والے کو لات مار کر ہی نکالا جاتا ہے۔

واجعل الكوفي في الخيل ولا تجعل البصري إلا في النفل

کوفی کو گھڑ سواروں میں رکھو اور بصری کو زائد کاموں کے لیے ہی رکھو۔

و إذا فاخر تمونا فاذكروا ما فعلنا بكم يوم الجمل

جب تم ہم سے فخریہ مقابلہ کرو تو جنگ جمل میں جو کچھ ہم نے تمہارے ساتھ کیا تھا اسے یاد کرلیا کرو۔

بين شيخ خاضب عثنونه وفتى أبيض وضاح رِفل

اس بوڑھے کے ساتھ جس کی داڑھی رنگی ہوئی تھی اور اس خوبصورت نوجوان کے ساتھ جو من چلا اور دامن لٹکا کر چلنے والا تھا۔

جاءنا يخطر في سابغة فذ بحناه ضحى ذبح الحمل

جب وہ ہماری طرف بھرپور زرہ میں جھومتے ہوئے آیا تو ہم نے اسے بوقت صبح بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیا۔

وعفونا فنسيتم عفونا وكفرتم نعمة الله الأجل

اور ہم نے تمہیں معاف کر دیا لیکن تم نے اس معافی کو بھلا کر اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمت کو ٹھکرا دیا۔

حجاج کے بارے میں سیاسی ومذہبی رجزیہ ہجو کرتا ہے:

شطت نوى من داره بالإيوان إيوان كسرى ذي القرى والريحان

جس کا گھر کسریٰ کے آسودہ حال ایوان میں ہو اس کی منزل مقصود بہت دور ہے۔

إن ثقيفاً منهم الكذابان كذابها الماضي وكذابٌ ثان

قبیلہ ثقیف میں دو بڑے چوٹی کے جھوٹے ہیں ایک تو پہلے گزر گیا اور دوسرا جھوٹا یہ ہے۔

أمكن ربي من ثقيف همدان إنا سمونا للكفور الفتان

خدا نے ثقیف پر ہمدان کو مسلط کر دیا اور ہم نے اس بڑے کافر وفتنہ پرور پر غلبہ حاصل کر لیا۔

حين طغى بالكفر بعد الإيمان بالسيد الغطريف عبدالرحمٰن

جب اس نے بغی، سردار، عبدالرحمٰن کی اطاعت سے روگردانی کی اور اطاعت کرنے کے بعد مکر گیا۔

سار بجمع كالدبي من قحطان فقل لحجاج ولي الشيطان

اور اپنی ٹڈی دل قحطانی لشکر لے کر چلا تو تم شیطان کے دوست حجاج سے کہہ دو

يثبت لجمع مذحج وهمدان فإنهم ساقوه كأس الذيفان

وملحقوه بقرى ابن مروان

کہ وہ مذحج اور ہمدان کی فوج سے لڑنے کے لیے کھڑا ہو جائے۔ یہ فوج اسے زہر کا بھرا ہوا جام پلانے والی ہے اور اس کو ابن مروان کی بستیوں میں پہنچانے والی ہے۔

ہجو کی یہ قسم بہت کم چلنے والی اور ناپائیدار ہے اس میں دھوکا اور منافقت زیادہ ہے کیونکہ اکثر شعراء خلفاء سے انعام واکرام کی لالچ میں آ کر اور جان کی سلامتی کو عقیدہ کی سلامتی پر ترجیح دے کر ایسے شعر کہا کرتے تھے، جماعتی ہجو اس سیاسی شاعری کی ہی ایک قسم ہے جو اس زمانہ میں عام ہو گئی تھی، سیاسی شاعری سے ہماری یہ مراد نہیں کہ شعراء نے کسی نئے مقصد کی بناء پر شاعری میں کوئی نیا مسلک اختیار کر لیا تھا کیونکہ زمانہ جاہلیت اور عہد نبوت میں بھی شعراء میں باہمی مقابلہ کا سلسلہ جاری رہا ہماری مراد سیاسی شاعری سے وہ نئے موضوعات ہیں جن کو شعراء نے جماعتوں کے اختلافِ آراء اور وڈیروں کی سیاسی کشمکش سے حاصل کیا تھا البتہ یہ نئے موضوعات پرانے انداز ہی میں مختلف صورتوں میں نمودار ہوئے ہم ان کو چار قسموں میں تقسیم کرتے ہیں:

① تحریض وتعریض آمیز مدح، جیسے ابو العباس اعمیٰ کے اشعار:

أبني أمية لا أرى لكم شبها إذا ما التفت الشيعُ

اے بنو امیہ! مجھے تمہاری فراخ دلی اور عقلمندی کی مثال نہیں ملتی جس وقت کہ متفرق جماعتیں اکٹھی ہو جائیں۔

سعة وأحلاما إذا نزعت أهل الحلوم فضرها النزع

جب کہ دانشمندوں کو اپنے باپ دادا کی مشابہت نقصان پہنچاتی ہو۔

أبني أمية غير أنكم والناس فيما أطمعوا طمعوا

اے بنو امیہ! تمہاری یہ بات ٹھیک نہیں، لوگ تو جس چیز کی لالچ دلائی جائے اس کی لالچ کرنے لگتے ہیں۔

أطمعتمو فيكم عدوكمو فسما بهم في ذاكم الطمع

تم نے اپنے دشمنوں کو اپنے معاملہ میں جری کر لیا لہٰذا ان کو بھی تمہارے معاملہ میں کچھ امید ہو گئی ہے۔

فلو أنكم كنتم لقومكم مثل الذي كانوا لكم رجعوا

اگر تم بھی ان کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرتے جیسا کہ انہوں نے تمہارے ساتھ کیا۔

عما كرهتم أو لردهم حذر العقوبة، إنها تزع

تو وہ تمہاری مخالفت نہ کرتے اور سزا کا خطرہ ان کو اس سے باز رکھتا کیونکہ سزا تو جرم سے روکتی ہے۔

اور جس طرح کمیت کے یہ اشعار:

بني هاشم رهط النبي فإنني بهم ولهم ارضى مراراً وأغضب

بنو ہاشم حضور ﷺ کا خاندان ہے میں ان سے وابستہ ہوں اور ان کی وجہ سے دوسروں سے بار بار خوش ہوتا اور لڑتا رہوں گا۔

خفضت لهم مني جناحي مودة إلى كنف عطفاه أهلٌ ومرحب

میں نے دوستی کے بازو ان کے لیے ایسی جگہ بچھا دیئے ہیں کہ اس کے دونوں پہلو نرم اور کشادہ ہیں۔

وأرمي وأرمى بالعداوة أهلها و إني لأوذى فيهم وأؤنبُ

میں ان کے دشمنوں کا دشمن ہوں اور وہ میرے دشمن ہیں اور ان کی محبت میں مجھے ہر تکلیف و ملامت منظور ہے۔

اس قسم کی شاعری میں امویوں کا پلہ بھاری ہے کیونکہ ان کے پاس للچانے کے لیے مال، ڈرانے کے لیے حکومت و سلطنت اور لوگوں کا میلان اپنی طرف کرنے کے بہت سے ذرائع اور ہتھکنڈے تھے چنانچہ اس زمانہ کے اکثر شعراء نے انہی کی مدح سرائی و ہمنوائی کی ہے یا تو ان کے شر سے بچنے کے لیے یا مال و دولت کی لالچ میں آ کر حتیٰ کہ زبیریوں اور علویوں میں سے جنہوں نے ان کے مخالفین کی طرف داری کی تھی وہ شاہی بخششوں کے سامنے اپنی مروت و خودداری قائم نہ رکھ سکے۔

② سیاسی شاعری کبھی ہجو کی شکل میں ہوتی ہے جیسے پہلے بیان ہوا اور جیسے اعشیٰ ربیعہ نے عبدالملک کو کہا:

آل الزبير من الخلافة كالتي عجل النتاج بحملها فأحالها

آل زبیر خلافت کا بار اٹھانے میں اس حاملہ اونٹنی کی طرح ہے جس کا بچہ مدت حمل پوری ہونے سے پہلے ہی ساقط ہو جائے اور اسے خالی پیٹ چھوڑ دے۔

أو كالضعاف من الحمولة حملت ما لا تطيق فضيعت أحمالها

یا اس کمزور، بار بردار جانور کی سی جس پر زیادہ بوجھ لاد دیا جائے اور وہ اپنا بوجھ گرا دے۔

قوموا إليهم لا تناموا عنهمُ كم للغواة أطلتم إمهالها

تم ان کا بندوبست کرو اور ان سے غفلت نہ برتو، تم پہلے ہی سرکشوں کو بہت زیادہ مہلت دے چکو ہو۔

إن الخلافة فيكمو لا فيهم ما زلتم أركانها وثمالها

خلافت کے مستحق وہ نہیں تم ہو اور ہمیشہ سے تم ہی، اس کے ارکان اور ملجاء و ماویٰ رہے ہو۔

أمسوا على الخيرات قفلاً مغلقاً فانهض بيمنك فافتتح أقفالها

یہ لوگ بھلائی کے دروازوں پر بند تالے بن گئے ہیں آپ اٹھیے اور اپنی برکتوں سے ان تالوں کو کھول دیجیے۔

(۳) اور کبھی سیاسی مصلحت کی وجہ سے عوامی رائے معلوم کرنے یا کوئی تجویز پیش کرنے کے لیے ہوتی ہے جیسے مسکین دارمی کے اشعار جس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اشارۃً ایک تجویز پیش کرنے کے لیے کہا تھا جس میں وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد یزید کو خلیفہ اور صاحب بیعت قرار دے تا کہ اس بارے میں قوم کی رائے معلوم ہو سکے:

إليك أمير المؤمنين رحلتها تثير القطا ليلاً وهن هجود

اے امیر المؤمنین میں آپ کے پاس اونٹنی کو تیز چلا کر لایا ہوں یہ رات کو سوتے ہوئے کونج (پرندہ) کو بھڑکاتی ہوئی آتی ہے۔

ألا ليت شعري ما يقول ابن عامر ومروان أم ماذا يقول سعيد

کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ ابن عامر اور مروان کیا کہتے ہیں اور سعید کی کیا رائے ہے۔

بني خلفاء الله مهلاً فإنما يبوئها الرحمٰن حيث يريد

اے خلفاء اللہ کے بیٹو! ذرا ٹھہرو کیونکہ اس خلافت کو اللہ تعالیٰ جہاں چاہتے ہیں رکھتے ہیں۔

إذا المنبر الغربي خلاه ربه فإن أمير المؤمنين يزيد

جب مغربی ممبر کو اس کا مالک خالی چھوڑ دے گا تو اس وقت امیر المؤمنین یزید ہوگا۔

جب اس نے یہ اشعار سنا دیے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے مسکین! تمہاری اس تجویز پر ہم غور وفکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے استخارہ کریں گے''۔

اسی طرح کا ایک واقعہ عبدالملک کا بھی ہے جب عبدالملک نے اپنے بھائی عبدالعزیز کو ولی عہدی سے برطرف کر کے اپنے بیٹے ولید کو خلافت دینا چاہی تو نابغہ شیبانی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کے سامنے یہ تجویز پیش کرے چنانچہ اس نے کہا:

لا بنك أولى بملك والده و نجم من قد عصاك مطرح

تیرا بیٹا اپنے باپ کی حکومت کا زیادہ حق دار ہے اور تیری بات نہ ماننے والے ذلیل ہوں گے۔

داود عدل فاحكم بسيرته ثم ابن حرب فإنهم نصحوا

داؤد علیہ السلام عدل و انصاف کے حامل تھے تم بھی ان کی سیرت پر چلو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کیونکہ یہ لوگ مصلح و خیر خواہ تھے۔

وهم خيار فاعمل بسنتهم واحي بخير واكدح كما كدحوا

یہ بہترین لوگ تھے تم بھی ان کی راہ چلنا صحیح سلامت رہنا اور ان کی طرح جانفشانی سے خدمات انجام دینا۔

ان اشعار کو سن کر عبدالملک مسکرایا جس سے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ ان کے حکم سے ہوا ہے۔

(۴) کبھی یہ شاعری اختلاف رائے یا نئے مذہب کے اظہار کے لیے ہوتی ہے اس قسم کی سیاسی اختلاف کی مثال وہ قصہ ہے جو کعب بن جعیل اور نجاشی کے درمیان حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک کو افضل بتانے کے بارے میں پیش آیا۔

کعب کے اشعار ملاحظہ ہوں:

أری الشام تکرہ ملك العرا ق وأهل العراق لهم کارهینا

میرے خیال میں اہل شام اہل عراق کو ناپسند کرتے ہیں اور عراقی شامیوں کو ناپسند کرتے ہیں۔

وکل لصاحبه مبغض یری کل ما کان من ذاك دینا

ہر فریق اپنے مخالف سے بغض وعداوت رکھتا ہے اور اس دشمنی کو مذہبی فریضہ تسلیم کرتا ہے۔

وقالوا عليٌّ إمام لنا فقلنا رضینا ابن هند رضینا

وہ کہتے ہیں علی رضی اللہ عنہ ہمارے امام ہیں ہم نے کہا کہ ہم ابن ہند (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) پر راضی ہیں۔

وقالوا نری أن تدینوا لهم فقلنا لهم لا نری أن ندینا

انہوں نے کہا تم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کرو ہم نے کہا کہ ہم ان کی اطاعت اپنے اوپر واجب نہیں سمجھتے۔

وکل یسر بما عنده یری غث ما في یدیه سمینا

ہر ایک اپنی چیز پر خوش ہے اپنے ہاتھ کی کمزور چیز کو بھی موٹا سمجھتا ہے۔

وما في علي بمستعتب ینال سوی ضمه المحدثینا

حضرت علی رضی اللہ عنہ میں کوئی قابل عیب بات نہیں سوائے اس کے کہ وہ اپنی جماعت میں نئے نئے آدمیوں کی بھرتی کر لیتے ہیں۔

ولیس براض ولا ساخط ولا في النهاة ولا الآمرینا

وہ نہ تو راضی ہونے والوں میں سے ہے اور نہ ہی ناراض ہونے والوں میں سے اور نہ منع کرنے والوں میں سے ہیں اور نہ ہی حکم دینے والوں میں سے۔

ولا هو ساہ ولا هو سر ولا بد من بعد ذا أن یکونا

نہ ہی خوش کرنے والے ہیں نہ ناراض کرنے والے لیکن اس کے بعد کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار سنے تو نجاشی کو کہا کہ اس کو جواب دے چنانچہ اس نے کہا:

دعن معاوي ما لم یکونا لقد حقق اللّٰه ما تحذرونا

اے معاویہ رضی اللہ عنہ! جو باتیں ہوئیں نہیں ان کو چھوڑ دے جس کا تم کو اندیشہ تھا وہ تو اللہ نے کر دکھایا۔

أتاکم علي بأهل العراق وأهل الحجاز فما تصنعونا؟

علی رضی اللہ عنہ تمہاری طرف اہل عراق اور اہل حجاز کا لشکر لے کر آ گئے اب بتاؤ تم کیا کرو گے؟

یرون الطعان خلال العجاج وضرب الفوارس في النقع دینا

یہ ایسے لوگ ہیں جو غبار جنگ میں نیزہ بازی اور بہادروں کی گردنیں مارنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔

هم هزموا الجمع جمع الزبیر وطلحة والمعشر الناکثینا

انہی لوگوں نے طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کے لشکروں کو ہرایا اور باغیوں کی جماعت کو بھگا دیا۔

فإن يكره القوم ملك العراق فقد ما رضينا الذى تكرهونا

اگر عراقی حکومت تمہیں ناپسند ہے تو کوئی بات نہیں ہمیں تو تمہاری ناپسندیدہ چیز پہلے ہی سے بھاتی آئی ہے۔

فقولوا لكعب أخي وائل ومن جعل الغث يوماً سمينا:

تم وائل کے بھائی کعب کو کہہ دو اور اس شخص کو جس نے آج کمزور کو بھی موٹا سمجھ لیا۔

جعلتم علياً وأشياعه نظير ابن هند ألا تستحونا؟

کہ تم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اور ان کی جماعت کو ابن ہند کی طرح سمجھ لیا کیا تمہیں شرم نہیں آتی؟

اسی بیان مذہب کے سلسلہ میں کثیر عزہ کے اشعار ہیں جن میں وہ شیعہ عقیدہ کی تشریح کرتا ہے:

ألا إن الأئمة من قريش ولاة الحق أربعة سواء:

لوگو! دھیان سے سن لو والیان برحق ائمہ قریش سے ہوں گے اور وہ چار ہیں۔

علي والثلاثة من بنيه هم الأسباط ليس بهم خفاء

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے تین بیٹے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔

فسبطٌ سبط إيمان وبر وسبطٌ غيبته كربلاء

ایک نواسہ تو نیک اور ایماندار ہے اور ایک کو کربلا نے غائب کر دیا۔

وسبط لا يذوق الموت حتى يقود الخيل يقدمها اللواء

اور ایک نواسہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ گھوڑے سواروں کی قیادت نہ کرے جن کے آگے جھنڈا ہوگا۔

تغيب لا يرى فيهم زماناً برضوى عنده عسل وماء

وہ ایک زمانہ تک پوشیدہ رہے گا ظاہر نہ ہوگا اس کی جائے اقامت رضوی (پہاڑ) ہے جہاں اسے شہد اور پانی ملتا رہتا ہے۔

اور جیسے ثابت بن قطنہ جو اموی شاعر تھا مرجیہ کے مذہب کو ترجیح دیتے ہوئے کہتا ہے:

يا هند فاستمعي لي إن سيرتنا أن نعبد الله لم نشرك به أحدا

اے ہند! دھیان سے سن لے ہماری عادت یہ ہے کہ ہم اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔

نرجي الأمور إذا كانت مشبهة ونصدق القول فيمن جار أو عدا

جب کوئی معاملہ مشتبہ ہو جائے تو اس کا فیصلہ سپرد خدا کر دیتے ہیں اور ہر ظالم و سرکش کے بارے میں سچی و کھری بات کہتے ہیں۔

المسلمون على الإسلام كلهم والمشركون استبوا في دينهم قددا

تمام مسلمان اسلام پر ہیں اور مشرکوں نے اپنے دین میں نئی نئی جماعتیں گھڑ لی ہیں۔

ولا أرى أن ذنبا بالغ أحداً في الناس شركا إذا ما وحدوا الصمدا

میرا خیال ہے کہ کوئی گناہ شرک تک نہیں پہنچا سکتا جب تک لوگ خدا کی توحید کے قائل رہیں۔
اسی قصیدہ میں آگے چل کر کہتا ہے:

كل الخوارج مخطٍ في مقالته ولو تعبد فيما قال واجتهدا

ہر خارجی اپنے دعویٰ میں غلطی کرنے والا ہے خواہ وہ اپنے دعویٰ کے مطابق خوب عبادت وریاضت کرے۔

أما عليٌ وعثمان فإنهما عبدان لم يشركا بالله مذ عبدا

حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اللہ کے موحد بندے تھے جنہوں نے کبھی شرک نہیں کیا۔

الله أعلم ما قد يحضران به وكل عبد سيلقى الله منفردا

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ خدا کے سامنے کیا اعمال لے کر پہنچیں گے اور ہر بندہ اللہ سے تن تنہا ملے گا۔

یہی وہ مضامین ہیں جنہیں شاعری میں سیاسی حالات نے پیدا کر دیا تھا آپ نے شاید غور کیا ہو کہ ان میں سے اکثر کی بندش ڈھیلی، قافیہ بے سلیقہ، مضمون میں تکلف ہی تکلف جو بعض صورتوں میں اس نظم کے مشابہ ہے جس میں نثر کو بھی نظم کر دیا گیا ہو، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس شاعری کا وجدانی کیفیات کے ساتھ معمولی سا تعلق ہے اس کا اکثر حصہ بادل نخواستہ یا خوشامدانہ احساس یا مردہ طبیعت کا نتیجہ تھا، اخطل، فرزدق، جریر اور ان کے مذکورہ شعراء کے شعر میں ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ ان لوگوں میں جو اپنے دل کے جذبات اور احساسات کے ترجمان ہوں اور اپنی اور اپنی قوم کی طرف سے مدافعت کرتے ہوں اور ان لوگوں میں جو دوسرے کے دل کی ترجمانی کریں اور لالچ کی وجہ سے اپنی جماعت چھوڑ کر دوسروں کا ساتھ دیں۔

اس سب کچھ کے باوجود فرقہ پرست شعراء میں کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے دینی عقائد، جذباتِ نفسانی اور میلاناتِ تعصبی کے زیر اثر ہو کر شاعری کی، چنانچہ ان کی شاعری میں جمال اخلاص، جلال یقین اور قوتِ حقیقت پیدا ہو گئی، یہ شیعہ وخوارج شعراء ہیں لہٰذا شعراء عراق پر بحث کرتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ تھوڑی دیر ان کے اشعار کا بھی مطالعہ کریں تا کہ اس ذریعہ سے مذہب اور افکار بھی معلوم ہو سکیں۔

شیعہ شاعری:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پیدائش وتربیت کے باعث مناقب نبوت، مواہب رسالت، بلاغت وحی، راست بازیٔ مؤمن، شجاعتِ مجاہد کے وارث تھے ان سے محبت اور احترام کرنے میں تمام مسلمان متفق ہیں حتیٰ کہ یورپ کے باشندوں میں سے جن لوگوں نے آپ کی سیرت لکھی ہے وہ بھی اس محبت میں مسلمانوں کے شریک ہیں چنانچہ انگریزی کے کاتب ''کارلائل'' نے لکھا ہے:

> ''بہر حال جواں مرد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تو محبت کے بغیر چارہ نہیں، اللہ نے بچپن ہی سے شرافت ان کی طبیعت میں رکھ دی تھی اور عمر بھر ان کے اخلاق میں سخاوت جلوہ گر رہی پھر آپ کو قوتِ عمل، اولوالعزمی اور بے باکی ودیعت فرمائی گئی اور آپ کو شہسواری میں کمال اور شیر کی بہادری دی گئی ان سب پر مستزاد دل کی نرمی اور ایمان کی پختگی ہے یہ ایسے اخلاق ہیں جو سچی جواں مردی کے مناسب ہیں''۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے جھگڑوں سیاست اور خلافت میں انہی اخلاق کی روشنی میں چلے انہوں نے نہ تو خود غرضی سے کام لیا اور نہ فرقہ بندی کی کوشش کی اور نہ موقع کی تلاش میں رہے نہ ہی عصبیت کو بھڑکایا نہ مال و دولت کے ذریعے للچایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مخلص رہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خیر خواہانہ مشورے دیتے رہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے دلیل سے اپنی صفائی پیش کی لیکن ان کے عہدِ خلافت کے مفتوحہ علاقے سادہ اور زہد پسند دین سے انجان ہوتے جا رہے تھے اور محض دینی سیاست کے بس کا روگ نہ تھا کہ شام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مال اور عراق میں سرمایہ داروں کی دولت سے مسحور لوگوں کی بد اعتدالیوں کو روکے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیاست درہم برہم ہوگئی اور آپ کی خلافت ختم ہوگئی اور آپ کو محراب میں ظلماً شہید کر دیا گیا آپ کی موت و حیات ایک ستائی ہوئی فضیلت اور شہید نفس مطمئنہ کی خونی تاریخ بن گئی پھر یہ خوبیاں آپ کی اولاد اور گھر والوں کے حصہ میں آئیں اور آپ نے یہ عزم ان کو وراثت میں دے دیا لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر کے گلاس نے چپکے سے موت کی نیند سلا دیا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس بے دردی سے شہید کیے گئے کہ زمانہ اس واقعہ کی دہشت سے ہمیشہ کانپتا رہے گا۔

بنو امیہ کی طرف سے مصائب کا سلسلہ جاری رہا زید و یحییٰ قتل ہوئے، گھات میں بیٹھی ہوئی موت نے اولادِ علی رضی اللہ عنہ کو آزمائش میں ڈال دیا اور وہ ان حالات کا نہایت شجاعت و صبر اور ثواب کی امید کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے حتیٰ کہ ان کے چہرے معصومیت اور تقدس کے نور سے روشن ہوگئے اور ان کی محبت تمام مسلمانوں بالخصوص شیعہ حضرات کے دلوں میں رچ بس گئی، شیعہ کو آل علی رضی اللہ عنہ کے بے یار و مددگار چھوڑنے پر جو شرمندگی ہوئی اور ان پر ظلم و ستم ہوتے دیکھنے سے جو تکلیف ہوئی اس نے ان کے دلوں میں آل علی رضی اللہ عنہ کی محبت عبادت کے درجہ تک پیدا کر دی پھر یہ محبت عقائد کی شکلوں میں نمودار ہوئی چنانچہ انہوں وصیت کا عقیدہ بنا لیا اور امامت کو اصول دین میں سے بنا لیا اور اسے آل علی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں منحصر کر دیا حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی امامت کے بارے میں بکواس کرنے لگے لیکن ان کی شومئی قسمت کہ انہیں اقتدار و قوت حاصل نہ ہوسکی اس لیے رونے پیٹنے، مصائب کی تصویر کشی اور فضائل کا اعلان کر کے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا شروع کر دیا اور اس طرح ان کی شاعری میں گہرے رنج و غم، دردناک مرثیہ، عاجزانہ مدح اور سخت عصبیت کا رنگ غالب ہوگیا لیکن یہ خصوصیات پہلے شیعہ شاعروں کی شاعری میں اتنی نہیں پائی گئیں جتنی کہ بعد والوں کی شاعری میں ہیں کیونکہ اس خیال کا بنیادی عقیدہ کی شکل اختیار کرنا اور اہل اقتدار کا آل علی رضی اللہ عنہ پر ظلم و ستم کرنا اور شیعہ پر مظالم ڈھانا ان وجوہات کی بناء پر رفتہ رفتہ ان میں قوت اور سختی پیدا ہوگئی مزید برآں اس زمانہ میں امویوں کے سونے اور تلوار کے ڈر سے شیعہ شعراء کی تعداد کم تھی لہٰذا شیعہ شاعری کی ابتداء سچی محبت، خالص مدح اور سخت ہجو سے ہوئی پھر اس نے سخت ہو کر باہمی مقابلہ میں ایک دوسرے کو افضل بتانے شدید مباحثہ و مناظرہ فقہی نکتہ چینی اور جماعتی پروپیگنڈہ کی شکل اختیار کر لی جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے اس کی حقیقت درج ذیل امثلہ سے واضح ہو جائے گی۔ سادہ لیکن قوی جذبہ کی ترجمانی میں ابوالاسود دؤلی کہتا ہے:

يقول الأرذلون بنو قشير طوال الدهر لا تنسى عليا!

کمینے بنو قشیر کہتے ہیں کہ تو عمر بھر علی کو نہیں بھولے گا۔

بنو عبد النبيّ وأقربوه أحبُّ الناس كلهم إليا

حضور ﷺ کے چچا کے بیٹے اور آپ کے رشتہ دار مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں۔

أحبهم كحب الله حتى أجيء إذا بعثت على هويا

میں ان سے اللہ کی سی محبت رکھتا ہوں اور قیامت میں بھی میں اپنے اسی اعتقاد پر اٹھوں گا۔

فإن يك حبهم رشدا اصبهُ ولست بمخطيء إن كان غيا

اگر ان کی محبت سیدھا راستہ ہے تو میں نے اسے پالیا ہے اور اگر میں گمراہی میں بھی ہوں تب بھی غلطی کرنے والا نہیں۔

مدح وستائش اور باہمی فضیلت دینے میں ایمن بن خزیم اسدی کے اشعار ملاحظہ ہوں:

نهاركم مكابدة وصوم وليلكمُ صلاةٌ واقتراء

تمہارا دن عبادت و جہاد کی مشقتوں اور روزہ میں گزرتا ہے اور تمہاری رات نماز و تلاوت میں گزرتی ہے۔

أأجمعكم وأقواماً سواءَ وبينكُمُ وبينهمُ الهواء؟

کیا میں تمہیں اور دوسری قوموں کو برابر کر دوں حالانکہ تم میں اور ان میں بڑا فاصلہ ہے۔

وهم أرض لأرجلكم وأنتم لأرؤسهم وأعينهم سماء

وہ تمہارے قدموں کی زمین ہیں اور تم ان کے سر اور آنکھوں کے آسمان ہو۔

ابن مفرغ حمیری کے ہجو یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

ألا أبلغ معاوية بن صخر مغلغلة من الرجل اليماني

خبردار! معاویہ بن صخر کو ایک یمنی شخص کا یہ پیغام پہنچا دو۔

أتغضب أن يقال أبوك عفٌ وترضى أن يقال أبوك زاني؟

کیا وجہ ہے کہ اگر تمہارے باپ کو پاکباز کہیں تو تو غصہ ہوتا ہے اور زناکار کہیں تو راضی ہو جاتا ہے۔

فأشهد إن رحمك من زياد كرحم الفيل من ولد الأتان

میں حلفیہ کہتا ہوں زیاد کا تجھ سے ایسا ہی رشتہ ہے جیسے ہاتھی کا گدھے سے۔

وأشهد أنها ولدت زياداً وصخر من سُمَيَّة غير داني

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ زیاد کو اسی عورت نے جنا ہے لیکن صخر سمیہ کے قریب بھی نہیں گیا۔

عبداللہ بن ہشام سلولی یزید بن معاویہ کے بارے میں کہتا ہے:

حُشينا الغيظ حتى لو شربنا دماء بني أمية ما روينا

ہم غصہ وغضب کی آگ سے اس قدر بھرے ہوئے ہیں کہ اگر ہم بنوامیہ کا خون بھی پی لیں تب بھی سیراب نہ ہوں۔

لقد ضاعت رعيتكم وأنتم تصيدون الأرانب غافلينا

تمہاری پبلک تباہ ہوتی جارہی ہے اور تم مدہوش و غافل بنے خرگوشوں کا شکار کر رہے ہو۔

سیاسی جھگڑا میں کمیت کے اشعار وہ مسئلہ خلافت پر بحث کرتے ہوئے کہتا ہے:

يقولون لم يورث ولو لا تراثه لقد شركت فيه بجيل وأرحب

لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے میراث نہیں چھوڑی اگر آپ کی میراث نہ ہوتی تو اس میں ''بجیل'' اور ''ارحب'' قبیلے بھی شریک ہوتے۔

ولا انتثلت عضوين منها يحابرٌ وكان لعبد القيس عضو مؤرب

اور یحابر قبیلہ بھی اس کے دو حصے لے مارتا اور بنو عبدالقیس کا بھی ایک جداگانہ حصہ ہوتا۔

فإن هي لم تصلح لحي سواهمُ إذن فذو و القربى أحق وأقرب

لیکن جب میراث آپ کے قبیلہ کے علاوہ کسی کو نہیں مل سکتی تو قریبی رشتہ دار زیادہ حق دار تھے۔

فيالك أمراً قد تشتت جمعهُ وداراً ترى أسبابها تتقضب

افسوس کہ خلافت کا شیرازہ بکھر گیا اور اس کے خیمہ کی طنابیں ٹوٹتی جا رہی ہیں۔

تبدلت الأشرار بعد خيارها وجُدّ بها من أمة وهي تلعب!

برے لوگ نیکوں کے جانشین ہو گئے اور یہ معاملہ امت کے لیے نازک ہوتا چلا جا رہا ہے مگر وہ کھیل کود میں لگی ہوئی ہے۔

کمیت بن زید اسدی اپنے ہاشمی قصائد کی وجہ سے قریب تھا کہ بنو ہاشم کا منفرد شاعر بن جائے اس نے بنو ہاشم کی خوب تعریف کی ان کی موافقت میں دلیلیں پیش کیں اور سچی زبان خالص اعتقاد، بے خوف دل اور پر جوش طبیعت سے ان کا دفاع کیا اور جب ہشام بن عبدالملک نے اس کے قتل کا حکم دیا تو اس نے شیعہ مسلک کے مطابق تقیہ کی پناہ لی اور ہشام کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

فالآن صرتُ إلى أمية والأمور إلى المصاير

اب میں بنو امیہ کا حامی بن گیا اور سب کام اپنے انجام کی طرف لوٹتے ہیں۔

يا ابن العقائل للعقائل و الجحاجحة الاخاير

اے شرفاء زادے تمام شرفاء ورؤساء۔

من عبد شمس والأكابر من أمية فالأكابر

عبد شمس سے ہیں اور بڑے بڑے لوگ بنو امیہ میں سے ہیں۔

لكم الخلافة والإلاف برغم ذي حسد و واغر

خلافت، دوستی، وفاداری تمہارے لیے ہی ہے خواہ کینہ ور اور حاسد برا مانیں۔

کمیت چاہے کچھ بھی کہے لیکن جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں شیعہ شاعروں کا جذبہ طمع وخوف کی وجہ سے دبا ہوا تھا حتی کہ عہد عباسیہ میں سید حمیری، دعبل خزاعی، دیک الجن، مطیع بن ایاس، ابی الشیص، عکوک وغیرہ کی شاعری کے ذریعہ ان کے غصے کا دھواں، درد کی آہیں اور غم کے آنسو پھوٹ ہی نکلے۔

خوارج شاعری:

خوارج جن کی اکثریت خانہ بدوش، غیر مہذب اور سادہ لوح تھی یہ لوگ اپنے خیال پر پختہ اور اپنے دعوی پر بضد، فیصلہ میں زیادتی کے قائل، دین میں تشدد اختیار کرنے والے، عبادت میں غلو، معاملات میں سختی کرنے والے اور جنگ پر بھروسہ کرنے والے تھے ان لوگوں نے واقعہ تحکیم سے قبل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھرپور ساتھ دیا لیکن تحکیم کے بعد کہنے لگے آپ نے انسانوں کو حکم بنا دیا اور ان کو فیصلہ کا اختیار دے دیا حالانکہ فیصلہ کرنے والا تو اللہ ہی ہے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کر دی اور اس وقت تک ساتھ دینے سے انکار کر دیا جب تک وہ اپنے کو کافر مان کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد و پیاں کو ختم نہ کر دیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے مطالبہ سے انکار کر دیا اور نہروان کی لڑائی میں ان کو خوب مارا اس سے ان کا غصہ اور مخالفت اور بڑھ گئی پھر انہوں نے باہم مشورہ کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بے خبری میں مار دیا، خلفاء کے اعمال اور عوام الناس کے عقائد کا جائزہ لیا بعض کو مجرم اور بعض کو کافر بتایا پھر کہنے لگے کہ خلافت قریش اور عرب کے سواء دوسروں میں بھی درست ہے اور کہنے لگے کہ عمل ایمان کا جزء ہے چنانچہ انہوں نے بڑی شد و مد کے ساتھ شعائر کو اختیار کیا اور کبائر سے اجتناب کیا اور پہاڑی علاقوں میں پناہ لے کر اپنے مذہب کا بغیر تقیہ کے کھلے بندوں پرچار کیا دینداری میں ان کی حالت بقول ان کے ساتھی ابوحمزہ شاری کے یہ تھی کہ "یہ لوگ عبادت کی کثرت سے دبلے ہو گئے، شب بیداری کی وجہ سے کمزور لاغر ہو گئے زمانہ کی گردشوں کے مارے ہوئے ہیں لیکن اس حال میں بھی استقامت کے ساتھ قائم ہیں اور ان مصائب کو راہ خدا میں ہلکا سمجھتے ہیں میدان جہاد میں جب موت کی گرج سے لشکر چیخ اٹھتے ہیں تو یہ لشکر کی وعید کو وعید الٰہی کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتے ہیں ان میں سے ایک نوجوان آگے بڑھتا حتیٰ کہ اس کی ٹانگیں اس کے گھوڑے کی گردن میں پہنچ جاتی اور اس کے چہرے کے نقش و نگار خون سے لتھڑ جاتے اور جب نیزہ اس کے آر پار ہو جاتا تو وہ اپنے قاتل کے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑتا:

وعجلت اليك رب لترضى.

"یعنی اے پروردگار میں نے تیری طرف آنے میں جلدی کی"۔

لیکن اتنے تقویٰ اور خشیت کے باوجود اپنے مخالفین پر بڑی سختی کرتے تھے چنانچہ عورت کی کمزوری، بچہ کی معصومیت، بوڑھے کی ضعیفی، رشتہ داری کے تعلقات میں سے کسی چیز پر ان کو ترس نہ آتا تھا کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ انہوں نے اللہ سے جان و مال دے کر جنت کا سودا کر لیا ہے چنانچہ زندگی کے سارے اسباب کو انہوں نے ختم کر دیا اور دنیوی لذتوں کو مار دیا اور اس مذہب و مقصد کی راہ میں مرنے اور مارنے لگے بالکل دیہاتی پن، سخت عصبیت، خالص عقیدہ اور اپنے مذہب کی اشاعت کے سلسلہ میں ہمیشہ بحث و مناظرہ کی ضرورت کے باعث ان کی گفتگو نہایت سلیس، کلام عمدہ اور شاعری پختہ ہو گئی تھی البتہ شاعری ان کے ہاں خطابت سے دوسرے نمبر پر تھی کیونکہ ان کے مذہب کا دار و مدار اپنے نظریہ کے دل نشین کرانے اور آیات قرآنی و احادیث نبوی کے ذریعہ بحث و جدال کرنے پر تھا اور اس کام کے لیے شاعری کوئی خاص فائدہ مند نہیں لیکن اگر کوئی خارجی مقابلہ کے لیے نکلتا یا موت کا مقابلہ کرتا یا قید ہو جاتا تو اس کے اندر پر زور رجز یا پختہ قصیدہ ٹھاٹھیں مارنے لگتا جس میں وہ جنگ کا وصف بیان کرتا جہاد کی تمنا کرتا اور دنیا کی بے ثباتی، موت کی تحقیر، شوق شہادت، جنت کی تڑپ وغیرہ مناسب الفاظ عمدہ پیرایہ میں بیان کرتا اس کے علاوہ دوسرے موضوع ان کی

شاعری میں بہت کم ہیں۔ ام حکیم رجز میں کہتی ہے:

أحمل رأساً قد سئمت حمله　　وقد مللت دهنه وغسله

ألا فتى يحمل عني ثقله!

میں ایسا سر اٹھائے ہوئے ہوں کہ جس کے بوجھ سے اکتا گئی ہوں اور میں اسے تیل لگانے اور دھونے سے تنگ آ چکی ہوں، کیا کوئی ایسا نوجوان نہیں جو مجھ سے میرے بار کو اٹھالے۔

معاذ بن جوین قید میں ایک قصیدہ میں اپنی قوم کو جوش دلاتے ہوئے کہتا ہے:

ألا أيها الشارون قد حان لا مرىء　　شرى نفسه لله أن يترحلا

اے جان کی بازی لگانے والو! اب ان لوگوں کے کوچ کا وقت آ گیا ہے جنھوں نے اپنی جانیں اللہ کو بیچ دی ہیں۔

أقمتم بدار الخاطئين جهالة　　وكل امرىء منكم يصاد ليُقتلا

تم نادانی سے گناہ گاروں کی بستی میں ٹھہرتے رہے اور تم میں سے ہر شخص کو شکار کیا جاتا ہے تاکہ وہ قتل کر دیا جائے۔

فشدوا على القوم العداة فإنها　　أقامتكم للذبح رأيا مضللا

دشمن قوم پر حملہ کر دو کیونکہ انہوں نے اپنے باطل خیال کے مطابق تم کو ذبح کرنے کے لیے ٹھہرا رکھا ہے۔

ألا فاقصدوا يا قوم للغاية التي　　إذا ذكرت كانت أبر وأعدلا

اے میری قوم! اس مقصد کو پانے کا ارادہ کرو کہ جب اس کو ذکر کیا جائے تو وہ نہایت نیک اور منصفانہ ہو۔

فيا ليتني فيكم على ظهر سابح　　شديد القصيرى دارعاً غير أعزلا

کاش میں بھی تمہارے ساتھ تیز رفتار گھوڑے پر سوار، زرہ بند و مسلح ہوتا۔

فيارب جمع قد فللت، وغارة　　شهدت، وقرن قد تركت مجندلا

بہت سے لشکروں کو میں نے شکست دی تھی اور بہت سے حملوں میں میں شریک ہوا تھا اور بہت سے مقابل لوگوں کو میں نے زمین پر تڑپتا چھوڑ دیا تھا۔

طرماح بن حکیم کہتا ہے:

لقد شقيت شقاء لا انقطاع له　　إن لم أفز فوزة تنجي من النار

اگر میں جہنم سے بچ کر کامیاب نہ ہو جاؤں تو ایسی بدبختی میں چلا جاؤں گا جو کبھی ختم نہ ہو گی۔

والنار لم ينجُ من لهيبها أحد　　إلا المنيبُ بقلب المخلص الشاري

اور جہنم کے شعلوں سے صرف وہی شخص بچ سکتا جو خلوص دل کے ساتھ خدا کی طرف رجوع کرے اور اپنی جان کا نذرانہ پیش کرے۔

أو الذي سبقت من قبل مولده　　له السعادة من خلاقها الباري

یا وہ شخص کہ جس کی سعادت مندی کا خالق کونین نے اس کی پیدائش سے قبل ہی فیصلہ فرما دیا ہو۔
نیز اس کے یہ اشعار بھی ملاحظہ ہوں:

وأمسي شهيدا ثاوياً في عصابة　　يصابون في فج من الأرض خائف

میں ایسی جماعت کے ساتھ ٹھہر کر شہید ہو جاؤں جو پر خطر زمین کی گھاٹی میں ماری جائے۔

فوارس من شيبان ألف بينهم　　تقى الله نزالون عند الزواحف

جو بنو شیبان کے شہسوار ہیں اور ان کے دل اللہ کے خوف کی وجہ سے باہم ملے ہوئے ہیں وہ مصیبت میں کودنے والے ہیں۔

إذا فارقوا دنياهمو فارقوا الأذى　　وصاروا إلى ميعاد ما في المصاحف

جب وہ دنیا کو چھوڑ دیتے ہیں تو تمام تکالیف سے راحت پا لیتے ہیں اور اس وعدہ کو پا لیتے ہیں جو قرآن میں کیا گیا ہے۔
قطری بن فجاءۃ جنگ دولاب کے بارے میں کہتا ہے:

فلم أر يوما كان أكثر مقصعاً　　يمج دما من فائظ وكليم

اس واقعہ سے زیادہ میں نے کہیں خون و خاک میں غلطاں زخمی اور مقتولیں کو نہیں دیکھا جن کا خون ابل رہا تھا۔

وضاربة خداً كريماً على فتى　　أغر نجيب الأمهات كريم

اور نہ اتنی شریف عورتوں کو سخی و شریف و بہادر نوجوانوں پر روتے دیکھا۔

أصيب بدولاب ولم تك موطنا　　له أرض دولاب ودير حميم

جو دولاب میں مارے گئے حالانکہ دولاب، ان کا وطن اصلی نہ تھا اور نہ ہی دیر حمیم ان کا وطن تھا۔

فلو شهدتنا يوم ذاك وخيلنا　　تبيح من الكفار كل حريم

اس دن ہم اپنے گھوڑوں کے ساتھ وہاں موجود ہوتے تو وہ دیکھ لیتیں کہ ہم کافروں کی ہر عزت کو غیر محفوظ کر رہے ہیں۔

رأت فتية باعوا الإله نفوسهم　　بجنات عدن عنده ونعيم

وہ ایسی جماعت کو دیکھتیں جنہوں نے اپنی جانوں کا اللہ سے جنت عدن اور اس کی آسائشوں کے بدلے سودا کر لیا ہے۔
خوارج مقابلہ و مباحثہ میں شاعری و ہجو گوئی سے بہت کم کام لیتے تھے کیونکہ مباحثہ و مناظرہ کے لیے ان کے پاس قوت گویائی اور جنگ میں مقابلہ کے لیے تلوار تھی اسی کم حصہ میں ان کے شاعر کے یہ اشعار ہیں جو اس موقع پر مناظرانہ کہے گئے جب چالیس خارجیوں نے ابن زیاد کے دو ہزار سپاہیوں کو مار بھگایا تھا۔

أألفا مؤمن فيما زعمتم　　ويقتلكم بآسك أربعونا

کیا تم اپنے خیال کے مطابق دو ہزار مؤمن تھے؟ اور تمہیں مقام آسک میں صرف چالیس نے مات دے دی۔

كذبتم ليس ذاك كما زعمتم　　ولكن الخوارج مؤمنونا

تم جھوٹے ہو اور تمہارا خیال غلط ہے درحقیقت خوارج ہی مؤمن ہیں۔

هي الفئة القليلة قد علمتم على الفئة الكثيرة ينصرونا

اور تمہیں معلوم ہو ہی چکا کہ یہی وہ تھوڑی جماعت ہے جو بڑی جماعت پر غالب آ جاتی ہے۔

عمران بن حطان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہجو میں کہتا ہے:

لله در المرادي الذي سفكت كفاه مهجة شر الخلق إنسانا

شاباش ہے اس مرادی پر کہ جس کے ہاتھ نے بدترین خلائق کا خون بہایا۔

أمسى عشية غشاه بضربته مما جناه من الآثام عريانا

اپنے اس حملہ کی وجہ سے وہ اپنے گذشتہ کے تمام گناہوں سے پاک ہو گیا۔

یہ اشعار اس نے اس لیے کہے تھے کہ عمر کی زیادتی کی وجہ سے جنگ کرنے سے تو وہ قاصر تھا اس لیے اس نے زبانی لڑائی میں حصہ لیا۔

اموی شاعری کا نمونہ:

قطری بن فجاءة کہتا ہے:

أقول لها وقد طارت شعاعا من الأبطال ويحك لن تراعي

میں نے اپنے نفس کو جب وہ بہادروں سے ڈر کر پراگندہ ہونے لگا تو کہا افسوس ہے تجھ پر خوف مت کر۔

فإنك لو سألت بقاء يوم على الأجل الذي لك لم تطاعي

کیونکہ جو مدت تیرے لیے مقرر ہے اگر تو اس سے ایک دن بھی زائد مانگے گا تو وہ بھی تجھے نہیں مل سکتا۔

فصبراً في محال الموت صبراً فما نيلُ الخلود بمستطاع

لہٰذا موت کی جولانگاہ میں صبر سے کام لے کیونکہ ہمیشہ رہنا کسی کے بس میں نہیں ہے۔

ولا ثوب البقاء بثوب عز فيطوى عن أخي الخنع اليراع

اور موت سے بچنے کا لباس کوئی باعزت نہیں کہ ذلیل سے اتار کر شریف کو پہنا دیا جائے۔

سبيل الموت غايةُ كل حي فداعيه لأهل الأرض داع

ہر ذی روح کو آخر کار مرنا ہے اور موت کا فرشتہ تمام زمین والوں کو پکارنے والا ہے۔

ومن لا يعتبط يسأم ويهرم وتسلمه المنون إلى انقطاع

جو ایسے نہیں مرتا وہ بوڑھا ہو کر زندگی سے اکتا جاتا ہے آخر کار موت اسے بھی عدم کے حوالہ کر دیتی ہے۔

وما للمرء خير في حياة إذا ما عد من سقط المتاع

اور اس شخص کی زندگی میں کوئی فائدہ و بھلائی نہیں جس کا شمار بے کار متاع میں ہونے لگے۔

قریش کی تعریف میں عبداللہ بن قیس الرقیات کہتا ہے:

حبذا العيش حين قومي جميع لم تفرق أمورها الأهواء

وہ کس قدر اچھی زندگی تھی جب میری قوم متحد تھی اور خواہشات نے ان کے امور کو متفرق نہیں کیا تھا۔

قبل أن تطمع القبائل في ملك قريش و تشمت الأعداء

اس سے پہلے کی زندگی جب دوسرے قبیلے قریش کی حکومت میں طمع کرتے یا دشمن برے حال کو دیکھ کر خوش ہوتے۔

أيها المشتهي فناء قريش بيد الله عمرها والفناء

اے قریش کی بربادی چاہنے والے اس کی آبادی اور بربادی تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

إن تودع من البلاد قريش لا يكن بعدهم لحي بقاء

اگر قریش ہی دنیا سے چلے جائیں تو ان کے بعد کوئی قبیلہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔

حطیئہ، بغیض بن لائی کی مدح سرائی کرتا ہے:

تزور امرأ يؤتي على الحمد ما له و من يؤت أثمان المحامد يحمد

تم ایسے شخص سے ملاقات کرو گے جو اپنی تعریف پر مال دیتا ہے اور جو شخص تعریف کی قیمت اداء کرتا ہے اس کی تعریف کی ہی جاتی ہے۔

يرى البخل لا يبقي على المرء ماله ويعلم أن البخل غير مخلد

وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتا ہے کہ بخل کرنے سے مال بچتا بھی نہیں اور بخل انسان کو دائمی زندگی بھی نہیں دیتا۔

كسوب ومتلاف إذا ما سألته تهلل فاهتز اهتزاز المهند

وہ بڑا کمانے والا اور اڑانے والا ہے جب اس سے کچھ مانگا جاتا ہے تو اس کا چہرہ مارے خوشی کے ہندوستانی تلوار کی طرح چمکنے لگتا ہے۔

متى تأته تعشو إلى ضوء ناره تجد خير نار عندها خير موقد

رات کو جب تم اس کی جلائی ہوئی آگ پر مدد مانگنے جاؤ گے تو وہاں بہترین آگ اور اس کے پاس بہترین جلانے والا پاؤ گے۔

خنساء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

دل على معروفه وجهه بورك هذا هادياً من دليل

اس کا چہرہ اس کے فضل و کرم پر دلالت کرتا ہے اس دلالت کرنے والے راہنما چہرے پر برکتیں نازل ہوں۔

تحسبه غضبان من عزه ذلك منه خلق ما يحول

اس کے وقار اور رعب کی وجہ سے تم اسے غضبناک خیال کرو گے حالانکہ یہ اس کی ہمیشہ کی عادت ہے۔

و يلمه مسعر حرب إذا القي فيها وعليه الشليل

اگر اس پر معمولی زرہ ہو اور اسے آگ میں ڈال دیا جائے تو وہ جنگ کی آگ کو تیز بھڑکا دیتا ہے۔

کمیت اسدی، مسلمہ بن عبدالملک کی تعریف میں کہتا ہے:

فما غاب عن حلم ولا شهد الخنا ولا استعذب العوراء يوما فقالها

اس نے بردباری کا دامن کبھی نہ چھوڑا اور نہ کسی برائی میں شریک ہوا اور نہ ہی گھٹیا بات کو اچھا سمجھ کر منہ سے نکالا۔

وتفضل أيمان الرجال شماله كما فضلت يمنى يديه شمالها

اس کا بایاں ہاتھ داہنے ہاتھوں پر اس طرح سبقت لیے گیا جیسے اس کا دایاں ہاتھ بائیں پر۔

وما أجِمَ المعروف من كَرّه وأمراً بأفعال الندى وافتعالها

متواتر احسانات کرنے، سخاوت کرنے اور اس کا حکم دینے سے اس کی طبیعت مکدر نہیں ہوتی۔

ويبتدل النفس المصونة نفسه إذا ما رأى حقا ابتذالها

وہ اپنے باعزت نفس کو حقیر کر دیتا ہے جب اس کو حقیر کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

بلوناك في أهل الندى ففضلتهم وباعك في الأبواع قدما فطالها

ہم نے دوسرے سخیوں سے آپ کا مقابلہ کیا تو آپ ان سب سے بڑھ گئے اور آپ کا دست کرم تو پہلے بھی ان کے ہاتھوں سے لمبا رہا ہے۔

فأنت الندي فيما ينوبك والسدى إذا الخود عدت عقبة القدر مالها

آپ اس نازک وقت میں بھی سخاوت و احسان نہیں چھوڑتے جب باعزت عورتیں ہنڈیا کے بچے ہوئے سالن کو اپنا سرمایہ سمجھتی ہیں۔

لیلیٰ اخیلیہ، توبہ کے مرثیہ میں کہتی ہے:

لعمرك ما بالموت غار على الفتى إذا لم تصبه في الحياة المعاير

تیری زندگی کی قسم موت انسان کے لیے کوئی باعث عار نہیں بشرطیکہ زندگی میں اس نے باعث عار کام نہ کیا ہو۔

وما أحد حي و إن عاش سالما بأخلد ممن غيبته المقابر

اور کوئی زندہ خواہ وہ عرصہ دراز تک بسلامت رہے قبر میں مدفون شخص سے لمبی زندگی نہیں پا سکتا۔

فلا الحي مما أحدث الدهر معتبٌ ولا الميّت إن لم يصبر الحيُّ ناشر

زمانہ کی گردشوں سے کسی زندہ کا غصہ دور نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی زندہ شخص کے رونے اور بے صبری کرنے سے مردہ اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔

و كل جديد أو شباب إلى بلى وكل امرىء يوما إلى الموت صائر

ہر نئی چیز یا جوانی ایک دن پرانی ہو جائے گی اور ہر شخص نے آخر کار مرنا ہے۔

وكل قريني ألفة لتفرق بستاتا وإن ضنا وطال التعاشر

محبت میں منسلک ہر جوڑا ایک دن جدا ہو جائے گا خواہ ایک دوسرے کو کتنا ہی چاہیں اور کتنا عرصہ ہی اکٹھے رہیں۔

فلا يُبْعِدَنْكَ اللّٰهُ يا توب هالكا أخا الحرب إن دارت عليك الدوائر

اے توبہ! خدا تجھے دور نہ کرے تو آفات ومصائب کے آنے کے وقت بڑا بہادر اور جنگجو ہوتا تھا۔

فآليت لا أنفك أبكيك مادعت على فنن و رقاء أو طار طائر

میں نے قسم کھائی ہے کہ تجھ پر روتی رہوں گی یہاں تک کہ کبوتر پرسوز آواز نکالنا اور پرندے اُڑنا نہ چھوڑ دیں۔

بوذؤیب ہذلی اپنے ان پانچ بیٹوں کے مرثیہ میں کہتا ہے جو مصر ہجرت کر کے گئے اور ایک ہی سال میں سب فوت ہو گئے:

أمن المنون وريبها تتوجع والدهر ليس بمعتب من يجزع؟

کیا موت اور حوادثات زمانہ سے تو دکھ اور تکلیف محسوس کر رہا ہے؟ حالانکہ زمانہ دکھ اور تکلیف کے مارے کو کبھی نہیں مناتا۔

قالت أمامة ما لجسمك شاحبا منذ ابتذلت ومثل مالك ينفع

امامہ مجھ سے کہتی ہے کہ جب سے تم نے غم وفکر کرنا شروع کیا ہے تم ختم ہوتے جا رہے ہو اور حالانکہ تمہارا مال تمہیں فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

فأجبتها إن ما لجسمي إنه أودى بني من البلاد فودعوا

میں نے اس کو کہا میرا جسم اپنے بچوں کے فراق میں گھلا جا رہا ہے جو مر گئے اور جدا ہو گئے۔

أودى بني فأعقبوني حسرة عند الرقاد وعبرة لا تقلع

وہ تو ہلاک ہو گئے لیکن میرے نصیب میں نیند وآرام کے بجائے غم اور افسوس اور نہ تھمنے والے آنسو چھوڑ گئے۔

فالعين بعدهم كأن حداقها كحلت بشوك فهي عوراء تدمع

ان کے بعد میری آنکھ کا یہ حال ہے کہ گویا اس کے ڈھیلوں میں کانٹے چبھے ہوئے ہوں اور وہ پرآشوب ہوں۔

فغبرت بعدهم بعيش ناصب وإخال أني لا حق مستتبع

میں ان کے بعد سخت مصیبت کی زندگی میں پڑ گیا ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ میں ان کے پیچھے ان سے ملنے ہی والا ہوں۔

سبقوا هوي وأعنقوا لهوا هم فتُخُرِّموا ولكل جنب مصرع

وہ میری خواہش پر سبقت لے گئے اور اپنی خواہشوں کے پورا کرنے کے لیے تیز دوڑ گئے سو وہ مر گئے اور پہلو کے لیے زمین پر گرنے کی جگہ ہے۔

ولقد حرصت بأن أدافع عنهم وإذا المنية أقبلت لا تدفع

یہ ایسے بیٹے ہیں کہ میں نے ان سے موت کو بہت دور کرنا چاہا پر موت جب آتی ہے تو اس کو ہٹایا نہیں جا سکتا۔

وإذا المنية أنشبت أظفارها ألفيت كل تميمة لا تنفع

اور جب موت اپنے پنجے گاڑ دیتی ہے تو پھر تمہیں کوئی تعویذ فائدہ مند نہ ہوگا۔

وتجلدي للشامتين أريهم أني لريب الدهر لا أتضعضع

اور میں بتکلف صبر وسکون اس لیے ظاہر کرتا ہوں تا کہ میرے بدخواہوں کو معلوم ہو جائے کہ زمانہ کی گردشوں سے میں ڈگمگانے والا نہیں۔

حتى كأني للحوادث مروة بصفا المشرق كل يوم تقرع

اب ایسا لگتا ہے کہ میں حوادثات زمانہ کے لیے صفا المشرق کا پتھر ہوں جس کو ہر روز ٹھوکا اور پیٹا جاتا ہے۔

جریر اپنے بیٹے کے مرثیہ میں کہتا ہے:

قالوا تصيبك من أجر فقلت لهم كيف العزاء وقد فارقت أشبالي

لوگ کہتے ہیں صبر کرو خدا تمہیں اجر دے گا، میں نے ان سے کہا تم کس بات کی تسلی دیتے ہو اور میں کس چیز پر صبر کروں جبکہ میں اپنے بچوں سے جدا ہو گیا۔

فارقتني حين كف الدهر من بصري وحين صرت كعظم الرمة البالي

بیٹا تو ایسے وقت مجھ سے جدا ہوا کہ زمانہ نے میری بینائی بھی ختم کر دی اور میں بوسیدہ ہڈی کی طرح ہو گیا۔

...ن اسماء کی ہجویہ شاعری ملاحظہ ہو:

لوكنت أحمل خمرا يوم زرتكم لم ينكر الكلب أني صاحب الدار

جس دن میں تمہاری ملاقات کے لیے آیا اگر شراب میں اپنے ساتھ لاتا تو تمہارا کتا مجھے ضرور پہچان لیتا کہ میں بھی گھر والا ہوں۔

لكن أتيت وريح المسك يفغمني وعنبر الهند أذكيه على النار

لیکن اس وقت مشک کی خوشبو مجھ سے پھوٹ رہی تھی اور ہندوستانی عنبر کی دھونی میں، میں بسا ہوا تھا۔

فأنكر الكلب ريحي حين أبصرني وكان يعرف ريح الزق والقار

جب مجھے کتے نے دیکھا تو میری خوشبو اسے نامانوس اور بری لگی اور وہ مجھے نہ پہچان سکا کیونکہ وہ تو پانی کی مشک اور تارکول کی بو سے مانوس تھا۔

دوسرا شاعر کہتا ہے:

أقول حين أرى كعباً ولحيته لا بارك الله في بضع وستين

میں جب کعب کو دیکھتا ہوں اور اس کی داڑھی کو دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ اللہ ساٹھ سال سے اوپر برکت نہ کرے۔

من السنين تولاها بلا حسب ولا حياء ولا قدر ولا دين

اتنی عمر ہو گئی لیکن نہ تو حسب ہے، نہ شرم، نہ عزت، نہ دینداری ہے۔

عبدالرحمٰن بن الحکم کہتا ہے:

لحا الله قيساً قيس عيلان إنها أضاعت ثغور المسلمين وولت

اللہ قیس عیلان قبیلہ کو تباہ کرے کہ اس نے مسلمانوں کی سرحدوں کو ختم کر دیا اور بھاگ گیا۔

فشاول بقيس في الطعان ولا تكن أخاها إذا ما المشرفية سلت

تم جنگ میں قیس کے ساتھ خوب نیزہ بازی کرو اور جب تلواریں ننگی ہو جائیں تو اس کے حلیف مت بننا۔

طرماح بنو تیم کی ہجو میں کہتا ہے:

تميم بطرق اللؤم أهدى من القطا ولو سلكت سبل المكارم ضلت

بنو تمیم برائی کے راستوں کو قطا (کونج) سے بھی زیادہ پہچانتے ہیں اور اگر نیکی و شرافت کے راستہ پر چلتے ہیں تو بھٹک جاتے ہیں۔

ولو أن برغوثا على ظهر نملة يكر على صفي تميم لولت

اگر کوئی پسو چیونٹی پر سوار ہو کر بنو تمیم کی دوصفوں پر حملہ کر دے تو یہ بھاگ کھڑے ہوں۔

جندح بن جندح مری مقام "صول" کی رات کا وصف بیان کرتا ہے:

في ليل صول تناهى العرض والطول كأنما ليله بالليل موصول

صول کی رات بہت لمبی چوڑی ہوگئی ایسا لگتا تھا کہ وہ دوسری رات کے ساتھ جوڑ دی گئی ہے۔

لا فارق الصبح كفي إن ظفرت به وإن بدت غرة منه وتحجيل

اگر مجھے صبح مل جاتی تو میں اس کو کبھی نہ چھوڑتا چاہے اس کی ابتدائی روشنی ہی مل جاتی۔

لساهر طال في صول تململهُ كأنه حية بالسوط مقتول

اس رات جاگنے والا بہت تڑپ و بے چینی میں رہا اس سانپ کی طرح جس کو کوڑوں سے مارا جاتا ہو۔

متى أرى الصبح قد لاحت مخايلهُ والليل قد مزقت عنه السراويل

میں کب دیکھوں گا کہ صبح کے آثار ظاہر ہو گئے اور رات کی پوشاک پارہ پارہ ہو گئی۔

ليل تحير ما ينحط في جهة كأنه فوق متن الأرض مشكول

رات حیران و پریشان ایک حال پر ٹھہری ہوئی ہے کسی طرف نہیں جھکتی گویا اس کو بیڑیاں ڈال کر زمین پر رکھ دیا گیا ہے۔

نجومه ركدٌ ليست بزائلة كأنما هن في الجو القناديل

اس کے تارے بغیر ہلے اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں جیسے وہ آسمان میں لٹکے ہوئے فانوس ہوں۔

ما أقدر الله أن يدني على شحط من داره الحزن ممن داره صول!

اللہ تو اس بات پر خوب قادر ہیں کہ حزن والوں کو باوجود دوری کے صول والوں کے قریب کر دے۔

الله يطوي بساط الأرض بينهما حتى يُرى الربعُ منه وهو مأهول

اللہ ان کے درمیانی فاصلہ کو سمیٹ کر چھوٹا کر دے گا حتیٰ کہ حزن کے آباد مقامات نظر آنے لگیں گے۔

خنساء رضی اللہ عنہا اپنے باپ اور بھائی کے درمیان ہونے والے مقابلہ دوڑ کا منظر یوں بیان کرتی ہے:

جاری أباه فأقبلا وهما يتعاوران مُلاءة الحضر

اس نے اپنے باپ کا دوڑ میں مقابلہ کیا دونوں سامنے آئے اور وہ دوڑ میں مسابقت کر رہے تھے۔

حتى إذا نزت القلوب وقد لزت هناك العذر بالعذر

حتیٰ کہ جب دل تیزی سے اچھلنے لگے اور وہاں عذر سے عذر مل گیا۔

وعلا هتاف الناس أيهما؟ قال المجيب هناك لا أدري

اور لوگوں کا نعرہ بلند ہوا کہ کون اوّل ہے تو وہاں جواب دینے والے نے کہا کہ میں نہیں جانتا۔

برزت صحيفة وجه والده ومضى على غلوائه يجري

اتنے میں اس کے باپ کا چہرہ نمودار ہوا اور بیٹا اپنی جوانی کی مستی میں دوڑتا چلا جا رہا تھا۔

أولى فأولى أن يساويه لو لا جلال السن والكبر

وہ کہاں اس قابل تھا کہ اپنے باپ کے برابر ہوتا اگر باپ پر بڑی عمر اور بڑھاپے کا جلال نہ ہوتا۔

وهما وقد برزا كأنهما صقران قد حطا إلى وكر

وہ دونوں اس طرح سامنے آئے گویا کہ وہ دو باز ہیں جو ایک گھونسلے پر گر رہے ہوں۔

فرزدق اس بھیڑیے کا حال بیان کر رہا ہے جس سے وہ راستہ میں ملا اور اپنے کھانے میں اسے ساتھی بنایا:

وأطلس عسال وما كان صاحبا دعوت لناري موهنا فأتاني

خاکی رنگ کا بھیڑیا جو ساتھی بنانے کے قابل نہ تھا میں نے نصف شب کو اسے اپنی آگ پر بلایا اور وہ آ گیا۔

فلما أتى قلت أدن دونك إنني وإياك في زادي لمشتركان

جب وہ آ گیا تو میں نے اس سے کہا نزدیک ہو جا اور دیکھ میرے اس توشہ میں ہم دونوں شریک ہیں۔

فبت أقُدّ الزاد بيني وبينه على ضوء نار مرة ودخان

پس وہ توشہ میں نے رات کو دھوئیں اور آگ کی روشنی میں اپنے اور اس کے درمیان بانٹا۔

وقلت له لما تكشر ضاحكاً وقائم سيفي من يدي بمكان

اور میں نے اسے کہا جب اس نے ہنستے ہوئے دانت نکالے اس حال میں کہ تلوار کے دستہ کو میں نے مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا

تعشّ فإن عاهدتني لا تخونني تكن مثل من يا ذئبُ يصطحبان

تو رات کا کھانا کھا پھر اگر تو نے مجھ سے عہد کر لیا کہ میرے ساتھ خیانت نہ کرے گا تو ہم دونوں بے تکلف دوست بن جائیں گے۔

وأنت امرؤ يا ذئب والغدر كنتما أخيين كانا أرضعا بلبان

لیکن اے بھیڑیے تو اور بیوفائی ان دو بھائیوں کی طرح ہو جنھوں نے ایک ماں کا دودھ پیا ہو۔

ولو غيرنا نبهت تلتمس القرى　　رماك بسهم أو شباة سنان

اگر تو ہمارے علاوہ کسی اور کو مہمانی کی تلاش میں جگاتا تو وہ تجھے تیر کا نشانہ بناتا یا تیز نیزہ سے تجھے زخمی کر دیتا۔

ایک حجازی شاعر اپنی بیوی کی اس کیفیت کو بیان کرتا ہے جو اس پر شوہر کے دوسری شادی کرنے کی خبر سن کر طاری ہوئی:

خبروها بأنني قد تزوجت　　فظلت تكاتم الغيظ سرا

لوگوں نے اسے بتلایا کہ میں نے دوسری شادی کر لی ہے تو وہ بتکلف اپنا غصہ اندر ہی اندر چھپاتی رہی۔

ثم قالت لأختها ولأخرى　　جزعاً: ليته تزوج عشرا!

پھر اس نے اپنی بہنوں اور دوسری عورتوں سے افسوس میں کہا کہ کاش وہ دس شادیاں کر لیتا۔

وأشارت إلى نساء لديها　　لا ترى دونهن للسر سترا:

اور اپنی خاص راز دار سہیلیوں سے چپکے سے کہنے لگی:

مالقلبي كأنه ليس مني　　وعظامي كأن فيهن فترا؟

میرے دل کو کیا ہو گیا ایسا لگتا ہے وہ میرے جسم میں ہے ہی نہیں اور میری ہڈیوں کو کیا ہو گیا جیسے وہ ٹوٹی جا رہی ہوں۔

من حديثٍ نما إلي فظيعٍ　　خِلتُ في القلب من تلظيه حمراً

اس جانکاہ خبر سے جو مجھے پہنچی ہے اس سے تو میرے دل میں آگ بھڑکتی محسوس ہو رہی ہے۔

عروہ بن اُذینہ کے غزلیہ اشعار:

إن التي زعمت فؤادك ملها　　خلقت هواك كما خُلقت هوى لها

وہ جو یہ خیال کرتی ہے کہ تیرا دل اس سے اکتا گیا ہے یہ بات نہیں بلکہ وہ میرے لیے پیدا ہوئی ہے جیسے میں اس کے لیے پیدا ہوا ہوں۔

بيضاء باكرها النعيم فصاغها　　بلباقة فأدقها وأجلها

گوری، چٹی، ناز و نعمت میں پرورده اس آسائش کی زندگی نے اسے کمال سڈول جسم میں ڈھالا ہے کہیں سے پتلا رکھا ہے اور کہیں سے موٹا۔

حجبت تحيتها فقلت لصاحبي:　　ما كان أكثرها لنا وأقلها!

اس نے سلام دعا بھی بند کر دی تو میں نے اپنے دوست سے کہا ہم پر اس کا انعام و اکرام کی کثرت تھی تو کس قدر اور اب قلت ہے تو وہ بھی کس حد تک۔

وإذا وجدت لها وساوس سلوة　　شفع الضمير إلى الفؤاد فسلها

جب اس کو بھلانے کے فاسد خیالات دل میں آتے ہیں تو ضمیر دل سے سفارش کر کے ان کو نکلوا دیتا ہے۔

جمیل بن معمر کہتا ہے:

وإني لأرضى من بثينة بالذي لو أبصره الواشي لقرت بلا بله

میں بثینہ کے عشق میں ایسی حالت پر بھی راضی ہوں کہ جس کو اگر چغل خور دیکھے تو اس کے سینے میں ٹھنڈ پڑ جائے۔

بلا ، و بِلا أستطيع، وبالمنى، و بالأمل المرجو قد خاب آمله

اور بثینہ کے ''لا'' (نہیں) اور ''لا استطیع'' (میں طاقت نہیں رکھتی) کہنے پر بھی اور صرف تمنا اور ناکام آرزو پر بھی راضی ہوں۔

وبالنظرة العجلى، وبالحول تنقضي أواخره لا نلتقي وأوائله

اس کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھنے پر اور اس سال پر بھی جس کا شروع و آخر کا زمانہ بغیر وصال کے گزر جائے۔

نیز کہتا ہے:

ما زلتم يا بثن حتى لو أنني من الشوق أستبكي الحمام بكى ليا

اے بثینہ تیری محبت کبھی ختم نہ ہوگی اور میرے جذبہ عشق کی یہ حالت ہے کہ اگر میں کبوتر کو رلانا چاہوں تو وہ بھی رودے۔

إذا خدرت رجلي وقيل شفاؤها دعاء حبيب كنت أنت دعائيا

جب میرا پاؤں سن ہو جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کی شفاء محبوب کا نام لینا ہے تو تیرا نام ہی منہ پر آتا ہے۔

وما زادني النأي المفرق بعدكم سلوا ولا طولُ التلاقي تقاليا

تمہارے بعد جدائی نے میرے سکون میں اضافہ نہیں کیا اور نہ ہی وصال کے طویل ہونے نے مجھے متنفر کیا۔

ولا زادني الواشون إلا صبابة ولا كثرة الناهين إلا تماديا

اور چغل خوروں نے عشق و محبت ہی کو بڑھایا ہے اور نصیحت کرنے والوں کی نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ میں بے خودی و مستی میں بڑھتا چلا گیا۔

لقد خفت أن ألقى المنية بغتة و في النفس حاجات إليك كما هيا

ڈر تو مجھے اس بات کا ہے کہ کہیں موت اچانک نہ آجائے اور دل کے ارمان دل ہی میں نہ رہ جائیں۔

یزید بن طثر یہ کہتا ہے:

بنفسي من لو مر برد بنانهُ على كبدي كانت شفاء أنامله

میری جان اس پر قربان کہ اگر اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک میرے جگر پر پھر جائے تو وہ انگلیاں میرے لیے باعث شفاء بن جائیں۔

و من هابني في كل أمر وهبته فلا هو يعطيني ولا أنا سائله

جو ہر بات میں میرا لحاظ کرتا ہے اور میں بھی اس کا لحاظ کرتا ہوں اس لیے نہ میں اس سے کچھ مانگتا ہوں اور نہ وہ مجھے کچھ دیتا ہے۔

قیس بن ذریح کہتا ہے:

فإن يحجبوها أو يحُلُ دون وصلها مقالة واش أو وعيد أمير
اگر لوگوں نے اسے چھپا دیا یا اس سے ملاقات کی راہ میں چغلخور کی چغلی یا حاکم کی سزا مانع ہے تو ہوتی رہے۔

فلم يمنعوا عيني من دائم البكا و لم يذهبوا ما قد أجن ضميري
یہ لوگ میری آنکھوں کو تو مسلسل رونے سے نہیں روک سکتے اور نہ میرے دل کی پوشیدہ محبت کو ختم کر سکتے ہیں۔

کثیر نے ایک قصیدہ عزہ کی جدائی اور اپنی تسلی کے بیان میں کہا جس میں وہ کہتا ہے:

وما كنت أدري قبل عزة ما البكا ولا موجعات القلب حتى تولت
عزہ کی جدائی سے پہلے میں رونے کو جانتا بھی نہ تھا اور دل کے درد و کرب کو بھی نہ جانتا تھا۔

وكانت لقطع الحبل بيني وبينها كناذرةٍ نذراً فأوفتِ وحلت
اس نے ہمارے درمیان رشتہ محبت کو اس طرح کاٹ دیا جس طرح کوئی نذر ماننے والی اپنے نذر پوری کر کے بےفکر ہو جائے۔

ولم يلق إنسانٍ من الحب ميعةً نعم ولا غماء إلا تحلت
اور کوئی انسان محبت میں سدا رہنے والا جوش نہیں پاتا اور نہ ایسی مشکل جو ختم نہ ہو سکے۔

أريد الثواء عندها وأظنها إذا ما أطلنا عندها المكث ملت
میں اس کے پاس ٹھہرنا چاہتا ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ وہ ہمارے زیادہ ٹھہرنے سے تنگ ہو جاتی ہے۔

فما أنصفت، أما النساء فبغضت إلي، وأما بالنوال فضنت
اس نے انصاف نہیں کیا دوسری عورتوں کو تو میری نگاہ میں گرا دیا اور خود وصال میں بخل کرتی ہے۔

يكلفها الغيران شتمي وما بها هواني، ولكن للمليك استذلت
اس کا شوہر اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ مجھے گالی دے حالانکہ وہ میری تذلیل نہیں چاہتی بس اپنے آقا کے حکم میں کہہ دیتی ہے۔

هنيئاً مريئاً غير داءٍ مخامرٍ لعزة من أعراضنا ما استحلت
بڑی خوشی کے ساتھ وہ تمام بدسلوکیاں جو اس نے ہماری بے آبروئی میں روا رکھیں عزہ کو مبارک ہوں۔

فوالله ما قاربت إلا تباعدت بهجر ولا أكثرت إلا أقلت
اللہ کی قسم! میں جب بھی اس کے قریب ہوا تو وہ دامن چھڑا کر دور ہو گئی اور جب بھی میں نے زیادتی کا سوال کیا تو اس نے اور کمی کر دی۔

فإن تكن العتبى فأهلاً و مرحباً وحقت لها العتبى لدينا وقلتِ
اب اگر وہ ہم سے خوش ہے تو بڑی اچھی بات ہے اور اسے ہم سے خوش رہنا ضروری ہے اور یہ معمولی بات ہے۔

وإن تكن الأخرى فإن وراءنا مناذح لو سارت بها العيسُ كلتِ
لیکن اگر دوسری بات ہے تو ہمارے سامنے بہت سے لق و دق صحراء ہیں جن میں قافلے چلتے چلتے تھک جائیں گے۔

أسيئي بنا أو أحسني لا ملومة　　لدينا ولا مقلية إن تقلت

اے عزہ! تم میرے ساتھ چاہے اچھا سلوک کرو یا برا تمہیں کوئی ملامت نہ ہوگی اور اگر تم ہم سے دشمنی بھی کرو گی تو ہم پھر بھی تم سے دشمنی نہ کریں گے۔

فما أنا بالداعي لعزة بالجوى　　ولا شامت أن نعلُ عزة زلت

میں عزہ کو آتش عشق میں جلنے کی بد دعا نہیں دیتا نہ اس کے جوتا پھسلنے پر خوش ہوتا ہوں۔

فلا يحسب الواشون أن صبابتي　　بعزة كانت غمرة فتحلت

چغل خور یہ نہ سمجھیں کہ میری اس سے محبت ایک نشہ تھی جو کافور ہوگئی۔

فوالله ثم الله ما حل قبلها　　ولا بعدها من خلةٍ حيث حلتِ

واللہ، باللہ اس کی محبت دل میں ایسی جگہ جاگزین ہے جہاں اس سے پہلے یا اس کے بعد کسی کی محبت نہیں پہنچی۔

فيا عجبا للقلب كيف اعترافه　　وللنفس لما وطنت كيف ذلت!

تعجب ہے دل پر وہ کیسے یہ اعتراف کر رہا ہے اور حیرت ہے نفس پر کہ جب اس کو آمادہ کیا جاتا ہے تو وہ کیسے جھک جاتا ہے۔

وإني وتهيامي بعزة بعدما　　تخليت مما بيننا وتخلت

اس کے اور میرے ایک دوسرے کو چھوڑنے کے بعد میرا حال عزہ کی محبت میں اس شخص کی طرح ہے۔

لكالمرتجي ظل الغمامة كلما　　تبوأ منها للمقيل اضمحلت

جو بادل کے سائے تلے آرام کرنا چاہے اور لیٹنے کے لیے زمین ہموار کرے تو بادل چھٹ جائے۔

فإن سأل الواشون فيم هجرتها　　فقل نفس حسر سليت فتسلت

اگر چغل خور دریافت کریں کہ تو نے اسے کیوں چھوڑ دیا تو کہہ دینا کہ شریف انسان کے نفس کو تسلی دی گئی تو وہ بہل گیا۔

جریر یزید کی طرف سے کہتا ہے:

فأنت أبي ما لم تكن لي حاجةٌ　　فإن عرضت أيقنت أن لا أباليا

جب تک مجھے کوئی ضرورت نہ پیش آئے اس وقت تک آپ میرے باپ ہیں لیکن جب کوئی ضرورت پڑ جائے تو میں یقین کر لیتا ہوں کہ میرا کوئی باپ نہیں۔

وإني لمغرور أعلل بالمنى　　ليالي أرجو أن مالك ماليا

میں دھوکہ میں پڑا ہوا تمناؤں سے اپنا دل بہلا رہا تھا جب یہ خیال کرتا تھا کہ تمہارا مال میرا مال ہے۔

بأي نجادٍ تحمل السيف بعدما　　قطعت القوى من محمل كان باقيا؟

تم اپنے پرتلے کی باقی بچی کھچی لڑیاں کاٹ دینے کے بعد کس پرتلے پر تلوار لٹکاؤ گے۔

بأي سنان تطعن القوم بعدما　　نزعت سناناً من قناتك ماضيا؟

اور اپنے نیزہ کے تیز پھل کو نکال دینے کے بعد کس نیزہ سے لوگوں کا مقابلہ کرو گے۔

مالک بن اسماء عذر بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

لكل جواد عثرة يستقيلها وعثرة مثلي لا تقال مدى الدهر

ہر نوجوان دانا مرد سے لغزش ہو جاتی ہے جس پر وہ معافی مانگتا ہے لیکن میرے جیسے کی لغزش زندگی بھر نا قابل معافی ہے۔

فهبني يا حجاج أخطأت مرة وجرت عن المثلى وغنيت بالشعر

اے حجاج! فرض کریں ایک دفعہ مجھ سے خطا ہو گئی اور اعلیٰ اخلاق سے ہٹ کر کچھ شعر کہہ دیئے۔

فهل لي إذا ما تبت عندك توبة تدارك ما قد فات في سالف العمر؟

اب اگر میں آپ کے پاس آ کر توبہ کرلوں تو میری معافی کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟

حطیئہ کہتا ہے:

أتتني لسان فكذبتها و ما كنت أحسبها أن تقالا

مجھے ایک ایسی خبر ملی جس کے کہے جانے کا مجھے خیال بھی نہ تھا میں نے اس کو جھٹلا دیا۔

بأن الوشاة بلا حرمة. أتوك فراموا لديك المحالا

وہ خبر یہ ہے کہ چغل خوروں نے آپ کے پاس آ کر بڑی فریب دہی سے کام لیے اور عزت و آبرو کا خیال بھی نہ رکھا۔

فجئتك معتذراً راجياً لعفوك أرهب منك النكالا

لہٰذا میں معذرت کرنے کے لیے اس امید کے ساتھ حاضر ہوا ہوں کہ آپ معاف کر دیں گے مجھے آپ کی گرفت سے ڈر لگتا ہے۔

فلا تسمعن بي مقال العدى ولا توكلني هديت الرجالا

آپ میرے بارے میں دشمنوں کی باتیں نہ مانئے اور خدا آپ کی راہنمائی فرمائے مجھے ان لوگوں کا نوالہ نہ بنایئے۔

فإنك خير من الزبرقان أشد نكالاً وخير نوالا

آپ تو زبرقان سے بھی بہتر ہیں بڑے سخت گیر بھی ہیں اور نہایت فیاض بھی۔

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

المال يغشى رجالا لا طباخ بهم كالسيل يغشى أصول الدندن البالي

بیوقوف لوگوں پر مال اس طرح گھس آتا ہے جیسے گلے ہوئے پودے کی جڑ میں سیلاب کا پانی گھس آتا ہے۔

أصون عرضي بمالي لا أدنسه لا بارك الله بعد العرض في المال

میں اپنے مال کے ذریعہ اپنی آبرو کی حفاظت کرتا ہے اس کو داغدار نہیں ہونے دیتا اور ایسے مال میں اللہ کوئی برکت نہ کرے جو آبرو کھو کر حاصل ہو۔

أحتال للمال إن أودى فأجمعه   ولست للعرض إن أودى بمحتال

اگر مال ہلاک ہوگیا تو میں اس کو جمع کرنے کے بہت سے ذرائع اختیار کرلوں گا لیکن اگر عزت خراب ہوگئی تو اس کو درست کرنے کا کوئی حیلہ نہیں کر سکتا۔

الفقر يزري بأقوام ذوى حسب   ويقتدى بلئام الأصل أنذال

فقر باحسب لوگوں کو ذلیل بنا دیتا ہے اور کمینے لوگوں کو محض مال کی وجہ سے مقتداء ورہبر بنالیا جاتا ہے۔

کثیر کہتا ہے:

و من لا يغمض عينه عن صديقه   وعن بعض ما فيه يمت وهو عاتب

جو اپنے دوست کے ساتھ چشم پوشی نہیں کرتا اور اس کے عیوب کو نہیں چھپاتا وہ ہمیشہ غصہ ہی رہتا ہے۔

ومن يتتبع جاهداً كل عثرة   يجدها ولا يسلم الدهر صاحب

اور جو شخص ہر لغزش کے پیچھے لگتا ہے تو وہ زمانہ بھر چین سے نہیں رہ سکتا۔

کعب بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لو كنت أعجب من شيءٍ لأعجبني   سعيُ الفتى وهو مخبوء لهُ القدرُ

مجھے اگر کسی چیز پر حیرت ہے تو انسان کی کوشش پر ہے حالانکہ اس کے لیے تقدیر کا فیصلہ چھپا ہوا ہے۔

يسعى الفتى لأمور ليس يدركها   والنفس واحدة والهم منتشرُ

ایسے کاموں کے لیے انسان کوشش کرتا ہے جن کو پا نہیں سکتا، جان ایک ہے لیکن خیالات وافکار بہت ہیں۔

فالمرءُ ماعاشَ ممدودٌ له أمل   لا ينتهي العمر حتى ينتهي الأثر

جب تک انسان حیات ہے اس کے لیے آرزو کا میدان وسیع ہے عمر اس وقت تک ختم نہیں ہوتی جب تک انسان کا ذکر خیر باقی رہے۔

نابغہ جعدی کہتا ہے:

ولا خير في حلم إذا لم تكن له   بوادر تحمى صفوه أن يكدرا

اس بردباری میں کوئی بھلائی نہیں جس کے ساتھ ایسی سختی نہ ہو جو اس کی خوبی کو ضائع نہ ہونے دے۔

ولا خير في جهل إذا لم يكن له   حليم إذا ما أورد الأمر أصدرا

اسی طرح وہ تندی وجہالت بھی بے کار ہے جس میں دور بینی اور عاقبت اندیشی نہ ہو۔

طبقات شعراء

اس قلیل عرصہ میں سو کے قریب ایسے شاعر پیدا ہوگئے تھے جو عربوں کے دینی، سیاسی، اجتماعی زندگی سے وافر حصہ رکھتے تھے۔ شاعری پروپیگنڈہ کی قوت اور عربوں میں فصاحت کی اثر اندازی حکمرانوں میں سخت قسم کی عصبیت کی وجہ سے، ان کی شاعری اگرچہ

زمانہ جاہلیت کے طرز پر ہی تھی لیکن دینی اور تمدنی اثر کی وجہ سے بلند خیالی، مقصد سے قریبی، بنیاد کی مضبوطی، معانی کی گہرائی ان میں متقدمین سے زیادہ تھی، وہ شاعر یا تو مخضرمین تھے جیسے کعب بن زہیر، خنساء، حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم، حطیہ یا اسلامیین تھے جیسے عمر بن ابی ربیعہ، اخطل، جریر، فرزدق، کمیت، طرماح، کثیر اور ذی الرمہ، یہ سب خالص عربی دان صحیح زبان اور فصیح لہجہ کے مالک شعر و نحو میں حجت و دلیل تھے۔

لیکن جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں ان میں مشہور ترین شعراء جو سیاست اور باہمی مقابلہ کے مریض تھے اور انہوں نے اپنے پردوں کو چاک کر دیا تھا اور قبیلوں کو فرقہ، فرقہ بنا لیا تھا اور لوگوں میں گندی باتوں کو عام کر دیا تھا اور جو بھی ان کے مقابل آتا وہ رسوا ہو جاتا تھا وہ جریر، اخطل اور فرزدق ہیں یہ صرف شاعری کے ہو کے رہ گئے تھے اور اسی کو پیشہ بنا لیا تھا، اور ہر ایک کے ساتھ ایک جماعت تھی جو اس کے ذریعہ فخر کرتی اور اس کی ہر طرح کی مدد کرتی تھی اور بظاہر ان کے علاوہ کوئی شاعر ایسا نہیں جس کے بارے میں لوگ جھگڑے ہوں اور ایک کو دوسرے سے افضل بتانے میں لڑے ہوں۔

مخضرمین شعراء

کعب بن زہیر (وفات ۲۶ ہجری)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ابو عقبہ کعب بن زہیر بن ابی سلمٰی مزنی کو اس کے باپ نے ادب و حکمت کی آغوش میں پروان چڑھایا تھا اس لیے وہ جوان ہو کر ایک فصیح شاعر بنا اور جب اسلام ظاہر ہوا تو یہ اور اس کا بھائی بجیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے نکلے لیکن کعب کو کسی کام کی وجہ سے دیر ہو گئی اور بجیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہلے پہنچ گیا اور آپ کے کلام کو سن کر مسلمان ہو گیا کعب اس کے اکیلے اسلام لانے پر غصہ ہوا اور اس کو منع کیا اور اس کی ہجو کہی ساتھ میں آپ کی شان میں بھی ہجو یہ اشعار کہے، چند شعر ملاحظہ ہوں:

ألا أبلغا عني بجيراً رسالةً　　فهل لك فيما قلت ويحك هل لكا؟

میری طرف سے بجیر کو یہ پیغام دے دو کہ تیرا ناس ہو کیا تو میری بات مانتا ہے؟

سقاك بها المأمون كأسا روية　　فأنهلك المأمون منها وعلكا

تجھے مامون نے لبریز جام پلایا اور اب وہ تجھے ایک کے بعد ایک پلا رہا ہے۔

ففارقت أسباب الهدى واتبعته　　على أي شيء ويب غيرك دلكا

تو ہدایت کے راستے کو چھوڑ کر اس کی اتباع میں چلا گیا تو ہلاک ہو تجھے اس کا پتہ کس نے بتایا۔

على مذهب لم تلف أما و لا أبا　　عليه ولم تعرف عليه أخا لكا

ایسے مذہب کا پیرو کار بن گیا جس پر نہ تو نے ماں باپ کو پایا اور نہ ہی اپنے بھائی کو۔

فإن أنت لم تفعل فلست بآسف　　ولا قائل إما عثرت لعا لكا!

اگر تو میری بات نہیں مانتا تو میں افسوس نہیں کرتا اور نہ ہی تیرے پھسلنے پر تجھے سنبھلنے کی دعا کرتا ہوں۔

اس پر حضور ﷺ نے اس کا خون حلال کر دیا اور لوگ اس کے قتل کے درپے ہو گئے اس کے بھائی نے از راہ شفقت اسے مسلمان ہونے کی اور آپ کے سامنے حاضر ہو کر توبہ و عاجزی کی نصیحت بھی کی لیکن بے سود پھر جب کعب کسی پناہ دہندہ اور مدد کنندہ سے مایوس ہو گیا تو مدینہ آیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے واسطے حضور ﷺ کے دربار میں پہنچا اور مشرف باسلام ہوا۔ پھر آپ کی تعریف میں اپنا مشہور قصیدہ لامیہ کہا آپ نے اس کو معاف کر دیا اور جان بخشی کر دی اور اپنی چادر مبارک اتار کر ان کو دے دی، یہ چادر پھر ان کے خاندان میں ہی رہی حتی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے چالیس ہزار درہم کی خریدی پھر یہ چادر اموی اور عباسی خلفاء کے پاس ہوتی چلی آئی حتی کہ خلافت عثمانیہ تک پہنچ گئی۔

شاعری:

کعب نے گلستان شاعری میں پرورش پائی تھی اس لیے اس میں یہ ملکہ راسخ ہو گیا اور بچپن ہی میں شاعری کا جوش اس کے اندر ٹھاٹھیں مارنے لگا اور اس نے بلوغت سے پہلے ہی شعر کہنا شروع کر دیا لیکن اس کے باپ نے اس ڈر سے کہ کہیں ابھی اس سے ایسی بات نہ ہو جائے جو ہمیشہ کے لیے باعث عار ہو شعر کہنے سے منع کر دیا لیکن وہ باز نہ آیا اور اس کا باپ بھی اس کو روکتا ہی رہا تا آنکہ اس کے باپ نے اس کا ایک بھرپور امتحان لیا اور اس میں اطمینان ہو جانے کے بعد شعر کہنے کی اجازت دے دی انہیں علم ہو گیا تھا کہ ان کی طبیعت میں پختگی اور مزاج میں سلامتی آ چکی ہے چنانچہ وہ شاعری کے ہر دروازے میں جا گھسا اور ہر گھاٹی میں چلا اور عمدہ مضبوط پسندیدہ شعر کہے اگر اس کی شاعری میں الفاظ کی غرابت، تراکیب کی پیچیدگی، اور لمبے قصائد میں نقص نہ ہوتا جیسا کہ اس کی باپ کی شاعری میں نہ تھا تو اس کی شاعری اپنے باپ کی شاعری کے ہم پلہ ہوتی، شاعری میں کعب کی قدر و منزلت کے لیے یہ کافی ہے کہ حطیئہ جیسا بلند شاعر ان سے درخواست کرتا ہے کہ اپنے اشعار میں میرا بھی تذکرہ کریں تا کہ مجھے بھی شہرت حاصل ہو جائے چنانچہ کعب نے یہ اشعار کہے:

فمن للقوافي شانها من يحوكها　　إذا ما مضى كعب وفوّز جرول

جب کعب چل بسے گا اور جرول (حطیئہ) وفات پا جائے گا تو شاعری کی قیادت کون کرنے گا اور جو بھی کرے گا وہ اسے بدنما کر دے گا۔

كفيتك لا تلقي من الناس واحداً　　تنخل منها مثل ما نتنخل

میرے بعد تمہیں کسی سے ملنے کی ضرورت نہیں جس طرح شاعری کا عمدہ حصہ ہم نے منتخب کیا ہے اس طرح کا انتخاب کسی اور کا نہ پاؤ گے۔

شاعری کا نمونہ:

اس کی عمدہ شاعری میں سے وہ قصیدہ ہے جس میں حضور ﷺ کی تعریف کی، اس کا مطلع یہ ہے:

بانت سعادُ فقلبي اليوم متبول　　متيمٌ إثرها لم يفد مكبول

"سعاد جدا ہو گئی اس لیے آج میرا دل خستہ حال ہے اس کی محبت میرے دل میں اس قیدی کی طرح ہے جس کا فدیہ نہ دیا گیا ہو اور وہ پابہ زنجیر ہو"۔

اسی قصیدہ میں فرماتے ہیں:

وقال كلُّ خليل كنت آمله لا ألهينك إني عنك مشغول

ہر وہ دوست جس سے مجھے کچھ امید تھی اس نے مجھے صاف کہہ دیا کہ تم میرے بھروسہ پر نہ رہنا میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔

فقلت خلوا سبيلي لا أبالكم فكل ما قدر الرحمٰن مفعول

تب میں نے کہا تمہارا باپ ہلاک ہو میرا راستہ چھوڑ دو جو میرے مقدر میں رحمٰن نے لکھ دیا وہ ہو کر رہے گا۔

كل ابن أنثى و إن طالت سلامتهُ يوما على آلة حدباء محمول

ہر ماں کا بیٹا خواہ کتنا ہی زمانہ زندہ رہے ایک دن ضرور جنازہ کی چارپائی پر رکھا جائے گا۔

أنبئت أن رسول الله أو عدني والوعد عند رسول الله مأمول

مجھے خبر ملی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دھمکی دی ہے اور رسول اللہ ﷺ سے عفو و درگذر کی امید کی جاتی ہے۔

مهلاً هداك الذي أعطاك نافلة الـ قرآن فيها مواعيظٌ وتفصيل

ذرا ٹھہریے وہ ذات آپ کی راہنمائی فرمائے جس نے آپ کو نصائح وتفصیلات پر مشتمل کتاب عطا فرمائی۔

لا تأخذني بأقوال الوشاة ولم أذنب وقد كثرت في الأ قاويل

چغل خوروں کی وجہ سے میری پکڑ نہ کیجئے میں نے کوئی گناہ نہیں کیا اگرچہ میرے متعلق بہت سی افواہیں مشہور ہیں۔

نیز کہتے ہیں:

السامع الذم شريك له ومطعم المأكول كالآكل

برائی کو سننے والا اس برائی میں شریک ہے کھائی ہوئی چیز کو کھلانے والا کھانے والے کی طرح ہے۔

مقالة السوء إلى أهلها أسرع من منحدر سائل

بری بات برے آدمی کی طرف اس سے بھی زیادہ دوڑتی ہے جیسے نشیب کی طرف گرنے والا پانی۔

ومن دعا الناس إلى ذمه ذموه بالحق وبالباطل

جو لوگوں کو اپنی برائی کرنے پر مجبور کرتا ہے تو لوگ حق و ناحق اس کی برائی کرتے ہیں۔

خنساء رضی اللہ عنہا (وفات ۲۴ ہجری)

حالاتِ زندگی:

ان کا نام تماضر بنت عمرو بن الشرید سلمیہ ہے خنساء لقب ہے اور یہی لقب مشہور ہو گیا شرافت کے محل میں اس نے جنم لیا اور گلستانِ فضیلت میں پھلی پھولی، ان کے والد اور دو بھائی معاویہ اور صخر قبیلہ مضر کی شاخ بنو سلیم کے سردار تھے، یہ خاتون حسن و ادب میں کمال پر تھیں درید بن الصمہ ہوازن کے سردار اور جشم کے شہسوار نے ان کو پیغام نکاح بھیجا لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور اپنی قوم میں

شادی کرنے کو ترجیح دی جب حوادث زمانہ نے اس کے گھر کے دوستون یعنی اس کے بھائی معاویہ اور صخر کو گرا دیا تو اس کو بہت صدمہ ہوا اور ان کے غم میں بہت زیادہ روئیں اور نہایت دردناک پر اثر مرثیے کہے خاص طور پر صخر کے لیے کیونکہ وہ بڑا محسن، محبت کرنے والا بہادر تھا پھر اپنی قوم کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئیں اور حضور ﷺ کو اپنے شعر سنائے آپ ان کو سن کر جھوم اٹھے اور ارشاد فرمایا: ''اے خناس! اور سناؤ''۔

اسلام لانے کے بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ خنساء رضی اللہ عنہا اپنے باپ بھائیوں پر رونا دھونا بند کر دیتیں اور دین سے صبر و تسلی پا کر جاہلیت والا راستہ چھوڑ دیتیں لیکن آپ پر صخر کا صدمہ بہت زیادہ تھا جو صبر و سکون سے بالاتر اور ناقابل برداشت تھا چنانچہ وہ برابر روتی اور مرثیہ کہتی رہیں حتی کہ کثرتِ بکاء سے بینائی بھی چلی گئی اور کہتی تھیں پہلے تو میں بدلہ لینے کے لیے اس پر روتی تھی لیکن اب اس کے جہنم میں جانے کی وجہ سے اس پر روتی ہوں لیکن بالآخر مرور ایام نے ان کے زخم جگر کو مندمل کر دیا چنانچہ آپ دیکھیں گے، کہ خنساء رضی اللہ عنہا بڑھاپے میں دل کو خدا کی رحمت سے تسلی دلا کر تمام رنج و غم بھلا چکی تھیں اور نہایت صبر و سکون سے اپنے ان چار بیٹوں کے شہید ہونے کی خبر سنتی ہیں جنہیں خود اس نے جنگ قادسیہ میں شریک ہونے پر آمادہ کیا اور وہ سب اس میں شہید ہو گئے۔ اس خبر پر صرف اتنا ہی کہا:

''خدا کا شکر و احسان ہے جس نے مجھے ان کی شہادت سے عزت بخشی اور مجھے امید ہے کہ وہ مجھے ان سے ملا دے گا''۔ سن ۲۴ ہجری میں مقام بادیہ میں وفات پائی۔

شاعری:

عرب کی شاعری میں اسلام سے پہلے بھی اور بعد میں بھی کوئی ایسی عورت نہیں گزری جو پختگی شعر، نزاکتِ لفظ، حلاوتِ صوت میں خنساء رضی اللہ عنہا سے بازی لی گئی ہو بلکہ بسا اوقات وہ ان صفات میں بڑے پائے کے شعراء سے بھی مقابلہ کرتی ہیں۔ نابغہ، جریر اور بشار کا خیال تو یہ ہے کہ اس کی شاعری مردوں سے بھی بہتر ہے کیونکہ ان کی شاعری میں مردانہ زور بیاں اور زنانہ رقت و نزاکت اکٹھی ہیں ان کی شاعری میں فخر و رثاء کا حصہ زیادہ ہے فخر اس لیے کہ اس کا باپ قوم کا بڑا اور معزز شخص تھا اور اس کے دونوں بھائی قبیلہ مضر کے بہترین فرد تھے مرثیہ اس لیے کہ باپ اور بھائیوں کی موت نے اس کو سخت صدمہ پہنچایا اور انہیں بہت زیادہ رنج و غم ہوا۔ رنج و حزن احساسات میں شدت اور جذبات میں نرمی پیدا کر دیتا ہے اور جب مرد کی طبیعت پر یہ اس قدر اثر انداز ہوتے ہیں تو عورت پر کس قدر ہوں گے؟ اپنے بھائیوں کے قتل ہونے سے پہلے وہ دو، تین شعروں سے زیادہ نہ کہتی تھیں لیکن جب وہ قتل ہو گئے تو آنکھوں سے آنسو اور دل سے اشعار کا سیلاب امنڈ آیا چنانچہ اس نے ان دونوں کے نہایت پر سوز حیرت انگیز اور بے نظیر مرثیے کہے خنساء اپنی شاعری میں اسی جاہلانہ طرز پر باقی رہیں اور اسلام سے بالکل بھی متاثر نہ ہوئیں نہ تھوڑا نہ زیادہ۔

شاعری کا نمونہ:

أعيني جودا و لا تجمدا   ألا تبكيان لصخر الندى؟

اے میری آنکھو! خوب آنسو بہاؤ اور خشک نہ ہو جاؤ کیا تم اس صخر کے لیے آنسو نہ بہاؤ گی جو جود و سخا کا پیکر تھا۔

ألا تبكيان الجريء الجميل   ألا تبكيان الفتى السيدا؟

کیا اس بہادر خوبصورت نوجوان پر تم نہیں روؤ گی؟ کیا اس نوجوان سردار پر تم سوگ نہیں مناؤ گی۔

رفيع العماد طويل النجاد ساد عشيرته أمردا

کہ جس کے خیمہ کے ستون بلند اور تلوار کا حمائل لمبا تھا اور جو داڑھی نکلنے سے قبل ہی لڑکپن میں اپنی قوم کا سردار بن گیا تھا۔

إذ القوم مدوا بأيديهم إلى المجد مد إليه يدا

جب لوگ شرافت و بزرگی کے حصول کے لیے اپنے ہاتھ بڑھاتے تو یہ بھی اپنا ہاتھ بڑھاتا تھا۔

فنال الذي فوق أيديهم من المجد ثم انتمى مصعدا

پھر سب لوگوں سے زیادہ شرافت پالینے کے بعد بھی اوپر ہی چڑھتا چلا جاتا تھا۔

يحمله القوم ما عالهم و إن كان أصغرهم مولدا

ساری قوم اپنے کٹھن اور اہم معاملات اس کے سپرد کرتی تھی حالانکہ وہ ان سب سے عمر میں چھوٹا تھا۔

و إن ذكر المجد ألفيته تأزر بالمجد ثم ارتدى

اگر کہیں عزت و شرافت کا ذکر چھڑ جاتا تو تم دیکھتے کہ وہ سرتاپیر عزت کے لباس میں ملبوس ہوتا۔

دوسرے قصیدہ میں صخر پر مرثیہ کرتے ہوئے کہتی ہیں:

ألا يا صخر إن أبكيت عيني فقد أضحكتني زمنا طويلا

اے صخر! اگر اب تم میری آنکھوں کو رلا رہے ہو تو کوئی بات نہیں ایک عرصہ دراز تک تم نے مجھے ہنسایا بھی تو تھا۔

دفعت بك الخطوب و أنت حي فمن ذا يدفع الخطب الجليلا

جب تم زندہ تھے تو میں اپنی مصیبتیں تمہارے ذریعہ دور کرتی تھی پر اب اس بڑی مصیبت کو کون دور کرے گا۔

إذا قبح البكاء على قتيل رأيت بكاءك الحسن الجميلا

جب کسی مقتول پر رونا برا سمجھا جائے تو اس وقت بھی میں تم پر رونا اچھا اور پیارا کام تصور کروں گی۔

مرثیہ فخر میں کہتی ہے:

تعرقني الدهر نهسا وحزا وأوجعني الدهر قرعا وغمزا

زمانہ نے نوچ کاٹ کر میرا سارا گوشت کھالیا اور مجھے مار پیٹ کر بہت دکھ پہنچایا۔

وأفنى رجالي فبادوا معاً فأصبح قلبي بهم مستفزا

میرے بندوں کو ختم کر دیا وہ سب ایک ساتھ مر گئے انہی کے لیے میرا دل بے چین و بے قرار ہے۔

كأن لم يكونوا حمى يُتقى إذا الناسُ في ذاك مَن عزّ بزّا

ایسا لگتا ہے کہ وہ پناہ گزینوں کے لیے کبھی جائے پناہ ہی نہ تھے ایسی لڑائی میں جس میں غالب ہونے والا مال بھی چھین لے۔

وخيل تكدّسُ بالدارعين وتحت العجاجة يجمزن جمزا

بہت سے گھوڑے جو شہسواروں کے بھاری بوجھ کو لے کر غبار جنگ میں کودتے اور تیز دوڑتے تھے۔

بيض الصفاح وسمر الرماح فبا لبيض ضربا و بالسمر وخزا

جن کے سواروں کے پاس چمکدار چوڑی تلواریں اور گندمی رنگ کے نیزے تھے ان تلواروں سے وہ دشمنوں کو کاٹ کر رکھ دیتے تھے اور نیزوں سے چھید دیتے تھے۔

جززنا نواصي فرسانها وكانوا يظنون ألا تحزا

ہم نے ان سواروں کی پیشانی کے بال کاٹ دیئے (یعنی ان کو مغلوب کر لیا) حالانکہ ان کا خیال تھا کہ وہ کبھی مغلوب نہ ہوں گے۔

ومن ظن ممن يلاقي الحروب بألا يصاب فقد ظن عجزا

جو جنگوں میں کود کر یہ خیال کرے کہ اس کا کچھ نقصان نہ ہوگا وہ ایک ناممکن چیز کا خیال کرتا ہے۔

نعف ونعرف حق القرى ونتخذ الحمد ذخرا وكنزا

ہم نازیبا امور سے پرہیز کرتے ہیں اور حق مہمانی خوب پہچانتے ہیں اور لوگوں کی حمد وثناء کو ذخیرہ سمجھ کر جمع کر لیتے ہیں۔

ونلبس في الحرب نسج الحديد وفي السلم نلبس خزا وبزا

جنگ میں ہم لوہے کا بنا ہوا لباس (زرہ) پہنتے ہیں اور صلح وامن کے زمانہ میں ریشم وکتان کو زیب تن کرتے ہیں۔

دیگر اشعار یہ ہیں:

إن الزمان وما يفنى له عجبٌ أبقى لنا ذنباً واستؤصل الراس

زمانہ اور اس کی لافانی گردشیں بھی عجیب ہیں کہ اس نے ہمارے لیے دُم کو تو باقی رکھا اور سر کو جڑ سے کاٹ دیا۔

إن الحديدين في طول اختلافهما لا يفسدان ولكن يفسد الناس

یہ دن رات باوجود آنے جانے کے نئے رہتے ہیں ان میں خرابی نہیں ہوتی لیکن لوگوں میں خرابی آ جاتی ہے۔

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ (پیدائش ۵۵۳ء۔ وفات ۵۴ ہجری ۶۷۴ء)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ابوالولید حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ مدینہ میں پیدا ہوئے اور جاہلیت کے زمانہ میں پروان چڑھے ساری عمر شاعری ہی میں گزاری چنانچہ وہ شاہان مناذرہ اور غساسنہ کی تعریف کرتے اور ان کے انعامات قبول کیا کرتے تھے لیکن ملوک غسان میں سے آل جفنہ کی تعریف بہت کی اور مدد بھی زیادہ تر انہی سے مانگی وہ بھی دل کھول کر خرچ کرتے اور ان کے دونوں ہاتھوں کو مالا مال کر دیتے حتیٰ کہ خود عیسائیت پر رہنے اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ان کے رویہ اور برتاؤ میں تبدیلی نہیں آئی اور ان کے قاصد قسطنطنیہ سے ہدایا اور تحائف لے کر آتے رہتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو دوسرے انصار کے ساتھ حضرت حسان رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو گئے اور اپنی زندگی آپ کی تعریف وحمایت کے لیے وقف کر دی، پھر جب قریش کی ہجو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر

گراں گزرنے لگی تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اپنے ہتھیاروں سے مدد کی انہیں کیا چیز مانع ہے کہ وہ اپنی زبان سے ان کی مدد کریں؟''۔
اس پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اس خدمت کے لیے میں حاضر ہوں، پھر اپنی لمبی زبان کو ناک کی نوک پر مارتے ہوئے بولے اللہ کی قسم! اگر مجھے اس زبان کے بدلے بصریٰ سے لے کر صنعاء تک لمبی زبان ملے تو بھی اسے قبول نہ کروں، بخدا اگر میں اس زبان کو چٹان پر رکھ دوں تو وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور اگر بالوں پر رکھ دوں تو یہ ان کو مونڈ کے رکھ دے''۔
آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لیکن تم ان کی ہجو کیسے کرو گے، جب کہ میں بھی انہیں میں سے ہوں''۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: ''میں ان سے آپ کو ایسے نکال دوں گا جس طرح گندھے ہوئے آٹے سے بال''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے تم ان کی ہجو کرو جبریل علیہ السلام کی تائید تمہارے ساتھ ہے''۔

چنانچہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ان کی وہ ہجو کہی کہ ان کی زبانیں بند ہو گئیں اور انہیں سخت تکلیف ہوئی اور ان کے اشعار سے کفار کو ایسی ایذاء پہنچی جو اندھیرے میں لگنے والے تیروں سے ہوتی ہے، کفار کی اس ہجو سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ مشہور ہو گئے اور ان کی عزت بہت بڑھ گئی اور اپنی بقیہ عمر نہایت عزت کے ساتھ گزاری بیت المال سے ان کی ضروریات پوری ہوتی رہیں حتی کہ سن ۵۴ھ میں ایک سو بیس سال کی عمر پا کر وفات پائی آخر عمر میں ان کی بینائی بھی جاتی رہی۔

شاعری:

زمانہ جاہلیت میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ اہل مدن کے شاہی شاعر تھے زمانہ نبوت میں رسالت مآب ﷺ کے اور زمانہ اسلام میں یمنیوں کے شاعر رہے، ان کی شاعری میں فخر وحماسہ، مدح وہجو کا پہلو غالب ہے اور یہ سب ایسے موضوعات ہیں کہ جن کو اداء کرنے کے لیے بلند الفاظ پختہ اسلوب کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا ان کی شاعری میں کچھ غریب اور نامانوس الفاظ کی جھلک پیدا ہو گئی تھی جو اسلام کی وجہ سے ختم ہو گئی پھر مذہب کی پاسداری، کینوں کے خاتمہ اور بڑھاپے کی وجہ سے ان میں شاعری محرکات کمزور پڑ گئے تھے اس لیے کبھی کبھار صرف آپ ﷺ اور انصار کی حمایت میں یہ محرکات ابھر آتے تھے لیکن اس قسم میں ان کی شاعری کا حصہ اتنا مضبوط نہیں اور اس میں بجائے خوبیوں کے خامیاں زیادہ ہیں اور آسان پسندی کا رنگ اس پر غالب ہے، اصمعی کا تو یہ خیال ہے کہ ان کی شاعری شر کے موضوعات میں زوردار تھی لیکن اسلام کی خیر آنے کے بعد کمزور ہو گئی قومی فخر اور خوستائی میں ان کی شاعری ابن کلثوم کی شاعری کے ہم پلہ ہے حالانکہ یہ بزدل اور دلی طور پر کمزور تھے۔

شاعری کا نمونہ:

ہجو کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ألا أبلغ أبا سفيان عني   مغلغلة فقد برح الخفاء

میری طرف سے ابوسفیان کو یہ پیغام پہنچا دو کہ راز اب کھل چکا ہے۔

بأن سيوفنا تركتك عبدا   وعبد الدار سادتها الإماء

کہ ہماری تلواروں نے تم کو غلام بنا لیا ہے اور عبدالدار قبیلہ کی سرداری لونڈیوں کے ہاتھ میں ہے۔

هجوت محمداً فأجبت عنه — وعند الله في ذاك الجزاء

تو نے محمد ﷺ کی ہجو کی ہے یہ اس کا جواب ہے اور اس کا بدلہ خدا کے ہاں ملے گا۔

أتهجوه ولست له بكفء؟ — فشر كما لخير كما الفداء

تو ان کی ہجو کرتا ہے حالانکہ تو ان کے برابر نہیں تم دونوں میں سے جو بدترین ہے وہ بہترین پر قربان ہو۔

لنا في كل يوم من معدٍ — سبابٌ أو قتال أو هجاء

آئے روز قبیلہ معد سے ہمارا بدکلامی یا جنگی یا ہجو گوئی کا مقابلہ ہوتا رہتا ہے۔

لساني صارمٌ لا عيب فيه — وبحري لا تكدره الدلاء

میری زبان تیز دھار ہے اس میں کوئی خامی نہیں اور میرے بحر بے کراں کو ڈول گندا نہیں کرتے۔

فإن أبي ووالدتي وعرضي — لعرض محمد منكم وقاء

میرا باپ میری ماں میری عزت آبرو محمد ﷺ کی عزت وناموس کو تمہاری چیرہ دستیوں سے بچانے کے لیے ڈھال ہیں۔

بنوتمیم کا ایک وفد زبرقان بن بدر کی قیادت میں آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور فخریہ شاعری میں مقابلہ کرنے لگا جب وہ اپنے اشعار سنا چکے تو آپ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کو جواب دے، چنانچہ انہوں نے یہ اشعار کہے:

إن الذوائب من فهر وإخوتهم — قد بينوا سنة للناس تتبع

خاندانِ فہر کے معزز افراد اور ان کے ساتھیوں نے انسانوں کے لیے ایسا دستور بنایا ہے جو قابل تقلید ہے۔

قوم إذا حاربوا ضروا عدوهم — أو حاولوا النفع في أشياعهم نفعوا

یہ ایسی قوم ہے کہ جب جنگ کرتی ہے تو اپنے دشمنوں کو ضرر پہنچاتی ہے اور جب اپنے ساتھیوں کو فائدہ پہنچانا چاہے تو فائدہ پہنچاتی ہے۔

سجية تلك فيهم غير محدثة — إن الخلائق فاعلم شرها البدع

ان کی یہ عادت نئی یا مصنوعی نہیں ہے بلکہ پرانی ہے کیونکہ بدترین عادتیں وہ ہوتی ہیں جو نئی یا مصنوعی ہوں۔

لا يرفع الناسُ ما أوهت أكفهم — عند الدفاع، ولا يوهون ما رقعوا

جس چیز کو ان کے ہاتھ بگاڑ دیں لوگ اسے سدھار نہیں سکتے اور جس چیز کو یہ سدھار دیں لوگ اسے بگاڑ نہیں سکتے۔

إن كان في الناس سباقون بعدهم — فكل سبق لأدنى سبقهم تبع

اگر ان کے بعد لوگوں میں کچھ سبقت لے جانے والے ہوں بھی تو ان کی تمام سبقتیں ان کی عام سبقتوں سے بھی پیچھے ہی رہیں گی۔

أعفة ذُكرت في الوحي عفتهم — لا يطبعون ولا يزرى بهم طمع

یہ پاکباز ہیں ان کی پاکبازی پر قرآن بھی گواہ ہے ان کے اخلاق خراب نہیں ہوتے نہ لالچ ان کو نقصان پہنچاتا ہے۔

لا يفخرون إذا نالوا عدوهم　　و إن أصيبوا فلا خور ولا جزع

اپنے دشمنوں کا نقصان کر کے یہ مغرور نہیں ہو جاتے اور اگر دشمنوں کے ہاتھوں انہیں نقصان پہنچے تو یہ بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرتے۔

جبلہ بن الایہم کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

لله در عصابة نادمتهم　　يوما بجلق في الزمان الأول

اللہ ہی کے لیے ہے اس دمشق کی جماعت کی خوبی جن کی صحبت پہلے زمانہ میں مجھے نصیب تھی۔

يمشون في الحلل المضاعف نسجها　　مشي الجمال إلى الجمال البزل

وہ مضبوط دہرے بنے ہوئے لباسوں میں ایسے وقار سے چلتے ہیں جس طرح سن رسیدہ اونٹ دوسرے کی طرف چلتے ہیں۔

والخالطون فقيرهم بغنيهم　　والمشفقون على الضعيف المرمل

یہ اپنے غرباء کو امیروں کے ساتھ ملا دیتے ہیں اور ضعیف محتاجوں پر شفقت کرتے ہیں۔

أولاد جفنة حول قبر أبيهم　　قبر ابن مارية الكريم المفضل

یہ جماعت جفنہ کی اولاد ہے جو اپنے محسن و فیاض باپ ابن ماریہ کی قبر کے اردگرد بیٹھی ہوئی ہے۔

يسقون من ورد البريص عليهم　　بردى يصفق بالرحيق السلسل

یہ اپنے پاس آنے والوں کو نہر بریص اور بردیٰ کا پانی پلاتے ہیں جن میں صاف میٹھا پانی ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔

يسقون درياق الرحيق ولم تكن　　تدعى ولائدهم لنقف الحنظل

اور خالص، عمدہ تیز شراب پلاتے ہیں اور ان کی باندیاں حنظل پھوڑنے کے لیے نہیں بلائی جاتیں۔

بيض الوجوه كريمة أحسابهم　　شم الأنوف من الطراز الأول

بڑے شریف اور معزز خاندانی لوگ ہیں پرانے طرز کے لوگوں کی طرح غیرت منداور بہادر ہیں۔

فلبثت أزمانا طوالا فيهم　　ثم ادركت كأنني لم أفعل

میں عرصۂ دراز تک ان کے ساتھ رہا تھا اور آج ایسا لگ رہا ہے کہ کبھی ان کے ساتھ رہا ہی نہیں۔

نیز کہتے ہیں:

و إن امرأ يمسي ويصبحُ سالماً　　من الناس إلا ماجنى لسعيد

جو شخص صبح سے شام تک لوگوں کے ظلم سے بچا رہا اور صرف اپنے کیے کو بھگتے وہ بڑا نیک بخت ہے۔

دیگر اشعار:

رب علم أضاعه عدم المال　　وجهل غطى عليه النعيم

کتنے ہی عقلمند و داناؤں کو فقر نے ضائع کر دیا اور کتنے ہی احمقوں اور جاہلوں پر دولت نے پردہ ڈال دیا۔

ما أبالي أنبّ بالحزن تيس أم لحاني بظهر غيب لئيم

مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میری عدم موجودگی میں کوئی کمینہ مجھے گالیاں دے یا پہاڑی زمین میں کوئی بکرا بڑبڑائے (یعنی دونوں کے عمل برابر ہیں)۔

حطیئہ (وفات ۴۵ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ابوملیکہ جرول بن اوس عبسی، بنی عبس میں مشکوک النسب پیدا ہوا اس کا نسب مشہور نہ تھا اور نہ کوئی خاندانی بزرگی وشرف حاصل تھا چنانچہ بے نصیبی، مظلومی اور ذلت کی حالت میں جوان ہوا نہ گھر کی طرف سے مدد تھی اور نہ ہی قبیلہ کا کوئی سہارا اس لیے مجبوراً اس نے کسب معاش کے لیے شاعری کا پیشہ اختیار کیا اور تا کہ اس ذریعہ وہ ظلم وزیادتی کو روک سکے اور معاشرہ سے اپنا بدلہ لے جس نے اسے بے یار ومددگار چھوڑ دیا چنانچہ شر پسند عوامل سب اس کے ساتھ ہو گئے اور اسے پیکر معصیت بنا دیا اور وہ حقیقت میں ایسا ہی تھا جیسا کہ اصمعی نے کہا بدخلق، کمینہ طبع، بددین، بھکاری، حریص، کم بھلائی اور زیادہ شر والا کنجوس بدشکل، ٹھگنا، بدوضع اور بدنسلی کی وجہ سے قبائل میں ناقابل قبول تھا اس کی کمینگی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ اس نے اپنی ماں، بیوی، بچے حتیٰ کہ خود اپنی بھی ہجو کہہ ڈالی جب اسلام پھیلا تو یہ بھی مسلمان ہو گیا لیکن پھر مرتد ہو گیا بعد میں پھر غیر مستحکم عقیدہ کے ساتھ مسلمان ہو گیا یہ دین بھی اس کے پست نفس کو بلند نہ کر سکا اور نہ اس کی بے لگام زبان کی درشتی کم کر سکا چنانچہ اس کی زبان مسلسل لوگوں کی آبروریزی کرتی رہی اور ان کو دکھ پہنچاتی رہی حتیٰ کے زبرقان بن بدر صحابی رسول ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مقرر کردہ گورنر بھی اس کی بدزبانی سے محفوظ نہ رہ سکے حالانکہ وہ اس پر احسان واکرام کرتے رہتے تھے وہ زبرقان کے دشمن بغیض بن عامر کے ساتھ ہو گیا بنوانف الناقہ کی تعریف کی اور زبرقان کی مذمت کی اس پر زبرقان نے حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے درخواست اور آپ نے اسے قید کر دیا پھر اس نے اپنے اشعار آپ کی خدمت میں معافی کی سفارش کے طور پر بھیجے تو آپ نے اسے آزاد کر دیا لیکن ساتھ ہی آئندہ ہجویہ شاعری کرنے سے منع کر دیا، اس نے کہا کہ پھر تو میرے بچے بھوک سے مر جائیں گے کیونکہ یہی میرا ذریعہ معاش ہے آپ نے اسے تین ہزار درہم دے کر مسلمانوں کی آبروؤں کو اس سے بچا لیا اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات تک اس سے باز رہا لیکن آپ کے انتقال کے بعد پھر اپنی پرانی عادت کی طرف لوٹ آیا اور اسی حال میں رہا یہاں تک کہ سن ۵۹ھ میں موت نے اس کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا۔

اس کی شاعری:

حطیئہ کی شاعری میں پختگی، گہرائی، خوش اسلوبی، قافیہ کی روانی بہت تھی مختلف موضوعات مدح، ہجو، فخر ونسب وغیرہ پر اس نے طبع آزمائی کی اگر وہ خسیس الطبع، تنگ ظرف، اور اوچھا نہ ہوتا تو مخضرمین میں سے کوئی اس سے آگے نہ بڑھ سکتا کیونکہ اس کے اشعار میں وہ ترتیب کی خامی، لفظی رکاکت اور قافیہ کی بے قاعدگی نہیں جو دوسروں کی شاعری میں بکثرت موجود ہے لیکن مسئلہ تو یہ ہے کہ کلام کی قدر اور منزلت کہنے والے کی قدر ومنزلت پر موقوف ہے۔

حطیئہ کا شمار بھی زہیر کی طرح شاعری کے غلاموں میں ہوتا ہے جو اپنے اشعار میں بہت غور وخوض اور چھان پھٹک کرتے ہیں

اس کا یہ مقولہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ ''بہترین اشعار وہ ہیں جن کو ایک سال تک پرکھنے کے بعد پیش کیا جائے''۔
باوجود اس کی سخت مزاجی کے اس کی ہجو یہ شاعری میں بدگوئی اور عریانی بہت کم ملے گی حتیٰ کہ زبرقان کی ہجو میں اس کا یہ شعر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے معما بن گیا:

دع المكارم لا ترحل لبغيتها　　واقعد فانك انت الطاعم الكاسى

''آپ بلند کارناموں کو چھوڑ دیجئے اور ان کی تلاش میں سفر مت کیجئے آرام سے بیٹھیے کیونکہ تمہارے پاس کھانے اور پہننے کو سب کچھ ہے''۔

اس شعر میں جو ہجو ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو نہ سمجھ سکے یہاں تک کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے آپ کو وہ نکتہ سمجھایا۔

شاعری کا نمونہ:

جب اسے خیال ہوا کہ زبرقان کے ساتھ معاملہ ٹھیک نہیں چلے گا تو اسے چھوڑ کر بغیض کے ساتھ جا ملا اور زبرقان کی ہجو میں یہ اشعار کہے:

والله ما معشر لا موا أمرأ جنباً　　في آل لأى بن شماس بأكياس

بخدا! وہ لوگ جو مجھے خاندان لای بن شماس کی تعریف کرنے پر برا بھلا کہتے ہیں عقلمند نہیں۔

ما كان ذنب بغيض لا أبالكم　　في بائس جاء يحدو آخر الناس!

تمہارا باپ مرے بغیض کا اس میں کیا جرم ہے کہ اس نے ایک اجنبی ولاچار شخص کی مدد کی۔

وقد مدحتكم عمداً لأرشدكم　　كما يكون لكم متحي وإمراسي

اور میں نے تمہاری تعریف عمداً اس لیے کی ہے تا کہ تمہیں بتادوں کہ میرا ڈول ڈالنا اور نکالنا صرف تمہارے لیے ہے۔

لما بدا لي منكم عيب أنفسكم　　ولم يكن لجروحي فيكم آسي

مگر جب مجھے تمہارے عیوب نظر آئے اور اپنے زخموں کا کوئی معالج تم میں نظر نہ آیا۔

أزمعت يأساً مبيناً من نوالكم　　ولن يرى طارداً للحر كالياس

تو میں تمہاری مدد واعانت سے بالکل مایوس ہو گیا اور شریف انسان کو دور بھگانے کے لیے مایوسی سے زیادہ کوئی چیز نہیں۔

جارٌ لقوم أطالوا هون منزله　　وغادروه مقيما بين أرماس

میں ایسی قوم کا ہمسایہ ہوں جنہوں نے اس کی بڑی توہین کی اور اسے قبرستان میں چھوڑ کر چلے گئے۔

ملوا قراه وهرته كلابهمُ　　وجرحوه بأنياب وأضراس

اس کی میزبانی سے اکتا گئے اور ان کے کتے بھی اسے بھونکنے لگے اور اپنی کچلیوں اور داڑھوں سے کاٹ کر اسے زخمی کر دیا۔

دع المكارم لا ترحل لبغيتها　　واقعد فإنك أنت الطاعم الكاسي

تو شرافت کے کارناموں کو چھوڑ دے اور ان کی طلب میں سفر نہ کر آرام سے بیٹھا رہ کیونکہ تمہارے پاس کھانے اور

پہننے کو بہت کچھ ہے۔

من يفعل الخير لا يعدم جوازيه　　لا يذهب العرف بين الله والناس

جو بھلا کام کرے گا اس کا بدلہ پالے گا اور احسان نہ اللہ کے ہاں بے نتیجہ رہتا ہے، نہ لوگوں کے ہاں۔

مدح میں کہتا ہے:

يسوسون أحلاماً بعيداً أناتها　　و إن غضبوا جاء الخفيظةُ والحد.

وہ لوگ ایسی عقلوں کا بندوبست کرتے ہیں جن سے نرمی وحلم دور ہے، اور جب وہ غصہ ہوتے ہیں تو ان میں رگ حمیت جاگ اٹھتی ہے اور سرگرمی پیدا ہو جاتی ہے۔

أقلوا عليهم لا أبا لأبيكمُ　　من اللوم أو سدوا المكان الذي سدوا

تمہارا باپ نہ رہے ان کو برا بھلا مت کہو ورنہ اس جگہ کو پر کرو جسے انہوں نے پر کیا۔

أولئك قوم إن بنوا أحسنوا البنا　　و إن عاهدوا أوفوا و إن عقدوا شدوا

یہ ایسی قوم ہے کہ اگر کسی کے ساتھ دوستی کرتی ہے تو اسے پورا نباہتی ہے اور اگر عہد کرتی ہے تو پورا کرتی ہے اور اگر معاملہ کرتی ہے تو پختہ کرتی ہے۔

و إن كانت النعماء فيهم جزوا بها　　و إن أنعموا لا كدروها ولا كدوا

اگر وہ نعمت میں ہوں تو دوسروں کو بھی نوازتے ہیں اور احسان جتا کر اس کو مکدر نہیں کرتے نہ ہی اس کا عوض مانگ کر تنگ کرتے ہیں۔

مطاعين في الهيجا مكاشيف للدجى　　بنى لهم آباؤهم وبنى الجد

جنگ میں بڑے نیزہ باز، اور عقلمند ایسے کہ تاریکیوں کو روشن کرنے والے اور ہر الجھی گتھی کو سلجھانے والے یہ عزت و سروری انہیں ان کے نصیب اور آباؤ اجداد نے دی ہے۔

ويعذلني أبناء سعدٍ عليهم　　وما قلت إلا بالذي علمت سعد

ان کی تعریف کرنے پر بنو سعد مجھے برا کہتے ہیں حالانکہ میں نے تو صرف وہی کہا ہے جس کو بنو سعد خود بھی صحیح خیال کرتے ہیں۔

اسلامی شعراء

عمر بن ابی ربیعہ (وفات ۹۳ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ابو الخطاب عمر بن ابی ربیعہ قریشی مخزومی مدینہ منورہ میں جس رات حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اسی رات پیدا ہوا، لوگ بعد میں کہتے تھے کتنا بڑا حق اٹھ گیا اور کتنا بڑا باطل اس کی جگہ آ گیا وہ اپنے باپ عبداللہ کی نعمتوں کے سایہ میں پروان چڑھا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کے تین خلفاء کے گورنر تھے مالدار ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی قوم کے سردار بھی تھے چنانچہ عمر نعمتوں کی آغوش میں پلتا رہا اور آسودگی کے باغات میں چرتا رہا، کام دھندے سے بے فکری کے باعث شاعری میں یکسوئی کے ساتھ لگ گیا

اور چھوٹی عمر میں ہی اچھی شاعری کرنے لگا لیکن جریر وفرزدق جیسے مایہ ناز شعراء نے اسے قابل التفات نہ سمجھا وہ مسلسل شاعری کی مشق کرتا رہا اور اس کی مشکلات کو سلجھاتا رہا حتیٰ کہ شاعری اس کے سامنے جھک گئی اور اس کی مطیع ہوگئی اور جب جریر نے اس کا رائیہ قصیدہ سنا جس کا مطلع یہ ہے:

أمن آل نُعم انت غادٍ فمبکر غداة غدٍ ام رائح فمهجّر

''کیا تو آل نعم کے پاس سے صبح سویرے جانے والا ہے یا شام کو جلدی سے جانے والا ہے''۔

تو اس نے کہا:

''یہ قریشی تو، تک بندی کرتے کرتے اب عمدہ شاعری کرنے لگا ہے''۔

عمر بن ابی ربیعہ نے شاعری میں انوکھا اور نامانوس طریقہ اختیار کیا اس نے شاعری کو عورتوں کو عورتوں کے حالات ان کی آپس کی چھیڑ چھاڑ اور دل لگی میں محدود کر دیا اور اس کو بہت خوبصورت الفاظ اور انوکھے پیرایہ میں بیان کرتا چنانچہ گویے اور خوش طبع لوگ اس کے گرویدہ ہو گئے گانے والیوں اور مے نوشوں میں اس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی عوام الناس میں بھی اس کی شاعری عام گائی اور سنائی جانے لگی حتیٰ کہ غیرت مند اور پارسا لوگوں نے اس کے خلاف شور مچا دیا، ابن جریج نے تو یہاں تک کہا ہے کہ:

''پردہ نشین عورتوں کے پردہ میں ابن ابی ربیعہ کی شاعری سے زیادہ ضرر رساں چیز داخل نہیں ہوئی''۔

اس کا شر یہیں پر ختم نہیں ہوا بلکہ وہ حج کرنے والی عورتوں کے پیچھے پڑ جاتا باعزت عورتوں اور رئیس زادیوں سے اظہار محبت کرتا، طواف اور احرام میں مصروف عورتوں کے اوصاف بیان کرتا حتیٰ کہ اس کے ڈر سے شریف خاندان کی عورتوں نے فریضۂ حج ہی میں کمی کر دی، ارباب اقتدار اس کی جہالت سے خاندانی عزت کی وجہ سے اور اس پاکیزہ شاعری پر فخر کی وجہ سے اور اس کی توبہ کی امید پر چشم پوشی کرتے رہے لیکن خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اس کے بے جا مذاق وتمسخر اور جہالت میں انہماک پر تاب نہ لا سکے اور اسے بحر احمر کے ایک جزیرہ ''دھلک'' جو یمن وحبشہ کے درمیان ہے میں جلاوطن کر دیا یہ وہ جزیرہ ہے جہاں خلفائے بنو امیہ مجرموں کو جلاوطن کرتے تھے۔ پھر جب تک اس نے اس عشق پیچہ سے باز آنے کی پکی قسم نہ کھالی اور سچے دل سے توبہ نہ کر لی وہ وہاں سے واپس نہ آیا اور بظاہر اس کی قسم کے سچا کرنے میں بڑھاپے نے مدد کی اور اس نے زہد و راہبی کا طریقہ اختیار کر لیا۔

کہتے ہیں کہ عمر پاک دامن و پاک باز تھا وہ صرف کہتا تھا کرتا کچھ نہیں تھا ارد گرد منڈلاتا ضرور تھا پر اترتا نہ تھا اس بارے میں ایک قصہ ذکر کیا جاتا ہے کہ جب وہ آخری مرتبہ بیمار پڑا تو اس کا بھائی حارث بہت پریشان ہو گیا تو عمر نے اسے کہا شاید تو میری بداعمالیوں کے ڈر سے پریشان ہے اللہ کی قسم! مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی بدکاری کی ہو تو اس کے بھائی نے کہا بس مجھے تمہاری طرف سے یہی خطرہ تھا جسے تم نے مجھ سے دور کر دیا۔

اس کی شاعری:

ابن ابی ربیعہ کی شاعری کا دل سے گہرا تعلق ہے وہ دل کے اندر پہنچ کر رقت طاری کر دیتی ہے کیونکہ وہ آسان اور خوش نما الفاظ میں عمدہ وصف پختہ بندش اور زود فہم مضامین پر مشتمل ہے خوبصورتی کی تعریف اور عورتوں کے وصف کی وجہ سے اس کی شاعری

لوگوں کی طبیعت اور خواہشات کے مطابق ہے، وہ اپنے نسب، جوانی اور مالداری کی وجہ سے ایسی باتیں کہہ گیا جن کو کوئی دوسرا کہنے کی جراءت نہیں کرسکتا اس نے اپنی شاعری میں عشقیہ مضامین افسانوی رنگ میں پیش کیے جن میں وہ عورتوں کا وصف بیان کرتا ہے ان کی آپس کی گفتگو اور دل لگی کی تصویر پیش کرتا ہے اور ان کے ساتھ اپنے واقعات کو بیان کرتا ہے اور وہ اس طرح عوام کے دل و دماغ پر چھا گیا کہ جو لوگ قریش میں شاعری کے منکر تھے انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ قریش میں شاعری ہے تمام ہم عصر شعراء پر اس کی دھاک بیٹھ گئی حتیٰ کہ جریر بول پڑا:

''بخدا! یہی وہ شاعری ہے جس کا شعراء قصد کرتے ہیں لیکن محبوب کے کھنڈر اور مکانات میں الجھ کر رہ جاتے ہیں''۔

اس کے باوجود اس کی شاعری میں وہ گہرے احساسات اور محبت کا پاکیزہ وصف نہیں ملے گا جو جمیل اور کثیر کی شاعری میں نمایاں ہے اس میں شک نہیں کہ وہ ایک عورت باز شخص تھا عورتوں میں رہنا ان سے باتیں کرنا اور لطف اندوز ہونا اسے بہت پسند تھا لیکن اس نے اپنے دل میں کسی کو جگہ نہ دی تھی البتہ ثریا بنت علی بن عبداللہ بن حارث کے ساتھ اس کا معاملہ صحیح عشق و محبت کے مشابہ ہے۔

شاعری کا نمونہ:

نحن إلى نعم فلا الشمل جامع   ولا الحبل موصول ولا أنت مقصر

تو وصالِ نعم کا مشتاق ہے لیکن نہ تو جدائی ملانے والی ہے اور نہ رسی جڑ سکتی ہے اور نہ ہی تو اس کی محبت سے باز آتا دکھائی دیتا ہے۔

قفي فانظري أسماء هل تعرفينه   أهذا المغيريُّ الذي كان يذكر؟

ٹھہرو! ذرا دیکھو تو اسماء کیا تم اس شخص کو پہچانتی ہو؟ کیا یہ ہی مغیرہ ہے جس کی شہرت عام ہے؟

أهذا الذي أطريت نعتا فلم أكن   وعيشك أنساه إلى يوم أقبر

کیا یہی وہ شخص ہے جس کی تعریف میں تو نے بہت مبالغہ کیا تھا؟ اور تیری زندگی کی قسم جسے میں تا دم زیست بھول نہیں سکتی۔

لئن كان إياه لقد حال بعدنا   عن العهد والإنسان قد يتغيرا

اگر یہ وہی ہے تو ہمارے بعد اس کی حالت بدل چکی ہے اور انسان بدلتا ہی رہتا ہے۔

رأت رجلاً أما إذا الشمس عارضت   فيضحي وأما بالعشي فيخصر

اس نے ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ وہ دن بھر دھوپ میں تپتا ہے اور رات کو سردی مرتا ہے۔

أخا سفر جواب أرض تقاذفت   به فلوات فهو أشعث اغبر

مسلسل سفروں میں رہتا ہے بہت مسافتیں طے کرنے والا ہے جنگل جنگل پھرنے کی وجہ سے اس کے بال پراگندہ اور گرد آلود ہیں۔

قليلاً على ظهر المطية ظله   سوى ما نفي منه الرداء المحبر

سواری پر اس کے پاس دھوپ سے بچنے کے لیے ایک نقشین چادر کے سوا کچھ بھی نہیں۔

وأعجبها من عيشة ظلُّ غرفة وريانُ ملتف الحدائق أخضر

اس عورت کی زیادہ قابل تعجب بات اس کا سائے والے کمرے میں آرام سے رہنا اور گھنے سرسبز باغات میں آسودہ زندگی گزارنا ہے۔

ووال كفاها كل شيء يهمها فليست لشيء آخر الليل تسهر

اور اس نگران (شوہر) کی موجودگی ہے جو اس کی ساری ضروریات پوری کرتا ہے اور اسے آخر رات تک کسی کام کے لیے جاگنا نہیں پڑتا۔

وليلة ذي دوران جشمني الكرى وقد يجشم الهول المحب المغرر

اور ذی دوران کی رات تو مجھے نیند کے جھونکوں نے پریشان کر دیا اور پراگندہ حال عاشق خطرات کی تکالیف برداشت کرتا ہی ہے۔

وبت رقيبا للرفاق على شفا ولي مجلس لو لا اللبانة أوعر

پوری رات ایک کنارے پر بیٹھ کر میں نے ساتھیوں کی نگرانی کی اور اگر عشق کا تقاضہ نہ ہوتا تو یہ بیٹھنا میرے لیے بڑا دشوار ہوتا۔

فقلت أباديهم فإما أفوتهم وإما ينال السيف ثأراً فيثأر

پھر میں نے کہا کہ میں ان لوگوں سے بدلہ لیتا ہوں یا تو میرا وار خالی جائے گا یا پھر تلوار بدلہ لے لے گی۔

فلما فقدت الصوت منهم وأطفئت مصابيح شُبت للعشاء وأنور

پھر جب مجھے ان کی آواز سنائی دینا بند ہوگئی اور وہ روشنیاں اور چراغ بھی بجھ گئے جو رات کو روشن کیے گئے تھے۔

وغاب قمير كنت أرجو غيوبه وروّح رعيانٌ ونوّم سمر

اور وہ چھوٹا سا چاند بھی غائب ہوگیا جس کے ڈوبنے کا مجھے انتظار تھا اور چرواہوں نے اپنے جانور آرام کے لیے چھوڑ دیئے اور رات کی قصہ گوئی کی محفلیں بھی ختم ہوگئیں۔

ونفضت عني النوم أقبلت مشية الحباب وركني خيفة القوم أزور

تو میں اپنی نیند کو جھاڑتے ہوئے دبے پاؤں آگے بڑھا اور میں اس وقت ان لوگوں کے ڈر سے جھکا ہوا تھا۔

فحييت إذ فاجأتها فتولّهتْ وكادت بمهجور التحية تجهر

اور جب اچانک میں اس محبوبہ کے سامنے آیا اور میں نے سلام کیا تو وہ مجھ سے بچنے لگی اور قریب تھا کہ وہ اس سلام کا جواب بلند آواز سے برا بھلا کہہ کر دیتی۔

وقالت وعضت بالبنان: فضحتني! وأنت امرؤ ميسور أمرك أعسر

پھر حیرت سے دانتوں میں انگلی دبا کے بولی تو نے تو مجھے رسوا کر دیا اور تم ایسے شخص ہو کہ تمہارا آسان کام بھی دشوار ہے۔

أريتك أن هنا عليك ألم تخف رقيباً وحولي من عدوك حضر

تم یہ تو سوچو کہ اگر یہ لوگ تمہارے لیے نرم بھی ہو گئے تو کیا تب بھی تم اپنے ان دشمنوں سے نہ ڈرے جو ہمارے ارد گرد نگرانی کے لیے موجود ہیں۔

فلما تقضى الليل إلا أقله وكادت توالي نجمه تتغور

پھر جب رات کا تھوڑا سا حصہ رہ گیا اور تارے ایک ایک کر کے ڈوبنے لگے۔

أشارت لأختيها أعينا على فتى أتى زائراً والأمر للأمر يقدر

تو اس نے اپنی دو سہیلیوں سے چپکے سے کہا تم اس نوجوان کی مدد کرو جو ملاقات کے لیے آیا تھا اور ایک بات کا دوسری سے اندازہ لگایا جاتا ہے۔

فأقبلتا فارتاعتا ثم قالتا: أقلي عليك اللوم فالخطب أيسر

تو وہ دونوں آگے بڑھیں اور چونکیں پھر کہنے لگیں تم اپنے آپ کو زیادہ ملامت نہ کرو یہ معاملہ تو بہت آسان ہے۔

يقوم فيمشي بيننا متنكراً فلا سرنا يفشو ولا هو يظهر

یہ شخص ہمارے درمیان اجنبی بن کر چلے تو نہ ہمارا ہی راز فاش ہوگا اور نہ کوئی اسے دیکھ سکے گا۔

فكان مجني دون من كنت أتقي ثلاثُ شخوص كاعبان ومعصر

چنانچہ اس وقت میں تین شخصوں کی آڑ میں چھپا ہوا تھا دو تو ابھرے پستانوں والی لڑکیاں اور تیسری نوجوان بالغ عورت۔

فلما أجزنا ساحة الحي قلن لي: ألم تتق الأعداء والليل مقمر؟

جب ہم نے قبیلہ کا میدان طے کر لیا تو وہ مجھ سے کہنے لگیں کیا چاندانی رات میں تمہیں دشمنوں کا خوف نہیں آیا۔

وقلن أهذا دأبك الدهر سادراً أما تستحي أو ترعوي أو تفكرا

اور کہنے لگیں کیا ساری زندگی تمہاری لاابالی پن کی عادت رہے گی کیا تمہیں کبھی شرم نہیں آئے گی اور اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گے یا اپنی حالت پر غور و فکر نہیں کرو گے۔

إذا جئت فامنح طرف عينيك غيرنا لكي يحسبوا أن الهوى حيث تنظر

جب تم ہم سے ملنے آیا کرو تو اپنی آنکھوں سے ہمارے علاوہ دوسروں کی طرف بھی دیکھتے رہا کرو تا کہ وہ سمجھیں کہ جدھر تم دیکھ رہے ہو انہیں سے تم کو محبت ہے۔

هنيئًا لبعل العامرية نشرها اللذيذ و رياها الذي أتذكر

عامریہ کے شوہر کو اس کی عمدہ خوشبو مبارک ہو اور وہ مہک جسے میں ابھی تک یاد کرتا ہوں۔

کچھ اس کے دیگر اشعار:

ألا ليت أني يوم تقضى منيتي لثمت الذي ما بين عينيك والفما!

کاش موت کے آنے سے پہلے میں اس جگہ کا بوسہ لے لوں جو تیری آنکھوں اور منہ کے درمیان ہے (یعنی رخسار)۔

وليت طهوري كان ريقك كله　　وليت حنوطي من مشاشك والدم

کاش میری میت کو پاک کرنے کے لیے جس پانی سے غسل دیا جاتا وہ تیرا لعاب دہن ہوتا اور میری نعش کی حفاظت کے لیے خوشبودار جو مسالہ لگایا جاتا وہ تیری نرم ہڈیاں اور خون ہوتا۔

ألا ليت أم الفضل كانت قرينتي　　هنا أو هنا في جنة أو جهنم

کاش ام الفضل کسی بھی طریقہ سے میری رفیقہ بن جائے یہاں یا اگلے جہان جنت میں یا جہنم میں۔

ثریا یمن میں تھی تو اس کو یہ اشعار لکھ کر بھیجے:

كتبت إليك من بلدي　　كتاب موله كمد

میں نے تمہیں اپنے شہر سے خط لکھا ہے جیسے محبت کا دیوانہ اور مجنون لکھتا ہے۔

كئيب واكف العينين　　بالحسرات منفرد

وہ غمگین ہے اور غم کے باعث اس کی آنکھیں پرنم ہیں اور وہ تنہا بھی ہے۔

يؤرقه لهيب الشوق　　بين السحر والكبد

پھیپھڑے اور جگر کے درمیان (دل میں) بھڑکنے والی آتش شوق مجھے راتوں کو جگائے رکھتی ہے۔

فيمسك قلبه بيد　　و يمسح عينه بيد

وہ ایک ہاتھ سے تو دل کو تھامے ہوئے ہے اور دوسرے ہاتھ سے آنکھوں سے آنسو پونچھ رہا ہے۔

اخطل (وفات ۹۵ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ابو مالک غیاث بن غوث التغلبی اپنی قوم بنی تغلب میں جزیرہ فراتیہ میں پیدا ہوا اور اپنی قوم کے اکثر لوگوں کی طرح عیسائی مذہب پر تھا بچپن ہی میں ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا پھر سوتیلی ماں نے اس کی تربیت کی اس لیے اچھی تربیت نہ ہو سکی اس لیے وہ بڑا ہو کر منہ پھٹ، بدنیت، شرابی بنا اور بچپن ہی سے شعر کہنے لگا چنانچہ اس نے شاعرِ تغلب، کعب بن جعیل کی ہجو کی اور اسے بالکل ٹھنڈا کر دیا اور اس کی مشہوری ہو گئی اور جب ولی عہد یزید بن معاویہ نے کعب بن جعیل سے کہا کہ وہ انصار کی ہجو کرے کیونکہ عبدالرحمٰن بن حسان نے اپنی شاعری میں اس کی بہن کا پیچھا لے لیا تھا تو کعب نے انصار کی ہجو کرنے سے معذرت کر لی اور اخطل کا پتہ بتایا اور کہا کہ وہ اس کام کو بخوبی انجام دے گا۔ پھر یہی اس کی مشہوری اور بلند اقبالی کا ذریعہ بن گیا وہ یزید کے ساتھ مل گیا اور انصار کی ہجو کی اس پر انصار غصہ ہو گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت لے کر گئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انصار ہی کو حکم بنا دیا انہوں نے اخطل کی زبان کاٹنے کا مطالبہ کیا لیکن یزید نے بیچ میں پڑ کر انصار کو راضی کر لیا اور انہوں نے اسے معاف کر دیا، بنو امیہ کے خلفاء اس کے اس احسان کو کبھی نہ بھولے اور اس کی عزت و اکرام کرتے رہے خاص طور سے عبدالملک بن مروان کیونکہ اس نے اخطل سے قبائل قیس اور ان کے شعراء جو کہ عبدالملک کے دشمن اور آل زبیر کے حامی تھے کے خلاف مدد حاصل کی تھی، اس نے اخطل کو دربار میں بلا روک

ٹوک آنے کی اجازت دے رکھی تھی اس کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آتا تھا اور انعامات سے نوازتا رہتا تھا عبدالملک سے اس کی بے تکلفی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ وہ اس کے دربار میں ریشمی عباء پہنے گلے میں سونے کی صلیب لٹکائے داڑھی سے شراب ٹپکاتے ہوئے بلا اجازت داخل ہو جاتا تھا۔

جریر وفرزدق کے ہجو یہ مقابلہ میں اس کے شامل ہونے کا سبب یہ بنا کہ اس سے پوچھا گیا ان دونوں میں کون سا بڑا شاعر ہے تو اس نے فرزدق کو افضل بتایا اس پر جریر غصہ ہو گیا اور اخطل کی ہجو میں اشعار کہہ ڈالے جن میں سے ایک شعر یہ ہے:

یا ذالغباوۃ إن بشراقد قضی　　ألّا تجوز حکومۃ النشوان

''اے کم عقل! بشر نے فتویٰ دیا ہے کہ شرابی کا فیصلہ جائز نہیں ہے''۔

اس کا جواب اخطل نے بڑھاپے اور طبیعت کی پژمردگی کی وجہ ڈھیلا سا دیا جس کا اعتراف خود جریر نے اپنے بیٹے سے یوں کیا: ''جب اس سے میری مڈبھیڑ ہوئی تو اس کے منہ میں ایک کچلی تھی اگر دو کچلیاں ہوتیں تو وہ مجھے چبا جاتا'' اخطل بنو امیہ کی نظر میں عزیز ہی رہا حتی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بدلیس کر دیا پھر اس نے اپنی بقیہ عمر کچھ دمشق اور کچھ اپنے جزیرہ میں رہ کر گزار دی ولید کی خلافت کے ابتداء میں سن ۹۵ ھ کو ستر برس کی عمر میں اس جہان سے رخصت ہو گیا۔

شاعری:

اخطل اپنے وقت کے بلند پایہ تین شعراء میں سے ایک ہے دوسرا جریر اور تیسرا فرزدق ہے اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ یہ اپنے زمانہ کے مایہ ناز اور مشہور ترین شاعر تھے مگر ان کی خصوصی وامتیازی صفات کے بارے میں اختلاف ہے۔

اخطل عمدہ مدح کرنے، شراب کا وصف کرنے، ہجو میں کم بیہودہ گوئی، اپنے لمبے قصائد میں زائد از ضرورت الفاظ سے احتراز اور دیگر خامیوں سے بچاؤ اور اپنی طبیعت میں غور وفکر اور چھان بین کے مادہ کے زیادہ ہونے کی وجہ سے ممتاز ہے۔ بسا اوقات وہ اپنے مدحیہ قصائد ایک سال تک ظاہر نہ کرتا تھا اور نوے اشعار کے قصیدہ میں سے چھان پھٹک کر صرف ایک تہائی حصہ باقی رکھتا تھا اس کی شوخ اور چنچل طبیعت نے اسے کوئی مرثیہ نہ کہنے دیا صرف وہی چار شعر اس کے مرثیہ کے بارے میں بیان کیے جاتے ہیں جو اس نے یزید بن معاویہ کے مرنے پر کہے اور یہ بھی صرف اس وجہ سے کہ اس کی نامور ی اور مشہوری کا اصل سبب یہی یزید بنا تھا اخطل بڑا خود پسند تھا سوائے اعشیٰ کے کسی کو اپنے سے بلند نہیں سمجھتا تھا اور اسی لیے اس کے طرز کو اپناتا تھا۔

شاعری کا نمونہ:

عبدالملک بن مروان کی تعریف میں کہتا ہے:

نفسی فداء أمیرالمؤمنین إذا　　أبدی النواجذ یوماً عارم ذکر

میری جان فداء ہو امیر المؤمنین پر کہ جس وقت مقابلہ کی سختی کی وجہ سے بڑے تندخو بہادر بھی باچھیں کھول دیتے ہیں۔

الخائض الغمرۃ المیمون طائرہٗ　　خلیفۃ اللّٰہ یستسقی بہ المطر.

تو یہ جنگ میں کود پڑتے ہیں، بڑی برکت والے ہیں خلیفۃ اللہ ہیں ان کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگی جاتی ہے۔

في نبعة من قريش يعصمون بها　　ما إن يوازى بأعلى نبتها الشجر

قریش خاندان کے ہیں جس کی پناہ میں لوگ آتے ہیں اور جس سے زیادہ معزز و برتر کوئی خاندان نہیں۔

حُشدٌ على الحق عيّافو الخنا أُنف　　إذا ألمت بهم مكروهة صبروا

یہ لوگ حق کا ساتھ دیتے ہیں تہذیب کے منافی بات نہیں کرتے بہت غیور ہیں جب ان پر کوئی آفت آتی ہے تو صبر و ضبط سے کام لیتے ہیں۔

لا يستقل ذووالأضغان حربهم　　ولا يبين في عيدانهم خَوَر

دشمن ان سے لڑنے کو معمولی کام نہیں سمجھتے اور ان کی قوتوں میں کسی قسم کی کمزوری نہیں ہے۔

شمس العداوة حتى يستقاد لهم　　وأوسع الناس أحلاما إذا قدروا

بڑے کینہ ور ہیں جب تک انتقام نہیں لے لیتے دشمنی ختم نہیں کرتے اور جب قابو پا لیتے ہیں نہایت بردباری سے کام لیتے ہیں۔

هم الذين يبارون الرياح إذا　　قل الطعام على العافين أو قتروا

یہی لوگ سرد ہواؤں کا مقابلہ کرتے ہیں جب قحط سالی ہوتی ہے اور لوگ تنگ ہو جاتے ہیں۔

بني أمية نعماكم مجللةٌ　　تمت فلا منةٌ فيها ولا كدر

اے بنو امیہ! تمہارے احسانات عام اور بھرپور ہیں نہ ان کو جتایا جاتا ہے اور نہ ان میں کسی قسم کا تکدر ہے۔

انصار کی ہجو کرتے ہوئے کہتا ہے:

و إذا نسبت ابن الفريعة خلته　　كالجحش بين حمارة وحمار

جب ابن فریعہ کا نسب بیان کیا جاتا ہے تو تم اس کو ایسا پاؤ گے جیسے گدھے کا بچہ گدھی اور گدھے کے درمیان ہو۔

لعن الإله من اليهود عصابةً　　بالجزع بين صُلَيصِل وصرار

اللہ یہود کی ہر اس جماعت پر لعنت کرے جو مقام صلیصل اور جرار کے درمیان رہتی ہیں۔

قوم إذا هدر العصير رأيتهم　　حمرا عيونهم من المسطار

یہ ایسی قوم ہے کہ جب شراب جوش مارتی ہے تو تم ان کی آنکھوں کو شراب کے نشہ کی وجہ سے سرخ دیکھو گے۔

خلوا المكارم لستم من أهلها　　وخذوا مساحيكم بني النجار

اے بنو نجار! عزت و شرافت کے بلند کارناموں کو چھوڑ دو کیونکہ تم اس قابل نہیں بلکہ اپنے پھاؤڑے اور بیلچے اٹھالو۔

ذهبت قريش بالمفاخر كلها　　واللؤم تحت عمائم الأنصار

سارے فخر قریش کے حصہ میں آگئے اور سارے عیوب اور ذلت انصار کی پگڑیوں کے نیچے آگئی۔

اس کے دیگر اشعار:

والناس همهم الحياة ولا أرى　　طول الحياة يزيد غير خبال

لوگوں کی ساری تگ ودوزندگی کے لیے ہے حالانکہ میرے خیال میں لمبی زندگی نقصان اور تباہی کو ہی بڑھاتی ہے۔

وإذا افتقرت إلى الذخائر لم تجد ذخراً يكون كصالح الأعمال

جب تمہیں ذخیروں کی ضرورت ہوگی تو نیک اعمال سے بڑھ کر کوئی ذخیرہ تمہیں نہ ملے گا۔

فرزدق (وفات ۱۱۰)

پیدائش اور حالاتِ زندگی

ابوفراس ہمام بن غالب تمیمی بصرہ میں پیدا ہوا ابتدائی زندگی بھی وہیں آغوشِ ادب میں گزاری، فصیح ماحول میں جوان ہوا اس کا باپ اسے اشعار پڑھاتا اور شاعری سکھاتا حتی کہ شعروشاعری میں اس کی طبیعت چلنے لگی اور اس کی زبان رواں ہوگئی جنگ جمل کے بعد ایک مرتبہ اس کا باپ اسے اظہار فخر کے لیے کہ نوعمری ہی میں عمدہ شاعری کرنے لگا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے باپ سے فرمایا اسے قرآن پڑھاؤ کہ وہ اس کے لیے بہتر ہے، یہ بات فرزدق کے دماغ میں ایسی جڑ پکڑ گئی کہ بڑھاپے تک رہی اور حفظِ قرآن کا پختہ ارادہ کر کے پاؤں میں بیڑی پہن لی اور قسم کھالی کہ جب تک قرآن پاک حفظ نہ کرلوں اسے نہ کھولوں گا پھر واقعی اس نے اپنی قسم پوری کر دکھائی اس کے بعد وہ کوفہ و بصرہ کے والیوں سے جاملا اور کبھی ان کی تعریف کرتا تو کبھی ہجو کہہ دیتا وہ بھی کبھی اسے قریب کر لیتے تو کبھی پھٹکار دیتے شام میں خلفائے بنوامیہ کی مدح کی خاص طور سے عبدالملک کی اور انہوں نے اسے انعام واکرام سے بھی خوب نوازا لیکن آل علی رضی اللہ عنہ کی حمایت کی وجہ سے اس کو زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔

فرزدق جریر کا ہم عصر تھا اس لیے دونوں میں مقابلہ بازی حسد معاصرانہ کشمکش چلتی رہتی تھی ابھی جریر اور ایک بعیث نامی شاعر میں ہجو یہ مقابلہ زوروں پر بھی نہ ہوا تھا کہ فرزدق بعیث کی طرف داری کرنے لگا اس پر جریر کو غصہ آیا اور اس نے فرزدق کی بھی ہجو کہہ ڈالی فرزدق نے بھی دوبدو جواب دیا اور پھر یہ ان کی باہمی ہجو کا سلسلہ دس سال تک چلتا رہا جس کی وجہ سے ان کے ذہن کھل گئے زبان تیز ہوگئی برجستہ گوئی، مناظرہ اور صحتِ نظر کی قوت بڑھ گئی ان دونوں کے ساتھ ساتھ عوام بھی دوحصوں میں تقسیم ہوگئی ایک جماعت ایک شاعر کی حامی اور دوسری دوسرے کی حامی بن گئی، فرزدق کے حامیوں میں سے تو ایک شخص نے فرزدق کو جریر پر فضیلت وترجیح دینے کے لیے چار ہزار درہم اور ایک گھوڑا انعام مقرر کر دیا تھا، فرزدق کی ہجو میں فحش کلامی اور عریاں بیانی بہت تھی ویسے بھی وہ دینداری میں کمزور اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والا تھا، لیکن وہ اپنی موروثی عزت اور خاندانی شرافت کے قلعہ میں پناہ لے لیتا تھا، اپنے تمام فضائل ورذائل سے کام لے کر اس نے جریر کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگالیا تھا لیکن پھر بھی اسے شکست نہ دے سکا اور نہ ناکام بنا سکا۔

آل علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں فرزدق کے بہت کارنامے ہیں جن سے اس کی بے باکی اور بہادری ظاہر ہوتی مثلاً حج میں ہشام بن عبدالملک سے ملاقات کا واقعہ جب ہشام نے حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ) کو دیکھا کہ لوگ ان کے لیے جگہ چھوڑ رہے ہیں تو ان کے رتبے کو کم ظاہر کرنے کے لیے انجان بنتے ہوئے کہا یہ کون ہے؟ اس کا یہ سوال فرزدق کو بہت برا لگا اور اس کے جواب میں ایک قصیدہ کہہ ڈالا جس کا مطلع یہ ہے:

هذا الذي تعرف البطحاء وطأته والبيت يعرفه والحل والحرم

''یہ وہ شخص ہے جس کے قدموں کی چاپ کو سرزمین بطحاء بھی پہچانتی ہے اور بیت' حرم اور حل سب جگہیں بھی اسے جانتی ہیں''۔
اس پر ہشام نے اسے قید میں ڈال دیا اور جب تک ان کی ہجو نہ کہی رہا نہ کیا فرزدق سن ۱۱۰ھ بصرہ میں سو سال کے قریب عمر پا کر فوت ہوا۔

شاعری:

فرزدق اپنی اصل پر بہت فخر کرتا تھا اور اپنے آباء واجداد پر اس کو بڑا ناز تھا اور اپنے اسلاف کے کارنامے بیان کرنے کا بہت شوق تھا حتیٰ کہ خلفاء کے سامنے بھی بیان کر دیتا تھا، اسی لیے اس کی شاعری میں فخریہ پہلو غالب ہے اور فخریہ شاعری عمدہ الفاظ، پختہ اسلوب، غریب کلمات، عربوں کے واقعات وانساب کے ذکر اور خانہ بدوشوں کے انداز بیان کو چاہتی ہے انہی وجوہات کی بناء پر اس کی شاعری راویوں میں بڑی مقبول ہوئی نحویوں نے اسے سراہا اور کہا کہ اگر فرزدق کی شاعری نہ ہوتی تو عربی زبان کا ایک تہائی حصہ ختم ہو جاتا لیکن اس کی شاعری میں سختی اور درشتی تھی جس کا خود اسے بھی دکھ ہوتا تھا اور بسا اوقات تو کہہ دیتا تھا کہ کاش جریر کی نرم بیانی میرے پاس ہوتی اس کے بدکردار ہونے کی وجہ سے اور میری سختی جریر کے پاس ہوتی اس کے پاکیزہ ہونے کی وجہ سے، اور اس سے اخطل کے اس قول کی تائید بھی ہوتی ہے جو اس نے ان دونوں میں فیصلہ کرتے ہوئے کہا کہ

''فرزدق چٹان تراش کر شعر لاتا ہے اور جریر دریا سے چلو بھر کر لاتا ہے''۔

فرزدق ہجو گوئی میں بہت فحش کلامی کرتا تھا اور وصف بیانی میں جدت کو اختیار کرتا تھا، مدح سرائی میں درمیانہ تھا اور مرثیہ میں تو بہت کمزور تھا۔

شاعری کا نمونہ:

إذا اغبر آفاقُ السماء وكشفت　　　بيوتاً وراء الحي نكباءُ حرجف

جب آسمان پر گرد وغبار چھا جائے اور قحط سالی کی ٹھنڈی ہوائیں قبیلہ کے گھروں کی چھتوں کو اڑا کر ان کو کھول دیں۔

وأصبح مبيضُ الصقيع كأنه　　　على سروات النيب قطنٌ مندفُ

اور سفید کورا اونٹوں کی پیٹھوں پر ایسے جم جائے جیسے دھنی ہوئی روئی ہوتی ہے۔

ترى جارنا فيه بخير وإن جنى　　　فلا هو مما ينطف الجار ينطف

تو اس وقت بھی تم ہمارے پڑوسیوں کو خوش حال پاؤ گے اگرچہ وہ جرم ہی کیوں نہ کریں اور جیسے عموماً پڑوسیوں پر تہمت لگائی جاتی ہے ان پر کوئی تہمت نہ ہوگی۔

وكنا إذا نامت كليب عن القرى　　　إلى الضيف نمشي بالعبيط ونلحف

اور جب بنو کلیب مہمانوں کی میزبانی سے کتراتے ہیں تو ہم ان کو باصرار مہمان بنا کر مضبوط اور فربہ جانور ذبح کر کے ان کے سامنے رکھتے ہیں۔

لنا العزة القعساءُ والعدد الذي　　　عليه إذا عد الحصى يتخلف

عزت اور فخر ہمارے لیے ہی ہے اور ہماری تعداد اتنی ہے کہ اگر کنکریوں پر شمار کریں تو وہ بھی کم پڑ جائیں۔

ترى الناس إن سرنا يسيرون خلفنا وإن نحن أومأنا إلى الناس وقفوا

تم لوگوں کو دیکھو گے کہ جب ہم چلتے ہیں تو وہ ہمارے پیچھے چلتے ہیں اور جب ہم ان کو اشارہ کرتے ہیں تو وہ رک جاتے ہیں۔

وإنك إذ تسعى لتدرك شأونا لأنت المعني يا جرير المكلّف

اے جریر! اگر تو ہمارے بلند مرتبہ کے حصول کی کوشش کرے گا تو بڑی پریشانیوں اور مصیبتوں میں اپنے آپ کو ڈالے گا۔

دیگر فخریہ اشعار:

ومستمنح طاوى المصير كأنما يساوره من شدة الجوع أولق

وہ امداد چاہنے والا جس کی آنتیں لپٹ گئیں اور شدتِ بھوک سے وہ پاگل ہو گیا تھا۔

دعوت بحمراء الفروع كأنها ذرى راية في جانب الجو تخفق

اس کو میں نے سرخ آگ جلا کر بلایا اس کے شعلے ایسے تھے جیسے فضاء میں لہراتے ہوئے جھنڈوں کے کنارے ہوتے ہیں۔

وإني سفيه النار للمبتغي القرى وإني حليم الكلب للضيف يطرق

میزبانی تلاش کرنے والے کے لیے میری آگ بڑی تند و تیز ہے اور رات کو آنے والے مہمانوں کے لیے میرا کتا بڑا بردبار ہے۔

إذا مت فابكيني بما أنا أهله فكل جميل قلت في يصدق

جب میں مرجاؤں تو میری شایان شان باتیں یاد کر کے مجھ پر رونا اور ہر عمدہ بات جو تو میرے بارے میں کہے گی لوگ اس کی تصدیق کریں گے۔

وكم قائل مات الفرزدق والندى! وقائلة مات الندى والفرزدق

اس وقت بہت سے لوگ کہیں گے کہ فرزدق اور سخاوت مر گئے اور بہت سی عورتیں کہیں گی کہ سخاوت اور فرزدق مر گئے (یعنی سخاوت و فرزدق لازم ملزوم ہیں)۔

حضرت علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف میں کہتا ہے:

هذا الذي تعرف البطحاء وطأته والبيت يعرفه والحلُّ والحرم

اس شخص کے قدموں کی چاپ کو سرزمین بطحاء بھی جانتی ہے بیت اللہ، حرم اور حل بھی اسے پہچانتے ہیں۔

هذا ابن خير عباد الله كلهم هذا التقي النقي الطاهر العلم

یہ اس شخص کے فرزند ہیں جو اللہ کے بندوں میں سب سے بہتر ہیں، یہ بڑے متقی، صاف دل اور پاکباز بلند مرتبہ ہیں۔

وليس قولك (من هذا) بضائره العرب تعرف من أنكرت والعجم

تمہارے "یہ کون ہے" کہنے سے ان کی قدر و منزلت کم نہیں ہوگی جسے تم نہ پہچان سکے تمام عرب و عجم اسے جانتے ہیں۔

إذا رأته قريش قال قائلها إلى مكارم هذا ينتهي الكرم

قریشی اسے دیکھ کر کہتے ہیں کہ تمام کرم و شرف ان کے بلند اخلاق پر پہنچ کر ختم ہو جاتے ہیں۔

يغضي حياء ويغضي من مهابته　　فما يكلم إلا حين يبتسم

ایسے باحیاء ہیں کہ آنکھیں جھکی رہتی ہیں اور ایسے بارعب ہیں کہ لوگ ان کی ہیبت سے ان سے آنکھ نہیں ملا سکتے اور ان سے صرف اسی وقت گفتگو کی جاتی ہے جب وہ مسکرا رہے ہوں۔

يكاد يمسكه عرفان راحته　　ركن الحطيم إذا ما جاء يستلم

رکن حطیم بھی ان کی ہتھیلی کی خوشبو پہچانتا ہے جب اسے یہ بوسہ دیتے ہیں تو ان کو پکڑ لینا چاہتا ہے۔

ينشق نور الهدى عن نور غرته　　كالشمس ينجاب عن إشراقها القتم

ان کی پیشانی سے ہدایت کا نور اس طرح پھوٹتا ہے جیسے سورج کی کرنیں پھوٹنے سے تاریکی چھٹ جاتی ہے۔

من معشر حبهم دين وبغضهم　　كفر وقربهم منجى ومعتصم

یہ ان لوگوں میں سے ہے کہ جن کی محبت دین کا حصہ ہے اور ان سے دشمنی و بغض کفر ہے اور جن کا قرب پناہ و حفاظت گاہ ہے۔

اس کے دیگر مقبول اشعار میں سے کچھ اشعار پیش ہیں:

فيا عجبا حتى كليبٌ تسبني　　كأن أباها نهشل أو مجاشع

واہ کتنی عجیب بات ہے کہ بنوکلیب کے لوگ بھی اب مجھے گالیاں دینے لگے جیسے تو نہشل اور مجاشع انہی کے باپ دادا ہوں۔

نیز کہتا ہے:

وكنا إذا الجبار صعر خده　　ضربناه حتى تستقيم الأخادع

جب کوئی مغرور سردار ہمارے سامنے منہ ٹیڑھا کرتا ہے تو ہم اسے اتنا مارتے ہیں کہ اس کی گردن کے پٹھے سیدھے ہو جاتے ہیں اور ساری اکڑفوں نکل جاتی ہے۔　نیز کہتا ہے۔

ترجي ربيع أن يجيء صغارها　　بخير وقد أعيا ربيعاً كبارها

ربیعہ کو امید ہے کہ ان کے چھوٹے کوئی بھلائی و نیک نامی کا کام کریں گے جبکہ ان کے بڑے اس کام سے عاجز آ چکے ہیں۔ نیز کہتا ہے۔

قوارص تأتيني وتحتقرونها　　وقد يملأ القطرُ الإناء فيفعم

طنزیہ اور دکھ والی باتیں مجھ تک پہنچ رہی ہیں اور تم انہیں معمولی خیال کرتے ہو دیکھتے نہیں کہ بارش کے قطرے قطرے سے برتن بھر کر چھلکنے لگتا ہے۔　نیز کہتا ہے۔

أحلامنا تزن الجبال رزانة　　وتخالنا جنا إذا ما نجهلُ

ہماری عقلیں وزن میں پہاڑ کے برابر ہیں اور جب ہم شرارت پر اتر آئیں تو تم ہمیں جن بھوت خیال کرو گے۔　نیز کہتا ہے۔

ترى كل مظلوم إلينا فرارهُ　　ويهرب منا جهدهُ كلُّ ظالم

تم دیکھو گے کہ ہر مظلوم ہمارے پاس ہی بھاگ کر آتا ہے اور ہر مظلوم ہم سے دور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔

جریر (وفات ۱۱۰ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ابوحرزہ جریر بن عطیہ خطفی تمیمی یمامہ میں ستواں پیدا ہوا دیہاتی ماحول میں پرورش پائی اس لیے جوان ہوا تو فصیح اللسان صحیح وجدان والا اور شاعری کی طبیعت میں ڈھلا ہوا تھا، پھر جب اس کی طبیعت شاعری میں رواں ہوگئی اور لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی جراءت محسوس ہوئی تو وہ فرزدق کے وطن بصرہ آ گیا اور وہاں شرفاء وامراء کی مدح کرنے لگا اور اپنے گھر والوں کی روزی روٹی کمانے لگا اور جب شاعری کی برکت سے فرزدق کی خوش حالی اور آسودگی دیکھی تو تعجب میں پڑ گیا یہ بھی فرزدق کی طرح تمیمی ہی تھا لیکن اس کے دل میں حسد کی بیماری لگ گئی اور یہ خواہش کرنے لگا کہ جو آسودگی اور مالداری فرزدق کو ملی ہے وہ مجھے بھی مل جائے۔

اسی مزاحمت ومنافست نے ان کے درمیان باہمی ہجوگوئی کے اسباب پیدا کر دیئے اور جریر نے اپنے مقابل کو قریب سے نشانہ بنانا چاہا اس لیے دیہات کو خیر آباد کہہ کر بصرہ میں سکونت اختیار کر لی اور مربد پر چھا گیا (مربد وہ جگہ تھی جہاں شعراء وغیرہ کے باہمی مقابلے ہوتے تھے) پھر حجاج کے پاس گیا وہاں اس کی خوب عزت ہوئی وہ قصائد جو اس نے حجاج کی مدح میں کہے بہت مقبول ہوئے حتی کہ جب یہ خبر خلیفہ عبدالملک کو ملی تو اس نے جریر کا حجاج کے پاس رہنا نامناسب سمجھا حجاج نے خلیفہ کی منشاء پہچانتے ہوئے جریر کو اپنے بیٹے محمد کے ہمراہ دمشق بھیج دیا وہاں پہنچ کر جب جریر نے عبدالملک کے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی تو عبدالملک نے اجازت نہ دی اور سخت غصہ کرتے ہوئے کہا کہ تم بس حجاج کے لیے ہو، اس کے بعد وہ خلیفہ تک پہنچنے کے ذرائع پیدا کرتا رہا اور لوگوں سے اپنے لیے سفارش کراتا رہا تا آنکہ اسے عبدالملک کو اپنا وہ قصیدہ سنانے کا موقع مل گیا جس کا مطلع یہ ہے:

أتصحو أم فؤادك غير صاحٍ عشية هم صحبك بالرواح

''جس شام تیرے ساتھیوں نے کوچ کا ارادہ کر لیا تو کیا تو ہوش میں آئے گا یا تیرا دل مست وبے ہوش رہے گا''۔

اور جب وہ اپنے اس شعر پر پہنچا:

ألستم خير من ركب المطايا و أندى العالمين بطون راح

''کیا آپ تمام سواروں میں سب سے بہتر اور تمام جہانوں میں سب سے زیادہ سخی نہیں ہیں؟''۔

تو عبدالملک مسکرائے اور کہا کہ ہاں واقعتاً ہم ایسے ہی ہیں اور ایسے ہی رہیں گے پھر اسے سو اونٹنیاں اور آٹھ چرواہے انعام میں دیئے اس قصیدہ کے بعد اور اخطل کے ڈھیلا ہو جانے کے بعد جریر خلفاء کے ہاں سب سے مقبول شاعر بن گیا خاص طور پر عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں لیکن اس کے قصر مملکت کے اس قرب نے اس کے معاصرین میں غیرت کی آگ بھڑکا دی اور انہوں اس کے ساتھ ہجو یہ جنگ چھیڑ دی، پھر اس جنگ کو سیاسی اغراض، فرزدق کے جوشیلہ پن جریر کی کج خلقی اور لوگوں کے اس جھگڑے میں دلچسپی لینے نے اور ہوا دی چنانچہ جریر کے معاصرین مین سے اسی (۸۰) شعراء اس کے مقابلہ میں آئے اور اس نے سوائے فرزدق واخطل کے سب کو مات دے دی یہ دونوں ثابت قدم رہے اور اس پر غلبہ پانے کی کوشش کرتے رہے یہ ان کا مقابلہ اسی طرح چلتا رہا کبھی وہ غالب کبھی یہ حتی کہ اخطل کا انتقال ہو گیا اور جریر فرزدق کے لیے فارغ ہو گیا ان کے درمیان مشہور نقائض ہوئے جو لوگوں کی دلچسپی کا

سامان بنے اور شعراء کے لیے سامانِ مشغولیت۔ پھر فرزدق کسی وجہ سے اس سے رُک گیا پھر موت تک رکا رہا اور عبادت میں لگا رہا اس کی موت کے چند ماہ بعد جریر بھی سن ۱۱۰ھ میں ملکِ عدم کو سدھارا اور یمامہ میں دفن ہوا۔

شاعری:

جریر میں اخطل کی سی خباثت و مے نوشی اور فرزدق کی سی درشتی و بدکاری نہ تھی بلکہ وہ صاف طبع، نازک احساسات والا، پاکباز، صحیح دیندار اور اچھے اخلاق والا تھا اور ان تمام اوصاف کا اثر اس کی شاعری میں نمایاں پایا جاتا ہے چنانچہ حسن اسلوب شیرینی غزل، تلخی ہجو، عمدہ مرثیہ گوئی اور شاعری کے تمام فنون میں کمال رکھنے کی وجہ سے باقی شعراء سے ممتاز ہے اسی لیے شاعری کے افق پر یہ سب سے روشن تارا ہے اور ایک کامل شاعر میں جو صفات ہونی چاہئیں وہ اس میں کافی حد تک موجود ہیں انہی وجوہ کی بناء پر اخطل و فرزدق کے حامیوں سے اس کے حامیوں کی تعداد زیادہ تھی کیونکہ اخطل تو صرف مدح، ہجو، وصف شراب میں کمال رکھتا تھا اور فرزدق صرف فخریہ شاعری میں باکمال تھا۔

شاعری کا نمونہ:

فرزدق کی ہجو میں کہتا ہے:

لقد ولدت أم الفرزدق مقرفا   فجاءت بوزار قصير القوادم

فرزدق کی ماں نے ایک بدنسل بچہ جنا ہے وہ گناہوں میں دبا ہوا اور چھوٹے ہاتھ پاؤں والا ہے۔

يوصل حبليه إذا جن ليله   ليرقى إلى جاراته بالسلالم

جب رات تاریک ہو جاتی ہے تو وہ اپنی دونوں رسیوں کو ملاتا ہے تاکہ سیڑھیوں کے ذریعہ اپنی پڑوسنوں کے پاس چڑھ جائے۔

دلّيت تزني من ثمانين قامة   وقصرت عن باع العلى والمكارم

اے فرزدق! تو اسی (۸۰) قد کی دوری سے زنا کاری کے لیے لٹک کر چلا گیا اور بلندی و شرافت کے کاموں میں ایک ہاتھ بھی تجھ سے طے نہ ہو سکا۔

هوالرجس يا أهل المدينة فاحذروا   مداخل رجس بالخبيثات عالم

اے اہل مدینہ! یہی ناپاک و بدمعاش ہے اس سے ہوشیار رہو یہ پلیدی میں گھسنے والا اور بدکاریوں کا ماہر ہے۔

لقد كان إخراج الفرزدق عنكم   طهوراً لما بين المصلي وراقم

تم اگر فرزدق کو اپنے پاس سے نکال دو تو یہ کعبہ اور مدینہ کو پاک کرنے کے مترادف ہے۔

ہجو میں اس کے عمدہ اشعار:

تعالوا نحاكمكم وفي الحق مقنع   إلى الغرّ من أهل البطاح الأكارم

ادھر آؤ ہم اپنا اور تمہارا فیصلہ بطحاء کے معزز و کریم بندوں کے پاس لے کر چلتے ہیں اور حق بات ہی قبول کرنی چاہیے۔

فإن قريش الحق لم تتبع الهوى   ولم يرهبوا في الله لومة لائم

قریش برحق قبیلہ ہے جو خواہشات کی پیروی نہیں کرتا اور راہ خدا میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتا۔

أذكركم بالله من ينهل القنا ويضرب كبش الجحفل المتراكم؟

میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں، بتاؤ کون نیزوں کو خون پلاتا ہے اور بڑے لشکر کے بہادر افسر کو مار گراتا ہے۔

وكنتم لنا الأتباع في كل موقف وريش الذنابي تابع للقوادم

اور تم تو ہر جگہ ہمارے پیچھے ہی رہتے تھے کیونکہ دم کے پر بازوؤں کے پروں کے پیچھے ہی ہوتے ہیں۔

إذا عدت الأيام أخزيت دارما وتخزيك يا ابن القين أيامُ دارم

جب اہم واقعات اور فخریہ کارناموں کا ذکر ہوتا ہے تو تو دارم کو رسوا کر دیتا ہے اور اے لوہار کے بیٹے تجھے دارم کے واقعات ہی رسوا کریں گے۔

وما زادني بُعد المدى نقض مرةٍ ولا رق عظمي مضرُوس العواجم

عمر کے لمبا ہونے نے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور نہ ہی میری ہڈیاں چبانے والی داڑھوں کے لیے نرم ہوئیں۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف میں کہتا ہے:

إنا لنرجو إذا ما الغيث أخلفنا من الخليفة ما نرجو من المطر

جب بارش ہم سے وعدہ خلافی کرتی ہے تو ہم خلیفہ سے وہی امید کرتے ہیں جو بارش سے کرتے ہیں۔

نال الخلافة إذ كانت له قدرا كما أتى ربه موسى على قدر

انہوں نے خلافت کو پالیا کیونکہ وہ ان کے شایان شان تھی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی شایانِ شان اپنے رب کے پاس پہنچے۔

أأذكر الجهد والبلوى التي نزلت أم تكتفي بالذي بلغت من خبري

کیا میں ان مصائب و پریشانیوں کو بھی ذکر کروں جو مجھے پہنچیں یا جتنے حالات میرے آپ تک پہنچ چکے وہی کافی ہیں۔

ما زلت بعدك في دار تعرقني قد طال بعدك إصعادي ومنحدري

آپ کے بعد میں ایسی جگہ میں رہا جہاں میرا گوشت نوچ لیا گیا اور آپ کے بعد میری زندگی میں بہت اتار چڑھاؤ آئے۔

لا ينفع الحاضرُ المجهوَد بادينا ولا يجود لنا باد على حضر

تھکا ہارا شہری ہمارے دیہاتی کو کوئی نفع نہیں پہنچاتا اور نہ ہی باوجود ہمارے شہری ہونے کے کوئی دیہاتی ہمیں بخشش دیتا ہے۔

كم بالمواسم من شعثاء أرملة و من يتيم ضعيف الصوت والبصر

موسم حج میں کتنے ہی پراگندہ حال اور نادار لوگ اور یتیم ایسے ہیں جن کی نگاہیں کمزور ہیں اور آواز ضعیف۔

يدعوك دعوة ملهوف كأن به مسًّا من الجن أو رزءًا من البشر

وہ آپ کو اس غمزدہ کی طرح پکارتے ہیں جو آسیب زدہ ہو یا انسانوں کا ستایا ہوا ہو۔

ممن يعدك تكفي فقْدَ والده كالفرخ في العش لم ينهض ولم يطر

یہ یتیم آپ کو اپنے باپ کی جگہ سمجھتے ہیں یہ پرندوں کے ان بچوں کی طرح ہیں جو نہ اڑ سکتے ہیں نہ چل سکتے ہیں۔

غزل میں اس کے بے نظیر اشعار:

إن العيون التی في طرفها حور قتلننا ثم لم يحيين قتلانا

ان گہری سیاہ آنکھوں نے ہمیں نہایت بے دردی سے مار ڈالا اور پھر ہمارے مقتولوں کو زندہ بھی نہیں کیا۔

يصرعن ذا اللب حتی لا حراك به وهن أضعف خلق الله إنساناً

یہ اچھے بھلے عقلمند آدمی کو اس طرح پچھاڑ دیتی ہیں کہ وہ بے حس وحرکت ہو جاتا ہے حالانکہ اللہ کے بنائے ہوئے انسانوں میں یہی سب سے کمزور اور نازک صنف ہیں۔

فخریہ شاعری میں کہتا ہے:

إذا غضبت عليك بنوتميم حسبت الناسَ كلهمُ غضابا

جب تجھ پر بنوتمیم غصہ ہوتے ہیں تو تو یہ خیال کرتا ہے کہ ساری دنیا تجھ پر غصہ ہے۔

ہجو میں کہتا ہے:

فغض الطرف إنك من نمير فلا كعباً بلغت ولا كلابا

اپنی آنکھیں نیچے جھکا کر رکھ کیونکہ تو بنونمیر سے ہے نہ تیرا نسب کعب تک پہنچتا ہے نہ کلاب تک۔

طنزیہ شعر کہتا ہے:

زعم الفرزدق أن سيقتل مربعا أبشر بطول سلامة يا مربع؟

فرزدق سمجھتا ہے کہ وہ مربع کو قتل کر دے گا، اے مربع! تجھے خوشخبری ہو لمبی عمر تک سلامت رہنے کی۔

اس کی عمدہ فخریہ شاعری میں سے کچھ:

إن الذي حرم المكارم تغلبا جعل الخلافة والنبوة فينا

وہی ذات جس نے خاندان تغلب کو شرافت کے کارناموں سے محروم کر دیا اسی نے خلافت و نبوت سے ہمارے خاندان کو سرفراز فرمایا۔

مضرٌ أبي وأبو الملوك، فهل لكم يا خزر تغلب من أب كأبينا؟

مضر میرا اور بادشاہوں کا باپ ہے، اے تغلب! کیا ہمارے باپ کی طرح بھی کوئی تمہارا باپ ہے۔

هذا ابن عمي في دمشق خليفة لو شئت ساقكم إلي قطينا

یہ دیکھو میرے چچا کا بیٹا دمشق میں خلیفہ ہے اگر میں چاہوں تو وہ خدمت گزاری کے لیے تم سب کو میرے پاس بھیج دے گا۔

کہا جاتا ہے کہ جب یہ اشعار عبدالملک نے سنے تو کہا ابن مراغہ نے میری یہ قدر کی کہ مجھے سپاہی بنا دیا اگر وہ "لو شئت" کی جگہ "لو شاء" کہہ دیتا تو میں ان سب کو اس کے پاس بھیج دیتا۔

طرماح بن حکیم (وفات ۱۰۰ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

طرماح بن حکیم طائی دمشق میں پہلی صدی کے نصف آخر میں پیدا ہوا اور شام میں گمنامی کی زندگی بسر کی حتیٰ کہ جوان ہو گیا پھر بنوامیہ کے لشکروں کے ساتھ وہ بھی کوفہ آ گیا اور بنوتیم اللات بن ثعلبہ میں ٹھہرا، یہاں اس کی ملاقات ایک ازرقی شیخ (ازارقہ خوارج کا ایک فرقہ ہے) سے ہوئی اس کی ایک خاص وضع وشان تھی چنانچہ یہ اس کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے لگا اس شیخ نے اس کے سامنے اپنا عقیدہ رکھا اور اس کی دعوت دی جسے اس نے قبول کر لیا اور تادم زیست نہایت پختگی کی ساتھ اس پر قائم رہا پھر اس کی ملاقات کمیت بن زید اسدی سے ہوگئی اور ان کے درمیان دوستانہ اور محبت گہری ہوتی گئی حالانکہ دونوں کے نسب، مذہب اور وطن جدا جدا تھے لیکن پھر بھی ان میں گہری الفت تھی طرماح قحطانی، خارجی، شامی تھا اور کمیت عدنانی، کوفی، شیعہ تھا، ایک مرتبہ کسی نے اس اختلاف مذہب کے باوجود ان کی باہمی محبت کا راز کمیت سے پوچھا تو اس نے کہا کہ عوام سے بغض رکھنے میں ہم دونوں متفق ہیں، اس جواب سے اس لاطینی مثل کی تصدیق بھی ہو جاتی ہے جو مشہور ہے کہ تمام شعراء استقراطیت کے قائل ہیں، طرماح نے بھی دوسرے شعراء کی طرح امراء کے عطیوں سے زندگی گزاری جو اسے دیتا اس کی تعریف کرتا جو نہ دیتا اس کی ہجو کرتا لیکن پھر بھی وہ خوددار، غیور، شریف الطبع اور بلند ہمت تھا، مال و دولت کی محبت نے اسے ذلت و عاجزی پر آمادہ نہ کیا، چنانچہ ایک مرتبہ کا قصہ ہے کہ وہ اور کمیت مخلد بن یزید مہلبی کے پاس گئے اس نے دونوں کو بٹھایا اور شعر سنانے کے لیے کہا طرماح سنانے کے لیے آگے بڑھا تو مخلد نے کہا کہ کھڑے ہو کر سناؤ، اس نے جواب دیا بخدا ہرگز نہیں شاعری کی یہ عزت نہیں کہ میں اس کے لیے کھڑا ہو جاؤں اور وہ مجھے ذلیل کر دے اور نہ یہ کہ میں اسے اپنی بے بسی کی وجہ سے ذلیل کر دوں شاعری تو ایک فخر کا ستون ہے اور عربوں کے کارناموں کے ذکر کو باقی رکھنے کا ایک ذریعہ ہے، چنانچہ اس سے کہا گیا کہ تم کمیت کے لیے جگہ خالی کر دو، کمیت نے کھڑے ہو کر اشعار سنائے اس پر اسے پچاس ہزار درہم ملے باہر نکل کر اس نے آدھے طرماح کو دیئے اور کہا کہ تم بہت خوددار اور بلند ہمت ہو اے ابوضبیہ! اور میں موقع شناس ہوں۔

طرماح کو اس خودداری کے ساتھ ساتھ اپنی شاعری پر فخر اور گھمنڈ تھا چنانچہ جب اس نے اور کمیت نے ذی الرمہ کے کچھ اشعار سنے تو کمیت نے طرماح کے سینے پر ہاتھ مار کر کہا: "بخدا یہ تو ریشم کی طرح ہے، ہماری طرح کھاوی نہیں"۔ حالانکہ وہ ان کا ہم عصر تھا اس پر طرماح نے کہا کہ ان اشعار کی عمدگی کا اگر چہ میں بھی قائل ہوں پر تمہاری والی بات نہیں کہتا۔ طرماح کو مال و دولت کی بڑی آرزو تھی جس کا وہ اس شعر میں اعتراف بھی کرتا ہے:

امختر می ریب المنون و لم انَلْ من المال ما اعصی بہٖ واطیع

"کیا حوادثاتِ زمانہ مجھے فنا کر دیں گے حالانکہ ابھی تک میں نے اتنا مال بھی نہیں لیا جس سے میں نافرمانی یا اطاعت کروں"۔

اس نے مال جمع کرنے میں بڑی محنت و کوشش کی اور اللہ سے دعا کی کہ وہ بستر پر نہ مرے بلکہ کوشش کرنے والوں یا مجاہدین کی موت

مرے تاکہ شہید دنیا یا شہید دین بن جائے۔ اسی مضمون کو وہ اپنے ان اشعار میں بیان کرتا ہے:

و إني لمقتاد جوادي وقاذفٌ به و بنفسي العام شتى المقاذف

میں اپنے تیز رفتار گھوڑے کو اور اپنے آپ کو اس سال کسی پر خطر مہم میں ڈالوں گا۔

لأكسب مالا أو أؤول إلى غنى من الله يكفيني عدات الخلائف

تاکہ میں اتنا مال کمالوں یا اللہ کی غیبی مدد سے اس قدر غنی ہو جاؤں کہ خلیفوں کے پاس جانے کی ضرورت نہ رہے۔

فيارب إن حانت وفاتي فلا تكن على شرجع يعلى بخضر المطارف

اے باری تعالیٰ! اگر میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے تو میرا جنازہ اس چارپائی پر نہ اٹھایا جائے جس پر سبز چادریں ڈالی جاتی ہیں۔

ولكن قبري بطن نسر مقيله بجو السماء في نسور عواكف

بلکہ میری قبر اس گدھ کا پیٹ ہو جو دوپہر کو آسمان میں رہنے والی گدھوں کے ساتھ رہتا ہے۔

وأمسي شهيداً ثاوياً في عصابة يصابون في فج من الأرض خائف

اور میں اس جماعت میں رہ کر شہید ہو جاؤں جو ایک پر خطر گھاٹی میں مارے جا رہے ہیں۔

فوارس من شيبان ألف بينهم تقى الله نزالون عند التراجف

جو بنو شیبان کے شہسوار ہیں اور خوفِ خدا نے ان کو ایک دوسرے سے ملا دیا ہے یہ جنگ میں نہایت دلیری سے مقابلہ کرتے ہیں۔

إذا فارقوا دنياهمو فارقوا الأذى وصاروا إلى ميعاد ما في المصاحف

جب وہ دنیا چھوڑ دیتے ہیں تو ہر دکھ درد سے نجات پا لیتے ہیں اور اس جگہ پہنچ جاتے ہیں جس کا ان سے قرآن میں وعدہ کیا گیا ہے۔

لیکن اس کی یہ دعا بارگاہ ایزدی میں قبول نہ ہوئی اور وہ بستر پر ہی مرا اور چارپائی پر اس کا جنازہ اٹھایا گیا۔

شاعری:

طرماح شہری ماحول میں پلا بڑھا اس لیے دیہاتی زندگی اور بدویانہ ماحول سے ناواقف تھا، کوفہ و بصرہ میں اس نے زندگی گزاری وہاں اس نے سنا کہ راوی اور نحوی جاہلی ادب کو ترجیح دیتے ہیں اور بدوی شاعری کو مقدم کرتے ہیں کیونکہ یہ شواہد کی جگہ اور غریب و نامانوس الفاظ کا ماخذ ہوتی ہے۔ اس بات سے اس میں اور کمیت میں بھی غریب الفاظ کی محبت اور نامانوس الفاظ کا شوق پیدا ہو گیا چنانچہ وہ بدیوں اور رجز خوانوں سے غریب الفاظ کو اچک لیتے اور بے موقع و محل ان کو استعمال کر دیتے چنانچہ حجاج کہتا ہے کہ طرماح اور کمیت مجھ سے غریب و نادر الفاظ پوچھتے میں انہیں بتا دیتا پھر وہی الفاظ میں نے ان کی شاعری میں بے موقع و محل مستعمل دیکھے، اس سے پوچھا گیا کہ وہ ایسا کیوں کرتے تھے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ دونوں شہری تھے نادیدہ چیز کا وصف بیان کرتے تھے، اسی وجہ سے اصمعی اور ابو عبیدہ اسلامی شعراء میں ان کی شاعری کو غیر مستند اور عیب دار سمجھتے ہیں جیسا کہ جاہلی شعراء میں عدی بن زید اور

امیہ بن ابی الصلت کی شاعری کو بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ اس رجحان کا اثر طرماح کی شاعری میں آپ کو نمایاں نظر آئے گا چنانچہ جہاں آپ کو اس کے نرم و نازک و شیریں اشعار ملیں گے وہاں کچھ بھدے، بے جوڑ اور خام اشعار بھی نظر آئیں گے۔ جن سے وہ اپنی شاعری کو بدنما اور اپنے دریا کو گدلا کر دیتا ہے۔

ابن اعرابی سے طرماح کی شاعری میں اٹھارہ سوالات پوچھے لیکن وہ ایک بھی نہ سمجھ سکے، لیکن پھر بھی طرماح کا شمار باکمال اسلامی شعراء میں سے ہوتا ہے۔ ہجو میں اس کا اپنا ایک مخصوص طرز ہے، وہ جس کی ہجو کرتا ہے اس کی تحقیر و شان گھٹانے میں مبالغہ آمیزی سے کام لیتا ہے ایسا لگتا ہے جیسے یہ مضامین اسے القاء کیے جا رہے ہوں، کمیت اس کا ہم عصر و ہم مجلس ہے وہ بھی فضیلت کے بہت سے پہلوؤں میں اس کے کمال کا معترف تھا۔ ایک دن اس نے طرماح کا یہ شعر پڑھا:

اذا قبضت نفس الطرماح اخلقت عریُ المجد واسترخیٰ عنان القصائد

''جب طرماح کی جان نکلے گی تو عزت و سروری کے کڑے ڈھیلے پڑ جائیں گے اور قصائد کی باگ ڈھیلی ہو جائے گی''۔

پھر کہنے لگا واللہ بالکل درست ہے صرف یہی نہیں بلکہ خطابت، روایت، فصاحت اور شجاعت کی لگام بھی۔

شاعری کا نمونہ:

طرماح ملیح شاعری کرنے والا تھا اور اس کے اس رزمیہ کلام سے آپ کو آمد کی روانی اور آورد کی دشواری کا اندازہ بھی ہو جائے گا جس کا مطلع یہ ہے:

قل في شط نهروان اغتماضي ودعاني هوى العيون المراض

نہرواں کے کنارے میری نیند بہت کم ہو گئی اور مجھے بیمار آنکھوں کی محبت نے اپنی طرف بلایا۔

فتطربتُ للصبا ثم أوقفت رضا بالتقي وذو البر راضي

پھر میں عشق سے بے خود ہو گیا لیکن خدا خوفی اور خدا کو راضی کرنے کے لیے میں اس عشق سے رک گیا۔

وأراني المليك رشدي وقد كنت أخا عنجهيةٍ واعتراض

اور خدا نے مجھے میری بھلائی کا راستہ دکھا دیا حالانکہ پہلے میں بڑا دیوانہ اور جوشیلا تھا۔

غير ما ريبةٍ سوى ريق النعرة (م) ثم ارعويت بعد البياض

لیکن بدکرداری کی وجہ سے نہیں بلکہ مستی جوانی کی وجہ سے پھر سفید بال آنے کے بعد میں ان سب حرکات سے باز آ گیا۔

اسی قصیدہ میں دوسری جگہ کہتا ہے:

وجرى بالذي أخاف من البين (م) لعين تنوض كل مناض

جدائی کی وجہ سے ہر دم بہنے والی آنکھ سے جو مجھے خطرہ تھا وہ سامنے آ گیا۔

صيدحيّ الضحى كأن نساه حيث تحتث رجله في أباض

صبح کے وقت اس کی آواز بہت بلند ہو گئی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ''عرق النساء'' میں ٹانگ کی جڑ پر رسی بندھی ہوئی ہے۔

سوف تدنيك من لميس سبنتاةٌ أمارت بالبول ماء الكراض

عنقریب لمیس (محبوبہ) سے تجھے وہ اونٹنی جاملائے گی جو حاملہ نہیں ہوتی اور نر کے مادہ کو پیشاب کے ساتھ نکال دیتی ہے۔

فهي قوداء أنفحت عضداها عن زحاليف صفصف ذي دحاض

اس کی پیٹھ اور گردن لمبی ہے اور نشیبی ڈھلوان زمین پر چلتے ہوئے وہ اپنے بازوؤں کو کشادہ کر لیتی ہے۔

اس قصیدہ کے آخری اشعار:

إننا معشر شمائلنا الصبر إذا الخوف مال بالأ خفاض

ہم ایسے لوگ ہیں کہ ہماری عادات میں صبر و ثابت قدمی اس وقت بھی پائی جاتی ہے جب خوف سے جھنڈے اٹھانے والے بہادر گر جاتے ہیں۔

نُصُرٌ للذليل في ندوة الحي مرائيب للثأي المنهاض

قبیلہ کی مجلس میں ہم کمزور و ناتواں کے مددگار ہیں اور تباہ کن فساد کی اصلاح کرنے والے ہیں۔

لم يفُتنا بالوتر قومٌ وللضيم رجالٌ يرضون بالإغماض

کوئی قوم ایسی نہیں کہ ہم اس سے بدلہ نہ لے سکیں ذلت و مظلومیت تو ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنی بے عزتی پر راضی ہو جاتے ہیں۔

فسلي الناس ان جهلت وان شئت قضى بيننا و بينك قاضي

اے محبوبہ! اگر تجھے یہ ہمارے فضائل معلوم نہیں تو لوگوں سے پوچھ لے اور اگر تو چاہے تو کوئی ثالث ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔

دیگر اشعار:

لقد زادني حبا لنفسي أنني بغيضٌ إلى كل امرىء غير طائل

میں اپنے آپ کو اور زیادہ اس لیے پسند کرنے لگا کہ ہر ناکارہ انسان کا میں مبغوض ہوں۔

وأني شقي باللئام ولا ترى شقيا بهم إلا كريم الشمائل

اور اس وجہ سے بھی کہ میں کمینوں کی نظر میں بد بخت ہوں اور ان کی نظر میں اچھے انسان کے سوا کوئی بد بخت نہیں ہو سکتا۔

بنو تمیم کی ہجو کرتے ہوئے کہتا ہے:

لوحان ورد تميم ثم قيل لها حوض الرسول عليه الأزد لم ترد

اگر بنو تمیم کی حوض پر اترنے کی باری آ جائے اور ان سے کہا جائے کہ حضور ﷺ کے حوض کوثر پر ازد قبیلہ ہے تو وہ اس حوض پر کبھی نہ جائیں گے۔

أو أنزل الله وحيا أن يعذبها إن لم تعد لقتال الأزد لم تعد

یا اگر اللہ تعالیٰ وحی فرمائے کہ اے بنو تمیم! اگر تم ازد سے جنگ نہ کرو تو میں تمہیں عذاب دوں گا تو پھر بھی وہ ازد سے لڑنے کا عہد نہ کریں گے۔

لا عز نصر امرىء أضحى له فرس على تميم يريد النصر من أحد

وہ شخص جو تمیم کے خلاف مدد کا طالب ہو اور اس کے پاس گھوڑا ہو تو اس کی مدد مشکل نہیں۔

لو كان يخفي على الرحمٰن خافية من خلقه خفيت عنه بنو أسد

اگر کوئی بے وقعتی کی وجہ خدا کی نظر سے پوشیدہ رہ سکتا ہوتا تو وہ بنو اسد ہی ہوتے۔

نثر

خطابت:

عظیم الشان دعوت کے ساتھ اسلام کا ظہور خطابت کو کمال تک پہنچانے کا ایک بڑا سبب تھا، جس نے حکومت کی باگ ڈور مقررین کے ہاتھ میں دے دی کیونکہ دین کی دعوت، امر بالمعروف نہی عن المنکر، فتنوں کا خاتمہ، بدعات کی تردید، لشکروں کو جنگ کے لیے ابھارنا یہ سب خطابت کے موضوع و مقاصد ہیں اور اس فن کے لیے قرآن پاک کی آیات و دلائل نہ ختم ہونے والے چشمے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب مسلمانوں میں اختلاف ہوا اور کئی جماعتیں وجود میں آ گئیں تو خطابت نے بہت زیادہ ترقی کی کیونکہ ہر فرقہ اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت اور اپنی دعوت کی تائید کے لیے خطابت ہی پر اعتماد کرتا تھا۔

اس دور کی خطابت کی اہم خصوصیات الفاظ کی حلاوت، اسلوب کی پختگی، زور بیان، قوتِ تاثیر، آیاتِ قرآنی کے اقتباسات وحوالہ جات، مطلب سمجھانے اور ذہن نشین کرانے کے لیے قرآنی طرز بیان کی پیروی اور حمد وصلوٰۃ سے ابتداء کرنا ہیں۔ زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق تمام عرب تقریر کرتے وقت عمامہ باندھتے، عصا ہاتھ میں لیتے اور اونچی جگہ کھڑے ہو کر تقریر کرتے صرف ولید بن عبدالملک نے بیٹھ کر تقریر کی۔

خلاصہ یہ کہ عربی زبان کا کوئی دور ایسا نہ تھا جس میں خطابت کو اس درجہ ترقی ہوئی ہو اور مقررین کی اتنی کثرت رہی ہو، کیونکہ اس زمانہ میں عربوں کا رجحان شاعری سے ہٹ کر خطابت کی طرف ہو گیا تھا نیز دین و سیاست میں ان کا تمام تر دار و مدار اسی خطابت پر تھا۔ اس دور کے مشہور مقررین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین، سحبان وائل، زیاد بن ابیہ، حجاج بن یوسف اور قطری بن فجاءہ ہیں۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ولادت، احوال زندگی اور بعثت:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم قریشی ۹ یا ۱۲ ربیع الاول بمطابق ۲۰ اپریل سن ۵۷۱ء کی صبح مکہ مکرمہ میں عام فیل کے اگلے سال یتیمی اور ناداری کی حالت میں پیدا ہوئے۔ جب آپ ابھی ماں کے پیٹ میں تھے کہ آپ کے والد ماجد ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے گئے۔ اور پھر آپ اپنی عمر کے چھٹے سال کو نہ پہنچے تھے کہ آپ کی والدہ اللہ سے جا ملیں۔ پھر آپ کے دادا نے دو سال تک نہایت محبت سے آپ کی پرورش کی۔ پھر اپنی وفات سے پہلے آپ کی بہترین نگہداشت کے لیے آپ کے چچا ابوطالب کو وصیت کی، اور اگر طبعی حالات کے موافق آپ پرورش پاتے تو یتیمانہ اخلاق اور جاہلیت کی عادات لے کر جوان ہوتے۔

لیکن اللہ رب العزت نے آپ کی تہذیب وتربیت کی خود ذمہ داری لی۔ پس آپ کو پختہ عقل، نرم اخلاق، خوش طبع، پروقار، حیا، انتہائی بردبار، تسلی بخش صبر، حسن درگزر، راست گو، بااعتماد ذمہ دار، قوی دل، جمعیت خاطر (جیسی جملہ صفات) سے مکمل فرمایا۔

پھر آپ ﷺ کو بتوں کی نجاستوں سے پاک فرمایا کہ آپ نے نہ تو کبھی شراب پی نہ ہی ایسا ذبیحہ کھایا جو بتوں کے نام کا ہو اور نہ بتوں کی محفل میلوں میں شرکت فرمائی۔ اور بچپن ہی سے آپ کی ذات پاک اپنی محنت وتدبیر سے کسب معاش کی متلاشی رہی چنانچہ آپ نے اپنے قومی رواج کے مطابق نہایت ہوشیاری ومستعدی سے تجارت میں تصرف شروع کیا، اور لوگوں میں آپ کی راست بازی، حسن تصرف اور امانت کا چرچا ہونے لگا۔ چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد نے جو کہ قریش کے سردار اور مالدار لوگوں میں سے ایک تھیں آپ کو اپنے مال کی تجارت کے لیے (بطور خاص) طلب کیا۔ تو آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کی معیت میں ملک شام کی طرف سفر کیا چنانچہ آپ کا یہ سفر کامیاب رہا اور مال تجارت میں بھی خوب نفع ہوا۔ پھر آپ مکہ مکرمہ واپس لوٹ آئے پس جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تجارت میں نفع اور اس میں تصرف کرنے والے کی امانت کو دیکھا تو ان کے دل میں آپ ﷺ سے نکاح کا شوق پیدا ہوا چنانچہ انہوں نے بذات خود آپ کی طرف نکاح کا پیغام بھیجا (عربوں میں اس عمل کو معیوب نہیں گردانا جاتا تھا جبکہ آپ بیوہ بھی تھیں) اس وقت آپ کی عمر ۴۰ برس اور آپ ﷺ عمر کی ۲۵ ویں منزل پر رواں تھے پس آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح پر راضی ہو گئے اور آپ کے چچا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا کی طرف پیغام نکاح لے کر گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ارتقاء جہد دین میں خاص مقام حاصل ہے۔ بعد ازاں آپ نے محنت مزدوری کے لیے بازاروں کا رخ کیا تا کہ اپنے اہل وعیال کے لیے کمائیں اور اپنی رفیق حیات کے مال کو بڑھائیں۔ حالانکہ آپ کا نفس دنیا کے سازوسامان سے بے پروا اور دنیوی عیش وعشرت سے دور بھاگنے والا تھا۔ نہ ہی آپ کو کثرت مال کی حرص تھی اور نہ ہی بلند عہدے کی تمنا۔ بلکہ آپ تو دنیوی مشاغل سے کئی کئی طویل راتوں تک خلوت اختیار کر لیتے اور غار حراء میں اپنے پروردگار کی بندگی اور اس کی عطاؤں میں غور وفکر کے لیے معتکف رہتے اور اپنی پاکیزہ اور لطیف روح کو عالم بالا کی طرف متوجہ کرتے یہاں تک کہ اسی غار میں قمری اعتبار سے چالیس سال اور نو ماہ کی عمر میں رسالت ومعجزہ کی نعمت سے سرفراز فرمایا گیا۔

پس آپ بحالت اضطراب اپنی زوجہ مطہرۃ (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا) کے پاس تشریف لائے انھوں نے سرور کونین حبیب خدا محمد ﷺ کو تسلی دی اور عرض کیا: قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کی جان ہے حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو ہرگز رسوا نہ کریں گے۔ کیونکہ آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں راست گو وامانتدار ہیں، بے کسوں کا بوجھ اٹھانے والے، مہمان کا اکرام کرنے والے، حقدار کو اس کا حق دلانے والے ہیں۔ پھر ایک عرصہ تک وحی کا سلسلہ بند رہا پھر روح امین آپ کے قلب اطہر پر اللہ تعالیٰ کے اس قول کے ساتھ وحی لے کر نازل ہوئے:

''اے کمبل اوڑھنے والے! اٹھ اور ڈرا (لوگوں کو بداعمالی کے انجام سے) اور صرف اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کر''۔

پھر تین سال تک تبلیغ ورسالت خفیہ حالت میں آپ ﷺ کا اوڑھنا بچھونا رہی۔ پھر آپ کو اعلان دعوت کا حکم ہوا۔ چنانچہ آپ نے قبیلہ قریش اور اس کے سرداروں کو رب کائنات کا پیغام پہنچایا ان کے بتوں کے عیوب بیان کیے۔ آپ کے اس عمل کی وجہ

سے ان لوگوں نے عداوت اختیار کر لی اور آپ کی ایذاء رسانی پر کمر بستہ ہو گئے۔ اور آپ کے لیے مکر و سازش کے جال بچھائے اور اس تاک میں رہے کہ زمانہ کی گردش آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرتی ہے۔ مگر آپ صبر کی ڈھال اور ایمان کے ہتھیاروں سے ان سب کا مقابلہ کرتے رہے۔ اور آپ کی پشت پناہی میں آپ کے چچا ابو طالب تھے جو آپ کی مدافعت و حمایت کرتے اور زوجہ مطہرۃ آپ کو تسلی دیتیں اور حوصلہ بڑھاتی رہتیں یہاں تک کہ انہیں سخت حالات میں دس سال گزر گئے اور آپ کی نبوت کے دسویں سال آپ کے مشفق و کریم چچا ابو طالب اور آپ کی مہربان و غم گسار بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یکے بعد دیگرے دو دن کے وقفے سے آپ سے جدائی اختیار کر گئے۔ پس آپ نہایت مغموم ہو گئے اور پھر انہیں دو محبوب ہستیوں کی مفارقت میں مکہ مکرمہ میں رہنا دوبھر ہو گیا چنانچہ آپ نے مسلمانوں کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی (جبکہ وہاں پہلے سے قبیلہ اوس و خزرج کی کثیر تعداد مشرف با اسلام ہو چکی تھی)۔

جب مشرکین آپ کے ارادے سے آگاہ ہوئے تو آپ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں تاکہ نعوذ باللہ آپ کو قتل کر ڈالیں لیکن (بحکم خدا) ایک رات جبکہ تمام سردار فساق و فجار آپ کو قتل کرنے کی نیت سے حجرہ مبارک کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، نہایت پر اسرار طریقے سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ منورہ کی طرف نکل کھڑے ہوئے اور ان دونوں شخصیات کی حفاظت اس وقت وہ آنکھ کر رہی تھی جسے اونگھ بھی نہیں آتی اور ایسی قوت جس کا کوئی مقابل نہیں۔ آپ اپنی پیدائش کے ۵۳ ویں سال مورخہ ۱۲ ربیع الاوّل بمطابق ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء بروز جمعۃ المبارک اپنے رفیق سفر کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے۔ اور یہ ہجرت اعلاء کلمۃ اللہ (بحیثیت آپ کے پیغام کی مقبولیت)، دعوت و تبلیغ کی اشاعت و نصرت کی تکمیل میں مبداء ثابت ہوئی۔ آپ لگاتار مشرکین کے ساتھ جہاد کرتے رہے۔ قرآن حکیم کے احکام کے مطابق ان سے بحث و مباحثہ کرتے رہے اور تلوار کے ساتھ ان سے جنگ کرتے رہے، حتیٰ کہ اندھیریاں دور ہوئیں اور شرک کے بادل چھٹ گئے اور خدائے بزرگ و برتر کی وحدانیت کا ماہتاب افق کائنات پر طلوع ہو گیا اور اسی وقت اللہ رب العزت کا یہ کلام حق بھی نازل ہوا:

"آج کے دن میں نے تمہارے دین کو تم پر مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور اسلام کو تمہارے لیے بطور دین پسند کر لیا"۔

پس اس آیت مبارکہ کے نزول کو ۳ ماہ بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ سرور کونین، آقائے نامدار، محبوب کل حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں مبتلا ہو گئے اور پھر ۱۳ ربیع الاوّل سن ۱۱ ہجری بمطابق ۸ جون ۶۳۲ عیسوی دوشنبہ کے دن اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ اقدس:

جن حضرات نے آپ کو دیکھنے کی سعادت حاصل کی وہ آپ کی یوں تعریف بیان کرتے ہیں:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات میں بلند پایہ صفات کے مالک تھے، آپ کا چہرہ اقدس چودھویں رات کے چاند کی مانند چمکتا، میانہ قد، نہ بہت لمبے، نہ بہت پست، سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا، بال مبارک نیم گھنگھریالے، مانگ نکل آتی تو رہنے دیتے خود سے نہ نکالتے جب آپ اپنے بالوں کو بڑھاتے تو کانوں کی لو سے متجاوز ہو جاتے تھے چمکدار رنگ، کشادہ پیشانی، خمدار غیر پیوستہ، ناک مبارک بلندی مائل تھی جس پر نور کا اک ہالہ چمکتا دکھائی دیتا تھا

ابتداءً دیکھنے والا آپ کو اونچی ناک والا گمان کر لیتا لیکن غور سے معلوم ہوتا کہ حسن و چمک کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی ہے ورنہ فی نفسہٖ زیادہ بلند نہ تھی، گنجان داڑھی، موٹی خوبصورت سیاہ آنکھیں، رخسار مبارک ہموار تھے نہ پچکے نہ بہت ابھرے ہوئے آپ کا دہن مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا (یعنی تنگ منہ نہ تھے) سفید موتیوں کی مثل دندان اقدس تھے اور سامنے کے دو دانتوں میں خوبصورت خلا تھا۔ بالوں کا ایک باریک خط تھا جو سینے سے ناف تک پہنچتا تھا۔ آپ کی گردن مبارک صراحی دار، رنگ میں چاندی کے مثل تھی جسد اطہر مضبوط و معتدل، سینہ اور پیٹ برابر تھے۔ شانے مبارک کشادہ اور جوڑ قوی تھے (جو قوت کی دلیل ہوتی ہے) پورے بدن میں پنڈلیوں، کندھوں، اور سینے کے بالائی حصہ میں نسبتاً زیادہ بال تھے کلائیاں دراز اور ہتھیلی کشادہ تھی، ہاتھ اور پاؤں (کے تلوے) پُر گوشت تھے، ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں تناسب کے ساتھ لمبی تھیں۔ پاؤں کے تلوے خمدار یعنی زمین سے اٹھے ہوئے، ایسے نرم و ملائم کہ پانی ان پر نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ اس طرح چلتے جیسے نشیبی زمین میں کوئی قدم جما جما کر چلتا ہے قدم رکھتے وقت کچھ آگے جھکتے اور نہایت سکون اور وقار سے چلتے۔ آپ تیز رفتار تھے، جب چلتے تو ایسا معلوم ہوتا گویا آپ بلندی سے پستی کی طرف آ رہے ہیں جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پورا بدن اسی کی طرف پھیر لیتے (صرف گردن یا ہاتھ کے اشارے سے بات نہ کرتے تھے) نگاہ نیچی رہتی تھی آپ کی نظر آسمان سے زیادہ زمین کی طرف رہتی آپ کن انکھیوں سے دیکھتے تھے (یعنی غایت شرم و حیا کی وجہ سے پوری آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے تھے) اور اپنے اصحاب کو اپنے سے آگے رکھتے تھے اور خود پیچھے چلتے تھے اور سلام میں پہل کرتے اور آپ زیادہ تر خاموش، غمگین اور غور و فکر میں محو رہتے تھے۔ بات پورے منہ سے کرتے یعنی تکلف نہ کرتے، مختصر و جامع بات بیان فرماتے آپ نرم مزاج اور خوش اخلاق تھے نہ تند و درشت تھے نہ عاجز و کمزور جب کسی کی طرف اشارہ کرتے تو پورے ہاتھ کا اشارہ کرتے (صرف ایک انگلی نہ اٹھاتے) جب کسی بات سے حیران ہوتے تو اپنی ہتھیلی کو پلٹتے اور جب بات فرماتے تو ہاتھ قریب لا کر داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مارتے اور جب کسی بات سے ناخوش ہوتے تو اعراض فرماتے اور رخ موڑ لیتے تھے اور مسرور ہوتے تو نگاہیں جھکا لیتے آپ کی پوری ہنسی صرف مسکراہٹ تھی جس سے دانت موتیوں کی مانند چمکتے دکھائی دیتے تھے"۔

آپ ﷺ کی فصاحت:

آپ نے خالص عربی زبان، فصیح شریں بیان قبائل میں پرورش پائی چنانچہ آپ قبیلہ بنو ہاشم میں پیدا ہوئے۔ قریش میں پرورش پائی اور قبیلہ بنو سعد میں آپ کو دودھ پلایا گیا۔ لہٰذا آپ فطری طور پر تمام عرب سے زیادہ فصیح عربی زبان کے مالک تھے۔ اس پر آپ نے ایک مرتبہ دعویٰ بھی کیا چنانچہ نہ تو کسی نے تردید کی نہ ہی اعتراض کیا اور جھٹلایا۔ آپ ﷺ کی فصاحت لسانی الہامی اور وہبی تھی۔ کیونکہ آپ اس کے لیے نہ اہتمام و تکلف کرتے نہ ہی اس کو پسند فرماتے۔ بلکہ الفاظ و معانی از خود آپ کے مطیع و فرمانبردار ہو جاتے تھے اس طرح کہ آپ کے بیان میں غیر موزوں الفاظ کا شائبہ تک نہ تھا اور نہ ہی طرز کلام میں کوئی تزلزل ہوتا۔ آپ سے کسی

قبیلہ کی زبان مستتر نہ تھی (یعنی آپ سب زبانوں سے واقف تھے) اور نہ کوئی فکر ہی آپ کے ذہن سے بچ کر نکلا۔ آپ کا کلام درحقیقت بقول جاحظ:

''ایسا کلام تھا جس کے حروف کی تعداد کم اور معانی کی مقدار زیادہ تھی۔ جو بناوٹ سے بالاتر اور تکلف سے منزہ ہوتا اس میں تفصیل کی جگہ تفصیل اور اجمال کی جگہ اجمال تھا غریب و وحشی کلام سے خالی نیز بازاری اور عامیانہ الفاظ سے دور تھا سرمایہ حکمت سے لبریز نیز اغلاط سے محفوظ تھا جسے غیبی تائید و توفیق حاصل تھی الغرض لوگوں نے آپ کے کلام سے زیادہ مفید، سچا، مناسب و موزوں، خوش اسلوب و خوش معنی پر اثر و دل نشیں، آسان و زود فہم اور اپنے مقصود و مطلوب کو کھول کر بوضاحت بیان کرنے والا کوئی کلام نہیں سنا''۔

زبان وادب پر احادیث کی اثر اندازی:

اس روحانی بلاغت والہامی فصاحت کا زبان و ادب پر جو اثر ہوا وہ محتاج بیان نہیں۔ آپ میں قوت طبع، پاکیزگی احساس وفکر، تیزی ذہن، زبان پر پورا قابو نیز اعانت وحی کی وجہ سے وہ صلاحیتیں جمع ہو گئی تھیں جو آپ کے سوا کسی دوسرے میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ اپنے کلام میں آپ اختصار و مجاز سے کام لیتے۔ بات میں بات نکالتے اور فن بیان کے طریقوں پر چلتے تھے۔ آپ نئی نئی ترکیبیں برجستہ بنا لیتے تھے اور نہایت جامع اصطلاحی الفاظ وضع فرما لیتے۔ حتیٰ کہ جو کچھ بھی زبان سے نکلتا وہ فن بیان کے محاسن میں سے ایک حسن اور زبان کے اسرار میں سے ایک ایسا رمز بن جاتا جس سے زبان کے ذخیرہ میں اضافہ اور ادب کا مرتبہ بلند ہو جاتا تھا۔ مثلاً نبی کریم ﷺ کے یہ اقوال:

① ((مات حتف انفه)) ''وہ اپنی ناک سے دم توڑ کر مر گیا''۔ یعنی طبعی موت مر گیا۔

② ((الآن حمي الوطيس)) ''اب بھٹی کا تاؤ تیز ہوا ہے''۔ یعنی جنگ زوردار ہوئی۔

③ ((هدنة على دخن)) ''اوپری صلح''۔ وہ صلح جس میں بظاہر امن ہو لیکن عداوت و نفرت باقی رہے۔

④ ((يا خيل الله اركبي)) ''اے خدائی شہسوارو! سوار ہو جاؤ''۔

⑤ ((لا ينتطح فيها عنزان)) ''اس کے بارے میں دو بکریاں باہم ٹکریں نہیں ماریں گی''۔ یعنی کوئی جھگڑا یا اختلاف نہیں ہوگا۔

اور آپ کا عورتوں کی سواری چلانے والے سے یہ فرمانا:

((رويدك رفقا بالقوارير)) ''ذرا آہستہ، ان نازک آبگینوں کو نرمی سے لے چلو''۔

اور جنگ بدر کے دن آپ کا یہ فرمانا:

((هذا يوم له ما بعده)) ''یہ ایسا دن ہے جس پر مستقبل کا انحصار ہے''۔

ان سب سے زیادہ حیرت انگیز و قابل ملاحظہ وہ دینی اسالیب اور شرعی الفاظ ہیں جو آپ نے وضع کیے ہیں اور قرآن مجید میں نہیں پائے جاتے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

آپ کی پیدائش اور زندگی کے حالات:

ابو حفص عمر فاروق بن خطاب رضی اللہ عنہ قریشی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے تیرہ سال بعد پیدا ہوئے۔ انھوں نے قریشی نوجوانوں کی طرح پرورش پائی۔ بچپن میں مویشی چرائے بڑے ہو کر تجارتی کاروبار اور جنگوں میں حصہ لینے لگے پھر اپنی قوم کے شرفاء کی طرح اپنے اخلاق و عادات درست کیے۔ لکھنا سیکھا، جنوب میں یمن و حبشہ اور شمال میں شام و عراق، تجارتی کاروبار کے لیے جانے لگے۔ حتیٰ کہ آپ کی عزت بڑھ گی اور مرتبہ بلند ہو گیا اور وہ قوم میں اپنی خوش بیانی، دلیری و بیباکی، حمیت اور اولوالعزمی کی وجہ سے مشہور ہو گئے۔ قریش نے جنگ و امن میں انہیں اپنے اور قبائل عرب کے درمیان سفیر بنا لیا تھا۔ جب اسلام آیا تو آپ نے اس دعوت کی مخالفت و مزاحمت کی، مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچائیں اور ان کو برا بھلا کہنے لگے اور سختی سے ڈٹ کر اسلام کے خلاف لڑتے رہے۔ اس وقت مسلمان پینتالیس مرد اور تیرہ عورتوں سے زائد نہ تھے۔ وہ سب ارقم مخزومی کے مکان میں خفیہ طور پر جمع ہوتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتے تھے کہ وہ عمر یا ابو جہل کے ذریعے سے اسلام کو قوت بخشے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سعادت عظمیٰ کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چنا۔ اور آپ کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ اپنے بہنوئی کو اسلام قبول کرنے پر ڈانٹنے، دھمکانے اور سزا دینے کے لیے آئے۔ ان کی بہن نے ان کو برا بھلا کہا اور انہیں ایک صحیفہ لا کر دیا جس میں سورہ طٰہٰ کی کچھ آیتیں لکھی ہوئی تھیں۔ جب انہوں نے ان آیات کو پڑھا تو دل پر بہت اثر ہوا اور انہوں نے کہا کہ کیا قریش اسی قرآن سے بھاگتے ہیں؟ پھر پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ ان کو بتلایا گیا کہ دار ارقم میں ہیں۔

چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان کے دروازے پر پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹایا، سب لوگ جمع ہو گئے۔ حمزہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے بتایا کہ عمر رضی اللہ عنہ آئے ہیں۔ حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ دروازہ کھول دو۔ اگر اسلام قبول کرنے آئیں ہیں تو ہم ان کے اسلام لانے کو قبول کریں گے ورنہ قتل کر ڈالیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گفتگو سن لی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے پھر میں نے کلمہ شہادت پڑھا۔ جسے سن کر گھر میں موجود تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس زور سے تکبیر کہی کہ اس کی آواز مکہ والوں نے سنی۔ میں نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ پھر ہم اپنے اسلام کو چھپا کر کیوں رکھیں؟ پھر ہم دو صفوں میں نکلے ایک میں میں تھا اور دوسری میں حمزہ رضی اللہ عنہ اور خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ جب قریش نے مجھے اور حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو ان کو بڑی تکلیف پہنچی اور اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ''فاروق'' کا لقب دیا۔

اس وقت ان کی عمر چھبیس برس کی تھی اور یہ زمانہ اہل اسلام کے لیے بڑی تنگی اور مصیبت کا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ان مصائب سے اپنا حصہ لیا اور اللہ کے لیے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے دشمنی مول لی۔ یہاں تک کہ مسلمان چھپ چھپ کر مدینہ منورہ جانے لگے تاکہ ان مصائب اور فتنوں سے دور بھاگ جائیں۔ لیکن اس مرد بے باک یعنی عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ہجرت کو چھپانا پسند نہ کیا، تلوار اپنے گلے میں ڈالی، کمان شانہ پر لٹکائی اور خانہ کعبہ میں آئے۔ تمام قریشی سورما صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے طواف کیا پھر نماز پڑھی اور ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

''تمہاری صورتیں مسخ ہو جائیں۔ جو یہ چاہتا ہے کہ اس کی ماں اس کو روئے، اس کا بچہ یتیم ہو جائے اور اس کی بیوی رانڈ ہو جائے وہ مجھ سے اس گھاٹی کے پیچھے ملے''۔ لیکن کسی نے بھی ان کا پیچھا نہ کیا۔

اس کے بعد آپ مسلسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک وفادار ساتھی کی طرح رہے۔ اپنی زبان اور اپنے نیزے سے آپ کی تائید کرتے رہے اور آپ کو مشورے دیتے رہے۔ جن میں سے بعض مشوروں کی تائید خود قرآن مجید میں نازل ہوئی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے اور آپ کے بعد خلیفہ کی تنصیب میں مہاجرین وانصار میں جھگڑے کی سی صورت پیدا ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے کی تائید کی۔ چنانچہ سب نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک امانت دار مشیر اور منصف جج کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے تا آنکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت بھی آ گیا اور انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی خلافت کا صحیح وارث نظر نہ آیا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مخلص مومن کی قوت، بہادر اور جانباز کی الوالعزمی، جہاندیدہ بزرگ کی تجربہ کاری، فطری قابلیت رکھنے والے ہوشیار شخص کی زیرکی کے ساتھ خلافت کے منصب پر فائز ہوئے۔ اور انہوں نے قیصر وکسریٰ کی حکومتوں پر ہاتھ ڈالا اور ان کو زیرنگیں کر لیا۔ انہوں نے اپنی انفرادی صلاحیت سے عرب کے اس بنجر صحراء میں رہ کر وہ کارنامے انجام دیئے اور یوں تدبیر سے سیاست کر کے دکھائی کہ عقل حیران ہے۔ گورنروں کا تقرر، ججوں کا انتخاب، فوجی افسروں کا چناؤ، لشکروں کی ترتیب وتنظیم، لشکروں کی نقل وحرکت، امداد بھیجنا، نقشے بنانا، شہروں کی حدیں کھینچنا، قوانین بنانا، مال غنیمت کو تقسیم کرنا، حدود قائم کرنا وغیرہ۔ الغرض یہ تمام خدمات آپ اپنی صوابدید، اصابت رائے، ذہن کی تیزی، دور اندیشی اور عزیمت سے انجام دیتے رہے۔ ان تمام کے باوجود آپ خالی زمین پر آرام فرما لیا کرتے، لوگوں میں مل جل کر رہتے، معمولی کپڑے پہنتے، زیتون کا تیل اور سرکہ کے ساتھ روٹی کھا لیتے۔ اور آپ کا روزانہ کا وظیفہ بیت المال سے دو درہم سے زیادہ نہ تھا۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کا زمانہ خلافت آج تک عدل وامن اور انتظام کے لحاظ سے بلند درجہ کا مثالی دور مانا گیا ہے۔ لیکن وہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو اور انسانوں کو اپنے عدل واحسان سے خوش کر رکھا تھا، لؤلؤۃ نامی ایک مجوسی غلام کو راضی نہ کر سکے اس لیے کہ انہوں نے اس غلام کو اپنے آقا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ احسان کرنے کی نصیحت کی تھی۔ نیز یہ کہ وہ روزانہ دو درہم اپنے آقا کو دے اور اس کو بوجھ نہ سمجھے کیونکہ وہ نجار بھی ہے، نقاش اور لوہار بھی۔ یہ بات اس بدبخت غلام کو بری لگی اور وہ صبح سویرے جب آپ لوگوں کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے، مسجد میں گیا اور اپنے دو پھلوں والے خنجر سے آپ پر کئی لگاتار وار کیے جو آپ رضی اللہ عنہ کی موت کا سبب بن گئے اور آپ بدھ کی رات ستائیس ذی الحجہ ۲۳ھ کو انتقال فرما گئے۔

آپ کا حلیہ مبارک اور فطری صلاحتیں:

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ لمبے قد والے، بڑے جسم والے تھے۔ آپ کے رنگ میں سرخی زیادہ جھلکتی تھی، سر کے بال کم اور سفید تھے۔ گالوں پر ہلکے ہلکے بال تھے۔ مونچھوں کی چونچیں بھوری اور طویل تھیں۔ آپ بڑے مہربان اور نرم مزاج تھے۔ لیکن حق بات

میں کوئی رعایت یا نرمی ان کے ہاں نہ تھی۔ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم اور اشرافِ قبائل میں سے کم ہی ہیں جو ان کے درہ سے بچے ہوں۔ آپ درست رائے والے، پختہ کار مدبر، قوی الجث، حد درجہ خدا ترس نہایت پاکباز، وسیع العلم، خوش اندیش اور تفقہ فی الدین میں کمال حاصل کیے ہوئے تھے۔ اگر آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذکر میں بلاغت لسان کا ذکر کریں گے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات بلاغت عقل سے پر ہیں۔ اس بات کے ثبوت کے لیے آپ کے لیے ان کے عہد ناموں اور مکاتیب کا مطالعہ کافی ہے جو وقتاً فوقتاً آپ نے قاضیوں، گورنروں اور فوجی افسروں کو لکھے تھے۔ جن میں آپ ایک فقیہ مجتہد، ماہر منتظم اور تجربہ کار سیاستدان کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔ اور یہ تمام صفات وخوبیاں نہ وحی کی وجہ سے تھیں، نہ کسی استاد کی تعلیم کے طفیل، نہ کسی کی اقتداء اور تقلید کے نتیجے میں تھیں۔ بلکہ یہ سب اللہ کی دین، اس کا فضل تھا اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے۔

آپ کے عہد ناموں اور خطبات کا نمونہ:

آپ کا وہ عہد نامہ جسے آپ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو قاضی بناتے وقت بھیجا، یہی وہ عہد نامہ ہے جسے تمام قاضی نظام و احکام قضاء کے لیے اساس اور بنیاد خیال کرتے ہیں۔ اور واقع میں یہ ہے بھی اسی لائق:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ عہد نامہ اللہ کے بندے اور امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کو بھیجا جا رہا ہے۔

السلام علیکم!

امابعد: قضاء ایک فریضہ محکم اور قابل تقلید سنت ہے۔ جب تمہارے پاس فیصلہ کروانے کے لیے لوگ آئیں تو پہلے معاملے کو خوب سمجھ لو۔ اس لیے کہ وہ حق جو قابل نفاذ نہ ہو اس کے بارے میں گفتگو کرنا بے فائدہ ہے۔ اپنی توجہ، اپنے عدل اور مجلس میں لوگوں کے ساتھ برابری کا معاملہ کرو تاکہ کوئی شریف اور بڑا آدمی تم سے ظلم کی طمع نہ رکھے اور کوئی کمزور اور ناتواں تمہارے عدل سے مایوس نہ ہو۔ مدعی گواہ پیش کرے گا اور انکار کرنے والا قسم کھائے گا۔ مسلمانوں میں ہر صلح جائز ہے سوائے اس صلح کے جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دے۔ آج تم جو فیصلہ کرو، اگر کل کو غور کرنے سے تمہیں حق اس کے خلاف معلوم ہو جائے تو حق کی طرف رجوع کرنے میں کوئی چیز تمہارے لیے مانع نہ بنے کیونکہ حق قدیم ہے اور حق کی طرف رجوع کرنا باطل میں سرگرداں پھرنے سے کئی درجے بہتر ہے۔ جو بات قرآن وسنت میں مذکور نہ ہو اور تمہارا دل اس بارے میں متردد ہو تو خوب سمجھ سے کام لو۔ پھر امثال اور نظائر کو پہچانو اور معاملات کو ان پر قیاس کرو۔ اور جو بات عنداللہ قریب تر اور حق سے زیادہ مشابہ ہو اس کو اختیار کرو۔ جو شخص کسی غائبانہ حق کا دعویدار ہو اس کے لیے انتہائی مدت مقرر کرو جس پر وہ غائب اس تک پہنچ جائے، اگر وہ اپنا بینہ پیش کر دے تو تم اس کا حق دلا دو ورنہ مقدمہ کو اسے کے خلاف رد سمجھو۔ یہ طریقہ ازالہ شک کے لیے زیادہ مناسب اور ابہام کو دور کرنے کے لیے زیادہ لائق ہے۔ تمام مسلمان باہم معتبر اور قابل قبول گواہ ہیں بجز اس شخص کے جس کو سزا ملی ہو کسی حد میں یا وہ شخص جو جھوٹی گواہی دیتے ہوئے پکڑا گیا یا جس کی امانت، نسب میں تہمت لگائی گئی ہو۔ تمہارے

باطن کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اس نے تمہاری ذمہ داریوں کو گواہوں اور قسموں کے ذریعے سے تم سے ہٹا دیا ہے۔
خبردار! متخاصمین کی وجہ سے تمہارے اندر کسی قسم کی اکتاہٹ، بددلی اور پریشانی پیدا نہ ہو اور نہ ہی فیصلہ کرتے وقت کج خلقی اور برگشتگی سے پیش آؤ کیونکہ مواضع حق میں حق بات کہنا اللہ تعالیٰ سے بہت اجر دلاتا ہے اور نتیجہ اچھا رہتا ہے۔ جس کی نیت اچھی ہو اور وہ اپنے نفس کا بھلا چاہے تو اللہ اس کے اور لوگوں کے درمیان کے معاملات میں اسے کافی ہو جائے گا اور جو آدمی بناوٹی اخلاق اختیار کرتا ہے حالانکہ اللہ جانتے ہیں کہ یہ اخلاق سے مخلص طور پر پیش نہیں آ رہا تو اللہ تعالیٰ اس کو رسوا کر دیتے ہیں۔ تو تمہارا کیا خیال ہے کہ غیر اللہ سے ملنے والی اشیاء کو اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی دنیاوی روزی اور رحمت کے خزانوں سے کیا نسبت ہے؟ والسلام

آپ رضی اللہ عنہ کے ایک خطبہ کا اقتباس:

''اے لوگو! ایک وقت تھا کہ میں خیال کرتا تھا کہ جو قرآن پڑھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کا طلب گار ہے۔ لیکن اب میرے خیال میں بہت سے لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور لوگوں سے اس کے بدلے میں مال و دولت چاہتے ہیں۔ خبردار! اپنی تلاوت اور اپنے اعمال سے صرف اللہ کی رضا تلاش کرو۔ جب وحی نازل ہوا کرتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود تھے تو ہم تمہیں پہچان لیتے تھے لیکن اب وحی کا سلسلہ بند ہو چکا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں۔ اب ہماری پہچان کا ذریعہ تمہارے ظاہری اقوال و افعال ہی ہیں۔ پس غور سے سنو جو بظاہر ہمارے ساتھ خیر کرے گا ہم اس کے بارے میں اچھا خیال کریں گے اور جو ہمارے سامنے شر ظاہر کرے گا ہم بھی اس کو برا سمجھیں گے اور اس سے بغض و عداوت رکھیں گے۔ اپنے دلوں کو خواہشات سے محفوظ رکھو کیونکہ یہ نفس بہت شہوت پرست ہے۔ یاد رکھو! اگر تم ان خواہشات کو نہ روکو گے تو یہ تمہیں بدترین مقام پر لے جائیں گی۔ حق اگرچہ بھاری ہے مگر جلد ہضم ہو جاتا ہے۔ باطل اگرچہ ہلکا ہے لیکن بیماری پیدا کرتا ہے۔ گناہ کو ترک کر دینا بار بار توبہ کرنے سے بہتر ہے''۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

پیدائش اور زندگی کے حالات:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہجرت سے اکیس سال پہلے پیدا ہوئے۔ ان کے والد سے عیال کے بوجھ کو کم کرنے کے لیے ان کی پرورش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے گھر میں ہوئی۔ جب آپ کو نبوت ملی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بالغ ہونے کے قریب تھے۔ وہ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی محبت کو دل میں لے کر جوان ہوئے۔ اصولِ دین ان کے دل میں جاگزیں ہو چکے تھے۔ شب ہجرت میں انہوں نے آپ کی خاطر اپنی جان کو خطرے میں ڈالا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں ممتاز کارنامے سرانجام دیئے۔ تمام غزوات میں شریک رہے صرف غزوہ تبوک میں نہ جا سکے اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے گھر والوں کی نگرانی کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ قریبی رشتہ داری اور دامادی کی وجہ سے خود کو آپ کی جانشینی کا

زیادہ اہل سمجھتے تھے لیکن جب تمام مسلمانوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اور پھر باہمی شوریٰ سے بھی ان کی بجائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تیسرے خلیفہ منتخب ہوئے تو بڑی کشمکش کے بعد اپنے دل پر جبر کرتے ہوئے یہ سب کچھ برداشت کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حجاز میں لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام نے بیعت سے انکار کر دیا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ان کو غصہ تھا کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا بدلہ کیوں نہیں لیا۔ پھر فتنہ کا وہ بازار گرم ہوا کہ اسلام کی مضبوط گرہیں جس فتنے سے کھل گئیں اور قوت کمزور پڑ گئی اور اس نے مسلمانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا جو ایک لمبے عرصے تک باہم دشمن بنے رہے اور لڑائی کرتے رہے۔ پھر ان دونوں میں سے کسی ایک کی حکومت مستحکم ہوئے بغیر تلواریں نیاموں میں واپس چلی گئیں۔ اس کے بعد تین خارجیوں نے آپس میں یہ سازشی پروگرام بنایا کہ اس فتنہ کا سبب بننے والے تین بڑے اصحاب کو قتل کر دیا جائے، یعنی حضرت معاویہ، عمرو بن العاص، حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ امیر المومنین ابن ملجم خارجی کے حصے میں آئے تھے۔ چنانچہ ابن ملجم نے بے خبری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا جب آپ کوفہ کی مسجد میں تھے اور سن ہجری چالیس تھا۔ اور آپ کی خلافت کو چار سال اور نو ماہ سے چند دن کم ہو چکے تھے۔

اخلاق اور فطری صلاحیتیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ قوی الجسم، گٹھے ہوئے بدن والے، نہایت جنگجو اور دلیر تھے۔ ان کو کوئی اندیشہ نہ ہوتا تھا کہ ان پر موت واقع ہوتی ہے یا یہ خود موت کے منہ میں ہاتھ ڈالتے ہیں۔ فقہ میں حجت تھے، تقویٰ میں مقتداء تھے۔ حق کے بارے میں نہایت سخت اور بڑے خود اعتماد تھے۔ دین کے معاملے میں بھی کھرے تھے اور دنیا کے معاملے میں بھی لچک کے قائل نہ تھے۔ یہی وہ صفات و عادات تھیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے جو کہ بہت زیرک اور سمجھدار آدمی تھے معاون بن گئیں۔ اور ہمیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی سلف و خلف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ فصیح اللسان ہو۔ اور نہ ہی کوئی ایسا کہ خطابت میں جس کی زبان آپ سے زیادہ چلتی ہو۔ آپ حکیم تھے اور آپ کے بیان سے حکمت پھوٹتی تھی۔ اور خطیب تھے کہ جس کی زبان پر بلاغت گھٹنے ٹیک دیتی تھی۔ ایسے واعظ تھے کہ کانوں اور دلوں کو موہ لیتے تھے۔ آپ کی تحریر قوی دلائل سے پر ہوتی تھی اور جس موضوع پر چاہتے بول لیتے تھے۔ آپ بالاجماع مسلمانوں میں سب سے بڑے خطیب اور بلند ترین انشاء پرداز ہیں۔ جہادی ترغیب میں آپ کے خطبے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھیجے ہوئے خطوط، مور، چمگادڑ اور دنیا کو بیان کرنا نیز اشتر نخعی سے آپ کا عہد نامہ بشرطیکہ روایت صحیح ہو، ان تمام باتوں کو عربی زبان کے معجزات میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور عقل انسانی کے شاہکاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور یہ سب ہمارے خیال میں ان کے لیے اس وجہ سے میسر ہوا کیونکہ آپ کا لگاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ تھا اور بچپن سے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کتابت اور خطابت کا کام کرتے رہے۔

نمونہ کلام:

آپ کا کلام تین حصوں پر مشتمل ہے: خطبات اور فرامین، خطوط اور رسائل، حکمتیں اور نصیحتیں، جن کو اسی ترتیب کے مطابق

شریف رضی نے ایک کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ اور اس کا نام ''نہج البلاغۃ'' رکھا ہے۔ کیونکہ اس کے بقول یہ کتاب اپنے پڑھنے والے کے لیے بلاغت کے دروازے کھول دیتی ہے اور فصاحت تک پہنچنا آسان بنا دیتی ہے۔ اس میں عالم اور متعلم، راغب اور زاہد سب ہی کی ضروریات کا سامان ہے۔ کلام کے دوران بہت جگہ توحید و عدل پر ایسی شاندار بحثیں ہیں جن سے ہر قسم کی تشنگی کو سیرابی حاصل ہو جاتی ہے اور تمام شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ لیکن حق بات یہ ہے کہ اس کتاب کا بیشتر حصہ ان کی طرف غلط منسوب ہے اور بعد میں اضافہ کیا گیا۔

آپ کے خطبوں میں سے ایک وہ خطبہ ہے کہ جب ایک صحابی نے کھڑے ہو کر سوال پوچھا کہ پہلے خود ہی آپ نے ہمیں ثالث مقرر کرنے سے منع کیا پھر خود ہی اس کی اجازت بھی دے دی۔ اب ہمیں معلوم نہیں کہ ان میں سے کون سی بات زیادہ صحیح ہے۔ انہوں نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے پر مارتے ہوئے جواب دیا:

''یہی بیعت سے پھر جانے والے کی سزا ہے۔ جب میں نے تمہیں حکم دے کر اس ناپسندیدہ کام پر مجبور کیا تھا جس میں اللہ نے خیر رکھی تھی، اس وقت اگر تم مانتے تو میں تمہارا تدارک کرتا اور یہ نہایت پختہ شکل ہوتی لیکن میں کس سے کہوں اور کس پر بھروسہ کروں؟ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے ذریعے سے اپنے مرض کی دوا کروں لیکن تم ہی میرا مرض بن گئے ہو۔ جیسا کہ وہ شخص جو کانٹے کی کمزوری کو جانتے ہوئے بھی کانٹے کو کانٹے سے نکالنے کی کوشش کرے۔ اے میرے اللہ! اس مہلک مرض نے اطباء کو عاجز کر دیا ہے اور ڈول کھینچنے والے کنوئیں کی لمبی رسیوں سے ڈول نکال نکال کر تھک گئے ہیں۔ وہ لوگ کہاں ہیں جنہیں اسلام کی دعوت دی گئی تو انہوں نے لبیک کہا، قرآن پاک کا علم حاصل کیا اور اس کو مضبوط کیا، انہیں قتال فی سبیل اللہ کی ترغیب دی گئی تو وہ والہانہ طور پر اس میں شریک ہوئے جیسے بچہ والی اونٹنی اپنے بچوں کی طرف والہانہ طور پر بڑھتی ہے۔ انہوں نے تلواروں کو نیاموں سے نکال لیا اور لشکروں کی صورت میں اطراف ارض کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ کچھ شہید ہو گئے اور کچھ بچ گئے۔ نہ وہ زندہ بچ جانے والوں سے خوش ہوتے نہ شہید ہو جانے والوں سے غم زدہ ہوتے آنکھیں رونے کی وجہ سے زرد، روزوں کی وجہ سے پیٹ پیٹھوں سے لگے ہوتے۔ ہونٹ دعا مانگ مانگ کر خشک، راتوں کو جاگنے کی وجہ سے رنگ زرد، ان کے چہروں پر خشوع کی وجہ سے گرد پڑا ہوتا۔ یہی میرے بھائی ہیں جو دنیا سے جا چکے ہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ ان کی یاد میں بے قرار ہو جائیں اور ان کی جدائی پر افسوس کریں۔

شیطان اپنے راستے تمہارے لیے آسان کرتا ہے اور اس کی کوشش ہے کہ تمہارے دین کی گرہوں کو ایک ایک کر کے کھول دے۔ اور تمہاری اجتماعیت کو توڑ کر تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ لہٰذا اس کی شر انگیزیوں سے بچو اور اپنے ناصح کی بات مان لو۔ اور اس نصیحت کو اپنے دل میں اچھی طرح بٹھا لو۔

اور آپ کا مزید کلام:

گناہ منہ زور گھوڑے ہیں جن پر گناہ گار سواری کر رہے ہیں۔ یہ گھوڑے بے لگام ہیں جو گنہگاروں کو لے کر جہنم کی آگ میں

چلے جائیں گے۔ تقویٰ اطاعت شعار سواریاں ہیں۔ جن پر اہل تقویٰ ان کی لگامیں تھامے ہوئے ہیں۔ اور یہ ان کو جنت میں لے جائیں گی۔ یہاں حق اور باطل ساتھ ساتھ ہیں اور ہر ایک کے اہل یہاں موجود ہیں۔ اگر باطل کی کثرت ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں کیونکہ ایسا ہوتا چلا آیا ہے۔ اور اگر حق قلیل ہے تو بھی کوئی نئی بات نہیں۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ کوئی پیٹھ پھیر کر جانے والی شے واپس لوٹ آئے۔ جس کے سامنے جنت اور جہنم ہے وہ ہمہ وقت مشغول ہے۔ ان تھک محنت کرنے والا ہی نجات پائے گا اور سست آدمی امیدیں ہی لگائے رکھتا ہے۔ اور کوتاہی کرنے والا آگ میں جا گرتا ہے۔ دائیں بائیں گمراہ کن راستے ہیں اور بیچ کی شاہراہ ہی جادۂ حق ہے۔ اسی پر قرآن وسنت کی بنیاد ہے، وہی سنت کا راستہ ہے اور اسی پر انجام کا انحصار ہے۔

سحبان وائل (المتوفی ۶۷۴م، ۵۴ہجری)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

سحبان بن زفر بن ایاد نے زمانہ جاہلیت میں وائل قبیلہ میں پرورش پائی جو ربیعہ کی ایک شاخ ہے۔ پھر اسلام ظاہر ہونے کے بعد مسلمان ہوگیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مل گیا۔ جہاں اس کی بڑی عزت ہوئی اور انہوں نے اسے اپنا خطیب بنا لیا۔ سحبان ایسا خطیب تھا جو برجستہ گو، پرزور اور خوش بیان تھا۔ تقریر کے تمام طریقوں پر کامل قدرت رکھتا تھا۔ اس کی تقریر ایسی رواں ہوتی جیسے کوئی رٹی ہوئی تحریر پڑھ رہا ہو۔ اپنی ان خصوصیات میں وہ ضرب المثل تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس خراسان سے ایک وفد آیا تو انہوں نے سحبان کو بلایا وہ اپنے گھر میں نہ تھا فوراً ہی اسے تلاش کر لیا گیا اور حاضر کیا گیا۔ جب وہ آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تقریر کرو اس نے کہا میرے لیے عصا لاؤ۔ لوگوں نے کہا کہ امیر المومنین کی موجودگی میں تم عصا سے کیا کرو گے۔ اس نے کہا وہی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے باتیں کرتے وقت کیا کرتے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہنسے اور اس کے لیے عصا لانے کا حکم دیا۔ جب عصا آیا تو اسے پسند نہ آیا اور لات مار دی۔ چنانچہ لوگوں نے اسے اس کا عصا لا کر دیا پھر اس نے ظہر سے عصر تک تقریر کی اور اس دوران میں نہ تو کھنکارا، نہ کھانسا، نہ کہیں اٹکا، نہ کہیں سوچنے کے لیے ٹھہرا نہ کسی موضوع کو نامکمل چھوڑ کر آگے بڑھا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر لوگ حیرت زدہ ہو گئے۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے ہاتھ کے اشارے سے تقریر ختم کرنے کا کہہ دیا۔ سحبان نے اشارے سے کہا کہ مجھے نہ روکیے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نماز کا وقت ہوگیا۔ اس نے کہا نماز میں دیر ہے۔ ہم حمد وصلوٰۃ اور ترغیب وترہیب میں مشغول ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: واقعی تم عرب کے سب سے بڑے خطیب ہو۔ اس نے کہا: ''نہ صرف عرب کا بلکہ عجم کا بھی اور جن وانس کا''۔ یہ واقعہ اس کی قوت وجرأت، معلومات کی وسعت اور خطابت پر قدرت کی کافی دلیل ہے۔

لیکن اس کی شہرت کے مقابلے میں جو خطبات اس سے منقول ہیں وہ بہت کم ہیں۔ شاید جاہ وریاست میں حصہ نہ لینا، جماعتوں اور سیاست سے دور رہنا، لمبی لمبی تقریریں اور ایک ہی موضوع پر خطاب ایسی وجوہات ہیں کہ جن کی وجہ سے راویوں نے اس کے کلام کو روایت نہیں کیا، اس کی وفات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ۵۴ھ میں ہوئی۔

خطبے کا نمونہ:

دنیا آخرت تک پہنچاتی ہے اور آخرت ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے۔ لوگو! ایسی جگہ سے جو تمہاری گزرگاہ ہے ہمیشہ رہنے والے گھر کے لیے سامان اکٹھا کرلو۔ جس شخص پر تمہارے راز ظاہر ہیں اس کے سامنے اپنے پردوں کو مت پھاڑو۔ دنیا سے اپنے دلوں کو نکال لو قبل اس کے کہ دنیا سے تمہارے بدن نکال دیئے جائیں۔ تم اس دنیا میں جیتے ہو لیکن اس کے علاوہ کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔ جب ایک آدمی فوت ہوتا ہے تو لوگ پوچھتے ہیں اس نے کیا چھوڑا؟ ملائکہ پوچھتے ہیں کہ اس نے آگے کیا بھیجا؟ لہٰذا اپنے لیے کچھ آگے بھیجو اور سب یہاں نہ چھوڑ کے جاؤ کہ وبال بن جائے۔

زیاد بن ابیہ (۶۲۲م......۶۷۳م۔ ا ھ......۵۳ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

حارث بن کلدہ ثقفی، طبیب عرب کی ایک داشتہ سمیہ نامی تھی اور ایک عبید نامی غلام۔ اس نے عبید کی شادی سمیہ سے کردی۔ ہجرت کے پہلے سال اس کے گھر اس لونڈی سے ایک بچہ پیدا ہوا جس میں دوسری نسل کے آثار تھے۔ یہ بچہ بڑھ کر نہایت دانا ہو گیا۔ ابھی مسلمانوں کی حکومت کچھ منظم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اس بچہ میں ہوشیاری و قابلیت کے جوہر نظر آنے لگے۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے، اس کو اپنے دفتر کا کاتب بنالیا۔ جس سے اس کی صلاحیت اور بھی بڑھ گئی۔ خلافت عمر رضی اللہ عنہ ہی میں کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ انہوں نے زیاد کو اس بنا پر نہیں کہ یہ خائن اور نااہل ہے بلکہ اس خوف سے معزول کرنا چاہا کہ کہیں اپنی ذہانت، تیزیٔ عقل سے لوگوں میں اثر ورسوخ پیدا نہ کرلے۔ حالانکہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے بڑے ذمہ داری کے کام اس کے سپرد کرتے تھے اور وہ بڑی آسانی سے بغیر عجز و تقصیر کے انہیں انجام دے دیتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں درمیانِ مہاجرین وانصار ایک بے نظیر تقریر کی تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا:

''سبحان اللہ! کیا کہنے ہیں اس نوجوان کے۔ اگر اس کا باپ قریشی ہوتا تو یہ اپنے عصا سے عربوں کی قیادت کرتا''۔

ابوسفیان اسے اس درجہ محبوب رکھتے تھے کہ ایک مرتبہ انہوں نے قریش کے بڑے بڑے لوگوں میں جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اس امر کا اعتراف کرلیا کہ زیاد ان کا بیٹا ہے۔ اور یہ کہ جب وہ مشرک تھے تو زیاد کی ماں ان سے ملی تھی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خوف سے ان کو اپنے سلسلہ نسب میں داخل نہیں کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب خلافت ملی تو انہوں نے زیاد کی انتظامی صلاحیت، پختگی رائے اور زبانی فصاحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے گورنر بنا دیا۔ زیاد نے فضا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے سازگار بنایا، سرحدوں کو مضبوط کیا اور سیاست میں حکمت عملی سے کام لیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ اس کو اپنا حامی بنالیں لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکے۔ تا آنکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔ اس وقت پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ اس کو اپنے ساتھ ملالیں اور اس کو اپنے باپ کی طرف منسوب کر کے اپنا بھائی بنالیں۔ چنانچہ وہ اس کے بعد زیاد بن ابی سفیان کے نام سے پکارا جانے لگا۔ لیکن بہت سے لوگ اس کے نسب کو تسلیم نہیں کرتے۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے کوفہ کا گورنر بنا دیا۔ وہ چھ ماہ بصرہ اور چھ ماہ کوفہ میں رہا کرتا تھا۔ اس کی وفات ۵۳ھ میں طاعون سے ہوئی۔

اخلاق اور فطری استعداد:

زیاد بڑا خوش بیان، دانشمند اور ذہین تھا۔ ان کے متعلق شعبی نے کہا:

''میں نے جب کسی خطیب کو ممبر پر بیان کرتے سنا تو میرا دل چاہا کہ اب وہ خاموش ہو جائے۔ تا کہ کہیں زیادہ بولنے سے تقریر کا لطف نہ جاتا رہے۔ سوائے زیاد کے کہ یہ جتنا بولتا ہے اتنا ہی بیان رنگین اور دلچسپ ہوتا جاتا ہے''۔

زیادہ حکومت بنو امیہ کا سب سے مضبوط ستون تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے بڑے بڑے مشکل کام سپرد کیے مگر اس نے تمام بدحالی کو دور کر کے حالات پر قابو پالیا۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی قوت کو مستحکم کیا۔ اس نے سزا میں بڑی سختیاں کیں، محض تہمت کی بنا پر گرفتار کر لیتا اور معمولی شبہ پر سزا دیتا۔ مخالفت کرنے والے کو قتل کر ڈالتا۔ اور خفیہ دشمنی کرنے والے سے تعلق قائم رکھتا۔ لوگ اس سے اس قدر مرعوب تھے کہ وہ آپس کی شرارت سے بے خوف ہو گئے تھے۔ حالات یہ ہو گئے کہ اگر کسی کے ہاتھ سے کوئی شے گر پڑتی تو اسے کوئی نہ اٹھاتا حتیٰ کہ اس کا مالک خود ہی آ کر اٹھا لے۔ امن و امان کی وجہ سے کوئی اپنا دروازہ بند نہ کرتا۔ یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے اسلام میں جنگی قانون کے نفاذ کا اعلان کیا اپنے اس مشہور نامکمل خطبے میں جو اس نے بصرہ پہنچنے پر دیا:

کلام کا نمونہ اور نامکمل خطبہ:

''امابعد! جاہلیت خالصہ، اندھی گمراہی اور آگ میں دھکیل دینے والی سرکشی، جس میں تمہارے عقل مند اور بے وقوف سب پڑے ہوئے ہیں یہ وہ چیزیں ہیں کہ چھوٹے ان کی وجہ سے تباہ ہو جاتے ہیں اور بڑے بچ کر نہیں نکل سکتے۔ یوں لگتا ہے کہ تم نے اللہ کی کتاب کا مطالعہ ہی نہیں کیا اور اللہ نے مطیع بندوں کے لیے جو اجر و ثواب اور نافرمانوں کے لیے جو سخت عذاب ہمیشہ کی زندگی میں رکھا ہے وہ نہیں سنا۔ تم میں سے ہر ایک دنیا پر نظریں جمائے ہوئے ہے۔ تمہارے کانوں میں خواہشات کو پورا کرنے کی صدائیں گونج رہی ہیں۔ تم فانی زندگی کو باقی زندگی پر ترجیح دیتے ہو۔ تم یہ بھول گئے ہو کہ اس حال میں جب کہ دشمن بکثرت اور متحد ہے، کمزور پر ظلم کو جائز رکھ کر اور دن کے وقت کمزور بڑھیا جس کو لوٹ لیا گیا ہو اس کی مدد چھوڑ کر اسلام میں ایسی بری مثال قائم کی ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ کیا تم میں ایسے لوگ نہیں جو سرکشوں اور راہزنوں کو جو شب خون مارتے ہیں اور دن دھاڑے لوٹ لیتے ہیں، روکیں۔ تم نے رشتہ داری کا خیال کیا اور دین کو چھوڑ دیا۔ بغیر کسی معقول وجہ کے تم معذرتیں پیش کرتے ہو۔ ہر شخص اپنے جان پہچان والے مجرم سے یوں بے توجہی برتتا ہے کہ جیسے اس کو نہ آخرت کا خوف ہے اور نہ قیامت کی امید۔ تم لوگ اہل عقل نہیں۔ تم بے وقوفوں کی پیروی کرتے ہو۔ تم نے ان کو ڈھیل دے کر اس قدر دلیر کر رکھا ہے کہ وہ اسلامی قانون کی خلاف ورزی کرنے لگے ہیں۔ اور انہوں نے تمہاری آڑ میں بدمعاشی کے اڈے بنا لیے ہیں۔ مجھ پر اس وقت تک کھانا پینا حرام ہے جب تک ان تمام اڈوں کو گرا نہ دوں یا جلا نہ ڈالوں۔ میرے خیال میں اس حالت کا آغاز جب تک درست نہ ہو انجام درست نہیں ہونے کا۔ اس بدحالی کو ختم کرنے کے لیے ہم ایسی نرمی اختیار کریں گے جس میں ضعف نہ ہو اور ایسی سختی کریں گے جس میں بے جا جبر نہ ہو۔ اور واللہ! میں غلام کی وجہ سے آقا کو، مسافر کی

وجہ سے مقیم کو، مجرم کی وجہ سے بریٔ الذمۃ کو، بیمار کے عوض تندرست کو ضرور پکڑوں گا حتی کہ جب تم میں سے کوئی دوسرے سے ملے گا تو کہے گا کہ جس نے مرنا تھا وہ مر گیا اب تم اپنے بچاؤ کی فکر کرو۔ حاکم کا جھوٹ بہت نقصان دہ اور جلد مشہور ہو جاتا ہے۔ اگر تم میرا جھوٹ پکڑ لو تو تمہارے لیے میری نافرمانی جائز ہے۔ اور اگر تم مجھ سے کوئی جھوٹ سنو تو میری پکڑ کرو۔ اس سلسلہ میں مجھ پر اعتراض کرو اور سمجھ لو کہ میرے پاس اس طرح کے اور بھی جھوٹ ہیں۔ تم میں سے جس کے گھر میں نقب لگائی جائے گی اس کے ضائع ہونے والے مال کا میں ذمہ دار ہوں۔ دیکھو میں رات کے وقت چوری کرنے والے اور حملہ کرنے والے کا سخت مخالف ہوں۔ جو بھی رات کو حملہ کرتے ہوئے پکڑا گیا اور میرے پاس لایا گیا تو میں اس کو قتل کر ڈالوں گا۔ اس سزا کے نفاذ میں بس اس قدر مہلت ہے کہ مخبر کوفہ پہنچ کر واپس آ جائے۔ اور یاد رکھو میں تمہیں جاہلیت کے متعصب نعرے لگانے سے منع کرتا ہوں۔ اور جس کو میں نے دیکھا کہ جاہلیت کے نعرے لگا رہا ہے اس کی زبان کاٹ ڈالوں گا۔ تم نے بہت سی بدعتیں ایجاد کی ہیں اور ہم نے بھی ان کی گوناگوں سزائیں مقرر کی ہیں۔ جو کسی قوم کو ڈبوئے گا ہم اس کو ڈبو دیں گے، جو کسی قوم کو جلائے گا ہم اس کو جلا ڈالیں گے۔ جو کسی کے گھر میں نقب لگائے گا ہم اس کے دل پر نقب لگائیں گے۔ اور جو کسی کی قبر کھودے گا (چوری وغیرہ کے لیے) ہم اس کو اسی قبر میں دفن کر دیں گے۔ تم اپنے ہاتھوں اور زبانوں سے مجھ کو روکو میں بھی اپنے ہاتھ اور زبان سے تم کو روکوں گا تم میں سے کوئی عوامی طریقے کی مخالفت نہ کرے ورنہ میں اس کی گردن مار ڈالوں گا۔

میرے اور کچھ لوگوں کے درمیان قدیمی عداوتیں تھیں جنہیں میں نکال چکا ہوں اور پیروں تلے روند چکا ہوں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوگا کہ تم میں سے کوئی میری عداوت میں اندر ہی اندر جل کر مر گیا تو بھی میں اس کا راز فاش نہ کروں گا یہاں تک کہ وہ کھلم کھلا میرے مقابلے پر آ جائے، تب میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ تم نئے سرے سے اپنے کام شروع کرو اور ایک دوسرے کی مدد کرو۔ بہت سے غمگین ہمارے آنے سے خوش ہوں گے اور بہت سے خوش حال رنجیدہ۔

اے لوگو! ہم تمہارے فرمانروا بن گئے ہیں، ہم اللہ کی عطا کی ہوئی طاقت سے تم پر حکومت چلائیں گے۔ اور اس کے بخشے ہوئے مال سے تمہاری حفاظت کریں گے۔ تمہارا فرض ہے کہ تم ہماری بات سنو اور ہماری منشا کے مطابق چلو۔ لہٰذا ہمارے عدل وانصاف اور مال و دولت کو اپنے لیے واجب کر لو بایں طور کہ ہمارے کام میں شریک ہو جاؤ۔ اور واللہ! تم میں سے بہت سے میرے ہاتھ سے قتل ہونے والے ہیں، ہر شخص ڈرتا ہے کہ کہیں وہ میرے ہاتھ سے قتل نہ ہو جائے"۔

حجاج بن یوسف ثقفی (۴۱ھ......۹۵ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ابو محمد حجاج بن یوسف ثقفی ۴۱ھ میں غربت اور گمنامی کی حالت میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم اپنے باپ کے ساتھ رہ کر طائف میں حاصل کی۔ لیکن اس کے شائق نفس نے اسے پستی سے دور رکھا۔ اس کی ذکاوت اور دانائی کو دیکھ کر روح بن زنباع نے جو عبدالملک بن مروان کا معاون تھا، اس کو اپنی فوج میں رکھ لیا۔ خلیفہ نے اپنے لشکر میں کچھ بدحالی دیکھی تو روح بن زنباع سے اس کی

شکایت کی، اس موقع پر روح نے خلیفہ کو حجاج کا نام بتلا دیا اور خلیفہ نے اسے اپنی فوج کا افسر مقرر کر لیا۔ اس نے تمام لشکر کو منظم کیا اور اسے پوری طرح قابو میں لا کر مطیع اور فرمانبردار بنا دیا۔ پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی فوجوں سے لڑائی کی وجہ سے بہت مشہور ہو گیا۔ اس نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو مکہ کا محاصرہ کر کے شہید کر ڈالا اور ان کی حکومت ختم کر دی جس کی وجہ سے اس کی قابلیت مان لی گئی اور عبدالملک کی نظر میں اس کا رتبہ بلند ہو گیا۔ پھر خلیفہ نے حجاج کو عراق کا گورنر بنا دیا۔ جہاں روافض کے فتنوں کے باعث ابتری کا دور دورہ تھا۔ اور اندر ہی اندر خوارج کی بغاوت کا مواد پک رہا تھا۔ چنانچہ وہ عراقیوں کے ساتھ بہت سختی سے پیش آیا۔ اس نے ان کو سرنگوں کر دیا اور ان کے فتنوں کو دبا دیا اور بالآخر وہ ان کو جماعت کے دائرے میں لے آیا اس حال میں کہ وہ ان کی لاشوں کو ٹھکرا رہا تھا اور ان کے خون میں غوطے لگا رہا تھا۔ پھر وہ بقیہ تمام عمر عبدالملک اور اس کے بیٹے ولید کی حکومت کا بنیادی ستون بنا رہا۔ حکومت کا نظم ونسق برقرار رکھتا اور اس میں توسیع کرتا چلا گیا۔ تاآنکہ اس نے شام اور چین کے تمام درمیانی علاقے فتح کر لیے اور ۹۵ھ میں بمقام واسط اس کا انتقال ہوا۔

حجاج سیادت پسند اور حکومت کا دلدادہ تھا۔ اس نے ان دونوں خواہشات کو پورا کرنے کے لیے ظلم وتشدد کا راستہ اختیار کیا اور فصاحت وقوت کو آلہ کار بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قوت بیان اور قوت قلب کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ بالآخر اسے زبردست اقتدار اور مکمل حکومت حاصل ہو گئی۔ ایک دن عبدالملک نے اس سے کہا: ''ہر شخص اپنے عیوب جانتا ہے۔ تم میرے سامنے اپنے عیب صاف صاف بیان کرو''۔ اس نے کہا:

> ''میں بڑا ضدی، جھگڑالو، کینہ رکھنے والا، حاسد ہوں۔ اور کسی حاکم میں یہ صفات ہوں تو وہ کھیتوں اور نسلوں کو برباد کر دیتا ہے۔ الا یہ کہ لوگ اس کی مان کر چلیں''۔

وہ بڑا خوش بیان اور حجت میں بڑی قوت رکھتا تھا۔ اس کے ہم عصروں میں سے کوئی اس کی برابری نہ کر سکا۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

> ''میں نے حجاج سے زیادہ اثر انداز اور خوش بیان مقرر نہیں دیکھا۔ جب وہ ممبر پر بیٹھ کر عراقیوں کے سامنے اپنے احسانات اور عفو کا ذکر چھیڑتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ ان کی زیادتیاں اور بدسلوکیاں گنواتا ہے تو میں اسے سچا اور اہل عراق کو جھوٹا سمجھنے لگتا ہوں۔ حالانکہ اس نے ان میں سے ایک لاکھ بیس ہزار کو قید کر کے قتل کر ڈالا۔ اور جب وہ مرا تو اس کے قید خانوں میں پچاس ہزار مرد اور تیس ہزار عورتیں قید تھیں''۔

خطبات کا نمونہ:

جب حجاج عراق کا گورنر بنا تو وہ سر پر عمامہ باندھ کر مسجد میں یوں داخل ہوا کہ اس کے منہ کا اکثر حصہ عمامہ میں چھپا ہوا تھا۔ اس کے گلے میں تلوار اور شانے پر کمان لٹکی ہوتی تھی۔ وہ ممبر پر چڑھ گیا اور تھوڑی دیر خاموش کھڑا رہا۔ لوگ کہنے لگے کہ برا ہو بنوامیہ کا کہ انہوں نے ایسے (گونگے) شخص کو عراق کا گورنر بنا کر بھیجا ہے۔ عمیر بن ضابی برجمی نے تو اسے پتھر مارنے کا ارادہ کیا مگر لوگوں نے اسے روک دیا کہ دیکھو تو ہوتا کیا ہے۔ جب حجاج نے تمام لوگوں کی نگاہیں اپنی طرف اٹھتی دیکھیں تو اپنے چہرے سے عمامہ ہٹاتے ہوئے کہا:

انا ابن جلا و طلاع الثنایا　　متی اضع العمامة تعرفونی

''میں بڑا مشہور اور تجربہ کار شخص ہوں جب اپنا عمامہ اتاروں گا تو تم مجھے پہچان لو گے''۔

اے کوفیو! میں دیکھ رہا ہوں کہ سروں کی کھیتی پک کر تیار ہو گئی ہے اب اس کو کاٹنے کا زمانہ آ گیا ہے۔ اور میں اسے کاٹنے کے لیے آیا ہوں۔ مجھے عماموں اور داڑھیوں پر خون لگا ہوا نظر آ رہا ہے:

هذا أوان الشد فاشتدي زيم　　قد لفها الليلُ بسواق حطم

ليس براعي إبل ولا غنم　　ولا بجزار على ظهر وضم

قد لفها الليل بعصلبي　　أروع خراج من الدوي

مهاجر ليس بأعرابي

''اے زعیم (اونٹنی)! یہ تیز دوڑنے کا وقت ہے لہٰذا تیز دوڑ۔ رات کو اس کو ایک تیز ہانکنے والا ملا ہے جو بکریوں اور اونٹوں کو چرانے والا نہیں اور نہ قصائی ہے جو کندے پر گوشت کاٹتا ہے، رات میں اس کو ایک سخت ہوشیار، صحرائی راستوں سے باخبر ہانکنے والا ملا ہے جو مہاجر ہے، عرب کا بدو نہیں ہے۔

قد شمرت عن ساقها فشدوا　　وجدت الحرب بكم فجدوا

والقوسُ فيها وترٌ عرد　　مثل ذراع البكر أو أشد

لا بد مما ليس منه بدا

جنگ بہت تیز ہو چکی ہے۔ دوڑو! لڑائی نازک شکل اختیار کر گئی ہے لہٰذا تم بھی سنجیدگی سے جدوجہد کرو۔ سخت کمانیں چڑھی ہوئی ہیں جو نوجوان اونٹ کے ہاتھ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ انتہائی ضروری ہے وہ کام جس کے بغیر چارہ نہیں''۔

اے عراقیو! مجھے کسی چیز سے خوفزدہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی مجھ پر دباؤ ڈالا جا سکتا ہے۔ میں بہت سے امتحانات کے بعد قابل اور لائق ثابت ہوا ہوں اور بڑے تجربے کے بعد ڈھونڈ کر منتخب کیا گیا ہوں۔ امیر المومنین اللہ ان کو طویل زندگی دے، نے اپنے ترکش کے تمام تیر نکالے اور ان کو جانچا مجھے سب سے زیادہ تلخ اور مضبوط لکڑی کا تیر پا کر تمہارے اوپر مسلط کیا ہے کیونکہ تم فتنوں میں بہت زیادہ پڑے ہوئے ہو اور اچھے خاصے گمراہ ہو۔

واللہ! میں تمہیں اس طرح گٹھڑی میں باندھ دوں گا جس طرح ببول کی لکڑیاں گٹھوں میں باندھی جاتی ہیں۔ اور اس طرح بے دردی سے ماروں گا جس طرح پرانے اونٹوں کو مارا جاتا ہے۔ تمہاری مثال ان بستی والوں کی سی ہے جن کو ہر جگہ سے بڑے اطمینان وامن کے ساتھ رزق ملتا تھا لیکن انہوں نے اللہ کے انعامات کی قدر نہ کی تو اللہ نے ان کے اعمال کی بدولت ان کو بھوک وخوف میں مبتلا کر دیا۔

واللہ! میں جو کہوں گا اسے پورا کروں گا اور جو ارادہ کروں گا اسے پورا کر کے دکھاؤں گا اور جو کچھ کروں گا اسے ٹھیک او مناسب کروں گا۔ امیر المومنین نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہارے وظیفہ جات تمہیں دے دوں اور تم کو تمہارے دشمن سے لڑائی کے لیے مہلب بن ابی صفرہ کے ساتھ بھیج دوں۔ واللہ جس کو میں وظیفہ وصول کرنے کے تین دن بعد گھر میں بیٹھا پاؤں گا اس کی گردن اڑا دوں گا۔

انشاء پردازی

صدرِ اوّل کے فرمانروا جو عرب تھے وہ فطری طور پر ہی انشاء پرداز تھے۔ وہ جو مضمون چاہتے اس کو مختصر پیرایہ اور سلیس عبارت میں املا کرواتے یا خود لکھ لیتے۔ جب خلافت پھیلی اور ذرائع آمدنی میں اضافہ ہوا تو انہیں دفتری کام کاج کی ضرورت محسوس ہوئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام آمد و خرچ کو قلمبند کرنے کے لیے رجسٹروں کا نظام جاری کیا۔ پھر خلفاء نے محرری کے لیے عربوں، موالیوں اور عربوں میں شامل شدہ دوسری قوموں سے مدد لی اور ہر صوبے میں محصول کا حساب وہاں کے باشندوں کی مقامی زبان میں ہوتا رہا۔

عراق و ایران میں فارسی، شام میں یونانی اور مصر میں قبطی زبان میں تا آنکہ عربوں کی ایک جماعت اس فن کو بخوبی سیکھ گئی اور انہوں نے دفتری محرروں کی ضرورت کو پورا کر دیا۔ حتیٰ کہ عبدالملک اور اس کے بیٹے ولید کے زمانے میں تمام محصولات کا حساب بھی عربی میں لکھا جانے لگا۔

جب خلفاء پر حکومت کی ذمہ داری بڑھ گئی تو انہوں نے عربوں اور موالی عرب میں سے ماہر انشاء پردازوں سے مدد لی۔ جن میں سے بعض فارس اور روم کی انشاء پردازی کے قواعد سے بھی واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے خطوط نویسی کے ایسے قواعد مرتب کیے جن سے رسائل نویسی ایک مستقل فن بن گیا۔

اس دور کی انشاء پردازی میں مندرجہ ذیل باتیں پائی جاتی ہیں:

پر شوکت الفاظ، بڑی بڑی تراکیب، پابندی موضوع، تطویل و تکلف، مبالغہ آرائی سے اعراض، ضمیروں کو قواعد کے مطابق استعمال کرنا، واحد متکلم اور مخاطب کے لیے جمع کی ضمیر نہ لانا، بسم اللہ اور من فلان الی فلان لکھنا، یا **انی احمد الیك اللّٰه الذی لا اله الا هو** سے ابتداء اور **والسلام** یا **والسلام علی من اتبع الهدی** سے خط کا مضمون ختم کرنا شامل ہیں۔

جب ولید بن عبدالملک خلیفہ بنا تو اس نے خطوط کے کاغذات کو خوشنما بنانے، اعلیٰ القابات سے خطاب کرنے اور عام طرز انشاء سے اجتناب کا حکم جاری کیا۔ چنانچہ یہ طریقہ جاری رہا تا آنکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور یزید بن عبدالملک خلیفہ بنے۔ اور انہوں نے تقویٰ اور بدعت کی ناپسندیدگی کی بنا پر قدیم طرز تحریر اختیار کیا۔

لیکن کائنات کے نظام اور انسانی طبیعت نے اس زمانے میں یہ جمود پسند نہ کیا اور عبدالحمید انشاء پرداز آیا جس نے خطوط و رسائل میں تطویل، خوشنمائی اور پاکیزگی کی بنا ڈالی۔ رسائل کے شروع میں طویل حمد و ثناء لایا۔ چنانچہ بعد کے تمام انشاء پردازوں نے اس کی انشاء پردازی کی تقلید کی۔

الغرض ابتدائی چالیس سالوں میں عربی نثر، دین کی برکت اور عنایت کے طفیل بہت آگے بڑھ گئی وہ چھوٹے اور بے ربط کے مسجع جملوں اور مختصر و فرسودہ مضامین سے نکل کر اس جدید اسلوب میں تبدیل ہو گئی جس کے جملے کم، رواں عبارت، مختلف موضاعات اور مؤثر انداز بیان تھا۔ جس کی مثالیں آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبوں میں ملاحظہ کریں گے۔ اور یہ نثر کی ایسی برق رفتار ترقی ہے جس کی نظیر شاعری میں نہیں ملتی۔

انشاء پرداز

عبدالحمید بن یحییٰ

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ابو غالب عبدالحمید بن یحییٰ شام میں ایک عجمی نسل میں پیدا ہوا۔ قرابت داری کی وجہ سے بنو عامر سے منسوب ہے۔ اس نے سالم سے انشاء پردازی سیکھ کر کمال حاصل کیا جو ہشام بن عبدالملک کا آزاد کردہ غلام اور معاون امور تھا۔ پھر وہ قریہ بہ قریہ جا کر بچوں کو پڑھانے لگا تا آنکہ مروان بن عبدالملک کو اس کی قابلیت کا پتہ چلا۔ اور اس نے اس کو آرمینیا کی گورنری کے زمانہ میں اپنا سیکرٹری بنالیا۔ وہ اس کے خطوط اور فرمان لکھتا رہا اور اس کی نظر میں بڑا باعزت بن گیا۔ حتیٰ کہ دونوں میں گہری دوستی ہوگئی۔ پھر جب مروان کو خبر ملی کہ اہل شام نے خلافت کے لیے اس سے بیعت کر لی ہے تو اس نے اور اس کے تمام ساتھیوں نے سجدہ شکر ادا کیا۔ عبدالحمید نے سجدہ نہیں کیا۔ مروان نے اس سے پوچھا کہ تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں کیوں سجدہ کروں؟ کیا اس خوشی میں کہ آپ ہمارے پاس تھے اور اب اڑ کر ہم سے دور جا رہے ہیں؟ مروان نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ اس نے کہا کہ اب سجدہ بھلا معلوم ہوگا اور فوراً سجدہ میں گر پڑا۔ پھر مروان نے اسے اپنی حکومت کا سیکرٹری مقرر کیا۔ پھر جب عباسی سیاہ جھنڈوں کے لہرائے جانے نے اور ابو مسلم کے قریب آنے اور متواتر شکست نے مروان کو خوفزدہ کیا تو اس نے عبدالحمید سے کہا: مجھے اس بات کی ضرورت ہے کہ تم دشمن سے جا ملو اور مجھ سے بے وفائی کا اظہار کرو کیونکہ تمہارا علم و ادب ان کے لیے دلچسپ ہے اور تمہاری انشاء پردازی کی ان کو حاجت ہے۔ اور یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان سے وہ خوش ظن ہو جائیں گے۔ اگر تم زندگی میں میری مدد کر سکے تو ٹھیک ورنہ مرنے کے بعد تم میری عزت اور حرمت کو ضرور بچا سکو گے۔ عبدالحمید نے کہا کہ آپ کا یہ مشورہ آپ کے لیے تو مفید ہے لیکن میرے لیے بہت تکلیف دہ اور مجھے بدنام کرنے والا ہے۔ اب میرے لیے سوائے صبر کے اور کوئی چارۂ کار نہیں یہاں تک کہ اللہ پاک آپ کی اس مشکل کو دور کر دیں یا میں بھی آپ کے ساتھ قتل کر دیا جاؤں۔ اور یہ شعر پڑھا:

أسر وفاء ثم أظهر غدرة * فمن لي بعذر يوسع الناس ظاهره؟

''میں دل میں آپ کا وفادار رہوں اور بظاہر آپ سے دغا کروں تو لوگوں کے سامنے میرے اس ظاہری عمل کا عذر کون پیش کرے گا''۔

پھر وہ مروان کے ساتھ ہی رہا تا آنکہ مروان مصر میں قتل کر دیا گیا۔ عبدالحمید بھاگ کر اپنے دوست ابن المقفع کے ہاں بحرین میں پناہ گزین ہوگیا۔ لیکن جب وہ اس کے گھر میں تھا تو اچانک ایک دن کچھ سپاہی پیغام لے کر آ گئے۔ انہوں نے پوچھا: تم میں سے عبدالحمید کون ہے؟ دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے ساتھی کی جان بچانے کے لیے کہا کہ میں عبدالحمید ہوں۔ سپاہی ابن المقفع کو قتل کرنے ہی والے تھے کہ عبدالحمید نے چیخ کر کہا کہ ذرا ٹھہرو۔ ہم میں سے ہر ایک کی مخصوص علامات ہیں لہٰذا تم میں سے کچھ ہماری

نگرانی کریں اور کچھ اپنے افسروں سے ہماری علامات پوچھ کر آئیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور عبدالحمید کو پہچان کے بعد پکڑ کر لے گئے۔ اس کے بعد ۱۳۲ھ میں قتل کر دیا گیا۔

عربی انشاء پردازی میں اس کی تاثیر:

عبدالحمید سے پہلے انشاء پردازی محض سادہ طریقے سے لکھی ہوئی بات ہوتی تھی جس کا نہ کوئی قاعدہ مقرر تھا اور نہ ہی یہ کوئی فن شمار ہوتا تھا اور نہ شریف پیشہ سمجھا جاتا تھا۔ عبدالحمید نے اس پیشہ کو سنبھالا تو حالات اور انسانی طبیعتیں ایک جدید طرز انشاء کے لیے بالکل تیار تھے۔ وسیع مملکت، تمدن کا پروان چڑھنا، نثر وخطابت کا عروج، عربی کا فارسی سے قریب ہونا، عبدالحمید کا سالم مولی ہشام سے تعلیم حاصل کرنا اور ابن المقفع سے گہرے مراسم ایسی چیزیں تھیں جنہوں نے عبدالحمید کے اسلوب میں جدید طرز پیدا کیا۔ اس نے مخاطب کے حال کے مناسب خطابات میں رعایت کی، حالات کے مطابق مضمون کو مختصر اور طویل کیا۔ اور مضمون کی ابتداء اور انتہاء میں مضمون کی مناسبت سے جدت پیدا کی۔ رسائل کے شروع میں حمد وثناء کو طویل کیا۔ مقبول ہونے کی بنا پر تمام انشاء پردازوں نے اس کے طریقے کی پیروی کی جس سے انشاء پردازی ایک منظم اور باقاعدہ فن بن گیا۔

طرز انشاء پردازی:

عبدالحمید کا طرز بیان نہایت شیریں، مرتب اور خوشنما ہے جو جذبات اور احساسات کو اپنی طرف مائل کرتا ہے اور جادو کا سا اثر دکھاتا ہے۔ لوگ اس کی تحریر کی اثر انگیزی سے خوب واقف تھے حتیٰ کہ ابو مسلم خراسانی نے اس کا خط جو اس نے مروان کی طرف سے لکھا تھا، پڑھنا بھی گوارا نہ کیا کہ کہیں وہ اس کو پڑھ کر مروان کا حامی نہ بن جائے۔ اور اسے بے پڑھے ہی جلا دیا اور پھر ایک کاغذ کے ٹکڑے پر یہ شعر لکھ کر مروان کو بھیجا:

محا السيفُ أسطار البلاغة وانتحى　　　عليك ليوثُ الغاب من كل جانب

''فصاحت وبلاغت کی سطروں کو تلواریں مٹا دیں گی اور کچھار کے شیر ہر طرف سے تجھ پر حملہ کریں گے''۔

نثر کا نمونہ:

جب وہ مروان کے ساتھ شکست کھا کر بھاگ رہا تھا تو اپنے گھر والوں کو لکھا:

''امابعد! اللہ تعالیٰ نے دنیا کو تکالیف اور راحتوں سے گھیر رکھا ہے۔ جس کا مقدر ساتھ دیتا ہے وہ یہاں آرام سے رہتا ہے اور جسے دنیا اپنے نوکیلے دانت دکھاتی ہے وہ غصہ میں آ کر اس کے نقائص اور عیوب نکالتا ہے اور شکوہ شکایت کرنے لگتا ہے۔ اس دنیا نے ہمیں بڑے دن راحت وآرام میں رکھ کر اپنا دودھ پلایا، جسے ہم خوب مزے لے لے کر پیتے رہے۔ اور اب وہ ہم سے ناراض ہو کر متنفر ہو گئی ہے۔ ہم سے منہ پھیر کر ہمیں لات مار رہی ہے۔ اس کی خوشی رنج وغم سے اور نرمی سختی سے بدل گئی ہے۔ اس نے ہمیں پردیس میں بے یار ومددگار کر دیا۔ گھر دور ہے اور حالات بڑے خراب ہیں۔ میں یہ خط اس حال میں لکھ رہا ہوں کہ زمانہ ہمیں دور ہی کرتا چلا جا رہا ہے۔ تمہاری یاد دل کو بے چین اور بے قرار کر رہی ہے، اگر یہ آفت، سلامتی سے بدل کر ختم ہو گئی تو ہماری دوبارہ ملاقات ہو گی اور اگر

دشمنوں کے نوکیلے پنجوں نے ہمیں دبوچ لیا تو ہم قید کی ذلت کے ساتھ تمہارے پاس واپس لوٹیں گے۔ اور ذلت بڑا برا ساتھی ہے۔ اس قادر مطلق سے کہ جس کے ہاتھ میں عزت و ذلت ہے اور وہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے، میں دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اور تمہیں امن والی جگہ میں دین و بدن کی سلامتی کے ساتھ رکھے۔ وہی تمام جہانوں کا پالنہار ہے اور وہی ارحم الراحمین ہے''۔

انشاء پردازوں کو رائے دیتے ہوئے اس نے جو کچھ کہا ہے اس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ انشاء پردازی اس زمانہ میں ایک فن بن گیا تھا اور تمام مضمون نگار ایک جماعت ہو گئے تھے:

''خبردار! تکبر اور بڑائی کے دعوؤں سے اجتناب کرو۔ کیونکہ یہ بلاوجہ دشمنی کا باعث بن جاتے ہیں۔ اپنے فن کی ترقی کے لیے خالصۃً اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرو اور اس کی ایسی خیر خواہی کرو جو تمہارے اسلاف کے اہل فضل و عدل کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ اگر تم میں سے کسی شخص کے لیے حالات ناساز گار ہو جائیں تو اس کے ساتھ تعاون اور ہمدردی کرو تا آنکہ وہ خوشحال ہو جائے۔ اور اگر بڑھاپے کی وجہ سے کوئی مجبور ہو اور احباب سے نہ مل سکے تو تم سب مل کر اس سے ملاقات کو جاؤ۔ اس کا احترام کرو اور اس کے تجربہ اور پختہ معلومات سے استفادہ کرو''۔

ایک شخص کی سفارش کرتے ہوئے اس نے کہا:

''میرے اس دوست کا جو میرا یہ خط آپ کے پاس لا رہا ہے آپ پر وہی حق ہے جو اس کا مجھ پر ہے۔ اس نے آپ سے امید لگائی ہے اور مجھے اس سلسلے میں وسیلہ بنایا ہے۔ میں نے اس کی ضرورت پوری کر دی اب آپ بھی اس کی حاجت پوری کر دیں''۔

اس زمانے کی نثر کے نمونے

حکیمانہ اقوال:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکیمانہ اقوال: نیکیاں ذلت کی تباہیوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔ موت اپنے بعد آنے والی تکالیف سے آسان اور اپنے سے پہلے گزرنے والی تکالیف سے زیادہ سخت ہے۔ یہ تین صفات جس میں ہوں گی تو اس کے وبال کا باعث ہوں گی۔ سرکشی، وعدہ خلافی اور مکاری۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکمت سے بھرے اقوال: جو اپنے راز کو پوشیدہ رکھے گا اس کا معاملہ اس کے ہاتھ میں رہے گا۔ رشتہ داروں سے کہو کہ وہ باہم ملتے رہا کریں اور ہمسائیگی میں نہ رہیں۔ میں امانت دار کے ضعف اور طاقتور کی بے ایمانی کا گلہ اللہ ہی سے کرتا ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دانشمندانہ اقوال: بزرگ آدمی کی رائے نوجوان کی قوت و طاقت سے بہتر ہے۔ لوگ جس چیز کو نہیں جانتے اس کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ ہر انسان کی قیمت اس کے اندر موجود صفات ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک دن وعظ فرمایا، پہلے حمد وثناء کی پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

''اے لوگو! تمہارے لیے کچھ علم کے ذریعے ہیں، تم انہی پر اکتفا کرو اور کچھ حدود ہیں ان سے آگے مت بڑھو۔ درحقیقت بندہ دو خطروں کے درمیان ہے، ایک خطرہ وہ مدت ہے جو گزر چکی اور اسے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں کیا معاملہ فرمائیں گے۔ دوسرا خطرہ وہ مدت ہے جو آنے والی ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس میں کیا فیصلہ فرمائیں گے۔ بندہ کو اپنے نفس سے اپنی بھلائی کے لیے، اپنی دنیا سے اپنی آخرت کے لیے، جوانی سے بڑھاپے کے لیے، زندگی سے موت کے لیے کچھ بھلائیوں کا توشہ ہمراہ لے جانا چاہیے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے موت کے بعد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے اور نہ ہی دنیا کے بعد سوائے جنت وجہنم کے کوئی ٹھکانہ ہے''۔

سقیفہ کے دن جب خلافت کے مسئلہ میں مہاجرین وانصار میں اختلاف ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حمد وثناء کے بعد ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! ہم وہ مہاجرین ہیں جنہوں نے اللہ کے لیے اپنا گھر بار چھوڑا ہم نے ہی سب سے پہلے اسلام قبول کیا ہے۔ ہم عربی النسل اور حضور اکرم ﷺ کے سب سے قریبی رشتہ دار ہیں۔ ہم تم سے پہلے اسلام لائے اور قرآن میں بھی ہمیں تم سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ﴾ [التوبة : ۱۰۰]

ہم مہاجر ہیں اور تم ہمارے دینی بھائی ہو۔ مال غنیمت میں ہمارے شریک اور دشمن سے مقابلہ کے وقت ہمارے معاون۔ تم نے ہمیں پناہ دی اور ہمارے ساتھ برابری کا سلوک کیا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دیں۔ ہم امیر ہیں اور تم وزیر۔ عرب اس قبیلہ قریش کے علاوہ کسی دوسرے قبیلے کے مطیع نہیں ہوں گے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جو فضیلت تمہارے مہاجر بھائیوں کو دی ہے اس پر کبیدہ خاطر نہ ہو جاؤ''۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ممبر پر کھڑے ہوئے اور حمد وثناء کے بعد فرمایا:

''اے اہل مدینہ! میں یہ نہیں چاہتا کہ تم عراقیوں کی طرح ہو جاؤ۔ وہ جس کام کو برا کہتے ہیں وہی کرتے ہیں۔ ان میں کا ہر ایک اپنی جگہ ایک جماعت ہے۔ تم ہمارے عیوب کے باوجود ہماری اطاعت تسلیم کرو اس لیے کہ ہمارے بعد آنے والے ہم سے بھی بدتر ہوں گے۔ ہمارے اس زمانے کا معروف پہلے زمانے کا منکر اور ہمارے زمانے کا منکر آئندہ آنے والے زمانے کا معروف ہوگا اور اگرچہ وہ وقت آچکا ہے لیکن اصلاح فساد سے بہتر ہے اور ہمارا کام تو بات کو پہنچا دینا ہے اور ذلت کی زندگی کا کوئی فائدہ نہیں''۔

دیر جماجم کے بعد حجاج نے عراقیوں کے سامنے یہ تقریر کی:

''اے عراق والو! شیطان تمہارے اندر گھس گیا ہے اور تمہارے گوشت، خون، اعصاب، کانوں، نگاہوں اور دلوں

میں گھل مل گیا ہے۔ پھر تمہارے مساموں میں سرایت کر گیا ہے پھر اس نے تم پر اپنا گھونسلہ بنا لیا ہے اور اس میں انڈے، بچے دے دیئے ہیں اور تمہارے اندر منافقت اور باہم لڑائی جھگڑا بھر دیا ہے۔ تم نے اسے ہر دلعزیز، اپنا رہبر اور قائد بنا لیا ہے اور اسی کی پیروی کرتے ہو۔ وہی تمہارا حاکم اعلیٰ ہے جس سے تم مشورے لیتے ہو۔ اب تم کو تجربہ سے فائدہ کیسے ہو اور واقعہ سے نصیحت کیسے حاصل کر سکتے ہو؟ اسلام تمہیں کیونکر روکے اور ایمان تمہیں کیسے باز رکھے۔ کیا تم اہواز میں میرے ساتھ نہ تھے جہاں تم نے مکاری اور غداری کی کوشش کی۔ اور تم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین اور خلافت کو بے یار و مددگار چھوڑ دے گا۔ تم میری آنکھوں کے سامنے کھسکتے جا رہے تھے اور میدان سے شکست کھا کر تیزی سے بھاگ رہے تھے۔ اور یاد ہے زاویہ کا دن؟ کون سا زاویہ کا دن؟ وہی جس میں تم نے شکست کھائی آپس میں جھگڑ پڑے، جہاں اللہ تعالیٰ نے تمہاری حرکت سے بیزاری کا اظہار کیا، جب تم اپنے گھروں کو واپس لوٹنے، اپنے ٹھکانوں پر پہنچنے کے لیے بے تاب و پریشان اونٹوں کی طرح سرپٹ بھاگے چلے جا رہے تھے۔ اور تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو نہیں پوچھتا تھا۔ نہ کسی بوڑھے کو اپنے بیٹے کی فکر تھی۔ یہاں تک کہ ہتھیاروں نے تمہیں چبایا اور نیزوں نے تمہیں چھلنی کر دیا۔ پھر دیر جماجم کا دن! اور کیا ہے دیر جماجم کا دن؟ وہ جگہ جہاں بڑے زبردست معرکے ہوئے۔ تلواروں نے سروں کو تنوں سے جدا کیا، دوست دوست کو بھول گیا۔ اے نافرمان بے وفا اہل عراق! فتنہ پر فتنہ پیدا کرنے والو! اگر میں تم کو سرحدوں پر بھیجتا ہوں تو تم خیانت کرتے ہو، اگر تم بے خوف ہوتے ہو تو شرارتیں کرنے لگتے ہو، اور اگر خوفزدہ ہوتے ہو تو منافقت سے کام لیتے ہو۔ نہ تمہیں کسی کا ڈر ہے اور نہ ہی کسی کے احسان کا شکریہ ادا کرتے ہو۔ کیا جب بھی کوئی گمراہ تم کو گمراہی پر لگا دیتا ہے اور کوئی ظالم تم سے مدد حاصل کرتا ہے اور کوئی سرکش تم کو اپنا دوست بناتا ہے تو تم اس پر اعتماد کر لیتے ہو، اس کو پناہ دے دیتے ہو، اس کی مدد کرتے ہو اور اس پر راضی ہو جاتے ہو اور جب بھی کوئی فتنہ برپا کرتا ہے یا کوئی بدمعاش تباہی پھیلاتا ہے تو تم اس کے حامی بن جاتے ہو؟ کیا نصیحتیں تمہیں بداعمالیوں سے دور نہیں رکھتیں اور واقعات تمہاری آنکھیں نہیں کھولتے؟''۔

اس کے بعد وہ شامیوں کی طرف متوجہ ہوا، اور کہا:

''اے اہل شام! میں تمہارے لیے اس شتر مرغ کی طرح ہوں جو اپنے بچوں کی نگرانی کرتا ہے ان کے آس پاس سے کنکریاں ہٹا کر ان کے لیے جگہ صاف کرتا ہے اور بارش سے ان کی حفاظت کرتا ہے۔ اے اہل شام! تم ہی ڈھال ہو اور تم ہی ہتھیار۔ تم ہی ساز و سامان ہو اور تم ہی پوشاک''۔

رسائل وخطوط:

حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خیر خواہی کی نصیحت کرتے ہوئے لکھا:

''از طرف ابوعبیدہ بن جراح اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما بخدمت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔

السلام علیکم! ہم اس اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اما بعد ہم نے آپ کے حالات کا اندازہ

لگایا اور دیکھا کہ آپ کی ذمہ داری بہت بڑی ہے۔ آپ اس امت کے سرخ و سیاہ کے والی بن گئے ہیں۔ آپ کے نزدیک دوست دشمن، شریف ذلیل ہر قسم کے لوگ بیٹھتے ہیں اور ہر ایک کے لیے عدل و انصاف کا ایک حصہ ہے۔ آپ غور کریں کہ ان حالات میں آپ کا کیا رویہ ہونا چاہیے۔ ہم آپ کو اس دن سے ڈراتے ہیں جس دن چہرے جھک جائیں گے۔ دل دھڑکیں گے اور مالک حقیقی کی دلیل کے سامنے سب عاجز و بے بس، اس کی رحمت کے متمنی اور اس کے عذاب سے خوفزدہ ہوں گے۔ تمام دلائل بے زور ہو جائیں گے ہم یہ کہا کرتے تھے کہ آخر زمانے میں اس امت کا یہ حال ہو جائے گا کہ لوگ بظاہر تو دوست ہوں گے لیکن اندر ہی اندر ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ہمارا یہ خط ہمارے مقصود کے علاوہ کوئی اور بات آپ کے دل میں پیدا کرے ہم نے تو یہ خط محض آپ کی خیر خواہی کے لیے لکھا ہے۔ والسلام"۔

عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر نے اپنے کسی دوست کو ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

"امابعد! مجھے شک نے تمہارے بارے میں کسی حتمی رائے کے قائم کرنے سے باز رکھا اس لیے کہ شروع میں تو بلا تحقیق تم میرے ساتھ لطف وعنایت سے پیش آئے اور بعد میں بغیر کسی جرم کے تم نے بیوفائی کا اظہار کیا۔ تمہارے پہلے رویے نے مجھے طمع دلائی کہ میں تمہیں دوست بنالوں اور تمہارا دوسرا رویہ مجھے تمہاری وفاداری سے مایوس کر دینے کے لیے کافی تھا۔ اب نہ تو کلی طور پر میں تم سے قطع تعلق ہونا چاہتا ہوں اور نہ ہی تم پر بھروسہ کرنے والا ہوں۔ وہ ذات پاک ہے اگر چاہے تو تمہارے متعلق میری اس متردد رائے کو کسی یک طرفہ واضح رائے میں بدل دے۔ اور پھر ہم باہم محبت سے ملیں یا لڑ کر جدا ہو جائیں۔ والسلام"۔

وصیتیں اور نصائح:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"مجھ سے آٹھ باتیں سیکھ کر انہیں حرز جان بنالو۔ ان کی موجودگی میں تم جو بھی کرو گے تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ سب سے زیادہ غنی اور بے نیاز کر دینے والی شے عقل ہے اور سب سے بڑی محتاجی اور فقر کی بات حماقت ہے۔ سب سے بڑی وحشت تکبر ہے۔ خوش خلقی بلند ترین حسب ہے۔ اے میرے بیٹے احمق کی دوستی سے بچتے رہنا کیونکہ وہ تمہیں فائدہ پہنچانا چاہے گا لیکن نقصان پہنچا بیٹھے گا۔ اور بخیل کو دوست مت بناؤ کہ جتنی زیادہ تمہیں اس کی ضرورت ہوگی وہ اتنا ہی تم سے دور ہوتا چلا جائے گا۔ اور بدکار سے دوستی نہ کرو کیونکہ وہ تمہیں معمولی سی چیز کے عوض بیچ ڈالے گا۔ اور جھوٹ بولنے والے سے بھی دوستی نہ رکھو کیونکہ اس کی مثال سراب کی سی ہے جو دور کی چیز کو تمہارے قریب اور قریب کی چیز کو دور کر کے دکھلائے گا"۔

مرتے وقت قیس بن عاصم منقری نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی:

"اے میرے بیٹو! میری تین باتوں کو یاد رکھنا کیونکہ مجھ سے زیادہ تمہارا کوئی خیر خواہ نہیں ہے۔ جب میں مر جاؤں تو

اپنے چھوٹوں کی بجائے بڑوں کو سردار بنانا ورنہ لوگ تمہارے بڑوں کو حقیر سمجھیں گے اور تم ان کی نظر میں بے وقعت ہو جاؤ گے۔ مال و دولت کی حفاظت کرنا یہ سخی کے لیے شہرت کا سبب اور کمینوں سے مستغنی رہنے کا ذریعہ ہے۔ کسی سے بھیک نہ مانگنا کہ یہ انسان کی ذلیل ترین کمائی ہے''۔

زبان میں خامیاں اور عامی عربی کی ابتداء:

حج، میلوں اور قریش کی سرداری نے یہ اثر دکھایا کہ زمانۂ جاہلیت میں تمام عربوں کی زبانیں یگانگت اختیار کرگئی تھیں اور ان کے لہجے ایک ہونے لگے تھے اور چند جزئی خامیوں کے سوا زبان میں کسی قسم کے عیوب باقی نہ رہے تھے۔ جب اسلام آیا اور قرآن مجید قریش کی زبان میں نازل ہوا اور حضور اکرم ﷺ اور آپ کے بعد کے خلفاء سب اسی خاندان سے ہوئے تو یہ زبان مکمل طور پر بقیہ زبانوں پر غالب آ گئی۔ لوگوں کی زبانیں اس زبان کے سامنے جھک گئیں اور ان کے دلوں کا میلان اس کی طرف ہو گیا۔ حتی کہ یہ زبان تمام علاقوں میں نبوت وحکومت کی زبان اور تمدن وعلم کے اظہار کا ذریعہ بن گئی اور چونکہ اسلام ایک ایسا جلیل القدر انقلاب تھا جس نے اخلاق وطبائع میں بڑے اثرات مرتب کیے اور سیاسی اور اجتماعی زندگیوں میں اہم تغیر رونما ہوا۔ اس لیے زبان کا سرمایہ بڑھا اور عقائد دینیہ، حکومتی نظام وقواعد، تمدنی ضروریات نیز علمی اصطلاحات کو بیان کرنے کی وجہ سے اس کے مواد میں وسعت، موضوعات اور اغراض میں ہمہ گیری پیدا ہوئی، اور لوگوں کی طبیعتوں میں قرآن مجید کی بلاغت، اسلام کی تروتازگی، تمدنی زندگی کے حسن کے اثر نے اس زبان کے الفاظ شستہ اور اسالیب پاکیزہ بنا دیئے۔

پھر اسی طرح اسلام عربوں کی زندگی پر اثر انداز ہوا کہ ان کے تعصبات مٹا دیئے، تمدنی امتیازات ختم کر دیئے۔ سیادت وبزرگی کے پہلے معیاروں کو بدل کر ان کا دار ومدار عبادت وتقویٰ پر رکھا اور قبائلی انتشار کو ایک عقیدہ پر متحد کر دیا نیز ان کی متفرق جماعتوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا۔ پھر اس جزیرۂ عرب سے اسلام عربوں کو ساتھ لے کر مشرکین سے جہاد کے لیے قرآن اور تلوار لے کر نکلا اور قیصر وکسریٰ کی حکومتیں اس کے ہاتھوں زیر نگیں ہوئیں۔ اسلام نے عربوں کو اطراف ارض میں کامیابی سے داخل کیا یہاں تک کہ مشرق اقصیٰ اور مغربی ادنیٰ میں انہوں نے اپنے جھنڈے گاڑ دیئے۔ اس دن سے عربی زبان صرف ایک قوم اور ایک ملک کی زبان نہ رہی بلکہ وہ حجاز اور نجد کے دیہاتوں سے اسلام کو ساتھ لے کر بصرہ، کوفہ، دمشق، بغداد، قرطبہ اور مصر جیسے متمدن علاقوں میں پہنچ گئی۔ اور وہاں کے تمام عجمی وعربی مسلمانوں اور ان کے ماتحت آنے والی اقوام کی زبان بن گئی۔ مگر طبعی طور پر ان عجمی اقوام میں عربی زبان بولنے کی وہ قدرت نہ تھی جو عربوں میں تھی۔ لہٰذا ان کی زبان میں غیر عربی زبانوں کی آمیزش سے خرابیاں اور غلطیاں زیادہ تر دارالحکومتوں اور بڑے بڑے شہروں میں ظاہر ہوئیں اور دیہات میں پیدا نہ ہوئیں۔ چنانچہ چوتھی صدی کے آخر تک دیہاتی زبان خالص رہی۔ اس لسانی خرابی کی ابتداء زمانہ نبوت ہی سے ہو گئی تھی پھر جوں جوں اسباب میں اضافہ ہوتا گیا، مرض بڑھتا گیا، حتی کہ عہد بنوامیہ میں تو یہ بیماری اس قدر پھیل گئی کہ خلفاء اور خواص بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اور یہ خطرہ بھی پیدا ہوا کہ کہیں اس کا اثر قرآن پاک پر بھی نہ پڑ جائے۔ چنانچہ قرآن مجید کو محفوظ رکھنے کے لیے نحوی قواعد مرتب کیے گئے۔ اس کی عبارت پر اعراب اور نقطے لگانے کا اہتمام ہوا لیکن بایں ہمہ زبان خرابی سے محفوظ نہ رہ سکی اور نہ ہی صرف ونحو کی صریح غلطیوں کا ازالہ ہو سکا۔ عوام نے بولنے میں

اس قدر تصریف اور تحریف سے کام لیا کہ زبان دو حصوں میں منقسم ہوگئی۔ ایک تحریری کی ادبی زبان اور دوسری عوامی بول چال کی زبان اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

نحو:

تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ سب سے پہلے نحوی قواعد ابوالاسود دؤلی نے جو کہ ۶۹ ھ میں فوت ہوا، وضع کیے۔ جس چیز نے اس کو قواعد وضوابط جمع کرنے پر مجبور کیا وہ زبان ومحاورہ کی غلطیوں کا پھیل جانا، عبارت میں ابہام کی کثرت ہے۔ اس بارے میں یہ قصہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ وہ زیاد کے پاس گیا جو کوفہ اور بصرہ کا گورنر تھا اور کہا: اللہ تعالیٰ حضور کے کاموں کو سدھارے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ عربوں کے عجموں کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے ان کی زبان بگڑ گئی ہے۔ کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں ان کے لیے کچھ ایسے قواعد مرتب کردوں جن کے ذریعہ سے وہ اپنی زبان کو محفوظ رکھ سکیں؟ تو زیاد نے اسے منع کردیا لیکن اس نے دوبارہ پھر اجازت مانگی تو اب زیاد نے اس کی اجازت دے دی کیونکہ اس نے خود ایک شخص کو سنا جو اس کے پاس آکر کہہ رہا تھا: توفی ابانا و ترك بنون. چنانچہ ابوالاسود نے اوزان تعجب کا ایک باب مرتب کیا اس کے بعد فاعل ومفعول کا باب۔ پھر جب بھی کوئی حرفی، نحوی غلطی سنتا تو اس کی اصلاح کے لیے ایک قاعدہ بنا دیتا۔ پھر اس کے بنائے ہوئے قواعد کی بصرہ اور کوفہ کے ادیبوں نے تکمیل اور تفصیل کی جسے ہم بعد میں بیان کریں گے۔ ہمارا غالب گمان یہ ہے کہ ابوالاسود نے عربی کی نحو اور نقطے اپنی طرف سے ایجاد نہ کیے تھے بلکہ وہ سریانی زبان جانتا تھا (اور اس کی نحو مرتب ہو چکی تھی) یا سریانی زبان کے علماء سے ملتا رہتا تھا جن کی صحبت سے اس کو قواعد سازی میں مدد ملی۔

عہد بنوامیہ میں علوم کی حالت:

ابھی تک عربوں کی طبیعتیں علوم کے لیے تیار نہ ہوئی تھیں اور نہ ان کی عقلیں ان میں غور و بحث کے لیے پختہ ہوئی تھیں بلکہ دینی جذبات، فتوحات، اور ادبی رجحانات نے ان کی پوری توجہ اپنی طرف لگا رکھی تھی۔ اور انہوں نے صرف بہت ضروری اور موروثی علوم مثلاً طب اور نجوم پر ہی کفایت کر رکھی تھی۔ جب لسانی غلطیوں نے ان کو بہت زیادہ پریشان کیا اور عجمیت ہر طرف سے ان پر حملہ آور ہوئی، قسم قسم کے مقدمات آنے لگے تو انہوں نے قرآن مجید کو ضبط کرنے کے لیے نحو، اس کی مشکلات کو حل کرنے کے لیے تفسیر اور اس سے احکامات کے استنباط کے لیے فقہ مرتب کی۔ احادیث کے ضائع ہو جانے یا ان میں موضوعات کے داخل ہونے کے خطرہ کی وجہ سے انہوں نے احادیث کو مدون کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تجربہ کاری اور بعد میں آنے والے خلفاء کی حکمتِ عملی کا تقاضہ ہوا کہ وہ اپنی حکومت کو مستحکم کرنے اور اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لیے ماضی کے تجربوں اور گزرے ہوئے حاکموں کے سوانح اور وقائع سے مدد حاصل کریں۔ چنانچہ عبید بن شریہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے "کتاب الملوک واخبار الماضین" تصنیف کی۔ دیگر مصنفین نے بھی اس طرح کی اور کتابیں لکھیں لیکن ان میں سے کوئی بھی ہم تک نہیں پہنچ پائی۔ رہا عجمی زبانوں کا ترجمہ تو اس کا اس دور میں کسی نے اہتمام نہیں کیا۔ البتہ خالد بن یزید جو کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ حکومت میں ناکامی کے بعد علم حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے اسکندریہ کے مدرسے سے ایک جماعت کو بلوایا جنہوں نے ان

کوعلم کیمیا سکھایا اوراس سلسلہ میں ان کے لیے کچھ تراجم بھی کیے۔ الغرض اس دور سے متعلق اجمالاً یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس میں جاہلیت کا ادب پک کر تیار ہوا، علوم اسلامیہ نے نشو ونما پائی اور عجمی علوم کے تراجم کی ابتداء ہوئی۔

اسلام کے بعد عربی خطاطی کی حالت:

اسلام آیا تو قریشیوں، اہل مدینہ اور یہودی تجار میں سے صرف دس کے قریب لکھنا جانتے تھے۔ جب اللہ نے بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کو فتح بخشی اور کچھ لکھنا جاننے والے قید ہوئے تو حضور اکرم ﷺ نے فدیہ کے طور پر یہ شرط رکھی کہ ان میں سے ہر ایک دس مسلمان بچوں کو لکھنا سکھا دے تو رہا ہو جائے گا۔ اوراس طرح اہل مدینہ میں لکھنے والوں کی کثرت ہوگئی۔ پھر نبی کریم ﷺ کے حکم کی اطاعت اور قرآن لکھنے کا شوق نیز دفاتر میں جگہ حاصل کرنے کے لیے عربوں میں لکھنے کا رواج عام ہو گیا اور ان کے ساتھ ہی تمام مفتوحہ علاقوں میں پھیلتا چلا گیا۔ شروع میں عربی تحریر حرکات اور نقطوں سے خالی ہوتی تھی جس کی وجہ سے غلطیاں ہونے لگیں اور قرآن پاک میں بھی غلطیوں کا احتمال پیدا ہونے لگا۔ چنانچہ ابوالاسود نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآنی الفاظ کے آخر میں اعراب کو ظاہر کرنے کے لیے نقطوں کا استعمال کیا۔ انہوں نے زبر کی علامت حرف کے اوپر نقطہ، زیر کی علامت حرف کے نیچے نقطہ اور پیش کی علامت حرف کے سامنے نقطہ رکھی۔ پھر لوگوں کے ہاں ان نقطوں کا رواج ہوا مگر وہ ان نقطوں کے لیے تحریر سے ہٹ کر الگ رنگ کی سیاہی استعمال کرتے تھے۔ پھر جب خط کی شکلیں بدلنے لگیں اور حروف آپس میں مشابہ ہونے لگے، ج ح، د ذ، س ش میں امتیاز مشکل ہو گیا تو حجاج نے ابوالاسود کے دو شاگردوں نصر بن عاصم اور یحییٰ بن یعمر کو حکم دیا اور انہوں نے حروف کی شناخت میں سہولت کے لیے نقطے بھی اسی روشنائی سے لکھنے کا طریقہ نکالا جس سے عبارت لکھی جاتی تھی۔ پھر ان کے بعد خلیل بن احمد آئے اور انہوں نے حرکات کے نشان کا یہ مشہور طریقہ نکالا جس کو ابوالاسود کے نقطوں جیسی مقبولیت حاصل ہوئی۔

عباسی دور حکومت میں ہر فن کی طرح اس فن یعنی خطاطی نے بھی ترقی حاصل کی۔ لکھنے والوں نے خوش نویسی میں باہم مقابلہ شروع کر دیا اور جدید طریقے خطاطی کے نکالے۔ کوفی اور بغدادی انداز خطاطی کو نئے انداز سے لکھ کر مثلاً مرصع، خط نسخ اور خط ریاسی کے ذریعہ جدا جدا کر دیا۔ پھر ان انداز تحریر کی تعداد اور اشکال میں اضافہ ہوتا رہا حتیٰ کہ خط کوفی بیس سے زائد شکلیں اختیار کر گیا اور خط نسخ عوام میں غیر سرکاری تحریروں میں استعمال ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ ابوعلی محمد بن مقلہ متوفی ۳۲۸ھ آئے اور انہوں نے اس خط کو اتنا خوبصورت بنا دیا کہ وہ حسن وعمدگی میں اپنی اصل سے بھی بڑھ گیا۔ نیز اسے قرآن کی تحریر اور سرکاری کاموں کے لیے بھی منظور کر لیا گیا۔ اس کے بعد علی بن ہلال (المتوفی ۴۱۳ھ) آئے اور انہوں نے اس خط کے حسن میں اور بھی اضافہ کیا۔ یہاں تک کہ یہ خط نسخ خط کوفی کا قائم مقام بن گیا۔ بعد ازاں خط نسخ میں کچھ اور تحریری طریقے نکلے مثلاً ''طومارا'' جس میں قلم کے قط کا عرض خچر کے بیس بالوں کی موٹائی کے برابر تھا۔ دوسرے ''ثلثین'' جس کا عرض دو ملی میٹر تھا اور ''نصف'' جس میں قلم کا عرض ڈیڑھ ملی میٹر ہوتا تھا اور ''ثلث'' جس کی چوڑائی ایک ملی میٹر ہوتی ہے۔ پھر بتدریج قلم باریک تر ہوتا گیا چنانچہ ''خفیف الثلث، لولو، توقیع، رقاع، محقق، غبار'' ایجاد ہوئے۔ مؤخر الذکر باریک تر ہے اور اسی سے پیغام لے کر جانے والے کبوتروں وغیرہ کے پیغام لکھے جاتے تھے۔ بعد ازاں عربی ارتقائی انداز میں مختلف ادوار سے گزرتا رہا اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ چنانچہ بہت سی اسلام لانے والی قوموں نے اپنی زبانوں اسی رسم الخط میں لکھنا شروع کر دیا۔ مثلاً ترکی، فارسی، اردو، افغانی اور افریقہ کی متفرق زبانیں۔

تیسرا باب

عباسی دور خلافت

اس دور کی بلندی شان، اس کا اثر اور امتیازی خصوصیات:

عباسی دور حکومت اسلام کا وہ زریں عہد ہے جس میں مسلمان تہذیب وتمدن، حکومت وسلطنت کے اس عروج پر پہنچے کہ جہاں تک اس سے پہلے اور بعد میں نہ پہنچ سکے۔ اس عہد میں اسلامی فنون نے خوب ترقی کی۔ عربی ادب نے خوب نشوونما پائی۔ دوسری قوموں کے علوم وفنون کو عربی زبان میں منتقل کیا گیا۔ عقل عربی اچھی طرح پک کر تیار ہوگئی جس کے نتیجے میں اس نے بحث وتمحیص اور غور وفکر کی راہ پائی۔ اس دور حکومت کے فرمانروا حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں۔ جنہوں نے اہل فارس کی مدد سے اموی خلفاء سے حکومت کو چھینا اور پایۂ تخت عراق کو بنا لیا۔ جہاں پانچ صدیوں سے کچھ زائد میں ۳۷ سینتیس خلفاء تخت نشین ہوئے یہاں تک کہ ۶۵۶ھ میں ہلاکو خان نے اس حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ حکومت کے زوال کے ساتھ ساتھ عربی تمدن کا پارہ بھی نیچے اترتا گیا تا آنکہ حکومت کے خاتمہ پر عربی ادب کا عروج بھی ختم ہوگیا۔

یہ حکومت اموی حکومت سے ان سیاسی اور تمدنی احوال کے اعتبار سے مختلف تھی جن کا کسی زبان کے ادب پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ اموی حکومت خالص عربی سلطنت تھی۔ یہ حکومت اہل عرب، ان کی زبان اور تہذیب وتمدن کے لیے عصبیت کی شان لیے ہوئے تھی۔ اپنا دار الحکومت دمشق کو بنایا تھا جو اہل عرب کے دیہاتوں کی حدود پر واقع تھا۔ اس حکومت کی فوج، سپہ سالار، سرکاری کلرک اور تمام ارکان دولت عرب تھے۔ جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ زبان کے ادب میں کوئی تاثیر پیدا نہ ہوئی سوائے اس اثر کے جس کا تقاضا شہری تمدن اور وسیع آبادی کرتی ہے۔

لیکن عباسی حکومت فارسی رنگ میں رنگی ہوئی تھی اس لیے کہ یہ اہل فارس ہی تھے جو عباسی حکومت کو وجود میں لائے تھے اور اس کی مدد کی تھی۔ چنانچہ عباسی حکومت نے اپنا دار الخلافہ بغداد کو بنایا جو اہل فارس کے شہروں سے قریب تر تھا۔ اور خلفاء نے حلیفوں کو حکومتی سیاست میں کھلی چھٹی دے رکھی تھی جس کے باعث یہ (حلفاء) حکومت کے اہم معاملات اور امور کو خودمختاری سے چلانے لگے۔ عربوں کو حقارت اور توہین آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگے جس کی وجہ سے عربی عصبیت کمزور پڑ گئی اور قومیت کا بول بالا ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی، ترکی، سریانی، رومی اور بربری عناصر حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے میں شریک ہوئے اور ان کے درمیان شادی بیاہ کے ذریعے سے میل جول پیدا ہوا۔ آریائی تمدن، سامی تمدن سے ملا اور اس طرح ان دونوں تہذیبوں میں سے ہر ایک کی زبان، اخلاق، عادات اور اعتقادات نے دوسرے میں اثر کیا۔

اور آپ کے غور کرنے کے لیے وہ امور جو بالخصوص اس عہد حکومت میں پیدا ہوئے، کافی ہیں یعنی مذہبی آزادی، بے دینی اور سیاست میں کئی گروہوں کا بن جانا اور متفرق خیالات ونظریات کا پھیل جانا، لونڈیوں اور غلاموں کی کثرت، بے حیائی اور نفسانی

خواہشات کے اتباع کا عام ہونا، کھانے پینے اور پہننے میں نفاست پسندی، عمارتوں اور گھریلو ساز و سامان میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنا۔ اسی طرح ہر وہ چیز جس کا کسی زبان اور اس کے ادب پر خاص اثر پڑتا ہے اس کو اجمالی طور پر ہم آنے والی سطور میں بیان کریں گے۔

فصل اوّل

زبان اور فتوحات، سیاست اور شہریت کا اس پر اثر

بنو امیہ کی حکومت کے اواخر میں عرب قدیم دنیا کا بیشتر حصہ فتح کر چکے تھے۔ ان کی حکومت مشرق میں ہندوستان اور چین تک پھیل گئی اور مغرب میں پیرانس کے پہاڑوں تک اور ان علاقوں میں بسنے والے قبائل پر ان کا تسلط قائم ہو گیا۔ اور ان (عربوں) کا دین ان کے دلوں پر غالب آ گیا اور ان کی زبان عربی ان کی زبانوں پر فائق ہو گئی۔ چنانچہ مختلف قومیں عربوں میں شامل ہونے لگیں اور متفرق عناصر میں امتزاج پیدا ہونے لگا۔ اور فاتح کی قربت حاصل کرنے کے لیے اور حصول رزق کی خاطر اور دین میں سمجھ بوجھ پیدا کرنے کے لیے انہوں نے جلد از جلد عربی زبان سیکھی اور اس کو بولنا شروع کیا۔ جس کی وجہ سے غلطیاں زیادہ ہونے لگیں اور یہ بیماری جو کہ شہروں تک محدود تھی دیہی علاقوں میں بھی پھیل گئی اور عجمیت کا مرض عامۃ الناس اور کاریگر طبقہ میں بڑھتا رہا باوجود اس کے کہ ماہرین لغت اور حکمران لسانی علوم کو مدون کر کے اس وباء کا مقابلہ کرتے رہے، اس عامی زبان اور اس کو بولنے والوں کی قباحت بیان کرتے رہے۔ آخر کار ہر خطے میں ایک عامی زبان وجود میں آئی جو عربی اور اس خطے کی مقامی زبان سے مرکب تھی۔

عربی زبان کا دائرہ وسیع ہوا، ان علمی اصطلاحات اور الفاظ کی وجہ سے جن کا تعلق انتظامی، سیاسی، اقتصادی اور خانگی امور سے تھا جس وسعت کا سبب ایک مہذب حکومت اور علوم کو فارسی، ہندی اور یونانی زبان سے عربی میں منتقل کرنا تھا۔ اور ''دار الحکمت'' جس کی بنیاد مامون نے رکھی تھی، کتب مترجمہ کی تہذیب اور عربی میں منتقل شدہ الفاظ کی تشریح میں خاص فضیلت کا حامل تھا۔ پھر الفاظ میں نزاکت پیدا ہوئی اس وجہ سے کہ لوگوں میں تہذیب و تمدن کا انہماک پیدا ہوا، خوشحالی کی طرف مائل ہوئے، عجم نے آسان الفاظ اور واضح اسلوب کو اختیار کیا کیونکہ انہوں نے زبان کو درس و تدریس اور مستقل محنت سے سیکھا تھا نہ کہ طبعاً ماں کی گود میں۔

عربی زبان نے فارسی سے الفاظ کے علاوہ بہت سے اسالیب کلام بھی اپنے اندر سمو لیے جیسے مخاطب کو بڑے بڑے القاب کہنا، مخاطب سے حیاء اور ادب سے گفتگو کرنا، کسی شے کو حضرت، جناب اور مجلس کی طرف منسوب کرنا اور خلفاء، وزراء، علماء اور اونچے درجے کے لوگوں کے لیے القاب اور آداب گھڑنا مثلاً سفاح (بہت زیادہ عطا کرنے والا)، منصور، رشید، ذوی الریاستین، رکن الدولۃ وغیرہ اور عہد ناموں اور خطوط میں لمبی بات لکھنا اور ایک معنی کثیر الفاظ اور مترادف جملوں سے ادا کرنا علاوہ ازیں اور بہت کچھ جس نے ایک اعتبار سے تو عربی زبان کو زینت بخشی اور ایک اعتبار سے اس کو عیب دار بنایا۔

لغت عرب وسعت پکڑتی گئی اور پھلتی پھولتی رہی جیسے جیسے مملکت کا دائرہ وسیع ہوتا رہا اور علم کی قدر کی جانے لگی اور تہذیب و تمدن میں ترقی ہوتی رہی۔ یہ زبان دین کے سایے میں، خلافت اور عرب حکومت کے تحت نشو و نما پاتی رہی تا آنکہ متوکل علی اللہ ۲۳۲ھ

کا زمانہ آپہنچا جب ترک، جن کو معتصم ترکستان سے لایا تھا، زور پکڑنے لگے۔ ان ترکوں نے عربوں پر غلبہ حاصل کرنا شروع کر دیا اور اہل فارس پر چڑھائی کرنے لگے اور حکومت کو چھیننے کی فکر میں رہنے لگے۔ مامون کے غلبہ کے بعد حکومت حلیفوں کے ہاتھ لگ چکی تھی جو کہ شیعہ تھے۔ متوکل نے آکر ترکوں کی مدد کی اور سنت کے احیاء کی کوشش کی۔ چنانچہ دونوں قوتوں میں باہم جنگ ہوئی اور دونوں مذہب ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک نے عربوں کو دبانے اور خلفاء کو ختم کرنے میں کامیابی حاصل کرنا چاہی نتیجتاً خلافت کا رعب و دبدبہ دلوں سے نکل گیا اور اس کی ہیبت قلوب سے زائل ہوگئی۔ اطراف کے لوگوں میں خودمختاری کا جذبہ ابھرنے لگا۔ بنو بویہ اٹھے اور ۳۳۴ھ میں بغداد میں حکومت کا نظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ان کا اثر و رسوخ مشرق میں موجود بیشتر اسلامی ممالک میں بڑھتا گیا چنانچہ عربوں اور عربی زبان کا زور مشرق میں سمٹتا گیا۔

ایران کے قدیم بادشاہوں (اکاسرۃ جمع کسریٰ) اور زمینداروں کے بیٹے بیدار ہوئے اور انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی کھوئی ہوئی عزت و عظمت کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش شروع کی۔ اور عربی زبان کو اور اس کے اثرات کو اپنے ملکوں سے دھکیلنا شروع کیا۔ انہوں نے اپنے شعراء مثل دقیقی اور فردوسی سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کے اسلاف کے کارناموں کو اپنی نظموں اور قومی ترانوں میں بیان کریں۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ ان کی یہ کوشش بہت جلد کامیابی سے ہمکنار ہوئی جس کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ متنبی جو کہ چوتھی صدی ہجری کا شاعر ہے جب ایرانی شہر شعب بوان گیا تو اس نے یہ شعر کہے:

معاني الشعب طيباً في المعاني　　بمنزلة الربيع من الزمان

شعب کے حسن کے پہلو ایسے خوبصورت اور عمدہ ہیں دوسرے محاسن میں جیسا کہ موسم بہار کو تمام زمانوں پر فضیلت حاصل ہے۔

ولكن الفتى العربي فيها　　غريبُ الوجه واليد واللسان

لیکن عربی نوجوان اس علاقے میں اپنی صورت کے اعتبار سے بھی اجنبی ہے، قوت و شوکت کے لحاظ سے بھی اور اپنی زبان کے لحاظ سے بھی پردیسی ہے۔

ملاعب جنة لوسار فيها　　سليمان لسار بترجمان

جنات پر حکومت کرنے والے حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اگر اس علاقے میں سفر کریں تو انہیں اپنے ساتھ ترجمان رکھنا پڑے۔

پھر اس کے بعد ترکوں اور کردوں نے بھی اہل فارس کی پیروی کی لیکن عربی زبان قرآن مجید کی پناہ گاہ میں محفوظ رہی اور فارسیت اور ترکیت کے سیل رواں سے مقابلہ کرتی رہی حالانکہ عربوں میں بھی عربی زبان کے حامی شاذ و نادر رہ گئے تھے یہاں تک کہ تاتاریوں نے بغداد پر قبضہ کر لیا تو یہ زبان بھی مغلوب ہوگئی اور ان علاقوں میں ایسے شاندار قوانین، علوم اور آداب چھوڑنے کے بعد کہ جن کو زمانے مٹا نہ سکے، بالآخر قدرت کے زبردست قانون کے آگے سرنگوں ہوگئی۔

فصل ثانی

نثر کلام

انشاء پردازی (نثریہ کلام) مظہر عقل ہے اور مافی الضمیر کا آئینہ دار ہے۔ یہ ان تمدنی عوامل، علمی نچوڑ اور شہر سے باہر کے مقامات سے اثر لیتی ہے جو انسانی احساسات اور شعور تک جا پہنچتے ہیں۔

اور اس عباسی انقلاب کا عقول اور توجہات میں ایسا عظیم اثر ہوا جو انشاء پردازوں کے قلموں اور ان کی زبانوں پر ظاہر ہوا۔ چنانچہ انہوں نے بہترین معانی کا استنباط کیا اور ایسے عمدہ الفاظ کو اختیار کیا جو نہ تو غیر مانوس تھے اور نہ ہی بالکل بازاری اور عامی۔ انہوں نے کلام کو نئے نئے اندازوں سے لانے کا دروازہ کھولا۔ اور کلام کو خوبصورت اور ترتیب وار لکھنے کا اہتمام کیا۔

اور جب آبادی میں وسعت پیدا ہوئی اور خراج خوب وصول ہونے لگا اور حکومت کا دائرہ وسیع ہو گیا تو انشاء پردازی فقط دفتری کام کاج اور رسائل و خطوط کی حد تک محدود نہ رہی جیسا کہ بنو امیہ کے دور میں تھا بلکہ چند دوسرے اغراض کی خاطر بھی اس پر جان لگائی گئی۔ جیسے تصنیف و ترجمہ، مقالات و مقامات، عہد نامے، کسی کی تعریف، مناظرۃ، ہدیہ دینے اور لینے کے لیے خطوط لکھنا، ملاقات سے پہلے تعارف، شکریہ ادا کرنا، کسی پر عتاب، تعزیت، مبارکباد، رحم طلب کرنا، اور اس کے علاوہ دوسرے امور جو شہری زندگی میں پائے جاتے ہیں جن میں سے اکثر اس دور سے پہلے معہود نہیں تھے۔

اور انشاپردازی نے خطابت کی جگہ لے لی خواہشات کا قلع قمع کرنے میں اور دشمنوں کی مدافعت، فتنوں کو دبانے اور تالیف قلب کے لیے، پھر مختلف سرکاری امور کی وجہ سے محرروں کی بھی کئی اقسام ہو گئیں۔ کچھ محرر وہ تھے جو محصول و خرچ کا حساب لکھنے والے تھے، کچھ مظالم اور قضاء کے شعبوں میں قلم کار تھے، بعض فوج اور پولیس کے محکمہ میں کام کرنے والے تھے، کچھ زمینوں اور جاگیروں کا انتظام سنبھالنے والے تھے، بعض خطوط لکھنے والے تھے۔ اور یہی (مؤخر الذکر) وہ لوگ ہیں جو بلاغت کے ستون ہیں اور علم بیان میں استاذ کی حیثیت رکھتے ہیں، عربی ادب انہی کے گرد گھومتا ہے اس لیے کہ ان کے علاوہ بقیہ لوگوں کا نثریہ کلام کسی فن میں معتبر نہیں ہے اور نہ ہی کسی ذوق کا نگہبان ہے۔

عصر عباسی کے ابتدائی دور میں تصنیف و تالیف عبدالحمید ہی کے اسلوب پر چلتی رہی۔ جس میں اختصار کا لحاظ رکھا جاتا تھا اور غلو اور عبارت کو خوبصورت بنانے میں میانہ روی اختیار کی جا رہی تھی۔ خاص کر رسائل و خطوط اور ان مختصر تحریرات میں جو درخواستوں اور دستاویزات کے نیچے لکھی جاتی تھیں۔ کیونکہ یہی اشیاء خلفاء اور وزراء کے سامنے زیادہ تر آتی تھیں۔ انہی کے پاس سے صادر ہوتیں اور انہی کے پاس واپس جاتیں۔ اور جعفر بن یحییٰ اسی اختصار کو ترجیح دینے کے بارے میں کہا کرتے تھے:

"اگر تم لوگ اپنی تمام کتابوں کو توقیعات بنا سکو تو بہت اچھا ہو"۔

پھر جب عرب خوشحالی اور عیش پسندی کے مشتاق ہوئے اور اہل فارس سے ان کا اختلاط بڑھا تو انہوں نے تحریر کو خوبصورت بنانا شروع کیا اور طول دینا شروع کیا۔ اس فن میں زمانے کے ساتھ ساتھ بڑھتے رہے حتیٰ کہ پہلوں کے طریقوں کو چھوڑ دیا۔ اور ایک

ہی معنی کو ادا کرنے کے لیے کئی کئی جملے لانے لگے۔ اور ان کی رائے میں یہ تکرار معنی کو جلدی سمجھانے والا ہے۔ ان لوگوں نے ابتدائے اسلام اور اس کے بعد والے زمانے میں موجود ایجاز واختصار پر تنقید کی جیسا کہ یزید نے مروان سے کہا جب اس نے یزید کی بیعت میں توقف کیا کہ

''میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ ایک قدم آگے بڑھاتے ہو اور ایک پیچھے رکھتے ہو پس جس پر چاہو پختہ ہو جاؤ''۔

چنانچہ ابن قتیبہ نے ادب الکاتب میں لکھا ہے کہ

''اگر یہی بات آج کل کہی جائے تو مطلوبہ تاثیر پیدا نہ ہوگی۔ آج کل درست یہ ہے کہ بات کو لمبا کیا جائے اور کلام میں تکرار ہو اور دھرایا جائے، از سرنو شروع کیا جائے اور ڈرایا دھمکایا جائے''۔

پھر یہ عرب، کلام کو موزوں اور مقفیٰ لانے کی طرف مائل ہوئے اور اشعار اور امثال کو کلام میں شامل کرنے لگے۔ اور یہ بات طبعاً ان کے اندر پیدا ہو رہی تھی اس لیے کہ اس طرز میں معنی میں حسن تصرف کے ساتھ ساتھ الفاظ میں تکلف بھی کم تھا۔

پھر جب خلافت میں ضعف پیدا ہوا، اور حکومت نا اہلوں کے ہاتھ آ گئی تو یہی کمزوری انشاء پردازی میں بھی سرایت کر گئی۔ انشاء پرداز اس کی غرض سے ناواقف ہو گئے۔ اور یہ لوگ علم بدیع کی مختلف اقسام کے ساتھ کلام کو خوشنما اور الفاظ کو حسین لانے کی طرف مائل ہوئے۔ اور اس میں ایسا غلو کیا کہ ان کے الفاظ میں گو فیاضی آ گئی لیکن معانی میں خرابی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ یہ الفاظ ظاہر میں تو ملمع شدہ اور باطن میں بدصورت ہو گئے۔ جیسے لکڑی کی بنی ہوئی تلوار سونے کی نیام میں ہو۔ اور کاش کہ یہ لوگ اس طرز تحریر کو خطوط اور عہد ناموں تک محدود رکھتے لیکن ہوا یوں کہ انہوں نے یہی اسلوب کتابوں کی تصنیف اور علوم کی تدوین میں استعمال کیا جیسا کہ ''تاریخ العتبی'' اور ''فتح القدسی'' میں۔ اس زمانے کے انشاء پرداز چار طبقات میں منقسم ہیں جن میں سے ہر طبقے نے ان چار زمانوں میں سے ایک زمانے میں کمال حاصل کیا۔

طبقہ اولیٰ: ان کا امام ابن المقفع ہے، اور اس کا طریقہ انشاء نئے نئے انداز سے عبارت کو لانا، چھوٹے چھوٹے جملے لانا، کلمات کے درمیان مطابقت، سہل الفاظ لانا، معنیٰ کا زیادہ اہتمام کرنا اور سجع کی پروانہ کرنا ہے۔ ابن المقفع نے بلاغت کی تعریف کرتے ہوئے یوں کہا ہے کہ

''بلاغت یہ ہے کہ جب جاہل اس کو سنے تو اس کو خیال ہونے لگے کہ وہ اس جیسا کلام لا سکتا ہے''۔

کسی انشاء پرداز سے کہا کہ

''بلاغت کو حاصل کرنے کی طمع میں غیر مانوس اور اجنبی کلام لانے سے بچو، کیونکہ یہی سب سے بڑی خرابی ہے''۔

اور ایک سے کہا کہ

''ادنیٰ درجہ کے کلام سے بچتے ہوئے سہل اور آسان الفاظ کو لازم پکڑو''۔

اس طبقہ کے انشاء پردازوں میں یعقوب بن داؤد، جعفر بن یحییٰ، حسن بن سہل، عمرو بن مسعدۃ، سہل بن ہارون، حسن بن وہب شامل ہیں۔

طبقه ثانیه: ان کا رئیس جاحظ ہے۔ اس کا طرز تحریر پہلے طبقے کے مشابہ ہے۔ فرق یہ ہے کہ جاحظ ایک جملے کو کئی فقروں میں توڑ توڑ کر لاتا ہے جو مقفیٰ بھی ہوتے ہیں اور غیر مقفیٰ بھی۔ اور الفاظ اور جملوں کو طویل کرنا، بات سے بات نکالتے چلے جانا، قاری کی اکتاہٹ دور کرنے کے لیے سنجیدہ کلام میں مزاحیہ باتیں لانا، ایک مضمون کو اچھی طرح حل کرنا اور کھول کر بیان کرنا، عقلیات اور منطق سے استدلال، اور بیچ کلام میں دعائیہ جملے لانا۔ اس طبقے والوں میں ابن قتیبہ، مبرد اور صولی شامل ہیں۔

طبقه ثالثه: ان کا امام ابن العمید ہے۔ اس کا طرز انشاء انتہائی دل پذیر اور وجدان پر غالب آ جانے والا ہے۔ کیونکہ اس کا طریقہ شعر کے مشابہ ہے سوائے اس کے کہ وزن کمیاب ہے۔ اور یہ انگریزوں کے ہاں رائج اتباعی (مقبول عام) طریقے کے زیادہ مشابہ ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرز تحریر میں ایسی قیودات ہوتی ہیں جن کی رعایت نہایت ضروری ہے اور تمام اسالیب پر یہ اسلوب غالب ہے۔ چنانچہ اس طرز انشاء کی پابندیوں میں سے چھوٹی چھوٹی قافیہ بندی، ایک ہی جنس کے الفاظ لانا، تاریخ اور دیگر علوم کے نکات کو ضمن میں لانا، نثر کی سلوٹوں میں نظم سے استشہاد، خیال اور تشبیہ میں وسعت اختیار کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ عمدہ اور درست معانی۔ اس طبقہ کے رجال میں صاحب بن عباد، وزیر مہلبی، خوارزمی، بدیع، صابی، ثعالبی شامل ہیں۔ اور اس طبقہ کے ورثہ میں سے مقامات ہیں۔

طبقه رابعه: ان کے سردار قاضی فاضلی ہیں۔ اور ان کا طرز قافیہ اور بداعت کے اہتمام میں طبقہ ثالثہ پر مبنی ہے سوائے اس کے کہ یہ توریہ اور مشابہ الفاظ لانے میں غلو کرتے ہیں حتیٰ کہ ان کے عہد میں انشاء پردازی کی حیثیت ایک فن کی سی رہ گئی۔ بہت خوبصورت الفاظ لیکن ان کے تحت معانی انتہائی ردی اور بیکار اور حقیر خیال۔ اس دور کے انشاء پردازوں میں ابن الاثیر صاحب المثل السائر اور کاتب اصبہانی داخل ہیں۔

علاوہ ازیں یہ بات ہے کہ انشاء پردازوں کے اس اعتقاد نے کہ نثریہ کلام جو پہلوں سے منقول چلا آ رہا ہے اس کو یاد کرنا، ثقافت کی حفاظت، دوسروں پر تفوق اور برتری کا ذریعہ ہے، اس اعتقاد نے انشاء پردازوں کی قلموں میں اختلاف پیدا کر دیا تھا اور اسالیب میں بھی بعد اور دوری ہو گئی تھی اس وجہ سے ایک ہی زمانے میں کئی قسم کے انداز انشاء پردازی ہو گئے۔ چنانچہ آپ کو جاحظ کے زمانے میں ایسے انشاء پرداز بھی ملیں گے جو ابن المقفع کے مقلد ہیں جیسا کہ ابن عبدربہ اور ابن الحمید کے زمانے میں شریف رضی جیسے بھی ملیں گے جو انشاء پردازی میں امام علی کے پیروکار ہیں۔ لیکن ان تمام کے باوجود ایک ہی زمانے کے انشاء پرداز اپنے زمانے کے سیاسی اور اجتماعی حالات کے سامنے جھکے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی تحریرات میں ایک خاص قسم کی چھاپ ہے جو بقیہ زمانوں سے ان کو جدا کرتی ہے۔

خطابت:

اس زمانے کے اوائل میں خطابت دلوں میں ایک مقام رکھتی تھی اور قلوب پر اس کی حکومت تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ حکومت کو پائیدار بنانے میں اس پر بھروسہ کرتے تھے اور لشکر کو جوش دلانے اور وفود کا استقبال کرنے میں بھی اسی خطابت پر اعتماد تھا۔ اولین خلفاء اور ان کی طرف بلانے والے کارکنوں کے ہاں اس کا ایک بلند مرتبہ تھا اور یہ خطابت عالی ہمتی گردانی جاتی تھی۔ جیسا کہ منصور،

مہدی، رشید، مامون، داؤد بن علی، خالد بن صفوان اور شبیب بن شیبہ۔

پھر جب بنو العباس کی حکومت پائیدار ہوئی اور عجمی لوگ ملکی سیاست اور لشکری قیادت میں شریک ہوئے اور زبان اور نیزوں کے ذریعے سے مقابلہ بازی کم ہوگئی تو خطابت بھی کمزور پڑ گئی بوجہ اس کے کہ اس پر قدرت نہ رہی اور اس کی طلب پیدا کرنے والے اسباب کم ہو گئے۔ اور بڑے بڑے امور طے کرنے اور دلی دشمنیاں ختم کرنے میں مکاتیب اور شاہی فرامین نے خطابت کی جگہ لے لی اور فن خطابت جمعہ، عیدین اور نکاح کے خطبوں تک محدود ہو کر رہ گئی باوجود اس بات کے کہ خلفاء بذات خود خلیفہ راضی کے زمانے تک لوگوں کو خطبہ دیتے رہے اور ان کی امامت کرتے رہے۔ پھر جب بنو بویہ نے ان خلفاء کے ہاتھوں کو باندھ دیا اور ان کو ان کے گھروں میں محصور کر دیا تو انہوں نے خطابت اور امامت کی ذمہ داری قابل علماء کے سپرد کر دی۔ چنانچہ اس دور کے اخیر تک ادیبوں کی ایک جماعت تیار ہوگئی جو اس نوع کی خطابت میں مشہور ہو گئے۔ جیسے خطیب بغدادی اور خطیب تبریزی وغیرہ۔ اور جب مسلمانوں میں طاقت گفتار نہ رہی اور واعظین قوت گویائی سے عاجز آ گئے اور مختلف موضوعات پر خطابت کی ان میں قدرت نہ رہی تو انہوں نے متقدمین خطباء کے خطبوں کو یاد کرنا شروع کر دیا جیسے ابن نباتۃ المصری اور ان خطبوں کے معنی کو سمجھے بغیر اور ان کے مغز تک رسائی کے بغیر منبروں پر ان کو بیان کرنا شروع کر دیا اور کئی صدیوں تک اسی پست حالت پر قائم رہے یہاں تک کہ مصری حکومت کے کارکنوں نے فن خطابت پر توجہ دی اور جامعہ ازہر کے شعبہ وعظ والارشاد نے اس فن کو پروان چڑھایا۔

نثر کے نمونے

توقیعات:

توقیعات وہ مختصر تحریریں ہوتی ہیں جن کو خلیفہ یا امیر یا وزیر یا رئیس وغیرہ ان درخواستوں کے نیچے لکھتے ہیں جو کسی شکایت یا داد و دہش کی طلب پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ان کی نمایاں خصوصیت اختصار، حسن اور زور بیان ہے۔ بعض اوقات یہ توقیع ایک آیت، ضرب المثل یا شعر پر مشتمل ہوتی ہے۔ مثلاً سفاح نے ابو جعفر کے خط پر جو مختصر تحریر لکھی جبکہ ابو جعفر واسط میں ابن ہبیرہ سے برسر پیکار تھا، وہ یہ تھی:

"تیری بردباری نے تیرے علم کو بگاڑ دیا ہے اور تیری سستی تیری فرمانبرداری پر اثر انداز ہو رہی ہے لہٰذا اپنی اور میری بھلائی کے لیے کچھ کر کے دکھاؤ"۔

ابو جعفر منصور نے عبدالحمید خراسان کے والی کے خط پر یہ مضمون لکھا:

"تم نے ہم سے شکایت کی، ہم نے تمہاری شکایت کو دور کر دیا اور تم ہم سے ناراض ہوئے تو ہم نے تمہاری ناراضگی کو دور کیا اور اب تم نے عوام میں سرکشی شروع کر دی لہٰذا سلامتی سے جدائی کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

اور والی مصر کو لکھا جب اس نے دریائے نیل کے پانی کی کمی کا ذکر کیا کہ

"اپنے لشکر کو فساد سے پاک کرو دریائے نیل تمہارا مطیع ہو جائے گا"۔

اور والی ہند کی طرف سے آنے والے خط میں کہ جس میں یہ خبر تھی کہ لشکر نے تباہی مچا ڈالی اور بیت المال کے تالے توڑ دیئے، یہ

مضمون تحریر کیا: ''اگر تم انصاف کرتے تو لشکر فساد نہ مچاتا اور اگر تم پورا پورا حق ادا کرتے تو یہ لوگ لوٹ مار نہ مچاتے''۔
خلیفہ ہارون الرشید نے صاحب خراسان کو لکھا: ''اپنے زخم کا علاج کر و یہ بڑھنے نہ پائے''۔ اور جعفر بن یحییٰ پر پڑنے والی مصیبت کے بارے میں لکھا کہ: ''وفاداری نے اس کو اگایا اور نافرمانی نے اس کو کاٹ دیا''۔ مامون نے رستمی کو جو مختصر تحریر لکھی جب ایک شخص نے اس سے ظلم کی شکایت کی، وہ یہ ہے: ''مردانگی یہ نہیں ہے کہ تمہارے برتن سونے چاندی کے ہوں اس حال میں کہ تمہارا قرض خواہ خالی جیب ہو اور پڑوسی بھوکا ہو''۔ اور اپنے بھائی ابوعیسیٰ کو، جب کسی نے اس کے ظلم کی شکایت کی یہ آیت لکھی:

﴿ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَآ أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَآءَلُونَ ﴾ [المؤمنون : ۱۰۱]

''پھر جب صور پھونکا جائے گا تو ان کے درمیان موجود انساب ان کے کام نہ آئیں گے اور نہ ہی ایک دوسرے سے سوال کر سکیں گے''۔

اور ابراہیم بن مہدی نے مامون کو لکھا:

''اگر آپ معاف فرمادیں تو آپ کا فضل ہے اور اگر آپ گرفت فرمائیں تو آپ کے عدل کا مقتضیٰ ہے''۔

مامون نے اس کے جواب میں یہ مضمون اس کے خط پر لکھا:

''قدرت واختیار غضب کو دور کر دیتا ہے اور ندامت توبہ کا جزء ہے اور ان دونوں کے درمیان اللہ کا عفو و درگزر ہے''۔

ایک خدمت گار نے جب پہننے کے کپڑے مانگے تو اس کی درخواست پر لکھا:

''اگر تو کپڑے چاہتا تو خدمت کو لازم پکڑتا لیکن تو نے تو آرام کرنے اور سونے کو ترجیح دی لہٰذا تیرے نصیب میں خواب ہی ہے''۔

اور جعفر بن یحییٰ نے ایک قیدی کے واقعے میں لکھا: ''عدل نے اس کو قید میں ڈالا تھا اور توبہ اس کو رہا کر رہی ہے''۔
اور اس آدمی کے خط پر جس نے جعفر بن یحییٰ کے کسی گورنر کی شکایت کی تھی (اس عامل کے لیے) یہ لکھا:

''تیری شکایت کرنے والے بہت ہو گئے اور شکر گزار کم رہ گئے لہٰذا یا تو اعتدال پر آجاؤ یا اس منصب کو چھوڑ دو''۔

اور اس شخص کے قصے میں جس نے اس سے مالی امداد مانگی تھی اور کئی بار اسے دیا جا چکا تھا یہ لکھا:

''تھنوں کو چھوڑ دے تاکہ ان سے تیرے علاوہ کسی اور کے لیے بھی دودھ نکلے جیسا کہ تیرے لیے ان میں سے دودھ نکلا''۔

تقریریں:

منصور نے ابومسلم کے قتل کے بعد اپنے خطبے میں کہا:

''اے لوگو! طاعت کے انس کو چھوڑ کر نافرمانی کی وحشت کو اختیار مت کرو اور امراء کی خیانت اور ان سے فریب اپنے دل میں چھپا کر مت رکھو کیونکہ کبھی کسی نے کوئی خیانت اپنے دل میں پوشیدہ نہیں رکھی مگر وہ اس کے ہاتھوں سے اور زبان کی لغزشوں سے ظاہر ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کرنے اور اعلاء حق کے لیے وہ خیانت اس شخص کے امیر پر ظاہر کر دی۔ ہم ہرگز تمہارے حقوق میں کمی نہ کریں گے اور نہ ہی دین کے حق میں کوئی کوتاہی

کریں گے۔ بلاشبہ جو شخص اس قمیص (یعنی خلافت) کے گریبان کے بارے میں ہم سے مقابلہ کرے گا، اس نیام میں مستور شے سے ہم اس کو کاٹ ڈالیں گے۔ ابو مسلم نے ہم سے بیعت کی اور لوگوں سے ہمارے لیے اس بات پر بیعت لی کہ جس شخص نے اس بیعت کو توڑا اس نے اپنا خون مباح کر دیا پھر اسی نے ہم سے عہد شکنی کی لہٰذا ہم نے اس پر وہی حکم نافذ کیا جو اس نے دوسروں پر نافذ کیا تھا۔ اور ہمیں اس کے حق کی رعایت اس پر حق کے قائم کرنے سے نہ روک سکی"۔

اور عبدالملک بن صالح ہاشمی نے قید سے رہائی کے بعد کے خطبے میں جس میں اس نے رشید کے اپنے اوپر مظالم کا ذکر کیا، یہ کہا:

"خدا کی قسم! حکومت ایسی چیز ہے کہ جس کی نہ میں نے کبھی نیت کی اور نہ ہی کبھی اس کی تمنا کی، نہ ہی میں نے اس کو مقصود بنایا اور نہ ہی اسے چاہا اور اگر میں اس کا ارادہ کرتا تو یہ حکومت نیچے کی طرف بہنے والے پانی سے زیادہ تیزی سے میری طرف آتی اور آگ کے عرفج کی خشک لکڑی کی طرف بڑھنے سے زیادہ تیز میری طرف لپکتی۔ درحقیقت مجھے ایسے جرم میں پکڑا گیا جو میں نے نہیں کیا تھا۔ اور ان چیزوں کے بارے میں مجھ سے باز پرس ہوئی جن کو میں جانتا بھی نہ تھا۔ لیکن واللہ جب اس (رشید) نے مجھے حکومت کے زیادہ لائق دیکھا اور خلافت کے لیے خطرہ سمجھا اور یہ دیکھا کہ میرے پاس ایسا ہاتھ ہے جسے اگر بڑھایا جائے تو خلافت کو پالے اور اگر پھیلایا جائے تو حکومت وسلطنت تک پہنچ جائے اور میری شخصیت کو ایسا پایا جو کامل طور پر خلافت کی خصلتیں اپنے اندر رکھتی ہے اور اپنی عادات کی وجہ سے خلافت کی مستحق ہے۔ اگرچہ میں نے ان خصائل وعادات کو اپنے لیے منتخب اور اختیار نہیں کیا (بلکہ یہ فطرۃً مجھ میں موجود ہیں) نہ کبھی خفیہ طور پر اس کی جستجو کی اور نہ ہی علانیہ اس کی طرف اشارہ کیا اور رشید نے دیکھا کہ یہ خلافت میری ایسی مشتاق ہے جیسا کہ ماں اپنے بچے کی مشتاق ہوا کرتی ہے۔ اور میری طرف یوں مائل ہے جیسا کہ ایک مطیع فرمانبردار بیوی اپنے شوہر کی طرف مائل ہوتی ہے اور اسے یہ خوف ہوا کہ کہیں یہ خلافت پوری طرح میری مشتاق اور گرویدہ نہ ہو جائے تو اس نے مجھے ایسے شخص کی طرح سزا دی جو خلافت کی طلب میں راتوں جاگا ہو اور اس کی کوشش میں تھکا دینے والی محنت کی ہو اور تنہا اس کی کوشش میں لگا رہا ہو اور اپنی پوری قوت اس مقصد کے لیے صرف کی ہو۔ اب اگر اس نے مجھے اس بنا پر قید کیا تھا کہ میں حکومت کی صلاحیت رکھتا ہوں اور یہ میرے لیے موزوں ہے اور میں اس کے لائق ہوں اور یہ میرے لائق ہے تو یہ کوئی گناہ نہیں ہے کہ جس سے میں توبہ کروں اور نہ ہی میں نے یہ کوئی جرم کیا ہے کہ جس سے اب پیچھے ہٹوں۔ اور اس کا یہ خیال ہے کہ اس کی سزا کو کوئی ہٹا نہیں سکتا اور اس کے عذاب سے چھٹکارا نہیں ہے یہاں تک کہ میں اس کی خاطر اپنی دانائی اور علم، دور اندیشی اور عزم وہمت کو چھوڑ دوں تو جیسا کہ کسی شے کو ضائع کرنے والا شخص اس کا محافظ کسی صورت نہیں ہو سکتا اسی طرح ایک عالم وعاقل بھی جاہل نہیں بن سکتا۔ اور اس کے لیے برابر ہے کہ میری عقل ودانش کی وجہ سے مجھے سزا دی ہے یا اس وجہ سے کہ لوگ میری بات مانتے ہیں۔ اور اگر میں حکومت حاصل کرنا چاہتا تو اس کے غور وفکر کرنے سے پہلے ہی حاصل کر چکتا

اور تدبیر سے اس کو غافل کر دیتا اور اس صورت میں بہت کم محنت کرنی پڑتی اور تھوڑی مشقت کا سامنا کرنا پڑتا''۔

داؤد بن علی نے ابوالعباس کی بیعت کے دن کوفہ کے منبر پر یہ خطبہ کہا:

''اللہ کا انتہائی شکر ہے! واللہ ہم اس لیے نہیں نکلے کہ تمہارے ہاں نہریں کھودیں اور نہ ہی اس لیے کہ تمہارے علاقوں میں محل تعمیر کریں۔ کیا اللہ کا دشمن یہ سمجھتا ہے کہ ہم اس پر قابو نہیں پا سکیں گے اس وجہ سے کہ اس کی لگام کو ڈھیلا چھوڑ دیا گیا حتیٰ کہ وہ اپنی ہی زائد لگام میں الجھ کر گر پڑا۔ اور اب جبکہ کمان کو اس کا مالک لے چکا ہے اور یہ تیر اندازوں کے پاس پہنچ چکی ہے اور حکومت پرانے دستور کے موافق نبوت اور رحمت کے گھرانے میں واپس آ گئی ہے تو عرب و عجم مامون ہو گئے ہیں۔ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے اور اس کے رسول ﷺ کا ذمہ ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ذمہ ہے۔ اس گھر کے رب کی قسم! (اور اپنے ہاتھ سے بیت اللہ کی طرف اشارہ کیا) ہم تم میں سے کسی کو پریشان نہیں کریں گے''۔

شبیب بن شیبہ نے مہدی کی بیٹی کی وفات کے دن تعزیت کرتے ہوئے خطبہ میں یہ کہا:

''اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ آپ کو اس صدمے پر اجر عطا فرمائے اور آپ کو صبر نصیب فرمائے اور اللہ پاک آپ کی مصیبت کا ناقابل برداشت بوجھ اپنی ناراضگی کے ساتھ آپ پر نہ ڈالے اور نہ ہی اپنی کسی نعمت کو آپ سے چھینے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جانے والا اجر و ثواب آپ کے لیے آپ کی بیٹی سے بہتر ہے اور آپ کی مرحومہ بیٹی کے لیے اللہ کی رحمت، آپ سے بہتر ہے اور سب سے زیادہ صبر کے لائق وہ چیز ہے جس کو لوٹانے کا کوئی راستہ نہ ہو''۔

خطوط:

احمد بن یوسف نے ابراہیم بن مہدی کو اس ہدیے کے بارے میں جس کو انہوں نے حقیر سمجھا، لکھا:

''مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ نے میرے بھیجے گئے تحفے کو حقیر جانا (یعنی تھوڑا خیال کیا) ہمارے اور آپ کے درمیان جو انس و محبت ہے اس نے ہمارے لیے آسان کر دیا کہ ہم آپ کے ساتھ حسن سلوک میں اتنی دریا دلی نہ دکھائیں لہٰذا ہم نے بے تکلف دوست کی حیثیت سے اس شخص کو ہدیہ بھیجا جو صرف مفاد کو پیش نظر نہیں رکھتا''۔

اور ان کی صحت یابی پر مبارک باد دیتے ہوئے لکھا:

''اللہ تعالیٰ نے بیماری کے درد و غم کو آپ سے دور کر دیا اور اس مرض کا اجر و ثواب خوب عطا کیا اور اس بیماری کے شروع میں آپ کے دشمنوں کو ہونے والی خوشی سے کہیں زیادہ ذلت و ناپسندیدگی اس بیماری کے اختتام پر پہنچائی''۔

اور محمد بن عبدالملک نے خلیفہ کی طرف سے ایک گورنر کو لکھا:

''حمد و صلوٰۃ کے بعد! امیر المومنین تک جو خبر پہنچی ہے وہ انہیں پسند نہیں آئی۔ تم دو خصلتوں میں سے ایک سے خالی نہیں جن میں سے کسی میں بھی تمہارے پاس ایسا عذر نہیں ہے جو رعایت کا موجب ہو اور نہ ہی تم سے ملامت کو دور کرتا ہے۔ یا تو تمہاری عملی کوتاہی ہے کہ جس نے تمہاری ہوشیاری اور دور اندیشی میں فساد پیدا کر دیا ہے اور اپنی ذمہ داری میں کوتاہی کرنے لگے ہو یا تم نے اہل فساد کی مدد کی ہے اور مشکوک لوگوں سے رعایت برتی ہے۔ اور ان میں

سے جو بات بھی ہے وہ تمہارے ساتھ سخت روی سے پیش آنے اور تمہیں سزا دینے کا تقاضا کرتی ہے اگر امیر المومنین کا معاملہ تمہارے ساتھ تحمل، مہلت دینے اور قانونی گرفت سے قبل عفو اور تنبیہ کا نہ ہوتا۔ بہر حال جتنی بڑی لغزش تمہاری معاف کی گئی ہے، اس اعتبار سے تمہیں اپنی کوتاہی کی تلافی میں خوب کوشش کرنی چاہیے۔ والسلام"

ابوالفضل ابن الحمید نے ابوعبداللہ طبری کی طرف لکھا:

"میں آپ کو ایسی حالت میں خط لکھ رہا ہوں کہ اگر آپ کی ملاقات کا شوق اس کو مکدر نہ کرتا اور آپ کی طرف میرے دل کا کھچنا اس کے سرور میں مخل نہ ہوتا تو میں اپنی اس حالت کو بہترین شمار کرتا اور اس حالت میں اپنے نصیب کو بڑی نعمت گردانتا اس لیے کہ اس حالت میں میں نے اپنے لیے مکمل سلامتی کو حاصل کر لیا ہے اور میں اپنے جسم کی آسودگی اور کوشش کی کامیابی کو پا چکا ہوں لیکن تم سے دور رہ کر میری زندگی کا چین وسکون باقی نہیں رہا اور نہ ہی تم سے تنہا ہو کر میں مطمئن ہوں اور تمہاری جدائی میں کوئی کھانے، پینے کی چیز خوشگوار محسوس نہیں ہوتی۔ اور میں ان سب باتوں کی تمنا بھی کیسے کر سکتا ہوں حالانکہ تم میری ذات کا ایک جزء ہو اور میری پراگندہ محبت کو اپنی لڑی میں پرونے والے ہو۔ میں تمہارے دیدار سے محروم ہوں اور تمہیں دیکھنے سے قاصر ہوں۔ کیا کوئی پراگندہ خاطر جس کا دل کئی فکروں میں تقسیم ہو سکون پا سکتا ہے؟ اور کیا غیر مرتب گھر کی محبت کچھ نافع ہے؟ میں نے تمہارا خط پڑھا، اللہ تعالیٰ مجھے تم پر فدا کرے، تمہاری لکھائی اور الفاظ میں تصرف دیکھ کر دل خوشی سے لبریز ہو گیا۔ میں ان کی تعریف نہیں کرتا کیونکہ تمہاری تمام ادائیں میرے نزدیک قابل تعریف ہیں اور میں ان کی مدح نہیں کرتا کیونکہ تمہارا ہر کام میرے دل کی گہرائی سے قابل مدح ہے۔ مجھے امید ہے کہ جیسا میں نے تمہارے بارے میں اندازہ لگایا، حقیقت حال بھی ویسی ہی ہو گی۔ اگر ایسا ہی ہے تو بہت خوب ورنہ تمہاری محبت نے میری عقل ونظر پر پردہ ڈال دیا ہے"۔

مقامات

بدیع الزمان ہمدانی کا حرزیہ مقامہ:

عیسیٰ بن ہشام نے ہم سے بیان کیا کہ جب وطن سے علیحدہ رہنے نے مجھے ابواب شہر کے دروازے پر لا کھڑا کیا اور میں مال ودولت کو چھوڑ کر واپسی پر راضی ہو گیا اور اس جگہ سے پہلے ایسا سمندر پڑتا ہے جو اپنے پر سفر کرنے والے کو خوب اچھالتا ہے اور اس سمندر میں ایسی کشتیاں ہیں جو اپنے سواروں پر خوب ظلم ڈھاتی ہیں تب میں نے واپسی کے لیے استخارہ کیا اور اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر کشتی میں سوار ہوا۔ جب سمندر نے ہم پر قابو پا لیا اور رات کا اندھیرا چھا گیا تو ایسے بادلوں نے ہمیں ڈھانپ لیا جو موسلا دھار بارش کو اپنے اندر لیے ہوئے تھے اور ان میں پہاڑوں کی مانند بادل موجود تھے، ہوا ایسی تند وتیز جو موجوں کو مسلسل بھیج رہی تھی اور زبردست بارش برسا رہی تھی۔ ہم دو سمندروں کے درمیان (ایک بارش اور دوسرا حقیقی سمندر) موت کے پنجے میں آ گئے۔ ہمارے پاس بجز دعا کے اور کچھ نہ تھا اور سوائے آہ وبکاء کے کوئی چارۂ کار نہ تھا اور امید کے سوا کوئی پناہ گاہ نہ تھی۔ ہم نے وہ رات انتہائی

مشقت میں گزاری۔ صبح ہوئی تو ہم رونی صورت بنائے ایک دوسرے سے شکوہ شکایت کر رہے تھے۔ لیکن ہم میں ایک آدمی ایسا تھا کہ جس کی پلکیں نمناک نہیں ہو رہی تھیں اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر نہ ہو رہی تھیں۔ بڑی آسودگی اور اطمینان سے بیٹھا تھا۔ طبیعت میں نشاط اور قلبی بے فکری اس کو نصیب تھی۔ بخدا ہمیں اس پر بہت تعجب ہوا۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ کس بات نے تمہیں ہلاکت سے بے فکر کر رکھا ہے؟ اس نے کہا کہ میرے پاس ایک تعویذ ہے کہ جس کے پاس یہ ہو وہ غرق نہیں ہو سکتا۔ اگر میں چاہوں تو تم میں سے ہر ایک کو وہ تعویذ بنا کر دے سکتا ہوں۔ چنانچہ یہ سن کر ہر کوئی اس کی طرف مائل ہوا اور بڑے اضرار سے اس سے تعویذ مانگنے لگا۔ اس نے کہا کہ میں تعویذ تب تک نہ دوں گا جب تک تم میں سے ہر شخص مجھے ایک دینار نہ دے دے۔ اور سلامتی سے منزل تک پہنچنے پر ایک دینار مجھے دینے کا مجھ سے وعدہ بھی کرے۔ عیسیٰ بن ہشام نے کہا کہ ہم نے اس کو اس کا مطلوب دے دیا اور مستقبل میں بقیہ دینار دینے کا وعدہ بھی کر لیا۔ اس کا ہاتھ جیب میں گیا اور ایک ریشمی کپڑے کا ٹکڑا نکالا جس میں ایک ہاتھی دانت کی بنی ہوئی ڈبیہ تھی جس کے بیچ میں بہت سی پرچیاں تھیں اور ہم میں سے ہر ایک نے ان میں سے ایک پرچی اٹھالی۔ جب کشتی صحیح سالم کنارے جا لگی اور اس نے ہمیں شہر میں اتار دیا تو اس شخص نے لوگوں سے موعودہ دینار کا مطالبہ کیا چنانچہ لوگوں نے اس کو ایک ایک دینار دینا شروع کیا جب میری باری آئی تو اس نے کہا کہ اس کو چھوڑ دو میں نے کہا کہ اپنا دینار لے لو لیکن پہلے اپنا راز مجھ پر عیاں کرو۔ اس نے بتایا کہ میں اسکندریہ کا رہنے والا ہوں۔ میں نے کہا کہ کیا بات ہے کہ صبر نے تمہاری تو خوب مدد کی اور ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا تو اس نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھنا شروع کیے:

ویك لو لا الصبر ما کنت ملأتُ الکیس تبرا

افسوس ہے تجھ پر اگر صبر نہ کرتا تو کبھی بھی اپنی جیب دیناروں سے نہ بھر پاتا۔

لن ینال المجد من ضاق بما یخشاه صدرا

وہ آدمی بزرگی کو نہیں پا سکتا جو خوفزدہ باتوں سے تنگ دل ہو جائے۔

ثم ما أعقبني الساعة ما أعطيتُ ضرا

پھر اس وقت مجھے جو کچھ ملا اس کے حصول میں مجھے کوئی تکلیف نہیں اٹھانا پڑی۔

بل به أشتدّ أزراً وبه أجبر کسرا

بلکہ اس حاصل شدہ رقم سے میں اپنی پیٹھ کو مضبوط کروں گا اور شکستہ کو جوڑوں گا۔

ولو أنی الیوم في الغرقی لما کلفت عذرا

اور اگر میں ڈوبنے والوں میں ہوتا تو معذرت کا مکلف کا ہوتا۔

اور حریری کے مقامہ بغدادیہ میں سے اقتباس ہے جو اس نے بخشش مانگنے والی بڑھیا کی زبانی لکھا:

''جان لو اے امیدواروں کے ٹھکانو! اور بے سہارا لوگوں کے والیو! کہ میں قبیلوں کی سردار عورتوں میں سے ہوں اور اونچے گھرانوں کی معزز خواتین میں سے ہوں۔ میرے گھر کے لوگ اور میرا شوہر ہمیشہ مجلس کے درمیان میں بیٹھتے

تھے اور لشکر کے بیچ کے گروہ میں ہوتے تھے سواریوں کی پیٹھوں پر سوار ہوتے اور لوگوں پر احسانات کرتے۔ پھر جب زمانے نے دوست، احباب کو تباہ و برباد کر دیا اور ہمارے جگر گوشوں کی موت کا صدمہ ہمیں پہنچایا اور مکمل طور پر ہم سے رخ پھیر لیا تو نگہبان مہربان نہ رہا اور ناموافق ہو گیا، دربان نے جفا کاری کی، دولت ہاتھ سے چلی گئی، اطمینان اور سکون ختم ہو گیا، چقماق نے بغیر آگ کے آواز نکالی، دایاں ہاتھ کمزور ہو گیا اور بایاں ہاتھ جاتا رہا اور ساری منفعتیں ختم ہو گئیں اور نہ ہمارے پاس جوان اونٹنی رہی، نہ بوڑھی، بس اسی وقت سے راحت وسکون کی زندگی میں خلل آیا اور زرد محبوب نے منہ پھیر لیا، میرا سفید دن سیاہ ہو گیا اور سیاہ بال سفید ہو گئے حتیٰ کہ میرا جانی دشمن بھی مجھ پر ترس کھانے لگا۔ اے کاش کہ مجھے اب تک موت آ چکی ہوتی۔

تیسری فصل

انشاء پرداز

ابن المقفع (متوفی ۱۴۲ھ)

پیدائش اور زندگی کے حالات:

عبداللہ بن المقفع فارسی نژاد اور عرب میں تربیت یافتہ تھا۔ تقریباً ۱۰۶ھ میں پیدا ہوا اور بصرہ میں امیر لوگوں کے بچوں کی طرح اس نے پرورش پائی۔ اس کا باپ داذویہ مجوسی تھا جو حجاج بن یوسف کی طرف سے فارس کا خراج وصول کرنے پر مقرر تھا۔ بادشاہ کے مال میں سے کچھ دھوکے سے رکھنے کی وجہ سے حجاج نے اس کو اتنا مارا کہ اس کا ایک ہاتھ ٹیڑھا ہو گیا اور اسی وجہ سے مقفع کہلایا جانے لگا یعنی مڑے ہوئے ہاتھ والا۔ عبداللہ کی تربیت بچپن ہی سے اسلامی طرز پر ہوتی تھی اور روزگار کی بے فکری نے اسے علم کا دلدادہ بنا دیا تھا چنانچہ وہ ابھی پوری طرح جوان بھی نہ ہوا تھا کہ اس نے دو زبانوں فارسی اور عربی میں انشاء پردازی میں کامل مہارت حاصل کر لی تھی۔ اسی وجہ سے بنوامیہ کے دور میں داؤد بن ہبیرہ نے اس کو اپنا کاتب بنا کر رکھا۔ اور بنوعباس کے عہد میں عیسیٰ بن علی نے جو کہ منصور کا چچا تھا اس کو اپنا مضمون نگار بنایا۔ اور اسی کے ہاتھ پر عبداللہ بن المقفع اسلام لایا۔ ایک دن عیسیٰ سے کہا کہ اسلام میرے دل میں داخل ہو چکا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کے ہاتھ پر اسلام لے آؤں۔ عیسیٰ نے اس سے کہا کہ تم کل بڑے بڑے افسروں اور فوج کے سپہ سالاروں کے سامنے اسلام قبول کرو تاکہ تمہارے اسلام کی گواہی دی جا سکے۔ پھر اسی رات عبداللہ عیسیٰ کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر بیٹھا تو کھانا کھاتے وقت مجوسیوں کی عادت کے موافق حلق سے آواز نکالنے لگا۔ عیسیٰ نے جب اس سے اس بارے میں بات کی تو عبداللہ نے کہا کہ میں نہیں چاہتا کہ رات اس حال میں گزاروں کہ کسی دین کا پیروکار نہ ہوں۔ پھر صبح عیسیٰ کے پاس آیا اور اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ اور اس کا نام عبداللہ رکھا گیا اور کنیت ابومحمد۔ پہلے اس کا نام روزبہ تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ دنیا حاصل کرنے کے لیے اسلام لایا تھا اور اس پر قرآن کا مقابلہ کرنے اور زنادقہ کی کتب کا ترجمہ کرنے کی وجہ سے الحاد کا الزام لگایا گیا تھا اور اس وجہ سے بھی کہ جب یہ مجوس کی عبادت گاہ کے قریب سے گزرا تو احوص کے مندرجہ ذیل دو شعر پڑھے:

یا بیت عاتکة الذی اتعزل　　حذر العدی وبه الفؤاد مؤکل

''اے عاتکہ کے گھر جس سے میں دشمنوں کے خوف سے کنارہ کشی کر رہا ہوں حالانکہ دل اسی کے سپرد ہے۔

انی لامنحك الصدود واننی　　قسما الیك مع الصدود لامیل

میں تجھ سے اعراض کر رہا ہوں لیکن اس بے رخی کے ساتھ میں دل سے تجھے بہت چاہتا ہوں''۔

ابن المقفع اسلام لانے کے بعد منصور کے دو چچا عیسیٰ اور سلیمان کی خدمت میں رہا۔ یہاں تک کہ امان والا واقعہ پیش آیا۔ عبداللہ کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ خلیفہ منصور کی طرف سے اس کے چچا عبداللہ کو امان کا تحریر نامہ لکھے چنانچہ اس نے اس والا نامہ میں خلیفہ کے لیے اس جیسے سخت لفظ استعمال کیے:

''اور جب امیر المومنین اپنے چچا عبداللہ سے غدر کریں تو ان کی بیویاں مطلقہ، ان کے مویشی ضبط اور ان کے غلام آزاد ہو جائیں گے اور تمام مسلمان ان کی بیعت سے آزاد ہو جائیں گے''۔

منصور کو اس پر بہت غصہ آیا اور والیٔ بصرہ سفیان بن معاویہ مہلبی کو اس کے قتل کا حکم دیا۔ سفیان پہلے ہی دل میں ابن المقفع کے لیے غصہ بھرے ہوئے تھا اس لیے کہ ابن المقفع بصرہ کے معزز لوگوں کے سامنے اس کا مذاق اڑاتا تھا اور توہین کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ والیٔ بصرہ کا ناک بہت لمبا تھا تو ابن المقفع جب بھی اس کے پاس آتا تو ''السلام علیکما'' کہتا یعنی تم پر اور تمہاری ناک پر سلام ہو۔ چنانچہ امیر نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ابن المقفع کو آگ میں جلا کر مار ڈالا۔ اس وقت اس کی عمر چھتیس سال تھی۔

اخلاق اور علمی قابلیت:

ابن المقفع نہایت ذہین، خوش گفتار، عربی اور فارسی ادب میں خوب ماہر، زبان کی بلاغت، قلم کی قوت، ترجمہ کی عمدگی، معانی اور کرداروں کے اختراع میں سب سے آگے تھا۔ علم کلام کو اپنانے کی کوشش میں رہا لیکن اس میں حسن پیدا نہ کر سکا۔

کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد عربوں میں خلیل سے زیادہ اور اعاجم میں ابن المقفع سے زیادہ کوئی ذہین نہ تھا۔ اور یہ دونوں دوست جب پہلی بار ایک دوسرے سے ملے تو تین دن تک آپس میں گفتگو چلتی رہی پھر یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو خلیل سے پوچھا گیا کہ تم نے عبداللہ کو کیسا پایا؟ تو اس نے جواب دیا کہ جتنا علم و ادب تم چاہو تمہیں اس سے ملے گا لیکن اس کا علم اس کی عقل سے زیادہ ہے۔ اور عبداللہ سے پوچھا گیا کہ تم نے خلیل کو کیسا پایا تو اس نے کہا کہ علم و ادب سے بھرپور مگر یہ کہ اس کی عقل اس کے علم سے زیادہ ہے۔ اور ایک دفعہ ابن المقفع سے پوچھا گیا کہ تمہیں ادب کس نے سکھایا؟

اس نے جواب دیا کہ

''میرے نفس نے، جب میں کسی دوسرے میں کوئی خوبی دیکھتا تو اسے اپنا لیتا اور جب کوئی برائی دیکھتا تو اس سے اپنے آپ کو بچاتا''۔

بہرحال ابن المقفع پاکباز، ادیب اور اپنے دوستوں کا وفادار آدمی تھا۔ عبدالحمید انشاء پرداز کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ اس امر کا شاہد ہے۔

نثر نگاری اور شاعری:

ابن المقفع نثر نگاروں کے طبقۂ اولیٰ کا امام تھا۔ اس نے انشاء پردازی میں فارسی اور عربی اسالیب سے ایسا انوکھا اسلوب ایجاد کیا جو اس سے پہچانا جاتا ہے اور اسی سے مأخوذ ہے اور ہم نے اس بات کو عصر حاضر میں انشاء پردازی پر کلام کرتے ہوئے تفصیل سے بیان کیا ہے لہٰذا اس کی طرف رجوع کرلو۔ رہی ابن المقفع کی شاعری تو وہ بہت تھوڑی مقدار میں ہے۔ صاحب حماسہ نے ابن المقفع سے یحیٰی بن زیاد کے مرثیے کے یہ اشعار نقل کیے ہیں:

رزئنا أبا عمر ولا حي مثلهُ فللّٰه ربُ الحادثات بمن وقع!

ہمیں غمگین کر دیا ابو عمرو کی موت نے اور کوئی زندہ اس کی مثل نہیں ہے۔ تعجب ہے حادثات پر کہ کس آدمی پر واقع ہوئے۔

فإن تكُ قد فارقتنا وتركتنا ذوي خلةٍ في انسدادٍ لها طمع

اگر تم ہم سے جدا ہو گئے ہو اور ہم میں ایسا خلا پیدا کر گئے ہو کہ جس کے پر کرنے کی کوئی امید نہیں ہے۔

فقد جر نفعاً فقدُنا لك أننا أمنا على كل الرزايا من الجزع

لیکن پھر بھی تمہاری جدائی نے ایک نفع بھی پہنچایا ہے کہ ہم تمام قسم کی تکالیف اور مصائب پر جزع، فزع سے مامون ہو گئے ہیں۔

تراجم اور تصانیف:

ابن المقفع کامل قدرت رکھنے والا مترجم تھا، اس کے ترجمہ میں غیر زبان کا اثر نہیں جھلکتا تھا۔ اور قریب ہے کہ اس کے ترجمہ اور تصنیف میں کوئی فرق نہ کیا جا سکے۔ اس کی کتاب ''کلیلة و دمنة'' اگر یہ صحیح طور پر ثابت ہو کہ یہ ترجمہ ہی ہے، رہتی دنیا تک صحیح و بلیغ ترجمہ کی مثال ہے۔ اور قفطی کے کہنے کے مطابق یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے ملت اسلامیہ میں ابو جعفر منصور کے لیے منطق کی کتابوں کے ترجمے کا اہتمام کیا چنانچہ ارسطو کی لکھی ہوئی تین کتابوں کا ترجمہ کیا۔

اس کے علاوہ فرفوریوس صوری کی کتاب ایساغوجی کا ترجمہ کیا اور فارسی ترجمے سے ان کتابوں کا ترجمہ کیا اس لیے کہ زیادہ راجح بات یہ ہے کہ وہ فارسی زبان کے علاوہ کوئی دوسری زبان نہ جانتا تھا۔ اور کتاب التاج جو انوشروان کی سیرت پر لکھی گئی تھی اس کو اس نے عربی زبان میں منتقل کیا۔ اور اخلاق کے موضوع پر ادب صغیر اور ادب کبیر کے نام سے دو کتابیں تالیف کیں۔ اسی طرح سلطان کی اطاعت کے بارے میں ''کتاب الیتیمہ'' تالیف کی۔

نثر کے نمونے:

ایک مقام پر لکھتا ہے:

''تمہیں جاہل و نادان کی قرابت داری، ہمسائیگی یا پیار و محبت اس کے شر سے بے خوف نہ کر دے کیونکہ آگ کی لپیٹ میں آنے کا سب سے زیادہ خوف انسان کو تبھی ہوتا ہے جب وہ اس کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ یہی حال نادان

کا ہے کہ اگر وہ تیرا پڑوسی ہو تو تجھے تھکا ڈالے گا۔ اگر رشتہ دار ہو تو تجھ پر بہتان لگائے گا۔ اگر تجھ سے محبت کا اظہار کرے تو تجھ پر ناقابل برداشت بوجھ ڈالے گا۔ اگر تمہارے ساتھ رہے تو تمہیں ایذاء پہنچائے گا اور ڈرائے گا۔ بایں ہمہ بھوک کے وقت خونخوار درندہ ہوگا اور شکم سیر ہونے کے وقت سنگدل بادشاہ ہوگا اور دینی موافقت کے وقت جہنم کی طرف کھینچے گا۔ لہٰذا تم نادان کی صحبت سے اس سے بھی زیادہ دور بھاگو جتنا تم کالے سانپوں سے اور خوفناک آگ سے اور بوجھل قرض سے اور لاعلاج بیماری سے دور بھاگتے ہو"۔

اور ایک جگہ لکھتا ہے:

"اگر تم اپنے آپ کو ہر مجلس، ہر مقام، ہر بات، ہر رائے اور کام میں اپنے حقیقی مرتبے سے کچھ نیچے رکھو تو یہ بہت بہتر ہے کیونکہ لوگوں کا تمہیں نچلے درجے سے اٹھانا اور جس مجلس میں تم دور بیٹھے ہو اس میں تمہیں اپنے قریب بلانا اور جتنی تم اپنے معاملے کی تعظیم کرتے ہو اس سے زیادہ تمہارے معاملے کی تعظیم کرنا اور اپنے کلام کو جتنا تم نے مزین کیا اس سے زیادہ ان کا مزین کرنا ہی جمال اور خوبصورتی ہے"۔

اور ایک مقام پر لکھا:

"میرا ایک دوست تھا جو میری نگاہ میں بہت عظمت والا تھا۔ اور اس کے میری نگاہ میں عظیم ہونے کی وجہ دنیا کا اس کی نگاہ میں حقیر ہونا تھا۔ وہ اپنے پیٹ کی غلامی سے آزاد تھا لہٰذا جو اس کے پاس موجود نہیں اس کی اسے کوئی تمنا نہ تھی اور جو کچھ اسے حاصل تھا اس میں بڑھوتری کی فکر سے آزاد تھا۔ وہ اپنی زبان کا بھی غلام نہ تھا چنانچہ جس بات کا اسے علم نہ ہوتا اس میں کلام نہ کرتا اور معلومات میں شک نہ کرتا۔ اور جہالت کے پھندے سے بھی آزاد تھا لہٰذا وہ ہمیشہ ایسی ہی پیش قدمی کرتا جس میں اسے نفع کا یقین ہوتا۔ اکثر اوقات خاموش رہتا لیکن جب بات کرتا تو تمام بولنے والوں پر سبقت لے جاتا۔ وہ ضعیف تھا اور ضعیف سمجھا جاتا تھا۔ لیکن جب کوئی سنجیدہ معاملہ پیش آتا تو وہ حملہ آور شیر کی مانند ہوتا تھا۔ وہ کسی مقدمے میں داخل نہ ہوتا، نہ کسی جھگڑے میں شریک ہوتا اور نہ ہی کوئی گواہی پیش کرتا حتیٰ کہ اس کو سمجھدار قاضی اور عادل گواہ نظر آ جائیں۔ وہ کسی کو ایسے کام میں ملامت نہ کرتا کہ جس جیسے کام میں کچھ عذر ہو سکتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کا عذر معلوم کر لیتا۔ اپنے درد کا شکوہ صرف ایسے آدمی سے کرتا جس سے اس کو شفاء کی امید ہوتی اور کسی ساتھی سے مشورہ اسی وقت کرتا جب اس کو خیر خواہی کی امید ہوتی۔ وہ نہ کبھی اکتاتا، نہ ناراض ہوتا، نہ کسی چیز کی حرص کرتا، نہ دشمن سے انتقام لیتا، نہ اپنے دوست سے غافل رہتا۔ وہ اپنے دوستوں کو چھوڑ کر فقط اپنی ذات کے لیے کوئی کوشش، تدبیر یا قوت کو استعمال نہ کرتا"۔

لہٰذا تم اگر ہو سکے تو ان سب اخلاق کو اپناؤ اور ہرگز ساری کی ساری خوبیاں پیدا نہ کر سکو گے لیکن تھوڑے کا حصول سب کو چھوڑ دینے سے بہتر ہے۔

الجاحظ (۷۸۰......۸۶۹م۔۱۶۳......۲۵۵ھ)

پیدائش اور زندگی کے حالات:

ابوعثمان عمرو بن الجاحظ بصرہ میں پیدا ہوا اور وہیں پرورش پائی۔ اس زمانے میں بصرہ علم کا گہوارہ اور بزم ادب سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا جاحظ علم حاصل کرنے لگا اور اس کی تحصیل میں خوب محنت اور کوشش کی اور لغت اور روایت کے بڑے بڑے علماء سے علم حاصل کیا جیسے اصمعی، ابوعبیدۃ۔ علم کلام ایک معتزلی عالم ابواسحٰق النظام سے حاصل کیا چنانچہ انہی کا ہم خیال ہوگیا اور اپنی تحریرات سے بھی مذہب اعتزال کی حمایت کی۔ عرب کے انشاء پردازوں اور فارسی زبان سے ترجمہ کرنے والوں کی ایک جماعت کی صحبت میں رہا۔ ان سے روایات بیان کیں اور استفادہ کیا۔ کتب کے مطالعہ کا انتہائی دلدادہ تھا۔ جب کوئی کتاب اس کے ہاتھ لگ جاتی تو اس کا مکمل مطالعہ کرنے اور اس کے مضامین کا احاطہ کیے بغیر اس کو نہ چھوڑتا۔ وہ کاتبوں اور کاغذ فروشوں کی دکانیں کرائے پر لے لیتا اور ان میں بیٹھ کر مطالعہ کرنے میں مصروف رہتا یہاں تک کہ اس نے بہت سے علوم کے مسائل ازبر کر لیے اور متعدد فنون کی باریکیوں تک رسائی حاصل کر لی اور ایک بے نظیر عالم بن گیا۔

اپنی عمر کا اکثر حصہ اس حال میں گزارا کہ تالیف کی طرف ہمہ تن متوجہ رہا، بے فکری اور آسودگی میسر رہی، اپنے رسائل اور کتب کی وجہ سے امراء اور شہر کے باعزت لوگوں میں معزز اور مکرم رہا پھر بخشش کی طلب میں مامون، معتصم، واثق اور متوکل کے زمانوں میں بغداد آتا جاتا رہا۔ پھر محمد بن عبدالملک الزیات کی تینوں وزارتوں کے زمانوں تک، سب سے الگ ہو کر اسی کا ہو رہا۔ پھر وزیر پر مصیبت آنے کے بعد بصرہ میں سکونت اختیار کی۔ پھر آخری عمر میں آدھے جسم پر فالج کا حملہ ہوا۔ یہ مرض طول پکڑ گیا اور بیماری بڑھتی گئی یہاں تک کہ ۲۵۵ھ میں تقریباً سو سال کی عمر پا کر فوت ہوگیا۔

صفات و اخلاق:

ابوعثمان بے ڈھنگے جسم والا، بدصورت اور ابھری ہوئی بدشکل آنکھوں والا آدمی تھا۔ اس کی ان آنکھوں کی وجہ سے ہی اس کا لقب جاحظ پڑا حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ خلیفہ متوکل نے جب علم و فہم میں اس کے مرتبہ کا چرچہ سنا تو اپنے لڑکے کو ادب سکھانے کے لیے استاد کے طور پر ''سر من رائے'' شہر میں بلا بھیجا۔ خلیفہ نے جب ابوعثمان کو دیکھا تو اس کی شکل دیکھ کر بہت بدمزہ ہوا اور دس ہزار درہم دے کر اس کو رخصت کر دیا۔ جاحظ طنز و مزاح کا خوگر اور مروجہ رسوم اور عادات کا مذاق اڑانے والا شخص تھا۔ لیکن بایں ہمہ وہ ایک سلیم الطبع، زندہ دل، محفل کو ہنسانے والا اور سچا ہمدرد تھا۔

علم و ادب:

اس عاجز اور مختصر بیان کرنے والے قلم میں اتنی قوت نہیں کہ وہ قارئین کے لیے نابغۂ عرب اور مشرق کے والیٹر کے ادبی اثرات کو بیان کر سکے۔ بس اتنا کہنا کافی ہے کہ جاحظ اپنے معاصرین سے بوجہ کثرت علم، قوت استدلال، موضوع کا احاطہ کرنے، قوت مقابلہ اور بلاغت کلام میں ممتاز ہو چکا تھا۔ وہ علم کلام میں گہرائی حاصل کر چکا تھا اور علم کلام کو یونانی فلسفہ کے ساتھ مخلوط کر دیا تھا۔

علم توحید میں باقی متکلمین کو چھوڑ کر منفرد مذہب کا حامل ہوا جس کی بہت سے متکلمین نے تائید کی چنانچہ ان تائید کرنے والوں کا نام جاحظیہ پڑ گیا۔ جاحظ نے تمام علوم میں حصہ ڈالا اور ان علوم میں ایسی تحریریں لکھیں جو ایک محقق اور اس علم کی اطراف کو محیط عالم ہی لکھ سکتا ہے۔ وہ پہلا عربی عالم ہے جس نے سنجیدہ مضامین کو طنز و مزاح کے ساتھ ملایا۔ گفتگو کے موضوع میں وسعت پیدا کی اور بہت سی تصانیف کا مصنف ہوا اور حیوانات، نباتات، اخلاقیات اور اجتماعی زندگی کے بارے میں لکھا۔

نثر نگاری اور شاعری:

جاحظ نے انشاء پردازی کو اسلوب اور غرض کے اعتبار سے ایک نئے طرز میں ڈھالا۔ اس نے خطوط نویسوں، مضمون نگاروں اور مصنفین کے لیے ایک نئی راہ کھولی جس کا ذکر ہم انشاء پردازی کے تحت اپنی گفتگو میں کر چکے ہیں لہٰذا ہم اس کو نہیں دہرائیں گے۔ بدیع نے جاحظ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کا کلام اشارہ کے بُعد، عبارت کے قرب اور استعارہ کی قلت پر مشتمل ہے۔ یہ فیصلہ اگرچہ سخت ہے لیکن بعض جگہوں میں درست ثابت ہوا ہے۔ رہی جاحظ کی شاعری تو اس میں کوئی دل کشی اور خوبصورتی نہیں ہے۔ اس کی نظم میں اتباع کا رنگ غالب ہے نہ کہ ایجاد کا۔ اس کی شاعری بہت تھوڑی ہے جو اثنائے خطوط اور مضامین میں موجود ہے۔ جیسا کہ اس کا وزیر ابن عبدالملک کو کہنا:

بدا حين أثرى لإخوانه ففلل منهم شباةَ العدم

اپنی مالداری کے وقت وہ اپنے دوستوں کے سامنے آیا اور ان کے فقر کے زور کو توڑ دیا۔

وأبصر كيف انتقالُ الزمان فبادر بالعرفِ قبل الندم

اور اس نے زمانے کے پھر جانے کی کیفیت پر غور کیا چنانچہ ندامت اٹھانے سے قبل ہی سخاوت شروع کر دی۔

اور اس کے یہ اشعار:

لئن قدمت قبلي رجالٌ فطالما مشيت على رسلي فكنتُ المقدما

اگر مجھ سے پہلے کچھ لوگ مقدم ہو گئے ہیں تو کوئی بات نہیں، بسا اوقات میں اپنی معمول کی رفتار پر چلتا رہا اور ان سے آگے بڑھ گیا۔

ولكن هذا الدهر تأتي صروفه فتبرم منقوضاً وتنقض مبرما

لیکن دراصل زمانے کے حوادثات اور انقلابات پیش آتے رہتے ہیں جو کمزور کو مضبوط اور مضبوط کو کمزور کر دیتے ہیں۔

تالیفات:

جاحظ کی کتب کی تعداد ۲۰۰ سے زائد ہے۔ اور یہ کتابیں بقول استاد ابن الحمید کے ''پہلے عقل سکھاتی ہیں پھر ادب سکھاتی ہیں''۔ ان کتابوں میں سے صرف یہی کتابیں شائع ہو سکیں:

كتاب البيان والتبيين فى الادب و الانشاء والخطابة، كتاب الحيوان اور یہ اپنے موضوع میں عربی زبان کی پہلی کتاب ہے۔ اور كتاب المحاسن والاضداد اور كتاب البخلاء اور اس کے خطوط اور مضامین کا رجسٹر۔

نثر نگاری کے نمونے:

اپنے دوست پر عتاب کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اے میری جان! اگر میرا جگر تیری محبت میں زخمی نہ ہوتا اور میری روح تیری وجہ سے مجروح نہ ہوتی تو میں بھی تیرے اس قطع تعلق کا برابر کا جواب دیتا اور قطع تعلقی کی ڈور تیری طرف پھیلاتا۔ میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے صبر کو تیری بے وفائی پر غالب کر دے، اور تجھے میری محبت کی طرف لوٹا دے اس حال میں کہ بغض وعداوت کا منہ کالا ہو۔ کیونکہ ملاقات ہوئے بہت عرصہ ہو چکا اور قریب ہے کہ ہم ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو نہ پہچان پائیں''۔

اور اپنے تربیع وتدویر والے خط میں جو کہ اس کا بلیغ ترین خط ہے وہ لکھتا ہے:

ہم تیری نافرمانی اور تیری محبت کی مخالفت کے عادی ہو چکے ہیں کبھی مزاحاً کبھی بھولے سے اور کبھی تمہارے درگزر کرنے پر بھروسہ کرتے ہوئے اور کبھی ان اخلاق کی بنا پر جن کے تم بہت لائق ہو۔ بہر حال اگر ہم بھروسہ کرتے پھر اصرار کرتے پھر انکار کرتے تو آپ کی بزرگی وفضیلت میں وہ بات پیدا ہوتی جو ہماری حرکت کی چشم پوشی کر لیتی اور آپ کے کرم میں ایسے اخلاق کا وجود ہوتا جو ہماری اس غلطی سے تغافل کا موجب ہوتا۔ تو اس وقت کیا کیفیت ہونی چاہیے کہ جب ہم بھول گئے پھر یاد آ گیا اور ہم نے معذرت کی اور طویل معافی مانگتے رہے۔ اگر آپ ہماری معذرت کو قبول کر لیں تو آپ نے اپنے نصیبے کو پالیا اور اپنے ہی اوپر مہربانی کی۔ اور اگر آپ قبول نہ کریں تو پھر جو چاہیں کر لیں اگر آپ اپنی عدم قبولیت کو باقی رکھیں تو اللہ آپ پر رحم نہ فرمائے اور اگر آپ درگزر نہ کریں تو اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ سے عفو کا معاملہ نہ کرے۔ میں وہی کہتا ہوں جو بنو عقر کے شاعر نے کہا تھا:

فما بقيا علي تركتماني ولكن خفتما صدر النبال

''کچھ مجھ پر احسان کرتے ہوئے تم نے مجھے نہیں چھوڑا ہے بلکہ تم تیروں کی بوچھاڑ سے ڈر گئے ہو''۔

خدا کی قسم! اگر تم بجیلہ قبیلے کو میرے مقابلے میں لاؤ گے تو میں کنانہ قبیلے کو تمہارے مقابلے کے لیے لاؤں گا۔ اگر تم صالح بن علی کو میری مخالفت میں کھڑا کرو گے تو میں اسماعیل بن علی کو لا کھڑا کروں گا۔ اگر تم مجھ پر سلیمان بن وہب کے ساتھ حملہ کرو گے تو میں تم کو حسن بن وہب کو ساتھ لے کر زخمی کروں گا۔ میری رائے یہ ہے کہ تم عافیت کو قبول کر لو اور سلامتی میں اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرو۔ بغاوت سے بچو کہ اس کا انجام بد ہے اور ظلم سے بچو کہ اس کی چراگاہ مضر صحت ہے۔ اور جریر کے درپے ہونے سے اپنے آپ کو بچاؤ جب وہ ہجو پر آمادہ ہو اور فرزدق سے جب وہ فخر کی لے میں ہو اور ہرثمہ سے جب وہ تدبیر کرنے میں لگا ہوا ہو اور قیس بن زہیر سے جب وہ مکر کرنے میں ہو اور اغلب سے جب وہ پلٹ کر حملہ کر رہا ہو اور طاہر سے جب وہ ٹوٹ پڑے۔ اور جو اپنی حیثیت سے واقف ہوگا وہ اپنے دشمن کو بھی خوب پہچان سکتا ہے۔ اور شاہراہ کو لازم پکڑو اور گلیوں کو چھوڑ دو کیونکہ یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ واللہ تم مجبوراً اور بارادۂ خود اور دوسروں کے بتلانے سے خوب جانتے ہو کہ میں تم سے زیادہ جنگجو ہوں، مکر میں زیادہ ہوشیار، تم سے زیادہ علم رکھنے والا، زیادہ حلیم، زیادہ سلیم الطبع، زیادہ شریف خاندان سے تعلق رکھنے والا، کم دھوکہ دینے والا، زیادہ قد آور، زیادہ گہرائی تک رسائی

رکھنے والا، زیادہ خوبصورت چہرہ والا، وسیع الظرف، خوش مزاج، گویائی میں تم سے آگے، خوبصورت بیان کرنے والا، تم سے زیادہ اونچی آواز والا اور حسن و جمال میں تم سے برتر ہوں۔ اور تم ایسے شخص ہو جو معمولی علم رکھتے ہو، چند ایک خبریں ہوتی ہیں تمہارے پاس، اپنے آپ کو مصنوعی زیبائش سے مزین کرتے ہو، اپنی قدر کو خود ہی بڑا بتلاتے ہو، کپڑے پہن کر تیار ہوتے ہو، سواریوں کے ذریعے شرافت حاصل کرتے ہو، حسن ملاقات کو پسند کرتے ہو، تمہارے پاس سوائے اس کے اور کچھ نہیں۔ تو پھر کس وجہ سے دریا نالوں سے، اجسام اعراض سے، اور لامحدود انتہائی باریک ذرے سے مزاحم ہوسکتا ہے؟ اور کون عقل مند نیزے اور گنبد کو برابر سمجھتا ہے اور پیائی کی چکی اور یمنی تلوار کے درمیان مساوات قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ برابری تو دو بہترین یا دو بدترین چیزوں کے مابین ہوسکتی ہے اور ایسی اشیاء میں ہوسکتی ہیں جو قریب قریب ایک جیسی ہوں نہ کہ دو مختلف اشیاء میں۔ اور شہد اور سرکہ، کنکر اور پہاڑ، زہر اور غذا، فقر اور غنی تو ایسی چیزیں ہیں کہ جس میں ذہن غلطی نہیں کرتا اور حس غلط فیصلہ نہیں کرتی۔

ابن العمید (۸۹۲......۹۷۰م ۔ ۲۹۷......۳۶۰ھ)

پیدائش اور زندگی کے حالات:

ابوالفضل محمد بن حسین المعروف بابن العمید مدینہ کے رہنے والوں میں سے فارسی النسل تھا۔ اس کا باپ فصیح و بلیغ خط نویس تھا۔ جو بخارا کے گورنر نوح بن نصر السامانی کے کاتب کے منصب پر فائز تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے فرزند کی ادبی ماحول میں پرورش کی اور کتابت (خط نویسی) کی خوب مشق کروائی اور علم بطور غذا کے اس کو دیا جس کے نتیجے میں ابن العمید کو انشاء پردازی اور خط نویسی میں ید طولیٰ حاصل ہو گیا، فلسفہ اور علم نجوم میں وسیع العلم بنا حتی کہ استاذ کا لقب حاصل کیا اور جاحظ ثانی کہلایا جانے لگا۔

اور جب ابوالفضل پوری طرح علم کے ہتھیاروں سے لیس ہو چکا، اور اپنی علمی قوت حاصل کر چکا تو بخارا کو چھوڑ کر آل بویہ کی مملکت کے بلاد جبل میں چلا گیا۔ ان کے علاقے میں سرکاری مناصب پر فائز ہوتا رہا۔ انہی سرکاری ملازمتوں میں ترقی کی منازل طے کرتا رہا اور عزت و شرافت کی سیڑھیوں پر چڑھتا رہا تا آنکہ ۳۲۸ھ میں رکن الدولہ بن بویہ کا وزیر منتخب ہوا۔ چنانچہ ابن العمید وزارت کا بوجھ لے کر کھڑا ہوا اور مملکت کے کاموں کو خوب اچھی طرح سنبھالا اور جود و سخاوت میں بنی برمک کے نقش قدم پر چلا پس شعراء اس کی طلب میں اس کے پاس آنے لگے اور بغداد، شام اور مصر سے علماء نے اس کا قصد کیا۔ اس زمانے میں یہ اور صاحب بن عباد اور وزیر مہلبی علمی متحرکات کی روح اور ادبی حلقے کے قطب تھے اور متنبی باوجود اپنی جلالت قدر کے اس کی تعظیم کرتا تھا اور مرعوب تھا۔ متنبی نے اس کی شان میں کئی تعریفی قصائد کہے ہیں جن میں سے ایک قصیدے کا مطلع یہ ہے:

بادٍ هواك صبرت أم لم تصبرا ــــ وبكاك إن لم يجر دمعك أو جرى

''تیری محبت ظاہر ہو کے رہے گی چاہے تو صبر کرے یا نہ کرے۔ اور تیرا رونا لوگوں پر آشکارا ہو جائے گا چاہے تیرے آنسو بہیں یا نہ بہیں''۔

اور اسی قصیدے میں متنبی کہتا ہے:

من مبلغ الأعراب أني بعدها شاهدت رسطاليس والإسكندرا

"کون ہے جو ان بادیہ نشینوں کو یہ خبر پہنچا دے کہ میں نے ان کے بعد ارسطو اور اسکندر سے ملاقات کی ہے۔

و مللت نحر عشارها فأضافني من ينحر البدر النضار لمن قرى

میں اونٹنیوں کو ذبح کرنے سے اکتا گیا تھا تو میری مہمانی کی ایسے شخص نے جو مہمانوں کے لیے سونے چاندی کی تھیلیاں لٹا دیتا ہے۔

وسمعت بطليموس دارس كتبه متملكا متبديا متحضرا

میں نے بطلیموس کے بارے میں سنا ہے کہ وہ میرے ممدوح کی کتابیں پڑھتا ہے خواہ وہ حاکم ہو، دیہات میں ہو یا شہر میں۔

ولقيت كل الفاضلين كأنما رد الإله نفوسهم والأعصرا

اور میں تمام فاضلین کے مجموعے سے ملا یوں لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام فاضلین کی روحوں اور زمانوں کو لوٹا دیا ہے"۔

لیکن ابن العمید کو بہت کم سکھ ملا۔ طرح طرح کی بیماریوں نے اس کا پیچھا کیا۔ بار بار قولنج اور کھٹیا کا حملہ ہوا اور بالآخر ۳۶۰ھ میں جاں بحق ہو گیا۔

انشاء پردازی اور شاعری:

"ابن العمید کا زمانہ تکلف اور آرائش کا تھا اور تخیل اور شاعری کا رواج تھا جس کی وجہ سے اس کی طبیعت نے ایک نئے اسلوب کو متعارف کروانے کی طرف اس کی راہنمائی کی جس کے فقرے متناسب اور موزوں، دیباچہ انوکھا اور معانی نایاب ہوں۔ اس کے ہم عصر اسی کے نقش قدم پر چلے اس لیے کہ اس کا اسلوب زمانے کے ذوق کے موافق تھا اور اس وجہ سے بھی کہ وزارت کی فضیلت ابن العمید کو حاصل تھی۔ مگر ابن العمید ان سب میں زیادہ رقیق باعتبار طبع کے اور سجع کی کم رعایت رکھنے والا تھا اور انشائے نثر میں ان سب سے زیادہ اشعار اور امثال لانے والا اور اقوال زریں نقل کرنے والا تھا۔ اور میرے خیال میں ان سب صفات میں بدیع کے علاوہ کوئی بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکا۔ ابن العمید انشاء پردازی کے فنون میں ماہر، خط نویسی میں سب سے فائق تھا حتی کہ اس کے بارے میں یہ مقولہ مشہور ہو گیا:

"انشاء پردازی عبدالحمید سے شروع ہوئی اور ابن العمید پر آ کر اس کا اختتام ہو گیا"۔

البتہ اس کی شاعری، تو حسن اس پر غالب ہے اور اس کو طبع کے چشمہ سے سیراب کرتا ہے مگر پھر بھی اس کی شاعری میں نثر کی نسبت وزن کم ہے۔

کلام سے انتخاب:

ابن بلکا کی طرف اپنے ایک خط میں جب ابن بلکا نے رکن الدولۃ کے حکم کی خلاف ورزی کرنا چاہی، یہ لکھا:

"میں اس حالت میں خط لکھ رہا ہوں کہ تم میں طمع بھی رکھتا ہوں اور تم سے مایوسی بھی ہو رہی ہے، کبھی دل میں آتا ہے کہ تمہاری طرف توجہ دوں اور کبھی اعراض کو دل چاہتا ہے۔ اس لیے کہ تم اپنی سابقہ عزت پر ناز کرتے ہو اور گزشتہ

خدمت پر اتراتے ہو۔ جس کا معمولی سا حصہ بھی تمہاری رعایت، محافظت اور مہربانی کا موجب ہے۔ پھر تم نے اس حرمت وخدمت کے ساتھ موجودہ خیانت اور بدعہدی کو مخلوط کر دیا اور اس سابقہ خدمت وعزت کے بعد حکم عدولی اور مخالفت شروع کر دی اور اس کا تھوڑا سا حصہ بھی تمہاری خدمات کو ضائع کر دے گا۔ اور تمہاری تمام رعایات کو ختم کر دے گا۔ بلاشبہ میں درمیان میں کھڑا ہوں، تمہاری طرف مائل بھی ہوں اور تم سے اعراض کو بھی دل چاہ رہا ہے۔ ایک قدم اٹھاتا ہوں کہ تمہارا قلع قمع کر دوں پھر دوسرا قدم اٹھاتا ہوں کہ تمہیں باقی رکھوں، ایک ہاتھ تمہیں ہلاک اور ختم کرنے کے لیے بڑھاتا ہوں اور دوسرا ہاتھ تمہیں باقی رکھنے اور تمہاری اصلاح کے لیے کشادہ کرتا ہوں، عقل کا حال یہ ہے کہ کبھی کوچ کر جاتی ہے پھر لوٹ آتی ہے، دماغ کبھی غائب ہو جاتا ہے پھر واپس آ جاتا ہے، دانائی روانہ ہو جاتی ہے پھر لوٹ آتی ہے، ہمت فاسد ہو جاتی ہے پھر درست ہو جاتی ہے، صحیح رائے گم ہو جاتی ہے پھر مل جاتی ہے، آدمی پر کبھی نشہ سوار ہو جاتا ہے پھر اتر جاتا ہے، پانی کبھی گدلا ہو جاتا ہے پھر صاف ہو جاتا ہے''۔

اسی خط میں دوسری جگہ لکھتا ہے:

''میرے خیال میں تم طاعت وفرمانبرداری سے کنارے پر ہو گئے بعد اس کے کہ تم اس کے بیچ میں تھے اور جب تمہاری یہ حالت ہے تو تم دونوں حال سے واقف ہو چکے ہو اور دونوں تھنوں سے دودھ دوہ چکے ہو تو میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ سچ سچ بتاؤ جو میں تم سے پوچھوں۔ جس چیز کو تم نے چھوڑ دیا اس کو کیسا پایا اور جو بات تم نے اختیار کی وہ کیسی ہے؟ کیا تم پہلے گھنے سائے میں نہ تھے اور ہوا کے ٹھنڈے اور نمناک جھونکوں میں، سیراب کرنے والے پانی میں، نرم اور گداز بچھونوں میں، مضبوط پناہ گاہ میں اور بہترین مکان میں، مضبوط قلعے میں نہ تھے؟ ان مذکورہ اشیاء سے تم نے ذلت کے بعد عزت پائی اور قلت کے بعد کثرت میں تم آ گئے، اور پستی کے بعد بلندی حاصل کر لی۔ اور تنگی کے بعد فراخی کو پایا اور ناداری کے بعد تونگری نصیب ہوئی۔ اب تمہارا کیا حال ہے؟ ان تمام نعمتوں کے بدلے میں تمہیں کیا ملا؟ اور اس کے عوض میں کیا پایا؟ اور خود کو طاعت سے نکال کر تمہیں کیا فائدہ حاصل ہوا اور اپنی ہتھیلی کو طاعت سے جھاڑ کر اور اطاعت کے خلاف (یعنی نافرمانی) میں اپنے ہاتھ کو ڈبو کر کیا حاصل کیا؟ فرمانبرداری کے سائے کے ختم ہو جانے کے بعد تمہیں کس چیز نے سایہ دیا؟ کیا جہنم کے تین شاخوں والے دھوئیں نے؟ جو نہ سایہ دار ہے اور نہ گرمی سے بچاتا ہے کہہ دو کہ ہاں یہی حال ہے''۔

اسی خط سے اقتباس:

''اپنے بارے میں سوچو جبکہ تم میرے خط کو پڑھتے پڑھتے اس فصل تک پہنچ چکے ہو، تم یقیناً اپنی حالت کو برا پاؤ گے۔ اپنے جسم کو ہاتھ لگاؤ کیا اس میں کچھ حس باقی ہے؟ اپنی نبض کو ٹٹولو کیا وہ چل رہی ہے؟ اپنے پہلو کی تلاشی لو کیا تم اس کے قریب اپنا دل پاتے ہو؟ تمہارا دل چاہتا ہے کہ تم قریب کی ناکامی یا جھگڑوں سے راحت دینے والی موت کا شکار ہو جاؤ؟ پھر اپنی موجودہ حالت سے اپنے ماضی کو پرکھو اور اپنی موجودہ حالت کا پہلی حالت کو سامنے رکھتے ہوئے اندازہ لگاؤ''۔

ابن العمید کے اشعار میں سے یہ اشعار اس نے اپنے کسی دوست کو لکھے:

قد ذبت غير حشاشة وذماء   ما بين حر هوى وحر هواء

''میں محبت کی گرمی اور ہوا کی گرمی کے درمیان پگھل گیا ہوں جس کی وجہ سے مجھ میں ایک کمزور سی روح اور گنے چنے سانسوں کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔

لا أستفيق من الغرام ولا أرى   خلوا من الاشجان والبرحاء

میں عشق کے نشے سے کبھی ہوش میں نہیں آتا اور نہ ہی رنج وغم اور تکلیف سے کوئی مقام خالی دیکھتا ہوں۔

وصروف أيام أقمن قيامتي   بنوى الخليط وفرقة القرناء

اور نہ ہی زمانے کی گردشوں سے امن ملتا ہے جنہوں نے مجھ پر دوست کی جدائی اور ساتھیوں کے فراق کی وجہ سے قیامت قائم کر دی ہے۔

وجفاء خل كنت أحسب أنه   عوني على السراء والضراء

اور نہ ہی اس دوست کی بے وفائی سے جسے میں خوشی وغمی میں اپنا مددگار سمجھتا تھا۔

أبكي ويضحكه الفراق ولن ترى   عجباً كحاضر ضحكه وبكائي

میں رو رہا ہوں اور جدائی اسے ہنسا رہی ہے، اس کی موجودہ ہنسی اور میرے رونے کی مثل تم تعجب خیز حالت کبھی نہ دیکھو گے''۔

اسی قصیدہ کے چند اشعار:

من يشف من داء بآخر مثله   أثرت جوانحه من الأدواء

''اس شخص کو کون شفاء دے سکتا ہے جس کی بیماری کی مثل دوسرے کو بھی لگی ہو۔ جس شخص کے تمام اعضاء سے بیماریاں پھوٹ پڑیں۔

لا تغتنم إغضاءتي فلعلها   كالعين تغضبها على الأقذاء

میری چشم پوشی کو غنیمت مت سمجھو اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ اس آنکھ کی طرح ہو جس کو تو گرد وغبار اور کچرے کی وجہ سے بند کر لیتا ہے۔

واستبق بعض حشاشتي فلعلني   يوما أقيك بها من الأسواء

میری چند سانسوں کو باقی رہنے دو، ممکن ہے کہ میں ان کی وجہ سے تمہیں برائیوں سے بچا سکوں۔

فلئن أرحت إلي عازب بلوتي   ووجدت في نفسي نسيم عزاء

اگر میری دور ہو جانے والی پریشانیوں کو تم نے میری طرف واپس لوٹا دیا اور تم نے دیکھا کہ میرا دل اطمینان کی ہواؤں سے آباد ہے تو غلط فہمی ہوئی ہے تمہیں۔

لأحهزن إليك قبح تشكر   ولأنثرن عليك سوء ثناء

میں بدلے میں بدترین شکوے تمہاری طرف روانہ کروں گا اور تمہاری خوب مذمت بیان کروں گا۔

ولأ عضلن مودتي من بعدها حتى أزوجها من الأكفاء

اور اس کے بعد اپنی محبت کو جدا اپنے گھر میں بٹھا کر رکھوں گا یہاں تک کہ میں اس کی شادی کر دوں اس کی شایان شان ہمسر سے''۔

الصاحب بن عباد (۹۳۸...۹۹۵م۔ ۳۲۶...۳۸۵ھ)

پیدائش اور زندگی کے حالات:

ابوالقاسم اسماعیل الصاحب بن عباد قزوین کے مضافات میں موجود ایک شہر طالقان میں پیدا ہوا۔ اور ابن فارس لغوی سے پڑھا۔ پھر جوانی میں ابن العمید کے پاس گیا اور اس سے علم حاصل کیا اور ابن العمید کی ایسی شدید صحبت اختیار کی کہ اس کا لقب الصاحب پڑ گیا۔ پھر ابوالفتح ابن العمید کے قتل ہو جانے کے بعد جو کہ مؤید الدولۃ ابن بویہ کا وزیر تھا، ابن بویہ کا وزیر بنا۔ جب فخر الدولۃ اپنے بھائی کے بعد تخت وتاج کا مالک بنا تو الصاحب نے وزارت سے استعفیٰ دینا چاہا تو فخر الدولہ نے اس سے کہا کہ

''اس سلطنت میں وزارت تمہارا موروثی حق ہے جیسا کہ امارت و بادشاہت ہمارا موروثی حق ہے اس لیے ہم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ اپنے حق کی حفاظت کرے''۔

چنانچہ الصاحب کی حکومت وسیع ہوئی اور اس کا احسان عام ہوا۔ فن ادب عربی میں اس نے سرسبز وشاداب باغات لگائے اور علم کی سیرگاہوں کو آباد کیا۔ ادباء، علماء، متکلمین اور مصنفین، بخشش کی طلب میں اس کے پاس آنے لگے۔ اور اس کی مدح سرائی میں بڑھ چڑھ کر مقابلہ کرتے۔ وہ تنقید کے ذریعہ سے ان کی راہنمائی کرتا اور اور عطیات کے ذریعہ سے ان کی اعانت کرتا۔ جس کے نتیجے میں بنو بویہ کے زمانے میں ادب میں ایسی ترقی ہوئی جس کی نظیر کسی دوسرے عہد میں ملنا مشکل ہے۔

صاحب کتابوں کو جمع کرنے اور ان کا مطالعہ کرنے کا نہایت شوقین تھا۔ اس کی مجلس میں ہر وقت کوئی نہ کوئی ادیب موجود رہتا۔ کوئی نہ کوئی مناظر متکلم، راوی اور مستفید مجلس میں موجود رہتا۔ صاحب نے اپنی پوری زندگی معزز، محترم، حاکم اور مخدوم بن کر گزاری۔ جب اس کا انتقال ہوا تو ''ری'' شہر کے دروازے اس کے غم میں بند کر دیئے گئے۔ اور تمام لوگ اس کے محل کے دروازے پر جمع ہو گئے اور جنازے کا انتظار کرنے لگے۔ انہیں لوگوں میں فخر الدولۃ اور اس کے فوجی افسران اپنے بہترین لباس میں موجود تھے۔ جب اس کی نعش دروازے سے باہر نکلی سب یکبارگی چیخے اور زمین بوس ہو گئے۔ صاحب کو اصفہان میں دفن کیا گیا۔

صاحب کی نثر نگاری:

صاحب نے طرز انشاء میں ابن العمید کی پیروی کی مگر لفظی آرائش خصوصاً سجع اور تجنیس میں وہ ابن العمید سے آگے بڑھ گیا تھا حتیٰ کہ اس کے متعلق یہ کہا جانے لگا:

''اگر وہ کوئی ایسی سجع پا لیتا جس کو لانے سے حکومت کا کڑا کھل جاتا اور نظام سلطنت میں اضطراب پیدا ہو جاتا تو بھی وہ اپنی اس سجع کو آسانی سے نہیں چھوڑتا تھا''۔

صاحب کا رتبہ بدیع کے بعد اور خوارزمی سے پہلے ہے۔ شاعری میں اسے ذوق سلیم حاصل تھا اور شاعری پر نقد وتبصرہ میں صحیح نظر رکھتا تھا۔ وزارت کی ذمہ داریوں اور امیرانہ زندگی نے بھی اسے تالیف سے باز نہ رکھا چنانچہ فن لغت میں اس نے سات جلدوں پر مشتمل ''کتاب المحیط'' لکھی۔ دیگر تصانیف میں کتاب الدمالۃ اور الکشف عن مساوی المتنبی شامل ہیں۔ مگر اس کا بڑا اہم کام ادیبوں کی حوصلہ افزائی، علماء کو سرگرم عمل بنانا اور ادب کے شعلے کو بھڑکانا ہے۔

کلام کا نمونہ:

اس نے قاضی ابو بشر الجرجانی کو لکھا جب وہ اس سے ملنے کے لیے ''ری'' کے دروازے پر پہنچا:

تحدثت الركابُ بسير اروى　　إلى بلد حططتُ به خيامي

''سواریوں نے انتہائی سیراب شخص کے اس شہر میں آنے کی خبر دے دی جس میں میں نے اپنے خیمے لگا رکھے ہیں۔ (یعنی میں مقیم ہوں)

فكدتُ أطير من شوق إليها　　بقادمة　　كقادمة　　الحمام

قریب ہے کہ میں فرط شوق میں اس کے پاس ایسے شہ پروں کے ساتھ اڑ کر پہنچ جاؤں جیسے شہ پر کبوتر کے ہوتے ہیں''۔

کیا واقعی آنے والے کی جو خبر دی گئی ہے، صحیح ہے؟ یا یہ خواب دیکھنے والے کی تمناؤں کی طرح ایک وہم وخیال ہے؟ نہیں بلکہ واللہ یہ آنکھوں دیکھی بات ہے۔ دراصل یہ آنے والا مہمان اور مراد کو پالینا ایک ہی بات ہے۔ تو اے قاضی! میں آپ کی سواری کو اور سواری کے پالان کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ بلکہ آپ اور آپ کے تمام ساتھی اپنوں ہی میں آئے ہیں۔ کیسی تیزی سے آپ کی آمد کی خوشبو پھیلی گویا کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کی خوشبو کو محسوس کر لیا۔ پس اپنی سواری کو تیز ہانکیے تاکہ آپ اپنے پانی سے میری پیاس کو بجھا دیں۔ اور اپنی ملاقات سے میری بیماری کو دور کر دیں۔ اور اپنی آمد کے دن سے مجھے مطلع فرما دیں تاکہ ہم اس دن عید منائیں اور یادگار اور جشن کا دن بنا دیں۔ اور خادم کو صدائے بازگشت کے واپس آنے سے بھی پہلے واپس بھیج دیں کیونکہ میں نے اس کو حکم دیا ہے کہ وہ شاہین کے پروں پر اڑ کر میرے پاس پہنچے اور بادصبا کو پیچھے قید وبند میں چھوڑ آئے۔

سقى الله دارات مررت بأرضها　　فأدتك نحوي يا زياد بن عامر

''اللہ تعالیٰ ان بستیوں اور علاقوں کو سیراب کر دے جن سے اے زیاد بن عامر آپ گزرے ہیں اور جن علاقوں نے آپ کو مجھ تک پہنچایا ہے۔

أصائل قربٍ أرتجي أن أنالها　　بلقياك قد زحزحن حر الهواجر

آپ کی ملاقات کی وجہ سے جن ٹھنڈی سہ پہروں کا میں متمنی ہوں ان کے تصور نے ہی مجھ سے دوپہروں کی گرمی کو دور کر دیا ہے''۔

الخوارزمی (۹۱۵...۹۹۳م۔۳۰۳...۳۸۳ھ)

پیدائش اور زندگی کے حالات:

یہ ابوبکر محمد بن عباس الخوارزمی ہیں جن کا اصل آبائی وطن طبرستان ہے اور خوارزم میں پیدا ہوئے پھر نو عمری ہی میں طلب علم

اور کسب معاش کے لیے خوارزم کو چھوڑ دیا۔ کئی ملکوں کا سفر کیا اور بہت سے بادشاہوں اور امراء کی ملازمت کرتے رہے۔ سیف الدولہ سے ملے اور شام میں اس کی ملازمت اختیار کی۔ پھر اپنی بے چین اور سفر پسند طبیعت سے مجبور ہو کر وہاں سے چل دیئے اور بخارا، نیشاپور اور سجستان پہنچے تا آنکہ اصبہان میں صاحب بن عباد سے ملاقات ہوئی۔ صاحب بن عباد نے اس کا خوب اکرام کیا اور عضد الدولۃ کے نام ایک خط دے کر شیراز بھیجا چنانچہ خوارزمی کا یہ سفر کامیاب رہا اور یہ تجارت نفع بخش رہی۔ حتی کہ وہ عضد الدولۃ کے ہاں سے بڑی دولت اور عزت پا کر واپس پلٹا۔ پھر اس نے نیشاپور کو اپنا وطن بنایا اور وہاں اپنی جائداد اور جاگیر بنالی، وہیں اطمینان اور آسودگی کے ساتھ درس و تدریس اور دوستوں کی محفل میں زندگی گزارنے لگا۔

حتی کہ آخری زمانے میں بدیع ہمدانی سے اس کا مقابلہ ہو گیا اور باہم مناظرے تک نوبت پہنچ گئی جس میں خوارزمی بری طرح سے ہار گیا۔ اس صدمے سے اس کی صحت خراب ہو گئی اور اس کی شہرت ختم ہو گئی اور ابھی اس واقعے کو ایک سال بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ ۳۸۳ھ میں وہ دنیا سے کوچ کر گیا۔

ادب اور انشاء پردازی میں اس کا مقام:

دوسرے ذہین اور قوی الحافظہ اشخاص کی طرح خوارزمی کی ذہانت اور قوت حافظہ کے بارے میں بہت سی روایات بیان کی جاتی ہیں۔ اپنی قوت حافظہ کی بناء پر وہ اتنا مشہور ہو گیا تھا کہ کہا جاتا ہے کہ وہ ارجاں میں صاحب بن عباد کے پاس گیا۔ جب دروازہ پر پہنچا تو دربان نے صاحب سے جا کر کہا کہ دروازے پر ایک ادیب آپ سے ملنے کی اجازت چاہتا ہے۔ وزیر نے کہا کہ ان سے کہہ دو کہ میں نے یہ طے کیا ہے کہ میرے پاس اس وقت صرف وہی ادیب آئے گا جس کو عرب کے اشعار میں سے بیس ہزار شعر یاد ہوں۔ خوارزمی نے دربان سے کہا کہ جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ بیس ہزار مردوں کے اشعار یاد ہوں یا عورتوں کے؟ جب دربان نے جا کر یہ بتلایا تو صاحب نے کہا کہ یہ تو ابوبکر الخوارزمی معلوم ہوتے ہیں۔

خوارزمی لغت اور انساب میں امام، اشعار اور اخبار عرب کا عالم، زبان کے اسرار اور تراکیب کے خواص سے واقف تھا۔ نثر میں وہ ابن العمید کے طبقہ کا آدمی ہے۔ بہت سے لوگ اسے صاحب پر فضیلت دیتے ہیں۔ لیکن یہ کبھی اس سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ صحیح ذوق کھو دیتا ہے اور سلیقہ کو چھوڑ دیتا ہے۔ رہی اس کی شاعری تو وہ نہ خراب ہے نہ عمدہ۔

منتخب کلام:

اس کے پسندیدہ مضامین میں سے ایک یہ ہے:

"لوگ قلعے ہیں جنہیں احسان تعمیر کرتا ہے اور محرومی ڈھا دیتی ہے۔ وہ اپنے ثمرات سے نیکی اور خوش حالی تک پہنچتے ہیں۔ جفا کاری اور کبر انہیں مٹا دیتے ہیں۔ بلاشبہ مال بغیر انسانوں کے حاصل نہیں ہوتا اور ہمیشہ جھگڑے کے بعد ہی صلح ہوتی ہے۔ بزدل آدمی خوف سے پہلے ہی مر جاتا ہے قبل اس کے کہ اس کو تلوار سے قتل کیا جائے اور بہادر آدمی زندہ و جاوید رہتا ہے اگرچہ عمر اس سے وفا نہ کرے۔ اور وہ موجود رہتا ہے اگرچہ اس کو قبر میں اتار دیا جائے۔ جو موت کا طالب ہوتا ہے، موت اس سے بری طرح بھاگتی ہے اور جو موت سے بھاگتا ہے تو یہ اس کی پوری طاقت

سے طالب بنتی ہے"۔

ایک جگہ لکھتا ہے:

"قیدی سے بڑا وہ شخص ہے جس نے اسے قید کرنے کے بعد رہا کر دیا۔ اور شیر سے بھی زیادہ بہادر وہ ہے جو اسے پکڑ کر چھوڑ دے۔ سرسبز اور پھل دار درخت سے زیادہ سخی وہ ہے جس نے یہ درخت لگایا ہے۔ سخی سے زیادہ کریم وہ ہے جو اس کو اپنا بنا لے۔ انسان سے بڑا کوئی شکار نہیں اور زبان سے زیادہ پھانسنے والا کوئی جال نہیں۔ وہ شخص جو کسی وحشی جانور کو اپنے جال میں پھانس لے اور اس شخص کے درمیان جو اپنی گفتگو سے لوگوں کو شکار کر لے بڑا فرق ہے"۔

اس کے چند عمدہ اشعار:

مضت الشبيبة والحبيبة فالتقى دمعان في الأجفان يزدحمان

"جوانی اور محبوبہ دونوں ہی جدا ہو گئے جن کے صدمہ سے پلکوں میں دو آنسو ملے اور باہم ٹکرا گئے۔

ما أنصفتني الحادثات، رمينني بمودعين وليس لي قلبان

زمانے کے حادثات نے مجھ سے انصاف نہیں کیا، دو الوداع کرنے والوں کو مجھ تک پہنچا دیا حالانکہ میرے پاس دو دل نہیں ہیں"۔

دیگر اشعار:

قلت للعين حين شامت جمالاً في وجوه كواذب الإيماض

"جب میری آنکھ نے جھوٹی رونق والے چہروں میں حسن وخوبصورتی دیکھی تو میں نے اس سے کہا:

لا يغرنك هذه الأوجه الغر (م) فيا رب حية في رياض

یہ حسین چہرے کہیں تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دیں اس لیے کہ بہت دفعہ باغوں میں سانپ بھی ہوتے ہیں"۔

عباسی خلفاء میں سے ایک کی مذمت میں اس نے لکھا:

مالي رأيت بني العباس قد فتحوا من الكنى ومن الألقاب أبوابا؟

"کیا بات ہے کہ بنو العباس کو کنیتوں اور القابات کے دروازے کھولتے ہوئے دیکھتا ہوں۔

ولقبوا رجلا لو عاش أولهم ما كان يرضى به للقصر بوابا

وہ ایسے (نالائق) شخص کو القاب سے نوازتے ہیں کہ اگر ان کے بڑے زندہ ہوتے تو اس شخص کو اپنا دربان بنانا بھی پسند نہ کرتے۔

قل الدراهم في كفي خليفتنا هذا فأنفق في الأقوام ألقابا

ہمارے خلیفہ کے ہاتھ میں دراہم کی کمی ہو گئی ہے لہٰذا اس نے لوگوں میں القاب تقسیم کرنا شروع کر دیئے ہیں"۔

حکیمانہ اشعار میں لکھتا ہے:

لا تصحب الكسلان في حالاته كم صالح بفساد آخر يفسد

"کاہل آدمی کے ساتھ مت رہو کتنے ہی اچھے لوگ دوسروں کی خرابی کی وجہ سے خراب ہو جاتے ہیں۔

عدوى البليد إلى الجليد سريعةٌ والجمر يوضع في الرماد فيخمد

کند ذہنی کا وبائی مرض بہت جلد ذہن کو لگ جاتا ہے اور انگارہ اگر راکھ میں دبا دیا جائے تو بجھ جاتا ہے''۔

رکن الدولۃ کے مرثیہ میں لکھتا ہے:

ألست ترى السيف كيف انثلم وركن الخلافة كيف انهدم؟

''کیا تم نے تلوار کو نہیں دیکھا کہ کیسے کر گئی اور خلافت کے قلعے کو کہ کیسے منہدم ہو گیا۔

طوى الحسن بن بويه الردى أيدري الردى أي جيش هزم

موت نے حسن بن بویہ کو لپیٹ دیا۔ کیا موت جانتی ہے کہ کس لشکر کو اس نے شکست دی ہے۔

فصيح اللسان بديع البيان رفيع السنان سريع القلم

وہ بڑا خوش گفتار، انوکھے بیان والا، بلند نیزے والا اور تیز لکھنے والا تھا۔

إذ تم شيء بدا نقصه توقع زوالا إذ قيل تم

جب کوئی چیز پوری ہو جاتی ہے تو اس میں کمی آنے لگتی ہے۔ لہٰذا جب تم سے کہا جائے کہ فلاں چیز مکمل ہو گئی ہے تو تم اس کے زوال کی توقع رکھو''۔

بدیع الزمان ہمذانی (متوفی ۳۹۸ھ)

پیدائش اور زندگی کے حالات:

ابوالفضل احمد بن حسین ہمذان میں پیدا ہوا اور وہیں پلا بڑھا۔ اس نے دو زبانوں میں علم حاصل کیا، فارسی اور عربی۔ ہمذان میں کوئی ادیب ایسا نہیں جس سے اس نے استفادہ نہ کیا ہو۔ پھر ہمذان کو چھوڑ کر صاحب بن عباد کے پاس چلا گیا، اس کے معارف اور احسانات سے ترقی حاصل کی۔ پھر جرجان کا رخ کیا اور اکناف اسماعیلیہ میں رہا اور خود کو ابوسعید محمد بن منصور کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ ۳۸۲ھ میں نیشاپور گیا جہاں اس کی فطری صلاحیتیں ظاہر ہوئیں اور لوگوں میں شہرت خوب ہو گئی۔ وہاں اس نے چار سو مقامیں لکھوائے پھر ابوبکر خوارزمی سے مناظرہ کرنے میں مشغول ہو گیا حال یہ تھا کہ ابوبکر اس سے عمر میں زیادہ اور شہرت میں بڑھا ہوا تھا۔ شروع میں ان کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا پھر اس نے مناظرے کی صورت اختیار کر لی۔ بعض لوگوں نے اسے غالب بتایا بعض لوگوں نے اسے۔ بدیع الزمان کی جوانی، خوش بیانی اور شہرت کی حاجت نے اس کی مدد کی جس کے نتیجے میں یہ خوارزمی پر ایسا غالب آ گیا کہ اس کی شہرت اور قدر و منزلت امراء اور رؤسا کے ہاں بڑھ گئی۔ دوسری طرف اس کے حریف نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا چنانچہ اس کے لیے میدان صاف ہو گیا اور زمانہ موافق ہو گیا۔ پھر وہ فارس کے گرد و نواح میں وہاں کے امراء سے مدد مانگنے کے لیے پھرتا رہا یہاں تک کہ اس نے ہرات میں اپنی لاٹھی ڈال دی اور وہاں کے معززین اور علماء میں اس کا شمار ہونے لگا اور زندگی بڑی آسودگی اور خوشحالی سے گزار دی یہاں تک کہ ۳۹۸ھ میں وفات پا گیا۔

اس کی موت کی وجہ بیان کرنے میں اختلاف کیا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ زہر دے کر مارا گیا۔ کچھ کہتے ہیں کہ پہلے سکتہ ہوا

پھر جلدی میں مردہ سمجھ کر دفن کر دیا گیا بعدازاں قبر میں ہوش آیا اور رات کو اس کی آواز بھی سنی گئی جب قبر کو لوگوں نے کھودا تو وہ مر چکا تھا اس حال میں کہ قبر کی وحشت اور خوف کی وجہ سے داڑھی پکڑے ہوئے تھا۔

اخلاق اور فطری صلاحیتیں:

بدیع کی صورت اچھی، روح خفیف تھی۔ خوش طبع، ذکی القلب اور ذہین تھا۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نئی کتاب کے اوراق کو ایک نظر دیکھتا پھر اس کو زبانی بیان کر دیتا اور ایک حرف کی بھی کمی بیشی نہ ہوتی۔ بہت دفعہ اسے کسی مشکل موضوع پر مضمون لکھنے کا کہا جاتا تو وہ اسی وقت مطلوبہ مضمون لکھ دیتا۔ بسا اوقات مضمون کو آخری سطر سے لکھنا شروع کر دیتا اور اس کو شروع تک پہنچا دیتا اس طرح کہ الفاظ کا باہمی ربط اور مضمون کا تسلسل قائم رہتا۔ وہ فرمائش پر فارسی اشعار کا عربی ترجمہ بھی کر دیا کرتا اور اس کے اس ترجمہ میں انوکھا انداز اور برجستگی ہوتی تھی۔

نثر اور شاعری:

بدیع کی نثر دلوں کو موہ لیتی اور شعور پر قبضہ کر لیتی۔ اس کی تمام تر نثر شعر منثور کی قبیل سے ہے جس میں صنعت کا اثر پایا جاتا ہے۔ اس کے باوجود اس کی نثر طبعی ہے جس کو تکلف خراب نہیں کرتا اور باریک بینی پیچیدہ نہیں بناتی۔ اس کے کلام میں لفظی شوکت، معنی کا حسن، جمال عبارت اور تخیل کی نزاکت پائے جاتے ہیں۔ اس انشاء پردازی نے خط نویسی کے متفرق اسالیب سے کام لیا اور خطوط کی قسموں میں تنوع پیدا کیا حتیٰ کہ وہ بجا طور پر عمیدیہ طرز تحریر کا شہسوار اور دانائے راز ہو گیا تھا۔

اس کی شاعری لطیف اور نازک ہے جو عمدگی میں اس کی نثر کے برابر نہیں پہنچتی اس لیے کہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ عمدہ انشاء پردازی اور بہترین شاعری کسی ایک شخص میں جمع ہو جائیں۔

مقامات:

مقامات وہ مختصر قصے ہیں جن میں سے ہر ایک کسی ایسے واقعہ پر مشتمل ہوتا ہے جو اکثر و بیشتر ایک ہی مجلس مین سنا دیا جاتا ہے اور آخر میں کوئی نصیحت کی بات یا لطیفہ ہوتا ہے۔ حسن عبارت اور انداز کی خوبی کو اس میں پہلا مقام حاصل ہے۔ بدیع وہ پہلا شخص ہے جس نے اس میدان میں عمدگی پیدا کی۔ اس نے مقامات لکھنا اپنے استاد ابن فارس سے سیکھا۔ اور خیال یہ ہے کہ وہ ابن درید المتوفی ۳۱۰ھ کے چالیس قصوں کو اپنے مقامات میں بیان کرتا ہے۔ اس نے تقریباً چار سو مقامات بھیک مانگنے اور دوسرے موضوعات پر املاء کروائے۔ جنہیں ابوالفتح اسکندری کی طرف منسوب کر کے عیسیٰ بن ہشام کی زبانی کہلوایا ہے۔ ان میں سے صرف ۵۳ مقالے دستیاب ہو سکے ہیں جن کی شرح استاد محمد عبدہ نے کی ہے۔ اس کا طرز تحریر دلچسپ اور پسندیدہ ہے لیکن حکایات کے اختصار اور ہر کہانی میں ایک ہی قسم کے خیال نے ان کے مقاموں کو درجہ کمال سے گرا دیا ہے۔ ان مقامات کے علاوہ بدیع کا ایک مجموعہ مکاتیب اور شاعری کا ایک دیوان بھی ہے جو دونوں شائع ہو چکے ہیں۔

منتخب کلام:

ایک خط میں لکھتا ہے:

''خدا کی قسم اگر ہاتھ پتھر کے نیچے نہ ہوتا اور جگر خنجر کی زد میں نہ ہوتا اور دو دن کے چوزے کی مانند اگر میں ا بچہ نہ ہوتا جس کو زندگی بہت پیاری ہے اور جس کے دماغ کا غصہ سلب کیا جا چکا ہے تو میں اس جگہ کو حقارت سے ٹھکرا دیتا لیکن صبر کرتا ہوں اور اللہ ہی اس قابل ہے کہ اس سے مدد مانگی جائے''۔

ایک دوسرے خط میں کہتا ہے:

''میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم ایک کمینے آدمی کی احسان فراموشی پر تعجب کر رہے ہو۔ اپنی پریشانی کم کرو خدا تم پر رحم فرمائے۔ جس بات پر تمہیں تعجب ہوا وہ بہت تھوڑی ہے لوگوں کی اس کثرت سے احسان فراموشی کے مقابلے میں۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا، ان کی آنکھوں کو بنایا۔ ان کو بصیرت اور عقل سے نوازا جس سے کام لے کر انہوں نے سونے کی کانوں کو کھودا اور ستاروں پر تحقیق کرتے رہے حتیٰ کہ ان کے راستوں کا پتہ لگا لیا، پرندوں کو پھانس کر بلند فضا سے نیچے لے آئے، مچھلیوں کو اپنی کوشش سے پانی سے باہر نکال لائے۔ پھر اس گہری عقل اور تیز اذہان کے باوجود اپنے خالق کا انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ وہ کہاں ہے؟ اور کیسے ہو سکتا ہے؟ یہاں تک کہ انہوں نے تلواروں کو دیکھ لیا۔ اب اگر وہ تمہارے احسان کا انکار کرتے ہیں جو نہ تو تمام زمین پر پھیلا ہوا ہے اور نہ ہی پہاڑوں کو گھیرے ہوئے ہے، نہ آسمان اس کا خیمہ ہے، نہ رات اس کی قیام گاہ ہے، نہ دن اس کا راستہ، نہ ستارے اس کے نشانات نہ آگ اس کے کوڑے تو تمہیں کیوں تعجب ہو رہا ہے؟''۔

اپنے ایک دوست کو ہوشیار کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''جناب من! شاید آپ نے کسی ناصح کے یہ دو شعر نہیں سنے جو کہتا ہے:

اسمع نصیحة ناصح جمع النصیحه والمقة

''خیر خواہ کی نصیحت سنو جس نے خیر خواہی اور ناراضگی کو جمع کر دیا۔

إیاك واحذر أن تكون من الثقات علی ثقة

خبردار اپنے کو معتمد لوگوں پر اعتماد کرنے سے بھی بچاؤ''۔

بخدا! اس شاعر نے سچ کہا اور عمدہ بات کی۔ کیونکہ بعض دفعہ معتمد علیہ لوگ بھی دھوکا دے جاتے ہیں۔ یہی آنکھ تمہیں سراب کو پانی دکھاتی ہے اور یہی کان ہے جو غلط کو صحیح سناتا ہے۔ لہٰذا اگر تم ان چیزوں پر اعتماد کرو جن سے بچ کر رہنا چاہیے تو تم معذور نہ ہو گے۔ کیونکہ یہ اس شخص کا حال ہے جس نے اپنے کانوں سے سن لیا اور اپنی آنکھ پر بھروسہ کر لیا۔ میں نے فلاں شخص کو بہت زیادہ تمہارے پاس آتے جاتے دیکھا حالانکہ وہ نہایت کمینی طبیعت والا، بددین، بری دوستی والا اور مکمل خبیث آدمی ہے۔ تم نے اسے اپنا دوست اور راز دار بنا لیا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ اس کے بارے میں تم سے کہاں خطاء ہوئی تاکہ میں اس کی تلافی کا مقام بتلاؤں۔ تمہاری غلطی کو ابراہیم علیہ السلام کی غلطی سے کوئی نسبت نہیں۔ انہوں نے ستارہ دیکھا تھا اور تم نے گدھے کا بچہ، ان کی نظر چاند پر تھی اور تمہاری نجاست پر۔ انہوں نے سورج میں غلطی کی اور تم نے قبر میں۔ بتاؤ تو سہی کہ اس شخص کی ظاہری حالت نے تمہیں دھوکا دیا یا اس کی باطنی حالت تمہیں بھا گئی''۔

اور ابوالقاسم ناصر الدولۃ کے بارے میں اس کے اشعار:

غضي جفونك يا رياض فقد فتنت الحور غمزا

''اے باغیچو! اپنی نگاہیں جھکا لو کیونکہ تم نے آنکھ مار کر حوروں کو فتنہ میں ڈال دیا ہے۔

واقني حياءك يا رياح فقد كدرت الغصن هزا

اور اے ہواؤ! اپنی حیاء کو تھامے رکھو تم نے شاخ کو ہلا ہلا کر بے قرار کر دیا ہے۔

وارفق بجفنك يا غمام فقد خدشت الورد وخزا

اور اے بادلو! اپنی آنکھوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرو تم نے گلاب کے پھولوں کو گود کر چھیل دیا ہے۔

خلع الربيع على الربى وربوعها خزا وبزا

موسم بہار نے ٹیلوں اور ان کے گرد و نواح کو ریشمی اور سوتی نقشین کپڑے۔

ومطارفاً قد نقشت فيها يد الأمطار طرزا

نیز ایسی چادریں اوڑھا دیں جن پر بارش نے نقش بنائے ہیں''۔

اور اسی قصیدے کے دیگر چند اشعار:

وكأن أمطار الربيع إلى ندى كفيك تعزى

''اور یوں لگتا ہے کہ موسم بہار کی بارشیں آپ کے ہاتھوں کی سخاوت کی طرف منسوب کر دی جاتی ہیں۔

ياأيها الملك الذي بعساكر الامال يغزى

اے وہ بادشاہ! جس پر آرزوؤں کے لشکر سے چڑھائی کی جاتی ہے۔

خلقت يداك على العدى سيفا وللعافين كنزا

آپ کے ہاتھوں کو ایسا بنایا گیا ہے کہ دشمنوں کے لیے تو تلوار ہیں اور بخشش مانگنے والوں کے لیے ایک خزانہ ہیں۔

لا زلت يا كنف الأمير لنا من الأحداث حرزا

اے بادشاہ کی پناہ! تو ہمیشہ ہمارے لیے حوادث سے بچاؤ کا ذریعہ بنا رہے''۔

الحریری (۱۰۵۴....۱۱۲۲ء۔ ۴۴۶....۵۱۶ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

محمد بن قاسم علی البصری خالص عربی نسل اور بنوحرام سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ ''مشان'' نام کی بستی میں پیدا ہوا اور بصرہ میں پرورش پائی۔ اور بصرہ کے فضلاء سے علم حاصل کیا۔ شروع میں یہ ریشم بیچا کرتا تھا یا اس کو بنایا کرتا تھا اسی وجہ سے اس کا لقب حریری پڑ گیا۔ علمی شغف اور ادبی ذوق نے اس سے یہ کام چھڑوا دیا اس نے درس و تحصیل میں خوب محنت کی حتیٰ کہ اسالیب عرب کی واقفیت اور ان کے اخبار اور اشعار کو حفظ کر لینے کی وجہ سے اس کا مرتبہ بلند ہو گیا اور مشہور ہو گیا۔ چنانچہ امراء نے اس کو اپنا مقرب بنایا اور ادباء اس کے علم سے استفادہ کرنے اور ادبی معلومات بڑھانے کو اس کے پاس آنے لگے۔

حلیہ اور اخلاق:

حریری بدشکل، چھوٹے قد والا، کنجوس، میلے کپڑوں میں رہنے والا اور غور وفکر کے وقت اپنی داڑھی کے بالوں کو نوچنے کا عادی تھا۔ خدا نے اس کے عوض اس کو ادبی زینت، خوش مزاجی، اعلیٰ ظرفی اور اہل حق کے لیے حق کا اعتراف جیسی خوبیاں عطا کی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی باتیں سننا اس کو دیکھنے سے بہتر تھا۔ ایک شخص نے اس کی شہرت سنی تو اس کے پاس ادب سیکھنے کے لیے آیا۔ جب اسے دیکھا تو اس کی شکل وصورت دیکھ کر کراہت محسوس کی۔ حریری اس کی اس کیفیت کو سمجھ گیا۔ جب اس آدمی نے کچھ املاء کرانے کی درخواست کی تو حریری نے اس سے کہا کہ لکھو:

"رات میں چلنے والے تم پہلے شخص نہیں ہو جس کو چاند نے دھوکا دیا ہو اور نہ تم چراگاہ کی تلاش میں پھرنے والے پہلے آدمی ہو جسے گوبر پر اگی ہوئی سبزی بھلی معلوم ہوئی ہو۔ تم میرے علاوہ کسی اور کو پسند کرلو کیونکہ میں معیدی کی مانند ہوں کہ میری باتیں تو سنو لیکن مجھے دیکھو مت"۔ وہ آدمی شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

نثر اور شاعری:

حریری بدیع کی طرح زیادہ نثر لکھنے والا اور کم شعر کہنے والا آدمی تھا۔ یہ ابن العمید کے پیروکاروں کی آخری صف میں شامل ہے اور ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے فاضلیہ طرز تحریر کو روشناس کرانے کی کوشش کی جس میں بالقصد بدیع کا استعمال، صنعت میں مبالغہ آرائی، لفظی بناوٹ وزینت پر زیادہ زور اور معانی پر توجہ کم ہوتی ہے حتیٰ کہ اس قسم کی انشاء پردازی میں معانی بیچ الفاظ کے یوں کمزور اور دھندلے دکھاتی دیتے ہیں جیسے سل کی بیماری میں مبتلا ہو کر دبلی ہو جانے والی دلہن کو رنگ برنگے کپڑوں اور زیورات سے آراستہ کر دیا گیا ہو۔ اس کی شاعری بھی اس کی نثر کی طرح بداعت میں تکلف اور محض لفظی اہتمام سے آراستہ ہے۔ اپنے مقامات میں جگہ جگہ وہ اپنے اشعار لاتا ہے جنہیں علیحدہ دیوان کی شکل میں بھی جمع کیا گیا ہے۔

تصانیف:

اس کی تصانیف میں "درۃ الغواص فی اوھام الخواص" ہے جس میں اس نے اپنے ہمعصروں پر بعض الفاظ اور تراکیب میں عربیت کی حدود سے نکلنے پر تنقید کی ہے۔ اور نحو میں اس کی کتاب ملحۃ الاعراب ہے اور مکاتیب کا ایک دیوان ہے۔ پھر مقامات جو اس کی بہترین یادگار ہے۔

مقامات:

اس نے پچاس مقامات لکھے جنہیں اس نے ابو زید سروجی کی طرف منسوب کیا ہے اور حارث ابن الہمام کی زبانی بیان کیا ہے۔ ان مقامات کو اس نے بدیع کی طرز پر لکھا ہے۔ جن میں اس نے بے انتہاء لغت، امثال اور پہیلیاں جمع کی ہیں۔ اس وجہ سے یہ مجموعہ عربی الفاظ، لغوی نوادر اور صنعت لفظی کی ایک مفید لغت بن گیا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ عربوں اور یورپ کے ادیبوں نے اسے اپنی توجہ کا مرکز بنالیا اور یہ مجموعہ ان کے درمیان بہت مقبول ہوا۔ بیس سے زائد فرانسیسی، جرمنی اور برطانوی مستشرقین نے اس کا ترجمہ کیا۔ اور لندن میں انگریزی زبان میں ۱۸۵۰ء میں شائع ہوا اور لاطینی زبان میں ہسیرگ میں ۱۸۳۲ء میں شائع ہوا۔ ۱۲۹۳ء میں اس

کا فارسی میں ترجمہ ہوا پھر ترکی زبان میں آستانہ میں چھپا۔ اور اس وقت سے یہ مجموعہ مقامات یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھایا جا رہا ہے اپنی اس شرح سمیت جسے مستشرقین کے سرگروہ سلوسٹر دساسی نے ۱۸۲۲ء میں لکھا تھا۔

ان مقامات کے عیوب:

یورپ کے ادیب ان مقامات کے اختصار اور ان کی معنوی وحدت کو معیوب بتاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مصنف نے قصوں اور کہانیوں کو رنگین بنانے میں وہ طرز اختیار نہیں کیا جو یورپ اور یونان کے قدیم ادباء کا تھا۔ اس نے اپنی پوری توجہ تحسین الفاظ پر صرف کردی اور عرب کے ادیبوں کا کہنا ہے کہ ان مقامات میں ایک ہی خیال ہے جو مختلف صورتوں میں بار بار لایا جاتا ہے اور اس کے طرز تحریر میں ایسا تکلف ہے جسے اس بدو کی طبیعت گوارا نہیں کرتی جس کی زبان میں ان کو بیان کیا گیا ہے۔

مقامات لکھنے کا سبب:

مقامات لکھنے کا سبب یہ ہوا کہ حریری ایک دن بصرہ میں بنوحرام کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ وہاں ایک عمر رسیدہ شخص داخل ہوا جس نے دو چادریں پہنی ہوئی تھیں اور سفر کے آثار موجود تھے۔ وہ پراگندہ حال اور خوش بیان تھے۔ حاضرین نے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں تو انہوں نے کہا کہ سروج سے۔ پھر ان کی کنیت پوچھی تو انہوں نے بتلایا کہ ابوزید۔ چنانچہ حریری نے مقامہ حرامیہ لکھا اور اس کو ابوزید سروجی کی طرف منسوب کیا اور حارث بن الہمام کو راوی بنایا جس سے اس نے اپنی ذات مراد لی۔ اس حدیث سے اخذ کرتے ہوئے جس میں ہے کہ "تم سب کے سب حارث ہو اور سبھی ہمام ہو"۔ یہ مقامہ اتنا مشہور ہوا کہ اس کی خبر شرف الدین المسترشد باللہ کے وزیر تک پہنچی۔ اس کو یہ بہت پسند آیا اور حریری سے کہا کہ وہ اس جیسے اور مقامے لکھے چنانچہ حریری نے پچاس مقامے مکمل کر ڈالے۔

منتخب کلام:

کسی وزیر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہتا ہے:

"بندہ وزیر صاحب کے لیے دعاء گو ہے کہ ان کا بخت ہمیشہ خوش نصیب رہے اور ان کی خوش بختی ہمیشہ نئی صورت میں نمودار ہو۔ ان کا بلند رتبہ قابل حسد رہے اور ان کے دشمن مٹا دیئے جائیں۔ یہ اس شخص کی دعا ہے جو باوجود اپنے گھر کی دوری کے واپس لوٹنے کے قریب ہے اور اس کی کوشش میں کوتاہی کے ساتھ ساتھ اس کا وقت بھی کم ہے۔ اور یہ اس آدمی کا شکر کرنا ہے اس عطا پر جس نے اس کو خوش اعتقادی اور آرزومندی سے ملا دیا ہے۔ اور شہرت اور بخشش کو اس کے لیے جمع کر دیا۔ اس بندے کا شکریہ ہے جو قید سے رہا ہوا ہے اور جس نے تنگی کے بعد فراخی کا منہ دیکھا ہے۔ اگر اس کے قدم اس کو لے کر کھڑے ہو سکتے اور زمانہ کی امانت اسے خوش بخت بنا دیتی تو وہ آپ سے باب معمور کی زیارت کے لیے حاضر ہوتا اور ایک فرمانبردار غلام کی طرح تیزی سے آپ کے پاس آ جاتا تاکہ وہ آپ کے احسان کا کچھ حق ادا کرتا اور شکریہ نامہ اپنی زبان سے پڑھتا لیکن اپاہج آدمی خود کہاں اٹھ سکتا ہے اور کون ہے جو اسے اٹھا کر لائے اور خوش بختی سے ہمکنار کر دے"۔

اس کے چند حکیمانہ اشعار:

لا ترز من تحب في كل شهر غير يوم و لا تزده عليه

''اپنے دوستوں سے مہینہ میں ایک دن سے زیادہ ملاقات نہ کرو۔

فاجتلاء الهلال في الشهر يوم ثم لا تنظر العيون إليه

کیونکہ چاند کو ہر ماہ ایک ہی دن دیکھا جاتا ہے پھر اس کی طرف کوئی نہیں دیکھتا''۔

چند دوسرے اشعار:

لا تقعدن على ضر وَمَسْغَبَة لكي يقال عزيزٌ النفس مصطبر

''تکلیف اور بھوک پر اس وجہ سے صبر کیے نہ بیٹھے رہو کہ لوگ کہیں کہ بڑا خوددار اور صابر آدمی ہے۔

وانظر بعينيك هل أرْض مُعطلةٌ من النبات كأرض حفها الشجر؟

اور اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ کیا خالی زمین اور درختوں سے بھرپور زمین یکساں ہوتی ہے۔

فعد عما تشير الأغبياءُ به فأي فضل لعود ما له ثمر؟

تم بے وقوفوں کے مشوروں کو نظر انداز کر دو کیونکہ اس درخت میں کیا خوبی ہے جو پھل دار نہ ہو۔

وارحل ركابك عن ربع ظمئت به إلى الجناب الذي يهمي به المطر

اور ایسی جگہ سے کوچ کرو جہاں تم پیاسے ہو اور وہاں چلے جاؤ جہاں موسلا دھار بارش ہوتی ہے۔

واستنزل الري من در الحساب فإن بلت يداك به فليهنك الظفر

اور بادلوں کے موتیوں سے تم سیرابی حاصل کرو پھر اگر تمہارے ہاتھ تر ہو جائیں تو کامیابی تمہیں مبارک ہو''۔

القاضی الفاضل (۱۱۳۵......۱۲۰۰ء۔ ۵۲۹......۵۹۶ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ابو علی عبدالرحیم بیسانی فلسطین کے شہر عسقلان میں پیدا ہوا۔ اپنے والد بہاء الدین علی سے، جو کہ عسقلان کے قاضی تھے، علم حاصل کیا۔ پھر حکومت فاطمیہ کے آخری زمانے میں دفتری انشاء سیکھنے کے لیے مصر پہنچا۔ اسکندریہ گیا اور وہاں کے قاضی ابن حدید کے دفتر کا ملازم ہو گیا۔ چند ہی دنوں میں اس کی علمی فضیلت اور کمال ظاہر ہو گیا۔ اور اس کی غیر معمولی قابلیت نے اس کو ممتاز کر دیا۔ پھر وہ قاہرہ آیا اور ظافر کے دفتر کا محرر بن گیا۔ جب ایوبی حکومت قائم ہوئی تو صلاح الدین بن ایوب نے اسے اپنا وزیر بنا لیا اس نے نہایت عمدگی سے حکومت کا نظام چلایا۔ صلاح الدین کے بعد اس کے بیٹے ''عزیز'' کا وزیر رہا پھر اس کے بھائی ''الملک الافضل'' کا وزیر رہا اور ۵۹۶ھ میں قاہرہ میں انتقال ہوا۔

انشاء پردازی میں اس کا مقام:

قاضی الفاضل کے عہدہ کا تقاضا یہ تھا کہ وہ مختلف علاقوں کے انشاء پردازوں سے تعلق رکھے اور شام، عراق اور مصر میں موجود مختلف اندازوں کی انشاء پردازی سے واقف ہو۔ چنانچہ اس کی قوت محاکاۃ، باہمی مقابلہ اور شخصی اثر و رسوخ نے اسے ایک نئے طرز

انشاء پر ابھارا جس کی بنیاد اس نے ابن العمید کے طرز پر رکھی اور توریہ اور جناس میں مبالغہ کر کے عمیدیہ طرز سے اس جدید طریقہ کو نمایاں کیا۔ حتی کہ اس کے زمانے میں انشاء پردازی جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا آرائش لفظ کی ایسی فریب دہ رونق تھی جو معانی کے ناپائیدار اور بوسیدہ ڈھانچے پر قائم تھی۔ اس گنجلک طرز تحریر نے کوتاہ نگاہوں اور بند طبیعتوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا چنانچہ نام نہاد انشاء پردازوں نے اس کی تقلید شروع کر دی اور یوں انہوں نے اپنے آپ کو ایسی مصیبت میں پھنسا لیا کہ جس میں کوئی فائدہ بھی نہیں اور اس سے چھٹکارا بھی مشکل ہے۔ پھر یہ طرز نگارش اس وقت سے آنکھوں پر چھایا رہا اور دلوں پر اس کا زنگ جما رہا۔ تا آنکہ رفتہ رفتہ ابن خلدون کی اثر اندازی اور یورپی طرز تحریر کی تقلید سے یہ اسلوب انشاء ختم ہوا۔

کلام کا نمونہ:

فاضل نے یہ خط صلاح الدین کو بطور سفارش لکھا تا کہ وہ ''عیذاب'' کے خطیب کو ''کرک'' کے خطیب کا منصب دے دے:

''اللہ تعالیٰ بادشاہ سلامت کی سلطنت کو دائم اور مستحکم رکھے اور ان کے اعمال کو قبول فرما کر ان کو برقرار رکھے۔ ان کے دشمنوں کو دوپہر میں آرام کے وقت یا رات کو سوتے میں تباہ کر دے اور اس کی تلوار سے دشمنوں کو ذلیل و خوار کر دے۔

بندہ کی یہ خدمت خطیب عیذاب کے ہاتھ آپ تک پہنچ رہی ہے۔ انہیں عیذاب کی سکونت موافق نہ آئی اور وہاں رہنے کا نفع بھی کم پایا۔ اور انہوں نے ان فتوحات کا ذکر سنا جن کی شہرت عالم میں عام ہو چکی ہے۔ اور جن کے حاصل کرنے والوں پر ان کا شکر ادا کرنا واجب ہے تو اس خطیب نے عیذاب کی گرم دوپہر اور کھارے پانی کو چھوڑ دیا اور شب آرزو میں جو کہ سراسر دن ہے، چلنے لگا بغیر اس کے کہ وہ صبح کے بارے میں دریافت کرتا۔ یہ آدمی خطیب ہے اور کرک کی خطابت کی امید لے کر آیا ہے۔ اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے مجھ سے سفارش چاہتا ہے حالانکہ یہ آسان کام ہے۔ یہ مصر سے شام اور عیذاب سے کرک جانے کا مشتاق ہے حالانکہ یہ تعجب خیز بات ہے۔ حاجت ایک ظالم اور تندخو کوچوان ہے اور یہ شخص عیال دار اور ضعیف ہے اور مخلوق پر خدا کی مہربانی ہمارے سرپرست کی موجودگی کی وجہ سے بہت پاکیزہ ہے۔ والسلام''

فصل رابع

شاعری پر تمدن اور سیاست کا اثر

اس اجتماعی تبدیلی کا اثر انشاء پردازوں سے زیادہ شعراء کی طبائع پر پڑا اس لیے کہ یہ طبقہ خلفاء کے زیادہ قریب تھا اور ان خلفاء کے دل آسودگی اور تمدن کی طرف زیادہ مائل تھے۔ شعراء ہی ان خلفاء کی شراب نوشی کی مجالس میں ہم نشین ہوتے اور شبانہ محافل میں یہی ان کے ساتھ خوش گپیوں میں رہتے تھے۔ محنت اور مشقت میں طبیعت نہ لگنے کی وجہ سے خیال میں ان کی جولانگاہ بہت وسیع ہو گئی تھی۔ کام کاج میں سستی کی وجہ سے ان کے ہاتھ تو تنگ تھے لیکن دل غور و فکر میں مشغول اور زبانیں رواں ہو گئی تھیں۔ کتابوں کی لکھائی اور اشاعت میں دشواری کے باعث تالیف پر زندگی گذارنا آسان نہ تھا۔ پس انہوں نے شاعری کی مختلف انواع میں طبع آزمائی شروع کی۔ خلفاء اور امراء کو مددو معاون، تمدن اور فطرت کو معین و ناصر، طبیعت اور خیال کو مددگار پا کر وہ میدان شاعری میں یوں آزادانہ

پھرے کہ ان کے اسلاف کو بھی اس قدر مواقع میسر نہ ہوئے ہوں گے۔ انہوں نے مولدین شعراء کے سرگروہ بشار کے ہاتھوں شاعری کو خشک صحراؤں اور تنگ خیموں سے نکالا اور سرسبز و شاداب باغوں، بلند و بالا محلات اور خوبصورت مناظر میں لے آئے۔

ادھر شاعری کو کچھ ایسے عوارض پیش آئے کہ جنہوں نے اس کے اسلوب، معانی، اغراض اور اوزان میں خاصا اثر ڈالا۔

اسلوب میں ان کا اثر غیر مانوس الفاظ کو چھوڑنا، ترکیب میں حلاوت اور وضاحت، بدیع کا گھڑنا اور اس کا کثرت سے استعمال، کھنڈروں کے ذکر سے اس کی ابتداء چھوڑ کر محلات، شراب اور عورتوں سے تعلقات کا تذکرہ، مدح اور ہجو بیان کرنے میں مبالغہ آرائی، تشبیہ اور استعارہ کی کثرت، قصیدہ کے مختلف اجزاء میں تناسب کی حرص اور ترکیب میں ترتیب کی رعایت کی صورت میں پڑا۔

معانی میں ان کا اثر یہ ہوا کہ انہوں نے تمدنی موضوعات اور معانی پیدا کیے، فلسفیانہ افکار کو لیا، اس لیے کہ اس دور کے اکثر شعراء دو قومیتوں کی پیداوار، دو زبانوں اور دو ادبوں سے فائدہ اٹھانے والے اور دو مختلف قسم کے تمدن کے پالے ہوئے تھے۔ اس آمیزش نے فکر و عقل پر جو اثر ڈالا اس کا اندازہ بشار، ابونواس، ابوالعتاہیہ اور ابن رومی کے اشعار میں جدید معانی کو لانے سے لگایا جا سکتا ہے۔ پھر عربوں نے یونانی اور دوسرے علوم اپنی زبان میں منتقل کرنا شروع کر دیئے اس سے بھی شاعری کے معانی میں اضافہ ہوا نہ کہ اس کے فنون میں۔ اس لیے کہ انہوں نے فقط علم اور حکمت کی کتابوں کا ترجمہ کیا اور اپنے ادب کو برتر خیال کر کے اپنی شاعری کو ترجیح دیتے ہوئے انہوں نے نہ تو یونانی شاعری اور قصوں کو قابل اعتناء سمجھا اور نہ ہی لاطینی شاعری اور ان کے خطبوں کو کچھ حیثیت دی۔ اسی وجہ سے ان تراجم کا اثر عربی شاعری میں فلسفیانہ افکار، سیاسی آراء اور علمی مباحث کی شکل میں ابوتمام، متنبی، ابوالعلاء اور ان جیسے دوسرے دو شعراء کی شاعری میں نظر آتا ہے۔

اور اغراض اور موضوعات میں ان کی تاثیر، شراب اور شراب خانوں کی تعریف میں مبالغہ، باغات اور شکار کا بیان، مردوں سے عشق بازی، آوارگی، وعظ، زہد، اخلاق، فلسفہ اور بعضے علوم مثلاً نحو وغیرہ کو نظم میں منتقل کرنے کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ اوزان میں ان عوارض کی اثر اندازیوں کی وجہ سے چھوٹی بحور کا کثرت سے استعمال شروع ہوا، نئے اوزان بنائے گئے مثلاً مستطیل اور ممتد جو طویل اور مدید کے مقابل ہیں نیز موشح، زجل، دوبیت اور موالیا وجود میں آئے، اسی طرح قافیہ میں مسمط اور مزدوج کا ظہور ہوا۔

پھر جب فارس، شام، مصر اور مغرب کے فرمانرواؤں کی خودمختاری کی وجہ سے خلافت میں انتشار پیدا ہوا اور بہت سے پایہ تخت وجود میں آ گئے تو شاعری کو بھی بغداد کے علاوہ دوسری پناہ گاہیں مل گئیں اور وہ بغداد سے نکل کر ان دوسرے علاقوں میں پہنچ گئی۔ چنانچہ اسے بنو بویہ اور آل حمدان جیسے اصحاب جود و سخا، کشادہ دل لوگ اور زرخیز علاقے مل گئے۔ اس وجہ سے شاعری میں دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی ہونے لگی۔ اس کے لیے ثعالبی کی تصنیف یتیمۃ الدھر کی فہرست کا سرسری سا مطالعہ بھی یہ بتانے کے لیے کافی ہوگا کہ اس سیاسی انتشار نے کیسے شعر و شاعری کو ترقی دی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جس میں حکام اور رؤسا شاعروں کو قریب کرنے اور ادیبوں کی حوصلہ افزائی میں خلفاء کی نیابت میں تھے۔ اور جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ علوم و شاعری اس وقت تک پھلتے پھولتے نہیں جب تک ان کو کسی بادشاہ یا امیر کی سرپرستی حاصل نہ ہو۔

الغرض شاعری اپنی اس رفتار سے الفاظ اور موضوعات کی رعایت کے ساتھ، معنوی تفنن کو ساتھ لیتے ہوئے برابر بڑھتی رہی حتی

کہ پانچویں صدی ہجری ختم ہوئی اور اس کے ختم ہونے کے ساتھ ہی بنو بویہ کے چلے جانے اور اس سے بے التفاتی برتنے والے آل سلجوق کے آجانے، نیز فتنوں اور مصیبتوں کے برابر حملوں اور لوگوں کے غلامی اور ذلت پر رضامند ہو جانے کے باعث مشرق سے عربی شاعری کا حسن و جمال ختم ہو گیا اور عوام کے دلوں سے اس کی مقبولیت اور تاثیر بھی جاتی رہی اور ان کی طبیعتیں تصوف اور وظائف کی طرف مائل ہو گئیں۔ ان میں معنی آفرینی اور جدت کا مادہ باقی نہ رہا۔ شعراء نے قدیم شاعروں کے معانی اور مطالب کو بھونڈے طریقے سے نقش و نگار کے ساتھ چمکانا شروع کر دیا۔ وہ فن بدیع اور مجاز و کنایہ میں مبالغہ کرنے لگے۔ اور بادشاہوں اور امراء کی مبالغہ سے پر مدح و رضاجوئی میں عجمیوں کی تقلید کرنے لگے خاص طور سے متاخرین شعراء حتی کہ شاعری کی غرض ہی ان کے نزدیک جھوٹ بولنا اور بخشیش مانگنا ہو گئی تھی اور ان کا یہ مقولہ تھا کہ ''بہترین شاعری وہ ہے جس میں سب سے زیادہ جھوٹ ہو''۔ چنانچہ اس زمانے کی شاعری کا بھی وہی انجام ہوا جو اس زمانے کی نثر کا ہوا۔

اگر آپ عرب کی تمام شاعری اور اس کی تاریخ پر ایک زندہ قوم کی تاریخ کی حیثیت سے نظر ڈالیں تو آپ دیکھیں گے کہ اس نے اپنے موضوعات اور مضامین میں عربوں کی طرح رفتہ رفتہ ترقی کی، اسی کے ساتھ انسانی زندگی کے تمام مراحل طے کیے۔ زمانہ جاہلیت میں وہ بچپن کے گیت گاتی، جوانی کے ولولے اور خود غرضی کے نغمے سناتی رہی۔ زمانہ اسلام میں جہادی اشعار، تعصبات کے ہنگامے اور زندگی کی تنخواہیں اس کا موضوع بن گیا۔ پھر اس کی جوانی عروج پر پہنچی اور حکومت عباسیہ کے آغاز میں اس کا شباب مکمل ہوا جو بشار، ابونواس اور ان جیسے شعراء کی شاعری میں جوانی کی مستیاں، مستی کے ترانے اور تنعم اور آسودگی کا مظہر بن کر نمودار ہوئی۔ پھر اس کی عقل داڑھ نکلی اور عہد عباسیہ کے بیچ میں وہ ادھیڑ عمر اور پختہ کار ہوئی، چنانچہ ابن الرومی، ابوتمام اور متنبی جیسے شعراء کے کلام میں وہ تجربہ کاری کے اسباق، حکیمانہ نتائج اور فلسفیانہ خیالات ظاہر کرنے لگی۔ پھر عہد عباسیہ کے آخر میں اس پر بڑھاپا طاری ہوا جو متاخرین کی شاعری میں مصنوعی آرائش، بڑھاپے میں سٹھیا جانا، اور بالآخر دم نزع بن کر ظاہر ہوا۔ رہا اس کی پیدائش اور بچپن کا حال تو تاریخ اس کے علم سے ناواقف اور بے خبر ہے۔

عباسی دور کی شاعری کے نمونے

شجاعت: ابوفراس حمدانی کہتا ہے:

ولما ثار سیف الدین ثرنا   کما هیجت آساداً غضابا

''جب سیف الدین نے حملہ کیا تو ہم نے بھی بپھرے ہوئے شیروں کی طرح حملہ کیا۔

أسنته إذا لاقى طعانا   صوارمه إذا لاقى ضرابا

ہم نیزہ بازی کے وقت اس کے نیزے اور تلواروں سے مقابلہ کے موقع پر اس کی تلواریں ہیں۔

دعانا والأسنة مشرعات   فكنا عند دعوته الجوابا

اس نے ہمیں اس وقت پکارا جب نیزے تانے جا رہے تھے اور اس کی پکار پر گویا ہم بذات خود جواب بن گئے۔

صنائع فاق صانعها ففاقت   وغرس طاب غارسه فطابا

ہم ممدوح کے پروردہ احسانات ہیں اور ممدوح بلند مرتبہ محسن ہے لہٰذا اس کے کارنامے بھی بلند ہیں۔

وكنا كالسهام إذا أصابت مراميها فراميها أصابا

ہم پاکیزہ مالی کے بوئے ہوئے پودے ہیں۔ اور ہم ان تیروں کی طرح تھے جو اپنے نشانوں پر ٹھیک لگ گئے لہٰذا ان کا نشانے باز بھی درست نشانہ لگانے والا ہے۔

فلما اشتدت الهيجاء كنا أشد مخالبا وأحد نابا

جب گھمسان کا معرکہ ہوتا ہے تو ہم سب سے تیز اور مضبوط کانٹوں والے کیل ہوتے ہیں۔ ہمارا پہلو انتہائی محفوظ اور ہمارا پڑوسی سب سے زیادہ عزت والا ہوتا ہے۔

وأمنع جانبا اعزّ جاراً وأوفى ذمة وأقل عابا

ہم ہی وعدوں اور ذمہ داریوں کو سب سے زیادہ پورا کرنے والے ہیں اور ہم ہی سب سے کم عیب دار ہیں۔

إذا ما أرسل الأمراء جيشاً إلى الأعداء أرسلنا الكتابا

جہاں دوسرے امراء کو لڑائی کے لیے لشکر بھیجنا پڑتا ہے ہم وہاں پر صرف خط ہی بھیج دیتے ہیں اور معاملہ لڑائی کے بغیر ہی سدھر جاتا ہے"۔

ابو الطیب متنبی کہتا ہے:

عش عزيزاً أو مت و أنت كريمٌ بين طعن القنا وخفق البنود

"عزت کی زندگی جیو یا پھر جنگ میں نیزوں کی مار اور جھنڈوں کے سایے میں زندگی دے دو۔

فرؤوس الرماح أذهب للغيظ وأشفى لغل صدر الحقود

اس لیے کہ نیزوں کے پھل غصہ ختم کرنے میں بڑے مفید اور کینہ ور کے دل میں موجود گھٹن کو دور کرنے والے ہیں۔

لا كما قد حييت غير حميدٍ وإذا مت مت غير فقيد

ایسی زندگی نہ گزارو کہ جس میں نہ عزت ہو، نہ شہرت، نہ مرنے کے بعد کوئی تمہاری کمی محسوس کرے۔

فاطلب العز في لظى ودع الذل (م) ولو كان في جنان الخلود

عزت اور سربلندی تلاش کرو خواہ وہ جہنم ہی میں کیوں نہ ملے اور ہمیشہ رہنے کے باغات کو خیر باد کہہ دو اگر وہاں تمہیں ذلت وخواری کا سامنا کرنا پڑے"۔

مدح: ابو تمام کہتا ہے:

بمهدي بن أصرم عاد عودي إلى إيراقه وامتدّ باعي

"مہدی بن اصرم کی وجہ سے میری حالت سدھر گئی اور میرا ہاتھ کشادہ ہو گیا۔

شجيٌ فاستنزل الشرف اقتساراً ولو لا السعي لم تكن المساعي

ممدوح نے جدوجہد کر کے بزرگی اور شرف کو جبراً زیر کر لیا اور اگر جدوجہد نہ ہوتی تو بلند کارنامے بھی نہ ہوتے۔

ونغمة معتفٍ يرجوه أحلى على أذنيه من نغم السماع

ممدوح کے کانوں کو مدد طلب کرنے والے سائل کی آواز موسیقی کے نغموں سے زیادہ پیاری ہے۔

جعلت الجود لألاء المساعي وهل شمس تكون بلا شعاع؟

تو نے (اے ممدوح) سخاوت کو بلند کارناموں کے لیے بطور روشنی استعمال کیا اور بھلا سورج بھی کبھی بغیر شعاع کے ہوتا ہے۔

ولم يحفظ مضاع المجد شيء من الأشياء كالمال المضاع

اور کوئی چیز بھی معرض ضیاع میں پڑی ہوئی بزرگی کی حفاظت میں ضائع کیے گئے مال سے زیادہ مفید نہیں ہو سکتی۔

ولو صورت نفسك لم تزدها على ما فيك من كرم الطباع

اے ممدوح! تو ایسے اخلاق فاضلہ کا پیکر ہے کہ اگر تو خود ہی اپنی مرضی سے اپنی شکل وصورت اور اخلاق بنا تا تب بھی تو اپنی موجودہ صفات کے علاوہ کچھ بھی نہ بنا پاتا۔

متنبی کہتا ہے:

قور بلوغ الغلام عندهم طعنُ نحور الكماة لا الحلم

"یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے ہاں بلوغ کی علامت احتلام نہیں بلکہ بہادروں کے سینوں کو نیزوں سے چھیدنا ہے۔

كأنما يولد الندى معهم لا صغرٌ عاذر ولا هرم

ایسا لگتا ہے کہ جود وسخا ان کے ساتھ ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس راہ میں نہ بچپن حائل ہوتا ہے نہ بڑھاپا۔

إذا تولوا عداوة كشفوا وإن تولوا صنيعة كتموا

جب یہ لوگ کسی سے دشمنی مول لیتے ہیں تو کھل کر اس کا اظہار کر دیتے ہیں۔ اور اگر کسی پر انعام واحسان کرتے ہیں تو اس کو صیغہ راز میں رکھتے ہیں۔

تظن من كثرة اعتذارهم أنهم أنعموا وما علموا

ان کے کثرت اعتذار کی وجہ سے تجھے ایسا لگے گا کہ گویا انہوں نے انعام واحسان کیا ہے اور ان کو اس کا علم بھی نہیں۔

إن برقوا فالحتوفُ حاضرة ، أونطقوا فالصوابُ والحكم

جب یہ کسی کو دھمکی دیں تو بس اس کی موت آ گئی اور جب یہ بات کریں ان کی باتیں صحیح اور پر حکمت ہوتی ہیں۔

تشرق أعراضهم وأوجههم كأنها في نفوسهم شيم

ان کی عزتیں اور ان کے چہرے ایسے ہی روشن ہیں جیسے ان کی پاک طبیعتیں اور پاکیزہ اخلاق گویا ان کا ظاہر و باطن چمکدار ہے۔

أعيذكم من صروف دهر كمو فإنه في الكرام متهم

(اے میرے ممدوحو!) میں تمہیں زمانے کی گردشوں سے خدا کی حفاظت میں دیتا ہوں اس لیے کہ زمانے کی گردش متہم ہے اس بات سے کہ وہ شرفاء کی تاک میں رہتی ہے"۔

ابن الرومی کہتا ہے:

كأن مواهبهُ في المحول آراؤه عند ضيق الحيل

''تنگی اور قحط کے زمانے میں اس کی عطائیں اسی طرح مشکلات آسان کر دیتی ہیں جیسے تجاویز ختم ہو جانے پر اس کی آراء معاملے کو سلجھاتی ہیں۔

فلو كان غيثا لعم البلاد ولو كان سيفا لكان الأجل

ممدوح اگر بارش ہوتا تو وہ تمام شہروں پر برستی۔ اور اگر تلوار ہوتا تو مرگ مفاجاۃ ہوتا۔

ولو كان يعطى على قدره لأغنى النفوس وأفنى الأمل

اگر ممدوح اپنے اندازے اور طریقے سے عطیہ دے تو لوگوں کو مالدار بنا ڈالے اور ان کی آرزوؤں کو ختم کر ڈالے''۔

مرثیه: معن بن زائد کے مرثیے میں حسین بن مطیر لکھتا ہے:

الما على معن وقولا لقبره سقتك الغوادي مربعا ثم مربعا

''اے میرے دو رفیقو! ذرا معن کے پاس ٹھہر جاؤ اور اس کی قبر سے یہ کہہ دو کہ تجھ پر موسم بہار میں صبح کے وقت برسنے والے بادل سالہا سال برستے رہیں۔

فيا قبر معن أنت أولُ حفرة من الأرض خطت للسماحة مضجعا

اے معن کی قبر! تو زمین کا پہلا گڑھا ہے جسے سخاوت کے آرام کرنے کے لیے کھودا گیا۔

وياقبر معن كيف واريت جوده وقد كان منه البر والبحر مترعا!

اے معن کی قبر! تو نے اس کی سخاوت کو اپنے اندر کیسے چھپا لیا حالانکہ اس کی سخاوت سے تو بر و بحر بھرے ہوئے ہیں۔

بلى قد وسعت الجود والجود ميت ولو كان حيا ضقت حتى تصدعا!

بلکہ اس کی سخاوت کی وسعت تیرے اندر اس لیے پیدا ہو گئی کیونکہ وہ مر چکا ہے اور اگر وہ زندہ ہوتا تو اس کی سخاوت سے تو تنگ پڑ جاتی اور پھٹ جاتی۔

فتى عيش في معروفه بعد موته كما كان بعد السيل مجراه مرتعا

وہ ایسا سخی تھا کہ اس کے مرنے کے بعد بھی لوگ اس کی سخاوت کی وجہ سے جی رہے ہیں جیسے سیلاب کہ اس کا پانی گزر جانے کے بعد بھی اپنی گزرگاہ کو سرسبز و شاداب چھوڑ جاتا ہے۔

ولما مضى معن مضى الجود وانقضى وأصبح عرنين المكارم أجدعا

معن کیا ختم ہوا کہ اس کی موت سے جود و سخا ہی ختم ہو گئے۔ اور مکارم اخلاق کی ناک کٹ گئی۔

محمد بن عبدالملک زیارت اپنی بیوی کے مرثیے میں لکھتا ہے:

ألا من رأى الطفل المفارق أمه بعيد الكرى عيناه تنسكبان؟

''آہ! اس بچہ کو کس نے دیکھا ہے جو اپنی ماں سے جدا ہو گیا اور نیند کے بعد بھی اس کی آنکھیں آنسو بہاتی رہیں۔

رأى كل أم وابنها غير أمه يبيتان تحت الليل ينتجيان

وہ بچہ جو سوائے اپنی ماں کے ہر ماں کو اپنے بچے کے ساتھ رات کو سرگوشیاں کرتے دیکھتا ہے۔

وبات وحيداً في الفراش تحنه   بلابلُ قلب دائم الخفقان

اور وہ خود اپنے بستر پر تنہا ایسی حالت میں رات گزارتا ہے کہ اس کا دل مسلسل دھڑکتا اور گھبراہٹوں سے گھرا رہتا ہے۔

فلا تلحياني إن بكيت فإنما   أداوي بهذا الدمع ماتريان

اے میرے رفیقو! اگر میں اس حال میں رو رہا ہوں تو مجھے ملامت نہ کرو کیونکہ میں رو کر اس مصیبت کا علاج کر رہا ہوں جسے تم دیکھ رہے ہو۔

فهبني عزمت الصبر عنها لانني   جليد، فمن بالصبر لابن ثمان؟

اور بالفرض میں نے اس کی موت پر صبر کر لینے کا عزم کر بھی لیا بوجہ اس کے کہ میں قوت ضبط رکھتا ہوں لیکن یہ تو بتلاؤ کہ یہ آٹھ برس کا بچہ کیسے صبر کر پائے گا جو کمزور اور ناتواں ہے۔

ضعيف القوى لا يطلب الاجر حسبة   ولا يأتسى بالناس فى الحدثان

ابھی وہ خدا کے اجر کا طالب بھی نہیں نہ وہ اتنی عقل رکھتا ہے کہ دوسروں کے حوادث دیکھ کر تسلی حاصل کر لے۔

فلم أر كالأقدار كيف تصيبني   ولا مثل هذا الدهر كيف رماني

اس تقدیر نے کیسی مصیبت مجھے پہنچائی۔ اور زمانے کو کیا کہوں کہ اس نے مجھے ہی نشانہ بنایا۔

أعيني إن لم تسعدا اليوم عبرتي   فبئس إذن ما في غد تعداني

اے میری آنکھو! اگر آج آنسو بہانے میں تم میری مدد نہیں کرو گی تو جس مدد کا کل کو تم مجھ سے وعدہ کرتی ہو وہ کیسی بری ہے"۔

متنبی سیف الدولہ کی ہمشیرہ کے مرثیے میں کہتا ہے:

طوى الجزيرة حتى جاءني خبرٌ   فزعت فيه بآمالي إلى الكذبِ

"یہ خبر جزیرہ کو طے کر کے میرے پاس آ پہنچی اور میں نے اپنی تمناؤں کا سہارا لیتے ہوئے اسے جھوٹ سمجھا۔

حتى إذا لم يدع لي صدقه أملا   شرقت بالدمع حتى كاد يشرق بي

تا آنکہ خبر کی تصدیق میں کوئی آرزو باقی نہ رہی تو آنسوؤں نے مجھے اس طرح اچھولگایا کہ میرا دم گھٹنے لگا"۔

هجو: مسلم بن الولید کہتا ہے:

أما الهجاء فدق عرضك دونه   والمدح عنك كما علمت جليل

"تیری عزت اس قدر ناقابل اعتناء ہے کہ اس کی ہجو کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا۔ رہ گئی مدح تو تو خوب جانتا ہے کہ یہ تیرے لیے کس قدر مشکل ہے۔

فاذهب فأنت طليق عرضك إنه   عرض عززت به وأنت ذليل

اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں کہ تیری آبرو کو آزاد چھوڑ دیا جائے جس کی وجہ سے باوجود ذلت کے اپنے آپ کو باعزت سمجھتا ہے"۔

ابوتمام کہتا ہے:

كم نعمة لله كانت عنده فكأنها في غربة وإسار

''اللہ کی کتنی نعمتیں اس (مہجو) کے پاس اس طرح ہیں جیسے وہ غریب الوطن یا قید میں ہوں۔

كسيت سبائب لؤمه فتضاءلت كتضاؤل الحسناء في الأطمار

اس کے کمینہ لباس کی وجہ سے وہ اس طرح مرجھا گئیں جیسے حسینہ پھٹے پرانے چیتھڑوں میں''۔

ابن الرومی کہتا ہے:

يقتر عيسٰى على نفسه وليس بباق ولا خالد

''عیسیٰ خود اپنے آپ پر بھی تنگی اور بخل سے کام لیتا ہے حالانکہ نہ تو اس کا مال باقی رہے گا۔ اور نہ وہ خود ہمیشہ زندہ رہے گا۔

فلو يستطيع لتقتيره تنفس من منخر واحد

اس کے بخل کی یہ انتہاء ہے کہ اگر ممکن ہو تو وہ ایک ہی نتھنے سے سانس لینے لگے''۔

کافور اخشیدی کی ہجو کرتے ہوئے متنبی کہتا ہے:

أكلما أغتال عبدُ السوء سيدة أو خانه فله في مصر تمهيد؟

''کیا جب بھی نکما اور بے وفا غلام اپنے آقا کو دھوکے سے قتل کرتا ہے یا اس سے بے وفائی کرتا ہے تو اس کا آغاز مصر ہی سے ہوتا ہے؟

صار الخصي إمام الآبقين بها فالحر مستعبد والعبد معبودا

وہاں ہجڑا بھگوڑے غلاموں کا امام بنا ہوا ہے۔ آزاد وہاں غلام اور غلام آزاد ہے۔

نامت نواطير مصر عن ثعمالبها حتى بشمن وما تفنى العناقيد

مصر کے شرفاء اور محافظ وہاں کی لومڑیوں سے غافل ہو گئے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ لومڑیاں کھا کھا کر بدہضمی میں مبتلا ہو گئی ہیں۔ پھر بھی وہاں کے خوشے ختم نہیں ہوئے۔

العبد ليس لحر صالح بأخ لو أنه في ثياب الحر مولود

غلام کبھی بھی ایک آزاد آدمی کے برابر نہیں ہو سکتا چاہے وہ آزاد آدمی ہی کے کپڑوں میں پیدا ہو۔

لا تشتر العبد إلا والعصا معه إن العبيد لأنجاس مناكيد

میری نصیحت ہے کہ جب بھی تم کوئی غلام خریدو تو اس کے ساتھ لاٹھی بھی ضرور لے لو اس لیے کہ غلام نکمے، ناشکرے اور بدقماش ہوتے ہیں۔

من علم الأسود المخصي مكرمة؟ أقومهُ البيض أم آباؤه الصيدُ؟

اس ہجڑے سیاہ فام کو شرافت و سخاوت کے کارنامے کون سکھائے گا۔ اس کی سفید قوم یا اس کے باعزت آباء؟

أم أذنه في يد النخاس دامية أم قدره و هو بالفلسين مردود؟

یا اس کا کان جو بردہ فروش کے ہاتھ میں خون آلود ہے یا اس کی قدر و منزلت جو دو پیسوں میں بھی رد کر دی جائے۔

وذاك أن الفحول البيض عاجزة   عن الحميل فكيف الخصية السود؟

دراصل آج کل تو اچھے اچھے شریف لوگ احسان کرنے سے عاجز ہیں تو یہ سیاہ فام ہجڑہ کیا احسان وسلوک کرسکتا ہے''۔

ابن لنکک کہتا ہے:

وعصبةٍ لما توسطهم   صارت علي الأرض كالخاتم

''اور یہ ایسے گروہ ہیں کہ جب میں ان کے درمیان رہا تو زمین تنگ ہو کر میرے لیے انگوٹھی کے حلقہ کی مانند ہوگئی۔

كأنهم من سوء أفهامهم   لم يخرجوا بعدُ إلى العالم

یوں لگتا ہے کہ اپنی کج فہمی کی وجہ سے ابھی تک دنیا میں آئے ہی نہیں۔

يضحك إبليسُ سروراً بهم   لأنهم عارٌ على آدم

ابلیس ان کے وجود پر خندہ زن ہے اس لیے کہ یہ آدم کے لیے عار ہیں''۔

وصف: بحتری اپنے قصیدہ میں ایوان کسریٰ کا وصف بیان کرتا ہے:

صنت نفسي عما يدنس نفسي   وترفعتُ عن جدا كل جبس

میں نے اپنے آپ کو ان باتوں سے محفوظ کرلیا جو مجھے عیب دار بناتی ہیں اور میں ہر بزدل اور کمینے شخص کے عطیے سے بے نیاز ہوگیا۔

وتَمَاسَكْتُ حِيْنَ زَعْزَعني الدهرُ   التماساً منه لتعسي ونكسي

اور جب زمانے نے مجھے جھنجوڑا تو اپنی ہلاکت اور بربادی کی درخواست لیے میں اس کے ساتھ چمٹا رہا۔

بُلَغٌ من صبابة العيش عندي   طففتها الأيام تطفيف نحس

میرے پاس گزارے کے قابل سوز زندگی ہے جسے زمانہ ناپاک شے سمجھ کر ختم کرنے کے درپے ہے۔

وكأن الزمان أصبح محمو   لا هواه مع الأخس الأخس

گویا کہ زمانے کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ اس پر اس کی خواہش لدی ہوئی ہے اور اس زمانے میں پائے جانے والے لوگ انتہائی کمینے اور خسیس ہیں۔

واشترائي العراق خطة غبنٍ   بعد بيعي الشام بيعة وكس

میں نے عراق کو مہنگے داموں خرید لیا بعد اس کے کہ شام کو سستے داموں فروخت کرچکا ہوں۔

ولقد رابني بنو ابن عمي   بعد لين من جانبيه وأنس

میرے چچا زاد بھائی کے بیٹوں نے مجھے شک اور تہمت میں مبتلا کر دیا حالانکہ میرا چچا زاد بھائی مجھ پر بہت زیادہ مہربان اور مجھ سے بہت محبت رکھنے والا تھا۔

و إذا ما جفيت كنت حريا   أن ارى غير مصبح حيث أمسي

اور جب مجھ سے بے وفائی کی گئی تو میں اس بات کے لائق تھا کہ شام اس حال میں کروں کہ صبح بیدار ہونے کی امید نہ رکھوں۔

حضرت رحلی الهموم فوجهت　　إلی أبیض المدائن عنسی

میرے کجاوے پر غموں نے ڈیرا ڈال لیا چنانچہ میں نے اپنی اونٹنی کا رخ ایک عمدہ شہر کی طرف کر دیا۔

أتسلی عن الحظوظ وآسی　　لمحل من آل ساسان درس

میں اپنی خوش بختی سے بسا اوقات تسلی پا لیتا ہوں اور کبھی آل ساسان کے ایک محلّہ کی وجہ سے غمگین ہو جاتا ہوں جس کا نام درس ہے۔

ذکرتنیهمُ الخطوب التوالی　　ولقد تذکر الخطوب وتنسی

پے در پے مسائل نے مجھے آل ساسان یاد دلا دیئے اور یہ مصائب ہی ہیں جو بعض باتیں یاد دلا دیتے ہیں اور بعض بھلا دیتے ہیں۔

وهُمُ خافضون فی ظل عال　　مشرف یحسرُ العیون ویخسی

یہ لوگ ایسے سایے (یعنی محل) میں قیام پذیر تھے جو بڑا بلند اور شرف والا ہے جو نگاہوں کو تھکا دے اور انہیں طاق اور جفت کے کھیل میں لگا دے۔

مغلق بابهُ علی جبل القیق　　إلی دارتی خلاط ومکس

محل کا دروازہ مقفل ہے جو خلاط اور مکس کی دو وادیوں کے قریب ''قیق'' پہاڑ پر واقع ہے۔

حللٌ لم تکن کأطلال سعدی　　فی قفار من البسابس ملس

اور ایسی قیام گاہیں ہیں جو سعدیٰ مقام کے کھنڈرات کی طرح نہیں ہیں جو کھنڈرات کہ جنگلات کے بیچ میں موجود ویران اور چٹیل میدانوں میں واقع ہیں۔

ومساع لولا المحاباة منی　　لم تطقها مسعاة عنس وعیس

اور ایسے مسالک اور راستے ہیں کہ اگر میری مدد اور راہنمائی حاصل نہ ہو تو ایک قوی اونٹنی کی رفتار اور سفر کی طوالت کی وجہ سے مینگنیوں کا اس کی دم پر خشک ہو جانا، ان راستوں کو طے نہ کر سکے۔

فکأن الجرماز من عدم الأنس　　وإخلاقه بنیة رمس

گویا کہ جرماز اپنی وحشت اور بوسیدگی کی وجہ سے ایک مقبرہ ہے۔

لو تراه علمت أن اللیالی　　جعلت فیه مأتماً بعد عرس

اگر تو اس کو دیکھے تو تجھے معلوم ہو کہ زمانے نے کیسے یہاں پر شادی بیاہ اور خوشیوں کی محافل کے بعد صف ماتم بچھا دی۔

وهو ينبيك عن عجائب قوم لا يشاب البيان فيهم بلبس

اور یہ تجھے ایسی قوم کی خبر دے گا کہ جن کے بارے میں گفتگو مدتیں گزرنے پر بھی بوڑھی نہیں ہوتی۔

و إذا ما رأيت صورة أنطا كية ارتعت بيس روم و فرس

اور جب اے مخاطب تو نے دیکھا ملکِ انطا کیہ کو جو روم اور فارس کے درمیان اپنا رزق کھا رہا تھا۔

والمنايا موائل وأنو شروان يزجي الصفوف تحت الدرفس

اموات مائل ہیں اور انوشیروان صفوں کو ایک بڑے نشان کے نیچے ہانک رہا ہے۔

وعراك الرجال بين يديه في خفوت منهم وإغماض حرس

اور لوگ تجھے اس کے سامنے پستی میں کھڑے ہوئے اور نرم آواز میں بات کرتے ہوئے دکھائی دیں گے۔

من مشيح يهوى بعامل رمح ومليح من السنان بترس

ایسے محتاط رہنے والے آدمی کی طرف سے جو ایک کار دار نیزے کے ساتھ اشارہ ہی کرتا ہے تو شاندار نیزے ڈھالوں کے پیچھے چلے جاتے ہیں۔

تصف العينُ أنهم جدُّ أحياءٍ لهم بينهم إشارة خرس

یوں دکھائی دیتا ہے کہ یہ لوگ ایسے زندہ دل اور سنجیدہ ہیں کہ ان کے لیے ان کے مابین کسی گونگے کا اشارہ بھی کافی ہے۔

يغتلي فيهمُ ارتيابي حتى تتقراهم يدى بلمس

میری بدگمانی ان کے بارے میں بڑھتی جا رہی ہے تا آنکہ میں انہیں اپنے ہاتھوں سے چھو کر تلاش کرلوں۔

قد سقاني ولم يصرد أبو الغوث على العسكرين شربة خلس

اور ابوالغوث نے جو کہ دونوں لشکروں کا امیر تھا مجھے شراب کا ایک گھونٹ پلایا مگر سیراب نہیں کیا۔

من مدام تقولها هي نجم أضوا الليل أو مجاجة شمس

ایسی شراب کہ جس کے بارے میں تجھے خیال ہو کہ یہ تو ایک ستارہ ہے جو رات کو روشن کر رہا ہے یا سورج کی تھوک ہے۔

وتراها إذا أحدثت سرورا وارتياحا للشارب المتحسي

اور تو اسے دیکھے گا کہ ہر بار تھوڑا تھوڑا پینے والے کو نیا سرور اور راحت بخشتی ہے۔

أفرغت في الزجاج كل قلبٍ فهي محبوبةٌ إلى كل نفس

اس شراب نے تمام دلوں کو جام میں ڈال دیا ہے چنانچہ یہ سب کی محبوبہ ہے۔

وتوهمت أن كسرى أبرويز معاطي والبلهبذ أنسي

مجھے وہم ہوا کہ کسریٰ ابرویز مجھے کچھ عطا کرے گا اور بلہبذ میرا مونس ہوگا۔

حلم مطبقي على الشك عيني ... أم أمانٍ غيرن ظني وحدسي

یہ یا تو ایسا خواب ہے کہ جو میری آنکھوں کو شک کی وجہ سے ڈھانپے ہوئے ہے یا ایسی تمنائیں ہیں جنہوں نے میرے گمان اور احساسات کو بدل دیا ہے۔

وكأن الإيوان من عجب الصنعة ... جوبٌ في جنب أرعن جلس

فن تعمیر کا شاہکار یہ ایوان اس طرح مضبوطی سے اپنی جگہ پر کھڑا ہے جیسے وہ ایک اونچے اور بڑے پہاڑ کے بازو میں ایک بڑی ڈھال ہے۔

يتظنى من الكآبة إذ يبد ... و لعيني مصبح أو ممسي

اور اسی وجہ سے یہ صبح و شام دیکھنے والی آنکھوں کو ایسا لگتا ہے۔

مزعجا بالفراق عن أنس إلف ... عز أو مرهقا بتطليق عرس

جیسے وہ کسی عزیز محبوب کی جدائی سے پریشان ہے یا جیسے اسے بیوی کو طلاق دینے پر مجبور کیا گیا ہو۔

عكست حظه الليالي وبات ... المشتري فيه و هو كوكب نحس

زمانے نے اس کا مقدر الٹ دیا اور اس کی قسمت مشتری کے برج میں آ گئی جو منحوس ستارہ ہے۔

فهو يبدي تجلداً وعليه ... كلكل من كلاكل الدهر مرسي

وہ بہادری اور صبر کا مظاہرہ کر رہا ہے حالانکہ اس پر زمانے کے بھاری سینہ کا مستقل بار پڑا ہوا ہے۔

لم يعبه أن بز من بسط الديباج ... واستل من ستور الدمقس

اس ایوان کے مخملی گدوں اور تکیوں، حریر اور دیباج کے بستر اور پردوں کے چھن جانے سے بھی اس کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آیا نہ اس کی شان گھٹی۔

مشمخر تعلو له شرفات ... رفعت في رءوس رضوى وقدس

یہ ڈٹا ہوا اپنی جگہ سربلند کھڑا ہوا ہے اس کے کنگرے اس طرح بلندی پر ابھرے ہوئے ہیں۔

لابسات من البياض فماتبصرُ ... منها إلا غلائل برس

سفید پوشاک میں اس طرح نظر آتے ہیں جیسے انہوں نے روئی کے کپڑے پہن رکھے ہوں۔

ليس يدرى أصنع إنس لجن ... سكنوه أم صنع جن لإنس

معلوم نہیں کہ یہ انسانوں نے جنات کے رہنے کے لیے بنایا تھا یا کہ جنات نے انسانوں کے لیے۔

غير أني أراه يشهد أن لم ... يك بانيه في الملوك بنكس

جو بھی ہو بہر حال میرا خیال یہ ہے کہ یہ اپنی موجودہ عظمت اور شوکت سے اس امر کی گواہی دے رہا ہے کہ جس بادشاہ نے اس کو تعمیر کیا ہے اور اسے تیار کروایا ہے وہ کوئی معمولی اور کم درجے کا بادشاہ نہ تھا''۔

اندلس کی ایک شاعرہ وادیٔ آش کی تعریف کرتی ہوئی لکھتی ہے:

وقانا لفحة الرمداد واد سقاه مضاعف الغيث العميم

''ہمیں تپتی ہوئی دھوپ کی لپٹ سے اس وادی نے بچالیا جس پر بار بار وسیع پیمانہ پر بارش ہوئی تھی۔

حللنا دوحه فحنا علينا حنو المرضعات على الفطيم

جب ہم اس کے گہرے سایے میں اترے تو وہ ہمارے ساتھ یوں مہربانی سے پیش آئی جیسے دودھ پیتے بچے کے ساتھ اس کی ماں پیش آتی ہے۔

وأرشفنا على ظمأ زلالا ألذ من المدامة للنديم

اس وادی نے ہمیں سخت پیاس کی حالت میں ایسا صاف پانی پلایا جو شراب سے بھی زیادہ لذیذ تھا۔

تروع حصاه خالية العذارى فتلمس جانب العقد العظيم

اس کے دلکش ریزے، زیور پہنی ہوئی دوشیزہ کو بھلے لگتے ہیں اور وہ انہیں اپنے ہار کے لیے چاہتی ہے۔

يصدُّ الشمس أنى واجهتنا فيحجبها ويأذن للنسيم

یہ وادی سورج کے ایسے رخ پر ہے کہ وہ جدھر کو رواں دواں ہے اسی طرف سے وہ ہمیں اس کی دھوپ سے محفوظ رکھتی ہے اور خوشگوار ہوا کو آنے کی اجازت دیتی ہے''۔

حکیمانہ اور ضرب الامثال:

بشار بن برد لکھتا ہے:

إذا كنت في كل الأمور معاتبا صديقك لم تلق الذي لا تعاتبه

''اگر تم تمام امور میں اپنے دوست پر عتاب کرتے رہو گے تو تمہیں کوئی بھی ایسا دوست نہ ملے گا جس پر تمہیں عتاب نہ کرنا پڑے۔

فعش واحداً أو صل أخاك فإنه مقارف ذنب مرة ومجانبه

تم یا تو اکیلے زندگی گزار دو یا اپنے بھائی سے میل ملاپ رکھو، کیونکہ اگر وہ ایک مرتبہ غلطی کرے گا تو دوسری دفعہ میں غلطی سے اجتناب کرتے ہوئے ٹھیک کام بھی کرے گا۔

إذا أنت لم تشرب مراراً على القذى ظمئت، وأي الناس تصفو مشاربه

اگر تم یہی تمنا رکھو کہ ہمیشہ صاف ہی پانی پیو اور کبھی گدلا پانی نہ پیو تو تم پیاسے رہ جاؤ گے اور کون ہے جسے ہمیشہ صاف پانی ہی پینے کو ملے''۔

مسلم بن ولید کہتا ہے:

حسبي بما أبدت الايام تجربة سعى علي بكأسيها الجديدان

''زمانہ نے جو کچھ ظاہر کیا وہ میرے تجربے کے لیے کافی ہے۔ اس نے مجھے اپنے سرد و گرم کا مزا چکھا دیا۔

دلت علی عیبها الدنیا وصدقها ما استرجع الدهر مما کان أعطاني

مجھے دنیا نے اپنے عیب کے بارے میں بتلا دیا اور زمانے نے وہ چیزیں واپس لے کر جو اس نے مجھے دی تھیں اپنی خرابی کو سچا کر دکھایا۔

ماکنت أدخر الشکوی لحادثة حتی ابتلی الدهر أسراري فأشکاني

میں کسی حادثہ کے لیے شکوے کو بچا کر نہیں رکھتا تھا حتی کہ زمانے نے میرے راز معلوم کر لیے اور مجھے شکوہ کرنے والا بنا دیا''۔

ابوالعتاہیہ کہتا ہے:

الصمت أجمل بالفتی من منطق في غیر حینه

''انسان کے لیے بے وقت بولنے سے خاموش رہنا زیادہ بھلی بات ہے۔

لا خیر في حشو الکلام إذ اهتدیت إلی عیونه

اگر مقصود کلام تک تمہاری رسائی ہو جائے تو بے کار کلام میں کوئی فائدہ نہیں۔

کل امریء في نفسه أعلی وأشرف من قرینه

ہر شخص اپنے دل میں اپنے ساتھی سے اعلیٰ اور اشرف ہے''۔

ابوتمام کہتا ہے:

من لي بإنسان إذا أغضبته وجهلت کان الحلم رد جوابه

''مجھے وہ انسان کہاں سے ملے گا کہ جب میں اس پر غصہ کروں اور اس کے ساتھ جہالت سے پیش آؤں تو وہ اس کا جواب حلم سے دے۔

وإذا طربت إلی المدام شربت من أخلاقه وسکرت من آدابه

اور جب مجھے شراب کے نشے کی تلاش ہو تو اس کے اخلاق کا جام پیوں اور اس کے آداب کے نشے میں مست ہو جاؤں۔

وتراه یصغي للحدیث بقلبه وبسمعه ولعله أدری به!

اور اے مخاطب تو اس کو دیکھتا ہے کہ بات کو خوب توجہ اور دل کی گہرائیوں سے سنتا ہے خواہ اس نے وہ بات پہلے سن ہی رکھی ہو''۔

بحتری کہتا ہے:

وترت القوم ثم ظننت فیهم ظنوناً لست فیها بالحکیم

''تو نے قوم کو نقصان پہنچایا اور مع ہذا تو ان کے ساتھ اچھا گمان بھی رکھتا ہے۔ ایسا کرنے میں تو دانشمند نہیں ہے۔

فما خرق السفیه وإن تعدی بأبلغ فیك من حقد الحلیم

بے وقوف کی حماقت خواہ وہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو کبھی بردبار کے کینے سے زیادہ نقصان دہ ثابت نہیں ہو سکتی۔

متی أحرجت ذا کرم تخطی إلیك ببعض أخلاق اللئیم

جب تم کسی شریف آدمی کو پریشان کرو تو وہ کسی قدر بداخلاقی کا مظاہرہ کر ہی دے گا''۔

ابن الرومی کہتا ہے:

عدوك من صديقك مستفاد فلا تستكثرن من الصحاب

''تمہارا دشمن تمہارے دوستوں میں سے ہی بنتا ہے لہٰذا تم اپنے دوستوں کا حلقہ وسیع نہ کرو۔

فإن الداء أكثر ما تراه يحول من الطعام أو الشراب

بیشتر بیماریاں جنہیں تم دیکھتے ہو وہ کھانے پینے کی ہی بگڑی ہوئی شکلیں ہوتی ہیں۔

وما اللججُ الملاحُ بمرويات وتلقى الري في النطف العذاب

نمکین پانی کے سمندر بھی آدمی کی پیاس نہیں بجھا سکتے اور تھوڑا سا میٹھا پانی سیرابی کا باعث بن جاتا ہے''۔

متنبی کہتا ہے:

إنا لفي زمن ترك القبيح به من أكثر الناس إحسان وإجمال

''ہم ایسے زمانے میں ہیں کہ جس میں لوگ صرف برائی کرنا چھوڑ دیں تو یہی ان کا احسان و اکرام ہے۔

لو لا المشقة ساد الناس كلهم الجود يفقر والإقدام قتال

اگر جدوجہد اور مشقت اٹھانا نہ ہوتا تو سبھی لوگ سردار بن جاتے۔ سخاوت فقیر بنا دیتی ہے اور پیش قدمی قتال کا موجب ہے۔

وإنما يبلغ الإنسان طاقته ما كل ماشية بالرحل شملال

بلاشبہ انسان اپنی پوری طاقت خرچ کرتا ہے لیکن ہر کجاوہ لے کر چلنے والی سواری تیز رفتار نہیں ہوتی۔

ذكر الفتى عمره الثاني، وحاجته ماقاته، وفضول العيش أشغال

انسان کی نیک نامی اس کی عمر ثانی ہے۔ اس کی حاجت وہی ہے جو اس کے گزر کے لیے کافی ہو باقی زائد از ضرورت سامانِ زندگی باعث مشغولیت ہے''۔

معذرت خواہی اور مہربانی کی درخواست:

علی بن جہم، متوکل سے معذرت کرتے ہوئے کہتا ہے:

عفا الله عنك ألا حرمةٌ تجود بعفوك إن أبعدا

''اللہ تعالیٰ آپ سے درگذر فرمائے اگر میں حد سے نکل جاؤں تو ایسی کوئی رعایت کی شکل نہیں کہ آپ مجھے معاف کر دیں۔

لئن جل ذنب ولم اعتمد لأنت أجل وأعلى يدا

اگر میری خطا بڑی ہے تو آپ کی شخصیت بھی تو نہایت بزرگ اور بڑی محسن ہے۔

أم تر عبداً عدا طوره ومولى عفا ورشيداً هدى؟

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ غلام اپنی حدود سے آگے نکل جاتا ہے اور مولیٰ درگزر کر دیتا ہے اور حکیم آدمی راہنمائی کرتا ہے۔

ومفسد أمر تلافيته فعاد فأصلح ما أفسدا

میں نے ایک معاملہ خراب کر دیا تھا جس کی آپ نے تلافی کر دی پھر پلٹ کر میں نے بھی اپنی خرابی کو ٹھیک کر لیا۔

أقلني أقالك من لم يزل يقيك ويصرف عنك الردى

آپ مجھ سے عفو کا معاملہ کیجئے آپ سے وہ درگزر فرمائے گا جو ہمیشہ آپ کی حفاظت کرتا ہے اور مزید آپ سے تباہیوں کو بھی دور فرمائے گا''۔

بحتری کہتا ہے:

فديناك من أي خطب عرى ونائبة أو شكت أن تنوبا

''ہر مصیبت جو سامنے آجائے اور ہر مشکل جو نازل ہونے کے قریب ہو ہم اس میں آپ پر قربان ہو جائیں۔

و إن كان رأيك قد حال في وأوليتني بعد بشر قطوبا

اگرچہ میرے بارے میں آپ کی رائے بدل گئی ہے اور آپ بجائے خندہ پیشانی سے پیش آنے کے مجھ سے ناراض ہیں۔

أكذبُ نفسي بأن قد سخطت وما كنت أعهد ظني كذوبا

میں آپ کی ناراضگی کے خیال پر اپنے دل کو جھٹلاتا ہوں حالانکہ میں نے کبھی بھی اپنے گمان کو جھوٹا نہیں پایا۔

ولو لم تكن ساخطا لم أكن أذم الزمان وأشكو الخطوبا

اگر آپ ناراض نہ ہوتے تو نہ میں زمانے کی مذمت کرتا اور نہ مصائب کا شکوہ۔

أيصبح وردي في ساحتيك طرقا و مرعاي محلا جديبا!

کیا آپ کے ہاں میری محبت ناکارہ ہی رہے گی اور میری چراگاہ خشک و بنجر ہی رہے گی۔

وما كان سخطك إلا الفراق أفاض الدموع وأشجى القلوبا

آپ کی ناراضی کا نتیجہ ایسی جدائی ہے جو آنسوؤں کو رواں کر دے اور دلوں کو رنجیدہ کر دے۔

ولو كنت أعرف ذنبا لما كان خالجني الشك في أن أتوبا

اگر مجھے اپنا جرم معلوم ہو جائے تو توبہ کرنے میں مجھے کسی قسم کا تامل نہ ہوگا۔

سأصبرُ حتى ألاقي رضاك إما بعيدا و إما قريبا

میں آپ کی خوشنودی حاصل کرنے تک صبر کرتا رہوں گا خواہ وہ دیر سے حاصل ہو یا جلدی۔

أراقبُ رأيك حتى يصح وأنظر عطفك حتى يثوبا

میں آپ کی رائے کے بحال ہونے کا انتظار کرتا رہوں گا اور آپ کی مہربانی کے پلٹنے کا منتظر رہوں گا"۔

سعید بن حمید کہتا ہے:

لم آت ذنبا، فإن زعمت بأن أتيت ذنبا، فغير معتمد

"میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے اور اگر آپ کے خیال میں بندہ گناہ کا مرتکب ہوا ہے تو وہ عمداً نہیں کیا ہوگا۔

قد تطرف الكف عين صاحبها فلا يرى قطعها من الرشد

کبھی آدمی کا ہاتھ غلطی سے اپنی ہی آنکھ پر لگ جاتا ہے تو صحیح طریقہ یہ نہیں کہ اس ہاتھ کو کاٹ ڈالا جائے"۔

جب سیف الدولۃ بنوکلاب پر غالب ہو گئے تو متنبی اس قبیلہ کے لیے عطوفت کا طلبگار ہو کر اپنے قصیدے میں یوں کہتا ہے:

طلبتهم على الامواه حتى تخوف أن تفتشه السحاب

"آپ نے ان کو تمام پانی والے مقامات میں تلاش کرنا شروع کر دیا حتی کہ بادلوں کو بھی یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں آپ ان کی بھی تلاشی نہ لے لیں۔

يهز الجيش حولك جانبيه كما نفضت جناحيها العقاب

آپ کے اردگرد لشکر کے دونوں بازو یوں متحرک ہیں جیسے عقاب اپنے پر جھاڑ رہا ہو۔

وكيف يتم بأسك في أناس تصيبهم فيؤلمك المصاب؟

ان لوگوں کو آپ کیسے پوری سزا دے سکتے ہیں کہ جن کے سزا دینے سے خود آپ کو تکلیف ہوتی ہے۔

ترفق أيها المولى عليهم فإن الرفق بالجاني عتاب

اے میرے آقا! ان پر نرمی فرمایئے کہ مجرم پر مہربانی کرنا بھی عتاب کا ایک طریقہ ہے۔

وإنهم عبيدك حيث كانوا إذا تدعو لحادثة أجابوا

وہ جہاں بھی ہوں آپ کے غلام ہیں جب بھی آپ انہیں کسی حادثے کے وقت پکاریں گے وہ آپ کی پکار کا جواب دیں گے۔

وعين المخطئين هم وليسوا بأول معشر خطئوا فتابوا

دراصل واقعی ہی انہوں نے خطا کی ہے لیکن یہ کوئی پہلے لوگ نہیں ہیں کہ جو خطا کر کے تائب ہو رہے ہیں۔

وما جهلت أياديك البوادي ولكن ربما خفي الصواب

اہل بادیہ آپ کے احسانات سے ناواقف نہیں لیکن کبھی درست بات مخفی رہ جاتی ہے۔

وكم ذنب مولدهُ دلال وكم بعد مولدهُ اقتراب

اور کتنے ہی گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو ناز اور شوخی کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور کتنے ہی بعد ایسے ہیں کہ جن کا باعث قریب ہونا بن جاتا ہے۔

وجرم جرهُ سفهاءُ قوم وحل بغير جارمه العقاب

کتنے ہی ایسے جرم ہیں جو قوم کے نادانوں سے سرزد ہو جاتے ہیں لیکن ان گناہوں کی سزا دوسرے لوگ بھگتتے ہیں"۔

پانچویں فصل

مولد شعراء

زمانہ جاہلیت کے شعراء، قوم کی مدافعت اور اس کے حقوق کی حفاظت اور بلند کارناموں کی حفاظت کو دوام دیتے تھے، اور ان کی پوری ترجمانی کرتے تھے۔

بنو امیہ کے زمانہ میں یہ دین کے داعی، حکومت کو مضبوط کرنے والے ستون اپنے افکار کے حامی، اور اپنی جماعت کے موید تھے عہد عباسیہ میں وہ خلیفہ کے ساتھی، حکام وامراء کے ہم مجالس، شراب وعشق ومحبت کے دیوانے۔

عہد عباسیہ کے شروع میں بغداد کے اکثر شعراء ان محکوم قوموں سے تعلق رکھتے تھے، جو جبراً مسلمان ہوئے اور سرسری طور پر مسلمان ہو گئے تھے، انہوں نے اخلاق کو فحشیات سے برباد کیا، لوگوں میں الحاد، زندیقی، شکوک وشبہات کو رواج دیا۔

اسی کے ساتھ آزاد فکر، معانی کی جدت، نادر خیالات، عمدہ وصف، نئے مذاہب اور اچھے خاصے ادبی سرمایہ کا بھی اضافہ کیا۔
اس میں قابل ذکر شخصیات یہ ہیں:

مطیع بن ایاس، حماد عجرد، حسین بن ضحاک، بشار بن برد، والبہ بن حباب، ابونواس، مسلم بن ولید، ابان عبدالحمید، ابوالعتاہیہ، ابودلامہ، مروان بن ابی حفصہ، عباس بن احنف، علی بن الجہم، دعبل خزاعی اور علوک۔

بغداد کے شعراء

بشار بن برد:

بشار بن برد بن یرجوخ ولاء کے اعتبار سے عقیلی ہے کنیت ابو معاذ اور لقب مرعث ہے، کیونکہ اس کے کانوں میں بندے رہتے تھے۔ اس کا باپ ایرانی طخارستان کا باشندہ تھا، یہ مہلب بن ابی صفرہ کے قیدیوں میں سے تھا۔ اس کو مہلب نے عقیل کی ایک عورت کو ہبہ کر دیا تھا، اس عورت سے بعد میں نکاح کرنے کی وجہ سے وہ عقیلی کہلانے لگا، بشار بصرہ میں پیدا ہوا، اور بنی عقیل میں پرورش پائی وہ بصرہ کے مضافات میں عرب دیہاتیوں سے میل جول رکھتا تھا۔

چنانچہ جب جوانی میں پہنچا تو اس کی زبان نہایت فصیح اور بیان غلطیوں سے پاک تھا، اس لیے علماء نحو بشار کی شاعری کو قابل سند شمار کرتے ہیں اور یہ اس اعتبار سے آخری شاعر ہے، جب سر پہ ذمہ داری آئی تو اس نے امراء وحکماء کی مدح سے انعامات حاصل کر کے زندگی گزارنی شروع کی۔ اگر وہ ہجو اور عورتوں سے تعرض نہ کرتا تو وہ اپنی شاعری کی وجہ سے نہایت آسودہ زندگی بسر کرتا، لیکن اس کی فحش بیانی کی وجہ سے لوگ برہم ہو گئے، اور دوشیزاؤں کی حرمت اور پردہ نشینوں کی عزت بچانے کے لیے اس کو مارنے کا ارادہ کیا، مالک بن دینار کا قول ہے کہ:

"لوگوں کو گناہوں پر ابھارنے والی اس کی شاعری سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہے"۔

خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں نے مہدی کے دربار میں جا کر اس کا عشقیہ قصیدہ سنایا جس پر مہدی نے کہا کہ یہ شاعری دلوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہے، اور مشکلات کو آسان کرتی ہے۔

پھر بشار کو حاضر کر کے اس سے کہا کہ اگر تو نے آج کے بعد ایک شعر بھی عشقیہ کہا تو میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ چنانچہ بشار اس کے بعد جب شوق میں آ کر مستانہ شاعری کرنا چاہتا تو اسے خلیفہ کی بات یاد آ جاتی، لیکن وہ تنبیہ اس کو نہ روکتی اور یہ اپنی مرضی کی شاعری کر دیتا۔

جب فحش گوئی حد سے بڑھ گئی تو لوگوں اور خلیفہ کی تنبیہ بھی کارگر نہ ہوئی تو لوگوں نے دوبارہ خلیفہ سے شکایت کی اور تمام الزامات بیان کیے۔ اسی دوران بشار نے مہدی کی مدح بھی کی لیکن مہدی بجائے خوشی کے اس پر برس پڑا پھر بشار نے اس کی ہجو بیان کر دی اس میں یہ اشعار بھی تھے:

بني أمية هبوا أطال نومكم ... إن الخليفة يعقوبُ بن داؤد

''اے بنو امیہ تم خوب سو لیے اب جاگو، خلیفہ یعقوب بن داؤد ہے۔

ضاعت خلافتكم يا قوم فالتمسوا ... خليفة الله بين الزق والعود

اے قوم تمہاری خلافت ضائع ہو گئی ہے اگر تم خلیفۃ اللہ کو تلاش کرو گے تو اس کو شراب و ستار کی محفل میں پاؤ گے''۔

جب یہ ہجو خلیفہ کو پہنچی تو خلیفہ نے کوتوال کو بلا کر اسے کوڑے لگوائے، اس نے اتنے کوڑے مارے کہ وہ مر گیا۔ یہ واقعہ ۱۶۷ھ کا ہے جب اس کی عمر ستر (۷۰) برس کی تھی۔

بشار کے اوصاف اور اخلاق:

بشار مادر زاد اندھا تھا گو اس نے دنیا میں کسی چیز کو بھی نہیں دیکھا مگر پھر بھی چیزوں کی تشبیہات میں جو اس کو کمال حاصل تھا وہ آنکھوں والوں کو بھی نہ تھا۔ مثلاً وہ جنگ میں اڑنے والے غبار کو رات کے ساتھ تشبیہ دے کر کہتا ہے کہ:

كان مثار النقع فوق رؤسنا ... وأسيافنا ليلٌ تهاوى كواكبه

''جنگ میں ہمارے سروں کے اوپر اڑنے والا غبار اور تلواریں ایسی لگتی ہیں جیسے رات کی تاریکی میں تارے ٹوٹ کر گر رہے ہیں''۔

بشار نہایت لمبی جسامت والا، ابھری آنکھوں اور بڑے چہرے والا تھا، اور آنکھوں پر سرخ گوشت تھا، بدشکل اور اندھا تھا، ایک مرتبہ کسی عورت نے کہا کہ پتا نہیں اس ناپسندیدہ چہرے کے باوجود لوگ اتنا تجھ سے کیوں مرعوب ہو جاتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ شیر کا حسن لوگوں کو مرعوب نہیں کرتا۔ ایک دفعہ ایک ادیب اس سے ملنے اس کے گھر گیا تو اس کو دہلیز پر بھینسے کی طرح سوتے پایا، تو اس نے بشار سے کہا کہ اے ابو معاذ، یہ شعر کس کا ہے:

إن في بردي جسما ناحلا ... لو توكأت عليه لا نهدم

''میرے کپڑوں میں ایک کمزور جسم ہے تو اگر محبوبہ اس سے ٹیک لگائے تو وہ دھڑام سے گر جائے''۔

بشار نے کہا کہ یہ میرا ہی شعر ہے، پھر اس نے پوچھا کہ یہ کس کا شعر ہے:

فی حلتی جسم فتی ناحل   لو هبت الریح به طاحا

''میرے لباس میں ایک لاغر جوان کا جسم ہے اگر اس پر ہوا بھی چلے تو وہ اڑ جائے گا''۔

بشار نے جواب دیا کہ یہ بھی میرا ہے۔ ادیب نے کہا کہ اتنا مبالغہ اور کذب بیانی کا تکلف کیوں کیا۔ میرا تو خیال ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ وہ تیز آندھیاں بھی چلا دے جن سے پہلے اقوام برباد ہوئیں تو بھی تجھ کو اپنی جگہ سے نہ ہٹا سکیں گی۔

بشار بڑا حاضر جواب، ذہین، حساس، بدزبان، منہ پھٹ اور مزاحیہ تھا، مشتبہ دیندار اور تناسخ کا قائل تھا، آگ کو مٹی پر فوقیت دیتا تھا، اور ابلیس کا آدم علیہ السلام کو سجدہ سے انکار کے بارے میں شیطان کی حرکت کو صحیح کہتا تھا، ایک شعر میں کہتا ہے:

الارض مظلمة والنار مشرقة   والنار معبودة مذ کانت النار

''زمین تاریک اور آگ روشن ہے۔ جب سے آگ پیدا ہوئی ہے اس کی عبادت ہو رہی ہے''۔

بشار جب شعر کہنے لگتا تو پہلے تالی بجاتا، کھنکھارتا اور دائیں بائیں تھوکتا پھر شعر پڑھتا۔

شاعری:

بیس برس کی عمر میں شاعری شروع کی جوانی کی ابتداء میں ہی وہ ملک میں مشہور ہو گیا اس نے جریر کا زمانہ بھی پایا اور اس کی ہجو بھی کی تھی، خود اس کا قول ہے کہ میں نے جریر کی ہجو کی لیکن اس نے مجھے بچہ سمجھ کر کچھ نہ سمجھا، اگر وہ جواب دے دیتا تو میں بڑا شاعر بن جاتا۔

اس نے سب سے پہلے شاعری ہجو سے شروع کی کیونکہ اس وقت اسی شاعری کی مانگ تھی، اس کے بعد اس نے نہ کہ صرف موجودہ اقسام شاعری میں زور آزمائی کی بلکہ نئی اقسام شاعری ایجاد کیں شاعری کے تمام ناقدین متفق ہیں کہ بشار مولدین شعراء کا سرگروہ ہے۔ فحش کلام اور رقت انگیز غزل میں سب کا امام تھا۔ یہ پہلا شاعر ہے جس نے بدوانہ بھاری پن اور شہری نزاکت کو یکجا جمع کیا۔ اور نئی، پرانی شاعری کے درمیان اس کی شاعری حد اوسط ہے، طبقہ مولدین میں اس کا مقام ایسا ہے جیسے امرؤ القیس کا جاہل شعراء میں۔

نامانوس الفاظ اور دوسری خامیوں کے باوجود اس کی شاعری کے زوائد وخلل سے پاک ہونے کی وجہ سے اصمعی اس کو ''اعشیٰ'' اور نابغہ کے برابر قرار دیتا ہے، اور کہتا تھا کہ بشار خطیب تھا، نظم ونثر پر مکمل قدرت رکھتا تھا، وہ جدت طراز شاعر، شاعری کی تمام اقسام میں ماہر اور ہر قسم میں طبع آزمائی کرنے والا شاعر تھا۔

بشار کی شاعری رونق وحسن کی وجہ سے بصرہ کے جوانوں اور آزاد مزاجوں میں خوب مقبول ہوئی، حتیٰ کہ عورتوں پر بھی اس کا جادو چلا وہ بھی اس کے پاس جاتیں، اس کے اشعار دل خوش کرتے ہوئے گاتی تھیں ایک عبدہ نامی کنیز پر عاشق ہو گیا تھا اور اس کا شاعری میں نام لے کر مشہور بھی کر دیا تھا۔ ان کے متعلق قصے اور باتیں لوگوں میں مشہور ہو گئے تھے۔

شاعری کے عیوب:

اس کی شاعری کی قابل تنقید باتیں معلوم کرنا کامل طور پر تو ناممکن ہے کیونکہ اکثر شاعری زمانہ کے ہاتھوں ضائع ہو گئی بارہ ہزار

قصائد میں سے صرف چند قصیدے مختلف کتب میں ملتے ہیں خلاصہ یہ کہ اس کے عیوب میں سے یہ ہے کہ وہ مذاق اور دل لگی میں حد سے گزر جاتا ہے، دوسرا یہ ہے کہ قافیہ نہ ملنے کی صورت میں الفاظ اجنبیہ سے جگہ پوری کرتا ہے۔ تیسرا یہ کہ اچھے الفاظ اور معانی سے اتر کر گھٹیا اور سطحی معانی پر آ جاتا ہے۔

مثلاً اپنی محبوبہ کے بارے میں کہتا ہے:

ربابة ربة البيت تصب الخل في الزيت

ربابہ گھر کی مالکہ ہے وہ زیتون کے تیل میں سرکہ ڈالتی ہے۔

لها عشر دجاجات وديك حسن الصوت

اس کی دس مرغیاں ہیں اور اچھی آواز والا مرغ ہے۔

مثلاً دوسرے اشعار:

إن سلمى خلقت من قصب قصب السكرُ لا عظم الجمل

سلمہ شکر سے بنی ہے اونٹ کی ہڈی سے نہیں۔

وإذا أدنيت منها بصلا غلب المسك على ريح البصل

اگر تم اس کے پاس پیاز لے جاؤ تو اس کے مشک کی خوشبو پیاز کی بو پر غالب آ جائے گی۔

مگر بشار معذرت کے ساتھ یہ کہتا تھا کہ پہلی قسم کی شاعری حالات کی وجہ سے مجبوراً کی گئی ہے اور دوسری شاعری بچپن کی یاد میں ہے۔

شاعری کا نمونہ:

عشقیہ شاعری:

يزهدني في حب عبدة معشر قلوبهم فيها مخالفة قلبي

جن لوگوں کے دل میرے دل کے موافق نہیں وہ مجھ سے عبدہ کی محبت کم کرنا چاہتے ہیں۔

فقلت دعوا قلبي وما اختار وارتضى فبالقلب لا بالعين يبصر ذو الحب

میں ان سے کہتا ہوں کہ میرے دل کو اس کی مرضی اور اختیار میں رہنے دو، کیونکہ عاشق دل کی آنکھوں سے دیکھتا ہے نہ کہ سر کی آنکھوں سے۔

يا قوم أذني لبعض الحي عاشقة والأذن تعشق قبل العين أحيانا

اے لوگو! محلہ کے کسی فرد پر میرا کان عاشق ہو گیا ہے بعض دفعہ آنکھ سے پہلے کان عاشق ہو جاتا ہے۔

قالوا بمن لا ترى تهذي؟ فقلت لهم الأذن كالعين توفي القلب ما كانا

لوگ کہتے ہیں کہ جس کو تم نے دیکھا تک نہیں اس کے بارے میں بکواس کرتے ہو، میں ان کو جواباً کہتا ہو کہ کان بھی آنکھ کی طرح حقیقت کی خبر دے دیتا ہے۔

لم يطل ليلي ولكن لم أنم ونفى عني الكرى طيف' الم

میری رات لمبی نہیں ہوئی بلکہ مجھ کو نیند ہی نہ آئی۔ محبوبہ کے خیال نے میری نیند اڑا دی۔

نفسي يا عبد عني واعلمي أنني يا عبد من لحم ودم

اے ''عبدہ'' میرے حال پہ رحم کھا اور یہ جان لے کہ میں گوشت اور خون ہی کا بنا ہوں۔

إن في بردي جسما ناحلا لو توكأت عليه لانهدم

میرے لباس میں کمزور سا جسم ہے اگر ٹیک لگائے گی تو وہ دھڑام سے گر پڑے گا''۔

اس کے شہرت یافتہ اشعار:

هل تعلمين وراء الحب منزلة تدني إليك، فإن الحب أقصاني

''کیا محبت کے علاوہ کوئی اور جگہ تجھ کو معلوم ہے جہاں میں تجھ سے قریب ہوسکوں اس محبت نے تو مجھ کو تجھ سے دور کر دیا ہے''۔

أنا والله أشتهي سحر عينيك وأخشى مصارع العشاق

''خدا کی قسم! میں تیری آنکھوں کے جادو کا مشتاق ہوں اور عاشقوں کی طرح مارے جانے سے مجھ کو ڈر بھی لگتا ہے''۔

اس کے مذکورہ اشعار سے جبریہ عقیدہ کی تائید ہوتی ہے:

طبعت على ما في غير مخير هواي، ولو خيرت كنت المهذبا

''میں جن اخلاق پر پیدا کیا گیا ہوں وہ اختیاری نہیں ہیں اگر مجھ کو اختیار ملتا تو میں مہذب ہوتا۔

أريد فلا أعطى، أعطي ولم أرد وقصر علمي أن أنال المغيبا

جو مجھے ملتا ہے وہ میری چاہت نہیں جو میری چاہت ہے وہ ملتا نہیں اور میرا علم علم الغیب کے حصول سے عاجز ہے''۔

اوصاف اور شجاعت کا نمونہ:

إذا الملكُ الجبارُ صعر خدهُ مشينا إليه بالسيوف نعاتبه

''جب کوئی ظالم بادشاہ اکڑتا ہوا آتا ہے تو ہم اس کو ذرا ٹھنڈا کرنے کے لیے تلواریں لے کر مقابلہ کے لیے آجاتے ہیں۔

وأرعن يغشى الشمس لون حديده وتحسُ أبصار الكماة كتائبهُ

جس لشکر کے نیزے اور لوہے کے ہتھیاروں سے سورج چھپ جاتا ہے اور جس کے فوجی دستے بڑے دلیروں کو دیکھنے سے روک دیتے ہیں۔

تغص به الأرضُ الفضاءُ إذا غدا تزاحمُ أركان الجبال مناكبه

اور وسیع زمین جس کی کثرت سے تنگ پڑ جاتی ہے، جب صبح کو چلتے ہیں تو اس کی حرکت سے اس کے کنارے پہاڑوں کی چوٹیوں سے مزاحمت کرتے ہیں۔

ركبنا له جهراً بكل مثقف وأبيض تستسقي الدماء مضاربه

تو ہم ایسے لشکر کے مقابلہ میں خون چوسنے والے نیزے اور تلواریں لے کر چڑھائی کرتے ہیں۔

كأن مثار النقع فوق رؤوسنا وأسيافنا ليل تهاوى كواكبه

جنگ میں ہمارے سروں کے اوپر اڑنے والا غبار اور تلواریں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے رات کی تاریکی میں تارے ٹوٹ کر گر رہے ہیں"۔

ابوالعتاہیہ (ولادت ۱۳۰ھ وفات ۲۱۱ھ)

پیدائش اور حالات زندگی:

اس کا پورا نام اسماعیل بن قاسم بن سوید ہے کنیت ابواسحاق اور لقب ابوالعتاہیہ، وہ حجاز میں عین التمر نامی گاؤں میں پیدا ہوا، اور کوفہ میں خاندانی کمہار کا پیشہ سیکھتے ہوئے پرورش پائی۔

چنانچہ وہ بھی مٹکے بنا کر رسی کی جالی میں اٹھا کر آواز لگاتے ہوئے بیچتا تھا، اس کے ساتھ ہی اس کو شاعری اور ادب کا بڑا شوق تھا، وہ خود بے تکلف موزوں شعر بناتا رہتا کبھی دوران گفتگو ایسی بات کرتا کہ لوگ مسجع نثر سمجھتے لیکن وہ شعر ہوتا تھا۔ کیونکہ اس کی طبیعت میں شاعری کا ملکہ بڑی حد تک راسخ تھا، حتی کہ اپنے متعلق کہتا تھا، اگر میں ہر بات شاعری میں کہنا چاہوں تو میں کہہ سکتا ہوں۔

یہ کہتا کہ شاعری ہنر نہیں خداداد صلاحیت کا نام ہے، اس شاعر کی زندگی سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ جو عروض، قوافی کے فن سے ناواقف تھا اس کے باوجود اس کی شاعری جب کوفہ کے نوجوانوں اور ادبی حلقوں میں پہنچی تو لوگ اس کے پاس آنے لگے، اور اس کا شعر سننے لگے، سننے والے وہاں سے ٹھیکریاں اٹھا کر ان پر اشعار لکھتے۔ اس طرح ابوالعتاہیہ اپنے آدے میں ٹھیکریاں بھی بنانے لگا۔

لیکن کچھ دیر بعد وہ ایسے موتی بھی بنانے لگا جو امراء کے گلوں کا ہار بننے لگے، حتی کہ وہ لوگوں میں ضرب المثل بن گیا، اور مٹی، پانی سے نکل کر حکماء اور خلفاء شعراء کے دربار کی رونق بنا، مہدی کے زمانہ میں وہ علم وادب کے مرکز بغداد پہنچا، اس نے مہدی کی مدح کر کے اس کے ہاں بڑی عزت پائی اس کی کنیزوں میں سے ایک سے دل لگی کر لی جس کا نام عتبہ تھا۔

اس کے عشق میں بڑے اشعار کہے مہدی نے یہ کنیز اس کو دینے کا ارادہ کر لیا لیکن کنیز نے نفرت کی اور اس کو پسند نہ کیا۔ پھر مہدی مال و دولت دے کر اس کے دل سے کنیز کی محبت دور کرتا رہا۔ مگر وہ مال تو لے لیتا لیکن اس کے ذکر سے باز نہ آتا حتی کہ مہدی کے مدحیہ اشعار میں بھی اس کا ذکر کرنے لگا۔

کہتے ہیں کہ یہ صرف تکلفاً ذکر کرتا تھا تا کہ لوگوں میں اس کا ذکر ہوتا رہے، جب مہدی کے انتقال کے بعد ہادی جانشین ہوا تو اس کی شاعری میں بھی تبدیلی آ گئی۔ عتبہ کا ذکر چھوڑ کر زہد اختیار کیا، بعض فرقوں اور متکلمین کے مذاہب کا مطالعہ شروع کیا۔ ہر ایک پر وقت لگاتا جب کسی طرف سے اعتراض آتا تو اس مصروفیت کو ترک کر دیتا، رشید کا زمانہ آنے سے پہلے ہی اس تغزل مستی کی شاعری چھوڑ کر زہد، آخرت، موت کی یاد کی طرف رخ کر لیا۔ پھر کچھ حالات کی بنا پر بالکل شاعری چھوڑ دی۔

رشید کے شاعری پر مجبور کرنے کے باوجود شاعری نہ کی، چنانچہ رشید نے اس کو ساٹھ بید لگوائے اور جب تک شاعری شروع نہ کی اس کو جیل سے رہا نہ کیا۔ پھر رشید نے ابوالعتاہیہ کو اپنا خصوصی مقرب بنا لیا اور سفر حضر میں اپنے ساتھ رکھا۔ ۵ ہزار درہم وظیفہ اس

کے اور وزراء کے انعامات کے علاوہ مقرر کیا۔ اس طرح اس کی شہرت بڑھ گئی اور گانے والے اس کے شعر کہنے لگے، حتیٰ کہ زاہد و عابد لوگ بطور مناجات اس کی شاعری پڑھنے لگے۔ علماء اور رواۃ اس کی شاعری جمع کرنے لگے۔ یہ سلسلہ رشید اور امین کے دور اور مامون کے اکثر حصہ خلافت تک جاری رہا حتیٰ کہ وہ ۲۱۱ھ میں انتقال کر گیا۔

اوصاف اور اخلاق:

ابوالعتاہیہ گورے رنگ، سیاہ گھنگریالے کانوں تک لٹکے ہوئے بالوں والا خوش خلق، زبان کا میٹھا، مذہب میں متذبذب، آراء میں اضطراب کی وجہ سے عقیدہ کا کمزور تھا۔

تونگری کے باوجود اپنے اور اہل عیال پر خرچ کرنے میں تنگی کرتا تھا، بعض کا کہنا ہے کہ حیاۃ بعد الموت کا منکر تھا، اس کی دلیل یہ ذکر کرتے ہیں کہ اس کی شاعری میں موت، خاتمہ، فناء ہونے کا تو ذکر ملتا ہے مگر دوبارہ زندہ ہونے کا نہیں ملتا۔ بہر حال اس کی زندگی کا مطالعہ کرنے والا اس کو غیر مستقل مزاج اور انوکھے عجیب اخلاق والا، نسب، علم و عقیدہ میں مضطرب ہی پائے گا۔

شاعری:

ابوالعتاہیہ گہرا سمندر ہے، باریک معانی، آسان الفاظ، کثیر مضامین اور کم تکلف والی شاعری کرتا تھا، اکثر شاعری کم درجہ کی ہے اور اس کی بہتر شاعری وہ ہے جو زہد و تقویٰ پر کہی ہے یا جس میں ضرب الامثال ہیں ''اصمعی'' نے کہا کہ ابوالعتاہیہ کی شاعری بادشاہ کے صحن کی طرح ہے جس میں جوہر، مٹی، سونا، اور گٹھلیاں اکٹھی پڑی ہیں یہ بات درست ہے، کیونکہ وہ بغیر کانٹ چھانٹ کے فی البدیہ اشعار کہتا چلا جاتا تھا، اسی وجہ سے وہ مولدین کے طبقہ میں بشار، ابونواس کی طرح شمار ہوتا تھا۔

اور ابونواس تو اس کو اپنے پر ترجیح دیتا تھا۔ نیز ابوالعتاہیہ کی شاعری کا امتیاز، الفاظ کی سہولت اور تکلف کی کمی بھی ہے، حتیٰ کہ اس پر ابتذال کا گمان ہوتا ہے اس پر دلیل اس کے پاس یہ تھی کہ اس کا موضوع وعظ و نصیحت ہے اس لیے عام فہم شاعری کرتا تھا، تب ہی اس کا فائدہ ہوسکتا ہے ورنہ نہیں۔

اسی شاعر نے بعد والے شعراء کے لیے وعظ و نصیحت کا دروازہ کھولا اور شعراء اس کا اتباع کرتے رہے یہ بات درست ہے کہ اس نے ہر قسم پر زور آزمائی کی لیکن اس کو جو برتری ملی وہ ضرب الامثال اور وعظ و نصیحت ہی کی وجہ سے ملی ہے، اس نے ایک رجزیہ قصیدہ میں چار ہزار سے زائد ضرب الامثال کو جمع کیا ہے اور اس کی غزل کا بہترین حصہ وہی ہے جو اس نے عتبہ کی محبت میں کہا تھا۔

اور اچھے قصائد وہ ہیں جو رشید اور مہدی کی مدح میں کہے تھے، ہجو کرنے سے اس نے اپنی زبان کو بچائے رکھا، حتیٰ کہ اس کے اور عبداللہ بن معن کے درمیان کچھ حالات ناساز گار بن گئے جس کی بنا پر اس کو ہجو کے موضوع پر بھی زبان کو حرکت میں لانا پڑا، لیکن اس میں بھی فحش اور لغویات نہ تھی مثلاً ہجو میں کہتا ہے:

فصغ ما کنت حلیت به سیفك خلخالا

''اپنی تلوار کو تو نے جس سے مزین کر رکھا ہے اس کو اتار کر ہاتھوں کے لیے کنگن بنا لے۔

وما تصنع بالسیف إذ لم تكُ قتالاً؟

تو تلوار کا کیا کرے گا جب کہ تجھ میں تو قتال کرنے کی قوت ہی نہیں ہے۔

ولو مد إلى أذنيه كفيه لما نالا

اگر وہ اپنے ہاتھ کانوں تک بھی پہنچانا چاہے تو نہیں پہنچا سکے گا۔

أرى قومك أبطالاً وقد أصبحت بطالا

تیری قوم تو مجھ کو دلیر نظر آتی ہے مگر تو تو بالکل گیدڑ ہے"۔

غزل میں کہتا ہے:

عيني على عتبة منهلةٌ بدمعها المنسكب السائل

"عتبہ کی جدائی میں میری آنکھ آنسوؤں کی جھڑیاں برسا رہی ہے۔

كأنها من حسنها درة اخرجها اليم إلى الساحل

وہ اپنے حسن میں اس موتی کی طرح ہے جس کو سمندر سے ابھی نکالا ہو۔

كأن في فيها وفي طرفها سواحراً أقبلن من بابل

اب لگتا ہے جیسے اس کی آنکھوں اور منہ میں بابل کی جادوگرنیاں آ بیٹھی ہیں۔

بسطت كفي نحوكم سائلاً ماذا تردون على السائل؟

میں نے دستِ سائل تمہاری طرف پھیلا دیا ہے اب تم سائل کو کیا دے کر لوٹاتے ہو۔

إن لم تنيلوهُ فقولوا لهُ قولاً جميلاً بدل النائل

اگر تم کچھ نہ دے سکو تو کم از کم اچھی بات ہی کہہ کر لوٹا دو۔

لم يبق مني حبها ما خلا حشاشة في بدن نحاحل

اس کی محبت نے میرے کمزور جسم میں روح کے علاوہ اور کچھ نہیں چھوڑا۔

يا من رأى قبلي قتيلاً بكى من شدة الوجد على القاتل!

اے لوگو! تم نے مجھ سے پہلے کبھی کسی مقتول کو قاتل پر شدت سے روتے ہوئے دیکھا ہے"۔

مہدی کی بیٹی کی وفات پر مرثیہ میں کہتا ہے:

ما للجديدين لا يبلى اختلافهما وكل غصن جديد فيهما بالي؟

"دن و رات میں کون سی خاص بات ہے کہ مسلسل بدلنے کے باوجود بوسیدہ نہیں ہوتے حالانکہ ہر نئی شاخ گردش سے پرانی ہو جاتی ہے۔

يا من سلا عن حبيب بعد ميتته كم بعد موتك أيضاً عنك من سالي!

اے شخص! جو محبوب کی موت کے بعد اس کی موت کا غم بھلا چکا ہے کتنے لوگ ہیں کہ تیرے مرنے کے بعد موت کو

بھلادیں گے۔

كأن كل نعيم أنت ذائقه　　من لذة العيش يحكي لمعة الآل

اس بات کو نہ بھولنا کہ دنیا کی ہر نعمت کی لذت ایسی ہے جیسے کوئی سراب ہو۔

لا تلعبن بك الدنيا وأنت ترى　　ماشئت من عبر فيها وأمثال

دنیا میں ان عبرتوں اور مثالوں کو دیکھنے کے بعد تم حقائق سے غافل مت ہونا۔

ما حيلة الموت إلا كل صالحة　　أولا، فما حيلة فيه لمحتال

موت کے غم وفکر سے نجات کا راستہ صرف نیک عمل ہے یہ اگر نہیں ہے تو پھر کوئی حیلہ بھی غم سے نجات نہ دے سکے گا''۔

جب رشید نے اس کو شاعری چھوڑنے پر قید کیا تو کہا:

تذكر أمين الله حقي وحرمتي　　وما كنت توليني لعلك تذكر

''اے امین میرے حق اور حرمت کا خیال کر اور اپنے انعام واکرام کو مجھ پر یاد کر شاید مجھے جان سکے۔

ليالي تدني منك بالقرب مجلسي　　ووجهك من ماء البشاشة يقطر

یاد کر ان راتوں کو جن میں تو مجھے مجالس میں اپنے قریب بٹھاتا تھا، اور خوشی سے تیرے چہرے پر بشاشت ٹپکتی تھی۔

فمن لي بالعين التي كنت مرة　　إلي بها في سالف الدهر تنظر

اس پرانی نظر کرم کو اب کون دوبارہ میرے لیے واپس لے کر آئے گا''۔

رشید کو نصیحت کرتے ہوئے:

لا تأمن الموت في طرف ولا نفس　　ولو تسترت بالأبواب والحرس

''تو کسی لمحہ اور کسی سانس بھی موت سے بے خوف مت ہونا اگرچہ کتنے ہی دربان اور دروازے حفاظت کے لیے رکھے ہوئے ہوں۔

واعلم بأن سهام الموت قاصدة　　لكل مدرع منا ومترس

یہ یقین کر لو کہ موت کے تیر ہر ڈھال اور زرہ پہنے ہوئے کی طرف چلے آرہے ہیں۔

ترجو النجاة ولم تسلك مسالكها　　إن السفينة لا تجري على اليبس

تو نجات کا تو طالب ہے مگر اس کے راستے پر نہیں چلتا کبھی کشتی خشکی پر بھی چلی ہے۔

اور اس نے کہا:

لدوا للموت وابنوا للخرب　　فكلكم يصيرُ إلى ذهاب

موت کے لیے اولاد پیدا کرو اور ویران بننے کے لیے عمارات بناؤ، پس تم سب فنا ہو جاؤ گے۔

ألا يا موت لم أر منك بدأ　　أتيت وما تحيف وما تحابي

اے موت تجھ سے کوئی چھٹکارا نہیں ہے تو آ کر رہتی ہے اور کوئی رعایت نہیں کرتی۔

كأنك قد هجمت على مشيبي　　كما هجم المشيب على الشباب

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو میرے بڑھاپے پر اس طرح حملہ کر رہی ہے جس طرح میرا بڑھاپا میری جوانی پر حملہ آور ہوا تھا۔

ابونواس (پیدائش ۱۴۵ھ وفات ۱۹۹ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

اس کا نام حسن بن ہانی بن عبدالاول حکمی ہے، اس کی کنیت ابونواس تھی، کیونکہ خلف الاحمر کا ولاءً تعلق یمن سے تھا، اور وہ اس کو سب سے زیادہ چاہتا تھا خلف نے اس سے کہا کہ تم یمن کے اشراف میں سے ہو اس لیے جن بادشاہوں کے شروع میں ذو لگتا ہے ان میں سے کسی کے نام پر اپنی کنیت رکھ لو، پھر بادشاہ نے نام گنوائے، ذوجدن، ذویزن، ذونواس، اس نے ذونواس کو پسند کر کے اپنی کنیت رکھی، اور اس کی پہلی کنیت، ابوعلی، پر یہ کنیت غالب آ گئی، یہ ''اھوازن'' کے علاقہ میں ایک بستی میں پیدا ہوا اور وہاں سے بصرہ پہنچ کر پرورش پائی، پھر بغداد چلا گیا اور وہیں انتقال ہوا۔

اس کا باپ بنوامیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد کی فوج میں ملازم تھا، جب اس کا باپ فوت ہو گیا تو روزی سے تنگ آ کر اس نے ایک عطرفروش کے پاس کام کرنا شروع کر دیا۔

لیکن وہ علم اور شعروشاعری کا دلدادہ تھا، چنانچہ وہ علماء کی مجالس اور مشاعروں میں شریک ہو کر اپنا کلام سناتا جب اس نے والبہ بن حباب کی شاعری کی شہرت سنی تو اس سے ملنا چاہا تاکہ اس سے کچھ سیکھ سکے اتفاقاً حباب کا گزر اسی دکان سے ہوا جہاں یہ کام کرتا تھا، والبہ نے اس میں ذہانت وذکاوت کے آثار دیکھ کر کہا کہ مجھے تمہارے اندر جوہر نظر آ رہے ہیں کہیں تم ان کو ضائع نہ کر دو، تم شاعر بنو گے اگر تم میرے پاس رہو تو میں تم کو کامل فن تک پہنچا دوں گا، ابونواس نے کہا کہ تم کون ہو اس نے جواب دیا کہ میں والبہ بن حباب ہوں۔ ابونواس نے کہا کہ واللہ میں تو خود آپ کی تلاش اور اس فکر میں تھا کہ کوفہ پہنچ کر آپ سے کچھ سیکھوں۔

چنانچہ ابونواس اس کے ساتھ چل دیا جب بغداد آیا تو اس کی عمر تیس سال سے کچھ زائد تھی، وہاں علماء، شعراء کی مجالس میں رہا اور ان سے درس حاصل کرتا رہا حتی کہ وہ اپنے وقت کا بڑا صاحب علم اور بہترین شاعر بن گیا۔

جب اس کی شہرت رشید تک پہنچی تو اس نے اپنی مدح کی اجازت دے دی، اور یہ اس کی مدح کر کے اس کا مقرب بن گیا، اور اس تقرب پر اس کو اتنا فخر تھا کہ بڑے بڑے وزیر اور بنوامیہ کے سردار سکریٹری وغیرہ اس کے پاس سے گزرتے ہوئے سلام کرتے تو یہ اسی طرح ٹانگیں پھیلائے، ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا رہتا تھا، ذرا حرکت نہ کرتا تھا۔

وہ صوبے کے گورنروں کے پاس جا کر ان کی مدح بھی کرتا تھا ان میں سے ایک مصر کا گورنر خصیب بھی ہے جس کی خوب مدح سرائی کی اس کے بہت سے قصائد ہیں جن کو مصریوں نے نقل کیا ہے لیکن بغدادیوں نے روایت نہیں کیا۔ پھر وہ محمد امین کا ہی بن کر رہ گیا۔ اس کی محفل کا شریک اور اس کی مدح سرائی کی مگر اس کے خلاف ایک جرم کے ثبوت پر گورنر نے شاعر کو قید کی سزا دے دی پھر رہائی کے بعد جلد ہی ۱۹۹ھ میں بغداد میں انتقال کر گیا۔

صفات اور اخلاق:

ابونواس، خوبصورت، خفیف روح، شیریں بیان، حاضر دماغ، فصیح زبان، شراب کا عادی اور بڑا مسخرہ تھا، آداب مجلس کے لیے تمام ضروری صفات کا مجموعہ تھا، اور دینی امور میں استخفاف سے کام لیتا تھا، اور شاعری میں دوسرے شعراء سے مقابلے بھی کیے اس کا مزاحیہ کلام دیوان کے علاوہ الگ جمع کیا گیا ہے، جس کا پہلا حصہ مصر میں شائع ہوا مگر اس کا اکثر حصہ من گھڑت ہے کیونکہ اس کی شاعری کا اکثر حصہ، کھیل کود، شراب کے وصف پر مشتمل ہے، جبکہ اس کے ہم عصر اور بعد کے شعراء کا یہ طرز نہ تھا۔

اس لیے لوگوں نے جہاں بھی اس سے ملتی جلتی شاعری دیکھی اور شاعر کا نام معلوم نہ ہو سکا تو اس کو اسی کی طرف منسوب کر دیا، اور جنان نامی شاعرہ جس سے اس کو محبت تھی اس کے ساتھ بہت سے واقعات اس کے بارے میں مشہور ہیں۔

شاعری میں اس کا مقام:

ابونواس لغت کا ماہر اور عربی اشعار اور اخبار کا بڑا راوی تھا۔ حتی کہ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے اس وقت شاعری شروع کی جب مردوں کے علاوہ ساٹھ شاعرہ عورتوں کا کلام بھی حفظ کر لیا تھا۔

جاحظ نے اس کے بارے میں کہا کہ میں نے اس سے بڑا لغت جاننے والا اور فصیح اللسان نہیں دیکھا، اور اس کے کلام میں شیرینی ہے اور ناپسند باتوں سے خالی ہے۔ تمام اقسام میں شاعری کی یہ تمام شعراء میں فحش بیانی، صراحت قولی، اپنے ماحول کی صحیح عکس بندی اور شراب کے اوصاف بیان کرنے کی وجہ سے ممتاز تھا، اور شراب کے تو خاص کر اوصاف بیان کرنے میں سب سے آگے تھا۔ اگر حسنین (حسن بصری، اور ابن سیرین) بھی سن لیتے تو اس کے لیے زہد وتقویٰ کو ترک کر دیتے۔

اس کے تعریف میں اشعار کم ہیں اور جو ہیں ان میں اکثر رشید اور اس کے بیٹے امین کی مدح میں ہیں، اپنے لفظی اور معنوی طرز کی وجہ سے یہ دوسرا بشار معلوم ہوتا ہے، اور بہت دفعہ اس کے طرز پر عمل بھی کیا ہے حتی کہ جاحظ نے کہا کہ ابونواس اور بشار کے معنی ایک اور شخص دو ہیں۔ بشار کو طبیعت ایسی ملی تھی کہ نہ شعر کہنے میں تکلف تھا نہ کوئی تھکن ہوتی تھی، اور ابونواس کی طبیعت ایسی تھی کہ اس کی شاعری بے اجازت دل میں اتر جاتی تھی۔

ابونواس، شاعری کی تنقیح (کانٹ چھانٹ) میں مشہور تھا رات کو شعر بنا کر چھوڑ دیتا پھر صبح نظر ثانی کر کے اچھے اشعار پر ہی اکتفاء کرتا اور زائد حصہ حذف کر دیتا، اسی وجہ سے اس کے قصیدے چھوٹے ہیں، رقت مزاجی کے باوجود اس کے الفاظ وزنی اور طرز عمدہ ہے۔ حتی کہ شاعری میں کچھ نئی تبدیلیاں کی جن کو دیگر شعراء نے قابل اعتراض بتایا مگر دوسرے شعراء نے ان کو اپنا لیا مثلاً آزاد فحش بیانی، محبوب کو مذکر ذکر کرنا، بے قید مزاح، اس میں شک نہیں کہ جو طریقہ اس کے اپنایا وہ ادب میں جرم کی حیثیت رکھتا ہے، اور عرب شاعری کی تاریخ میں پیشانی پر داغ ہے۔

شاعری کا نمونہ:

شراب کے وصف میں

ما زلت أستل روح الدن في لطف وأستقي دمه من جوف مجروح

''میں آہستہ آہستہ شراب کے مشکیزہ کی روح نکالتا رہا، اور اس کے زخمی پیٹ سے خون پیتا رہا۔

حتی انثنیت ولی روحان فی جسدی والدن منطرح جسماً بلا روح

حتیٰ کہ میرے بدن میں دو روحیں آ گئیں اور خم شراب بے روح رہ گیا''۔ اور کہتا ہے:

معتقة صاغ المزاجُ لرأسها أكاليل درما لمنظومها سلك

''پرانی شراب کو پانی کی ملاوٹ نے ایسا تاج پہنا دیا جیسے موتی بغیر لڑی کے پروئے گئے ہوں۔

جرت حركات الدهر فوق سكونها فذابت كذوب التبر أخلصه السبك

اس کے سکون پر زمانہ کی حرکتیں جاری ہیں اور وہ خالص تپائے ہوئے سونے کی طرح پگھل رہی ہے۔

وقد خفيت من لطفها فكأنها بقايا يقين كاد يذهبها الشك

اپنی لطافت کی وجہ سے ہلکی ہو رہی ہے جیسے یقین کا بقیہ جس کو شک ختم کر رہا ہو''۔

شرابی کے اوصاف میں:

و مستطيل على الصهباء باكرها في فتية باصطباح الراح حذاق

''شراب کا عادی جو صبح صبح شراب نوشی میں ماہر جوانوں کے ساتھ شراب نوشی کرتا ہے۔

فكل شيءٍ رآه ظنه قدحاً وكل شخص رآه ظنه الساقي

جس چیز کو بھی دیکھتا ہے اس کو شراب گمان کرتا ہے اور جس کو دیکھتا ہے اسی کو ساقی خیال کرتا ہے''۔

جام کے وصف میں کہتا ہے:

ودار ندامى عطلوها وأدلجوا بها أثرٌ منهم جديدٌ ودارس

''وہ مے خانہ جس کو شراب خوروں نے ویران چھوڑ دیا اور رات کو کوچ کر گئے۔ حالانکہ ابھی تک نئے پرانے آثار باقی تھے۔

مساحب من جر الزقاق على الثرى وأضغاثُ ريحان جنى ويابس

زمین پر مشکیزے گھسیٹنے کے نشانات، تازہ اور خشک گلدستے وغیرہ۔

حبست بها صحبي فجددت عهدهم وإني على أمثال تلك لحابس

میں نے اپنے ہم پیالہ دوستوں کی یاد تازہ کرنے کے لیے اپنے ساتھیوں کو یہاں ٹھہرایا جبکہ اس جیسے مقامات پر میں اسی طرح ٹھہرتا ہوں۔

تدار علينا الراح في عسجدية حبتها بألوان التصاوير فارس

ہم پر طلائی جاموں میں شراب کا دور چلایا جا رہا تھا جن جاموں پر ایرانیوں نے تصویریں بنائی ہوئی ہیں۔

قراراتها كسرى، وفي جنباتها مها تدريها بالقسي الفوارس

ان کے پینیدے میں کسریٰ کی تصویر ہے اور دیواروں پر نیل گائے ہے جس کو گھڑسوار کمانوں سے تاک رہے ہیں

فللخمر ما زرت عليه جيوبها   وللماء ما دارت عليه القلانس

شراب کی قسم نہ تو اس کے گریبان کے بٹن لگے ہوئے تھے اور پانی کی قسم نہ ان پر ٹوپیاں تھیں"۔

جہالت کا انجام بیان کرتے ہوئے:

ولقد نهزتْ مع الغواة بدلوهم   وأسمت سرح اللهو حيث أسلمو

"میں نے پاگلوں کا ساتھ دیا جو برے کام انہوں نے کیے میں نے بھی کیے جو بھوت جوانی میں ان پر سوار ہوا مجھ پر بھی ہوا۔

وبلغت ما بلغ إمرؤ بشبابه   فإذا عصارة كل ذاك أثامُ

مگر مجھ کو ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ ان جیسے کاموں کا انجام ایسا برا ہی ہوتا ہے"۔

مصر کے امیر خصیب کی تعریف میں:

تقول التي من بيتها خف محملي   عزيز علينا أن نراك تسيرُ

"جب میری سواری اس کے گھر سے نکلنے لگی تو وہ کہنے لگی کہ تمہارا کوچ کرنا ہم پر بہت دشوار ہوگا۔

أما دون مصر للغنى متطلبٌ   بلى إن أسباب الغنى لكثير

کیا مصر کے علاوہ اور کہیں تونگری حاصل کرنے کی جگہ نہیں؟ کیوں نہیں میں تو کہتی ہوں کہ مال حاصل کرنے کے اور بھی بہت سے راستے ہیں۔

فقلت لها واستعجلتها بوادر   جرت فجرى في إثرهن عبير

اسی دوران اس کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے تھے میں نے اس کو جواب دیا کہ مجھ کو وہاں جانے دے۔

دعيني أكثر حاسديك برحلة   إلى بلد فيه الخصيب أمير

جہاں خصیب رہتا ہے (میرے مال لانے سے) تیرے حاسدوں میں اور اضافہ ہوگا۔

فتى يشتري حسن الثناء بماله   ويعلم أن الدائرات تدور

وہ جوان جو مال کے بدلے میں اپنی اچھی تعریف خرید لیتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ حالات برابر نہیں رہتے۔

فما جازه جود ولا حل دونه   ولكن يسير الجود حيث يسير

ممدوح وہ ہے کہ سخاوت نہ اس سے آگے بڑھتی ہے اور نہ اس سے پیچھے رہتی ہے بلکہ جہاں وہ جاتا ہے سخاوت بھی وہیں جاتی ہے"۔

دنیا کا وصف بیان کرتے ہوئے:

ألا كل حي هالك وابن هالك   وذو نسب في الهالكين عريق

"غور سے سنو، ہر زندہ ہالک بن ہالک ہے اور جب نسب دیکھو تو وہ بھی ہلاک ہونے والوں میں ہے۔

إذا امتحن الدنيا لبيب تكشفت　　له من عدو في ثياب صديق

جب کوئی عقلمند دنیا کو آزماتا ہے تو وہ دوست کے لباس میں دشمن بن کر سامنے آجاتی ہے"۔

اس کے ضرب المثل اشعار:

لا اذود الطير عن شجر　　قد بلوتُ المر من ثمره

"میں اس درخت سے پرندوں کو نہیں اڑاتا جس کے پھلوں کو میں نے تجربہ سے کڑوا پایا ہے"۔

اور اس کا شعر:

ليس على الله بمستنكر　　أن يجمع العالم في واحد

"اللہ تعالیٰ کے لیے یہ مشکل کام نہیں ہے کہ وہ تمام عالم (کی خوبیوں) کو ایک شخص میں جمع کردے"۔

اور اس کا شعر:

صار جدا ما مزحت به　　رب جد ساقه اللعب

"تیرا کیا ہوا مزاح حقیقت بن گیا، کتنے حقائق ہیں جو کھیل میں سامنے آجاتے ہیں"۔

ابن الرومی (پیدائش ۲۲۱ھ، وفات ۲۸۴ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

یہ عبداللہ کے آزاد کیے ہوئے غلام اور رومی الاصل تھے، ان کا پورا نام یہ ہے، ابوالحسن علی بن عباس بن جرجیس، یہ بغداد میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی اور علم وادب حاصل کیا حتی کہ شاعری کرنے لگے اور شاعری میں اچھی طرح مہارت وقدرت حاصل کی اور پھر دیگر شعراء کی طرح بادشاہوں اور حکام سے انعامات ووظائف حاصل کرتے ہوئے اپنی زندگی کو گزارا، اور انہوں نے لوگوں کو اپنی قوت گویائی کے ذریعے سے اعزاز واکرام کرنے پر مجبور کر لیا یہ علیحدہ بات ہے کہ لوگوں کی یہ مجبوری مدح کی رغبت کی وجہ ہو یا ہجو کرنے کے خوف سے ہو، جیسا کہ ان کی شاعری سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔

ابن الرومی کھانے پینے کا بڑا دلدادہ تھا اور اس کے متعلق اس کے بہت سے اشعار بھی ہیں، ابن الرومی بدشگونی کا بھی کسی درجہ میں قائل تھا بلکہ وہ اس معاملے میں وہم کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔

ابن الرومی اس کے متعلق بطور دلیل کے آپ ﷺ کی طرف منسوب اقوال کو پیش کرتا تھا کہ حضور ﷺ فال کو پسند اور بدشگونی کو ناپسند فرماتے تھے۔

اور یہ حدیث پیش کرتا تھا کہ آپ ایک مرتبہ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو اونٹنی پر سوار تھا اور اپنی اونٹنی کو "اے ملعونہ" کہہ رہا تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ ملعون ہمارے ساتھ نہیں رہے گا۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فعل پیش کرتا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت جنگ نہیں کرتے تھے جب چاند عقرب میں ہوتا تھا وہ یہ

گمان کرتا تھا کہ بدفالی انسانی طبیعت میں داخل ہے۔ جبکہ بعض لوگوں میں یہ بہت زیادہ ظاہر ہوتی ہے اور اکثر لوگ کہہ دیتے ہیں جب کوئی نامناسب بات پیش آجائے کہ آج میں نے کس کے چہرے کے سامنے صبح کی تھی۔

ابن المسیب کہتے ہیں کہ ابن الرومی مہرجان (ایک تہوار کا نام) کے دن ۲۷۸ھ کو ہمارے پاس آئے جبکہ مجھے چند گانے والی باندیاں ہدیہ میں ملی تھیں جن میں سے میرے پاس صرف ایک بھینگی اور بوڑھی باندی بچی تھی جس کی آنکھ میں پھولے کا نشان تھا۔

ابن الرومی نے اس سے بدشگونی لی اور مجھ سے کچھ نہ کہا اور باقی دن بھی میرے ساتھ اسی طرح گزارا، پھر اس کے کچھ دن بعد ہی میری بیٹی ایک چھت سے گر پڑی اور قاسم ابن عبیداللہ نے بھی ان سے وفا نہ کی۔ خلاصہ یہ کہ ان سارے حالات کا سبب ان باندیوں کی نحوست کو قرار دیا اور اسی کے بارے میں مجھے یہ اشعار لکھ کر بھیجے:

أيها المتحفي بحول و عور　　أين كانت عنك الوجوه الحسان؟

''اے بھینگی اور کانی سے میری دلداری کرنے والے، حسین چہرے تجھ سے کہاں چلے گئے تھے۔

قد لعمري ركبت أمراً مهيناً　　ساءني فيك أيها الخلصان

میری عمر کی قسم! تو نے انتہائی گھٹیا کام کیا۔ مجھے تیری یہ حرکت اچھی نہیں لگی۔

فتحك المهرجان بالحول والعور　　أرانا ما أعقب المهرجان

اے مخلص دوست! بھینگی اور کانی باندی سے تیرا مہرجان کے دن کا افتتاح کرنا ہی ان حالات کا سبب ہے جو مہرجان کے دن کے بعد پیش آئے۔

كان من ذاك فقدك ابنتك الحرة　　مصبوغةً بها الأكفان

ان میں سے ایک تیری لاڈلی بیٹی کی موت ہے کہ جس کا کفن خون میں رنگین ہو گیا تھا۔

وتجافي مؤمل لي جليل　　لج فيه الجفاء والهجران

اور دوسرا میرے مخلص اور بااعتماد دوست کا بچھڑ جانا ہے، اور بے وفائی اختیار کرنا ہے۔

قف إذا طيرة تلقتك وانظر　　واستمع ثم ما يقول الزمان

جب تمہارا بدشگونی سے واسطہ پڑے تو ذرا ٹھہر کر غور کر لیا کرو اور غور سے سنو کہ زمانہ کیا کہہ رہا ہے۔

خبر الله أن مشأمة　　كانت لقوم وخبر القرآن

اللہ تعالیٰ نے اور قرآن نے بھی یہ خبر دی ہے کہ بدشگونی کسی قوم میں تھی''۔

اور ابن الرومی بدشگونی میں اس درجہ تک پہنچ گیا تھا کہ جس دن صبح کو اس کے کان میں کوئی بری بات پڑ جاتی اس دن گھر سے باہر نہ نکلتا تھا۔ اس بارے میں ابن الرومی کے اخفش کے ساتھ بہت سے واقعات ہیں۔ یہ انتہائی سخت گو شاعر تھا اسی لیے ان سے بڑے بڑے وزراء وحکمران ڈرتے تھے، معتضد کا وزیر ابوالحسن قاسم ابن عبیداللہ کو بھی ہر وقت ان کی ہجو کا خوف لگا رہتا تھا، کبھی بھی وہ اس کی زبان سے مطمئن نہیں رہتا تھا اور یہ وزیر انتہائی شریر اور خونخوار تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ کھانے میں ان کے سامنے وزیر نے چپکے سے

زہر ملا دیا جب ابن الرومی کو زہر کا احساس ہوا تو اٹھ کھڑے ہوئے۔ وزیر نے ان سے کہا کہ بھئی کہاں چلے، ابن الرومی نے کہا کہ جہاں آپ مجھے بھیجنا چاہتے ہیں وزیر نے کہا کہ وہاں جا کر میرے والد کو سلام کہنا اس نے جواب دیا کہ میرا جہنم سے گزر نہیں ہوگا (کہ تیرے والد کو سلام کہوں) پھر وہ اپنے گھر چلا گیا پھر وہاں چند دن قیام کیا، اور ایک طبیب ان کے علاج کے لیے ان کے پاس آتا رہتا تھا۔ اس نے یہ گمان کیا کہ اس نے کچھ غلط دوائیں دے دی ہیں اور ابن الرومی کی جان کنی شروع تھی تو اس نے نفطویہ نحوی کو جواب دیتے ہوئے یہ اشعار کہے:

غلط الطبيب علي غلطة مورد عجزت موارده عن الإصدار

''طبیب نے مجھے غلط دوا دے کر اس شخص کی طرح غلطی کی ہے جو ایسی جگہ پہنچا دے جہاں سے واپسی کے راستے ناممکن ہوں۔

والناس يلحون الطبيب وإنما غلط الطبيب إصابة الأقدار

لوگ طبیب کو برا بھلا کہتے ہیں حالانکہ طبیب نے اس لیے غلطی کی ہے تاکہ مقرر کردہ فیصلہ اپنی جگہ پر ہو''۔

کچھ لوگ ابن الرومی کو اس کی جنس وقوم کی وجہ سے عار دلاتے ہیں اور اسی وجہ سے اس کا شاعری سے مرتبہ کم کرتے ہیں جیسا کہ اس کے اشعار سے یہ بات معلوم ہوتی ہے:

كم عائب كل شيء و كل ما فيه عيب

''کتنے لوگ ہیں جو ہر چیز میں عیب لگاتے ہیں حالانکہ اس میں جو کچھ بھی ہے وہ سب عیب ہے۔

قد تحسنُ الروم شعراً ما أحسنته العربُ

بعض دفعہ رومی اتنے اچھے شعر کہہ دیتے ہیں کہ عربی بیچے اتنے اچھے نہیں کہہ سکتے۔

يا منكر المجد فيهم أليس منهم صهيب؟

اے رومیوں کی بزرگی کا انکار کرنے والے کیا حضرت صہیب رضی اللہ عنہ رومی ان میں سے نہیں تھے''۔

لیکن اس کی بہتر صلاحیت میں اسی قوم کا واضح اثر اور بڑی فضیلت تھی۔ چنانچہ اس میں آریا قوم کی فکری گہرائی اور سامی اقوام پر خیالی فوقیت جمع تھی۔ اور عرب کی عکس بندی کی قوت رومیوں کی عکس بندی کی نزاکت میں جمع تھی۔ اسی طرح وہ تخلیق معانی اور کامل مہارت کے ذریعے سے ممتاز ہو گئے اور دوسروں کے لیے اس نے کچھ باقی نہ چھوڑا، اسی وجہ سے ان کے قصیدے لمبے ہونے کے باوجود تکرار و کمی کوتاہی سے پاک ہیں اور ہم نے بہت کم ایسے شعراء کو دیکھا کہ ان کا کلام لمبا ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی کوتاہیوں سے پاک اور کلام کے اجزاء قوۃ وحسن میں برابر ہوں۔

اور کسی چیز کی تشبیہ دینے اور وصف بیان کرنے میں ابن الرومی کو انوکھا کمال حاصل تھا، اسے ہجو بیان کرنے اور غصہ اتارنے پر عجیب قدرت تھی اس لیے کہ اس کو دوستوں اور بڑے آدمیوں کے اعراض کا واسطہ پڑتا رہتا تھا کیونکہ اس کی طبیعت میں سختی اور تنگ خلقی تھی۔ یہ شاعری میں ابوتمام اور بحتری کے مرتبہ کا آدمی تھا بلکہ بعض دفعہ ان سے بھی آگے بڑھ جاتا تھا کیونکہ اس نے شاعری کے ہر معروف فن میں زور آزمائی کی تھی۔ اور اس پر مزید اتنا اضافہ کیا کہ اگر دس شعراء پر تقسیم کیا جائے تو سب کو بلند مرتبہ مل جائے، لیکن

بعض دفعہ وہ صحت معانی کا خیال کرتے ہوئے نچلے درجہ کے اور بے ڈھنگے الفاظ بھی استعمال کر لیتا تھا، اور اگر وہ عبداللہ ابن معتز کی طرح اچھی حالت میں تربیت پاتا تو تشبیہ اور لطائف کے باب میں ابن معتز کا ذکر نہ کیا جاتا۔ کیونکہ ابن الرومی شاعری میں ان سے کئی درجہ آگے تھا۔ لیکن تشبیہات میں ان کی معلومات بادشاہوں کی معلومات سے کم تھیں۔ اس کے بعض ہم عصروں نے ملامت کرتے ہوئے اس سے کہا کہ تمہاری تشبیہات ابن معتز کی طرح کیوں نہیں ہوتی، ابن الرومی نے اس کو جواب دیا کہ مجھے ان کے کلام میں سے کچھ ایسے شعر سناؤ جن سے میں عاجز رہا ہوں چنانچہ اس نے ہلال کے متعلق ابن معتز کا یہ شعر سنایا:

انظر اليه كزورق من فضة　　قد اثقلته حمولة من عنبر

''تم ذرا چاند (ہلال) کو دیکھو وہ چاندی کی چھوٹی سی کشتی کی طرح معلوم ہو رہا ہے جو عنبر کے بوجھ سے بوجھل ہو رہی ہے''۔

ابن الرومی نے اس سے کہا کہ مجھے کچھ اور اشعار سناؤ چنانچہ اس نے آذریون نامی ایک پھول کے متعلق اشعار سنائے جو زرد رنگ کا ہوتا ہے اور اس کے درمیان سیاہ رواں ہوتا ہے:

كأن　　اذريونها　　غب سماء هاميه

''اس باغ کے آذریون نامی پھول تیز بارش کے بعد ایسے معلوم ہو رہے ہیں۔

مداهن من ذهب　　فيها بقايا غاليه

جیسے سونے کے تیل رکھنے کے برتن جن کی تہہ میں گاڑھا خوشبودار مادہ ہو''۔

یہ اشعار سن کر وہ پکار اٹھا ''ہائے میرے اللہ'' اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، یہ اپنے گھر کی استعمال کی اشیاء کا وصف بیان کر رہا ہے کیونکہ یہ خلیفہ زادہ ہے، اور میں کس چیز کا وصف بیان کروں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ جو میں سمجھ کر کہتا ہوں لوگ اس کے مقابل آتے ہیں یا نہیں (یعنی میں کیا کہتا ہوں اور وہ کیا کہتے ہیں) کیا میرے جیسے کسی نے شعر قوس کے بارے میں کہے ہیں:

وقد نشرت أيدي الجنوب مطارفاً　　من الجود كناً والحواشي على الأرض

''جنوبی ہوا نے فضا میں سرخ رنگ کی چادریں پھیلا دی ہیں اور ان کے اطراف زمین پر ہیں۔

يطرزها قوس السحاب بأخضر　　على أحمر في أصفر إثر مبيض

قوس قزح نے ان کو سرخ، زرد، سبز رنگوں سے کاڑھ رکھا ہے۔

كأذيال خودٍ أقبلت في غلائل　　مصبغة والبعض أقصر من بعض

وہ اس کنواری عورت کی طرح ہے جو مختلف رنگوں کے لباس میں ہے اور ایک رنگ دوسرے رنگ سے چھوٹا ہو''۔

اور چپاتی پکانے والے کے متعلق میرے اشعار:

ما أنس لا أنس خبازاً مررت به　　يدحو الرقاقة مثل اللمح للبصر

''جو باتیں میرے ذہن میں نقش ہیں ان میں ایک وہ چپاتی پکانے والا بھی جس کے پاس سے میں گزرا جو ایک لمحہ

میں مکمل چپاتی بنالیتا تھا۔

ما بين رؤيتها في كفه كرة وبين رؤيتها قوراء كالقمر

اس کی ہتھیلی پر چپاتی چاند کی طرح گول بننے میں اتنی دیر لگتی تھی۔

إلا بمقدار ما تنداح دائرة في لجة الماء فيه بالحجر

جتنی دیر پانی میں پتھر پھینکنے کے بعد گول دائرہ بننے میں لگتی ہے''۔

شاعری کا ایک نمونہ:

اس کے وہ اشعار ہیں جن کے بارے میں اس نے کہا تھا کہ مجھ سے پہلے اس مضمون کی طرف کوئی نہیں گیا:

آراؤكم ووجوهكم وسيوفكم في الحادثات إذا دجون نجوم

''تمہاری آراء، تمہاری تلواریں اور تمہارے چہرے تاریکی کے واقعات میں ستاروں کا کام دیتی ہیں۔

منها معالم للهدى، ومصابح تجلو الدجى، والأخريات رجوم

ان میں سے بعض تو رہنمائی کے نشانات ہیں اور تاریکی دور کرنے کے چراغ ہیں، اور باقی شیطان کو مارنے والے انگارے ہیں''۔

اور اس کے اپنے بنائے ہوئے معانی میں سے کچھ یہ ہیں:

وإذا امرؤ مدح امرأ لنواله وأطال فيه فقد أراد هجاءه

''جب کوئی شخص کسی سے انعام لینے کے لیے لمبی چوڑی تعریف کرنے لگے تو سمجھو لو کہ اس نے اس کی ہجو کا بھی ارادہ کرلیا ہے۔

لو لم يقدر فيه بعد المستقى عند الورود لما أطال رشاءه

کیونکہ وہ اگر اس کے پانی کی اس قدر گہرائی کا اندازہ نہ لگاتا تو وہ اتنی لمبی رسی نہ ڈالتا''۔

اور اس کے دیگر اشعار:

توددتُ حتى لم أجد متوددا وأفنيت أقلامي عتاباً مرددا

''میں نے تو تجھ سے محبت کی اور بارہا ناراضگی کے خطوط لکھ کر اپنے قلم توڑ دیئے۔

كأني أستدني بك ابن حنية إذا النزع أدناه من الصدر أبعدا

مگر میں جتنا قریب سمجھتا ہوں تم اتنے ہی دور ہوتے ہو جس طرح تیر جتنا سینہ کے قریب کھینچا ہوا تنا ہی دور جاتا ہے''۔

جوانی کے بارے میں اس کا انوکھا خیال:

رأيت سواد الرأس واللهو تحته كليل وحلم بات رائيه ينعم

''میں نے زمانہ شباب کو دیکھا کہ جب سر پر کالے بال ہوں اور اس کے نیچے لھو ولعب کی مستیاں ہوں یہ ایسا ہے

جیسے کوئی رات کو نیند میں بڑی نعمتوں سے کھیل رہا ہو۔

فلما اضمحل الليل زال نعيمه ، فلم يبق إلا عهده المتوهم

جب رات گزر جائے تو اس کی تمام نعمتیں اور مستیاں ختم ہو جائیں اور وہ سارا زمانہ ایک وہم وخیال بن کر رہ جائے''۔

شام کے وقت ڈوبتے ہوئے سورج کی صفت کرتے ہوئے کہتا:

وقد رنقت شمس الأصيل ونفضت   على الأفق الغربي ورسا مزعزعا

''بوقت شام سورج کی روشنی کمزور پڑ گئی اور مغربی افق پر لالے کے پھول بکھیر دیئے۔

وودعت الدنيا لتقضي نحبها   وشول باقي عمرها فتشعشعا

اس دنیا کو الوداع کہا تا کہ اپنا حصہ پالے اور اس کو باقی عمر نے بھی جواب دے دیا اور یہ کمزور ہو گیا۔

و لاحظت النوار وهي مريضة   وقد وضعت خدا إلى الأرض أضرعا

اس نے بیماری کی وجہ سے کمزور ہو کر اپنے رخسار زمین پر رکھ کر پھولوں کو اس طرح دیکھا۔

كما لاحظت عواده عين مدنف   توجع من أوصابه ما توجعا

جیسے بیمار کی آنکھ اپنے عیادت کرنے والوں کو دیکھتی ہے، جو بیمار اپنے اندر تکلیف و درد سے بے حال ہو۔

وظلت عيون النور تخضل بالندى   كما اغرورقت عين الشجي لتدمعا

اور پھول کی آنکھ رات کی شبنم سے اس طرح تر ہو گئی جیسے غمگین آدمی کی آنکھ آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہے۔

يراعينها صوراً إليها روانيا   ويلحظن الحاظاً من الشجو خشعا

ان کی آنکھیں سخت تصویر کی طرح دکھائی دیتی ہیں حالانکہ وہ گوشہ چشم سے غم کی وجہ سے عاجز و کمزور ہو کر دیکھتی ہیں۔

وقد ضربت في خضرة الروض صفرة   من الشمس فاخضر اخضراراً مشعشعا

اور باغ کی سبزی میں سورج کی زردی ملا دی گئی جس سے سارا باغ زرد رنگ کا ہو گیا اور اس میں سورج کی زردی پھیلی ہوئی ہے۔

وأذكى نسيم الروض ريحان ظله   وغنى مغني الطير فيه وسجعا

اور باغ کی باد نسیم صاف اور پاکیزہ ہو گئی اور اس کا سایہ خوشگوار بن گیا اور گانے والے پرندوں نے اس میں مسجع و مقفع کلام کہنا شروع کر دیا''۔

ابن المعتز (پیدائش ۲۴۹ھ، وفات ۲۹۶ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

یہ امیر المومنین ابو العباس عبداللہ بن خلیفہ المعتز ہے، بادشاہ کے گھر اور خلافت کی جگہ میں پیدا ہوا تھا اعزاز واحترام اور فراخی میں پرورش پائی جس کی وجہ سے شریف النفس اور رقیق الحس تھا خوبصورتی کا بہتر شعور رکھنے والا اور ادب وموسیقی کا دلدادہ تھا، اپنے وقت کے شیوخ مثلاً مبرد اور ثعلب وغیرہ سے ادب سیکھا بہت سے علوم نقلیہ اور عقلیہ حاصل کیے۔

ادب اور لہولعب کی مشغولی نے اس کو سیاسی سرگرمیوں اور خلافت کے لالچ سے دور رکھا جیسا کہ اس نے اپنے اشعار میں اپنی تعریف کی ہے:

قليل هموم القلب إلا للذة ينعم نفسا آذنت بالتنقل

"دلی فکر وغم سے دور اگر کوئی فکر ہے تو ایسی لذت کی جس سے نفس کو خوش رکھیں جو نفس کوچ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

فإن تطلبيه تقتنصه بحانة وإلا ببستان وكرم مظلل

اگر تم کو اس کی تلاش ہے تو اس کو شراب خانہ میں پکڑ سکتے ہو ورنہ وہ کسی باغ یا انگور کی بیل کے سایہ میں بیٹھا ہوگا۔

ولست تراه سائلا عن خليفة ولا قائلا من يعزلون و من يلي

تم اس کو کبھی بادشاہ کے متعلق پوچھتا ہوا نہیں دیکھو گے، اور نہ یہ کہتے ہوئے کہ کون ہے جس سے حکومت چھین لی گئی اور کون حکومت پا کر آزمائش میں پڑا۔

ولا صائحا كالعير في يوم لذة يناظر في تفضيل عثمان أو علي

اور نہ گدھے جیسی آواز کے ذریعے چیختا دیکھو کہ جو بطور تفریح کے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی تفضیل کے بارے میں مناظرہ کرے"۔

لیکن اس کے گروہ میں سے جب ایک جماعت نے مقتدر کی کمزوری اور بادشاہوں کے استبداد اور بدنظمی کو دیکھا تو انہوں نے ابن معتز سے بیعت کر لی لیکن وہ ایک دن اور رات سے زیادہ تخت شاہی پر قابض نہ رہ سکا کیونکہ مقتدر کے حامیوں نے اس کی حکومت کو تسلیم نہ کیا اور الگ جماعت بنا کر دشمنوں سے جنگ کر کے منتشر کر دیا اور پھر حکومت مقتدر کو دے دی، اور یہ شاعر خلیفہ جصاص جوہری کے گھر جا چھپا لیکن انہوں نے گھر میں گھس کر پکڑ لیا اور مقتدر نے اسے اپنے مونس خادم کے حوالے کر دیا اور اس نے گلا گھونٹ دیا اور چادر میں لپیٹ کر ورثاء کے حوالے کر دیا۔

شاعری:

شاہی ماحول میں ابن المعتز کی پرورش کا اثر ظاہر ہے اس کے اشعار میں الفاظ کی نزاکت آسان عبارت دلکش انداز اس کی

رقت طبعی اور اخلاقی نرمی اور صاف دلی کی وجہ سے ہے وہ کامل استعارات اور بہتر تشبیہات اور باریک بین اوصاف بیان کرنے والا حس کی نزاکت اور اپنے شعور کی طاقت کی وجہ سے اس کا ذہن خوبصورتی کے مناظر انوکھے خیالات اور تمدنی جاہ وجلال پر تھا۔

وہ اپنے آپ کو خوش کرنے اور اپنے احساسات کی ترجمانی کرنے کے لیے شعر کہتا تھا، اس لیے وہ جھوٹی تعریف اور ہجو بیان کرنے سے بھی بچا رہا اور فطرت کو بیان کرنے، دوستوں کی مجالس، شکار کے واقعات اور دوستوں کے ساتھ مراسلت اختیار کی، علم بدیع کا شغف تھا بہتر سانچے میں تکلف سے پاک ہو کر اور اس کی نثر بھی شعر سے کم نہیں تھی دلکش انداز، عمدہ الفاظ اور تخیل کی نزاکت۔

تصانیف:

ابن المعتز کی کتاب ''البدیع'' اس فن میں پہلی کتاب ہے اس کتاب میں اس فن کی ۱۷ انواع کو جمع کر دیا ہے، اور مزید کتب یہ ہیں: كتاب مكاتيب الإخوان بالشعر اور كتاب الجوارح والصيد، كتاب أشعار الملوك، كتاب طبقات الشعراء، كتاب الزهر والرياض، ان کے علاوہ دیگر تصانیف بھی ہیں، جن میں سے اکثر مفقود ہیں اس کا دیوان قاہرہ سے دو (۲) جلدوں میں چھپ چکا ہے۔

شاعری کا نمونہ:

كن جاهلاً أو فتجاهل تفز للجهل في ذا الدهر جاهٌ عريض

''یا تو مکمل جاہل بن جاؤ یا تجاہل سے کام لو، تم کامیاب ہوگے، اس جہاں میں جہالت عام ہے۔

والعقل محروم يرى ما يرى كما ترى الوارث عينُ المريض

اور عقل سب کچھ دیکھنے کے باوجود محروم ہے جیسے مریض کی آنکھ وارث کو دیکھتی ہے''۔

اور کہتا ہے:

اقتلا همي بصرف عقار واتركا الدهر فما شاء كانا

''میرے غم کو خالص شراب پلا کر ختم کر دو اور زمانہ کو چھوڑ دو جو ہوگا ہو جائے گا۔

إن للمكروه لذعة هم فإذا دام على المرء هانا

ناپسندیدہ چیز تو انسان کو پریشان کرتی ہے لیکن جب انسان پر ہمیشہ رہتی ہے تو آسان ہو جاتی ہے''۔

اور کہتا ہے:

ونسيم يبشر الأرض بالقطر كذيل الغلالة المبلول

''اور بادنسیم زمین کو نم کرنے والی بارش کی خوشخبری سناتی ہے۔

ووجوه البلاد تنتظر الغيث انتظار المحب رجع الرسول

تمام ملکوں کی زمین بارش کی اسی طرح منتظر رہتی ہے جیسے عاشق قاصد کے لوٹنے کا''۔

اور کہتا ہے:

أعاذل قد كبرت على العتاب وقد ضحك المشيب على الشباب

''اے ملامت کرنے والے میں ملامت وعتاب کے باوجود بوڑھا ہو گیا ہوں اور بڑھاپا جوانی پر ہنس رہا ہے۔

رددت إلى التقى نفسي فقرت كما رد الحسامُ إلى القراب

میں نے اپنے نفس کو تقویٰ کی طرف مائل کر لیا اور اس کو اسی طرح قرار مل گیا جیسے تلوار کو نیام میں رکھنے سے ملتا ہے''۔

قبرستان کے متعلق کہا:

وسكان دار لا تزاور بينهم على قرب بعض في المحلة من بعض

''ایسی بستی کے بسنے والے ہیں جن کا آپس میں کوئی تعلق نہیں اگرچہ رہائش ایک دوسرے کے قریب ہے۔

كأن خواتيماً من الطين فوقهم فليس لهم حتى القيامة من فض

گویا کہ ان کے اوپر گارے کی مہریں لگا دی گئی ہیں جن کو قیامت تک کوئی نہیں کھول سکتا''۔

اور کہتا ہے:

كم حاسد حنق علي بلا جرم فلم يضررني الحنقُ

''کتنے ایسے حاسد ہیں جو مجھ پر بغیر جرم کے اندر ہی اندر جل رہے ہیں اور ان کا جلنا مجھے کوئی نقصان نہیں دے سکتا۔

متضاحك نحوي كما ضحكت نار الذبالة وهي تحترق

وہ مجھے دیکھ کر بتکلف ہنستے ہیں جیسے بتی ایک دم جلتی ہے اور ہنستی بھی ہے''۔

اور کہتا ہے:

انظر إلى حسن هلال بدا يهتك من أنواره الحندسا

''نکلتے ہوئے چاند کے حسن کو دیکھو وہ تاریکی کو اپنی روشنی سے چاک کر دیتا ہے۔

كمنجل قد صيغ من فضة يحصد من زهر الدجى نرجسا

اس درانتی کی طرح جو چاندی سے بنی ہو اور تاریک رات میں نرگس کو کاٹ رہی ہو''۔

اور کہتا ہے:

قلبي وثاب إلى ذا وذا ليس يرى شيئاً فيأباه

''میرا دل اِدھر اُدھر اچھل اچھل جاتا ہے جب کوئی چیز نہیں دیکھتا تو لوٹ آتا ہے۔

يهيم بالحسن كما ينبغي ويرحم القبح فيهواه

حسن پہ فریفتہ ہوتا ہے اپنی طبعی تقاضے کی وجہ سے جب قبیح (بری چیز) پر رحم کرتا ہے تو اسے بھی چاہتا ہے۔

اور کہتا ہے:

من لي بقلب صيغ من صخرة　　في جسد من لؤلؤ رطب

''کون ہے جو اس دل کو میرے لیے نرم کردے جو سخت پتھر سے بنایا گیا ہے جیسے آبدار بدن میں موتی رکھا ہوا ہو۔

جرحتُ خديه بلحظي فما　　برحت حتى اقتص من قلبي

میں نے اپنی نظر سے اس کے رخساروں کو زخمی کر دیا تو اس نے فوراً ہی میرے دل سے اس کا قصاص لے لیا''۔

اور کہتا ہے:

ولقد قضت نفسي مآربها　　وقضيتُ غيا مرة ورشد

''میرے دل نے اپنے تمام مقاصد پورے کر لیے خواہ صحیح تھے یا غلط تھے۔

ونهار شيب الرأس يوقظ من　　قد كان في ليل الشباب رقد

جو جوانی کی شب میں مست ہو کر سوتا رہا ہوا سے بڑھاپے کی سر پر دن میں چمکنے والی سفیدی بیدار کر دیتی ہے''۔

بوقت صبح مرغ کے (پھڑ پھڑنے کے) بارے میں کہا:

صفق إما ارتياحة لسنا الفجر　　وإما على الدجى أسفا

''یا تو اس نے صبح کی آمد پر خوشی میں تالی بجائی (پھڑ پھڑایا) ہے یا رات کے گزرنے پر افسوس کا ہاتھ ملا ہے''۔

ذیل میں ایک موشح ذکر کر رہے ہیں نا معلوم یہ اس کی اپنی ایجاد ہے یا اندلس والوں کی اتباع ہے:

أيها الساقي إليك المشتكى!　　قد دعوناك و إن لم تسمع

''اے ساقی ہم نے تم کو پکارا ہے اور تجھ ہی سے شکوہ ہے اگرچہ تم ہماری بات نہ سنو''۔

ونديم همت في غرته

ويشرب الراح من راحته

كلما استيقظ من سكرته

جذب الكأس إليه واتكى　　وسقاني أربعا في أربع

وہ ندیم جس کے جمال نے مجھے غمگین کر دیا، اور اس کے ہاتھ سے شراب پی کر مبت ہو گیا جب بھی وہ اپنے نشے سے ہوش میں آتا ہے تو مجھے جام پر جام پلانے شروع کر دیتا ہے''۔

ما لعيني عشيت بالنظر!

أنكرت بعدك ضوء القمر

وإذا ما شئت، فاسمع خبري:

عشيت عيناي من طول البكا　　وبكى بعضي على بعضي معي!

''میری آنکھ کو کیا ہوا کہ بے نور ہو جاتی ہے، تیرے جانے کے بعد چاند کی روشنی بھی اچھی نہیں لگتی اور اگر تو چاہے تو میری بات سن لے کہ میری آنکھیں رو رو کر اندھی ہو گئی ہیں، اور اب تو بعض اعضاء بھی میرے ساتھ رونے لگے ہیں''۔

غصن بان مال من حيث التوى

مات من يهواه من فرط الجوى

خفق الأحشاء موهون القوى

كلما فكر في البين بكى ويحه! يبكي لما لم يقع!

''شاخ بید جہاں سے جھکی وہیں سے مڑ گئی، جس نے اس کو چاہا وہ شدت محبت کی وجہ سے مر گیا پتلی کمر اور مضبوط اعضاء والا، جب بھی جدا ہونے کا خیال کرتا ہے تو رو پڑتا ہے، اس کی ہلاکت کہ جو ہوا نہیں اس پر رو رہا ہے''۔

ليس لي صبر، ولا لي جلد

يا لقومي عذلوا واجتهدوا!

أنكروا شكواي مما أجد.

مثل حالي حقه أن يشتكي؟ كمد اليأس وذل الطمع!

''نہ میرے اندر صبر ہے نہ قوت برداشت، اے میری قوم مجھے خوب ملامت کر لو، اور جو میں شکوے کر رہا ہوں اپنی تکلیف پر ان کو تم مت مانو لیکن میرے جیسی حالت والے کو یہ حق حاصل ہے کہ لالچ کی ذلت اور ناامیدی کی گھٹن کا شکوہ کرے''۔

كبد حري، ودمع يكفُ

يذرف الدمع ولا ينذرف

أيها المعرض عما أصف!

قد نما حبي بقلبي وزكا لا تقل في الحب إني مدعي

''جگر جل رہا ہے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہیں، آنسو بہنا چاہتے ہیں پر نہیں بہہ پا رہے، اے مجھ سے اور میری حالت سے اعراض کرنے والے، میرے دل میں تیری محبت بسیرا کر چکی ہے، اور میری محبت کے بارے میں یہ نہ کہنا کہ یہ صرف دعویٰ ہے''۔

الشریف الرضی (پیدائش ۳۵۹ھ، وفات ۴۰۴ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ابوالحسن محمد بن الحسین الموسوی بغداد میں پیدا ہوا، اور اپنے والد کے زیر نگرانی پرورش پائی اور بچپن میں علم حاصل کیا اور علم فرائض اور فقہ میں کمال حاصل کیا اور علم ادب میں بھی فوقیت حاصل کی۔

ابھی دس برس کی عمر بھی نہ ہوئی تھی کہ شاعری کرنے لگا ۳۸۸ھ میں جب عمر ۲۹ برس ہوئی تو نقابتِ طالبین میں اپنے والد کی

جانشینی اختیار کی پھر باقی امور جو اس کا والد سرانجام دیتا تھا وہ بھی سپرد کر دیئے گئے یعنی لوگوں کو حج کرانا اور لڑائی و مظالم میں لوگوں کے فیصلے کرنا، وہ یہ کام سرانجام دیتا رہا یہاں تک کہ فاطمی علویوں کی طرف مائل ہونے کے الزام میں خلیفہ قادر باللہ اس سے ناراض ہو گیا اور اس سے وہ خدمات واپس لے لیں۔ پھر اس نے اپنی باقی زندگی ایک قانع، شریف آدمی بن کر گزاری اور محرم ۴۰۴ھ میں انتقال ہوا، اور مقام کورخ میں اپنے گھر میں مدفون ہوئے۔

صفات اور اخلاق:

شریف رضی بڑا باہمت، خود دار تھا، اس کی بلند ہمتی اس کو بڑے کاموں میں لے آتی تھی، لیکن زمانہ اس کا ساتھ نہ دے سکا۔ وہ بڑا پاک دامن تھا کسی سے ہدیہ، انعام وغیرہ نہیں لیتا تھا، اس نے ایسی پاک دامنی اختیار کی کہ اس نے وہ انعامات اور وظائف بھی واپس کر دیئے جو اس کے والد کو بادشاہوں، حکمرانوں کی طرف سے ملتے تھے، بنو بویہ نے خوب کوشش کی کہ وہ اس کو ان کے انعامات لینے پر تیار کر لیں لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے۔

شاعری:

رضی کا انداز شاعری قدیم شعراء کی طرح تھا الفاظ کم اور معانی پرکشش وزیادہ اس کے اشعار بحتری کے اشعار کے مشابہ تھے لیکن وہ فخر و شجاعت میں آگے نکل گیا، اور اس کی شاعری ولید کی سی بے کار شاعری سے بھی پاک تھی۔

ثعالبی نے کہا کہ یہ قدیم تمام شعراء میں سے عمدہ شاعر ہے۔ جبکہ ان میں شعراء کی کثرت بھی ہے، اور اگر میں یہ کہہ دوں کہ قریش کے شعراء میں سے بہتر تھا تو یہ بات غلط نہ ہوگی۔

اس کے بعد ثعالبی نے کہا کہ اس وقت کے شعر میں مرثیہ کہنے پر ان سے زیادہ کوئی اور قادر نہیں ہے۔ شاعری میں اتنا مقام پانے کے باوجود نثر، خطوط وغیرہ میں خوب مہارت حاصل تھی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ''نہج البلاغۃ'' میں اس کا بھی ہاتھ تھا تو یہ بات حق سے بعید نہ ہوگی۔ اور کوئی منصف انصاف کرنے میں تردد محسوس نہیں کرے گا، کہ وہ کتابت عربی میں سب سے ماہر تھے اس لیے نہج البلاغۃ کا قرآن وحدیث کے بعد ثانوی درجہ ہے۔

تصانیف:

اس شاعر نے معانی القرآن میں ایک کتاب لکھی جو اس کے نحو اور اصول دین میں کمال پر دلالت کرتی ہے، اور دوسری کتاب قرآن میں مجاز کے استعمال پر لکھی اس کا ایک مجموعہ رسائل اور ایک دیوان بھی ہے اور اس کی ترتیب دی ہوئی ایک کتاب نہج البلاغۃ بھی ہے جس میں اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلام کو جمع کیا ہے۔

اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس کتاب کا اکثر حصہ خود شریف کا بنایا ہوا ہے کیونکہ اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف صراحتاً باتیں ذکر کی ہیں، نیز اس میں فلسفہ اخلاقیات، قواعد اجتماعات اور رقت وصف ظاہری بناوٹ اور وہ امور ہیں جو اس زمانہ کی طبیعتوں کے مناسب نہیں ہیں۔ خلاصہ یہ کہ شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ہر صحیح وغلط منسوب کو جمع کر دیا۔

شاعری کا نمونہ:

اس نے قادر باللہ کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے اس کی تعریف میں جو قصیدہ کہا تھا اس میں وہی طرز اپنایا ہے جس طرح بحتری نے متوکل کی مدح میں اپنایا تھا:

لله یوم اطلعتك به العلا علما یزاول بالعیون و یرشق

''وہ دن کیا مبارک تھا جب تجھے بلندی ومرتبہ ملا اور کامیابی نے تجھے بلند کر کے قوم کا سردار بنا دیا اور تیری نگاہیں اٹھنے لگیں۔

لما سمت بك عزة موموقة كالشمس تبهر بالضیاء وتومق

جب تجھ کو عزت ومرتبہ نے بلند سورج کی طرح بلند کر دیا جو اپنی روشنی میں نمایاں ہے اور اس سے انس ومحبت کی جاتی ہے۔

وبرزت في برد النبي وللهدى نورٌ علی أسرار وجهك مشرق

تو حضور ﷺ کی چادر میں ظاہر ہوا اور ہدایت کا نور تیری پیشانی سے پھوٹ رہا ہے۔

وكأن دارك جنةٌ حصباؤها الجادي أو أنماطها الاستبرق

تیرا گھر مثل جنت ہے اس کی کنکریاں زعفران اور فرش حریر وریشم ہیں۔

في موقف تغضي العیون جلالةً فیه ویعثر بالكلام المنطق

تو ایسے مرتبہ پر ہے جس سے آنکھیں خوف سے جھکی رہتی ہیں اور زبان بات کرتے ہوئے اٹکتی ہے۔

وكأنما فوق السریر وقد سما أسدٌ علی نشزات غاب مطرق

تو تخت کے اوپر باوقاری کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے جس طرح جنگل میں شیر بلند ٹیلہ پر بیٹھا ہوا ہو۔

والناس إما راجع متهیب مما رأی، أو طالع متشوق

تیرے خوف سے لوگ یا تو واپس ہو جاتے ہیں یا آپ کے بے حد مشتاق ہو جاتے ہیں۔

مالوا إلیك محبة فتجمعوا ورأوا علیك مهابة فتفرقوا

کچھ تو فرط محبت میں آپ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور آپ کے پاس جمع ہو جاتے ہیں۔ اور کچھ ہیبت سے خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

وطعنت في غرر الكلام بفیصل لا یستقل به السنن الأزرق

آپ نے کلام کی پیشانیوں میں اپنے فیصلے سے ایسا نشان لگایا ہے کہ لوہے کے نیزے بھی ایسا سخت نشان نہیں لگا سکتے۔

وغرست في حب القلوب مودة تزكو علی مر الزمان وتورق

تم نے دل کی گہرائیوں میں محبت کا ایسا پودا لگایا ہے جو زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا، پھولتا رہتا ہے۔

وأنا القریب إلیك فیه و دونه لیدی عدوك طود عز أعنق

اور میں تجھ سے قریب ہوا تمہاری محبت حاصل کرنے کے لیے اور تیرے دشمن تجھ سے دور ہیں دشمنوں کو محبت نہیں ملتی

تیری عزت وبلندی کی وجہ سے دشمن کے ہاتھ عزت کے پہاڑ کو پار نہیں کر سکتے۔

عطفاً أمير المؤمنين فإننا في دوحة العلياء لا نتفرق

امیر المومنین میرے حال پر رحم فرمائیے ہم دونوں بلند سرسبز درخت کے نیچے ایک دوسرے کے ساتھی ہیں جو جدا نہیں ہوتے۔

ما بيننا يوم الفخار تفاوت أبداً، كلانا في المعالي معرق

باہمی تفاخر کے وقت ہمارے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ ہم دونوں بلند مراتب پر اچھی طرح ہوتے ہیں۔

إلا الخلافة ميزتك فإنني أنا عاطل منها وأنك مطوق

ہاں اگر کوئی چیز فرق کرتی ہے تو وہ خلافت ہے جو تم کو ملی ہے جبکہ مجھے نہیں ملی''۔

طغرائی (پیدائش ۴۵۵ھ، وفات ۵۱۳ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ابو اسماعیل حسین بن علی طغرائی کے نام سے مشہور تھا یہ اس کے پیشے کی طرف نسبت تھی، جو پہلی زندگی میں کرتا تھا، وہ خطوط کے اوپر طغرے بناتا تھا جن میں بادشاہ کے القاب، تعریفات لکھے جاتے تھے۔

اصبہان میں ایک فارسی گھرانے میں پیدا ہوا اور آل سلجوق کے زیر سایہ کام کرتا رہا حتی کہ موصل میں سلطان مسعود سلجوقی کا وزیر بنا اور اس کو استاذ اور منشی کا لقب ملا جب سلطان مسعود اور اس کے بھائی سلطان محمود کے درمیان مقام ہمذان کے قریب لڑائی ہوئی اور ثانی الذکر کو فتح ہوئی تو طغرائی پکڑا گیا اور بادشاہ نے اپنے وزیر نظام الدین کو اسے قتل کرنے کا اشارہ کیا اور اس کے قتل پر بادشاہ کو وقت کے مشہور ادیب نے ابھارا جو طغرائی سے حسد کرتا تھا اور الحاد کا الزام لگایا گیا چنانچہ اس کو ۵۱۳ھ میں مظلومانہ قتل کر دیا گیا۔

شاعری:

طغرائی کی شاعری ابیات سے پر، مضبوط قافیہ بندی منتخب الفاظ اور اس میں فخر اور حکمت بھری ہوئی تھی، اس کی نثر بھی شاعری کی طرح پر مغز اور اچھے انداز پر مشتمل تھی، اس کے اشعار دیوان کی شکل میں ہیں جن کا اکثر حصہ سلطان سعید بن ملک شاہ اور نظام الملک کی مدح میں ہے، اس کا سب سے مشہور قصیدہ لامیہ ہے جو ''لامیۃ العجم'' کے نام سے مشہور ہے، اور یہ مجموعہ منتخب اشعار میں سے ہے، یہ قصیدہ اس نے بغداد میں اپنے فراغت کے ایام میں کہا تھا جو احباب کے شکوے اور بے وفائیوں اور زمانے کے احوال پر مشتمل ہے، علماء نے اس کی چھوٹی بڑی شروحات بھی لکھی ہیں، اس کے ایک مطلع میں کہا ہے۔

أصالة الرأي صانتني عن الخطل وحلية الفضل زانتني لدى العطل

''درست رائے نے مجھے لغزش سے بچائے رکھا اور علم وفضل کے زیور نے ناداری کے وقت آراستہ رکھا۔

مجدي أخيراً ومجدي أولاً شرعٌ والشمس رأد الضحى كالشمس في الطفل

میری بزرگی کا اوّل و آخر برابر ہے جس طرح سورج طلوع و غروب کے وقت ایک جیسا ہوتا ہے"۔

اسی قصیدے میں ہے:

حب السلامة يثني هم صاحبه عن المعالي ويغري المرء بالكسل

"سلامتی کی محبت انسان کو بلند عزائم سے موڑ کر سستی کی طرف لے آتی ہے۔

فإن جنحت إليه فاتخذ نفقاً في الأرض أو سلما في الجو فاعتزل

اگر تم یہ چاہتے ہو تو یا زمین میں گہرا گڑھا بنا لو یا آسمان پر سیڑھی لگا کر چڑھ جاؤ اور ایک طرف کنارہ کش ہو جاؤ۔

ودع غمار العلا للمقدمين هلى ركوبها واقتنع منهن بالبلل

دوسرے بلندی کے حصول کے لیے آگے بڑھتے ہیں تم صرف بلندی کی جھلکیوں پر ہی اکتفاء کرو۔

رضا الذليل بخفض العيش مسكنه والعز تحت رسيم الأينق الذلل

ذلیل انسان کا آسودہ حالت پر رضامند رہنا مسکنت ہے، جبکہ عزت سدھائی ہوئی تیز رفتار اونٹنیوں میں پوشیدہ ہے"۔

بڑھاپے میں جب بچہ پیدا ہوا تو یہ اشعار کہے:

هذا الصغير الذي وافى على كبرٍ أقر عيني ولكن زاد في فكري

"یہ بچہ مجھے بڑھاپے میں ملا ہے اس نے میری آنکھوں کو تو ٹھنڈا کیا ہے لیکن میری فکر کو بڑھا دیا ہے۔

سبع وخمسون ولو مرت على حجر لبان تأثيرها في صفحة الحجر

(۵۷) ستاون سال بھی اگر کسی پتھر پر گزر جائیں تو بھی اس کے اوپر اپنے نشان چھوڑ جائیں گے"۔

فخریہ اشعار:

أبى الله أن أسمو بغير فضائلي إذا ما سما بالمال كل مسود

"میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں کہ اپنے ذاتی فضائل کے علاوہ سے بلند مقام حاصل کروں جیسا کہ لوگ مال و دولت کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔

وإن كرمت قبلي أوائل أسرتي فإني بحمد الله مبدأ سؤددي

مجھ سے پہلے بھی اگرچہ میرے خاندان کے لوگ باعزت تھے، لیکن الحمدللہ میں نے اپنی ذات سے اپنی سرداری کو شروع کیا ہے۔

وما المال إلا عارة مستردة فهلا بفضلي كاثروني ومحتدي

مال ایک عارضی چیز ہے جس کو پلٹا دیا جاتا ہے، لہٰذا یہ لوگ میرے فضل و مرتبہ اور میرے اثر میں میرا مقابلہ کیوں نہیں کرتے۔

إذا لم يكن لي في الولاية بسطة   يطول بها باعي وتسطو بها يدي

اگر میرے لیے حکومت میں کوئی عہدہ نہیں ہے جس سے میں اپنا باز و مضبوط کرسکوں اور آگے بڑھ سکوں۔

ولا كان لي حُكم مطاع احيزه   فأرغم أعدائي وأكبت حسدي

اور اگر میرے لیے فرماں برداری نہیں ہے جس کو میں اپنا کر دشمن کو زیر کرلوں اور اپنے حاسدوں کو ذلیل کروں۔

فأعذرُ أن فصرت في حق مجتد   وآمن أن يعتادني كيد معتدي

اس لیے میں کسی سائل کے حق دبانے سے اور سیاسی سازشوں سے محفوظ رہا۔

أكفي ولا أكفي؟ وتلك غضاضة   أرى دونها وقع الحسام المهند

یہ تو بڑی توہین ہے کہ میری ضرورتیں پوری کی جائیں اور میں کفایت نہ کروں میں اس کے پیچھے ہندی تلوار دیکھنا چاہتا ہوں۔

من الحزم ألا يضجر المرء بالذي   يعانيه من مكروهةٍ فكأن قد

عقلمندی اسی میں ہے کہ انسان مشکلات کا مقابلہ کرے جو پیش آئیں ان سے پریشان نہ ہو۔

إذا حلدي في الأمر حان ولم يعن   مريرة عزمي ناب عنه تحلدي

جب میری معمولی قوت پختہ عزم پر عمل کرنے میں میرا ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو میں بتکلف قوت پیدا کر لیتا ہوں۔

ومن يستعن بالصبر نال مراده   ولو بعد حين إنه خير مسعد

جو بھی صبر سے کام لیتا ہے وہ اپنے مقصد کو پالیتا ہے اگر اسے کچھ دیر ہی لگ جائے کیونکہ یہ بہتر اور انسان کے لیے مددگار ہے''۔

شام کے شعراء اور ان کی شاعری:

بنی امیہ کے زمانہ میں دمشق حکومت کا مرکز، دارالخلافہ، فوج کی چھاونی اور اسلام کی پناہ گاہ اور امیدوں کا مرکز تھا، وہ ادب قلم کے بجائے ادب سیف میں لگا رہا جھنڈے اٹھانے کی وجہ سے اس کو کتابیں اٹھانے کا موقع نہ ملا، سیاسی نظم وضبط کے خلجان نے اس کو شعر اور ادب کی روایت سے بے نیاز رکھا، چنانچہ یہ چیزیں عراق، حجاز کے لیے باقی رہ گئی وہاں بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے ان کی مجالس ادباء سے بھر گئی چنانچہ آپ کو معلوم ہے کہ اس تحریک کو آگے بڑھانے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کیا اثر ہے۔

بہرحال جب اللہ تعالیٰ نے عباسیوں کو امویوں پر اور ایران کو عرب پر اور بغداد کو دمشق پر غالب کر دیا تو شام میں ادب کی حرکت سرد پڑ گئی نہ وہاں سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہاں کوئی آیا۔ حتی کہ بنو حمدان حلب پر چوتھی صدی ہجری میں غالب ہوئے جیسا کہ ان کے بارے میں ثعالبی نے کہا ہے کہ ان کی زبانیں فصاحت کے لیے اور ان کے ہاتھ سخاوت کے لیے وقف ہو چکے ہیں۔

سیف الدولہ ان کی قیادت میں مشہور اور بلند پایہ کا سردار ہے۔ وہ خود ماہر ادیب اور فطری شاعر تھا، قابل تعریف بادشاہ تھا اس نے اپنا دربار علماء، ادباء اور شعراء کے لیے کھولا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ یہ کہا جانے لگا کہ خلفاء کے بعد کسی کے دروازے پر علماء، ادباء اور شعراء کا اتنا ہجوم نہیں تھا جتنا اس کے دروازے پر ہوتا ہے (بادشاہ تو ایک بازار کی طرح ہے جس چیز کی وہاں خرچ کی طلب ہوتی وہ چیز

وہاں پہنچائی جاتی ہے)۔

اہل شام کی شاعری کا طریقہ بحتری جیسا ہے جس میں پرکشش الفاظ لانا، اور آسان فصیح طریقہ اپنانا، نہ کہ معنی کی گہرائی اور نہ انتہائی اختصار، ثعالبی نے صاحب ابن عباد کو اس طرز کی مدح کرتے ہوئے سنا جبکہ وہ شامی شاعری سے محفوظ تھا، انہوں نے ہی خوارزمی سے یہ روایت بھی کی ہے کہ میرے دل کا کھلنا، میری زبان کی تیزی، ذہن کی صفائی، عقل وفہم کی تیزی اور اس مقام ومرتبہ تک پہنچنا صرف ان شامی لطائف ہی کی وجہ سے تھا۔

جب میں جوانی میں پہنچا تو میرے مزاج وعقل میں اور میرے حافظہ میں حلبی لطائف ہی تھے، شام کے لیے فخر کرنے کو یہ بات کافی ہے کہ اس نے عرب میں ابوتمام، بحتری، متنبی، ابوفراس، ابوالعلاء جیسے شعراء پیدا کیے اور شاعری کے عرب سے ختم ہو جانے کے بعد دوبارہ غالب کیا جبکہ اس وقت ایرانی متعربین اور غلاموں کی اولاد سے عرب بھرا ہوا تھا۔

ہم ان مشہور ومعروف شعراء کے ذکر پر ہی اکتفاء کرتے ہیں کیونکہ اس زمانہ کے تمام شعراء کا ذکر اور ان کے حالات کا ذکر کرنے کی ہماری اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔

ابوتمام (پیدائش ۱۸۸ھ، وفات ۲۳۱ھ)

پیدائش اور حالات زندگی:

ابوتمام حبیب ابن اوس الطائی دمشق میں جاسم نامی بستی میں پیدا ہوا، پھر اس کا والد دمشق چلا گیا وہاں جولاہے کا کام کرتا رہا ابو تمام اس کا ہاتھ بٹاتا تھا، جب بڑا ہوا تو مصر چلا گیا وہاں عمرو بن عاص کی جامع مسجد میں پانی بھرنے لگا اور ساتھ ساتھ علماء کے ادب سے بھی مستفید ہوتا رہا اور شعراء کے کلام کو حفظ کر کے ان کی نقلیں اتارتا تھا، کبھی درست کرتا اور کبھی خطا کھا جاتا حتیٰ کہ ایک دن اس مقام پر پہنچا کہ اس کے ہم عصروں میں سے کوئی بھی اس کے برابر کا نہ تھا، اور اس کی شاعری تمام ملک میں پھیل گئی۔

پھر وہ ملک کے مشہور بڑے لوگوں اور امراء کے پاس جا کر انعام واکرام طلب کرنے لگا، اور تعریف ومدح اور ادب میں اس کو دوسرے شعراء کی بنسبت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی، حتیٰ کہ اس کے زمانہ میں کوئی دوسرا شاعر شاعری کے ذریعے سے ایک درہم بھی نہ کما سکا، پھر وہ احمد بن معتصم کے دربار میں پہنچا اس نے موصل کی ڈاک کا محکمہ بطور انعام کے اس کے ماتحت کر دیا، وہ دو سال تک یہاں کام کرتا رہا ابھی اس کی عمر ۴۰ برس بھی نہ ہوئی تھی کہ وہ اس دنیا فانی کو خیر باد کہہ کر چلا گیا۔

صفات اور اخلاق:

ابوتمام گندمی رنگ کا تھا، لمبے قد والا، فصیح وبلیغ، شیریں کلام پر قدرت رکھنے والا، اور تیز حافظے والا شخص تھا۔ اس کو قطعات و قصائد کے علاوہ ۱۴ ہزار ارجوزے حفظ یاد تھے اس کی دو کتابیں ''الحماسہ اور فحول الشعراء'' اس کی تیز نظری اور ادبی کمال کی شاہد ہیں۔ اس کی حاضر دماغی کو یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ جب اس نے اپنا قصیدہ سینیہ احمد بن معتصم کی مجلس میں سنایا جس کا کچھ حصہ یہ ہے:

ما في وقوفك ساعة من باس تقضي ذمام الأربعُ الأدراس

''پرانے مکانات کا حق ادا کرنے کے لیے کچھ دیر وہاں ٹھہر جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور قصیدہ پڑھتے پڑھتے وہ اس شعر تک پہنچا:

إقدام عمرو في سماحة حاتم في حلم أحنف في ذكاء إياس

اے ممدوح تجھ میں عمرو کی شجاعت کے ساتھ ساتھ حاتم کی سخاوت، احنف کی بردباری، اور ایاس کی ذکاوت بھی ہے''۔

ابو یوسف کندی مجلس میں موجود تھا اس نے کہا کہ امیر تو ان بیان کردہ خوبیوں سے بالاتر ہے تم نے تو عرب کے بدوؤں کے ساتھ امیر کی تشبیہ دے کر امیر کا مرتبہ کم کیا ہے۔

اس پر ابو تمام نے ذرا سر جھکایا اور فی البدیہ یہ اشعار کہے:

لا تنكروا ضربي له من دونه مثلاً شرورا في الندى والبأس

''میں نے سخاوت، شجاعت کے بارے میں جو کم درجہ لوگ پیش کیے ہیں وہ بطور مثال کے ہیں تم اس پر مجھے برا مت کہو۔

فالله قد ضرب الأقل لنوره مثلاً من المشكاة والنبراس

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال میں چراغ اور طاق کو پیش کیا جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور کے مقابلہ کچھ بھی نہیں ہیں''۔

جب اس سے لکھا ہوا قصیدہ لیا گیا تو اس میں یہ دونوں اشعار نہ تھے، لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی معترض ابو یوسف فلسفی نے خلیفہ سے اس کی سفارش کی کہ اس کی ہر بات پوری کی جائے کیونکہ اس کی فکر اس کو اس طرح کھا جائے گی جس طرح ننگی تلوار نیام کو کھا جاتی ہے، یہ دیر تک زندہ نہ رہے گا۔ اس پر خلیفہ نے موصل کی ڈاک کا نگران بنا دیا۔

ابو تمام کی شاعری:

ابو تمام مولدین کے دوسرے درجہ کا آخری شخص ہے اس نے متقدمین اور متاخرین کے معانی اپنی شاعری میں ایک جگہ جمع کر دیئے ہیں۔ وہ ترقی اور علوم کے تراجم کا دور تھا انہی ترقیوں کی وجہ سے اس کی نزاکت اور عقلمندی میں تیزی آ گئی اس لیے اس نے ایک نیا طریقہ اپنے لیے وضع کیا جس میں اس نے معنی کی عمدگی کو آسان عبارت پر ترجیح دی یہ پہلا شاعر ہے جس نے مخفی کنایات اور عقلی استدلالات کو اکثر استعمال کیا اس لیے اس کے کلام میں بعض دفعہ پیچیدگی بھی آ جاتی ہے۔ اور جب اس کو اپنے کلام میں سلاست کی کمی محسوس ہوئی تو اس نے تجنیس، استعارہ، مطابقت کے ذریعہ سے کمی دور کی چنانچہ بعض جگہ موضوع بن گیا اور بعض جگہ خراب ہو گیا۔

بہر حال یہ عیوب اس طرح ظاہر ہوئے جیسے بدر کامل میں چھائیاں ظاہر ہوتی ہیں، لیکن ان کا کلام جو عیوب سے پاک ہے اتنا زیادہ ہے کہ نہ اتنا پہلے کسی شاعر کا تھا اور نہ بعد کے شعراء میں سے کسی کا رہا، نئے معانی منتخب الفاظ میں مثالیں اس طرح بیان کی ہیں کہ ایک طرف تو الفاظ کے ذخیرہ میں اضافہ اور دوسری طرف بعد میں آنے والوں کے لیے ترقی کے مواقع مہیا کر دیئے چنانچہ اس کے بعد ابو العلاء اور متنبی نے اسی کی پیروی کی، اس پر غلبہ حکمت کی وجہ سے کہا جانے لگا کہ ابو تمام اور متنبی تو حکیم ہیں شاعر تو بحتری ہے، اس کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے بعض تو اس کی تعریف میں غلو اختیار کرتے ہوئے سب سے آگے لے جاتے ہیں اور کچھ

خوبیوں کو چھپا کر صرف برائیاں اچھالتے ہیں۔ لیکن پھر بھی غلبہ تعریف کرنے والوں ہی کا ہے اس کو جو مرتبہ رؤساء اور امراء کے ہاں سے ملا ہے طعن کرنے والے اس کا کیسے انکار کر سکتے ہیں۔

جب اس نے محمد بن زیات کی ایک قصیدہ کے ذریعے شاعرانہ تعریف کی تو اس نے کہا کہ اے ابوتمام تم اپنی شاعری میں جو الفاظ کے جوہر جڑتے ہو اور ان کے معانی جدیدہ بیان کرتے ہو اس سے اتنا حسن پیدا ہوتا ہے کہ جتنا دوشیزاؤں کے گلے کے مزین ہاروں سے بھی نہیں ہوتا، اور جو کچھ انعام تجھے دیا جاتا ہے اگر موازنہ کریں تو وہ تمہاری شاعری سے کم تر ہی ہوگا۔ اس کی شاعری کو جمع کر کے کئی بار شائع کیا گیا اس کے علاوہ اس کی دو کتابیں اور ہیں، ''الحماسہ'' اور ''فحول الشعراء'' جن میں زمانہ اسلام وجاہلیت کی بہترین شاعری کو جمع کیا ہے۔ اور انتخاب اتنی اچھی طرح کیا ہے کہ لوگ یہ کہنے لگے کہ ان کا انتخاب ان کی شاعری سے بھی افضل ہے۔

شاعری کا نمونہ:

غدت تستجير الدمر خوف نوى غد وعاد قتاداً عندها كلُّ مرقد

''آئندہ کے فراق سے وہ آنسوؤں کی پناہ لینے لگا اور پہلو ایسے بدلتا ہے جیسے اس کے بستر پر کانٹے بچھے ہوئے ہوں۔

وأنقذها من غمرة الموت أنه صدود فراق لا صدود تعمد

اس کو موت کے منہ سے اس بات نے بچایا کہ بے رخی عمداً نہیں بلکہ سفر کی وجہ سے ہے۔

فأجرى لها الإشفاق دمعاً ووردا من الدم يجري فوق خد موزد

اس بات نے اس کے آنسوؤں کو خون سے ملا کر اس کے سرخ گالوں پر بہا دیا''۔

اس قصیدہ میں سفر کی ترغیب دیتے ہوئے کہتا ہے اور آپ غور کریں تو ہر بیت میں آپ کو مطابقت نظر آئے گی:

ولكنني لم أحو وفراً مجمعاً ففزت به إلا بشمل مبدد

''مجھے وافر مقدار میں اکٹھا مال تو نہ مل سکا البتہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے ملتا رہا۔

ولم تعطني الأيام نوماً مسكناً ألذ به إلا بنوم مشرد

مجھے زمانے نے سکون کی نیند نہ سونے دیا کہ میں نیند کا مزہ لے لوں ہاں کچھ خواب کی پریشانی ضرور ملی تھی۔

وطول مقام المرء في الحي مخلق لديباجتيه فاغترب تتجدد

انسان قبیلے میں لمبا عرصہ قیام پذیر رہے تو عزت کم پڑ جاتی ہے اس لیے سفر کرتے رہنا چاہیے تاکہ عزت بڑھتی رہے۔

فإني رأيت الشمس زيدت محبة على الناس أن ليست عليهم بسرمد

میں نے دیکھا ہے کہ لوگ سورج سے اس لیے محبت کرتے ہیں کہ وہ لوگوں پر ہمیشہ نہیں رہتا''۔

اور کہتا ہے:

نقل فؤادك حيث شئت من الهوى ما الحب إلا للحبيب الأوّل

''تم محبت میں اپنے دل کو جہاں چاہو منتقل کر لو حقیقی محبت تو محبوب اوّل ہی سے رہتی ہے۔

كم منزل في الأرض يألفه الفتى　　وحنينه أبداً لأول منزل

انسان کتنے مقامات میں رہائش پذیر ہوتا ہے لیکن خاص محبت اور جہاں دل مائل ہوتا ہے وہ مقام پیدائش ہوتا ہے"۔

محمد بن حمید طوسی کے مرثیہ میں کہا:

كذا فليجل الخطب وليفدح الأمر　　فليس لعين لم يفض ماؤها عذرُ

"یہ وہ حادثہ ہے جس کو بڑی مصیبت اور حد سے گزرا ہو معاملہ کہنا چاہیے اس موت پر اگر کوئی آنکھ نہ روئے تو اس کے لیے کوئی عذر باقی نہیں ہے۔

توفيت الآمالُ بعد محمد　　وأصبح في شغل عن السفر السفر

محمد کے بعد امیدیں ختم ہوگئیں اور مسافر سفر کرنا چھوڑ گئے۔

ألا في سبيل الله من عطلت له　　فجاج سبيل الله وانثغر والثغر

خود تو راہ خدا میں چلا گیا لیکن اس کے چلے جانے سے راہ خدا کے راستے ویران ہوگئے اور سرحدیں محفوظ نہ رہیں۔

فتى كلما فاضت عيون قبيلة　　دما ضحكت عنه الأحاديث والذكر

وہ ایسا دلیر تھا کہ جب بھی قبیلہ کی آنکھیں خون کے آنسو روئیں گی تو اس کی یادیں اور باتیں ہنستی رہیں گی۔

فتى دهره شطران فيما ينوبه　　ففي بأسه شطر و في جوده شطر

وہ ایسا بہادر تھا کہ اس کے دنیا میں دو ہی کام تھے اوّل جنگوں میں دلیری سے حصہ لینا اور دوسرا سخاوت کے دریا بہا دینا۔

فتى مات بين الطعن والضرب موتةً　　تقوم مقام النصر إذ فاته النصر

وہ جوان تلوار اور نیزوں کے درمیان ایسی موت مرا ہے کہ اگر اس کو فتح نہ بھی ہوتی تو وہ فتح سے کچھ کم بھی نہ تھا۔

وما مات حتى مات مضربُ سيفه　　من الضرب واعتلت علينا القنا السمر

وہ اس وقت تک نہ مرا جب تک اس کی تلوار کا دستہ وار سے نہ ٹوٹا اور اس کے گندمی نیزوں نے کام کرنا نہ چھوڑا۔

تردى ثياب الموت حمراً فما دجا　　لها الليلُ إلا وهي من سندس خضرُ

اس نے موت کا سرخ جوڑا پہن لیا اور ابھی رات کی تاریکی بھی نہ آئی تھی کہ اس نے سبز ریشمی جوڑا پہن لیا۔ (دخول جنت)

اور مدح میں کہتا ہے:

حولٌ لافعاله مرتعُ الذم (م)　　ولا عرضه مراحُ العيوب

وہ اپنے افعال میں بہت متلون المزاج ہے برائی کو دور کرنے والا ہے اور اس کی عزت عیوب سے بری ہے۔

سرُحٌ قوله إذا ما استمرت　　عقدةُ العي في لسان الخطيب

بہت فصیح اللسان ہے بولتا ہے تو اس کے کلام سے خطیب کی زبان کی بندش بھی کھل جاتی ہے۔

لا معنى بكل شيء ولا كل (م)　　عجيب في عينه بعجيب

ہر چیز میں ٹانگ نہیں اڑاتا اور نہ ہی کوئی عجیب اس کی نظر میں عجیب ہے۔

لیس یعری عن حلیۃٍ من طراز　　المدح من راجز بھا مستثیب

اشعار سنا کر مدح کرنے والے اور بخشش مانگنے والے کے لیے اس کے ہاں جوڑوں کی کمی نہیں۔

و إذا کف راغب سلبته　　راح طلقا کالکوکب المشبوب

جب کوئی ہتھیلی اس سے کوئی چیز مانگتی ہے تو وہ مارے خوشی کے ستارے کی مانند چمکنے لگتا ہے۔

ما مھاۃُ الحجال مسلوبۃ أظرفُ　　حسنا من ماجد مسلوب

بلوریں رنگ کی پازیبیں پہننے سے وہ حسن واپس نہیں آسکتا جو عزت و بزرگی کے چلے جانے سے ضائع ہو جائے۔

واجدٌ بالخلیل من برحاء الشوق　　وجدان غیرہ بالحبیب

وہ شدتِ شوق کی وجہ سے دوست کو ایسے پالیتا ہے جیسے دوست کی گرد کو پاتا ہے۔

کل شعب کنتم بہ آل وھب　　فھو شعبي وشعب کل أدیب

اے آل وہب تم جس گھاٹی میں بھی ہو وہ میری گھاٹی ہے اور ہر ادیب کی گھاٹی ہے۔

إن قلبي لکم لکالکبد　　الحري و قلبي لغیرکم کالقلوب

میرا دل تمہارے لیے تو جگر کی طرح ہے اور تمہارے علاوہ کے لیے عام دلوں کی طرح ہے''۔

اور کہتا ہے:

إذا حرکته ھزۃ المجد غیرت　　عطایاہ أسماء الأماني الکواذب

''جب اس کو خوشی اور بزرگی کی لہر حرکت میں لاتی ہے۔ تو جھوٹی امیدوں کے ناموں کو اس کی بخششیں حقیقت میں بدل دیتی ہیں۔

یری أقبح الأشیاء أوبۃ آمل　　کستہ یدُ المأمول حلۃ خائب

اس کے ہاں سب سے بری بات یہ ہے کہ جس سے کوئی امید ہو وہ امید والے کو خالی ہاتھ لوٹا دے۔

وأحسن من نور تفتحہ الصبا　　بیاض العطایا في سواد المطالب

سائلوں کی تاریکی میں عطایا کی سفیدی اس کو بادِ صبا کی کھلائی ہوئی کلیوں سے بھی زیادہ عزیز ہے''۔

بحتری (پیدائش ۲۰۶ھ وفات ۲۸۴ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ابو عبادہ ولید بن عبید اللہ طائی یہ خالص عربی النسل تھا، ۲۰۶ھ میں حلب اور فرات کے درمیان مقام منبج میں پیدا ہوا، دیہات کے طائی قبائل وغیرہ میں پرورش پائی جس کی وجہ سے عربی فصاحت غالب رہی۔ پھر وہاں سے بغداد جا کر ابو تمام سے ملاقات کی تو

اسی کا ہو کر رہ گیا۔

اس سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور علم بدیع میں اسی کے طرز کو اپنایا، اور بہت سے علماء سے روایت کی جن میں ابوالعباس اور مبرد بھی شامل ہیں یہ مستقل ابوتمام کے پاس رہا اور اس کی نقل اور طریقہ کو اپناتا رہا اور ابوتمام اس کی اصلاح کرتا رہا اور اس کو ابھارتا رہا کیونکہ یہ بھی طائی تھا۔ حتیٰ کہ ایک دن ابوتمام نے اس سے کہا کہ اے بیٹے بخدا، میرے بعد کل کو تم ہی تمام شعراء کے سردار بنو گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی پیشینگوئی کو ثابت کر دیا چنانچہ بحتری کی شاعری ابوتمام کے بعد شہرت پا گئی اور وہ ادب و شاعری میں شعراء کا امام بن گیا اور عراق میں متوکل اور اس کے وزیر فتح ابن خاقان کے پاس رہا حتیٰ کہ وہ دونوں اسی کی موجودگی میں قتل کر دیئے گئے۔

پھر اس کے بعد وہ منبج واپس آ گیا اور کبھی کبھی بغداد ''سر من رائی'' کے سرداروں کے پاس جا کر ان کی تعریف کرتا رہتا تھا حتیٰ کہ ۲۸۴ھ میں وفات پائی۔

صفات اور اخلاق:

بحتری اپنے علم وادب اور نزاکت طبعی کے باوجود دنیا میں سب سے زیادہ میلے کپڑے پہننے والا شخص تھا، اپنے اور دوسروں کے اوپر انتہائی بخل کرنے والا، شعر سنانے میں سب سے گھٹیا، شعر سناتے ہوئے بتکلف باچھیں کھولتا اور دائیں بائیں جھکتا یا الٹے پاؤں چلتا، کبھی اپنے سر کو اور کبھی کندھوں کو ہلاتا، اپنی آستین سے اشارہ کرتا اور ہر شعر کے بعد ٹھہرتا اور کہتا کہ واللہ کیا خوب کلام کہتا ہوں۔ پھر سامعین کی طرف متوجہ ہو کر کہتا کہ تم کو کیا ہوا کہ تم میری تعریف نہیں کر رہے۔ بخدا یہ تو بے نظیر کلام ہے سب اس جیسا کہنے سے عاجز ہیں، لیکن وہ منصف اور صاحب فضل کا معترف تھا بے جا دعویٰ نہیں کرتا تھا۔

بعض لوگوں نے اس کی شاعری سن کر کہا کہ آپ ابوتمام سے اچھے شعر کہتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ آپ کی اس بات نے نہ مجھے کوئی فائدہ پہنچایا اور نہ ابوتمام کو کچھ نقصان ہوگا۔

بخدا میں اس کے واسطہ سے روٹی حاصل کر رہا ہوں اگرچہ میں یہی چاہتا ہوں جیسا لوگوں نے کہا ہے لیکن واللہ میں ابوتمام کا تابع، اس کی پناہ میں رہنے والا اور اس سے حاصل کرنے والا ہوں۔ اس کی تیز ہوا کے سامنے میرا نازک جھونکا رک جاتا ہے۔ اور اس کے آسمان کے مقابلہ میں میری زمین پست ہو جاتی ہے۔

شاعری:

بحتری شاعری میں ابوتمام کا پیروکار اور بدیع میں اس کا متبع ہے اور معانی کے لیے الفاظ کا بہترین چناؤ کرتا ہے، شعر کہنا چاہتا ہے مگر گانے لگتا ہے، جیسا کہ ابن اثیر نے کہا ہے، اس نے معانی اور مضمون کو فطری خیال سے ایجاد کیا نہ کہ علم اور قضیوں کے ذریعے سے اس لیے اس نے شاعری کے ختم شدہ حسن و جمال کو لوٹا دیا۔

اسی طرف متنبی نے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میں اور ابوتمام تو حکیم ہیں شاعر تو بحتری ہے، شاعری میں شان و شوکت اور دلکش الفاظ اور بہترین مضامین، فصاحت و حلاوت اس کا خاص طرز تھا جس میں اپنے استاذ سے بھی ممتاز ہو گیا۔

اسی طرز کو اس کے ہم عصر اور متاخرین نے اپنایا اور اس طرز کو اہل شام کے اسلوب سے پہچانا جانے لگا ابوعبادہ نے ہر قسم کی

شاعری خوب کی ہے سوائے ہجو کے کہ اس کی ہجو والی شاعری کم ہے اور اس میں سے اچھی شاعری تو بہت ہی کم ہے۔

اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے قبل از موت اپنی ہجو یہ شاعری جلا ڈالی تھی یہی بات درست معلوم ہوتی ہے کثرت کلام کی وجہ سے اس کو خصوصی امتیاز حاصل تھا۔ مثلاً ایوان کسریٰ، متوکل کے تالاب اور معتز باللہ کے محل کی تعریف کرنا، اس کے قصائد کے شروع میں غزل ضرور ہوتی ہے اس کی شاعری کو ابوبکر صولی نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور حروف ہجا کے اعتبار سے مرتب کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی کتاب ''معاني الشعر'' اور ''حماسة البحتري'' ہے یہ بھی ابو تمام کے حماسہ کی طرح ہے لیکن بحتری کا حماسۃ ابواب کی کثرت اور اچھی شاعری میں ممتاز ہے، اور یہ بیروت سے شائع ہو چکا ہے۔

شاعری کا نمونہ:

متوکل کے بنائے ہوئے تالاب کے بارے میں کہتا ہے:

تنصب فيها وفودُ الماء معجلة   كالخيل خارجة من حبل مجريها

''پانی کے ریلے اس تالاب میں اس طرح تیزی سے گرتے ہیں جیسے گھوڑے اپنے سواروں سے لگام لے کر نکلے جا رہے ہیں۔

كأنما الفضة البيضاء سائلة   من السبائك تجري في مجاريها

ایسا لگتا ہے جیسے پانی کے بجائے سفید چاندی پگھلائی ہوئی نالیوں میں بہہ رہی ہو۔

إذا علتها الصبا أبدت لها حبكا   مثل الجواشن مصقولا حواشيها

جب باد صبا چلتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جالی دار لہریں پیدا ہو رہی ہیں جیسے زرہوں کے کنارے چمک رہے ہوں۔

فحاجب الشمس أحيانا يضاحكها   وريق الغيث أحيانا يباكيها

کبھی تو سورج کے ساتھ ہنستا ہے اور کبھی بارش کے ساتھ روتا ہے۔

إذ النجوم تراءت في جوانبها   ليلاً حسبت سماء ركبت فيها

جب رات کو ارد گرد ستاروں کا عکس پڑتا ہے تو آسمان لگتا ہے جس میں ستارے جڑے ہوئے ہیں''۔

خلیفہ متوکل کو عید مبارک دیتے ہوئے اس کی مدح میں کہتا ہے:

بالبر صمت وأنت أفضل صائم   وبسنة الله الرضية تفطر

''تو نے رمضان میں نیکی کو اختیار کیا اور تو سب سے افضل روزہ دار ہے، اور تو اللہ کی پسندیدہ سنت سے روزہ افطار کرتا ہے۔

فانعم بيوم الفطر عينا إنه   يوم أغر من الزمان مشهر

اب تو زمانے کے مشہور و مبارک عید کے دن خوشی منا۔

أظهرت عز الملك فيه بجحفل   لجب يحاط الدين فيه وينصر

تو نے حکومت کی عزت کا اظہار ایسی فوج سے کیا جو دین کی حفاظت کرتی ہے اور فتح یاب ہوتی ہے۔

فالخيل تصهل والفوارس تدعي   والبيض تلمع والأسنة تزهر
گھوڑے ہنہنا رہے ہیں اور بہادر آگے بڑھ رہے ہیں تلواریں اور نیزے چمک رہے ہیں۔

والأرض خاشعة تميد بثقلها   والجو معتكرُ الجوانب أغبَر
زمین اس لشکر کے بوجھ سے دبی ہوئی اور جھک رہی ہے اور فضا اس کے غبار سے گرد آلود ہے۔

والشمس طالعة توقدُ في الضحى   طوراً ويطفئها العجاج الأكدر
سورج کبھی تو چاشت کے وقت روشن ہوتا ہے اور کبھی غبار کی وجہ سے گہن لگ جاتا ہے۔

حتى طلعت بنور وجهك فانجلى   ذاك الدجى وانجاب ذاك العثيرُ
حتی کہ آپ کے چہرے کا نور طلوع ہوا تو غبار کی تاریکی چھٹ گئی اور گرد و غبار ختم ہو گیا۔

فافتن فيك الناظرون فإصبعٌ   يومى إليك بها وعين تنظر
لوگ تیری طرف دیکھنے لگے اور انگلیوں سے اشارے اور آنکھوں سے نظارے کرنے لگے۔

كروا بطلعتك النبيّ فهللوا   لما طلعت من الصفوف وكبروا
جب تو صفوں سے باہر آیا تو تیرے ظاہر ہونے کی وجہ سے لوگوں کو حضور ﷺ کا چہرہ یاد آیا اور لوگوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔

حتى انتهيت إلى المصلى لا بسا   نور الهدى يبدو عليك ويظهر
حتیٰ کہ تو نور کو لیے ہوئے عید گاہ پہنچا اور نور ہدایت تجھ پر ظاہر تھا۔

ومشيت مشية خاشك متواضع   للّٰه لا يزهي ولا يتكبر
اور تو اللہ کے دربار میں ایسی عاجزی سے چل رہا تھا کہ جس میں نہ تکبر تھا اور نہ کوئی بڑائی۔

فلو أن مشتاقا تكلف فوق ما   في وسعه لسعى إليك المنبر
اگر کوئی مشتاق اپنی طاقت سے زیادہ کا مکلف ہوتا تو ممبر آپ کی طرف دوڑ آتا۔

أبديت من فصل الخطاب بحكمة   تنبي عن الحق المبين وتخبر
اپنی حکمت سے آپ نے ایسا خطبہ دیا جو حق و صداقت واضح کرنے لگا۔

ووقفت في برد النبي مذكراً   باللّٰه تنذر تارة وتبشر
آپ کبھی حضور ﷺ کے چادر میں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتے ہیں اور کبھی ڈراتے اور کبھی خوشخبری سناتے ہیں''۔

اپنے محبوب کو خواب میں دیکھ کر کہتا ہے:

إذا ما الكرى أهدى إلي خياله   شفى قربهُ التبريح أو نقع الصدى
''مجھے خواب میں جب اس کا خیال آتا ہے تو تکلیفوں کو دور کرتا ہے اور مجھے تسکین قلب عطا کرتا ہے۔

إذا انتزعته من يدي انتباهة : حسبت حبيبا راح مني أو غد

اور جب بیداری اس کو میرے ہاتھ سے چھین کر لے جاتی ہے تو میں یہ خیال کرتا ہوں کہ محبوب میرے پاس سے چلا گیا ہے۔

ولم أر مثلينا ولا مثل شأننا نعذبُ أيقاظا وننعم هجدا

میں نے اپنے محبوب کی سی مثال اور شان کہیں نہیں دیکھی کہ ہم بیداری میں عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں اور نیند میں مزے کر رہے ہوتے ہیں''۔

متنبّی (پیدائش ۳۰۳ھ، وفات ۳۵۴ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ابوطیب احمد بن حسین متنبّی کوفہ میں پیدا ہوا فقیر والدین کے ہاں، اس کا والد کوفہ میں پانی پلانے کا کام کرتا تھا متنبّی ابھی چھوٹا تھا کہ اس کا باپ اس کو لے کر شہر منتقل ہو گیا دیہات چھوڑ کر شہری زندگی گزارنے کے لیے شام چلا گیا اور اپنے بچے کو مدرسہ میں بھیجتا رہا اور مختلف قبائل میں ان کا آنا جانا رہتا تھا۔

لائق بچے کے آثار بتا رہے تھے کہ یہ ایک بڑا فاضل بنے گا اور اچھی زندگی بسر کرے گا، حتی کہ اس کے والد کا انتقال ہو گیا وہ اس وقت جوانی کی ابتدا میں تھا، اور علم لغت اور ادب کا خاصہ حصہ حاصل کر چکا تھا اس نے روزی کمانے اور بزرگی حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا شروع کر دیا تھا۔

متنبّی بچپن سے بڑے دل والا، بلند ہمت اور بزرگی کی طرف مائل تھا۔ اس کے بڑا بننے کی وجہ سے ہی کم عمری میں ہی لوگوں کو اپنی بیعت پر ابھارا، یہ معاملہ پورا ہونے ہی والا تھا کہ وقت کے گورنر کو اس کا پتا چلا اس نے اسے قید کرا دیا، پھر قید خانہ سے اس نے گورنر کو ایک قصیدہ لکھا:

أمالك رقي ومن شأنه هباتُ اللجين وعتق العبيد

''اے مالک! جس کا مشغلہ ہی غلاموں کو آزاد کرنا اور مال و دولت عطا کرنا ہے۔

دعوتك عند انقطاع الرجاء والموت مني كحبل الوريد

امید ختم ہو جانے اور اپنا گلا بالکل موت کے ہاتھ پہنچ جانے کے وقت میں آپ سے مدد کی التجا کرتا ہوں۔

دعوتك لما براني البلى وأوهن رجلي ثقلُ الحديد

میں آپ سے مدد کو کہتا ہوں جبکہ میری حالت بدتر اور میرے پاؤں بیڑیوں کے بوجھ سے کمزور ہو چکے ہیں۔

تعجل في وجوب الحدود وحدي قبل وجوب السجود

مجھ پر نماز کے فرض ہونے سے پہلے ہی حدود نافذ کی جا رہی ہیں''۔

اس پر گورنر نے اس کو آزاد کر دیا لیکن سرداری کی آرزو اس کے دل و دماغ میں گھسی ہوئی تھی، جوانی کے ڈھلنے کے بعد بھی اس نے شام میں ۳۲۲ھ میں نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اور اپنی جادو بیانی اور قوت ادب کی وجہ بہت سے لوگوں کو اپنا مرید بنا لیا، اور حضور ﷺ

کے متعلق اس سے پوچھا گیا تو کہا کہ آپ نے ہی تو میرے بارے میں خبر دی تھی کہ "لا نبی بعدی" آسمان میں میرا نام ہی تو "لا" ہے، اور قرآن کے مقابلہ میں اپنا کلام بھی بنایا تھا، جب اس کا دعویٰ مشہور ہوا تو اخشید یہ کے نائب حمص کے امیر نے اس کو قید کر لیا اور جب اس کو رہا کیا تو اس کے مریدین کا حلقہ ٹوٹ چکا تھا اور یہ بھی تائب ہو چکا تھا۔

پھر یہ اپنی امیدوں سے بھی زیادہ دور کے سفر کرنے لگا اس کا توشہ صرف صبر و ثابت قدمی ہمت و عزم کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا، جیسا کہ اس کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے:

وحيد من الخلان في كل بلدة　　إذا عظم المطلوب قل المساعد

"وہ دوستوں کے بغیر شہر میں اکیلا ہے، جب مقصود بڑا ہو تو مددگار کم ہو جاتے ہیں"۔

ضاق صدري وطال في طلب　　الرزق قيامي وقل عنه قعودي

"میرا سینہ تنگ ہو گیا ہے اور طلب رزق میں سرگرداں پھرتا ہوں جبکہ اس طرف سے مجھے اطمینان وسکون نہیں ملتا۔

أبداً أقطع البلاد ونجمي　　في نحوس وهمتي في سعود

ایک شہر سے دوسرے شہر میں سفر کرتا رہتا ہوں میری نیک بختی نحوست میں اور میری ہمت، سعادت مندی میں رہتی ہے"۔

وہ اسی طرح سرگرداں رہا حتی کہ ابو الشعائر سے تعلق بنا جو سیف الدولہ کی طرف سے انطاکیہ کے گورنر تھے اس نے گورنر کی مدح کی، اور گورنر نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور اس کو سیف الدولہ کی خدمت میں پیش کیا، اس کے سامنے متنبی اور اس کے شعر و ادب کا ذکر کیا حاکم نے اس کو اپنے خواص میں شامل کر لیا اور اچھا مرتبہ عطا کیا اور اس کو ماہرین کے پاس بھیجا انہوں نے اس کو جنگ اور گھوڑ سواری کی تربیت دی پھر سیف الدولہ نے سفر و حضر میں اس کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا اور خوب اس کو مال و دولت عطا کیا۔

وہ خود کہتا ہے:

تركت السرى خلفي لمن قل ماله　　وأنعلت أفراسي بنعماك عسجدا

"میں نے راتوں کو سفر کرنا ان کے لیے ترک کیا جن کے پاس مال کم ہے اور تیرے انعامات کی وجہ سے میں نے اپنے گھوڑوں کو سونے کی نعلیں لگوالیں۔

وقيدت نفسي في هواك محبة　　ومن وجد الإحسان قيداً تقيدا

میں نے اپنے آپ کو تیری محبت میں قید کر لیا اور جو شخص احسان کو قید سمجھتا ہے، تو وہ قید ہو جاتا ہے"۔

وہ اسی طرح اچھی زندگی گزارتا رہا یہاں تک کہ ۳۴۶ھ میں آپس میں کسی رنجش کی وجہ سے چھوڑ کر مصر چلا گیا۔ وہاں کافور اخشیدی اور ابوشجاع کی مدح کرتا رہا اور بڑے عرصہ تک منتظر رہا کہ کسی عہدہ پر اس کو مقرر کر دے آخر کار متنبی کو کہنا ہی پڑا کہ:

أبا المسك، هل في الكأس فضلٌ أناله　　فإني أغني منذ حين وتشرب

"اے ابوالمسک! کیا جام میں میرے لیے بھی کچھ بچے گا کہ میں تو ایک عرصہ سے گا رہا ہوں اور آپ پیتے چلے جا رہے ہیں"۔

وهل نافعي أن ترفع الحجب بيننا ودون الذي أملت منك حجاب

''اپنے درمیان کے حجابات دور کرنے سے مجھے کیا نفع ہوگا جبکہ میری امید ابھی تک حجاب میں ہے۔

وفي النفس حاجات وفيك فطانة سكوتي بيان عندها وخطاب

میری حاجات میرے دل میں ہی ہیں جبکہ آپ کو خوب معلوم ہے، آپ کی فطانت بڑی تیز ہے اور میری خاموشی بھی زبان حال سے میرے اندر کا حال بیان کر رہی ہے''۔

کافور کو اس کی بلند شاعری اور شوق حکومت کی وجہ سے خطرہ لاحق ہوا وہ اس سے کنارہ کرنے لگا اس پر متنبی نے کافور کی ہجو کی اور بغداد چلا گیا۔ اس نے وزیر مہلبی کی مدح نہ کی کیونکہ وہ بادشاہوں سے کم کی مدح نہ کرتا تھا، جس سے مہلبی ناراض ہوا اور بغداد کے شعراء کو اس کے پیچھے لگا دیا، انہوں نے اس کو اور اس کی شاعری کو خوب جھنجوڑا لیکن متنبی نے ان کو کوئی جواب نہ دیا۔ اور فضل بن عمید سے ملاقات کرنے کے لیے ارجان چلا گیا، اور صاحب بن عباد وزیر نے اسے آنے کی دعوت دی کہ وہ اس کی مدح کرے گا اس لیے اس کو اصبہان بلایا لیکن وہ وزیر کے پاس نہ گیا اور شیراز میں عضد الدولہ کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ اس پر صاحب بن عباد رنجیدہ ہو گیا اور اس کے کلام میں خامیاں نکالنے لگا، اور اعتراض کرنے لگا جبکہ وہی اس کے کلام کی اچھائی کو سب سے زیادہ جانتا تھا۔

چنانچہ صاحب اور اس کے ساتھیوں نے اس کے خلاف قلمی جنگ قائم کر دی اور اس پر مضامین کی چوری اور عربی اسلوب سے باہر نکلنے کا الزام لگایا، لیکن متنبی پر اعتمادی اور اپنی شاعری پر فخر کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ نہ ہوا، چنانچہ جب وہ عضد الدولہ کے پاس پہنچا تو اس نے اسے انعامات سے نوازا اور اس کو ۳ ہزار دراہم اور گھوڑے اور دیگر سامان مہیا کیا پھر خفیہ طریقہ سے ان سے معلوم کرایا کہ یہ انعام زیادہ ہے یا سیف الدولہ کا زیادہ قیمتی ہے۔

متنبی نے جواب دیا کہ یہ زیادہ ہے لیکن بتکلف ہے جبکہ سیف الدولہ کا انعام جوش طبعی کی وجہ تھا اس بات پر عضد الدولہ غصہ آ گیا اور فاتک اسدی کے ساتھ کچھ لوگوں کو روانہ کیا کہ وہ متنبی کو مار دیں، چنانچہ بغداد کے علاقہ صافیہ میں آمنا سامنا ہوا اور جنگ ہونے لگی جب متنبی کو ہار نظر آنے لگی تو بھاگ نکلنے کا ارادہ کیا تو اس کے غلام نے کہا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ بھگوڑا کہنے لگیں حالانکہ تم نے یہ شعر کہا ہے:

الخيل والليل والبيداء تعرفني والسيف والرمح والقرطاس والقلم

''گھوڑے اور تاریک رات اور چٹیل میدان اور تلوار اور نیزے کاغذ اور قلم سب مجھے پہچانتے ہیں''۔

لہٰذا وہ جنگ کرتا رہا وہ، اس کا لڑکا اور غلام سب مارے گئے یہ رمضان کے آخر ۳۵۴ھ کا واقعہ ہے۔

شاعری:

متنبی علم معانی کے شعراء میں سے تھا اس نے شعر اور فلسفہ کو اکٹھا کیا تھا اور اس کی زیادہ توجہ معنی پر تھی، جن قیود میں شاعری کو ابوتمام اور اس کے ہم عصروں نے قید کیا تھا اس نے ان قیودات سے شاعری کو رہا کیا، اور اس عربی شاعری کو مخصوص پرانی طرز سے نکالا، وہ نئی طرز کی عربی شاعری میں امام تھا، اس نے اپنی شاعری میں حکم و امثال کو جگہ دی اور جنگ کے وصف کو ایجاد کیا، اور عرب کی

دیہاتی عورتوں کے حسن وتشبیب اور خوبصورتی کو تشبیہ دی، ایک شعر میں دوضرب المثل لانا، حسن تخلص اور عمدہ تقسیم اور انوکھی تعریف اور تکلیف دہ ہجو بیان کرنا، اس کی شاعری کو دوسروں سے ممتاز کرتا ہے اور سب سے زیادہ اس کی شاعری کی خصوصیت اس کی شخصیت کا شاعری میں ابھرنا ہے، اس کے ایمان کی سچائی اور رائے کی پختگی اور خود اعتمادی، نفس کی طبائع، لوگوں کے مشاغل، دلوں کی خواہشات، کائنات کے وجود اور مقاصد زندگی کی صحیح عکس بندی کرتا تھا، اسی وجہ سے اس کی شاعری ہر ادیب کے لیے مددگار اور ہر خطیب کے لیے مثال بن گئی۔

شاعری کے عیوب:

بعض دفعہ اس کی شاعری کو الفاظ کی تنگی کی وجہ سے سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے، الفاظ کی طرف عدم توجہ کی وجہ سے عبارت کی کمی، مثلاً الفاظ گرے ہوئے، معنوی پیچیدگی، اجنبی اور نامانوس الفاظ کا استعمال، بے ڈھنگا مطلع، قیاس کی مخالفت شاعری میں تفاوت اور مبالغہ میں حد سے بڑھ جانا کہ ناممکن تک پہنچا دے، مثلاً

ولا الضعف حتى يبلغ الضعف ضعفه　　　ولا ضعف ضعف الضعف بل مثله ألف

اور کہتا ہے:

أنى يكون أبا البرايا آدم　　　وأبوك والثقلان أنت محمد

یعنی آدم انسانوں کا جداعلیٰ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ آپ کا باپ محمد ہے اور آپ ثقلان ہیں۔

لو لم تكن من ذا الورى الذمنك هو　　　عقمت بمولد نسلها حواء

''اے ممدوح! دنیا میں وجود ہی جس کی ذات سے ہے تو اگر وہ ہوتا تو اماں حوا بانجھ ہو جاتی، کوئی اولاد نہ ہوتی''۔

اس طرح سب پر گرفت وتنقید ہم کو مقصد سے دور لے جائے گی لہٰذا جو چاہے تفصیل وہ دیکھے ثعالبی کی تصنیف "يتيمة الدهر".

شاعری کا نمونہ:

زمانہ کا شکوہ کرتے ہوئے:

لم يترك الدهر من قلبي ولا كبدي　　　شيئا تتيمه عينٌ و لا جيد

''زمانے نے میرے دل اور جگر میں کوئی ایسی چیز نہ چھوڑی جسے آنکھ یا گردن مسحور کر سکے۔

يا ساقيي أخمر في كووسكما　　　أم في كووسكما هم وتسهيد؟

اے ساقی تیرے جام میں شراب ہے یا بے خوابی اور غم وفکر بھرا ہوا ہے؟

أصخرة أنا؟ مالي لا تغيرني　　　هذي المدام ولا تلك الأناشيد؟

میں کیا پتھر ہوں کہ یہ نغمے اور شراب میرے اندر تبدیلی نہیں لا رہے۔

إذا أردت كميت الخمر صافية　　　وجدتها وحبيب النفس مفقود

مجھے کیا ہوا جب میں ارغوانی صاف شراب چاہتا ہوں تو مل جاتی ہے مگر میرا محبوب مجھ سے جدا ہو جاتا ہے۔

ماذا لقيت من الدنيا؟ وأعجبُها أني بما أنا باكٍ منه محسود

سب سے عجیب بات یہ ہے کہ جو کچھ مجھ کو ملا ہے میں تو اس پر روتا ہوں اور لوگ حسد کرتے ہیں"۔

فلسفیانہ شاعری:

نحن بنو الموت فما بالنا نعاف ما لا بد من شرب

"ہم تو موت کے بیٹے ہیں پھر ہمیں کیا ہوا کہ جس کے بغیر چارہ نہیں ہم وہ نہیں پیتے۔

تبخل أيدينا بأرواحنا على زمان هن من كسبه

ہمارے ہاتھ زمانے کو اپنی روحیں دینے میں بخل کرتے ہیں جبکہ یہ روحیں زمانہ کی کمائی ہیں۔

فهذه الأرواح من جوه وهذه الأجسام من تربه

یہ روحیں تو زمانے کی فضا سے آتی ہیں اور یہ جسم اس زمانہ کی مٹی سے بنے ہیں۔

لو فكر العاشق في منتهى حسن الذي يسبيه لم يسبه

اگر عاشق اس حسن کے انجام کو دیکھے جس نے اسے بلا قیمت خرید لیا ہے تو وہ کبھی اس طرح بے خود نہ ہو۔

لم يرقرنُ الشمس في شرقه فشكت الأنفسُ في غربه

ایسا نہیں ہے کہ سورج مشرق سے طلوع ہو اور اس کے غروب میں کسی کو شک ہو۔

يموت راعي الضأن في جهله موتة جالينوس في طبه

چرواہا اپنی جہالت کی موت اس طرح مرتا ہے جیسے جالینوس اپنے طب کے ہوتے ہوئے مر گیا۔

وربما زاد على عمره وزاد في الأمن على سربه

کبھی کبھار وہ زیادہ عرصہ زندہ رہتا ہے اور اپنے گھر کو عافیت سے رکھتا ہے۔

وغاية المفرط في سلمه كغاية المفرط في حربه

اپنی حفاظت میں انتہائی احتیاط کرنے والے کا وہی انجام ہوتا ہے جس طرح بے دھڑک جنگ کرنے والے کا"۔

نصيبك في حياتك من حبيب نصيبك في منامك من خيال

"زندگی میں تم کو محبوب سے جو حصہ ملتا ہے ایسا ہی ہے جیسے خواب میں خیال سے۔

رماني الدهرُ بالأرزاء حتى فؤادي في غشاء من نبال

میرے اوپر زمانے نے اس قدر مصائب ڈھائے کہ میرا دل تیروں کے نیچے دبا ہوا ہے۔

فصرت إذا أصابتني سهام تكسرت النصال على النصال

اب یہ صورتِ حال ہے کہ اگر کوئی تیر مجھے آ کر لگتا ہے تو وہ تیروں کو لگ کر ہی ٹوٹ جاتا ہے۔

وهان فما أبالي بالرزايا لأني ما انتفعت بأن أبالي

اب میں مصیبتوں کی پرواہ نہیں کرتا وہ میرے لیے آسان ہوگئی ہیں کیونکہ میں نے پرواہ کر کے ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا''۔

اور کہتا ہے:

صحب الناسُ قبلنا ذا الزمانا وعناهم من أمره ما عنانا

''لوگ ہم سے پہلے بھی اس زمانہ میں رہے ان کو بھی وہ چیزیں پریشان کرتی تھیں جو ہمیں کرتی ہیں۔

وتولوا بغصة كلهم منه و إن سر بعضهم أحيانا

وہ سب اس سے غصہ ہو کر لوٹ گئے اگرچہ بعض دفعہ کچھ کو خوش بھی کیا ہے۔

ربما تحسن الصنيع لياليه ولكن تكدر الإحسانا

بعض دفعہ اس کی راتیں بھلائی بھی کرتی ہیں مگر وہ کیے کرائے کو مٹی میں ملا دیتی ہیں۔

وكأنا لم يرض فينا بريب الدهر حتى أعانه من أعانا

اور ہم صرف اس کی گردشوں پر ہی راضی نہیں ہیں بلکہ ہم میں سے اس کی مدد بھی کرتے ہیں۔

كلما انبت الزمان قناة ركب المرء في القناة سنانا

چنانچہ زمانہ جب بھی کوئی بانس اگاتا ہے تو انسان اس کے اوپر ایک لوہے کا پھل لگا دیتا ہے۔

ومراد النفوس أصغر من أن نتعادى فيه وأن نتفانى

انسانی دلوں کے تقاضے اس سے بہت کم ہیں کہ ہم آپس میں ایک دوسرے سے دشمنی کریں اور لڑتے رہیں۔

غير أن الفتى يلاقي المنايا كالحات ولا يلاقي الهوانا

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ انسان خطرناک موتوں کا تو سامنا کر لیتا ہے مگر ذلت کا سامنا نہیں کرتا۔

ولو الحياة تبقى لحي لعددنا أضلنا الشجعانا

اگر زندگی کسی زندہ کے لیے باقی رہتی تو ہم بہادروں کو سب سے زیادہ گمراہ شمار کرتے۔

وإذا لم يكن من الموت بد فمن العجز أن تموت جبانا

لیکن جب موت سے بچاؤ کا کوئی راستہ ہی نہیں تو بزدلی سے جان دینا تو انتہائی عاجزی ہوگی''۔

اور کہتا ہے:

زودينا من حسن وجهك ما دا م فحسن الوجوه حالٌ تحول

''جب تک تیرے چہرے پر حسن باقی ہے ہمیں اس سے فیض پہنچاتی رہ کیونکہ حسن ہمیشہ نہیں رہے گا۔

وصلينا نصلك في هذه الدنـ يا فإن المقام فيها قليل

اور ہم سے اس دنیا میں میل ملاپ رکھ کیونکہ اس دنیا میں بسیرا کچھ دن کا ہے''۔

ابوفراس حمدانی (پیدائش ۳۲۰ھ، وفات ۳۵۷ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ابوالحارث بن ابی العلاء سیف الدولہ کا چچازاد بھائی، منبج میں پیدا ہوا شاہانہ عزت اور اچھی حالت میں پرورش پائی، بڑے آدمیوں کی طرح خوددار اور اچھے اخلاق والا ہو گیا، تلوار اور قلم دونوں کا ماہر تھا، سیف الدولہ اس کو ان خوبیوں کی وجہ سے پسند کرتا تھا اور اپنی باقی قوم پر اس کو ترجیح دیتا تھا، اس نے اس کو اپنا خاص آدمی بنالیا تھا۔ جنگوں میں اپنے ساتھ اور اہم کاموں میں اپنا نائب بناتا تھا۔

وہ سیف الدولہ کے تاج کا نرالا موتی تھا جو جنگوں میں قیادت کرتا تھا، اور امن میں اس کے دفاتر کا سربراہ تھا، وہ ہر کام میں کامیابی حاصل کرلیتا تھا، لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہو گئے اور اس کی تعریف کرنے لگے، فخر، بہادری اور جنگوں کے بارے میں اس کی شاعری مشہور تھی، حتی کہ اس کی قسمت ہاری کہ رومیوں نے ایک جنگ میں قید کرلیا جس سے وہ زخمی ہوا ایک تیر کا پھل اس کی ران میں پھنسا رہ گیا انہوں اس کو خرشنہ میں قید کر دیا، پھر وہاں سے قسطنطنیہ بھیج دیا آپس کے تبادلے کے مشکل ہونے کی وجہ سے ۴ سال قید میں رہا اس دور میں اس نے وہ شاعری کی جو "رومیات" کے نام سے مشہور ہے جو اہل وعیال، احباب کی یاد سے بھرپور ہے، اور اپنی بوڑھی ماں، اکلوتی بیٹی کے اشتیاق اور سیف الدولہ کی محبت سے بھری ہوئی ہے، بہر حال ابوفراس جیل کی سختیاں اور شوق کی بے چینیاں برداشت کرتا رہا حتی کہ قیدیوں اور صلح کا معاملہ چل پڑا، اور رومیوں نے اس کو اعزاز کے ساتھ رہا کر دیا۔

لیکن ابھی فصاحت کا چاند اور جنگ کا شیر قید سے نکلا ہی تھا کہ سیف الدولہ کو موت نے آلیا اور یہ دوبارہ اپنے دن نہ دیکھ سکا، اس کے بعد سیف الدولہ کا بیٹا ابوالمعالی، ابوفراس کا بھانجا تخت پر بیٹھا۔ ابوفراس نے حمص کا علاقہ چاہا تو ابوالمعالی نے انکار کر دیا، اس پر دونوں میں لڑائی ہوئی تو ابوفراس جوانی ہی میں مارا گیا۔

اخلاق وعادات:

جیسا ذکر کیا کہ ابوفراس جنگجو، بہادر، سخی اور شاعری کو اور اپنے آپ کو پسند کرنے والا تھا، اور اسے اپنی قوم پر بڑا فخر تھا، اور تعریف کرتا رہتا تھا۔ شراب، ہنسی مذاق سے طبعی نفرت تھی، اسی وجہ سے اس کی شاعری پاک صاف ہے اور اس کا اثر ظاہر ہے وہ کہتا ہے کہ:

لئن خلق الأنام لحسو كأس   ومزمار وطنبور وعود

"اگر لوگ گانے بجانے اور شراب نوشی، کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔

فلم يخلق بنو حمدان إلا   لمجد أو لبأس أو لجود

تو بنوحمدان صرف بزرگی، سخاوت، جنگ وغیرہ کے لیے پیدا کئے گئے ہیں"۔

شاعری:

ابوفراس کی شاعری متانت وطریقہ کے لحاظ سے قدیم طرز پر تھی، مگر اس میں اس کی طبیعت کا رنگ، ذہانت اور شاہانہ عزت ظاہر تھی، جبکہ یہ چیزیں اس سے پہلے ابن معتز کے اشعار کے علاوہ کہیں نہیں ملتی۔

صاحب بن عباد کہتے تھے کہ شاعری بادشاہ سے شروع ہوئی اور بادشاہ پر ہی ختم ہوئی، یعنی امرءالقیس سے ابوفراس تک، اس نے شاعری کی بہت سی اقسام میں زور آزمائی کی، اور اچھی طرح کامیاب رہا، لیکن فخر واستعطاف میں بلند مقام حاصل کیا، اس کا رومیات والا حصہ قابل فضیلت ہے اس جیسے کے لیے مناسب نہ تھا کہ کسی امیر کی مدح کرتا، یا چھوٹے کی ہجو کرتا، یا شراب وجنون سے اپنی شاعری کو عیب دار کرتا۔

یہ تو معلوم ہے کہ وہ کہاں پلا، اس کی عشقیہ شاعری پر زور تھی۔ جس میں محبت کی بادشاہی کے آگے اس کا جلال بے بس تھا، اس طرح اس کی شاعری کی یہ قسم انتہائی حسین اور بارونق ہوگئی، اور ثعالبی کہتا تھا کہ متنبی اس کی فضیلت کا قائل تھا اور اس کے مقابل نہ آتا تھا۔ اور اسی وجہ سے اس نے ابوفراس کی مدح نہیں کی جبکہ باقی آل حمدان کی کرتا تھا۔ لیکن اس دعوے پر دل مطمئن نہیں اور جو متنبی کا جاننے والا ہے وہ اس کا قائل نہیں ہوسکتا۔

شاعری کا نمونہ:

قسطنطنیہ کی قید میں جب اس نے ایک قمری کو درخت پر نوحہ کرتے ہوئے پایا تو اس نے کہا کہ

أقول وقد ناحت بقربي حمامة أيا جارتا لو تشعرين بحالي

"میرے قریب قمری نے نوحہ کیا تو میں نے کہا کہ اے قمری پڑوسن کاش تجھے میرے حال کی خبر ہوتی کہاں تو کہاں یہ قید۔

معاذ الهوى ماذقت طارقة النوى ولا خطرت منك الهموم ببال

کہاں یہ محبت کی تکلیف نہ تو نے جدائی کا مزہ چکھا اور نہ تیرے اوپر غم وفکر سوار ہوئے۔

أيا جارتا ما أنصف الدهر بيننا تعالي أقاسمك الهموم تعالى

اے پڑوسن زمانہ نے ہمارے درمیان انصاف نہ کیا آ جا ہم آپس میں ایک دوسرے کا غم بانٹ لیں۔

تعالي تري روحا لدي ضعيفة ترددُ في جسم يعذب بالي

آ جا تجھے میرے اندر کمزور روح نظر آئے گی جو عذاب میں پڑے ہوئے کمزور ہوچکی ہے۔

أيحمل محزون الفؤاد قوادم على غصن نائي المسافة عالي!

بلند دور شاخ پر بیٹھا ہوا پرندہ جس کے پر بھی ہیں کیا دل میں غم لیے بیٹھا رہے گا۔

أيضحك مأسور وتبكي طليقة ويسكت محزون ويندب سالي

بھلا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ قیدی خوشی سے مسکراتا ہو اور آزاد انسان روتا ہو اور غمگین تو خاموش رہے اور بے پرواہ اظہار غم کرے؟

لقد كنت أولى منك بالدمع مقلة ولكن دمعي في الحوادث غالي

میری آنکھ آنسو بہانے کے زیادہ لائق ہے لیکن زمانے کے حوادث میں آنسو مہنگے ہو گئے ہیں''۔

سیف الدولہ سے نظر و کرم کی درخواست کرتے ہوئے کہتا ہے:

بمن يثق الإنسان فيما ينوبه ومن أين للحر الكريم صحاب؟

''انسان کس پر بھروسہ کرے گا حوادث کے زمانہ میں اور شریف آدمی کا کیسے کوئی ساتھی بنے گا؟

وقد صار هذا الناسُ إلا أقلهم ذئابا على أجسادهن ثياب

چند لوگوں کے علاوہ سب لوگ انسانی لباس میں بھیڑیے ہیں۔

تغابيت عن قوم فظنوا غباوة بمفرق أغبانا حصى وتراب

میں نے لوگوں سے تغافل کیا انہوں نے مجھے جاہل سمجھا، جو ہم میں زیادہ غافل ہو اس کے سر پر مٹی اور کنکریاں پڑیں۔

إلى الله أشكو أننا بمنازل نحكم في آسادهن كلاب

میں اللہ تعالیٰ ہی سے شکایت کرتا ہوں کہ ہم ایسی جگہ میں ہیں جہاں شیروں پر کتے حکمرانی کرتے ہیں۔

تمر الليالي ليس للنفع موضع لدي ولا للمعتفين جناب

زمانہ گزر رہا ہے میرے پاس نہ نفع کی کوئی جگہ ہے اور نہ بخشش طلب کرنے والوں کے لیے جمع ہونے کی جگہ ہے۔

ولا شد لي سرج على متن سابح ولا ضربت لي بالعراء قباب

نہ میرے لیے تیز رفتار گھوڑے پر زین کسی گئی اور نہ میدان میں میرے لیے خیمے لگائے گئے۔

ستذكر أيامي نمير وعامر وكعب على علاتها وكلاب

میرے دنوں کو خامیوں کے باوجود قبیلہ نمیر، عامر، کعب، کلاب یاد رکھیں گے۔

أنا الجار لا زادي بطيء عليهم ولا دون مالي في الحوادث باب

میں ایسا پڑوسی ہوں کہ جس کا توشہ لوگوں تک پہنچنے میں دیر نہیں کرتا، اور نہ حوادثات میں میرے مال کے درمیان لوگوں پر کوئی دروازہ حائل ہوتا ہے۔

نیز کہتا ہے:

وما زلت أرضى بالتقليل محبة لديه وما دون الكثير حجابُ

میں ہمیشہ کم چیز پر صبر کر لیتا ہوں حالانکہ میرے اور زیادہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔

وأطلب إبقاء على الود أرضه وذكرى مني في غيرها وطلاب

اور میں محبت کو باقی رکھنے کے لیے اس کی سرزمین پر ٹھہرا ہوا ہوں حالانکہ میرا مقصد اور میری امیدیں دوسری جگہ ہیں۔

كذاكِ الودادُ المحض لا يرتجي له ثواب ولا يخشى عليه عقاب

خالص محبت ایسی ہوتی ہے کہ نہ اس میں ثواب کی امید ہوتی ہے اور نہ سزا کا خوف ہوتا ہے۔

وقد كنت أخشى الهجر والشمل جامع وفي كل يوم لقيةٌ وخطاب

میں تو اس وقت جدائی سے ڈرتا تھا کہ جب ہم اکٹھے رہتے تھے اور روزانہ ملاقات و بات چیت کر لیتے تھے۔

فكيف و فيما بيننا ملك قيصر وللبحر حر لي زخرةٌ وعباب!

اور اب میرا ڈر کیسا ہوگا جبکہ ملک قیصر ہمارے درمیان حائل ہے اور میرے ارد گرد سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔

أمن بعد بذل النفس فيما تريده أثاب بمر العتب حين أثاب؟

کیا تیری مرضی میں اپنی جان لٹا دینے کے بعد بھی مجھے ان سخت تکلیفوں کا بدلہ دے دیا جائے گا۔

فليتك تحلو والحياة مريرة وليتك ترضى والأنام غضاب!

کاش تو مجھ سے راضی ہوتا چاہے میری زندگی خراب ہو جاتی، کاش تو خوش ہوتا چاہے اور سب لوگ مجھ سے ناراض ہوتے۔

وليت الذي بيني وبينك عامر وبيني وبين العالمين خراب!

کاش میرے اور تیرے تعلقات درست رہتے باقی چاہے سارے جہان سے خراب ہوتے۔

إذا صح الود منك فالكل هين وكل الذي فوق التراب تراب

جب تجھ سے محبت صحیح ہے تو سب کچھ آسان ہے اور مٹی کے اوپر تو سب کچھ مٹی ہی ہے۔

ابو العلا المعری (پیدائش ۳۶۳ھ، وفات ۴۴۹ھ)

پیدائش اور حالات زندگی:

احمد بن عبداللہ بن سلیمان تنوخی یہ تنوخ یمن کے قبائل میں ایک قبیلہ ہے اس کی طرف منسوب ہے یہ حکیم و فلسفی معرہ میں شریف والدین کے ہاں پیدا ہوا اس کا باپ بڑا عالم اور دادا معرہ کا قاضی تھا۔

چار سال کی عمر میں چیچک کے مرض سے بائیں آنکھ جاتی رہی اور دائیں میں سفیدی آ گئی، اور اندھے پن میں ہی پروان چڑھا، وہ رنگوں میں صرف سرخ رنگ کو پہچانتا تھا کیونکہ حالت مرض میں اس کو سرخ لباس پہنایا گیا تھا، یہی وہ رنگ تھا جس کو اس نے سب سے پہلے پہچانا اور آخر میں دیکھا تھا، جب پڑھنے کے قابل ہوا تو اس کے باپ نے عربی پڑھانا شروع کی تو وہ خوب سیکھ گیا۔

اس کے بعد وقت کے بڑے علماء سے علم سیکھا اور اس مرتبہ تک پہنچا کہ اس علاقہ میں اس جیسا کوئی عالم نہ مل سکا، وہ تقریباً بیس برس کی عمر میں واپس گھر آیا اور وہاں بچوں کو عربی سکھانے لگا، اور عربی کی باریکیوں اور ترکیبی نکات میں غور کرنے لگا۔ حتی کہ اس میں بھی برتری حاصل کی اور اس میں اس مرتبہ تک اور کوئی نہ پہنچ سکا۔ ۳۹۲ھ میں شام میں معرہ کا سفر کیا اور طرابلس کا کتب خانہ

دیکھا۔ پھر لاذقیہ کا ارادہ کیا اور وہاں راہبوں کے دیر میں رہ کر ان کے علماء سے قدیم وجدید عہد نامہ پڑھا، پھر شام کے دورے کے بعد بغداد کا ارادہ کیا جو علوم وفنون کا مرکز تھا۔ تا کہ یونانی حکمت اور ہندی فلسفہ کو سیکھے۔

جب بغدادیوں کو اس کی آمد کی خبر ملی تو وہ اس سے علوم فنون کے حصول کے لیے ٹوٹ پڑے چنانچہ بغداد کے قیام میں وہ علم کے پیاسوں کی پیاس بجھاتا رہا اور خود فلسفہ کے حصول میں مگن رہا حتیٰ کہ اس میں بڑا کمال حاصل کیا۔ ابوالعلاء المعری نے یہاں زرخیز زمین پائی اور اچھا ماحول ملا تو اس نے اپنی فکر اور بحث وتحقیق کی اشاعت شروع کر دی، اس کی فکر وآراء لوگوں میں پھیلنے لگیں۔

وہاں اس کا تعلق آزاد فلسفیوں کی ایک جماعت سے ہو گیا جو ہر جمعہ کو ابواحمد عبدالسلام بصری کے مکان پر جمع ہوتے تھے۔ اس جماعت نے اس کی عقلی فکری صلاحیتوں پر بڑا اثر ڈالا۔ باپ تو پہلے ہی مر چکا تھا اس صدمہ نے اس کو بڑا رنجیدہ کر دیا، اور یہ غمگین رہنے لگا۔ حکام اور بہت سے لوگ اس کے عقیدہ کے بارے میں شک کرتے تھے۔ چنانچہ اس کی زندگی ناخوشگوار اور حالات بہتر نہ رہے، اس کو کوئی اچھا دوست نہ مل سکا۔

اور وہ مجبور ہو گیا کہ اس دنیا کو سیاہ نظر سے دیکھے کہ اس دنیا میں تکالیف بھری پڑی ہیں، چنانچہ اس نے ترک دنیا اور گوشہ نشینی اختیار کی اور ۴۰۰ھ میں معرہ چلا گیا، اور طلباء کے علاوہ سے ملنا ترک کر دیا اس نے اپنا خطاب دو قیدوں میں بند کر دیا، ایک قید اندھا پن اور دوسری گوشہ نشینی۔ پھر ساری زندگی تدریس وتالیف میں صرف کر دی اور دنیا سے بے رغبت ہو گیا نہ جانوروں کا گوشت کھاتا اور نہ ان سے بننے والی اشیاء کو۔ کھانے کے لیے مسور کی دال اور مٹھائی میں انجیر کو منتخب کیا مال میں وہ تیس دینار جو اس کو ملتے تھے ان پر ہی اکتفاء کیا، کھدر کی پوشاک اور چٹائی استعمال کرتا اور اپنی اولاد کو دنیا کی کمینگی اور بے وفائی سے بچانے اور زندگی کی تکلیفوں سے نجات دلانے کے لیے اس نے شادی ہی نہ کی، اسی حالت میں ۴۴۹ھ میں دنیا فانی سے چل بسا اور اپنی قبر پر یہ شعر لکھنے کی وصیت کی:

هذا جناه أبي علي (م) وما جنيت على أحد

''یہ میرے باپ نے میرے اوپر جرم کیا ہے۔ لیکن میں نے کسی پر جرم نہیں کیا''۔

جب اس کا انتقال ہوا تو اس کی قبر پر تقریباً ۱۸۰ شعراء موجود تھے جن میں علماء، صوفیاء اور محدثین بھی تھے۔

صلاحیت اور عقائد وغیرہ:

جیسا کہ ابوالعلاء نے اپنے بارے میں کہا تھا کہ نسلاً انسان ہوں لیکن آدم زاد سے وحشت ہے وہ نرم دل، سخی اپنے نفس کو مارنے والا لوگوں سے بدگمان اور ان کی طرف سے محتاط، قوی الحافظہ تھا اس کے بارے میں مشہور ہے کہ چاہے وہ کسی زبان کو جانتا یا نہ جانتا اس کو یاد کر لیتا تھا ایک دفعہ میں حفظ کر لیتا گیارہ برس کی عمر میں شعر کہنا شروع کیے، نابینا ہونے کے باوجود آنکھوں والوں کے ساتھ تشبیہ دیتا اور ان کے ساتھ کھیلتا، نرد وشطرنج کا ماہر تھا، سنجیدہ، مزاحیہ ہر موضوع پر اس نے قلم اٹھایا تھا، اس کے عقیدہ کے بارے میں لوگوں کو اختلاف ہے کچھ نے کہا کہ برہمنی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ہندو فلسفہ کا قائل ہے، اس لیے وہ ملحد ہے۔

بعض نے کہا کہ صوفیا کی طرح اس کی شاعری بھی دو رخ پر تھی ظاہری اور باطنی، بعض نے کہا کہ گمراہ کن اشعار دشمنوں نے اس کی شاعری میں ملا دیئے ہیں۔ لیکن اکثر کا خیال ہے کہ وہ شکی تھا اور غیر یقینی عقائد رکھتا تھا، ایک عقیدے کا کبھی اقرار اور کبھی انکار

کرتا تھا، اس لیے اس کی شاعری میں تضاد ملتا ہے۔

شاعری:

اس کی شاعری دو طرح کی ہے جوانی کی شاعری، جو ''سقط الزند'' میں ہے دوسری ادھیڑ عمری کی، جو ''لزومیات'' میں ہے۔ جوانی کی شاعری میں مبالغہ زیادہ ہے۔ طرز تقلیدی ہے اور تکلف پایا جاتا ہے، اس وقت اس نے متنبی کی تقلید کی اور اکثر معانی اس سے لیے، زبان کے اصول سے ہٹ کر اس نے ہم عصر شعراء سے علم بدیع میں مقابلہ کیا، مگر اس میں غریب الفاظ اور علمی اصطلاحات زیادہ ہیں، شراب، عشق، شکار، ہجو کے علاوہ تمام اقسام کی شاعری میں قدم رکھا، اس وقت کی شاعری میں مرثیہ، فخر، مدح بھی شامل ہیں۔

زمانہ کہولت میں انداز بدل گیا، قدیم شعراء کا طرز اپنایا، جس میں اچھے الفاظ بدوی طرز، مشکل قافیہ بندی، ضروری پابندیوں کا التزام، قیاس کی پابندی، بدیع، تجنیس کی تمیز، جیسے امور پائے جاتے ہیں۔ اس دور کی شاعری میں اپنے انداز اور رائے اور فلسفہ کو اس طرح جگہ دی کہ الفاظ غریبہ میں تراکیب کی پیچیدگی زیادہ تھی، گویا کہ اس کو لوگوں کے شر کا خوف تھا اس کے فکری ثمرات پر اس لیے ان کو الفاظ کے کانٹوں میں گھیر دیا تا کہ ہر کوئی نہ پہنچ سکے۔

اپنی شاعری میں جانوروں کے کلام کا بھی ذکر کیا ہے، جیسے مرغ اور کبوتر کی گفتگو، بھیڑیے اور بکری کا مناظرہ، متنبی کے بعد یہ سب سے بڑا حکیم شاعر ہے، مگر دقت خیال فلسفی انواع، اجتماعی مسائل، نظام حکومت، قوانین، ادیان کو شاعری میں جگہ دے کر وہ متنبی سے بھی آگے نکل گیا، اور اس راستے میں ایک الگ قسم کا شاعر ہے۔

نثر:

شاعری کی طرح نثر بھی دو قسم پر ہے، جوانی کی، کہولت کی، جوانی کی نثر میں مبالغہ، تکلف، غریب الفاظ، سجع بندی میں مبالغہ اور علمی اصطلاحات کی زیادتی تھی۔ بعد میں نثر میں فلسفہ بیان کرنا شروع کیا تو مبالغہ میں کمی آ گئی۔

جملوں میں معانی کا سیلاب امنڈ آیا، اس کی تحریر میں پریشان کن غموض اور اکتا دینے والا طول ہوتا تھا، جب کسی دوست کو خط لکھنے لگتا تو ایک موٹی کتاب بن جاتا۔ جس میں مختلف مسائل پر بحث ہوتی تھی جو بہت سے فوائد پر مشتمل ہوتی تھی۔

تصانیف:

ان کی اکثر تصانیف تو صلیبی جنگوں میں تلف ہو گئی، صرف، سقط الزند، لزومیات، درعیات، مجموعہ مکاتیب، رسالۃ الملائکہ، رسالۃ الغفران (یہ ''ڈانٹے'' کی ''ڈیوائن کامیڈی'' اور ''ملٹن'' کی ''جنت گم گشتہ'' کے نہایت مشابہ ہے) بچ گئیں، وہ رسالہ الغفران میں ایسے شخص کو تخیل میں پیش کرتا ہے جو آسمان پر جا پہنچا اور وہاں کے دیکھے ہوئے کو بیان کرتا ہے، اس میں عجیب ڈرامائی انداز میں شعراء، راویوں اور نحویوں پر تنقید کی ہے۔

اس کی کتاب ''الایک والغصون'' ۱۰۰ جلدوں میں ہے جو ملتی نہیں ہے، اس طرح شرح دیوان متنبی ''معجز احمد'' کے نام سے اور عبث الولید کے نام سے شرح دیوان بحتری ''ذکری حبیب'' کے نام سے شرح دیوان ابوتمام وغیرہ ہیں۔

اس کی شاعری کا نمونہ:

حکام کے رعیت پر ظلم کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے:

مل المقام فكم أعاشر أمة   أمرت بغير صلاحها أمراؤها

"میں ان میں رہنے سے اکتا گیا ہوں کب تک ایسی قوم کے ساتھ رہوں جن کے حکام عوام کے مفاد کے خلاف احکام جاری کرتے ہیں۔

ظلموا الرعية واستخازوا كيدها   وغدوا مصالحها وهم أجراؤها

عوام پر ظلم کرتے ہیں اور ظلم کرنے کو جائز سمجھتے ہیں، اور باوجود نوکر و ملازم ہونے کے ان کے مصالح سے تجاوز کرتے ہیں"۔

قسمت کی ستم روانی اور زندگی کے اوہام کے بارے میں:

تباركت أنهارُ البلاد سوائح   بعذبٍ وخصت بالملوحة زمزم!

"اے اللہ تیری ذات بابرکت ہے، دنیا کی نہریں تو شیریں پانی کو لے کر بہہ رہی ہیں، اور کھاری پانی کے ساتھ زم زم ہی کو خاص کر دیا۔

هو الحظ عيرُ البيد سافٍ بأنفه   خزامى وأنف العود بالذل يخزم

قسمت کی ہی بات ہے کہ جنگلی گدھا تو خزامی (خوشبودار گھاس) پر ناک مار رہا ہے، اور اونٹ کی ناک میں نکیل پڑی ہوتی ہے۔

توهمت خيرا في الزمان وأهله   وكان خيالاً لا يصح التوهم

مجھے زمانہ اور اہل زمانہ کے خیر ہونے کے بارے میں وہم ہوا تھا، لیکن یہ تو محض خیال تھا اس کا وہم کرنا درست نہیں ہے۔

فما النور نوار ولا الفجر جدول   ولا الشمس دينار و لا البدر درهم

نہ نور نوار ہے اور نہ فجر کوئی نالہ ہے نہ سورج دینار ہے، اور نہ چاند درہم ہے (یہ تو صرف تشبیہ ہے)"۔

اپنے ایک مرثیہ میں کہتا ہے:

صاحِ هذي قبورنا تملأ الرحب   فأين القبورُ من عهد عاد!

"میرے دوست، ہماری قبریں ہی ایسی ہیں کہ انہوں نے وسیع زمین کو بھر دیا ہے، آخر عاد کے زمانہ کی قبریں کہاں ہیں۔

خفف الوطء ما أظن أديم الأرض   إلا من هذه الأجساد

زمین پر آہستہ آہستہ قدم رکھو میرا خیال ہے کہ ساری زمین انہی جسموں سے بنی ہوئی ہے۔

وقبيحٌ بنا و إن بعد العهد   هوانُ الآباء والأجداد

ہمارے لیے کتنا نامناسب ہے کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کا احترام نہ کریں اگر چہ ہمارے اور ان کے درمیان زمانہ بہت بیت چکا ہے۔

سر إن استطعت في الهواء رويداً   لا اختيالا على رفات العباد

اگر ہو سکے تو ہوا میں آہستہ چل بندوں کی بوسیدہ ہڈیوں پہ اکڑ کر مت چل۔

رب لحد قد صار لحداً مراراً ضاحكاً من تزاحم الأضداد

کتنی قبریں ہیں جو بار بار بنی ہیں دشمنوں کے آپس میں جھگڑنے سے ہنستی ہیں۔

فاسأل الفرقدين عمن أحسا من قبيل و آنسا من البلاد

پھر فرقدین سے ان کے بارے میں پوچھو جن کو انہوں نے دیکھا۔

كم أقاما على زوال نهار وأنارا لمدلج في سواد

کہ وہ دن کے ختم ہونے پر کتنا ٹھہرے اور کتنا عرصہ تاریکی میں چلنے والوں کو روشنی دکھائی۔

تعبٌ كلها الحياة فما أعجب إلا من راغب في ازدياد

یہ زندگی محض تھکن ہے، اور مجھے صرف اس پر تعجب ہوتا ہے جو زیادتی کی رغبت رکھتا ہو۔

إن حزنا في ساعة الموت أضعاف سرور في ساعة الميلاد

پیدائش کے وقت کی خوشی سے موت کا غم کہیں زیادہ ہوتا ہے"۔

ریاکار زاہدوں کے متعلق کہتا ہے:

رُويدك قد غررت وأنت حر بصاحب حيلة يعظ النساء

"ذرا ٹھہرو! تم تو شریف آدمی ہو اس چال باز کے دھوکے میں آ گئے جو عورتوں کو نصیحت کرتا ہے۔

يحرم فيكم الصهباء صبحا ويشربها على عمد مساء

صبح کو تمہارے ساتھ بیٹھ کر شراب کو حرام بتاتا ہے اور شام کو عمداً پی لیتا ہے۔

يقول لكم غدوت بلا كساء وفي لذاتها رهن الكساء

وہ کہتا ہے کہ میرے پاس اوڑھنے کو کپڑا نہیں حالانکہ عیاشیوں میں کمبل گروی رکھا ہوا ہے۔

إذا فعل الفتى ما عنه ينهي فمن جهتين لا جهة أساء

جب کوئی وہی کرنے لگے جس سے منع کرتا ہے تو وہ دو وجہ سے برا کرتا ہے نہ کہ ایک جہت سے۔

اور کہتا ہے:

يحسن مرأى لبني آدم وكلهم في الذوق لا يعذبُ

انسان دیکھنے میں اچھا لگتا ہے لیکن آزمانے پر سب اچھے نہیں نکلتے۔

مافيهم بر ولا ناسكٌ إلا إلى نفع له يجذب

لوگوں میں جو بھی کوئی نیک وکار ہے وہ صرف اپنے نفع کے لیے ہے۔

أفضل من أفضلهم صخرة لا تظلم الناس ولا تكذب

چٹان ان میں افضل سے بھی افضل ہے کہ وہ نہ ظلم کرتی ہے اور نہ جھوٹ بولتی ہے"۔

اور کہتا ہے:

خف دنيا كما تخاف سريا　　صال ليث الشرى بظفر وناب

"جیسے سردار سے ڈرتے ہو اسی طرح گھٹیا سے بھی ڈرو، کیونکہ شیر پنجوں سے اور رذیل نکیلے دانتوں کے ذریعے سے حملہ کرتا ہے۔

والصلالُ التي تخاف رداها　　شرها في الرؤوس والأذناب

جن موذی جانوروں کی ہلاکت، تباہی سے تم ڈرتے ہو ان کی مضرت کے اعضاء یا تو سر میں ہوتے ہیں یا دم میں"۔

اور کہتا ہے:

عجبي للطبيب يلحد في الخالق　　من بعد درسه التشريحا

"مجھے طبیب کے علم کی تشریح کر دینے کے بعد خالق کے ملحد کے بارے میں تعجب ہوتا ہے۔

رب روح كطائر القفص المسجون　　ترجو بموتها التسريحا

بعض روحیں پنجرہ میں قید پرندے کی طرح موت کے ذریعے اپنی رہائی کی منتظر رہتی ہیں"۔

اندلس کے شعراء اور ان کی شاعری

قریشی عقاب سفاح کے جال سے اپنی اور اہل وعیال کی جان بچا کر اندلس چلا گیا، اس زمانہ میں یمنی اور مصری آپس میں لڑ رہے تھے اور ملک اس امید پر تھا کہ کوئی درست کر کے اس کے مردہ جسم میں جان ڈالے، اور افتراق کو ختم کر دے چنانچہ عبدالرحمٰن داخل ہی وہ مردِ موعود اور امام منتظر تھا جس کی ان کو تلاش تھی اس نے یمنیوں کی مدد سے ۱۳۸ھ میں وہاں قبضہ کر لیا۔ اس طرح بنوامیہ کا پرچم قرطبہ میں لہرایا جس کو عباسیوں نے دمشق میں لپیٹ دیا تھا۔

اس کے بعد اس سلطنت پر اس کی اولاد میں سے دوسو چوراسی (۲۸۴) سال تک ۱۹ خلفاء اس کے جانشین بنے حتیٰ کہ ان کو تفرقہ کے مرض نے آلیا اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اور چھوٹے چھوٹے ملکوں میں بٹ گئے ان کو طوائف الملوکی کے نام سے پکارا جانے لگا مثلاً قرطبہ میں بنی جہور، اشبیلیہ میں ابن عباد، بطلیوس میں ابن افطس مغرب میں بنوامیہ کی سیاست ان کی مشرقی سیاست سے الگ تھی، مشرق میں وہ موالیوں کے ساتھ اختلاط نامناسب خیال کرتے تھے، اور قومی عصبیت پر فخر کرتے تھے۔

لیکن یہاں متمدن طریقہ پر گھل مل کر رہنا، مفتوحہ قوم کے ساتھ اور ایسے ہی اسباب فراہم کرنا جس طرح بنوعباس ایرانیوں کے ساتھ کرتے رہے، اس امتزاج کا اثر یہ ہوا کہ جو سامی اور آریائی جنسیت کا امتزاج عراق میں پیدا ہوا تھا وہ اندلس میں بھی پیدا ہوا۔ عقل عربی کی پختگی اور عربی تحریک کی ترقی نیز اندلس ایسے اسلامی تمدن پر پہنچا جس کا مواد مشرقی تھا اور اس کے بانی عرب تھے، یہ اسی باہمی ارتباط کا نتیجہ تھا، اس دور میں یورپ پر جہالت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں اور یہ جہالت کی زنجیروں میں جکڑا ہوا سست رفتاری سے چل رہا تھا۔

چنانچہ ہسپانیوں نے عربی طرز اپنایا، ان کا دین اپنایا، ان کی زبان بولنے لگے، ان کے آداب سیکھے، لاتینی زبان اور اس کے ادب کو اس طرح چھوڑا کہ بالکل ہی بھول گئے، حتیٰ کہ قرطبہ کے ایک کاہن کو اس صورت کا شکوہ کرنا پڑا لیکن یہ سیلاب اتنا تیز ہوا کہ خود عیسائی رہنما بھی مقابلہ نہ کر سکے۔ اور ان کو مجبوراً اپنی کتابیں عربی میں منتقل کرنی پڑیں۔

اندلسی اور اموی عربوں کی نگاہیں مشرق کی طرف لگی ہوئی تھیں، جہاں ان کا علمی، ادبی، دینی اور قومی مرکز تھا، اور وہ اس کی رہنمائی میں آگے بڑھ رہے تھے، وہاں کے علماء وزراء سے مدد حاصل کر رہے تھے اور انتظامی امور میں عباسیوں کی اقتداء کر رہے تھے۔

چنانچہ انہوں نے مدارس عامہ قائم کیے اور تصنیف و تالیف کے کام کو تیز کیا، ادبی سرگرمیاں بڑھائیں، علوم وفنون کے مرتبہ کو بلند کیا مناظرے، قصہ گوئی، مشاعرے، موسیقی کی مجالس قائم کیں، اور عبدالرحمٰن ثانی کے زمانہ ۲۰۶ھ تا ۲۳۸ھ میں اندلس ان چیزوں کا عادی بن چکا تھا پھر امیر المؤمنین عبدالرحمٰن ثالث ۳۰۰ھ تا ۳۵۰ھ تک اور اس کے بیٹے حکم تک اندلس ترقی میں کمال کی بلندی تک پہنچ چکا تھا اور اسی دور میں دولت، شہرت، قوت وتمدن فن وادب میں تقریباً اس مقام پر پہنچا کہ وہ بغداد کا مقابلہ کر سکے۔

اس حیرت انگیز ترقی نے مشہور مورخ ''ڈوزی'' کو بھی حیرت میں ڈال دیا تھا، حتیٰ کہ لکھتا ہے عبدالرحمٰن ناصر قرون وسطیٰ کے بادشاہ ہونے کی بجائے اس دور کا بادشاہ ہونے کا زیادہ حق دار تھا، یہ اسلامی تمدن بغداد اور قرطبہ سے ایک وقت میں مشرق ومغرب میں پھیل رہا تھا، لیکن ہر کمال کو زوال ہوتا ہے ابھی حکم کی حکومت ختم نہ ہوئی تھی کہ بنومروان کی حکومت پر زوال شروع ہونے لگا اور ان کی حکومت طوائف الملوکی کا شکار ہونے لگی جسے انہوں نے کچھ سہارا دیا لیکن افتراق کی بیماری نے اس کو کمزور کر دیا۔

بربری مرابطین اس کے خلاف آکھڑے ہوئے انہوں نے اس سلطنت کے شیرازے کو منتشر کر دیا ادھر فرنگیوں نے ایک ایک کر کے شہر چھین لیے حتیٰ کہ شکست مکمل ہوگئی۔ ابوعبداللہ محمد بن علی کے غرناطہ سے ۸۹۸ھ میں فرار ہونے کے بعد ہمہ گیر پر ملک چھوڑنے کا آغاز ہوگیا اس کے بعد پھر کبھی اسپین نے عربی دور نہ دیکھا۔

یہ ہسپانیہ کے عربوں کا مجمل دور ہے جسے ہم شاعری کے ذکر کرنے سے پہلے تمہیداً ذکر کر رہے ہیں یہاں اندلسی شاعری کا مکمل تجزیہ کرنا مقصود نہیں ہم یہاں صرف مختصر سی بحث کریں گے، جس سے شاعری کے اطوار اور شاعری کی ماحول پر اور طبیعت پر تاثیر ظاہر ہو سکے، عرب کے شعراء نے یورپ کی رنگین زندگی میں وہ کچھ پایا جو ان کو ایشیا میں نہ ملا، یہاں نئی فضائیں، مختلف مناظر، مسلسل بارشیں خوبصورت وسرسبز زمین، گھنے سایہ دار درخت، لبریز نہریں، زرخیز علاقے، ہرے بھرے پہاڑ، پر بہار چراگاہیں وغیرہ ملی جن سے ان کے اذہان روشن ہو گئے اور ان کے وجدان کو بلندی اور ان کے بیان کو شیرینی ملی، انہوں نے ادب کے دائرہ میں وسعت پیدا کی، شاعری کو مہذب بنایا، الفاظ میں حسن اور معانی میں نزاکت، قافیہ بندی، اور خیال میں تفنن پیدا کیا، اور شاعری کو گلدستہ کی طرح مزین اور نہر کی طرح جاری کیا، انہوں نے ہلکے پھلکے طرز پر بحروں میں اتنی شاعری کی کہ عروض وقوافی تنگ پڑ گئے۔

چنانچہ ان کو نزاکت طبعی، موسیقی کے رقت کے تقاضوں سے مجبور ہو کر عربی زبان میں نیا طرز اپنانا پڑا ''موشح'' کے نام سے، جو بعد میں عربی تنزل کی وجہ سے عوامی زبان میں پہنچ کر ''زجل'' کی شکل اختیار کر گیا۔ شاعری میں انہوں نے مختلف موضوع اپنائے مثلاً مدح، غزل، مرثیہ، دعاء، زہد، تصوف، فلسفہ، ظرافت، مزاح، اجتماعی مسائل کا بھی ذکر کیا اور تاریخی واقعات کو اور نئی چیزوں کا نئے

طریقوں سے وصف بیان کیا۔

عمارات، محلات، مورتیاں، مجسمے، تالاب، حوض، فوارے، رہٹ، باغات، چراگاہیں، دریا، درخت، ہوا، مجالس غنا و طرب وغیرہ سب کا وصف بیان کیا، نہایت خوبی کے ساتھ جس میں لفظی اور فنی حسن کمال پر تھا، ان کی شاعری مشرقی طرز پر تھی انہوں سوائے ''موشح'' اور قافیہ میں تنوع کے جیسا کہ پہلے ذکر کیا اپنی شاعری میں کوئی نئی ایجاد نہیں کی تھی، اور نہ اس کی حدود سے تجاوز کیا اس لیے کہ ان کا خیال تھا کہ یہی اصل سند و مرجع ہے۔

اگر فرنگی ادباء کے قول میں بعض وجوہ کی بناء پر درستگی ہو کہ عربی شاعری میں صرف تصنع ہے الفاظ کی شاعری ہے اس میں کوئی خیال، شعور کی ترجمانی نہیں ہوتی، تو ان کا یہ کہنا اندلسی شاعری پر کسی طرح بھی صادق نہیں آتا۔

اندلسیوں نے اپنے احساسات، جذبات کی ترجمانی عمدہ الفاظ اور اچھے اسلوب میں کی ہے، وہ اپنی شاعری کے مطالعہ کرنے والوں پر سونے کے جاموں میں سب کچھ پیش کرتے تھے، جب وہ فطرت کی دلکشی اور زمین پر پھیلی ہوئی چیزوں کا وصف بیان کرتے تو ان کی شاعری یورپ کی شاعری کے مشابہ ہو جاتی تھی۔

اور اس میں شک نہیں کہ اہل فرانس اور سپین نے سائنس، موسیقی، فن تعمیر کے علاوہ شاعری کی مختلف قسمیں مثلاً، ہجو، غزل بھی اندلسیوں سے لی تھی۔ اسی طرح قافیہ بھی ان سے لیا اس سے پہلے وہ صرف آخری حروف میں برابری کا خیال کرتے تھے جبکہ بعد والے حروف کی آواز کا بالکل خیال نہیں کرتے تھے، اگر اندلسیوں کی ترقی کا دور کچھ اور باقی رہ جاتا اور ترقی کا اثر، لغت اور ادب پر پڑتا تو وہ روسو، ہوگر، لومرٹین جیسے ادیبوں سے بھی زیادہ ماہر ادیب پیدا کرتے مگر افسوس کہ ان میں جلد ہی افتراق و باہمی اختلاف پڑ گیا۔

ان کی طبیعتیں مردہ اور عقلیں دیوالیہ ہو گئی اور وہ ختم ہو گئے اللہ تعالیٰ کا قانون بھی اس طرح عمل کرنے والوں کے ساتھ یہی سلوک کرتا ہے:

ولن تجد لسنة الله تبديلا.

اندلسی شاعری کے نمونے:

ابوالفضل بن شرف قیروانی کہتا ہے:

مطل الليل بوعد الفلق   وتشكى النجمُ طول الأرق

''رات نے صبح کے وقت کو ٹالا اور ستاروں نے دیر تک بیداری کا شکوہ کیا۔

ضربت ريح الصبا مسك الدجى   فاستفاد الروض طيب العبق

باد صبا تاریکی کے مشک سے ٹکرائی اور باغوں نے مہک حاصل کر لی۔

وألاح الفجرُ خدا خجلا   جال من رشح الندى في عرق

اور فجر نے اپنا شرم سار رخسار ظاہر کیا جو شبنم سے پسینہ پسینہ تھا۔

جاوز الليل إلى أنجمه　　فتساقطن سقوط الورق

اس نے تاروں کو اپنی زد میں لے لیا اور درخت کے پتوں کی طرح مسلسل گر گئے۔

واستفاض الصبح فيها فيضة　　أيقن النجم لها بالغرق

پھر صبح اپنے نور کے ساتھ چڑھ آئی کہ تاروں کو اس میں ڈوب جانے کا یقین ہو گیا۔

فانجلى ذاك السنا عن حلك　　وانمحى ذاك الدجى عن شفق

اس کی روشنی نے تاریکی کو ختم کر دیا اور شفق کے آتے ہی تاریکی ختم ہو گئی۔

يأبى بعد الكرى طيفٌ سرى　　طارقا عن سكن لم يطرق

اٹھنے کے بعد ساری رات آنے والا خواب سکون اور اطمینان کو ختم کر دیتا ہے۔

زارني والليل ناع سدفه　　وهو مطلوب بباقي الرمق

رات میں آنے والے پر قربان جاؤں اس وقت آیا جب رات اپنی تاریکی پر نالاں تھی۔ حالانکہ وہ باقی جان کے عوض بھی مطلوب ہے۔

و دموع الطل تمريها الصبا　　وجفون الروض غرقى الحدق

جب بادِ صبا شبنم گرا رہی تھی، اور باغات کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر رہی تھی۔

فتأبى فى إزار ثابت　　وتثني فى وشاح قلق

وہ چست ازار پہنے ہوئے ناز کرتا ہوا، اور ڈھیلی بدھی ڈال کر جھومتے ہوئے آیا۔

وتجلي وجهه عن شعره　　فتجلى فلقٌ عن غسق

وہ حسین چہرہ سیاہ بالوں پر رونما ہو رہا تھا جیسے رات کی تاریکی میں بو نکلتی ہے۔

سلبت عيناه حدي سيفه　　وتحلى خده بالرونق

صبح کی روشنی نے اس کی تاریکی کو لوٹ لیا تھا، اور رخساروں کو کچھ سرخی دے رہی تھی۔

احمد بن حمدیس صقلی دیر میں شراب فروش راہبہ کا وصف بیان کرتے ہوئے:

وراهبة أغلقت ديرها　　فكنا مع الليل زوارها

راہبہ نے اپنے دیر کو بند کر دیا جبکہ ہم رات کے ساتھ اس کی زیارت کو آئے تھے۔

هدانا إليها شذى قهوة　　تذيع لأنفك أسرارها

جو میں چاہتا ہوں اس کا قہوہ مجھے تیار ملتا ہے، اور اس کا نشہ معلوم ہو جاتا ہے۔

طرحت بميزانها درهمي　　فأجرت من الدن دينارها

اپنے ترازو سے اس نے میرے درہم پھینک دیئے اور مشکیزہ سے اپنے دینار جاری کر دیئے۔

وعدنا الى هالة اطلعت على قضب البان اقمارها

اور ہم کوایسے ہالے میں شمار کیا گیا ہے، کہ جس کے چاند بان درخت کے اوپر طلوع ہوتے ہیں۔

دوسری جگہ شاعر کہتا ہے:

ذكرت صقلية والأسى يهيج للنفس تذكارها

مین نے صقلی کو یاد کیا اور اس لمحے کی یاد نے دل میں رنج وغم پیدا کر دیا۔

ومنزلة للتصابي خلت وكان بنو الظرف غمادها

وہ اچھا مقام تھا جو خالی ہو گیا ہے، اس کو زندہ دلوں نے آباد کیا تھا۔

فإن كنت أخرجتُ من جنة فإني أحدث أخبارها

اگر مجھ کو جنت سے نکال دیا گیا ہے تو میں اس کے حالات بیان کر رہا ہوں۔

ولو لا ملوحة ماء البكاء حسبت دموعي أنهارها

اگر میرے آنسوؤں میں کھاری پن نہ ہوتا تو ان کو وہاں کی نہریں شمار کرتا۔

ابن ہانی ایک پیٹو کا وصف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

يا ليت شعري، إذا أومى إلى فمه أحلقه لهوات أم ميادين؟

جب وہ اپنے منہ میں کوئی چیز لے جاتا ہے تو کاش معلوم ہو جائے کہ وہاں کئی کوے ہیں یا میدان ہی میدان ہیں۔

كأنها، وخبيث الزاد يضرمها جهنم، قذفت فيها الشياطين

وہ جب دنیا بھر کا الم وغم بھر لیتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں شیطان ڈالے ہوئے۔

تبارك الله ما أمضى أسنته كأنما كل فك منه طاحون

اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکت ہے کیا کہنے اس کے دانتوں کے گویا کہ ہر جبڑا چکی کا پاٹ ہے۔

كأن بيت سلاح فيه مختزنٌ مما أعدته للرسل الفراعين

گویا کہ منہ ہتھیاروں کا گودام ہے جس میں فرعونوں نے رسولوں کے خلاف جنگ کا ہر اسلحہ رکھا ہوا ہے۔

أين الأسنة أم أين الصوارم أم أين الخناجر أم أين السكاكين

نیزے، تلوار، خنجر، چھریوں کا تو کہنا ہی کیا۔

كأنما الحمل المشوي في يده ذو النون في الماء لما عضه النون

بھنا ہوا اونٹ اس کے سامنے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں نگلنے کی طرح ہے۔

لف الجداءُ بأيديها وأرجلها كأنما افترستهن السراحين

بکری کے بچوں کے ہاتھ، پاؤں بھیڑیے کے چیر پھاڑ کی طرح کھا جاتا ہے۔

وغادر البط من مثنى وواحدة　　كأنما اختطفتهن الشواهين

ایک ایک دودو بطخوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے ان کو شاہینوں نے اچک لیا ہو۔

يخفض الرز من قرن إلى قدم　　وللبلاعيم تطريب وتلحين

سر سے قدم تک سارے بدن سے آوازیں نکلتی ہیں مگر حلق کی سریلی آواز کی مثال نہیں ملتی۔

كأنما كل ركن من طبائعه　　نار، وفي كل عضو منه كانون!

گویا کہ اس کے مزاج کے ہر رکن میں آگ اور ہر عضو میں انگیٹھی ہے۔

كأنما في الحشا من حمل معدته　　قرنفل وجواريش وكمون

گویا کہ اس کے پیٹ میں لونگ، زیرہ، مسالوں کا معجون ہے۔

قوموا بنا فلقد ريعت خواطرنا　　وجاذبتنا أعنتها البراذين

چلو ہمارے ساتھ ہمارے دل گھبرا گئے اور ہمارے گھوڑوں نے لگامیں کھینچنا شروع کر دی ہیں۔

نصحتكم، فخذوا من شدقه وزراً　　أولاً، فأنتم سويق فيه مطحون

میں نے تم کو نصیحت کر دی اب تم اس کو مضبوطی سے پکڑ لو ورنہ تم بھی چکی میں ستو کی طرح پس جاؤ گے۔

اشبیلیہ کا حاکم معتمد بن عباد جس کی حکومت کو ابن تاشفین نے چھین لیا تھا اور اس کو ''اغمات'' میں قید کر دیا تھا، عید کے دن اس کی بیٹیاں اس کے پاس قید خانہ میں پھٹے پرانے کپڑوں میں گئیں تو اس نے کہا:

فيما مضى كنت بالأعياد مسرورا　　فساءك العيد في أغمات مأسورا

گزشتہ عیدیں تو خوشی سے مناتا تھا لیکن یہ عید قید میں تجھ کو کاٹ رہی ہے۔

ترى بناتك في الأطمار جائعة　　يغزلن للناس ما يملكن قطميرا

تو اپنی بیٹیوں کو پرانے کپڑوں میں بھوکا دیکھ رہا ہے، لوگوں کے لیے سوت کاتتی ہیں اور ان کے پاس کوڑی بھی نہیں ہے۔

يطأن في الطين والأقدام حافية　　كأنها لم تطأ مسكاً وكافورا

وہ ننگے پاؤں چلتی ہیں کیچڑ میں گویا کہ انہوں نے کبھی مشک وکافور کو روندا ہی نہیں ہے۔

أفطرت في العيد لا عادت إساءته　　فكان فطرك للأكباد تفطيرا

تو نے عید میں افطار کیا اللہ کرے یہ افطار دوبارہ نہ آئے گویا کہ عید الفطر نے جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔

قد كان دهرك إن تأمره ممتثلاً　　فردك الدهر منهيا ومأمورا

ایک تیری فرماں روائی کا دور بھی تھا اور اب زمانہ نے محروم کر کے تجھے محکوم بنا دیا ہے۔

من بات بعدك في ملك يسر به　　فإنما بات بالأحلام مغرورا

تیری اس حالت کے بعد بھی اگر کوئی حکومت سے خوش ہوتا ہے تو خوابوں کے خیالات میں مبتلا ہے۔

ابن دراج قسطلی نے اپنے بچے اور بیوی کی جدائی میں کہا:

ولما تدانت للوداع وقد هفا بصبـــرى منه أنة وزفـــيـــر

جدائی کے وقت اس نے میرے صبر پر آہ بھری اور ٹھنڈی سانس لینے لگی۔

تناشدني عهد المودة والهوى وفي المهد مبغوم النداء صغير

وہ محبت وعشق کا واسطہ دے رہی تھی، اور گود میں رونے والا چھوٹا بچہ تھا۔

عيي بمروج الحواب، ولفظه بموقع أهواء النفوس خبير

وہ جواب دینے سے تو معذور تھا لیکن منہ سے نکلنے والے بے معنی الفاظ

تبوأ ممنوع القلوب ومهدت له أذرع محفوفة ونحور

دل میں اتر جانے اور اندر گھس جانے کی پوری کوشش کر رہے تھے کہ جہاں کسی کو داخل نہیں ہونے دیا جاتا، اور جس کے لیے ہاتھوں اور سینوں میں جگہ بنائی جاتی ہے۔

وطار جناح البين بي وهفت بها جوانح من ذعر الفراق تطير

میرا جدائی کا پرندہ اڑا ادھر اس کا دل خوف سے اڑنے لگا۔

ولو شاهدتني والهواجر تلتظي علي ورقراق الشراب يمور

جب، وہ مجھ پر تپتی ہوئی دھوپ اور سراب کے مرتعش ہونے کو دیکھ لے۔

أسلط حر الهاجرات إذا سطا على حر وجهي والأصيل هجير

جب ان شاموں کی گرمی جن کی شام بھی دوپہر ہوتی ہے میرے چہرہ پر پڑتی ہے اور میں اس کا مقابلہ کرتا ہوں۔

وأستنشق النكباء وهي لوافح واستوطيء الرمضاء وهي تفور

اور جب تیز وتند ہواؤں کا مقابلہ کرتا ہوں اور جھلستی ہوئی ریت کو روندتا چلا جاتا ہوں۔

وللموت في عين الجبان تلون وللذعر في سمع الجريء صفير

اور سامنے موت ہوتی ہے جس سے بزدل حواس باختہ ہو جاتا ہے اور دلیر کے کانوں میں بھی سیٹی سی بجتی ہے۔

لبان لها أني من البينْ جازع وأني على مضر الخطوب صبور

تو اس پر ظاہر ہو جائے گا کہ میں بھی جدائی سے بے قرار ہوں اور مشکلات پر صبر کر سکتا ہوں۔

قید میں ابن زیدون نے کہا:

ما على ظني باس يجرح الدهر وياسو

میرے گمان کے سچ ہونے پر کوئی حرج نہیں زمانہ کبھی زخمی اور کبھی دوا دارو کرتا ہے۔

ربما أشرف بالمرء ، علـى الأمـال يـاس

بعض دفعہ امیدوں پر ناامیدی کی بدلیاں چھا جاتی ہیں۔

ولقد ينجيك إغفالٌ ويرديك احتراس

اور کبھی لاپرواہی نجات اور ہوشیاری ہلاکت وتباہی کا باعث بن جاتی ہے۔

والمحاذير سهام والمقادير قياس

ڈراوئے خطرات تیر ہیں اور قضاء کے فیصلے قیاس کے مطابق ہیں۔

ولكم أجدى قعودٌ ولكم أكدى التماس!

بعض دفعہ بیٹھا رہنا فائدہ مند اور محنت ناکامی کا باعث بن جاتی ہے۔

وكذ الحكم: إذا ما عز ناس ذل ناس

اور اسی طرح کچھ لوگ غالب اور کچھ مغلوب ہوتے ہیں۔

وبنو الأيام أخيافٌ سراةٌ وخساس

اور اہل زمانہ برابر نہیں ہوتے بعض بلند مرتبہ اور بعض نچلے درجہ کے ہوتے ہیں۔

نلبس الدنياء ولكن متعةٌ ذاك اللباس

ہم دنیا کو اوڑھتے پہنتے ہیں جبکہ یہ تھوڑی دیر کا لباس ہے۔

يا أبا حفص و ما سا واك في فهم إياس

اے ابوحفص ناامیدی بھی تیری سمجھ کے برابر نہیں ہے۔

من سنا رأيك لي في (م) غسق الخطب اقتباس

میں مشکلات میں تیری رائے کی روشنی سے روشنی حاصل کرتا ہوں۔

لا يكن عهدك ورداً إن عهدي لك آس

تیرا عہد میرے لیے گلاب کی طرح نہ ہو کہ ایک موسم میں ہوتا ہے حالانکہ میرا عہد سدا بہار پودا ہے۔

وادر ذكرى كأساً ما امتطت كفك كاس

میرے ذکر کو باقی رکھنا جب تک تیرے ہاتھ میں جام اٹھانے کی قوت باقی رہے میرے ذکر کو جام کی طرح گھماتے رہنا۔

واغتنم صفو الليالي إنما العيش اختلاس

زمانہ کی سازگاری کو غنیمت شمار کر زندگی تو صرف اچک لینا ہے۔

ماترى في معشرحا لوا عن العهد وخاسوا؟

بدعہدی کرنے والوں اور اقوال، اقرار میں خیانت کرنے والوں کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے۔

أذؤبٌ هامت بلحمي فانتهابٌ وانتهاس

میرے گوشت پر بھیڑیے حملہ آور ہوئے اور اس کو چھین رہے ہیں۔

كلهم يسأل عن حالي، وللذئب اعتساس

سب میرے حال کی خبر لیتے ہیں اور بھیڑیے بھی رات کو شکار کی خاموشی سے خبر لیتے ہیں۔

إن قسا الدهر فللماء من الصخر انبجاس

زمانہ سخت ہوا تو کیا ہوا پتھر سے بھی تو پانی پھوٹ نکلتا ہے۔

ولئن أمسيت محبوساً فللغيث احتباس

میں قید ہوا تو کیا ہوا بارش سے پہلے حبس ہی ہوتا ہے۔

ويفت المسك في الترب فيوطأ ويداس

کبھی مشک بھی بکھیر دیا جاتا ہے اور پاؤں میں روندا جاتا ہے۔

ابن بقی کی بہترین موشح:

خذ حديث الشوق عن نفسي وعن الدمع الذي همعا

ما ترى شوقي قد وقدا

وهما دمعي واطردا

واغتدى قلبي عليك سدى!

عشق ومحبت کی کہانی میرے سانس اور بہتے ہوئے آنسوؤں سے معلوم کرلو۔ میرا شوق بھڑک رہا ہے اور آنسو بہتے جا رہے ہیں۔ اور دل تیری محبت میں ازکاررفتہ ہوگیا ہے۔

آه من ماء ومن قبس بين طرفي والحشا جمعا!

بأبي ريم إذا سفرا

أطلعت أزراره قمراً

فاحذروه كلما نظرا

فبألحاظ الجفون قسي أنا منها بعض من صرعا

ہائے پانی اور آگ جو میرے دل اور آنکھوں میں جمع ہو گئے ہیں۔ میں اس پر قربان اگر پردہ اٹھائے تو ہرن ہے اور اگر نقاب کے بٹن کھولے تو چاند ہے۔ جب تمہاری طرف دیکھے تو ڈرتے رہنا۔ کیونکہ ان نگاہوں میں تیر ہیں اور ایک تیر کا شکار میں ہوں۔

ایک اندلسی شاعر نے کہا:

ما للملمولة من سكره لا يفيق

يا له سكرانا!

من غير خمر ما للكئيب الممشوق

يندب الأوطانا

هل تستعاد، أيامنا بالخليج

ولياليـنا

عشق میں اپنے بھلانے والے کو کیا ہوا کہ نشہ دور ہی نہیں ہوتا، اس نشہ کے کیا کہنے، جو بغیر شراب کے ہے اس غمگیں مشتاق کو کیا ہوا جو اپنے وطن کو رو رہا ہے۔ کیا خلیج میں گزرے دن واپس آ سکتے ہیں۔

أو يستفاد، من النسيم الأريج

مسك دارينا

واد يكاد، حسن المكان البهيج

أن يحيينا

یا مہکتی ہوئی نسیم سے خوشبو حاصل کی جا سکتی ہے، جس وادی کا حسن ہمیں خوش آمدید کہتا ہے۔

ونهر أظلهُ دوحٌ عليه أنيق

مورق فينان

والمساء يجري وعائم وغريق

من جنى الريحان

جہاں دریا پر خوشنما گھنے لمبی شاخوں والے سایہ دار درختوں نے سایہ کر رکھا ہے۔ اور پانی بہتا رہتا ہے جس میں خوشبو دار پھول ڈوبتے اور تیرتے رہتے ہیں۔

اندلسی شعراء

ابن عبد ربہ (پیدائش ۲۴۶ء، وفات ۳۲۸ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ابو عمر احمد بن محمد عبد ربہ ولاء کے اعتبار سے اموی تھا، اس لیے اس کے دادا ہشام بن عبد الرحمٰن داخل اندلس میں بنی امیہ کے دوسرے خلیفہ کا آزاد کردہ غلام تھا، یہ ادیب شاعر قرطبہ میں پیدا ہوا، اور وہیں پرورش پائی، وہیں کے علماء سے علم حاصل کیا، خاص کر علم

روایت میں وسیع الاطلاع اور شاعری میں ماہر بن گیا۔

یاقوت نے اپنی کتاب ''معجم الادباء'' میں لکھا ہے کہ ابوعمر کو علم میں بلند مقام حاصل تھا۔ وہ دیانت وتقویٰ کے ساتھ ساتھ ادب میں شہرت، سرداری کا مالک بھی تھا، اس کو ایسی حکومتوں اور زمانہ سے واسطہ پڑا جن میں علم وادب کی قدر اور طلب تھی۔ وہ گمنامی کے بعد مشہور اور فقر کے بعد امیر ہو گیا، اس کو تفضیلی بھی خیال کیا جاتا ہے۔ مگر اس پر شاعری غالب تھی، آخری عمر میں فالج ہو گیا اور ۳۲۸ھ میں وفات پائی۔

اس کی شاعری:

ابن عبد ربہ کی شاعری کا اکثر اور بہتر حصہ غزل اور وصف ہے، مشرقی حسن وشوکت اور مغربی نزاکت کو جمع کرنے میں اس کی شاعری ابن زیدون کی شاعری سے زیادہ مشابہ ہے۔ اس نے مشرقیوں کے حالات کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور شاعری میں ان کا مقلد تھا۔ چنانچہ ان میں اس کی مقبولیت ہو گئی اور وہ اس کی شاعری کی روایت کا عام چرچا کرتے رہتے تھے اور اس کے حسن کلام اور فضیلت کے معترف بھی تھے۔

ابن خطیب نے روایت کی ہے کہ ولید اندلسی نے جب حج کیا تو واپسی میں مصر ٹھہرا، وہاں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی جامع مسجد میں ابوطیب متنبی سے ملا، کچھ دیر باتوں کے بعد متنبی نے کہا کہ ذرا ہم کو اندلس کے خوش کلام شاعر کا کلام تو سناؤ۔ چنانچہ ولید نے ابن عبد ربہ کے اشعار سنائے، متنبی سن کر بہت خوش ہوا اور بہت داد دی، اور دوبارہ سنانے کو کہا پھر کہا اے ابن عبد ربہ عراق تیرے پاس گھٹنوں کے بل چل کر آئے گا، متنبی کی یہ بات اس کی فضیلت و برتری کے لیے کافی ہے۔

ابن عبد ربہ، زیادہ اشعار کہنے والے شعراء میں سے تھا حمیدی نے اس کے اشعار کے بیس سے زیادہ اجزاء دیکھے تھے۔ جن میں سے اکثر کو اس نے حکم بن عبد الرحمٰن الناصر کیلئے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا، اس نے اپنی مشہور تصنیف ''العقد الفرید'' میں ہر عنوان کے تحت شاعری کا اکثر حصہ دیا ہے، مقدمہ میں لکھتا ہے کہ میں نے اس کتاب میں ہر باب میں متعلقہ موضوع کے تحت اشعار جمع کیے ہیں، اور ساتھ ہی اپنے اشعار بھی درج کر دیئے ہیں۔ تاکہ پڑھنے والے کو پتا چلے کہ عرب سے دوری وانقطاع کے باوجود اہل مغرب کو شاعری اور نثر کا بڑا حصہ ملا ہے۔

اندلسیوں نے شاعری کی قسم موشحات ایجاد کی تھی یہ اس میں آگے آگے تھا، بیانیہ شاعری میں طبعاً اس کو ملکہ حاصل تھا، اس نے اندلس کے والی عبد الرحمٰن ناصر کی تاریخ ایک ارجوزہ میں لکھی تھی مگر اس کی یہ شاعری موضوع کی خشکی، خیالی کمزوری اور رزمیہ شاعری کے اصول سے دوری کی بنا پر بیانیہ شاعری سے زیادہ معلمانہ شاعری کی حیثیت رکھتی ہے یہ ارجوزہ ''عقد الفرید'' کے دوسرے جز میں ہے۔ بڑی عمر کے بعد بڑھاپے میں رعشہ پیدا ہو گیا، تو اپنی رنگینی اور شوخیوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع ہو گیا۔ اس زمانہ کے اشعار کا نام اس نے ''ممحصات'' رکھا، جن کے ذریعے سابقہ عشق ومستی کی شاعری کا اسی بحر اور قافیہ میں ناصحانہ شاعری کے ذریعہ جواب دیا، ابن عبد ربہ نے اپنی بلند پایہ شاعری اور نثر ہی پر اکتفانہ کیا بلکہ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی قدم رکھنا چاہا تاکہ اپنا کمال ظاہر کرے۔ چنانچہ اس نے ادب کے موضوع پر جلیل القدر کتاب تصنیف کی جس کا نام ''العقد الفرید'' ہے۔

العقد الفرید:

یہ عربی ادب کی ابتدائی کتابوں میں سے ہے جس میں بکھری ہوئی بہت سی مفید باتیں ہیں، منتشر مسائل، متفرق واقعات، انساب، امثال، اشعار، طب اور موسیقی سے متعلق معلومات بھی جمع ہیں اس میں اصمعی، جاحظ، ابوعبیدہ اور ابن قتیبہ وغیرہ کی تصانیف کا خلاصہ موجود ہے، عربی تصانیف کے علاوہ یونانی، فارسی، سنسکرت کے ترجموں سے مختلف پر حکمت، دلچسپ باتیں جمع کی ہیں، مصنف نے باب باندھنے اور مضامین کی ترتیب میں خوش اسلوبی اور کمال کا مظاہرہ کیا ہے۔

اس نے ۲۵ ابواب پر کتاب کو تقسیم کیا جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہے۔ ہر باب کو فصیح و بلیغ تمہید سے شروع کیا ہے اور ہر باب کی غرض و غایت بنائی گئی ہے، اور ہر باب کو ہار کے ایک ہیرے سے تعبیر کیا ہے مثلاً، گوہر، یکتا، موتی، زبرجد، مرجان، یاقوت ہیرا، وغیرہ عجیب بات تو یہ ہے کہ مصنف نے اندلسی ہونے کہ باوجود اپنے علاوہ کسی اندلسی کا ذکر نہیں کیا، جب صاحب ابن عباد نے اس کتاب کی شہرت سنی تو مطالعہ کا اشتیاق ہوا، جب کتاب ملی اور اوّل تا آخر مطالعہ کر چکا تو کہا کہ ہمارا ہی مال و متاع ہمیں واپس دے دیا، میں تو یہ سمجھا تھا کہ اس میں اندلس اور اہل اندلس کا بھی کچھ حصہ اور حالات وغیرہ ہوں گے۔ مگر اس میں تو صرف ہمارے ملک ہی کے حالات ہیں ہمیں اس کی کیا ضرورت ہے، اور اس کتاب کو واپس کر دیا یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے اور ہزار سے زیادہ صفحات ہیں۔

شاعری کا نمونہ:

غزل:

يا لؤلؤاً يسبي العقول أنيقا ورشاً بتقطيع القلوب رفيقاً

اے دلوں کو لوٹنے والے حسین موتی اور اے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے غزال،

ما إن رأيت ولا سمعت بمثله دراً يعود من الحياء عقيقاً

میں نے نہ کبھی ایسا موتی دیکھا نہ سنا، جو شرم سے عقیق بن جاتا ہے۔

و إذا نظرت إلى محاسن وجهه أبصرت وجهك في سناه غريقاً

جب تو اس کے حسین چہرہ کی طرف دیکھے گا تو معلوم ہوگا کہ تیرا چہرہ اس کے نور میں ڈوبا ہوا ہے۔

يا من تقطع خصرهُ من رقة ما بال قلبك لا يكون رقيقاً؟

اے محبوب نزاکت کی وجہ سے تیری کمر ٹوٹ رہی ہے کیا وجہ ہے کہ تیرا دل نرم و نازک نہیں ہے۔

وداع کے موقع پر کہتا ہے:

ودعتـنـي بـزورة واعـتـناق ثم نادت متى يكون التلاقي!

وہ گلے مل کر مجھ سے جدا ہو رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ اب کب ملاقات کی گھڑی آئے گی،

وبدت لي فأشرق الصبح منها بين تلك الجيوب والأطواق

جب وہ نمودار ہوئی تو برقعہ میں سے اس کا چہرہ صبح کی طرح چمکا۔

یا سقیم الجفون من غیرسقم بین عینیك مصرعُ العشاق

اے بغیر بیماری کے آنکھوں کے مریض تیری آنکھوں کے سامنے عاشقوں کے بچھڑنے کی جگہ ہے۔

إن یوم الفراق أفظع یوم لیتني مت قبل یوم الفراق!

یقیناً وقت فراق انتہائی دشوار تھا کاش میں جدائی کی گھڑی سے پہلے ہی مر جاتا۔

نیزہ اور تلوار کے وصف میں کہتا ہے:

بكل ردیني كأن سنانه شهاب بدا في ظلمة اللیل ساطع

ہر ردینی نیزہ کا پھل تاریک رات میں ٹوٹ کر رونما ہونے والے ستارے کی طرح چمکتا ہے۔

تقاصرت الآجال في طول متنه وعادت به الآمال وهي فجائع

اس کی لمبائی کی وجہ سے موت کی مدتیں کم ہو جاتی ہیں اور امیدیں بھیانک صورت اختیار کر لیتی ہیں۔

وذی شطب تقضي المنایا لحكمه ولیس لما تقضي المنیة دافع

اور لمبے قد والے کے حکم کے مطابق موتوں کے فیصلے کیے جاتے ہیں اور جب موت کا فیصلہ کر دیا جائے تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا،

یسلل أرواح الكماة انسلاله ویرتاع منه الموت و الموت رائع

وہ آب دار تلوار جس کے فیصلہ کے مطابق موتیں فیصلہ کرتی ہیں اور موت کا فیصلہ کوئی ٹال نہیں سکتا۔

اس کے آخری عمر کے اشعار کا حصہ:

بلیت وأبلتني اللیالي بكرها وصرفان للأیام معتوران

میں کمزور اور بے حال ہو گیا ہوں اور دن رات کی گردشوں نے مجھ کو ناکارہ بنا دیا ہے۔

وما لي لا أبلی لسبعین حجة وعشر أتت من بعدها سنتان

اگر بیاسی (۸۲) برس کے بعد بھی میرے اعضاء کمزور نہ ہوں تو پھر میں کون ہوں۔

ولست أبالي من تباریح علتي إذا كان عقلي باقیا و لساني

جب تک میری عقل اور زبان باقی ہیں مجھے اپنی بیماری کی تکلیفوں کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

ابن ہانی اندلسی (پیدائش ۳۲۶ھ، وفات ۳۶۳ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ابوالقاسم محمد بن ہانی ازدی اندلسی کی پیدائش اشبیلیہ میں ہوئی جب دور اموی خلیفہ ناصر کے زمانہ میں اپنے شباب پر تھا۔ اور علم و ادب کے لحاظ سے اشبیلیہ سب سے زرخیز خطہ تھا، یہیں اس کی پرورش ہوئی اس نے اپنے زمانہ کے طرز کے مطابق عربی ادب کی تعلیم

حاصل کی اور اس کا باپ ہانی اس سلسلہ میں اس کی مدد کرتا تھا اس شاعر کو بھی عیش وعشرت کی تلاش ہوئی تو اس نے بھی وہی طریقہ اپنایا، وہ اشبیلہ کے حاکم کے دربار میں گیا، اس کے ہاں مرتبہ حاصل کر کے بڑا اعزاز حاصل کیا، یہ وہ دور تھا جب اندلسی تہذیب میں عیاشی، رنگینیاں، اسراف رواج پا رہا تھا، ابن ہانی نے بھی تہذیب کے پھلوں کو دونوں ہاتھوں سے اکٹھا کرنا شروع کر دیا، اس بارے میں نہ اخلاق اور نہ کسی دینی پابندی کا خیال کیا اور فلاسفہ کا ذہن اپنا لیا، لیکن اندلسی عوام مشرقیوں کے برعکس بدعت سے بےزار اور سنت کے متبع ہونے کے خواہاں تھے وہ فلاسفہ کو قابل اعتراض سمجھتے اور دین میں کھود کرید کو برا سمجھتے تھے اور روکتے تھے۔

لہٰذا اہل اشبیلہ نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور اس کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو گئے، انہوں نے حاکم پر بھی اس کے ہم خیال اور تائید کرنے کا الزام لگایا۔ اس لیے حاکم نے اس کو مشورہ دیا کہ کچھ عرصہ کے لیے شہر سے باہر چلا جائے یہاں تک کہ عوام کا جوش مخالفت ٹھنڈا ہو جائے اور وہ اس واقعہ کو بھول جائیں۔ چنانچہ وہ مغرب کی آخری حدود میں چلا گیا اس وقت اس کی عمر (۲۶) چھبیس برس کی تھی، وہاں اس کی ملاقات امیر لشکر جوہر سے ہو گئی جس نے معز کے لیے مصر فتح کیا تھا۔

اس نے امیر کی مدح کی اور پھر اس کی امیدوں کی کھیتی بلند ہو گئی، قسمت نے ساتھ دیا کہ اس کو امیر نے معز الدین عبیدی سے ملا دیا، جس نے اس کو مقرب بنا کر انعام و اکرام سے نواز دیا۔ جب جوہر نے مصر فتح کر کے معز کے لیے ہموار کر دیا اور معز مصر جانے لگا تو ابن ہانی اپنے مال و اسباب اور اہل عیال سمیت اس سے پیچھے رہ گیا پھر مصر کے راستہ میں مقام برقہ پر ایک شخص کے پاس مہمان بنا اور وہاں گانے اور کھیل کود میں حصہ لیتا رہا حتی کہ ایک دن اتنی پی گیا کہ نشہ ختم نہ ہوا اور موت واقع ہو گئی۔

بعض کا یہ خیال ہے کہ ہم پیالہ ساتھیوں میں سے کسی نے شرارت کر کے مار ڈالا۔ یا پھر گھر سے نشہ میں نکلا اور بدمستی میں راستہ میں کہیں گر گیا اور جان دے دی اور اس وقت ۳۶ برس کی عمر تھی۔ جب اس کی موت کی خبر معز کو پہنچی تو بڑا افسردہ ہوا اور کہا کہ ہمیں امید تھی کہ اس کے ذریعے ہم مشرقی شعراء سے بازی لے جائیں گے لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا۔

اخلاق اور عادات:

ابن ہانی خوش مزاج، آوارہ وعیاش، شرابی اور رنگیلیوں کا عادی تھا، وہ ذہین طبع، اچھے اخلاق اچھی اور کھری بات کہنے والا تھا اور اپنے کام میں کسی کا خوف نہیں کرتا تھا۔ اس کو یہ فکر نہ تھی کہ لوگ اس کے کام پر کیا کہیں گے اسی وجہ سے اپنے ماحول کے خلاف افکار وخیالات حتی کہ شاعری میں کفر کی حد تک جا پہنچا اور علانیہ شاعری کرتا تھا۔ حالانکہ شاعر فیلسوف کی طرح نہیں ہوتا، اسے تو لوگوں میں مقبولیت کی بے حد ضرورت ہوتی ہے، اس میں بڑا ثبوت اس کی رندانہ موت ہے جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

شاعری:

سب لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ابن ہانی اندلس کے شعراء کا امیر ہے، اگرچہ اس رائے میں ابن زیدون جیسے شعراء کے ساتھ ناانصافی ہے لیکن اس کی شاعری اعلیٰ درجہ کی ہے۔ جس میں فکر کی سلامتی، سلاست تعبیر، اجتماعی اور دیگر مسائل کا بیان اور نفس میں پیدا ہونے والے خیالات پائے جاتے ہیں، اس کو اپنے ہم عصر متنبی کے اشعار پڑھنے کا موقع ملتا تھا، لہٰذا اس کا طرز اس کو پسند آیا اور اس کو اپنا لیا، اس کی تقلید میں فلسفیانہ افکار کو شاعری میں داخل کیا اور مدح میں جگہ جگہ حکم اور امثال ذکر کرتا، اپنی خصوصی زندگی، جنگ، قوت اور غلبہ کا شاعری میں ذکر کرتا، جس کو دیکھتا یا سنتا اس کا عمدگی سے وصف بیان کرتا، اسی لیے اس کو مغرب کا متنبی کہا جاتا ہے۔

لیکن دونوں میں تشبیہ کا فرق وہی تھا جو چاند اور چہرہ یا عزم اور زمانہ، سخاوت وسمندر کی مشہور تشبیہوں میں ہے اور حقیقتاً آمد اور تقلید میں بہت فرق ہوتا ہے۔ گویا کہ ابوالعلاء المعری کو ان کا مقابلہ کرنا برا لگا جیسا کہ آپ کو معلوم ہے وہ متنبی کے مرتبے کا قائل تھا اور اس کا طرف دار تھا، اس نے غصہ میں آ کر ابن ہانی کے بارے میں کہا:

''اس کی شاعری میں الفاظ کی کثرت سے اس طرح آوازیں نکلتی ہیں جیسے چکی میں سینگ پینے سے''۔

لیکن کون کہتا ہے کہ اگر وہ جوانی میں نہ مرتا اور اللہ تعالیٰ اس کو اور زندگی دیتا تو زمانہ کے تجربات اس کی شاعری کو مضبوط کر دیتے اور اس کے بارے میں لوگ دوسری رائے قائم کرتے، اس کی اکثر شاعری مدح میں ہے تشبیہ وغزل، قصیدہ کے شروع میں ہے یا بطور تقلید وصف اور مرثیہ کی مقدار کم ہے مگر عمدہ ہے۔ اسرار فطرت ومناظر سے جن چیزوں نے متنبی کو روکا اس کو بھی انہوں نے روکا مگر ان چیزوں کا ذکر اس کی شاعری میں کم ہے۔

اس کی شاعری کا نمونہ:

إنا وفي آمال أنفسنا طول وفي أعمارنا قصرُ

ہمارے دلوں میں آرزوئیں لمبی اور عمریں تھوڑی ہیں۔

لنرى بأعيننا مصارعنا لو كانت الألباب تعتبر

اگر ہماری عقلیں عبرت پکڑیں تو ہم آنکھوں سے اپنی موتوں کو دیکھ سکتے ہیں۔

مما دهانا أن حاضرنا أجفاننا والغائب الفكر

جس کو ہم دیکھتے ہیں اس کو موجود سمجھتے ہیں اور جس کو خیال وفکر سے معلوم کریں اس کو غائب سمجھتے ہیں۔

وإذا تدبرنا جوارحنا فأكلهن العينُ والنظر

اگر اعضاء میں غور کریں تو کمزور آنکھ اور نظر ہی کو پائیں گے۔

لو كان للالباب ممتحن ما عد منها السمعُ والبصر

اگر عقل کے لیے کسوٹی ہوتی تو اس میں سمع وبصر کو شمار نہ کیا جاتا ہے۔

ايُّ الحياة ألذ عيشتها من بعد علمي أنني بشر

میں بشر ہوں، اس کے جاننے کے بعد میں کس زندگی سے سرور وخوشی حاصل کروں۔

خرست لعمر الله ألسننا لما تكلم فوقنا القدر

جب ہمارے اوپر قضا کا حکم چلتا ہے تو بخدا زبانیں گونگی ہو جاتی ہیں۔

اسی مرثیہ کے چند اور اشعار:

و إذا صحبت العيش أوله صفواً، فهينٌ بعده الكدرُ

جب زندگی کا پہلا حصہ خوشگوار مل جائے تو بعد کی مشقت وتکدر آسان ہے۔

وإذا انتهيت إلى مدى أمل　　دركا، فيومٌ واحد عمر

جب آرزو کی انتہا کو پہنچ جاؤ تو ایک دن کو بھی زندگی شمار کرو۔

ولخيرُ عيش أنت لابسه　　عيش جنى ثمراته الكبر

اور بہتر زندگی جس سے تم فائدہ اٹھاؤ وہ ہے جس کا انجام بڑھاپا ہو۔

ولكل حلبة سابق أمدٌ　　ولكل نهلة وارد صدر

ہر تیز رفتار کے لیے آخری حد ہے اور ہر گھاٹ میں اترنے والے کے لیے واپسی ہے۔

وحدود تعمير المعمر أن　　يسمو صعودا ثم ينحدر

جس کو زندگی دی گئی اس کی زندگی کی حدود بلند ہو کر پھر نشیب کی طرف ڈھل جاتی ہیں۔

والسيف يبلى وهو صاعقة　　وتنال منه الهام والقصر

تلوار بھی بوسیدہ ہو جاتی ہے حالانکہ وہ خود موت ہے اس سے گردنیں اور سر کاٹے جاتے ہیں۔

والمرء كالظل المديد ضحى　　والفيء يحسره فينحسر

انسان چاشت کے وقت کے لمبے سایہ کی طرح ہے کہ سورج کا زوال اس کو مٹا دیتا ہے۔

اسی قصیدہ کے آخر میں ہے:

غرض ترامى في الخطوب، فذا　　قوس، وذا سهم، وذا وتر

انسان اس نشانہ کی طرح ہے جس کو ہر طرف سے تیر لگ رہے ہیں یہ کمان، وہ تیر اور وہ تانت ہے۔

فجزعت حتى ليس بي جزع　　وحذرت، حتى ليس بي حذر

اس وقت میں اتنا گھبرایا کہ اب گھبراہٹ نہ رہی اور اتنی احتیاط کی کہ اب ضرورت نہ رہی۔

حسن تغزل:

أمسحوا عن ناظري كحل السهاد　　وانفضوا عن مضجعي شوك القتاد

میری آنکھوں سے بے خوابی کو دور کر دو اور (اللہ کے لیے) میرے بچھونے پر سے کانٹے دور کر دو۔

أو خذوا مني ما أعطيتمُ　　لا أحب الجسم مسلوب الفؤاد

یا اتنا کرو کہ جو تم نے دیا ہے وہ لے لو کہ جس جسم سے دل نکال لیا گیا ہو مجھے وہ پسند نہیں ہے۔

هل تجيرون محبا من هوى؟　　أو تفكون أسيراً من صفاد؟

کیا تم ایک عاشق کو عشق سے پناہ دے سکتے ہو یا قیدی سے اس کی بندھنیں کھول سکتے ہو۔

أسلوا منكم من هجركم　　قلما يسلو عن الماء الصوادي!

کیا تمہارے بعد مجھ کو سکون مل سکتا ہے کیا پیاسے کو پانی کے بغیر چین آ سکتا ہے۔

إنما كانت خطوب قيضت فعدتنا عنكم إحدى العوادي
یہ تو طے شدہ آفتیں تھیں اور کچھ ہنگامی حالات تھے جنہوں نے تم سے جدا کر دیا۔

فعلى الأيام من بعدكمُ ما على الظلماء من لبس الحداد
تمہارے بعد زمانہ میرے لیے تاریک راتوں کی طرح ماتمی لباس پہنے ہوئے ہے۔

لا مزارٌ منكم يدنو سوى بأن أرى أعلام هضب أو نجاد
تم سے ملاقات کا کوئی راستہ نہیں سوائے اس کے کہ میں بلند ٹیلوں اور زمینوں کو دیکھتا رہوں۔

قل تنويل خيال منكم يطبي بين جفون ومهاد
تمہاری طرف سے خیال کا عطیہ کم ہی آتا ہے جو آنکھوں اور نیند کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔

لم يزدنا القرب إلا هجرة فرضينا بالتنائي والعباد
وصل نے ہمارے لیے جدائی کو ہی زیادہ کیا لہٰذا ہم دوری پر ہی خوش ہیں۔

و إذا شاء زمان رابنا برقيب أو حسود أو معادي
اور جب زمانہ چاہتا ہے تو ہم کو رقیب یا حاسد یا جدائی کا خوف دلاتا ہے۔

جوہر کی مدح اور مصر جاتے وقت اس کے لشکر کا وصف بیان کرتے ہوئے:

رأيت بعيني فوق ما كنت أسمعُ وقد راعني يوم من الحشر أروعُ
جو کچھ سنا تھا اس سے زیادہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا لشکر کو جمع کر کے کوچ کا دن میرے لیے خوف کا باعث بنا۔

غداة كأن الأفق سد بمثله فعاد غروب الشمس من حيث تطلع
اس دن صبح کو گویا ایک افق تھا جو آسمانی افق کے لیے اوٹ بن گیا، سورج طلوع کی جگہ ہی گویا غروب ہونے لگا ہے۔

فلم أدر إذا سلمت كيف أشيعُ ولم أدر شيعت كيف أودعُ
جب سلام کیا تو ہوش نہ رہا کہ کیسے چھوڑوں جب چھوڑنے کے لیے چلا تو ہوش نہ رہا کہ کیسے الوداع کہوں۔

وكيف أخوض الجيش والجيش لجة وإني بمن قاد الجيوش لمولعُ
میں لشکر میں کیسے گھستا جبکہ وہ تو ایک سمندر کا گہرا کنڈ تھا، اور میں قائد لشکر کا مشتاق تھا۔

فلا عسكرٌ من قبل عسكر جوهرٍ تخب المطايا فيه عشراً وتوضعُ
جوہر کے لشکر سے پہلے کوئی لشکر ایسا دیکھا ہی نہیں کہ جس کے ایک کونے سے دوسرے تک جانے میں تیز رفتار سواری کا بھی دس دن کا سفر ہے۔

گھوڑوں کے دستہ کا وصف بیان کرتے ہوئے:

وصواهل، لا الهضب يوم مغارها هضب، ولا البيد الحزون حزون
ہنہناتے گھوڑوں کے لیے حملہ کے وقت نہ بلندی کوئی بلندی ہے نہ سخت زمین دشوار ہے۔

عرفت بساعة سبقها، لا أنها علقت بها يوم الرهان عيون

جب آگے بڑھ جاتے ہیں اس وقت پہچانے جاتے ہیں گھوڑ دوڑ میں تو ان پر نظر جمتی ہی نہیں۔

وأجل علم البرق عنها أنها مرت بحانحتيه وهي ظنون

بجلی کو بھی ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ اتنا علم ہے کہ یہ گھوڑے اس کے پہلوؤں سے خیالوں کی طرح گزر گئے۔

ابن زیدون (پیدائش ۳۹۴ھ وفات ۴۶۳ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ابوالولید احمد بن عبداللہ بن زیدون ۳۹۴ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ بڑا فقیہ اور ادیب تھا، چنانچہ زیدون نے اور لوگوں کے علاوہ اپنے باپ سے بھی علم حاصل کیا قدرتی طور پر اس کو انشاپردازی کے لیے بہتر طبیعت اور طبع سلیم دی گئی۔ اپنے کمال و مہارت سے اتنی ترقی کی کہ اندلس کے طوائف الملوکی کے دور میں بادشاہ ابوالحزم بن جھور کا وزیر بن گیا اس طرح اس کا مرتبہ اور شہرت اور زیادہ ہوئی، بادشاہ نے تمام کام اس کے سپرد کیے اور اس نے اچھی طرح سے انتظام سنبھال لیا، کئی بار اس نے اپنے اور دیگر بادشاہوں کو بھڑکایا تو جھور نے غصہ ہو کر اس کو قید میں ڈال دیا۔ اس کی خدمات سابقہ، مہارت کچھ بھی کام نہ آیا۔ اس نے بادشاہ کے رحم کو ابھارنے کے لیے قید خانہ سے انوکھا خط لکھا مگر وہ بھی پتھر دل بادشاہ کو نرم نہ کر سکا۔

چنانچہ وہ جیل سے فرار ہو کر قرطبہ میں کہیں چھپ گیا، پھر جھور کے بیٹے ابوالولید کی سفارش پر اس کو راضی کر لیا، پھر اسی بادشاہ کے زیر سایہ رہا حتیٰ کہ بادشاہ کے مرنے کے بعد حکومت ابوالولید کے قبضہ میں آ گئی اور اس نے بھی اپنا مقرب بنا لیا، مگر مالقہ کے حاکم سے سیاسی تعلق کی بنا پر اس نے بھی ابن زیدون کو غصہ سے ناراض ہو کر شہر سے نکال دیا اور ۴۴۱ھ میں اشبیلیہ کے حاکم معتمد عباد کی خدمت میں چلا گیا، جس نے اس کو اپنا مقرب بنایا اور خصوصی مشیر رکھ لیا پھر اس کے بعد اس کے بیٹے معتمد کا وزیر رہا اور باقی عمر اشبیلیہ ہی گزاری، اس مختصر حالاتِ زندگی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ابن زیدوں کی عام زندگی مشکلات میں گزری تھی اور خاص زندگی بھی عام سے مشکلات و بے چینی میں کم نہ تھی۔ قرطبہ میں ولادہ کی محبت میں مشکلات پیش آئیں جو بنوامیہ کے خلیفہ مستکفی کی بیٹی تھی علم وادب کا بڑا ذوق رکھتی تھی شاعروں اور علماء سے علمی مسائل میں بحث اور مقابلہ کرتی رہتی تھی حتیٰ کہ اس کا مکان علماء، ادباء، شعراء کی مجلس تھا۔

انہی میں ابن زیدون بھی تھا یہ بھی نازک روح، اچھے مزاج اور حسن وادب کا مالک تھا، اور ولادہ کے دل کو اپنی طرف مائل کرنے میں سب سے آگے نکل گیا اور اسی کے دل میں جا بسا، چنانچہ اس نے بھی جواب محبت، محبت سے ہی دیا۔ اس کامیابی نے دوسرے حریفوں کے حسد کی آگ بھڑکا دی اور دونوں کے تعلقات خراب کرنے کی ہر ممکن کوششیں کیں، اور اس سلسلہ میں ابو عامر عبدوس جو بڑے رسوخ والا تھا پیش پیش تھا وہ کسی وقت موقع پا کر ولادہ کے پاس گیا اور ابن زیدون کی اتنی برائیاں کی کہ اس کا دل بھر گیا۔ لیکن اس کا اثر زیادہ عرصہ نہ رہا محبت اسی طرح دوبارہ اپنے جوبن پر آ گئی اور وہ ابن زیدون کی ہو گئی اس پر ابن زیدون نے ابن عبدوس کو مذاق کے طور پر ولادہ کی جانب سے ایک لمبا خط لکھا جس میں خوب دل کی پیاس بجھا کر اس کا مذاق اڑایا، اس خط میں ادبی اور تاریخی لطائف بھی ہیں۔

شاعری:

ابن زیدون کی شاعری اندلسی شاعری کی صحیح تصویر ہے کیونکہ یہ اس کے دل سے نکلی اور اس کے ملک کی زمین میں پیدا ہوئی، ابن ہانی کی شاعری کی طرح اس کی شاعری مشرق کے پیچھے چلنے والی اور نقال نہ تھی کیونکہ اس نے شاعری کو روزی و شہرت کے حصول کا ذریعہ نہیں بنایا تھا۔ وہ اپنے دلی جذبات اور احساسات کی ترجمانی کرتا تھا۔

یہ باریک و نازک مضامین اور رقت انگیز شاعری میں بنو مخزوم کا آخری شاعر تھا اور اپنے ہم عصروں میں پہلا شاعر تھا، اس کی شاعری میں اندلسی شاعری کی تمام خصوصیات عمدہ طور پر ملتی ہیں۔ مثلاً وصفِ مناظر، خیال کی بلندی، جذبات کی ترجمانی، ظاہری حسن و رونق بعض دفعہ مدح و فخر میں کمزوری نظر آتی ہے مگر یہ کمی غزل اور شوق، استعطاف جیسے موضوع میں نہیں ملتی، کیونکہ ان موضوعات پر اس کی طبیعت اور قلم نہایت عمدہ طرز پر چلتا تھا۔ اور اس کا سبب ابن جھور کے مظالم اور ولادہ کی بے رخیاں ہیں اور اس کی جدائی کے غم، ابن زیدون کی تحریر و تقریر میں عربی شاعری کا انداز اور عرب شاعری کا اقتباس ملتا تھا، اس کی ایک بیوی کا انتقال ہو گیا تو لوگ مختلف علاقوں سے تعزیت کے لیے آئے اس نے ہر ایک کو اپنی وسعت علمی اور حاضر دماغی کے سبب تعزیت کا نئے انداز سے جواب دیا، اور اس کا واضح ثبوت اس کی نثر اور شاعری میں لطائف، تشبیہات اور امثال ہیں۔

نثر:

ابن زیدون کی نثر عمدہ اور عبارت رواں ہے اس میں تکلف سجع بندی، طول بے جا، اور زیادہ مترادفات نہیں۔ اس کا اسلوب جاحظ کے اسلوب سے بہت مشابہ ہے خاص کر وہ تنوع جو وہ حروف جار کے ذریعہ پیدا کرتا ہے اور ابن عمید کے اسلوب سے اس نے امثال و لطائف کو نثر اور اشعار کے درمیان میں داخل کرنا سیکھا اس کی نثر کی عمدگی کے شاہکار دو خط ہیں ایک سنجیدہ اور دوسرا مذاقیہ ہے۔ پہلا اس نے ابن جھور کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے اور دوسرا ولادہ کی زبانی ابن عبدوس کو لکھا تھا، اس کا ذکر پہلے بھی گزرا ہے ادباء ان خطوں کی بڑی قدر کرتے ہیں اور علماء نے ان کی شرحیں بھی لکھی ہیں۔

شاعری کا نمونہ:

بنی جھور کو مخاطب کرتا ہے:

بني جهور أحرقتهم بجفائكم　　فؤادي فما بال المدائح تعبق

اے بنی جھور! تم نے جفا کاری سے میرے دل کو جلا ڈالا لیکن کیا ہوا کہ مدحیں پھر بھی مہک رہی ہیں۔

تعدونني كالعنبر الورد إنما　　تفوح لكم أنفاسه وهو يحرق

تم مجھ کو عنبر خیال کرتے ہو کہ خود تو جلتا ہے مگر ہر طرف خوشبو پھیلا دیتا ہے۔

جب ولادہ قرطبہ میں اور خود اشبیلہ میں تھا تو شوق وصال کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

أضحى التنائي بديلاً من تدانينا　　وناب عن طيب لقيانا تجافينا

وصال نے جدائی کی جگہ لے لی، ہماری خوشگوار ملاقات جدائی سے بدل گئی۔

بنتم وبنا فما ابتلت جوانحنا　　شوقاً إليكم ولا جفت مآقينا

تم ہم سے اور ہم تم سے جدا ہو گئے اس کے بعد عشق کے پہلوؤں کو سکون ہی نہ ملا اور نہ آنکھ کے آنسو تھے۔

يكاد حين تناجيكم ضمائرنا　　يقضي علينا الأسى لو لا تأسينا

جب یاد آتی ہے تو غم سے دم نکلنا شروع ہو جاتا ہے اگر ضبط نہ کریں تو نکل ہی جائے اور ہم مر جائیں۔

حالت لبعدكم أيامنا فغدت　　سودا وكانت بكم بيضا ليا لينا

تمہارے ساتھ ہماری راتیں سفید تھیں اب تمہاری دوری کی وجہ سے ہمارے دن بھی کالے ہو گئے۔

ليسق عهدكم عهد السرور فما　　كنتم لأرواحنا إلا رياحينا

کیا زمانہ تھا جب ہم خوش تھے اللہ اس کی یاد ہمیشہ رکھے، تم ہماری روحوں کے لیے مہکتے پھول تھے۔

من مبلغ الملبسينا بانتزاحهمُ　　حزنا مع الدهر لا يبلى ويبلينا

کون ہے جوان کو یہ پیغام دے دے جنہوں نے جدائی کا غم ایسا دیا کہ وہ زمانہ کے ساتھ ختم ہونے کے بجائے ہمیں ختم کر رہا ہے۔

أن الزمان الذي ما زال يضحكنا　　أنسا بقربكم قد عاد يبكينا

جو زمانہ ہم کو تمہارے قرب کی وجہ سے ہنساتا رہا اور اب ہم کو رلا رہا ہے۔

غيظ العدى من تساقينا الهوى　　فدعوا بأن نغص فقال الدهر آمينا

ہمارے جام عشق پینے کی وجہ سے دشمن جل گئے اور ہماری اچھی زندگی خراب کرنے کی بددعا کی تو زمانہ نے اس پر آمین کہا۔

فانحل ما كان معقوداً بأنفسنا　　وانبت ما كان موصولاً بأيدينا

چنانچہ ہماری محبت و وصل کے بندھن ختم ہو گئے اور تعلقات ٹوٹ گئے۔

وقد تكون و ما يخشى تفرقنا　　فاليوم نحن وما يرجى تلاقينا

ایک وہ وقت تھا کہ کسی کو فراق کا خطرہ بھی نہ تھا اور اب وہ وقت ہے کہ کسی کو ملنے کی امید بھی نہیں ہے۔

لا تحسبوا نأيكم عنا بغيرنا　　إن طال غير النأيُ المحبينا

کبھی تم یہ خیال نہ کرنا کہ تمہاری جدائی ہم کو بدل دے گی گویا دنیا میں یہی طریقہ ہے کہ جدائی عاشقوں کو دور کر دیتی ہے، اور بھلا دیتی ہے۔

والله ما طلبت أهواؤنا بدلاً　　منكم و لا انصرفت عنكم أمانينا

واللہ! نہ ہم نے تیرے سوا کسی کو دل میں جگہ دی اور نہ آرزوؤں نے کسی اور کو چاہا۔

يا ساري البرق غاد القصر فاسق به　　من كان صرف الهوى والود يسقينا

اے شام کی بجلی اور پانی سے بھرے بادل تو اس کو جا کے پانی پلانا جو ہم کو محبت کے جام پلاتا ہے۔

ويا نسيم الصبا بلغ تحيتنا   من لو على البعد حيا كان يحيينا
اے بادصبا! تو اس کو میرا اسلام کہنا جو دوری کے باوجود ہمیں سلام کریں تو ہم زندہ ہو جائیں۔

يا روضة طالما أجنت لواحظنا   ورداً جناه الصبا غضاً ونسرينا
اے وہ باغ! جس نے ایک عرصہ تک ہماری نگاہوں کی تازہ گلاب، چنبیلی کے پھولوں سے ضیافت کی۔

ويا حياة تملينا بزهرتها   منى ضروبا ولذات أفانينا
اور اے وہ زندگی! جس کے حسن سے ہم مختلف آرزؤں اور امیدوں کی لذتوں سے فائدہ اٹھاتے رہے۔

لسنا نسميك إجلالا وتكرمة   فقدرك المعتلى عن ذاك يغنينا
میں اعزاز کی وجہ سے تیرا نام نہیں لیتا تیرا بلند مقام ہمیں اس سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

كأننا لم نبت والوصل ثالثنا   والسعد قد غض من أجفان واشينا
گویا کہ ہم نے تیسرے ساتھی وصل کے ساتھ کبھی رات نہ گزاری اور ہماری نیک بختی پر دشمنوں کے دل نہ جلے۔

سران في خاطر الظلماء يكتمنا   حتى يكاد لسان الصبح يفشينا
دوراز تھے جن کو رات کی تاریکی چھپائے ہوئے تھی حتی کہ صبح کی روشنی نے ہم کو بے حجاب کر دیا۔

يا جنة الخلد أبد لنا بسلسلها   والكوثر العذب زقوما وغسلينا
اے جنت خلد! ہم کو تیرے میٹھے پانی اور کوثر کے عوض زقوم اور غسلین مل رہی ہیں۔

إنا قرأنا الأسى يوم النوى سوراً   مكتوبة وأخذنا الصبر تلقيناً
ہم نے فراق کے زمانہ میں رنج وغم کی سورتیں پڑھ ڈالیں اور صبر شیوہ بنالیا۔

ولادہ کو رخصت کرتے ہوئے کہا:

ودع الصبر محب ودعك   دائعٌ من سره ما استودعك
جس محبت نے تجھ کو الوداع کہا اس نے صبر کو بھی الوداع کہہ دیا، جو راز تیرے پاس امانت رکھوایا فاش ہو گیا۔

يقرع السن على أن لم يكن   زاد في تلك الخطى إذ شيعك
پشیمانی ہو رہی ہے کہ چھوڑتے وقت ایک قدم اور آگے کیوں نہ اٹھا۔

يا أخا البدر سناء وسنى   رحم الله زمانا أطلعك
اے حسن وروشنی میں بدر کامل کی طرح اللہ اس زمانہ پر رحم کرے جس نے تجھے نمودار کیا۔

إن يطل بعدك ليلي فلكم   بت أشكو قصر الليل معك
اگر تیرے بعد راتیں لمبی ہوگئی ہیں تو مجھ کو تیرے ساتھ وصل کی راتیں بھی یاد ہیں جن کے چھوٹا ہونے کا میں شکوہ کرتا تھا۔

أما رجا قلبيَ فأنت جميعه   ياليتني أصبحتُ بعض رجاك
میرے دل کی ساری تمنا تو ہی ہے کاش میں تیرے دل کی تمنا کا کچھ حصہ ہی بن جاؤں۔

يدنو بوصلك حين شط مزاره　　وهم أكاد به أقبل فاك

جب تیری زیارت دور ہوتی ہے تو خیال میں تیرے قریب ہوتا ہوں جس کے ذریعے میں تیرے منہ کو چومتا ہوں۔

نثر کا نمونہ:

اپنے سنجیدہ خط میں لکھتا ہے:

''اے میرے آقا و سردار مجھے تو محبت و دوستی آپ سے ہے اعتماد آپ پر، پرواہ آپ کی میری ترقی آپ سے، اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے آپ بڑے اولوالعزم ہیں مراد پوری کرنے والے، اللہ آپ کا نصیب اچھا کرے آپ نے مجھ سے احسانات کا لباس چھین لیا اور محبت کا زیور اتار لیا، اور مجھ کو اپنی عنایت کے لیے ترسا دیا اور اپنا دست شفقت میرے سر سے اٹھا لیا، اور نظر کرم مجھ سے ہٹالی، حالانکہ جو آپ سے امیدیں تھیں اندھا بھی ان سے بے خبر نہ تھا، اور جو آپ کی مدح کی ہے بہرے کے کان بھی ان سے نا آشنا نہیں ہیں، اور جمادات بھی آپ کی مدح کو محسوس کرتے ہیں۔ بہر حال یہ کوئی عجیب بات نہیں بعض دفعہ پانی سے بھی پھندا لگ جاتا ہے اور جو دوا برائے صحت ہو وہ زہر بن جاتی ہے، محتاط آدمی جہاں سے مطمئن ہو وہیں سے نقصان اٹھاتا ہے، اور اس کی آرزو ہی موت بن جاتی ہے، اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ حریص کی کوشش سے پہلے ہی اس کو موت آجاتی ہے۔

كل المصائب قد تمر على الفتى　　فتهون غير شماتة الحساد

''انسان ہر مصیبت کو آسانی سے برداشت کر لیتا ہے لیکن حاسدوں کی خوشی برداشت سے باہر ہوتی ہے''۔

بہر حال میں صبر سے کام لے رہا ہوں اور اپنے دشمنوں کو بتا رہا ہوں کہ میں مصائب سے گھبرانے والا نہیں ہوں، اور اس ہاتھ کی طرح نہیں ہوں جس کو کنگن نے زخمی کر دیا ہو، اور کیا میں بھی وہ پیشانی ہوں کہ جس کو تاج نے ہی تکلیف دی کیا میں وہی تلوار نہیں جس کو صیقل کرنے والے نے مٹی میں ملا دیا، اور کیا میں ہی وہ نیزہ نہیں جس کو اس کے درست کرنے والے نے آگ لگائی، اور کیا میں ہی وہ غلام نہیں جس کے ساتھ اس کے آقا نے اس شاعر کا سا سلوک کیا جس نے کہا تھا:

فقسا ليزدجروا ومن يك حازما　　فليقس أحيانا على من يرحم

''ان کو روکنے کے لیے اس نے سختی کی اور جو محتاط ہوتا ہے وہ جس پر مہربان ہو اس پر بھی کبھی سختی کر دیتا ہے''۔

اسی خط میں آگے جا کر کہتا ہے:

میں دوبارہ عالی مقام کی توجہ اپنی طرف کرنے کے لیے عرض کرتا ہوں کہ کون سا جرم ہے جس کی تلافی نہ ہو سکی اور کون سی جہالت ہے جس کا تدارک آپ کے حلم سے باہر ہے اور کون سی دست درازی ہے جو آپ کے احسان سے باہر ہے، اور کون سی زیادتی ہے جو قوت برداشت سے باہر ہے۔ بہر حال دو باتوں میں سے ایک ضرور ہے یا تو میں بے گناہ ہوں تو آپ کا عدل و انصاف نہ رہا یا اگر مجرم ہوں تو آپ کا لطف و کرم کہاں گیا۔

ان لا یکن ذنب فعدلك واسع　　اوكان لی ذنب ففضلك اوسع

"اگر میں مجرم نہیں ہوں تو آپ کا عدل وسیع ہے اور اگر مجرم ہوں تو آپ کا فضل اس سے زیادہ وسیع ہے"۔

یہ سارا خط اسی طرح اچھے طرز پر لکھا ہوا ہے، اور اپنے مذاقیہ خط میں ولادہ کی طرف سے کہتا ہے:

"اے عقل کے مریض اور جہالت فریب، غلط کار اور غلط نظر انسان، بڑائی کے پھندے میں پھنسنے والے دن میں سورج کو نہ دیکھنے والے، شیرہ پر مکھیوں کی طرح گرنے والے، شمع پر پروانوں کی مثل ٹوٹ مرنے والے غرور وتکبر ناقابل اعتماد چیزیں ہیں آدمی کے اپنے صحیح مقام کو پہچاننے کا اچھا طریقہ ہے۔ تو اپنے خط کے ذریعے مجھ سے اپنی دوستی کا طالب ہوا جو تم جیسوں کو نصیب نہیں، تو میرے ملاپ کا خواہش مند ہے جبکہ تجھ جیسے کو دھکا دے کر خواہش سے دور رکھا جاتا ہے۔ اس مطلب کے حصول کے لیے تو نے اپنی دوستی اور معشوقہ کو بطور قاصد استعمال کیا تو نے اپنے نفس کو دھوکہ دیا کہ تو میرا ہوگا اور نفس کو چھوڑ دے گا اور میرے لیے مرے گا۔

ولست باول ذی همة　　دعته لما لیس بالنائل

"صرف تو وہ پہلا شخص نہیں جو باہمت ہو جس کی ہمت نے اسے ایسی شے کی طرف مائل کیا جو نہ مل سکی"۔

آگے چل کے خط میں لکھتا ہے:

اے بری گدی، بڑی مونچھوں اور لمبی گردن والے، اے احمق و کند ذہن مبغوض شکل، بے وقوفوں کی طرح ادھر ادھر پھرنے والے، بدبودار سانسوں والے، تیری باتیں بھڑک دار اور بے معنی، تیرا بیان غیر واضح اور ہنسی ٹھٹھا مارنے کی طرح ہے، تیری چال ڈھال بھدی، آسودگی بھیک کا نمونہ، تیرا دین زندیقی تیرا علم کمزور ہے۔

مسنا ولو قسمن علی الغوانی　　لما امهرن الا بالطلاق

"تجھ اکیلے میں اتنی برائیاں ہیں کہ اگر بہت سی خوبصورت عورتوں میں تقسیم کریں تو ان کا مہر طلاق ہی ہوگا"۔

یہ سارا خط اسی طرح تکلیف دہ الفاظ، فقروں، فحش، تہکم سے بھرا ہوا ہے۔

ابن حمدیس الصقلی (پیدائش ۴۷۷ھ، وفات ۵۲۷ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

عبدالجبار ابن حمدیس جزیرہ صقلیہ میں پیدا ہوا کم عمری میں ہی وہ اپنے ماحول میں شاعری کی بنا پر معروف ہوا لیکن ادبی ماحول میں اس کو کوئی شہرت نہ ملی۔ حتیٰ کہ نرمندیوں نے اس علاقہ پر قبضہ کر لیا جبکہ وہ بھرپور جوانی میں تھا، تو اس کو اپنی آنکھوں سے ظالم کے ظلم وغیرہ دیکھنے اور کانوں سے صحیح حالات وواقعات سننے کا موقع ملا۔ اور کیسے دشمنوں نے اس کے ملک کو برباد کیا سب کچھ دیکھا۔ چنانچہ وہ ہجرت کر کے ۴۷۱ھ میں اسپین چلا گیا اور معتمد بن عباس کے فضل کے حصول کے لیے اشبیلیہ جا نکلا ایک عرصہ تک تو معتمد نے اس کی طرف التفات ہی نہ کیا، حتیٰ کہ ابن حمدیس نے کہا کہ میں ناکامی، تھکن وکوفت کے بعد مایوس ہو گیا ہوں اور الٹے پاؤں لوٹنے کا عزم کر چکا ہوں، میری یہ حالت تھی کہ ایک سرکاری ملازم چراغ اور سواری لے کر میرے گھر آیا اور کہا کہ بادشاہ کے پاس جا کر لبیک

کہو، میں فوراً سوار ہو کر خدمت میں حاضر ہوا بادشاہ نے بلند مرتبہ سمور کے قالین پر بٹھایا، اور کہا کہ تیرے پاس جو الماری ہے اس کو کھولو میں نے کھولا تو دیکھا کہ ایک شیشہ بھٹی ہے اور دونوں دروازوں سے آگ نکل رہی ہے، اور آگ جلانے والا بھی دونوں دروازے کھول دیتا ہے اور کبھی بند کر دیتا ہے، پھر مستقل ایک بند کر دیا اور دوسرا کھول دیا۔ جب میں نے خوب دیکھ لیا تو کہا کہ مصرع لگاؤ، بادشاہ کا مصرع:

أنظر هما في الظلام قد نجما — دونوں کو دیکھو اندھیرے میں چمک رہے ہیں۔

میں نے کہا:

كما رنا في الدجنة الأسد — جیسے تاریکی میں شیر ٹکٹکی باندھ کر رہا ہو۔

بادشاہ نے کہا:

يفتح عينيه ثم يطبقها — وہ اپنی آنکھیں کھولتا ہے اور پھر بند کر لیتا ہے۔

میں نے کہا:

فعل امرىء في جفونه رمد — اس شخص کی طرح جس کی آنکھ دکھ رہی ہو۔

بادشاہ نے کہا:

فابتزه الدهر نور واحدة — پھر زمانہ نے اس کی ایک آنکھ کی روشنی چھین لی۔

میں نے کہا:

وهل نجا من صروفه احد؟ — اور حوادث زمانہ سے بھی بھلا کوئی بچا ہے۔

اس کے بعد بادشاہ نے بڑی عزت کی اور انعام واحسان سے نوازا اور اپنا مقرب بنالیا، اور مستقل اپنی خدمت میں رکھ لیا۔ اس کے بعد شاعر بادشاہ کے انعام و اکرام میں زندگی گزارتا رہا حتیٰ کہ ابن تاشفین نے اس کو حکومت سے ہٹا کر جلاوطن کر دیا، اور ابن حمدیس بھی جلاوطنی میں شریک رہا اور ۴ سال کے بعد افلاس اور فقر کی پریشانی میں مرگیا۔ یہ شاعر افریقہ کے علاقہ مہدیہ میں اقامت پذیر رہا پھر میورقہ چلا گیا، اور وہاں پریشانی اور آنکھوں سے معذوری میں مرگیا۔

اوصاف:

ابن حمدیس صحیح عقیدہ، نازک طبیعت، باوقار، تیز نظر اور محنتی تھا، طبیعت میں انقباض اور بدشگونی کا انتہائی قائل تھا اور خوش اخلاق اور اچھا ساتھی تھا، مجالس طرب اور لہو ولعب میں حصہ لیتا مگر عفت نفس، اخلاق، سلامتی عزت کے ساتھ اور ان مجالس کا نہایت عمدگی سے وصف بیان کرتا تھا۔

أصف الراح ولا أشربها — وهي بالشد وعلى الشرب تدور

میں شراب کی صرف تعریف کرتا ہوں پیتا نہیں ہوں حالانکہ گانے کے ساتھ اس کا دور چلتا رہتا ہے۔

كالذي يأمر بالكر ولا — يصطلي نار الوغى حيث تفور

اس شخص کی طرح جو جنگ کا حکم کرتا ہے مگر آتش جنگ میں جلتا نہیں ہے۔

اسکے اخلاق واوصاف ہم نے اسکی شاعری سے لیے ہیں، ہم کومعلوم نہیں کہ یہ پیدائشی طور پر تھے یا حالات کو برداشت کرنے کا نتیجہ تھا۔

شاعری:

اس کی شاعری ایک صاف آئینہ ہے جس میں مذکورہ اوصاف واضح نظر آتے ہیں، اس کے الفاظ اچھے اور خیالات پاکیزہ ہیں سطحی مذاق اور کج روی کی ہوا بھی نہیں لگی۔ زمانہ کے ظلم، لوگوں کی ملامت اور عمر کی لمبائی نے اس کو لوگوں کی شکایت کرنے والا اور نفس کا باغی بنا دیا، اور زہد ونصیحت میں ابوالعتاہیہ کا انداز اپنایا، جس کا انداز بیان واضح اور اسلوب اچھا تھا، بعض دفعہ اس کی طبیعت میں انشراح ہو جاتا اور اس کے جذبات کے دروازے، فطرت کا جمال، زندگی کی لذات، کائنات کے عجائبات دیکھنے کے لیے کھل جاتے تھے، نہایت عمدہ الفاظ، دلکش انداز، نازک عکس بندی اور صاف عبارت میں نہر، پھول، شکار، گھوڑے، رات، محلات، مجالس لہو ولعب کا ذکر کرتا تھا۔ اس کی جھلک اگلے صفحات میں مذکور اشعار سے واضح ہے۔ اس کی تمام شاعری ''بالرم'' میں ۱۸۸۳ء میں اور ''رومیہ'' میں ۱۸۹۷ء میں شائع ہو چکی ہے۔

شاعری کا نمونہ:

نہر کے وصف میں کہتا ہے:

ومطرد الأجزاء يصقل متنه صبا أعلنت للعين ما في ضميره

اس کے اجزاء ایک دوسرے کے پیچھے چلے آ رہے ہیں، اور باد صبا اس کی پشت کو چمکا رہی ہے، صفائی کی وجہ سے اندر کی حالت دیکھنے والے کو بتا رہی ہے۔

جريح بأطراس الحصا كلما جرى عليها شكا أوجاعه بخريره

جب جاری ہوتی ہے تو پتھروں سے زخمی ہو جاتی ہے اور خرخراہٹ سے تکلیف کا شکوہ کرتی ہے۔

منصور بن اعلی الناس نے بیجانہ کے محل میں حوض بنایا تھا اس پر سونے چاندی کے درخت اور سنگ مرمر کے شیر بنے ہوئے تھے پانی درختوں کے کناروں سے بہتا اور شیروں کے منہ سے نکلتا تھا اس کے بیان میں کہتا ہے:

وضراغم سكنت عرين رآسة تركت خرير الماء فيه زئيراً

شیر جنگل کی جھاڑی میں سکونت پذیر ہو گئے اس کے اندر پانی کی آواز دھاڑ رہی ہے۔

فكأنما غشى النضار جسومها وأذاب في أفواهها الباورا

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیروں کو جھاڑ کے درخت نے ڈھانپ لیا ہے اور ان کے مونہوں میں باور پگھلا دیا ہے۔

أسدٌ كأنّ سكونها متحركٌ في النفس لو وجدت هناكِ مثيراً

ایسے شیر ہیں کہ ان کا سکون بھی نفس میں متحرک ہی نظر آتا ہے اگر تو وہاں کوئی جوش دلانے والا پائے تو،

وتذكرت فتكاتها فكأنـما أقعت على أدبارها لتـثـورا

اگر تو بے دھیانی میں انہیں دیکھے تو ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے وہ حملہ کرنے کے لیے اپنے پچھلے پاؤں پر بیٹھے ہیں۔

وتخالها والشمس تحلو لونها نارًا وألسنها اللواحس نورًا

دیکھنے میں ان کو شیر خیال کیا جاتا ہے جبکہ سورج سے ان کا رنگ آگ بن کر ظاہر ہوتا ہے اور ان کی زبانیں نور کو چاٹتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

فکأنما سلت سیوف جداول ذابت بلا نار فعدن غديراً

اور ایسا لگتا ہے جیسے نالیوں کی تلواروں کو بے نیام کر دیا گیا ہو اور وہ بغیر آگ کے پگھل کر حوض کی تہہ میں بیٹھ گئی ہوں۔

وکأنما نسج النسیمُ لمائه درعا فقدر سردها تقديرا

گویا کہ بادِ نسیم نے پانی کے لیے زرہوں کو خاص انداز سے پرویا ہو۔

وبديعة الثمرات تعبر نحوها عيناي بحر عجائب مسحوراً

اور ان جیسے انوکھے ثمرات تو میری نظر میں عجیب وغریب مسحور کن سمندر ہیں۔

شجريةٌ ذهبية نزعت إلى سحر يؤثر في النهى تأثيرا

سونے کے چھوٹے چھوٹے درخت ایسا جادو رکھتے ہیں جو عقل میں تاثیر رکھتا ہے۔

قد سرحت أغصانها فكأنما قبضت بهن من القضاء طيوراً

ان کی شاخوں کو زین پہنائی گئی ہے گویا کہ ان سے فضاء کے پرندے پکڑ لیے گئے۔

وكأنما تأبى لوقع طيرها أن يستقل بنهضها وتطيرا

گویا کہ وہ مستقل پرندوں کے آنے جانے سے ان کو روکتا ہے۔

من كل واقعةٍ نرى منقارها ماء كسلسال اللجين نميراً

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر شاخ میں چاندی پگھل کر نرم ہو گئی ہے پھر اس نے اپنا تار لٹکا ہوا چھوڑ دیا ہے۔

خرس تعد من الفصاح فان شدت جعلت تغرد بالمياه صفيرا

وہ حقیقت میں تو گونگے ہیں لیکن بظاہر بولتے ہیں جب پانی تیزی سے گرے تو تجھے ایسا لگے گا گویا کہ اس سے گانے کی آوازیں نکل رہی ہیں۔

وكانما في كل غصن فضة لانت فارسل خيطها مجروا

گویا کہ ہر شاخ میں نرم چاندی ہے جس کے دھاگوں کو اس نے بہنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔

وتراك في المهربج موقع قطرها فوق الزبرجد لؤلؤاً منثورا

اور تو تالاب میں پانی گرنے کی جگہ کو ایسے محسوس کرے گا کہ زمرد پر موتی بکھر رہے ہیں۔

ضحكت محاسنه إليك كأنما جعلت لها زهر النجوم ثغوراً

اس کی خوبصورتی تجھے دیکھ کر ایسے مسکراتی ہے جیسے ان کے دانت ستاروں کی کلیوں سے بنائے گئے ہوں۔

اپنے گناہوں پر روتے اور استغفار کرتے ہوئے:

يا ذنوبي ثقلت والله ظهري ۔ بان عذري فكيف يقبل عذري

اے میرے گناہو! واللہ تم نے تو میری پیٹھ بوجھل کر دی میرا عذر ظاہر ہو گیا اب میرا عذر کیسے قبول ہوگا۔

كلما تبت ساعة عدت أخرى لضروب من سوء فعلي وهجري

جب بھی میں توبہ کرتا ہوں تو مختلف برائیوں کے ذریعے اس کو توڑ ڈالتا ہوں۔

ثقلت خطوتي وفودي تعرى غيهب الليل فيه عن نور فجري

میرے قدم بھاری اور میرے بال سفید ہو گئے۔

دب موت السكون في حركاتي وخبا في زماده حر جمري

موت کا سکون میری حرکتوں میں سرایت کر رہا ہے، اس کی راکھ میں میرا شعلہ بجھ رہا ہے۔

وأنا حيث سرت آكل رزقي غير أن الزمان يأكل عمري

میں جہاں جاتا ہوں اپنا رزق کھاتا ہوں مگر زمانہ میری عمر کھا رہا ہے۔

كلما مر منه وقت بربح من حياتي وجدت في الربح خسري

جب بھی کوئی زندگی کا وقت نفع بخش گزرتا ہے تو میں اس میں بھی نقصان ہی پاتا ہوں۔

يا رفيقا بعبده ومحيطا علمه باختلاف سري وجهري

اے اپنے بندے پر مہربان ذات اور میرے ظاہر و باطن کو اپنے علم سے جاننے والے۔

مل بقلبي إلى صلاح فسادي منه واجبر برأفة منه كسري

میرے دل کو اپنے فساد کی اصلاح کی طرف مائل کر اور اپنی کرم نوازی سے میری شکستگی کو جوڑ دے۔

وأجرني بما جناه لساني وتناجت به وساوس فكري

میری زبان سے اور میری فکر کے وسوسے جو سرگوشیاں کرتے ہیں مجھ کو محفوظ رکھ۔

ایک قصیدہ میں زمانہ اور اپنے دوستوں پر شکوہ کرتے ہوئے:

أتحسبني أنسى وما زلت ذا كراً خيانة دهري أو خيانة صاحبي؟

کیا تو یہ خیال کرتا ہے کہ میں زمانہ کی خیانت اور دوست کی بے وفائی بھول گیا یہ مجھے یاد ہے۔

تغذى بأخلاقي صغيرا ولم تكن ضرائبهُ إلا خلاف ضرائبي

میرا دوست بچپن سے میرے اخلاق سیکھتا رہا لیکن اس کی طبیعت مجھ سے نہ مل سکی۔

ويا رب نبت تعتريه مرارة وقد كان يسقى عذب ماء السحائب

ایسے کتنے پودے ہیں جن کو بارش کا میٹھا پانی پلانے کے باوجود ان کا مزہ کڑوا ہوتا ہے۔

علمت بتجريبي أموراً جهلتها   وقد تجهل الأشياء قبل التجارب

میں نے تجربہ سے وہ باتیں معلوم کرلیں جن کو پہلے نہیں جانتا تھا اور تجربہ سے پہلے بہت سی چیزیں نامعلوم ہوتی ہیں۔

ومن ظن أمواه الخضارم عذبة   قضى بخلاف الظن عند المشارب

جو سمندروں کے پانی کو میٹھا خیال کرتا ہے جب وہ پئے گا تو خیال غلط ثابت ہوگا۔

ركبت النوى في رحل كل نجيبه   تواصل أسبابي يقطع السباسب

میں اپنی حاجات کو پورا کرنے کے لیے ہر ایسی عمدہ اونٹنی پر سوار ہوں گا جو بیابانوں کو پار کرکے میرے مقاصد تک پہنچا دے۔

ولما رأيت الناس يرهب شرهم   تجنبتهم واخترت وحدة راهب

جب میں نے دیکھا کہ لوگوں کی برائی سے ڈرا جاتا ہے تو میں ان سے الگ ہوگیا اور راہبانیت اختیار کرلی۔

عشقیہ شاعری:

عذبت رقة قلبي   ظلما بقسوة قلبك

تو نے ظلم کرتے ہوئے اپنے دل کی سختی سے میرے دل کی نرمی کو تکلیف دی ہے۔

وسمت جسمي سقما   وما شفيت بطبك

اور میرے جسم کو بیمار کردیا تیری طب مجھ کو شفا نہ دے سکی۔

من لي بصبر جميل   على رياضة صعبك؟

تیرے ستم کی مشق کرنے پر میں صبر جمیل کہاں سے لاؤں۔

فيا تشوق بعدي!   إلى تنسُّم قربك!

میری دوری کتنی مشتاق ہے تیرے قرب کی خوشبو کے لیے۔

ووجنة غمستها   في الورد صنعة ربك

اور تیرے رخسار کی زیارت کے لیے جس کو رب نے ایسا بنایا ہے جیسے گلاب میں غوطہ دیا ہو۔

لقد جنحت لسلمي   كما جنحت لحربك

میں خود سے صلح کے لیے اس طرح مائل ہوں جیسے تجھ سے لڑنے کے لیے مائل ہوں۔

فالبدلال الذي زا   د في ملاحة عجبك

تو اپنے اس ناز ونخرے سے جس نے تیرے حسن میں اضافہ کر رکھا ہے۔

فكي من الأسر قلبا   عليه طابعُ حبك

اس دل کو آزاد کردے جس پر تیری محبت کی مہر لگی ہوئی ہے۔

و نعميني بعتبي   فقد شقيت بعتبك

مجھ کو اپنی خوشنودی سے نفع دے کہ میں تیرے عتاب سے پریشان ہو چکا ہوں۔

ابن خفاجہ اندلسی (پیدائش ۴۵۰ھ، وفات ۵۳۳ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ابوابراہیم بن خفاجہ اندلسی شقر نامی بستی یا بقول عرب جزیرہ شقر میں پیدا ہوا۔ اس کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے فنکاروں کی طرح قید و پابندی سے آزاد رہ کر زندگی گزاری ہے اس لیے نہ کوئی اہم کارنامہ انجام دے سکا اور نہ ہی کسی بلند عہدے پر فائز ہوسکا۔ اور نہ ہی طوائف الملوکی کے دور میں کسی بادشاہ سے اعانت طلبی کی جبکہ ایسے شعراء کی بادشاہوں کو اشد ضرورت ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنے کو دنیاوی مشاغل سے ہٹا کر اور اپنے نفس کو جمال اور فکر کو خیال اور احساسات کو لذت کے لیے وقف کر دیا اور تمام صلاحیتوں کو فطرت کے سپرد کیا، وہ فطرت کے مناظر، سبزہ زار، ندی نالوں، گھنے سایہ دار درختوں اور اونچی نیچی جگہوں میں پھرتا رہتا تھا۔ ہر اچھی چیز سے لطف اٹھاتا اور ہر واقعہ کا وصف بیان کرتا، پھر واپس آ کر جام شراب پیتا اور حسین چہروں سے لذت اٹھاتا، یا محروم پھلوں کو منتخب کرتا، اسی طرح زندگی گزرتی رہی حتی کہ ۵۳۳ھ میں پیدائشی مقام میں دنیا فانی سے چل بسا۔

شاعری:

ابن خفاجہ مصور فطرت شاعر تھا۔ فطرت کے حسن سے اس کے دل و نگاہ بھرے ہوئے تھے۔ جس کی عکاسی وہ اپنے الفاظ سے کرتا تھا اور پاکیزہ اسلوب اچھے رنگوں کا چناؤ کرتا تھا، ان میں بدیع کا اور تشبیہات کا رنگ چڑھاتا۔ اپنے پڑھنے والے کو کثرتِ تکرار کے باوجود شاعری میں محسوس مناظر کی عکاسی کی بدولت ملال میں نہیں پڑنے دیتا تھا۔ اور اس کی شاعری میں گہرے معانی و افکار اور فلسفیانہ سوچ مطالعہ کرنے والے کو کہیں نہیں ملے گی، نیز اس کی نثر بہت گھٹیا اور پر تکلف ہے، اس کے مطالعہ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ ایسے شاعر کم ہوتے ہیں کہ ایک وقت میں شاعری بھی کرے اور نثر بھی کہے۔

شاعری کا نمونہ:

پھول کے وصف میں:

وما لسة تزهى وقد خلع الحيا　　　علیها حلى حمراً وأردية خضراً

تکبر سے جھومنے والا جس کو شرم نے سرخ زیورات اور سبز چادریں پہنا دیں۔

يذوب لها ريق الغمائم فضة　　　ويجمد في أعطافها ذهبا نضراً

جس کے لیے بادلوں کا لعاب چاندی بن کر پگھلتا ہے اور اس کے شانوں پر سونے کی طرح جم کر خوشنما ہوتا ہے۔

مرغزار سے ہوتی ہوئی ندی کا وصف کرتے ہوئے جس کے مناظر مختلف طرق سے سامنے آتے ہیں:

لله نهر سال في بطحاء!　　　أشهى وروداً من لمى الحسناء

اللہ کی شان بطحاء وادی میں بہتی ہوئی نہر جس کا پانی پینے کی چاہت حسینہ کے ہونٹوں کو چوسنے سے بھی زیادہ ہے۔

متعطف مثل السوار كأنه والزهر يكنفه، مجر سماء

کنگن کی مثل گول مڑی ہوئی اور جاری ہے پھولوں نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے۔

قد رق حتى ظن قرصا مفرعاً من فضة بردة خضراء

صاف اتنی کہ گویا چاندی سبز چادر پہن کر بہہ رہی ہے۔

والريح تعبث بالغصون وقد جرى ذهب الأصيل على لجين الماء

اور ہوا شاخوں کو جھولا جھلا رہی ہے اور چاندی نما پانی پر شام کے وقت کی زردی جاری ہے۔

وغدت تحف به الغصون كأنها هدب يحف بمقلة زرقاء

ٹہنیوں نے اس کو اپنی لپیٹ میں اس طرح لے رکھا ہے جیسے پلکیں نیلی پتلی کو لیے ہوئے ہوں۔

والما أسرع جريه منحدراً متلوياً كالحية الرقطاء

اور اس کا پانی بل کھاتا تیزی سے چلتا ہوا ایسا لگتا ہے جیسے سرکش سانپ ہے۔

اندلس کی زمین کا وصف بیان کرتے ہوئے:

يا أهل أندلس، لله دركم ماء وظل وأنهار وأشجار!

اے اہل اندلس! اللہ نے تم کو اپنی نعمتوں سے نوازا تمہارے ہاں پانی، سایہ، درخت اور نہریں ہیں۔

ما جنة الخلد إلا في دياركم ولو تخيرت هذى كنت أختار

تمہارے ملک کے سوا اور کہیں جنت الخلد نہیں ہے، اگر مجھے اختیار ملے تو میں اس کو پسند کروں۔

إن للجنة بالأندلس مجتلى عين وريا نفس

اندلس کی جنت میں آنکھوں کے لیے مناظر اور بادصبا کی خوشبو ہے۔

فسنا صبحتها من شنب ودجا ليلتها من لعس

اس کی صبح محبوب کے دانتوں کے مشابہ اور رات محبوب کے ہونٹوں کی سرگیں کے مشابہ ہے۔

فإذا ما هبت الريح صبا صحت: واشوقى الأندلس!

اسی وجہ سے جب بادصبا چلتی ہے تو میں چلا کر کہتا ہوں کہ ہائے اندلس۔

اور اس خیال کا وصف بیان کرتا ہے جو ایک لمبی رات میں اسے آیا:

ورداء ليل بات فيه معانقي طيف ألم لظبية الوعساء

اور اس رات کی چادر جس میں نرم ریتلی زمین کے ہرن کا خیال مجھ سے معانقے میں رہا۔

فجمعت بين رضابه وشرابه وشربت من ريق ومن صهباء

میں نے خیال میں اس کے تھوک اور شراب کو جمع کیا اور میں رات بھر وہ تھوک اور شراب پیتا رہا۔

ولثمت في ظلماء ليلة وفرة شفقا هناك لوجنة حمراء

اور میں نے سخت اندھیری رات میں بھی رخساروں کی سرخی سے ڈر کر منہ پر ڈاٹھا باندھا ہوا تھا۔

واللیلُ مشمط الذوائب كبرة خرف يدب على عصا الجوزاء

اور رات کی مینڈھیاں سفیدی مائل تھیں جیسے وہ کالی بکری جس کے درمیان سفید لکیر ہو۔

ثم انثنى والسكر يسحب فرعه ويجر من طوب فضول رداء

پھر وہ واپس لوٹی اس حال مین کہ شراب اس کے بالوں پر بہہ رہی تھی اور وہ نشہ کی حالت میں ہی اپنی زائد چادر کو گھسیٹ رہی تھی۔

تندى بفيه أقحوانة أجرع قد غازلتها الشمس غب سماء

اس کا منہ ریتلی بے آب وگیاہ جگہ میں بھی گلِ بابونہ کی سخاوت کرتا ہے جس کے ساتھ سورج نے آسمان کے کنارے پر سرگوشی کی۔

وتميس في أثوابه ريحانة كرعت على ظمأ بجدول ماء

اس کے کپڑوں سے پھوٹنے والی خوشبو ایسے تڑپا دیتی ہے جیسے پیاسے کو پانی کے نالے کی حفاظت تڑپا دیتی ہے۔

نفاحة الأنفاس إلا أنها حذر النوى خفاقة الأفياء

اس کی سانسوں سے خوشبو پھوٹ رہی تھی اور اس کی کمر پتلی تھی اور وہ جدائی سے ڈری ہوئی تھی۔

فلويت معطفها اعتناقاً حسبها فيه بقطر الدمع من أنواء

میں نے اس کی چادر کو اپنے گلے سے لگا لیا جبکہ اس کے آنسو ستاروں کے ڈوبنے کی وجہ سے ہونے والی بارش کی طرح برس رہے تھے۔

والفجر ينظر من وراء عمامة عن مقلة كحلت بها زرقاء

اور صبح کی روشنی عمامے کے پیچھے سے نیلی سرگیں آنکھوں کے ساتھ جھانک رہی تھی۔

فرغبت عن نور الصباح لنوره أغرى بها بينفسج الظلماء

لیکن میں صبح کی روشنی سے ہٹ کر اس کی روشنی کو دیکھ رہا تھا جس نے تاریکی کے گل بنفشہ کو برانگیختہ کر دیا تھا۔

اس چولہے کے وصف میں جس کو ہوا نے بھڑکا دیا:

لا عب تلك الريح ذاك اللهبُ فعاد عين الحد ذاك اللعب

اس ہوا نے شعلوں سے کھیلنا شروع کیا تو وہ تھوڑی دیر میں سنجیدہ شکل اختیار کر گئے۔

وبات في مسرى الصبا يتبعه فهو لها مضطرم مضطرب

یہ بادِ صبا کی گزرگاہ میں تھی اور اس کی وجہ سے مضطرب تھی اور بھڑک رہی تھی۔

ساهرته أحسبه منتشيا يهز عطفيه هناك الطرب

میں بھی جاگ رہا تھا میں سمجھا کہ یہ نشہ میں ہے اور مستی کی وجہ سے جھوم رہی ہے۔

لو جاءه منتقد لما دري ألهب متقد أم ذهب
اگر کوئی نقاد بھی آئے تو بھی فیصلہ نہ کر پائے گا کہ آگ کے شعلے ہیں یا سونے کے ٹکڑے ہیں۔

تلثم منه الريح خداً خجلاً حيث الشرار أعين ترتقب
ہوا ان شعلوں کے سرخ رخساروں کو چوم رہی تھی اور شعلے رقیبوں کی آنکھ بنے ہوئے تھے۔

في موقد رقرق الصبح به ماء عليه من نجوم حبب
اس کے جلنے کی جگہ صبح نے پانی برسایا اور اس پر تاروں کے بلبلے تھے۔

منقسم بين رماد أزرق و بين جمر خلفه ملتهب
وہ آگ نیلی راکھ اور چنگاریوں کے درمیان تقسیم ہوگئی جو راکھ کے پیچھے جل رہی تھی۔

كأنما خرت سماء فوقه وانكدرت ليلاً عليه شهب
گویا کہ اس پر آسمان گر گیا اور اس کے تارے دھندلے پڑ گئے۔

تیرتے ہوئے خوبصورت جوان کے بارے میں:

وصقيل إفرند الشباب، بطرفه سقم، وللعضب الحسام ذباب
وہ جوان جو جوانی کی رونق سے چمک رہا تھا اس کی نظر میں بیماری ہے، اور تیز تلوار کی دھار ہوتی ہے۔

يمشي الهوينى نخوة ولربما أطرته طوراً نشوة وشباب
تکبر سے آہستہ چلتا ہے اور کبھی شباب مستی اس کو بھڑکا دیتی ہے۔

شتى المحاسن، للوضاءة ريطة أبداً عليه، وللحياء نقاب
کئی خوبیاں اس میں موجود ہیں ہمیشہ اس پر حیا کا نقاب اور حسن کی چادر ہوتی ہے۔

وبمعطفيه للشبيبة منهل قد شف عنه من القميص سراب
اس کے کندھوں پر جوانی کی گھاٹ اور سراب قمیص سے نظر آ رہی ہے۔

عبر الخليج سباحة فكأنما أهوى فشق به السماء شهاب
تیر کر خلیج کو پار کیا جیسے وہ شہاب تھا جس نے آسمان کو پھاڑ دیا۔

تطفو لغرته هناك حبابة ويموج من ردف ألف عباب
اس کی پیشانی سمندر میں بلبلہ بن کر چمک رہی تھی اور سمندر جوش پر جوش مار رہا تھا۔

لسان الدین ابن الخطیب

(پیدائش ۱۳۱۳ء، ۷۱۳ھ، وفات ۱۳۷۴ء، ۷۷۶ھ)

یہ ذوالوزارتین ابوعبداللہ لسان الدین المعروف ابن الخطیب ہیں، ۷۱۳ھ میں علم و ریاست اور سردارانہ آغوش میں غرناطہ مقام میں پیدا ہوئے۔ یہاں کے علماء سے زبان شریعت، فلسفہ، طب، ریاضی اور تاریخ کا علم حاصل کیا، اور ان علوم میں اندلس کے ادباء جو

ان کے ہم عصر تھے، سب پر سبقت لے گئے۔ پھر شعر وادب کی وجہ سے غرناطہ کے بادشاہ ابوالحجاج یوسف (۷۳۳ھ تا ۷۵۵ھ) تک پہنچ گئے۔ بادشاہ نے انھیں اپنے خاص آدمی کا درجہ دیا پھر انھیں وزیر بنا دیا اور ملکی امور میں انھیں خود مختار اختیارات دیئے جس کی وجہ سے اُن کے اثر ورسوخ میں اضافہ ہو گیا اور ان کے معاملے کی عظمت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی۔ بادشاہ ابوالحجاج کی وفات تک اس عہدے اور منصب پر فائز رہے۔ بادشاہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد خامس اس کا جانشین بنا۔ اس نے بھی لسان الدین کو وزارت پر قائم رکھا۔ چغل خوروں نے ان دونوں کے درمیان تعلق کو خراب کرنا شروع کیا نتیجتاً بادشاہ ان سے نفرت کرنے لگا۔ چنانچہ وہ وہاں سے افریقہ کی طرف بھاگ گئے۔ وہاں کے بادشاہوں نے ان کی بہت عزت کی۔ ان کے بعد ان کے حالات لمبے عرصے تک خراب رہے اور وہ اپنے دشمن کے ہاتھ چڑھ گئے اس نے انھیں اپنی چاہت کے مطابق چلایا اور علماء کی جماعت کو دھوکہ دے کر ان کے خلاف فلسفہ وغیرہ کے علوم میں شغل رکھنے کی بناء پر فتوے حاصل کیے۔ بالآخر کچھ بدمعاش جیل کی دیوار پھلانگ کر ان کے پاس گئے اور انھیں گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا۔

انشاء پردازی میں ان کا مرتبہ:

لسان الدین کی طبیعت مسجع کلام لکھنے کی تھی۔ اپنے شعبے میں اپنی طبیعت کے موافق چلتے تھے۔ اندلس کے نثر نگاروں کی طرح وہ اپنے رسائل کو بھی لمبا کرتے تھے اور کبھی وہ سارا کا سارا رسالہ ایک ہی روی (قافیہ کا حرف) پر لکھ دیتے۔ اندلس والوں پر چونکہ شاعری کا غلبہ تھا اس لیے ان کی نثر میں بھی خیال اور صنعت کا غلبہ ہوتا۔ کلام کو تکلف سے مسجع کرنے، عبارت کو عمداً خوبصورت اور بات کو لمبا کر دینے کی وجہ سے بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ اس کو خوشگواری اور مقبولیت حاصل ہو۔ وہ لوگ طبعی طور پر شاعر اور بتکلف نثر نگار تھے۔ وہ اس معاملے میں اہل مشرق سے برعکس طبیعت رکھتے تھے۔

ان کے اشعار میں نرم الفاظ اور معانی کی عمدگی شامل تھی اور فن کے اعتبار سے مقبول تھے۔ اندلس میں علم وادب کی امامت ابن الخطیب پر ختم ہوتی ہے جیسا کہ افریقہ میں علم وادب کی امامت ابن خلدون جو ان کے ہم عصر تھے، پر ختم ہوتی ہے۔ تاریخ کے فن میں ان کا بلند مقام ہے۔ اس بارے میں انھوں نے ساٹھ کے قریب کتابیں لکھیں۔ ان میں مشہور ترین کتاب ''الاحاطہ فی تاریخ غرناطہ'' ہے۔ جو تین جلدوں پر مشتمل ہے اور غرناطہ کی اہم شخصیات کے بارے میں ایک تاریخی ڈکشنری ہے۔

شاعری کا نمونہ:

اپنے اس معروف موشح میں کہتے ہیں جس سے انھوں نے ابن سہل کے موشح کا مقابلہ کیا ہے:

جادك الغيث إذا الغيث همى　　يا زمان الوصل بالأندلس

اے اندلس کے وصل کے زمانہ! اللہ تعالیٰ تجھے تیز موسلا دھار بارش سے سیراب کرے۔

لم يكن وصلك إلا حلما　　في الكرى أو خلسة المختلس

تیرے ملنے کا زمانہ تو صرف ایک خواب یا جھپٹنے والے کا ایک جھپٹا تھا۔

إذ يقود الدهر أشتات المنى تنقل الخطو فی ما نرسم
جب زمانہ مختلف تمناؤں کو کھینچتا ہے تو قدموں کو نشان زدہ جگہوں کی طرف منتقل کیا جاتا ہے۔

زمراً بین فرادي وثني مثلما يدعو الوفود الموسم
فرداً فرداً اور گروہوں کی صورت میں جیسے کہ حج کا موسم وفود کو بلاتا ہے۔

والحيا قد حلل الروض سنا فثغور الزهر منه تبسم
بارش نے باغوں کو ڈھانپ لیا اور خوب سیراب کیا اور پھول جس کی وجہ سے مسکرانے لگے۔

وروى النعمان عن ماء السما كيف يروي مالك عن أنس
گلِ لالہ بارش سے اس طرح سیراب ہوا جس طرح مالک نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

فكساه الحسن ثوباً معلماً يزدهي منه بأبهى ملبس
حسن نے اسے ایسے منقش کپڑے سے ڈھانپ دیا (یعنی خوب عمدہ کیا) جس کے ذریعے عمدہ لباس پر فخر کیا جاتا ہے۔

فی ليال كتمت سر الهوىٰ بالدجى لو لا شموس القدر
اگر تقدیر کے سورج روشن نہ ہوتے تو میں بہت سی راتیں اپنی خواہش کے راز کو اندھیرے میں چھپائے رکھتا۔

مال نجم الكأس فيها وهوى مستقيم السير سعد الأثر
ان راتوں میں کاس کا ستارہ جھکا اور گر گیا اس حال میں کہ درست چلنے والا اور نیک بختی کے اثرات چھوڑنے والا تھا۔

وطر ما فيه من عيب سوى انه مر كلمح البصر
ایسی خواہش جس میں سوائے اس بات کے کوئی عیب نہیں کہ وہ پلک جھپکنے کی مقدار رہ کر گزر گئی۔

حين لذ النوم منا، أو كما هاجم الصبح نجوم الحرس
جس وقت نیند خوب گہری تھی یا جس طرح صبح نے رات کے ستاروں کو غائب کر دیا۔

غارت الشهب بنا، أو ربما أثرت فينا عيون النرجس
ستارے غروب ہو گئے یا کبھی نرگس پھول نے ہم پر اثرات ڈالے۔

أی شيء لامرىء قد خلصا فيكون الروض قد كنن فيه
ایسی کون سی چیز ہے جو کسی کے لیے خاص ہو اور باغ میں چھپائی گئی ہو۔

تنهب الأزهار فيه الفرصا أمنت من مكره ما تتقيه
جس میں کلیاں فرصت کے مواقع ڈھونڈتی ہوں اور ان ناپسندیدہ چیزوں سے مامون ہو جاتی ہوں جن کا انہیں ڈر رہتا ہے۔

فإذا الماء تناجی والحصا وخلا كل خليل بأخيه
پھر یکایک پانی اور کنکریوں سے سرگوشی کرنے لگیں اور ہر دوست اپنے دوست کے ساتھ خلوت نشین ہوا۔

تبصر الورد غيوراً برما يكتسي من غيظه ما يكتسي

تو گلاب کے پھولوں کو غیرت اور تنگ دلی میں دیکھے گا اور اس حال میں کہ وہ انتہائی غصے میں ہے۔

وترى الآس لبيبا فهما يسرق السمع بأذني فرس

تو آس (درخت کا نام) کو بہت سمجھ دار پائے گا جو فرس کے کانوں کے ذریعے چوری چھپے سنتا ہے۔

يا أهيل الحي من وادى الغضا وبقلبي سكنٌ أنتم به

اے وادی غضا کے رہنے والو! تم میرے دل میں رہتے ہو۔

ضاق من وجدى بكم رحب الفضا لا أبالي شرقه من غربه

تمہارے غم میں ماحول کی کشادگی تنگ ہوگئی۔ نہ مجھے مشرق کا خیال ہے نہ مغرب کا۔

فأعيدوا عهد أنس قد مضى تعتقوا عانيكم من كربه

انس و محبت کا وہ زمانہ جو گزر چکا ہے اسے لوٹا دو اور اپنی محبت میں گرفتار قیدی کو اس کے غم سے آزاد کرو۔

واتقوا الله واحيوا مغرماً يتلاشى نفسا في نفس

اللہ سے ڈرو اور وہ محبت کرنے والا جو آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے، اسے زندگی بخشو۔

حبس القلب عليكم كرما أفترضون عفاء الحبس

اپنی شرافت کی وجہ سے اس نے اپنا دل تمہارے لیے فارغ کر رکھا ہے۔ کیا تم اپنے قیدیوں کو مٹا دینے پر راضی ہو۔

وبقلبي منكم مقترب بأحاديث المنى، وهو بعيد

میرا دل خواہشات کے ذریعے تمہارے دل کے قریب ہے حالانکہ وہ بہت دور ہے۔

قمر أطلع منه المغرب شقوة المغرى به وهو سعيد

ایسا چاند ہے جسے مغرب نے عشق والے کی رسوائی اور بدبختی کے لیے نکالا ہے حالانکہ وہ نیک بخت ہے۔

قد تساوى محسن أو مذنب في هواه بين وعد ووعيد

اس کی محبت میں نیکی کرنے والا اور گناہ گار بوجہ وعدے اور وعید برابر ہو چکے ہیں۔

ساحر المقلة معسول اللمى حال في النفس محال النفس

اس کی آنکھوں میں جادو ہے اور ہونٹوں پر شہد ہے وہ جان میں اس طرح گھومتا ہے جس طرح سانس گھومتی ہے۔

سدد السهم وسمى ورمى ففؤادى نهبة المفترس

اس نے تیر کو سیدھا کیا اور بسم اللہ پڑھی اور چلا دیا پھر میرا دل لوٹے ہوئے مال کی مانند ہو گیا۔

إن يكن جار وخاب الأمل وفؤاد الصب بالشوق يذوب

اگر اس نے ظلم و زیادتی کی اور نامرادی ہوئی اور محبّ کا دل شوق سے پگھلتا رہا۔

فهو للنفس حبیب أول ليس في الحب لمحبوب ذنوب
(تو کوئی بات نہیں) وہ میرا پہلا دوست ومحبوب ہے، محبت میں محبوب کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔

حكم اللفظ نها فاحتكما لم يراقب في ضعاف الأنفس
نظر کے فیصلے کو حاکم بنایا گیا ہے نفوس کی کثرت سے خوف زدہ نہیں ہوا۔

منصف المظلوم ممن ظلما ومحازي البر منها والمسي
مظلوم کو ظالم سے انصاف دلانے والا ہے اور نیکی اور برائی کا بدلہ دینے والا ہے۔

مالقلبي كلما هبت صبا عاده عيد من الشوق جديد
اس نے میرے سینے میں آگ سلگا دی ہے، ایسی آگ جو خشک گھاس میں لگنے کی مانند ہے۔

كان في اللوح له مكتبا قوله: إن عذابي لشديد
اس کی لوح پر اس کی یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ: میرا عذاب بہت سخت ہے۔

جلب الهم له والوصبا فهو للأشجان في جهد جهيد
اس نے میرے دل کو غم اور بیماری دی، چنانچہ وہ زخموں کی وجہ سے بہت مشقت میں ہے۔

لاعج في أضلعي قد أضرما فهي نار في هشيم اليبس
میرے سینے میں اس نے ایسی آگ لگا دی ہے جو خشک گھاس میں پھیلنے والی آگ کی طرح بڑھنے والی ہے۔

لم يدع في مهجتي إلا ذما كبقاء الصبح بعد الغلس
میری روح کو اس نے آخری سانسوں میں چھوڑ دیا ہے جس طرح رات کے بعد صبح کا حال ہوتا ہے۔

اس کے مختصر رسائل میں سے ایک وہ خط بھی ہے جو اس نے ابن خلدون کو لکھا جس سے اس کے شوق اور انشاء پردازی کی عکاسی ہوتی ہے۔ وہ لکھتا ہے: ''شوق کی حالت یہ ہے کہ سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور صبر معلوم نہیں کہاں چلا گیا۔ لیکن مشقت کے بعد آسانی ہے اور مومن اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتا۔ لیکن شہد کی مکھیوں کے ڈنکوں پر صبر کیسے ہوسکتا ہے؟ بلکہ یہ گوشت کو اڑا دینے والی مار ہے اور ماہ و دن کی ٹال مٹولیاں یہاں تک کہ فقر کا غلبہ ہوا۔ کیا آنکھوں کے باوجود اندھوں کی طرح مطمئن ہو جائیں؟ یا ان تمام اشیاء کو بھول جائیں جیسا کہ زاہد اپنے دل سے ان کو نکال دیتا ہے۔ جسم میں ایک ہی ایسا گوشت کا ٹکڑا ہے جو درست ہو تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے تو کیا حال ہوگا جب وہ ٹکڑا اچل بسے۔ جب جدائی ہی موتِ اوّل بن جائے تو آگے کس پر اعتماد کریں۔ فراق کا ارادہ ہی لوگوں کو تھکا دیتا ہے اور شوق کی جلن وسوزش قریب ہے کہ دل کو جلا کر رکھ دے۔

تركتموني بعد تشييعكم أوسع أمر الصبر عصيانا
تم نے مجھے اپنی جدائی کے بعد بے قرار اور پریشان چھوڑ دیا ہے۔

أقرع سني ندما تارة واستميح الدمع أحيانا
کبھی میں شرم سے اپنے دانتوں کو پیٹتا ہوں اور کبھی آنسو بہاتا ہوں۔

عہد فاطمین میں مصر کے اندر علوم، شعر، انشاء پردازی اور فنون

متوکل علی اللہ کے بعد عباسی حکومت زوال کا شکار ہوگئی اور زوال کے بڑے اسباب بد نظمی، سیاست کی خرابی، وزراء کا خود مختار ہو جانا اور رہنماؤں کی باہمی کشمکش تھی۔ گورنروں نے ہر طرف سے اس کی حکومت کو کم کرنا شروع کر دیا۔ باغیوں نے ان کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ فاطمی علوی بھی اس تقسیم شدہ لوٹ مار میں شریک تھے۔ اور اس کی سلطنت میں سے شمالی افریقہ پھر مصر، شام اور حجاز پر قبضہ کرلیا۔

ان کا پہلا خلیفہ عبیداللہ بن محمد قیراون کے علاقے میں ۲۹۶ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد ان کے چوتھے خلیفہ نے اپنے جرنیل اور سکریٹری جوہر عقلی کو ایک لشکر جرار کے ساتھ مصر کی جانب بھیجا۔ چنانچہ اس نے تلوار کے زور پر اس علاقے کو فتح کیا اور سونے کی بنیاد پر یہاں حکومت قائم کی۔ اس نے اس جگہ پر جہاں وہ ٹھہرا تھا، اپنے آقا کے لیے ایک بڑے محل کی بنیاد رکھی اور اللہ کی رضا کے لیے الجامع الازہر قائم کیا۔ اپنی فوج کے مختلف دستے اس نے ان دونوں مقامات کے ارد گرد تقریباً بیس مقامات پر اتارے۔ اور ان پر اینٹوں کی فصیل قائم کی۔ اس طرح قاہرہ شہر کی بنیاد پڑی جسے فاطمی لوگوں نے اپنے لیے دارالخلافہ بنالیا اور یکے بعد دیگرے اس تخت پر اس حکومت کے چودہ خلفاء جلوہ افروز ہوئے جو ۳۵۷ھ سے ۴۶۸ھ تک کا دور تھا۔ یہاں تک کہ صلاح الدین ان پر غالب آ گیا۔

جب سے معز (بادشاہ) مصر میں آیا اس وقت سے مصر خود مختاری، خلافت اور جامع از ہر جیسی نعمتوں سے سرفراز ہوا۔ قاہرہ میں سفید جھنڈے کو لہرایا گیا جو بغداد میں سیاہ جھنڈے اور قرطبہ میں سبز جھنڈے کے مقابلے پر تھا۔ ادب عربی اور اسلامی تہذیب کو ان تین جھنڈوں کے تلے خوب پروان چڑھنے کا موقع ملا۔ مصر میں فاطمی اور اندلس میں اموی یہ دونوں مصر میں عباسی لوگوں سے مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کے طریقے پر چلتے اور سیاست، تہذیب، ادب اور علم وفن میں انہیں کے طریقے اور اصولوں کی پیروی کرتے۔ تو اس زمانے میں انہوں نے کوئی ایسی نئی چیز پیدا نہیں کی جو ان کی طرف منسوب کی جا سکے یا جس پر اعتماد کیا جا سکے سوائے اس تاثیر کے جو آب وہوا، تعلیمی نظام اور اجتماعی نظام کی وجہ سے ہوئی۔ لیکن ان تینوں خطوں کی آپس میں کشمکش کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ لوگ شعراء کو اپنا مقرب بنانے میں، علماء کرام کی حوصلہ افزائی میں اور مکاتب اور مدارس بنانے میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے لگے۔ تو جس طرح رشید اور اس کا بیٹا مامون ایشیاء میں معروف ومشہور ہوئے اسی طرح ناصر اور اس کا بیٹا حکم یورپ میں اور عزیز باللہ اور اس کا بیٹا حاکم افریقہ میں مشہور ہوئے۔ عزیز کو کتابیں جمع کرنے اور درس وتدریس سے بہت شغف تھا یہاں تک کہ اس کے کتب خانے میں جس کو اس نے اپنے محل میں تعمیر کیا تھا، دس لاکھ کے قریب کتابیں تھیں جو مختلف موضوعات پر تھیں۔ مثلاً فقہ، نحو، حدیث، تاریخ اور دوسرے علوم وغیرہ۔ مصر میں علم وادب کی ترویج میں اس کے وزیر یعقوب بن کلس کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اس کے گھر میں ادباء، شعراء، فقہاء اور پیشہ ور لوگ جمع رہتے وہ ان کی مدد کرتا اور وہ ہر جمعہ لوگوں میں اپنی تالیف شدہ کتابوں کا درس دیتا جو قراءۃ اور فقہ کے

موضوع پر تھیں۔ حاکم باللہ نے بیت الحکمۃ کی طرز پر جسے مامون نے بغداد میں تعمیر کیا تھا، ایک کتب خانہ تعمیر کروایا جس کا نام دار الحکمۃ رکھا یہاں ادباء، علماء، اطباء اور فقہاء کو بلوایا اور ان کے وظائف مقرر کیے اور وہاں عام لوگوں کو جانے کی بھی اجازت تھی۔ چنانچہ یہاں کثرت سے مناظرے ہونے لگے اور مختلف عنوانات پر بحثیں ہوتیں۔ حاکم خود ان میں شرکت کرتا اور تائید کرتا اور جو فیصلہ ہوتا اس کو جاری کرتا جس طرح مامون نے کیا۔ فاطمی قوم نے عربی زبان اور ادب میں اس قدر اہتمام کیا کہ دفتری معاملات میں انشاء کی تصحیح کے لیے اساتذہ مقرر کیے جو مضامین لکھنے والوں کی غلطیوں کو درست کرتے تھے، اور جو لوگ بالکل انشاء پردازی سے عاجز آ چکے تھے، ان کی راہ نمائی فرماتے۔ ان اساتذہ میں ابن بابشاذ المتوفی ۴۶۹ھ اور ابن جری المتوفی ۵۸۲ھ شامل ہیں۔ عزیز باللہ کی خلافت کے زمانے میں جامعہ ازہر کی علمی کرنیں دور دور تک پھیلنے لگیں۔ یہ وہ دور تھا جب عزیز نے اپنے وزیر یعقوب کو حکم دیا کہ وہ جس قدر ہو سکے فقہاء کو جمع کرے اور وہ مذہب شیعہ اور دعویٰ خلافت کی تائید کریں اور اس بات کا بھی حکم دیا کہ ان (فقہاء) کے لیے وظائف مقرر کیے جائیں اور ان کے لیے رہائش کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ یہ علماء وفقہاء درس تدریس کو چھوڑ کر مناظروں اور مباحثوں میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ جامع ازہر ایک بڑی علمی درس گاہ بن گئی۔ معز (بادشاہ) کے دور میں قاہرہ اپنی تہذیب وتمدن کے عروج پر تھا اور یہ پانچویں صدی کے وسط کی بات ہے۔ آبادی بہت بڑھ چکی تھی۔ علم ادب اور دیگر فنون کے ماہر لوگ یہاں بکثرت پائے جانے لگے۔ پچھلی قوموں کی تحقیقات اور ان کے علوم یہاں جمع ہو گئے۔ خلفاء، امراء اور وزراء کی پسند کے مطابق دلکش مناظر، عمارتیں، بہترین محلات، عجیب قسم کے قبے اور انوکھی دیواروں کا آرائشی کام ہو رہا تھا۔

اس کے بعد مصر کے ماہر فن کار بہترین نقش ونگار اور رنگا رنگ پچی کاری سے مزین کرتے تھے۔ پھر رنگ دار شیشوں سے اسے مزین کرنا، مرمر اور خوبصورت کاشانی کی ٹائلوں سے فرش بنانا اور چوپڑ کا کام، یہ تمام ایسے کام تھے جن کی وجہ قاہرہ بغداد اور قرطبہ کا مدمقابل بن چکا تھا۔ یہ تمام کام ساتویں صدی کے آخر اور آٹھویں صدی کے اوائل میں فن تعمیر اور پچی کاری کا بہترین نمونہ تھے۔ فاطمی خلفاء کے اسراف، خزانوں کا جواہرات اور نوادرات سے بھرنا اور اسلحہ وکتب کی کثرت کے بارے میں جو سنا گیا اس کی مثال اسلامی دور حکومت میں نہیں ملتی۔ اسی طرح جس اہتمام سے قاہرہ کے خلفاء میلوں اور عیدوں کو منایا کرتے تھے اس کی نظیر بھی اسلامی دور میں نہیں ملتی۔ شعر وشاعری کا ان مجالس میں بہت رواج تھا۔ اس بارے میں شعراء کے مقابلے ہوتے۔ چنانچہ اسی حکومت کے آخری دور میں یہاں مصری شعراء کی ایک جماعت تھی جو صنعت بدیع اور الفاظ کی بناوٹ میں بغداد کے آخری دور کے شعراء کے اسلوب کو اختیار کیے ہوئے تھی۔ اسی طرز کو یہاں کے نثر پردازوں نے اختیار کیا۔ اس بارے میں یہ بات کافی ہے کہ قاضی فاضل نے جو کہ ادب عربی کے چوتھے امام تھے، اسکندریہ میں قاضی ابن حدید کے دفتر میں ادب عربی کا فن سیکھا اور قاہرہ میں ظافر کے دفتر میں کتابت پر ملازم رکھے گئے۔ اس کے بعد صلاح الدین ایوبی کا وزیر بنا۔ اس کا طریقہ وہی تھا جو مصر میں اس زمانے میں عام تھا۔ اس بارے میں ہم نثر پردازی کے عنوان کے تحت اور اس ادیب کے حالات زندگی کے تحت بیان کر چکے ہیں۔ جو عربی کتاب کے صفحہ ۱۶۳ اور صفحہ ۲۲۹ پر موجود ہیں وہاں دیکھ لیا جائے۔

مصر میں شعراء

دریائے نیل کی سرسبز وشاداب وادی میں درج ذیل شعراء نے شہرت حاصل کی:

① ابوعلی تمیم بن خلیفہ المعزلدین اللہ فاطمی متوفی ۳۷۵ھ، یہ اپنی غزلیات، عمر بن ابی ربیعہ سے ملتی جلتی سوال جواب پر مشتمل شاعری، مضبوط اسلوب اور باریک تراکیب کی وجہ سے شہرت حاصل کر چکا تھا، صاحب الیتیمہ نے ان کی شاعری سے عمدہ انتخاب کر کے اپنی کتاب کے پہلے جزء ص ۳۴۷ پر ذکر کی ہے اور ان میں ایک دیوان بھی ہے جو چھپ چکا ہے۔

② ابن وکیع جن کا لقب عاطس ہے۔ دمیاط کے قریب ایک بستی میں پیدا ہوئے اور ۳۹۴ھ میں وہیں وفات پائی۔ وہ اپنے معانی میں جدت پیدا کرنے اور ہر بات کو احسن انداز سے بیان کرنے میں مشہور ومعروف تھے۔

③ ابوالفتوح نصر اللہ بن قلاقس الاسکندری جن کا لقب قاضی اعز تھا۔ اخیر عمر میں یمن کی طرف چلے گئے اور وہاں کے حکام کی مدح وتعریف کی جس کی وجہ سے انھوں نے انعامات سے نوازا اور یہ خوشحال ہو گئے، لیکن جس کشتی میں یہ اپنے سامان کے ساتھ مصر آ رہے تھے، وہ دھلک مقام کے قریب ڈوب گئی اور یہ خالی ہاتھ مصر پہنچے۔ پھر سلی چلے گئے اور وہاں سے واپسی پر بمقام میذاب ۵۶۷ھ میں انتقال ہوا۔

④ ہبۃ اللہ بن سناء الملک جن کا لقب قاضی سعید تھا۔ ان کا شمار خوش قسمت شاعروں اور چند گنے چنے رئیسوں میں ہوتا تھا، ان کے تعلقات قاضی فاضل اور عماد ادیب کے ساتھ قائم ہو گئے۔ وہ اپنی صلاحیت وقابلیت کی بنا پر مال و دولت اور بلند مرتبہ کو پہنچ گئے۔ اس زمانے میں مصر میں شعراء کی ایک جماعت تھی جو ادب کی لائن میں بہت آگے تھے۔ یہ لوگ جمع ہو کر شعر وشاعری کا مقابلہ کرتے اور قصہ گوئی کرتے تھے۔ قاضی سعید اس محفل کی جان ہوتے اور صدر کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے موشحات لکھے (موشحات اشعار کی ایک قسم ہے جو خاص اوزان اور قوافی پر نظم کیے جاتے ہیں مگر اس میں ناظم ایک ہی قافیہ کا پابند نہیں ہوتا، مصباح اللغات) اور خوب کمال پیدا کیا۔ مشرق کے شعراء میں یہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے یہ کام کیا۔ ان کا ایک مشہور موشحہ ہے جس کا مطلع یہ ہے:

كللي يا سحب تيجان الربى بالحلى   واجعلي سوارك منعطف الجدول

⑤ جمال الدین بن مطروح یہ اسیوط میں پیدا ہوئے اور قوص میں پرورش پائی۔ پھر سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاں ملازمت اختیار کی۔ اس نے انہیں خزانچی بنا دیا۔ اس کے بعد دمشق کے گورنر کا وزیر بنا دیا۔ پھر ان کی زندگی مختلف پہلو پلٹتی رہی۔ کبھی سفر میں کبھی حضر میں، کبھی خوشنودی اور کبھی ناراضگیوں میں یہاں تک کہ ۶۳۹ھ میں قاہرۃ میں انتقال ہوا۔

⑥ اس کے بعد کمال الدین بن النبیہ جو رقیق غزلیں لکھنے میں معروف تھے۔ ان کے حالات درج ذیل ہیں۔

کمال الدین بن النبیہ (وفات ۶۱۹ھ، ۱۲۲۲ء)

پیدائش وحالات زندگی:

اس عظیم شاعر کے ابتدائی حالات معلوم نہیں۔ اس کی زندگی معمول کے مطابق اطمینان وسکون سے گزری جس طرح وسیع باغ میں بہنے والا نالہ ہوتا ہے جہاں باغ کے پرندوں کے نغموں اور پانی کے بہنے کی آواز کے سوا کچھ سنائی نہیں دیتا۔ وہ خود سیاسی جنگ میں شریک نہیں ہوا جو اس کے اردگرد بڑھ رہی تھی۔ بنی ایوب کی مدح سرائی کرتا اور اسی پر اکتفاء کرتا۔ یہاں تک کہ جزیرا اور خلاط کے بادشاہ الاشرف موسیٰ کے پاس چلا گیا اور اس کا کاتب بن گیا۔ اس ملازمت کے سلسلے میں نصیبین میں رہنے لگا حتی کہ ۶۱۹ھ میں وفات پائی۔

شاعری:

ابن النبیہ ایک فی البدیہہ شعر کہنے والا شاعر تھا، نہایت خوش کلام، رواں اسلوب اور فطرتی طور پر بدیع نگار تھا۔ وہ الفاظ کے حسن کو تلاش کر کے لاتا اور اس کے لیے خوب جان لگاتا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے لفظی حسن کی تلاش میں بہت زیادہ مشقت نہیں اٹھائی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے فن میں خوب ماہر تھا۔ اس سے پہلے ایسا شاعر نہیں ملتا جو بدیع نگاری میں اس قدر مشقت اٹھاتا ہو، اور اس حد تک زیادتی اختیار کرتا ہو۔ پھر وہ تجھے مجبور کر دے کہ تو اس کی تعریف کرے اور اس کی شاعری کو پسند کرے۔ اور یہ اس لیے ہے کہ اس کا اسلوب مضبوط، حیات بخش، کثیر التنوع اور خوش نما روشن رنگوں سے بھرا پڑا تھا۔ وہ اپنے فن کی کمزوریوں پر اپنی مضبوط اور جان دار طبیعت کی وجہ سے غالب ہو جاتا۔ مثلاً اس کے تعریف آمیز اشعار درج ذیل ہیں۔

فحريق جمرة سيفه للمعتدي ورحيق خمرة سيبه للمعتفي

میرے ممدوح کی تلوار سرکشی کرنے والوں کے لیے آگ وانگارہ ہے اور بخشش کے طلب گار کے لیے اس کی بخشش خالص شراب ہے۔

يا بدرا! تزعم أن تقاس بوجهه وعلى جبينك كلفة المتكلف؟

اے چودھویں کے چاند! کیا تیرا یہ گمان ہے کہ تو اس جیسا ہے حالانکہ تیرے چہرے پر چھائیاں ہیں۔

يا غيم! تطمع أن تكون ككفه كلا وأنت من الجهام المخلف

اے بادلو! کیا تم اس جیسی سخاوت کر سکتے ہو۔ بالکل نہیں تم امید دلاتے ہو پھر برستے بھی نہیں ہو۔

اس کے اشعار میں تین اغراض ہوتیں ہیں جنہیں وہ بڑی عمدگی سے لاتا ہے اس زمانے میں بہت کم شاعر اس طرز کو اختیار کرتے ہیں۔ پہلی چیز مدح ہے، اس کے اشعار میں ساری مدح بنی ایوب کے لیے ہوئی سوائے ایک دو قصیدوں کے جو اس نے خلیفہ ناصر عباسی کی تعریف میں کہے۔ دوسری غرض غزل اور تیسری وصف ہے۔ ان دو وصفوں کو وہ اپنے کلام میں مستقل طور پر نہیں لاتا صرف مدح کے مقدمے کے طور پر لاتا ہے۔ مدح میں اس کا پرانا انداز ہے کہ فتح، مدد، لڑائی اور سخاوت کا ذکر کرتا ہے۔ اس کی غزلوں

میں مادی شہوت رانی کا ذکر ہوتا ہے جو ظاہری خوبصورتی سے آگے نہیں بڑھتا مثلاً بالوں کو رات سے اور چہرے کو صبح سے تعبیر کرنا۔ اسی طرح آنکھوں کے جادو، نگاہ کے تیروں اور دانتوں کو موتیوں سے اور ہونٹوں کو یاقوت سے تعبیر کو اختیار کرتا تھا۔ آپ کو اس کی شاعری میں کہیں بھی محبت کا دلی احساس اور جمال نفسانی کا ادراک نظر نہیں آئے گا۔ غالب گمان یہ ہے کہ وہ اشعار صرف شاعری کی حد تک کہتا تھا طبیعت کے فیض اور الہام سے مجبور ہو کر نہیں۔ البتہ اس کی شاعری میں وصف شراب اور شراب نوشوں کی محفل کے متعلق تذکرہ ہوتا ہے۔ بہت کم وہ فطری مناظر کو ذکر کرتا ہے۔

مجموعی طور پر دیکھیں تو ابن النبیہ شیریں بیان شاعر ہے، جدت اور تفنن کو پسند کرتا ہے اور مجاز، تشبیہ اور بدیع کو خوب ذکر کرتا ہے۔ مطالع عمدہ لاتا ہے اور کسی چیز سے گریز کرنا ہو تو احسن انداز سے کرتا ہے۔ اس کا ایک دیوان بیروت اور مصر میں چھپ چکا ہے۔

شاعری کا نمونہ:

بادشاہ ناصر لدین اللہ عباسی کی مدح میں کہے گئے قصیدے کے شروع میں کہتا ہے:

باكرُ صبوحك، أهنى العيش باكرهُ　　فقد ترنم فوق الأيك طائره

تم صبح سویرے اپنی صبح کی شراب پی لو کہ خوشگوارترین زندگی شروع کا وقت ہے۔ پرندوں نے درختوں پر گنگنانا شروع کر دیا ہے۔

والليل تجري الدراري في مجرته　　كالروض تطفو على نهر أزاهره

اور رات کے ستارے اپنی کہکشاں میں چل رہے ہیں۔ یہ رات اس باغ کی طرح ہے جس کی نہر پر پھول پڑے ہوئے ہیں۔

وكوكب الصبح نجاب، على يده　　مخلق تملأ الدنيا بشائره

صبح کا ستارہ روشن ہے جس کے ہاتھ پر تیز خوشبوئیں ہیں جس نے ساری دنیا کو اپنی بشارتوں سے بھر دیا ہے۔

فانهض إلى ذوب ياقوت لها حببٌ　　فهل جناها مع العنقود عاصره

تو اٹھو! اور ارغوانی شراب تو پیو جس پر جھاگ آ رہا ہے شاید اس شراب کے نچوڑنے والوں نے خوشوں سمیت توڑ لیا ہے۔

ساق تكون من صبح ومن غسق　　فابيض خداه وأسودت غدائره

شراب پلانے والا تو یوں لگتا ہے کہ صبح کی روشنی اور رات کے اندھیرے سے بنا ہوا ہے۔ اس کے رخسار گورے اور بال سیاہ ہیں۔

مهفهف القد يندى جسمه ترفاً　　مخصر الخصر عبل الردف وافره

اس کی کمر پتلی ہے اور ناز و نعمت میں پلنے کی وجہ سے جسم نرم اور کولہے بھی پر گوشت ہیں۔

سودٌ سوالفهُ لغس مراشفه، نعسٌ نواظره، خرسن أساوره

اس کی گردن بالوں کی وجہ سے سیاہ ہے ہونٹوں پر سیاہی اور آنکھیں ہلکی نیند سے پر ہیں اور کلائیاں پر گوشت ہیں۔

تعلمت بانة الوادی شمائله   وزوت سحر عینیه جآذره

وادی میں موجود بیہ کے درختوں نے لچکنے کی عادت اس سے حاصل کی ہے اور نیل گائیوں نے اس کی آنکھوں کے جادو اور اس میں موجود جاذبیت کو اپنے اندر باتکلف پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

خذ من زمانك ما أعطاك مغتنما   وأنت ناه لهذا الدهر آمره

جو زمانہ تمہیں دے رہا ہے اس کو غنیمت سمجھو اور لے لو اس حال میں کہ تم ہی اس زمانے کے سردار ہو۔

فالعسعر كالكأس تستحلي أوائله   لكنه ربما محت أواخره

زندگی اس مشروب کی سی ہے جو شروع میں بہت میٹھی اور بعد میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اسے اگل دیا جاتا ہے۔

اس نے الملک اشرف کی تعریف میں ایک قصیدہ کہا جس کے مطلع میں کہتا ہے:

أفديه إن حفظ الهوى أو ضيعا   ملك الفؤاد فما عسى أن اصنعا

میں اس پر اپنی جان قربان کر دوں وہ چاہے محبت کا خیال رکھے یا نہ وہ میرے دل کا مالک ہے اب میں کیا کروں؟

من لم يذق ظلم الحبيب كظلمه   حلواً فقد جهل المحبة وادعى

جو اپنے حبیب کے ظلم کے ساتھ ویسا احساس نہ رکھے جو اس کی محبت کے ساتھ رکھتا ہے تو وہ محبت سے ناواقف ہے اور دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

يا أيها الوجه الجميل تدارك الصـ   ـبر الجميل فقد عفى و تضعضعا

اے خوبصورت چہرے صبر کر کیونکہ وہ ختم ہو گیا ہے اور نڈھال ہو چکا ہے۔

هل في فؤادك رحمة لمتيم   ضمت جوانحه فؤاد موجعا؟

کیا تیرے دل میں اس شخص کے لیے جو محبت میں قید ہے اور جس کے پہلو میں درد بھرا دل ہے، رحمت اور نرم گوشہ ہے؟

اس کے بعض قصیدوں میں غزلیہ کلام:

اجفانه شرك القلوب كانما   هاروت أودعها فنون فنونه

اس کی آنکھیں دلوں کو پھنسا لینے والی ہیں ایسا لگتا ہے کہ ہاروت نے اپنے جادو کا علم ان میں ڈال دیا ہے۔

ياقوتة متبسم عن لؤلؤ   خجلت عقود الدر من مكنونه

اس کے ہونٹ یاقوت ہیں اور مسکراتے وقت ایسا لگتا ہے موتی گر رہے ہیں اور یہ ایسے موتی ہیں جن کے سامنے ہار کے موتی بھی ماند پڑ گئے ہیں۔

ساق صحيفة خده ما سودت   عبثا بلام عذراه و بنونه

لبا ساقی ہے کہ اس کے چہرے پر سیاہ زلفیں بغیر کسی سہارے کے کھڑی نہیں ہیں۔

جمد الذی بیمینه فی خده　　وجری الذی فی خده بیمینه

جو اس کے ہاتھ میں ہے وہ اس کے چہرے پر نہیں جما اور جو اس کے چہرے پر ہے وہ ہاتھ میں جاری نہیں ہوا۔

طاب الربیع كأنما عجن الصبا　　كافور مزنته بعنبر طيبه

موسم بہار بہت اچھا معلوم ہو رہا ہے جیسے کہ صبا (ہوا) نے اپنے بادلوں کے کافور سے عنبر کی مٹی گوندھی۔

و تفضضت أزهاره و تذهبت　　فكأنها طاووس فی تلوینه

اس کے پھول اس طرح کھلے ہوئے ہیں کہ جیسے وہ رنگوں میں طاؤس ہے۔

اس کی ایک اور غزل میں سے کچھ اشعار:

امانا ایها القمر المطل!　　فمن جفنیك أسیاف تسلُّ

اے جھانک کر دیکھنے والے چاند! امن عطا کرو۔ تمہاری آنکھیں ننگی تلواریں ہیں۔

یزید جمال وجهك كل یوم　　ولی جسد یذوب و یضمحل

ہر روز تمہارے چہرے کی خوبصورتی بڑھتی جاتی ہے اور میرا بدن غم میں پریشان ہے اور گھل رہا ہے۔

وما عرف السقام طریق جسمی　　ولكن دل من أهوی یدل

میرا جسم بیمار نہیں ہوتا تھا لیکن تمہاری محبت نے ان کو میرے دل کا راستہ بتا دیا ہے۔

یمیل بطرفه الترکی عنی　　صدقتم إن ضیق العین بخل

وہ اپنی ترشی نگاہوں کے ذریعے مجھ سے اعراض کرتا ہے۔ سچ کہا کسی نے کہ چھوٹی آنکھیں بخل کی علامت ہیں۔

إذا نشرت ذوائبه علیه　　تری ماء یرف علیه ظل

جب اس کی زلفیں اس پر بکھر جاتی ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ پانی کو ہر طرف سے سایوں نے ڈھانپ لیا ہے۔

أیا ملك القلوب فتكت فیها　　وفتكك فی الرعیة لا یحل

اے دلوں کے بادشاہ! تم نے دلوں پر ہی حملے شروع کر دیئے حالانکہ اپنی رعایا پر حملے کرنا جائز نہیں۔

قلیل الوصل ینفعها فإن لم　　یصبها وابل منه فطل

(دلوں کا علاج یہ ہے کہ وصال نصیب ہو جائے کہ) تھوڑا سا وصال بھی فائدہ مند ہے اگر تیز موسلا دھار بارش نہ ہو تو ہلکی سی پھوار ہی کافی ہے۔

أدر كأس المدام علی الندامی　　فمن خدیك لی راح ونقل

مجلس والوں پر جام شراب کا دور چلاؤ۔ میرے لیے تو آپ کے رخسار ہی شراب اور نقل (وہ چیز جو شراب کے ساتھ استعمال کی جائے مثلاً پستہ، سیب وغیرہ) ہیں۔

بمنظرك البديع تدل تيها ولي ملك بدولته أدل

تو اپنے خوبصورت چہرے پر مغرور ہوتا ہے اور میں اپنے بادشاہ کی مملکت اور حکومت پر خوش ہوں۔

بادشاہ ناصر باللہ کے بیٹے کی وفات پر اس نے ایک قصیدہ کہا جو مشہور ہوا۔ اس کا مطلع یہ ہے:

الناس للموت كخيل الطراد فالسابل السابق منها الجواد

موت کے لیے لوگوں کی مثال گھڑ دوڑ کے گھوڑوں کی سی ہے ان میں سے بہترین گھوڑا وہ ہوتا ہے جو آگے بڑھنے والا ہو۔

والله لا يدعو إلى داره إلا من استصلح من ذى العباد

اور اللہ تعالیٰ اپنے مہمان خانے میں اپنے بندوں میں سے صرف انہی لوگوں کو بلاتا ہے جو اس کے قابل بھی ہوں۔

والموت نقاد، على كفه جواهر يختار منها الجياد

موت بہت پرکھنے والی ہے اس کی ہتھیلی پر جواہرات ہیں اس میں سے عمدہ کو موت اٹھالیتی ہے۔

لا تصلح الأرواح إلا إذا سرى إلى الأجسام هذا الفساد

روحیں اس وقت تک درست نہیں ہوتیں جب تک کہ جسموں میں ایسی خرابی نہ آئے۔

ابن الفارض (پیدائش ۵۷۶ھ ۱۱۸۱ء، وفات ۶۳۲ھ ۱۲۳۵ء)

پیدائش وحالاتِ زندگی:

ان کا پورا نام ابوحفص عمر بن علی المعروف ابن فارض ہے۔ حماۃ ان کا آبائی علاقہ ہے البتہ ان کی پیدائش ۵۷۶ھ میں قاہرہ میں ہوئی۔ علم دین میں سمجھ بوجھ حاصل کی اور عربی زبان اور ادب پر عبور حاصل کیا یہاں تک کہ اس بارے میں وافر علم حاصل کر چکے تھے۔ پھر ان کے دل میں صوفیہ کے طریقے کی محبت بیٹھ گئی چنانچہ وہ ان کے قدم پر چلنے لگا اور سلوک کے رازوں کو معلوم کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اسی دوران مکہ جانا ہوا اور مقامات مقدسہ کی زیارت کی۔ کافی عرصہ وہیں قیام کیا۔ پھر مصر لوٹ آئے اور عزت سے اپنی بقیہ زندگی بسر کی۔ ان کا انتقال قاہرہ میں ۶۳۲ھ میں ہوا اور سفح المقطم میں دفن کیے گئے۔

صفات:

ابن فارض اگرچہ خوشحال نہ تھا اور تصوف میں غرق رہتا تھا پھر بھی وہ خوبصورت وضع قطع، بہترین لباس، شگفتہ مزاج، لوگوں میں ملنے جلنے والا، باوقار، بہت زیادہ رحم دل اور صاحب ورع شخص تھا۔ جب وہ شہر میں نکلتا تو لوگوں کا ہجوم ہو جاتا لوگ ان سے برکت کی دعا کرواتے۔ جب وہ کسی مجلس میں جاتا تو لوگوں کی زبانیں اس کی ہیبت سے بند ہو جاتیں۔ جب وہ اشعار کہنے کا ارادہ کرتا تو اس پر مدہوشی طاری ہو جاتی جو کبھی کبھی دس دن تک جاری رہتی۔ اس دوران نہ کھاتا نہ پیتا اور نہ کوئی حرکت کرتا جب اس کیفیت سے افاقہ ہوتا تو اپنے اشعار لوگوں کو املاء کروادیتا۔

شاعری:

ایوبیوں کے دور میں اس کی پرورش ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا کہ لوگ دو چیزوں کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ ایک تو تصوف اور تقویٰ کا محرک جو مسلسل لڑائیوں اور قحط و موت کی آفتوں کی وجہ سے تھا۔ اور دوسری چیز فسق اور آوارگی تھی جو اخلاق کے گرنے، نفسانی خواہشات کے غلبے اور منشیات کے عام ہونے کی وجہ سے تھی۔ مصر اور مصر کے علاوہ دوسرے علاقوں کے اشعار میں یہ دو باتیں ہی ہوتیں تھیں۔ یا تو اللہ کو راضی کیا جاتا یا شیطان کو۔ ابن فارض دینی ماحول میں پلا تھا اور صوفیہ کی تربیت میں رہا تھا۔ اس لیے وہ اشعار میں اپنی قوم کا ہی اتباع کرتا۔ صوفیہ کے اشارات اور مقامات کو شاعری میں ذکر کرتا اور شراب کی خوب تعریف کرتا اور غزلیں بہت کہتا تھا اور ان تمام کاموں سے مقصود ذات الٰہی تھی۔ اس طرح چلتے ہوئے وہ عربی میں رمز نگاری کا موجد بنا۔ وہ اشعار کہنے میں بہت مشقت اٹھاتا اور بدیع کے لیے خوب کوشش کرتا۔ تجنیس اور تطبیق کو بہت پسند کرتا تھا۔ اس کی شاعری رقت آمیز اور دو چیزوں پر مشتمل تھی ایک وہ جس سے باطن پسند صوفیا خوش ہوں اور دوسری وہ جس سے ظاہر پسند عاشق مزاج لوگ خوش ہوں۔ اپنی شاعری میں وہ انہیں خصوصیات کی وجہ سے اپنے ہم عصر شاعروں پر فوقیت رکھتا تھا۔ صوفیاء اپنی مجالس میں اسے پڑھتے اور آوارہ لوگ شراب خانوں میں۔ متعدد علماء نے اس کے دیوان کی مختلف تشریحات کیں ہیں جن میں اختلاف بھی ہوا ہے۔ بعضوں نے ظاہری الفاظ کی تشریح کی اور تاویلات کے درپہ نہیں ہوئے مثلاً بورینی کی شرح (المتوفی ۱۰۲۴ھ) اور بعضوں نے صوفیہ کی طرز پر باطنی معانی کے اعتبار سے تشریح کی۔ مثلاً نابلسی (المتوفی ۱۱۴۳ھ)۔

اس کے مشہور اشعار میں دو تائیہ قصیدے ہیں ایک چھوٹا اور دوسرا بڑا۔ پہلے میں چھ سو اشعار ہیں اور دوسرے میں ایک سو تین۔ ان دونوں میں صوفیاء کے تمام اغراض اور اسرار مکمل طور پر مذکور ہیں۔ ان کو صرف وہی آدمی پڑھ سکتا ہے جو صبر کرنے والا اور رموز کو حل کرنے والا ہو۔ بڑے قصیدہ کے مطلع میں کہتا ہے:

نعم بالصبا قلبی صبا لاحبتی فیا حبذا ذاك الشذا حین هبت

جی ہاں میرا دل بادِ صبا کی وجہ سے دوستوں کی طرف جھک گیا ہے۔ جب یہ ہوا چلتی ہے تو کتنا اچھا لگتا ہے۔

تذکرنی العهد القدیم لأنها حدیثة عهد من أهیل مودتی

اور یہ ہوا میرے دل میں پرانے زمانے کی یاد بھڑکاتی ہے کیونکہ وہ ابھی ابھی دوستوں یاروں کے ہاں سے آ رہی ہے۔

اس کے علاوہ باقی اشعار روشن اور واضح ہیں۔ اور ان میں حجاز اور اہل حجاز کا شوق اور وہاں کے پہاڑوں اور وادیوں کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔

شاعری کا نمونہ:

لم أخلُ من حسد علیك فلا تضع سهری بتشییع الخیال المرجف

میں ہر وقت تجھ پر حسد کی وجہ سے بے چین رہتا تھا میرے اس جاگنے کو خوفناک خیال کر کے ضائع مت کر۔

واسأل نجوم اللیل هل زار الکری جفني؟ و کیف یزور من لم یعرف

رات کے ستاروں سے پوچھ لو کیا مجھے نیند آئی ہے؟ اور اس شخص کو نیند کیسے آ سکتی ہے جو اسے جانتا بھی نہیں۔

اعد ذکر من أهوى ولو بملام فإن أحاديث الحبيب مدامی

بار بار میرے محبوب کا ذکر کرو اگر چہ اس میں مجھے ناگواری کا اظہار ہی کیوں نہ ہو۔

كأن عذولی بالوصال مبشری وإن كنت لم أطمع برد سلامی

گویا کہ مجھ پر ملامت کرنے والا مجھے ملاقات کی خوش خبری دے رہا ہے اگر چہ مجھے اپنے محبوب سے سلام کے جواب کی بھی امید نہیں ہے۔

طريح جوى صب جريح جوارح قتيل جفون بالدوام دوامی

میں محبت کی بیماری میں مبتلا مریض ہوں عشق کے زخم سے زخمی ہوں اس کی آنکھوں کا مارا ہوا ہوں جس میں مستقل خون رہتا ہے۔

صحيح عليل فاطلبونی من المنى ففيها كما شاء التحول مقامی

میں صحت مند بھی ہوں اور بیمار بھی، مجھے تنگ دستی اور بدحالی میں ڈھونڈو اور جیسا بیماری و کمزوری چاہتی ہے ویسا ہی میں اس میں رہتا ہوں۔

شراب کے بارے میں اشعار کہے ہیں اور اس میں بہت سے صوفیانہ رموز ذکر کیے ہیں:

شربنا على ذكر الحبيب مدامة سكرنا بها من قبل أن يخلق الكرم

ہم نے محبوب کی یاد میں شراب لی۔ جس کا ہمیں اس وقت سے نشہ ہے جب انگور پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

لها البدر كأس وهي شمس، يديرها هلال، وكم يبدو إذا طلعت نجم

بدر اس کا پیالہ ہے اور وہ سورج ہے جسے چاند گھما رہا ہے۔ اور جب ستارے نکل آتے ہیں اس وقت میں وہ ظہور پذیر ہوتا ہے۔

ولو لا شذاها ما اهتديت لحانها ولو لا سناها ما تصورها الوهم

اگر اس کی خوشبو نہ ہوتی تو میں اس کی دکان (جو شراب بیچنے کے لیے ہے) کی راہ نہ پا سکتا۔ اور اگر اس کی روشنی نہ ہوتی تو کبھی وہ میرے تصور میں بھی نہ آسکتی۔

يقولون لی: صفها فأنت بوصفها خبير، أجل عندی بأوصافها علم

لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تو اس شراب کے اوصاف و احوال بیان کر کیوں کہ تو اسے جانتا ہے (میں کہتا ہوں) ہاں! میرے پاس اس بارے میں وافر علم موجود ہے۔

صفاءٌ ولا ماء، ولطفٌ ولا هواء، ونور و لا نار، وروح ولا جسم

(سنو!) وہ ایک صاف چیز ہے اور پانی نہیں، ایک لطیف شی ہے اور ہوا نہیں، نور ہے آگ نہیں اور روح ہے اور جسم نہیں۔

تقدم كل الكائنات حديثها قديما و لا شكل هناك و لا رسم

جس وقت دنیا میں کوئی شکل و صورت موجود نہیں تھی اس سے پہلے بھی اس کا ذکر موجود تھا۔

وقالوا شربت الإثم، كلا و إنما　　شربت التي في تركها عندي الإثم

لوگ کہتے ہیں کہ تو نے گناہ کا کام کیا۔ میں کہتا ہوں کہ میں نے ایسی شراب پی ہے کہ اگر وہ نہ پیؤں تو گناہ گار ہو جاؤں گا۔

فلا عيش في الدنيا لمن عاش صاحيا　　ومن لم يمت سكرا فاته الحزم

اس شخص کی کیا زندگی ہوگی جو اس کے نشے سے دور رہا ہو اور جو نشہ کی حالت میں نہ مرا ہو تو وہ بے عقل ہے۔

على نفسه فليبك من ضاع عمره　　وليس له فيها نصيب ولا سهم

اس شخص کو اپنے اوپر رونا چاہیے جو اپنی عمر ضائع کر بیٹھا اور اسے پی نہ سکا۔

بہاء الدین زہیر

(پیدائش ۵۸۱ھ ۱۱۸۶ء، وفات ۶۵۶ھ ۱۲۵۸ء)

پیدائش و حالات زندگی:

ابو فضل زہیر بن محمد المہلبی مکہ کے قریب وادی نخلہ میں پیدا ہوا اور مصر منتقل ہو گیا وہاں اس نے فقہ اور ادب کی تعلیم حاصل کی۔ جب وہ جوان ہوا اور علم میں پختہ ہوا اور نظم، نثر اور خط میں مہارت حاصل کی تو الملک الصالح بن الملک الکامل ایوبی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شام اور جزیرہ میں اس کے ساتھ رہا۔ جب اس کا چچا زاد بھائی الملک الناصر والی کرک اس پر غالب آ گیا اور ساری فوج بھی الملک الناصر کے ساتھ جا ملی اور اس نے الملک الصالح کو شکست دے کر قید کر دیا اس وقت بھی بہاء الدین نے بادشاہ کے ساتھ جو وفاداری کا عہد کیا تھا، اس کو نبھایا۔ اور کسی اور کے ہاں نوکری نہیں کی۔ وہ نابلس میں ہی رہا یہاں تک کہ بادشاہ کی قسمت جاگی اور وہ دوبارہ تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے وہ علاقے واپس لے لیے جو مصر میں تھے۔ اس نے بہاء الدین کو دوبارہ اپنی ملازمت پر رکھ لیا۔ بادشاہ اب اس کی وفاداری کا قائل ہو چکا تھا۔ اس نے اسے اپنا خاص وزیر بنا لیا اور اپنے کاموں میں اس سے رائے لیتا اور اس کے مشورے پر عمل کرتا۔ بہاء الدین وزارت کے عہدے پر قائم رہے اس کے بعد وہ اپنے گھر میں ہی رہتے تھے۔ چنانچہ جب قاہرہ میں سقوط بغداد کے سال وباء پھیلی تو یہ بھی اس کے سبب ہلاک ہوئے۔

شاعری:

بہاء الدین نرم خو، رقیق الطبع، رحم دل تھا۔ اس کے کلام میں مٹھاس تھی۔ ان صفات کا اثر اس کے اشعار میں بھی تھا۔ اس کی شاعری اس قدر رقت آمیز، آسان فہم اور اس قدر شیریں ہوتی تھی کہ سننے والا اس جیسی شاعری کہنے کی خواہش رکھتا لیکن اس پر قادر نہ ہوتا۔ اس کی شاعری اس کی طبیعت کا فیضان اور وحی تھی اور اپنے ماحول کی صورت پیش کرتی تھی۔ وہ اپنی شاعری کے اسلوب کو خود تیار کرتا اس میں کسی کی تقلید نہ کرتا۔ اس نے اپنے احساسات کی تعبیر کے لیے مصری زبان اور اسلوب اختیار کیا۔ چنانچہ اس میں کوئی غیر معروف لفظ نہیں ہوتا تھا اور نہ کوئی مشکل جملہ۔ اس کی شاعری میں دریائے نیل جیسی مٹھاس اور اچھال تھی۔ آپ اس میں اس کے ماحول کی جھلک اور خوبصورتی بھی پائیں گے۔ غزل اور عتاب میں بہترین اشعار کہے۔ غزل اور عتاب کے علاوہ دوسرے موضوعات پر زیادہ شاعری نہیں کی۔ بہاء الدین کے معانی میں کوئی جدت اور تخیل نہ تھا۔ بلکہ وہ معروف مروجہ معانی کو ذکر کرتا اور ان معانی کے

لیے آسان الفاظ لاتا۔ اس نے اپنی شاعری میں اپنے روحانی فیض سے ایسی قوت تاثیر پیدا کردی تھی کہ مزید بارونق ہو چکی تھی۔ اس کی شاعری کا مجموعہ طبع بھی ہو چکا ہے اور ملتا بھی ہے۔ ایک انگریزی مستشرق پلمر نے انگریزی نظم میں اس کا ترجمہ کیا اور اسے ۱۸۷۶ء میں کیمبرج سے دو جلدوں میں شائع کیا اور اس پر حواشی بھی لکھے۔

شاعری کا نمونہ:

زمانے کے حوادث کا پروقار انداز میں مقابلہ کرنے والے کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے:

لا تعتب الدهر فی خطب رماك به　　إن استرد فقدما طالما وهبا

زمانہ تجھے جن پریشانیوں میں مبتلا رکھتا ہے، اس میں زمانے کو ملامت مت کر اگر اس نے تجھ سے کچھ لیا ہے تو کتنا عرصہ وہ تجھے دیتا بھی رہا ہے۔

حاسب زمانك فی حالي تصرفه　　تجده أعطاك أضعاف الذی سلبا

نشیب وفراز دونوں حالتوں میں حساب لگاؤ تو دیکھو گے کہ زمانے نے اس سے بہت زیادہ تجھے دیا جتنا کہ تجھ سے لے لیا۔

والله قد جعل الأيام دائرة　　فلا ترى راحة تبقى ولا تعبا

اور اللہ تعالیٰ نے زمانے کو پھرنے والا بنایا ہے تو کبھی کسی کو ہمیشہ راحت یا تنگی میں نہیں دیکھے گا۔

ورأس مالك وهی الروح قد سلمت　　لا تأسفن لشیء بعدها ذهبا

اگر تیرا راس مال یعنی روح سلامت ہے تو پھر کسی چیز کے چلے جانے کا افسوس مت کرو۔

ما كنت أول مفدوح بحادثة　　كذا مضى الدهر لا بدعا ولا عجبا!

تم پہلے آدمی نہیں ہو جو زمانے کی مصیبتوں میں پھنسے ہو۔ زمانہ ہمیشہ سے ایسے ہی چلتا آرہا ہے اس میں کوئی انوکھی اور تعجب خیز بات نہیں۔

فرب مال نما من بعد مرزأة　　أما ترى الشمع القطف ملتهبا؟

بہت سے مال ایسے ہوتے ہیں جو نقصان کے بعد بڑھتے ہیں کیا تو شمع کے موم کو نہیں دیکھتا جو توڑنے کے بعد جلائی جاتی ہے۔

اس کی ایک غزل کے چند اشعار:

خليلی اما هذه فديارهم　　و أما غرامی فهو ماتريان

میرے دوستو! یہ ان کے گھر ہیں اور میرا ان سے عشق تمہارے سامنے ہے۔

خليلی هذا موقف يبعث البكا　　فماذا الذی بالدمع تنتظران؟

میرے دوستو! یہ وہ جگہ ہے جو رونے پر بھڑکاتی ہے اب تم آنسوؤں کے ساتھ کس چیز کے منتظر ہو؟

فإن كنتما لا تسعدانی على الأسى　　قفا ودّعانی ساعة ودعانی

اگر تم میرے غم میں میری مدد نہیں کر سکتے تو رک جاؤ اور کچھ دیر کے لیے مجھے تنہا چھوڑ دو اور مجھ سے جدا ہو جاؤ۔

فيا ويح قلبي بالغرام أطعته! فمالي أراه في السلو عصاني؟

میرے دل پر افسوس ہے کہ میں نے عشق میں اس کی اطاعت کی لیکن اب عشق کو چھوڑنے میں وہ میری نافرمانی کر رہا ہے۔

وإني وإياه كما قال قائل: رفيقك قيسي وأنت يماني

میری اور میرے دل کی حالت کی مثال ایسے ہے جیسے کہ لوگ کہتے ہیں کہ تیرا دوست قیس قبیلہ کا ہے اور تو یمنی ہے۔

ایک اور غزل کے چند اشعار:

إن شكا القلب هجركم مهد الحب عذركم

جب دل تمہارے اعراض کی شکایت کرتا ہے تو محبت تمہارا اعذر قبول کر لیتی ہے۔

لو رأيتم محلكم من فؤادي لسركم

اگر تم میرے دل میں اپنا مرتبہ و مقام دیکھ لو تو بہت خوش ہو۔

قصروا حدة الجفا طول الله عمركم

تم اپنے اعراض اور بے وفائی کی شدت میں کمی کرو اللہ تمہاری عمر لمبی کرے۔

اس کے مزاحیہ اشعار:

لك يا صديقي بغلة ليست تساوي خردلة

اے میرے دوست! تیرے پاس ایک ایسی مادہ خچر ہے جو رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں۔

تمشي فتحسبها العيو ن على الطريق مشكله

جب وہ چلتی ہے تو دیکھنے والے ایسا گمان کرتے ہیں کہ جیسے اس کے پاؤں بندھے ہوئے ہیں (یعنی بُرے انداز میں چلتی ہے)

وتخال مدبرة إذا ما أقبلت مستعجلة

جب وہ اچانک سامنے آئے تو ایسے لگتا ہے جیسے اس کا پچھلا حصہ سامنے آ گیا ہے۔

مقدار خطوتها الطويـ ـلة حين تسرع أنملة

جب وہ تیز چلتی ہے تو اس کا لمبا قدم انگلی کا ایک پورا ہی ہوتا ہے۔

تهتز وهي مكانها فكأنما هي زلزلة

ایک جگہ پر کھڑی ہلتی رہتی ہے جیسے کوئی زلزلہ آ گیا ہو۔

أشبهتها بل أشبهتـ ـك كأن بينكما صله

میں اسے تجھ پر قیاس کرتا ہے بلکہ تجھے اس پر قیاس کرتا ہے کیونکہ تمہارا اس سے تعلق ہے۔

تحكي صفاتك في الثقا لة والمهانة والبله

وہ مصیبتوں، ذلتوں اور بوجھ تلے دبے ہونے میں تیری صفات کو بیان کر رہی ہے۔

الفصل السادس

علوم

ترجمہ وتالیف

بنی امیہ کے دور میں جن علوم کا بیج بویا گیا تھا، عہد عباسیہ میں وہ بڑھا اور پھل دار درخت بن گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں عقلیں جاگ چکیں تھیں اور ذہانت روشن ہو چکی تھی۔ عباسی خاندان کے خلفاء وعلماء نے علوم کو مدون کرنے اور پھیلانے میں خوب انہاک سے کام لیا۔ ان میں سب سے آگے خلیفہ ثانی ابوجعفر منصور تھا۔ اس نے طب اور شریعت کے علوم کے لیے مدارس قائم کیے اور جندیساپور کے چوٹی کا طبیب جرجیس بن بختیشوع کو لے کر آیا اور سریانی، فارسی اور ہند کے علماء کی ایک جماعت کو بھی بلایا جنہوں نے طب اور علم نجوم کی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ انہیں کتابوں میں کتاب السند ہند، فلکیات کے موضوع پر اور ریاضی میں کتاب اقلیدس بھی ہیں۔ ابن مقفع نے اس کے لیے بعض منطق اور ادب کی کتابوں کا ترجمہ کیا۔

پھر خلیفہ ہادی ومہدی کے زمانے میں علم کی یہ اٹھان بیٹھ گئی۔ حتی کہ برامکہ کے تعاون سے خلیفہ رشید نے اسے پھر تقویت دی۔ اور ان علوم کو اپنی وسیع مملکت میں پھیلا دیا۔ اس کے ایوان میں چوٹی کے علماء شامل تھے۔ اس نے یہ طے کر لیا تھا کہ ہر مسجد کے ساتھ ایک علمی درس گاہ بھی بنائی جائے گی۔ وہ جب بھی سفر کرتا تو اپنے ساتھ سو علماء کو رکھتا۔ وہ ہر عالم وفاضل کی عزت کرتا خواہ وہ کسی مذہب کا ہو۔ اس کے سریانی اطباء اور مترجمین میں آل بختیشوع اور آل ماسویہ جیسے عیسائی تھے۔ اس کے زمانے میں طب، کیمیا، نجوم، حیل، الجبراء، نباتات اور حیوانات کے موضوع پر جس قدر کتابیں موجود تھیں، سب کا ترجمہ کر دیا گیا۔

جب مامون خلیفہ بنا جو کہ عرب میں یونانی بریلکس اور رومی اگسٹس کی نظیر تھا، تو یہ علمی اٹھان اپنے عروج کو پہنچ گئے۔ جس کام کو اس کے آباء واجداد نے شروع کیا تھا اس نے اسے تکمیل تک پہنچایا۔ اس نے یونانی، سریانی اور عجمی علماء کو اپنا خاص مقرب بنایا۔ ہر طرف سے حکماء وادباء جن کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہوتا، اس کے پاس آتے رہتے۔ ارمینیا، شام اور مصر میں اپنے سفیروں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ ان علاقوں میں جتنی کتابیں پائیں اس کے پاس بھیجتے رہیں۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً اونٹ جو عبرانی، یونانی اور فارسی کتابوں سے لدے ہوئے ہوتے تھے، بغداد میں داخل ہوتے نظر آتے تھے۔ اس نے رومی بادشاہوں کے ساتھ تعاون کیا اور اس کے صلہ میں ان سے ان کے پاس موجود فلسفے کی کتابیں مانگیں۔ انھوں نے کتابیں اس کی طرف بھیج دیں۔ قسطنطنیہ کے بادشاہ سے صلح کی شرائط میں یہ شرط بھی لگائی کہ وہ اپنے ملک میں موجود نادر کتابوں کو اس کے پاس بھیجے گا۔ جب یہ تمام کتابیں وغیرہ جمع ہو گئیں تو اس نے بہترین مترجمین کا انتخاب کیا۔ انھوں نے ممکنہ حد تک بہتر سے بہتر ترجمہ کیا۔

الغرض صنعت، حرفت اور فنون میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس کا ترجمہ عربی زبان میں نہ کر لیا گیا ہو۔ اس مرحلے کے بعد علماء و خلفاء ان علوم کے درس وتدریس کی طرف متوجہ ہوئے یہاں تک کہ انھوں نے ان علوم کے رموز کو حل کیا اور ان میں موجود خزانوں کو کھولا، ان کی تشریح کی اور تکمیل تک پہنچایا۔ (وہ تحقیق میں اس قدر آگے جا چکے تھے) کہ انھوں نے عرب متقدمین کی غلطیوں کی اصلاح

کی اور یہاں تک کہ خود یونانیوں کی غلطیوں کو بھی درست کیا۔

اس کے بعد انھوں نے علم شریعت کو نہایت بسط سے لکھا۔ زبان کے قواعد مرتب کیے، علم بیان کی بنیاد ڈالی، علم قافیہ اور عروض میں خوب تحقیق کی۔ مشرق و مغرب کے دوسرے بادشاہوں نے عباسی خلفاء کی طرز پر مدارس قائم کیے۔ انھوں نے رصدگاہیں بنائیں اور علماء کی حوصلہ افزائی کی یہاں تک کہ علم کی یہ تحریک اپنے ثمرات و نتائج دینے لگی۔ عربوں نے خوب تحقیق سے کام لیا اور ایسی چیزیں ایجاد کیں جنھیں زمانہ کبھی نہ بھولے گا اور تاریخ ہمیشہ یاد رکھے گی۔

علم کا یہ بازار گرم رہا یہاں تک کہ تاتاریوں کے غلبہ اور ترکیوں کے تسلط کی وجہ سے عربوں میں کمزوری آنا شروع ہوئی۔ بادشاہوں میں اس کی رغبت کم ہوگئی۔ طلب ختم ہوگئی اور کتابیں ختم ہونے لگیں اور علم کا یہ بازار ٹھنڈا ہو گیا۔ لوگوں میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ اس کی تحصیل باطل ہے۔ انھوں نے کتابوں کی شروحات اور خلاصوں پر اکتفاء کرنا شروع کر دیا اور تحقیق کو چھوڑ دیا۔ اور لوگ الفاظ کا خوب اہتمام کرتے لیکن معانی کا اتنا اہتمام نہ ہوتا۔

جب علوم نے دیکھا کہ مشرق میں اس کی قدر دانی نہیں رہی اور لوگ علمی ذوق و شوق میں کمزور ہو چکے ہیں تو اس نے ماتمی لباس پہنا اور مغرب و شام کے راستے یورپ میں ڈیرے لگا لیے۔ اہل مغرب نے کھلے دل سے اس کا استقبال کیا اور وہاں کے بادشاہوں نے عربی علوم کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا جو عربوں نے یونانی علوم کے ساتھ کیا تھا چنانچہ علم کا سایہ مشرق سے سمٹ کر مغرب میں پھیل گیا یہاں تک کہ ترقی کی حالت یہاں تک پہنچ گئی جو ہم دیکھ رہے ہیں۔

ادبی علوم

علم ادب:

بنوامیہ کے دور میں علم ادب کو وہی مقام حاصل تھا جو بنی عباس کے دور میں ملا تھا۔ اور اس کا اہتمام اس لیے زیادہ کیا جاتا تھا کہ لوگوں میں بادیہ نشینی کے اثرات موجود تھے اور لوگ زبان کی فصاحت پر تعریف کرتے اور فخر محسوس کرتے تھے۔ اسی طرح کتاب اللہ کے مشکل مقامات کی تشریح، احادیث نبویہ کے الفاظ عربیہ کی وضاحت، نحوی قواعد پر استشہاد اور زبان کے ملکہ کو حاصل کرنے کے لیے فصیح زبان کے نمونے اور عمدہ شاعری کی ضرورت تھی۔ علم ادب کی تعلیم اس وقت زبانی ہی ہوتی تھی اور سینوں میں محفوظ کی جاتی تھی۔ اور جہاں اس کے ملنے کی امید ہوتی تو اس کے حصول کے لیے لمبے لمبے سفر کیے جاتے تھے۔ جب عباسی خاندان عروج پر آیا اور عربی زبان میں عجمیت سرایت کر گئی اور لسانی غلطیاں عام ہوگئیں تب علماء کی ایک جماعت ادب کے حصول کے لیے خاص طور پر اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ جماعت علماء ''رواۃ'' کے نام سے مشہور ہیں جیسے حماد راویہ (۱۵۶ھ)، خلیل بن احمد (۱۷۵ھ)، خلف احمر (۱۸۰ھ)، ابوعبیدہ (۲۰۹ھ)، ابوزید انصاری (۲۱۵ھ) اور اصمعی (۲۱۶ھ)۔ یہ لوگ عرب کے دیہاتوں میں پھرتے اور لغوی و ادبی معلومات حاصل کرتے اور اسی مقصد کے لیے ان میں گھل مل کر رہتے تھے۔

علم ادب کی تعلیم و تعلم کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ سن کر سینوں میں محفوظ کیا جاتا تھا۔ لیکن جب عربوں میں عجمیت داخل ہونے لگی

اور ان کی حکومت عرب ممالک سے نکل کر دوسرے علاقوں تک پھیل گئی تو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ علم ادب کو مدون کیا جائے۔ چنانچہ علماء اس کی تدوین کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس سلسلے میں ابتدائی کام کرنے والے ابوعبیدۃ اور اصمعی ہیں لیکن جاحظ پہلا آدمی تھا جس نے بکھرے ہوئے ادبی پاروں اور متفرق ادبی روایات کو اپنی دو کتابوں میں جمع کیا ''البیان والتبین'' اور ''کتاب الحیوان''۔ پھر علماء پے در پے کتابیں لکھنا شروع ہو گئے۔ مثلاً المبرد (الکامل کے مصنف)، ابن قتیبہ (ادب الکاتب کے مصنف)، ابن عبدربہ (العقد الفریہ کے مصنف)، ابوعلی القالی (امالی کے مصنف)، ابوالفرج اصبہانی (الاغانی کے مصنف)۔ یہ تمام علماء ہی ادب کے بڑے ماہر تھے اور انہیں کی کتابیں حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی کتابیں عربی ادب کے سرچشمے ہیں۔

ادباء

اصمعی

(پیدائش ۱۲۳ھ، ۷۴۰ء، وفات ۲۱۶ھ، ۸۳۱ء)

حالاتِ زندگی اور علمی مقام:

ابوسعید عبدالملک بن قریب اصمعی ۱۲۳ھ میں ایک ایسے عربی گھرانے میں پیدا ہوا جو انشا پردازی میں مہارت رکھتا تھا۔ اصمعی کی نسبت اس کے دادا اصمع کی طرف ہے۔ بصرہ میں پرورش پائی اور یہاں کے علماء سے عربیت، حدیث اور قراءۃ کا علم حاصل کیا۔ عرب کے فصیح دیہاتی جب بصرہ آتے تو یہ ان سے روایات نقل کرتا اور اکثر اوقات عرب کے دیہاتوں میں رہتا اور دیہاتیوں سے بالمشافہ ملاقات کرتا اور ان کے ساتھ رہتا تھا۔ بسا اوقات اس کا سفر سالوں تک جاری رہتا اسی اثناء میں وہ حج کرتا اور حج پر آئے ہوئے فصیح دیہاتیوں سے ملاقات کرتا۔ چنانچہ اس کے پاس اخبارات اور الفاظ غریبہ ونوادر کا اس قدر ذخیرہ جمع ہو گیا کہ کسی کے پاس اتنا نہ تھا۔ وہ ابوعبیدہ کا ہم عصر تھا اور لغت اور روایت میں اس سے مقابلہ کرتا تھا۔ ابونواس نے ان دونوں کے درمیان مقابلہ کیا۔ ابوعبیدہ کے بارے میں اس نے کہا کہ اگر اس کو موقع ملے تو یہ اولین وآخرین کی باتوں کو مکمل طور پر سنا ڈالے۔ لیکن اصمعی عرب کا بلبل ہے جو اپنے نغمات کے ذریعے ان کو مسحور کر دیتا ہے۔ اصمعی نے اپنا ایک واقعہ سنایا کہ:

> ''میں اور ابوعبیدہ، فضل بن ربیع کے پاس موجود تھے۔ فضل نے مجھ سے کہا کہ گھوڑے پر کتنی کتابیں لکھی ہیں۔ میں نے کہا کہ ایک کتاب۔ پھر اس نے ابوعبیدہ سے یہی سوال کیا اس نے کہا کہ ۵۰ جلدیں۔ فضل نے اسے کہا کہ اس گھوڑے کے پاس جاؤ اور اس کا ہر عضو پکڑ کر اس کا نام لو۔ ابوعبیدہ نے کہا کہ میں کوئی بیطار نہیں ہوں۔ یہ چیز تو میں نے عربوں سے حاصل کی ہے۔ پھر اس نے مجھ سے کہا کہ اصمعی! تم اٹھو اور یہ کام کر دو۔ چنانچہ میں اٹھا اور گھوڑے کی پیشانی سے ابتداء کی اور ہر عضو کو پکڑ پکڑ کر اس کا نام بتاتا اور عربوں نے اس بارے میں جو اشعار کہے ہیں، وہ بھی سناتا۔ اس نے وہ گھوڑا مجھے دے دیا۔ میں جب کبھی ابوعبیدہ کو غصہ دلانا چاہتا تو اس گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے پاس جاتا''۔

یہ واقعہ جہاں ان دونوں ادیبوں کے مابین فرق بیان کرتا ہے اس کے ساتھ اصمعی کی قوت حافظہ پر بھی دلالت کر رہا ہے۔ تو

کوئی انوکھی بات نہیں اگر اصمعی یہ کہے کہ مجھے بارہ ہزار ارجوزے یاد ہیں۔ اصمعی روایت میں ثقہ اور لغت میں مہارت رکھنے میں مشہور ہونے کے ساتھ اشعار کو پرکھنے میں بھی معروف تھا۔ یہ فن اس نے خلف احمر سے حاصل کیا تھا۔ اشعار اور شعراء کے بارے میں بلند آراء رکھتا تھا۔ وہ ظریف تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ نہایت درجہ صاحب ورع اور قرآن وسنت کی تفسیر میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لینے والا تھا۔ جب اس سے قرآن وسنت کے بارے میں کچھ پوچھا جاتا تو وہ کہتا کہ عرب اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں اور میں قرآن و سنت میں اس کی مراد نہیں جانتا۔ خلیفہ ہارون رشید کی وفات تک اس کا مصاحب رہا۔ اس کے بعد جب مامون خلیفہ بنا اور خلق قرآن کا فتنہ برپا ہوا تو اصمعی کو اپنے دین میں حرج کا ڈر ہوا اور گھر سے باہر نہ نکلتا تھا۔ مامون کو خواہش تھی کہ وہ (اصمعی) اس کے پاس آئے لیکن اس نے بڑھاپے اور ضعف کا عذر کر دیا۔ مامون مشکل مسائل کو جمع کرتا اور اس کے پاس بھیج دیتا تا کہ یہ ان کا جواب لکھ دیں۔ کچھ عرصے کے بعد وہ بدشکل گدھے پر سوار نظر آیا تو کسی نے کہا ''خلفاء کے گھوڑوں پر بیٹھنے والا اب اس پر سوار ہوتا ہے''۔ تو اس نے جواب دیا کہ میں اس پر سواری کر لوں اور اپنے دین کی حفاظت کر لوں یہ مجھے پسند ہے کہ گھوڑوں پر سواری کروں اور دین کھو بیٹھوں۔ چنانچہ وہ اس پر قناعت اختیار کر کے زندگی گزارتا رہا اور ۲۱۶ھ میں نوے سال کی عمر پا کر وفات پائی۔

تالیفات:

اصمعی نے تقریباً بیالیس سے زیادہ تصانیف چھوڑیں جن میں اکثر لغت کے بارے میں ہے۔ مثلاً کتاب خلق الانسان، کتاب الاجناس، کتاب الخیل، کتاب النبات، کتاب النوادر، کتاب معانی الشعر اور کتاب الاراجیز۔ ان میں اکثر غیر مطبوعہ ہیں۔

ابوالفرج اصبہانی

(پیدائش ۲۸۴ھ، ۸۹۷ء، وفات ۳۵۶ھ، ۹۶۷ء)

پیدائش وحالاتِ زندگی:

ابوالفرج علی بن حسین مروانی اصبہان میں پیدا ہوا اور بغداد میں پرورش پائی۔ علماء اور رواۃ کے پاس آتا جاتا رہتا۔ اس نے حدیث اور اخبار کی سماعت کی اور انساب واشعار کو روایت کیا۔ علم نجوم، یسیر، بہرہ اور طب میں مہارت اور وسعت نظری پیدا کی۔ چنانچہ اس کا چرچا عام ہو گیا اور لوگوں پر اس کی فضیلت ظاہر ہو گئی۔ مشرق میں مختلف حکومتیں آپس میں لڑتی جھگڑتی رہتیں تھیں۔ چنانچہ اس نے کوشش کی کہ تمام حریفوں تک پہنچے اور ان کو اپنے ادب اور کتابوں سے فائدہ پہنچائے اور ان کے مال سے استفادہ حاصل کرے اور ان کے اثر ورسوخ سے فائدہ حاصل کرے۔ اہل مشرق کے بادشاہوں کی عطائیں اسے کافی نہ تھیں۔ اس نے اندلس میں اموی حکام کے لیے کتابیں لکھنا شروع کر دیں۔ اس صلہ میں وہ اس پر انعام واکرام کرتے۔ وہ علانیہ طور پر شیعیت کی طرف مائل تھا لیکن شیعوں کے لیے تقیہ ومداہنت کرنے میں وہ اموی تھا کیوں کہ وہ ان کے ملک میں پیدا ہوا تھا اور وہیں پرورش پائی تھی اور انہیں کے فضل وکرم سے معروف ہوا تھا۔

لوگوں میں اس سے سب سے زیادہ محبت کرنے والا اور نوازنے والا معز الدولہ بن بویہ کا وزیر، وزیر مہلبی تھا۔ چنانچہ یہ اس

کے پاس چلا گیا اور اس کی مدح کرتا اور اس کے ساتھ مجلس میں حاضر رہتا۔ یہاں تک کہ ۳۰۶ھ میں بمقام بغداد وفات پائی۔ موت سے پہلے اس کے حواس میں خلل پیدا ہو گیا تھا۔

اخلاق اور علمی مرتبہ:

یہ شخص باوجود اس بات کے کہ اس میں ظرافت اور ادبیت پائی جاتی تھی، زبان کا تیز اور منہ پھٹ آدمی تھا۔ یہ چونکہ انساب اور مختلف خاندانوں کے عیوب سے واقف تھا اس لیے بادشاہ اور امراء لوگ اس سے ڈرتے تھے۔ وہ بدتر ہیئت میں رہتا اور میلے کچیلے کپڑے پہنتا نہ ان کو دھوتا تھا اور نہ تبدیل کرتا۔ الوزیر المہلبی باوجود اس بات کے کہ وہ نہایت درجہ مہذب اور خوشحال تھا لیکن وہ اصبہانی کے علم اور حسن کلام کی وجہ سے ان تمام باتوں کو برداشت کرتا۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ اصبہانی مختلف علوم کو جمع کرنے والا، منتخب نظم اور نثر کا راوی، اپنی روایات میں ثقہ اور جو کچھ سنتا تھا اسے پرکھنے والا بھی تھا۔ ابوالفرج طبعاً شاعر نہ تھا۔ وہ تو ایک عمدہ نثر پرداز، قادر مؤلف، بہترین مصنف اور امین راوی تھا۔ اس کے لیے یہ شرف ہی کافی ہے کہ ''الاغانی'' جیسی کتاب تالیف کی۔

کتاب الاغانی:

مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ اپنے موضوع پر ''الاغانی'' جیسی کتاب نہیں لکھی گئی۔ ادب کی ہر کتاب اس سے کم درجہ ہی رکھتی ہے۔ اگر یہ کتاب تالیف نہ کی جاتی تو جاہلیت، اسلام کا ابتدائی عرصہ اور بنوامیہ کے دور کی باتیں ضائع ہو جاتیں۔ اس نے اسے پچاس سال میں تالیف کیا۔ اصبہانی نے اس کتاب کی بنیاد ان سو سُروں پر رکھی جو خلیفہ ہارون رشید کے لیے منتخب کیے گئے تھے اور واثق کے لیے اس میں اضافہ کیا گیا تھا جو اس نے خود اپنے بہترین راگوں سے انتخاب کیے تھے۔ اس نے ان راگوں کے کہنے والوں اور ان کو گانے والوں کے حالات ذکر کیے اور لڑائی، محبت، شعر و مزاح جو جس موضوع کے متعلق تھے انہیں اس کے تحت ذکر کیا، تالیف کے بعد وہ کتاب کو لے کر سیف الدولہ بن حمدان کے پاس گیا۔ اس نے معذرت کے ساتھ ایک ہزار کا انعام عطا کیا۔ صاحب بن عباد جب سفر کرتے تو اپنے ساتھ تیس اونٹوں پر اپنی کتابیں لاد کر لے جاتے تھے لیکن جب اس نے الاغانی کو لے لیا تو اس نے صرف اس پر اکتفاء کیا اور باقیوں سے مستغنی ہو گیا۔ الاغانی کے بہت سے اجزاء ہیں۔ ۱۲۸۵ھ میں ان میں سے بیس اجزاء شائع ہوئے۔ اس کے بعد ایک مستشرق کو یورپ کے کسی کتب خانے میں ایک اور جز ملا۔ اس طرح اکیس اجزاء مکمل ہو گئے۔ ایک اطالوی پروفیسر گویڈے نے اس کتاب کی حروف ابجد کے اعتبار سے ایک طویل فہرست تیار کی اور اسے ۱۹۰۰ء میں لندن سے شائع کیا پھر اس فہرست کو مصر میں عربی زبان میں منتقل کیا گیا اور ۱۳۲۲ھ میں کتاب کے ساتھ شائع کی گئی۔ مصر کے ایک بڑے آدمی کے تعاون سے دارالکتب مصری اس کتاب کو منقح اور مہذب طریقے سے چھاپ رہا ہے۔ ابوالفرج نے الاغانی کا خلاصہ بھی ایک جلد میں لکھا تھا لیکن وہ اس کی دوسری کتابوں کے ساتھ ہی ضائع ہو گیا۔

شاعری کا نمونہ:

وہ الوزیر المہلبی کی مدح میں کہتا ہے:

ولما انتجعنا لائذين بظله أعان وما عنى ومن وما منا

جب ہم اس کے سایے کی پناہ میں اس کے پاس بخشش کے لیے حاضر ہوئے تو اس نے بغیر کسی جھجک کے ہماری مدد کی اور احسان کیے صرف آرزو نہیں دلائی۔

وردنا عليه مقترين فراشنا وردنا حماهُ مجدبين فأخصبنا

ہم اس کے پاس خالی ہاتھ آئے اور قحط زدہ اس کے دربار میں پہنچے تو اس نے ہمیں خوشحال کر دیا۔

اپنے ایک قصیدہ میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے:

فداؤك نفسي، هذا الشتاء علينا بسلطانه قد هجم

میں تجھ پر قربان جاؤں۔ یہ سردی ساری قوت کے ساتھ حملہ آور ہوگئی۔

ولم يبق من نشبي درهم و لا من ثيابي إلا رمم

اور ہمارے پاس کوئی درہم نہیں اور نہ ان بوسیدہ کپڑوں کے علاوہ کوئی اور کپڑے۔

يؤثر فيها نسيم الهواء وتخرقها خافيات الوهم

بادنسیم بھی اس میں مؤثر ہو جاتی ہے اور معمولی سا وہم بھی اس کو پھاڑ دیتا ہے۔

فأنت العماد و نحن العفاة وأنت الرئيس ونحن الخدم

آپ ہی ہمیں سنبھالنے والے ہیں اور ہم احسان کے طلب گار ہیں آپ سردار ہیں اور ہم آپ کے خادم۔

علم النحو

عباسی دور شروع ہوا اور علم نحو مساجد میں پڑھایا جاتا تھا اور کتابوں میں مدون کیا جا رہا تھا۔ اس کے احکام اور ضوابط مرتب کیے گئے۔ بصرہ اور کوفہ کے علماء نے اس میں سیر حاصل کلام کیا اور اس کی تدوین اور ایجاد میں بصریوں کو فضیلت حاصل ہے۔ ان میں ابوالاسود دؤلی ہیں جو اس علم کے موجد، ابن اسحاق حضرمی جو قوانین بیان کرنے والے اور ہارون بن موسیٰ اس کے ضابط ہیں۔ عیسیٰ بن عمر پہلا شخص ہے جس نے اس فن میں کتاب تالیف کی۔ اور سیبویہ صاحب الکتاب اس کے مہذب اور ابواب کی ترتیب بنانے والے ہیں۔ جب یہ علم بصرہ اور گردنواح میں پھیل گیا تب کوفی لوگ بھی اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ انھوں نے اسے بصریوں سے حاصل کیا پھر اس کی تدوین وتشریح کرنے میں بصریوں کا مقابلہ کرنے لگے۔ آپس کا یہ جھگڑا اور کشمکش شدت اختیار کر گئی یہاں تک کہ ہر ایک کا اپنا جداگانہ مذہب بن گیا جس کی ہر ایک تائید اور مدد کرتا تھا۔ آپس میں اختلاف کا مبنیٰ یہ تھا کہ بصری سماع کو مقدم کرتے تھے اور صرف حالت اضطرار میں ہی قیاس کے قائل تھے۔ وہ روایت پر شدت سے عمل کرتے اور صرف خالص فصیح عربوں سے ہی روایات حاصل کرتے کیونکہ ان کا بصرہ میں آنا جانا خوب تھا اور بصرہ کے اردگردان کی کثرت تھی۔ کوفی نبطیوں اور اہل سواد کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے اکثر مسائل میں قیاس پر عمل کرتے تھے اور ان دیہاتیوں سے روایات لینے میں حرج محسوس نہ کرتے تھے جن کی زبان کی

فصاحت پر بصریوں کو اطمینان نہ تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل بصرہ وسیع سمجھ رکھنے والے اور روایت میں ثقہ ہیں۔ لیکن کوفی چونکہ عباسیوں کے زیر سایہ اور بنو ہاشم کی حمایت کرنے والے اور بغداد سے زیادہ قریب تھے اس لیے عباسیوں نے ان کو اہل بصرہ پر ترجیح دینا شروع کر دی۔ نتیجتاً حکومت کے زیر اثر ان کا مذہب تمام اطراف میں پھیل گیا۔ اگر یہ سیاسی غرض نہ ہوتی تو انہیں ایسی شان حاصل نہ ہوتی اور نہ ان کا کوئی قول معتبر اور مرجح قرار دیا جاتا۔ دونوں فریقین میں یہ جھگڑا اپنے عروج کو پہنچ گیا یہاں تک کہ دونوں شہر تباہ ہو گئے اور یہاں کے علماء نے بغداد کی راہ لی۔ چنانچہ ان دونوں مذہبوں کی آمیزش سے ایک نیا مذہب نکلا جو ''مذہب بغدادی'' کہلایا جس طرح علم النحو کے اندلس پہنچنے سے اندلسیوں کا ایک مذہب پیدا ہو گیا تھا۔ چوتھی صدی کا آغاز شروع ہوا تو دونوں مذہبوں کے شہسوار دنیا سے چلے گئے اور ان کے حمایتیوں کی طاقت کمزور ہو گئی اور جھگڑا ختم ہوا اور مؤلفین بصریوں کے مذہب کو پھیلانے اور تشریح کرنے میں مشغول ہوئے اور کوفیوں کے مذہب کو صرف اختلاف کے موقع پر ذکر کرتے۔

پھر اس علم کی تفصیلات بڑھتی گئیں اور یہ پھیلتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ متاخرین کا دور آیا اور انہوں نے تفصیلات کو چھوڑ کر صرف ابتدائی اصول و مبادی پر اقتصار کیا جیسا کہ ابن الملک نے ''التسہیل'' میں اور زمخشری نے ''المفصل'' میں کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ نحوی فلسفیوں کی جماعت آئی جس نے جھگڑوں کو وسعت دی اور الفاظ کی وجوہ کو تبدیل کر دیا، مردہ الفاظ کو زندہ کیا اور صحیح کو شاذ سے خلط کر دیا، اور علل باردہ، تقدیرات فاسدہ اور کمزور اقوال کو ذکر کیا اور علم النحو کو اس حالت تک پہنچا دیا کہ غلطی کرنے والے کو اپنے وہم اور گمان کے مطابق کوئی نہ کوئی دلیل ضرور مل جاتی تھی۔ اب ہم اس کتاب میں اپنے طریقے کے مطابق چار بلند پایہ نحویوں کے حالات ذکر کرتے ہیں جن کا تذکرہ پہلے نہیں ہوا۔

علماء النحو

سیبویہ

(پیدائش ۱۴۸ھ، ۷۶۵ء، وفات ۱۸۰ھ، ۷۹۶ء)

پیدائش وحالات زندگی:

بصریوں کے امام ابو بشر عمرو بن عثمان جن کا لقب سیبویہ (بوئے سیب) ہے، فارس میں پیدا ہوئے اور بصرہ میں پرورش پائی۔ ابتداء میں وہ حدیث اور فقہ کے طالب علم تھے۔ ایک دن وہ حماد بن سلمہ سے احادیث کی املاء لکھ رہے تھے ایک حدیث حماد نے املاء کروائی

لَیْسَ مِنْ اصحابی احدٌ الا مَنْ لَوْ شِئْتُ لا خذت علیه لیس ابا الدرداء.

تو سیبویہ نے کہا کہ ''لیس ابو الدرداء'' ہے۔ حماد نے چلا کر کہا کہ سیبویہ! تم نے غلطی کی یہ تو استثناء ہے۔ تب سیبویہ نے کہا کہ یقیناً اب میں ایسا علم حاصل کروں گا جس کے بعد کوئی میری زبان کی غلطی نہیں نکال سکے گا۔ چنانچہ اس نے علم النحو حاصل کیا اور امام خلیل کی خدمت میں رہا۔ عیسیٰ بن عمر اور یونس سے بھی علم حاصل کیا۔ یہاں تک کہ وہ اس علم میں ماہر ہو گیا اور تمام اصول و فروع کا

احاطہ کرلیا۔ اس کے ساتھ ساتھ شاذ اور قیاسی مسائل بھی اپنے احاطہ علم میں داخل کیے۔ پھر اس نے اپنی مشہور کتاب تالیف کی اور جو کچھ امام خلیل سے حاصل کیا تھا، اس میں جمع کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ مصر کے نحاۃ سے جو علم حاصل کیا تھا اس کو بھی باحوالہ ذکر کیا۔ آخر اس کی یہ کتاب اپنے فن میں یکتا اور صحیح ترین تھی۔ کسی طالب نحو کے لیے اس سے آگے بڑھ کر کوئی مذہب نہیں اور نہ ہی اس سے فائدہ اٹھائے بغیر چارہ کار ہے۔

اس کتاب کو اس قدر وعظمت حاصل ہوئی کہ لوگوں نے اس کا نام ہی ''کتاب'' رکھ دیا۔ چنانچہ نحویوں کے ہاں جب یہ لفظ مطلق بولا جائے تو اس سے سیبویہ ہی کی تصنیف مراد ہوتی ہے۔ مبرد سے جب کوئی یہ کتاب پڑھتا تو وہ اسے کہتا کیا تم نے کبھی سمندر کا سفر کیا ہے، وہ اس قول سے اس کتاب کی تعظیم اور اس کے مشکل ہونے کو بیان کرتا تھا۔ ابوعثمان مازنی کہا کرتا تھا کہ ''جو شخص سیبویہ کے بعد علم النحو میں کوئی بڑی کتاب تالیف کرنا چاہتا ہے تو اسے شرم محسوس کرنی چاہیے''۔ اگر یہ کتاب نہ ہوتی تو سیبویہ کو کوئی نہ جانتا۔

جب سیبویہ نے علم النحو میں اپنی یہ بلندی دیکھی تو اس نے بغداد کا قصد کیا اور برامکہ کے پاس چلا گیا۔ وہاں امام کسائی ان دنوں رشید کے بیٹے امین کو پڑھتا تھا۔ چنانچہ یحییٰ بن خالد نے ایک دن دونوں اماموں کو جمع کیا اور ایک مجلسِ خاص میں ان کا مناظرہ کروایا۔ امام کسائی نے سیبویہ سے ایک سوال یہ پوچھا کہ تو عربوں کے اس قول کے بارے میں کیا کہتا ہے:

''كُنْتُ اَظُنُّ اَنَّ العَقْرَبَ اشد لسعة من الزنبور فاذا هو اياها.

سیبویہ نے کہا کہ یہ لفظ ''فاذا هو هي'' ہے اور نصب جائز نہیں ہے۔ کسائی نے کہا کہ عرب تو اسے رفع اور نصب دونوں طرح پڑھتے ہیں۔ جب یہ اختلاف زور پکڑ گیا تو ایک خالص فصیح اللہجہ عرب دیہاتی کو فیصلے کے لیے مقرر کیا گیا۔ تو اس نے سیبویہ کی بات کو درست قرار دیا۔ لیکن کسائی چونکہ امین کا استاد تھا اور کوفی بھی تھا اور کوفیوں کے ساتھ خلفاء کا اچھا برتاؤ پہلے مذکور ہو چکا ہے، اس لیے امین نے تعصب کی بناء پر کسائی کی طرف داری کی اور اسی وجہ سے دیہاتی بھی اپنے قول سے پھرنے لگا اور کسائی کی بات کی تصدیق کرنے لگا۔ جب سیبویہ نے یہ دھاندلی دیکھی اور اپنی جان کا خطرہ محسوس ہوا تو اس نے بغداد چھوڑ دیا اور غم کی حالت میں شیراز کی ایک بستی میں چلا آیا جو بیضاء کے نام سے مشہور تھی اور ۴۰ سال سے کچھ اوپر عمر پا کر وفات پائی۔

کسائی

(پیدائش ۱۱۹ھ، ۷۳۵ء، وفات ۱۸۹ھ، ۸۰۵ء)

پیدائش وحالاتِ زندگی:

ابوالحسن علی بن حمزہ جن کا لقب کسائی ہے کوفیوں کے امام تھے اور کوفہ میں پیدا ہوئے۔ حمزہ زیات سے قرآن پڑھا اور ایک خاص قراءۃ میں ممتاز ہوئے۔ چنانچہ وہ قراء سبعہ میں شمار ہوئے۔ اسے شاعری سے کوئی دلچسپی اور مہارت نہ تھی۔ یہاں تک کہ کہا جاتا تھا کہ علماء عرب میں کسائی سے زیادہ کوئی شاعری سے جاہل نہیں۔ وہ بوڑھا ہو گیا اور نحو کے علم سے تقریباً ناواقف تھا۔ ایک دفعہ وہ اپنے چند دوستوں کے پاس آیا جو کہ عربیت کے طالب علم تھے۔ کسائی کافی فاصلہ چل کر آیا تھا تو آہ بھرتے ہوئے کہا ''لقد عییت'' اس

کے دوستوں نے کہا کہ تم ہمارے ساتھ رہتے ہو اور کلام میں غلطی کرتے ہو۔ کسائی نے کہا کہ میں نے کیا غلطی کی۔ انھوں نے کہا کہ اگر تو نے تھک جانے کی وجہ سے کہا تو کہہ "اعییتُ" اور اگر تو کسی کام کے کرنے سے عاجز آجائے تو کہہ "عییت"۔ اس پر کسائی نے خفت محسوس کی اور کوفہ کے دو نحویوں معاذ ہراء اور روَاسی کی خدمت میں رہنے لگے اور ان کا سارا علم حاصل کیا۔ بصرہ میں خلیل کے پاس گئے اور اس سے بہت متاثر ہوئے خلیل سے پوچھا کہ آپ نے یہ علم کہاں سے حاصل کیا تو خلیل نے کہا کہ حجاز، نجد اور تہامہ کے دیہاتوں سے۔ چنانچہ کسائی بھی دیہاتوں میں نکل گیا اور مختلف قبائل میں گھومتا رہا اور فصیح عربوں سے کلام کو سنتا یہاں تک کہ اس نے روایت اور لغت کا مکمل علم حاصل کر لیا۔ جب وہ دیہاتوں سے واپس آیا تو خلیفہ مہدی نے اسے اپنے پاس بلا لیا اور اپنا خاص آدمی بنایا۔ پھر رشید نے بڑے ادب کے ساتھ اسے اپنے بیٹے امین کے لیے استاد مقرر کیا، اس کے ہاں کسائی کی بہت قدر و منزلت تھی یہاں تک کہ وہ اور قاضی محمد بن حسن اس کے سامنے دو الگ الگ کرسیوں پر بیٹھتے تھے اور ان دونوں کو اپنے اٹھنے یا بیٹھنے پر احتراماً کھڑے ہونے سے منع کر رکھا تھا۔ یہ دونوں حضرات خلیفہ کے ساتھ رہے یہاں تک کہ خلیفہ ری (شہر کا نام) میں چلا گیا اور یہ دونوں بھی اس کے ساتھ وہاں آگئے۔ دونوں حضرات ایک ہی دن ری کے قریب زنبویہ مقام میں انتقال کر گئے۔ ان کی وفات پر خلیفہ رشید بہت رویا اور کہا کہ "میں نے فقہ اور عربی زبان کو ری میں دفن کر دیا"۔

تالیفات:

کوفہ و بغداد میں عربیت اور قراءۃ کی امامت کسائی پر ختم ہو چکی تھی۔ اس نے ان دونوں علوم میں تقریباً بیس کتابیں لکھیں۔ جن میں کتاب معانی القرآن، کتاب النحو، کتاب النوادر، کتاب الہجاء اور رسالہ فی لحن العامۃ شامل ہیں۔

الفراء

(پیدائش ۱۴۴ھ، ۷۶۱ء، وفات ۲۰۷ھ، ۸۲۲ء)

پیدائش و حالات زندگی:

ابو زکریا یحییٰ بن زیاد فراء کوفہ میں پیدا ہوا اور کسائی سے علم حاصل کیا اور اس سے فراغت کی سند حاصل کی۔ اس نے عرب دیہاتیوں سے بالمشافہ ملاقات کر کے ان سے علم حاصل کیا۔ پھر دوسرے علوم میں پوری توجہ سے منہمک ہوا۔ مثلاً طبعیات، نجوم، عربوں کے واقعات اور عربی شاعری۔ اس طرح وہ اپنے استاد کسائی سے ممتاز ہو گیا۔ وہ معتزلہ کی طرف مائل تھا۔ علم کلام میں بحث مباحثہ کو پسند کرتا تھا لیکن طبعاً اس طرف مائل نہ تھا۔ چنانچہ اس محنت سے اس کے اندر نظر اور ترتیب کا ملکہ اور استنباط و تعلیل کی قوت پیدا ہو گئی۔ کوفیوں میں اس کے علاوہ ایسا کوئی شخص نہ تھا جس نے عربی زبان کی اس قدر خدمت کی ہو۔ ابو العباس ثعلب نے کہا: اگر فراء نہ ہوتا تو عربی زبان نہ ہوتی کیونکہ اس نے اسے حاصل کر کے ضبط کیا اگر وہ نہ ہوتا تو عربی زبان ضائع ہو جاتی۔ ابو بکر انباری نے کہا: اگر کوفہ و بغداد والوں کے لیے کسائی اور فراء کے علاوہ کوئی اور عربی کے علماء نہ ہوں پھر بھی ان کے فخر کے لیے یہ دونوں علماء ہی کافی ہیں۔ جب اس کی شہرت بڑھ گئی تو یہ بغداد چلا گیا وہاں کسائی نے اس کے ٹھہرنے کے لیے ماحول سازی کی اور اپنے مرنے کے

بعد اسے مسند درس پر بٹھایا۔ جب مامون خلیفہ بنا تو یہ اس کے پاس چلا گیا اور وہاں بڑا مرتبہ پایا اور اس کے دو بیٹوں کے لیے علم ادب کا استاد مقرر کیا گیا۔ خلیفہ نے فراء کے سامنے یہ تجویز بھی رکھی کہ وہ علم النحو کے اصولوں کو اور جو کچھ عربی زبان کے بارے سنا ہے، اس کو تالیف کر دے۔ اس نے اس بات کا بھی حکم دیا کہ محل میں اس کے لیے ایک کمرہ بنایا جائے۔ اس کے لیے باندی اور غلام مقرر کیے۔ کاتبوں کی ایک جماعت اس کے پاس بھیجی کہ جو کچھ وہ املاء کرواتا تھا وہ اسے لکھتے رہتے تھے یہاں تک کہ دو سال میں کتاب الحدود کی تصنیف مکمل کی۔ پھر وہ باہر نکلا اور کتاب المعانی کی املاء کروائی، کاتبوں نے اس کتاب کو اپنے پاس چھپا لیا تاکہ وہ لوگوں سے ہر پانچ اوراق کے نقل کرنے پر ایک درہم وصول کریں۔ لوگوں نے فراء سے شکایت کی۔ فراء نے کاتبوں کو سمجھایا لیکن جب وہ باز نہ آئے تو اس نے معانی میں ایک اور کتاب کی املاء شروع کر دی جو پہلی سے زیادہ طویل اور وسیع تھی۔ اس سے کاتب ڈر گئے اور ۱۰ اوراق کو نقل کر کے ایک درہم پر راضی ہو گئے۔

حکومت میں فراء کی قدر منزلت بہت بڑھ گئی تھی۔ یہاں تک کہ جب یہ کہیں جانے کا ارادہ کرتا تو مامون کے دونوں بیٹے اس کے جوتے اٹھانے میں مقابلہ کرتے پھر وہ اس بات پر راضی ہو جاتے کہ ایک ایک جوتا اٹھایا جائے۔ یہ بات مامون کو پہنچی اس نے فراء کو بلایا اور کہا: لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ فراء نے کہا: میں امیر المومنین سے زیادہ کسی کو عزت والا نہیں سمجھتا۔ مامون نے کہا: نہیں بلکہ وہ شخص سب سے زیادہ عزت والا ہے کہ جب وہ اٹھتا ہے تو دو ولی عہد اس کی جوتیاں اٹھانے کے لیے آپس میں لڑتے ہیں۔ فراء نے کہا: اے امیر المومنین! میں نے ان دونوں کو اس سے روکنا چاہا لیکن مجھے ڈر ہوا کہ کہیں ان کے بلند اخلاق اور جذبہ خدمت کو دبا نہ دوں۔ تو مامون نے کہا کہ اگر آپ ان کو اس سے روک دیتے تو مجھے آپ سے شکایت ہوتی۔ اس کام نے ان کے شرف کو کم نہیں کیا بلکہ اس سے ان کی قدر اور بڑھ گئی ہے اور انہوں نے اپنا جوہر دکھایا ہے۔ آدمی چاہے جتنا بڑا ہو جائے اسے تین اشخاص سے بے نیازی نہیں حاکم وقت، والدین اور اساتذہ۔

فراء کی بہت سی تالیفات ہیں جو وہ بغیر کتاب کے اپنی قوت حافظہ کے ذریعے اپنے طلباء کو املاء کرواتا تھا۔ اکثر اوقات بغداد میں رہتا سال کے آخر میں کوفہ چلا جاتا اور ۴۰ دن اپنے اہل وعیال میں گزارتا اور جو کچھ پیسے وغیرہ جمع کرتا تھا، ان پر خرچ کر دیتا۔ یہاں تک کہ ۲۰۷ھ میں انتقال ہوا۔

ابن حاجب

(پیدائش ۵۷۰ھ، ۱۱۷۴ء، وفات ۶۴۶ھ، ۱۲۴۹ء)

پیدائش وحالات زندگی:

ابوعمرو عثمان بن عمر المعروف ابن حاجب مصر میں اسنا مقام میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ کردی تھا اور امیر عز الدین موسک صلاحی کا دربان تھا۔ وہ کم سنی ہی میں قاہرہ آ گیا تھا اور قرآن کی تعلیم میں مشغول ہوا اور اسے حفظ کیا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق دین کا علم حاصل کیا۔ اس نے قراءتوں کو حاصل کیا اور مختلف علوم میں شرکت کی۔ علم عربی اس پر غالب تھا چنانچہ وہ دمشق چلا گیا اور جامع دمشق میں امالی فی النحو پڑھی۔ پھر اسکندریہ واپس آ گیا اور وہاں ۶۴۶ھ میں وفات پائی۔

تالیفات:

اس کی تالیفات میں یہ کتابیں شامل ہیں۔ کافیہ اور شافیہ دو کتابیں نحو میں، ''کتاب المقصد الجلیل فی علم الخلیل'' علم عروض میں، ''الامالی النحویہ'' و ''منتہی السؤال والامل'' علم اصول وجدل میں۔ اور یہ مذہب امام مالک پر ایک مطول کتاب ہے، جسے ابن حاجب نے ایک کتاب میں اختصار سے لکھا ہے جو ''مختصر ابن حاجب'' کے نام سے مشہور ہے۔ ایک اور کتاب ''کتاب جامع الامہات'' فقہ میں تالیف کی۔

علم لغت

جب عربی زبان میں اعراب کی غلطیاں ہونے لگیں تو علماء نے اسے ضبط کرنے کے لیے قوانین کا استنباط کیا۔ لیکن اس سے مکمل فائدہ نہ ہوا اور خامیاں باقی رہیں۔ بلکہ یہ خامیاں الفاظ کی ساخت اور استعمال میں ہونے لگیں۔ انہوں نے کتاب اللہ اور عربی زبان کو بچانے کے لیے الفاظ کو لکھ کر ضبط کرنے کی کوشش کی چنانچہ اس سلسلہ کی ابتداء بعض علماءِ لغت نے چھوٹی چھوٹی کتابوں کی املاء سے کی جو خاص خاص الفاظ کے بارے میں تھیں مثلاً بدن انسانی، اونٹ اور گھوڑوں کی ساخت اور پودوں کے متعلق۔ پھر خلیل بن احمد نے اپنی کتاب ''کتاب العین'' کے ذریعے لغت کو ضبط کرنے اور اسے مدون کرنے کی راہ بتلائی۔ اس نے حروف ہجاء سے مرکب ہونے والے دو حرفی، تین حرفی، چار حرفی اور پانچ حرفی الفاظ کو حسابی ترتیب کے ساتھ شمار کیے جس سے اس کے سامنے مہمل اور مستعمل الفاظ کی تعداد واضح ہوگئی، اور پھر انہیں حروف کے مخارج کے اعتبار سے ترتیب دیا یعنی پہلے حلق سے نکلنے والے حروف پھر وہ جن کا مخرج زبان ہے پھر وہ جن کا مخرج دانت ہیں پھر وہ جو ہونٹوں سے ادا کیے جاتے ہیں اور حروف علت سے ابتداء کی۔ ابوبکر زبیدی (متوفی ۳۷۹ھ) نے ہشام المؤید حاکم اندلس کے لیے خلیل کی اس کتاب کی تلخیص کی۔ اس کی یہ تلخیص اس قدر عام ہوئی کہ اصل پر فضیلت حاصل کر گئی۔ خلیل کی لغت کو لکھے ہوئے سو سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا تھا اور اس کے علاوہ لغت کی کوئی اور کتاب مرتب نہ ہوئی تھی یہاں تک ابوبکر بن درید نے خلیل کی لغت اور اس کے علاوہ دوسری تصانیف کی مدد سے کتاب الجمہرۃ لکھی اور اسے حروف ہجاء کی ترتیب سے مرتب کیا۔ اس کے بعد ازہری آیا اور اس نے خلیل کی ترتیب پر ''کتاب التہذیب'' تصنیف کی۔ پھر اہل مشرق میں سے جوہری نے ''کتاب الصحاح''، اہل اندلس میں سے ابن سیرہ نے ''کتاب المحکم'' اور ابن فارس نے ''کتاب المجمل'' تصنیف کی۔ یہی لغت کی بنیادی کتابیں ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری کتابیں مثلاً عباب، تکملہ، نہایہ، لسان العرب اور قاموس یہ تمام کتابیں انہیں بنیادی کتابوں کے مواد کو جمع کرتی ہیں یا ان کا اختصار ہیں۔

ثعالبی (متوفی ۴۲۹ھ) کی کتاب ''فقہ اللغۃ'' بھی اس قابل ہے کہ اس کا یہاں تذکرہ کیا جائے اور اس کی تعریف کی جائے۔ اس نے الفاظ کی وضع اور استعمال میں فرق بیان کیا اور مترادف اور متقارب معانی ایک باب میں جمع کر دیئے اور ان کے درمیان فرق کو واضح کیا اور انہیں جو فوقیت حاصل تھی اسے بھی بیان کیا۔ اسی طرح علامہ زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) کی کتاب ''اساس البلاغۃ'' کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ اس کتاب میں اس نے الفاظ اور مدلولات کے ان مجازی طریقوں کا ذکر کیا ہے جنہیں عرب استعمال کرتے تھے۔ آپ ضرور ان دونوں کتابوں میں لغت کے خواص کی وضاحت اور عربیت کے اسرار و رموز کی تحقیق پائیں گے۔ اور یہ ایسی تحقیق ہے کہ کوئی ادیب اس سے بے نیاز نہیں اور نہ طالبِ علم کو اس کے بعد کسی چیز کی ضرورت ہے۔

لغویین

خلیل بن احمد

(پیدائش ۱۰۰ھ، ۷۱۸ء، وفات ۱۷۴ھ، ۷۸۶ء)

پیدائش وحالاتِ زندگی:

ابوعبدالرحمٰن خلیل بن احمد فراہیدی بصرہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ اس نے علم نحو، قراءت اور حدیث کا علم علماءِ عربیت اور رواۃ سے حاصل کیا مثلاً ابوعمرو بن علاء اور عیسیٰ بن عمر۔ پھر وہ دیہاتوں میں چلا گیا اور فصیح عربوں کا کلام سنا اور غریب الفاظ کو جمع کیا یہاں تک کہ اس نے لغت میں ایسا بلند مقام حاصل کیا کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ سیبویہ اور ائمہ کی ایک جماعت مثلاً نضر بن شمیل اور مؤرج سدوسی سے علم حاصل کیا۔ وہ ساری زندگی فقر وفاقہ کی حالت میں بصرہ میں ہی رہا اس لیے کہ نہ تو وہ کسی کا احسان اپنے اوپر لینا چاہتا تھا اور نہ خود کو ذلیل کرنا چاہتا تھا یہاں تک کہ سلیمان بن علی نے اپنا ایک قاصد اس کے پاس بھیجا تاکہ اسے اپنے بچے کے لیے استاد مقرر کرے۔ خلیل نے قاسد کو روکھی سوکھی روٹی پیش کی اور کہا کہ کھاؤ میرے پاس اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور جب تک مجھے یہ ملتا رہے گا مجھے سلیمان کے پاس جانے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

یہ عظیم آدمی علم میں پوری طرح منہمک رہا اور علمی تحقیق، تصنیف وتالیف اور پڑھنے پڑھانے میں ہی اپنی جان لگا ڈالی۔ لکھا ہے کہ وہ کہتا تھا کہ میں حساب کا ایک ایسا طریقہ ایجاد کرنا چاہتا ہوں کہ اس کے بعد کوئی سبزی فروش کسی بچی کو بھی دھوکہ نہیں دے پائے گا۔ اسی فکر میں وہ مسجد میں داخل ہوا اچانک مسجد کے ستون سے زوردار ٹکر ہوئی جس سے اس کا بھیجا ہل گیا اور موت واقع ہوئی۔

علمی خدمات:

خلیل قیاس کی درستگی، نحوی تعلیلوں اور اس کے مسائل کے استنباط کرنے میں انتہاء درجے کو پہنچ چکا تھا۔ سیبویہ کی کتاب کا اکثر حصہ اُس سے منقول ہے یا اُس کے تعاون سے منقول ہے۔ وہ موسیقی کو بھی اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے بغیر کوئی اور زبان سیکھے اور بغیر آلات موسیقی کا علم رکھے اس سلسلے میں پہلی کتاب تصنیف کی۔ نغمات پر اس کے غور وفکر اور بصیرت نے علم عروض کی ایجاد پر اس کی مدد کی کیوں کہ نغمات کو ایجاد کرنے اور اجزاء کی تقطیع میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اس نے شعر کے پندرہ اوزان بنائے اور انہیں پانچ دائروں میں تقسیم کیا اور حرکات وسکون کے اعتبار سے انہیں ترتیب دیا۔ وہ اپنی صلاحیتوں کو پوری طرح اس میں کھپاتا تھا یہاں تک کہ اکثر اوقات اپنے حجرے میں رہتا اور اپنی انگلیوں کو ہلاتا رہتا۔ اتفاق سے اس کے بیٹے نے اسے اس حال میں دیکھ لیا اور گمان کیا کہ میرے باپ کو جنون لاحق ہو گیا ہے تو خلیل نے اسے کہا:

لو كنت تعلم ما اقول عذرتني   أو كنت تعلم ما تقول عذلتكا

اگر تو میری بات کو جان لیتا تو مجھے معذور خیال کرتا یا اگر تو یہ جان لیتا کہ تو کیا کہہ رہا ہے تو میں تجھے ملامت کرتا۔

لكن جهلت مقالتي فعذلتني   وعلمت أنك جاهل فعذرتكا

لیکن تو نے میری بات کو نہیں جانا اس لیے تو مجھے ملامت کرتا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ تو جاہل ہے لہٰذا میں تجھے معذور شمار کرتا ہوں۔
خلیل وہ پہلا شخص ہے جس نے عربی کو ضبط کیا اور لغت کو ابتداءً مدون کیا اور عربی رسم الخط کو موجودہ مستعمل شکل بخشی۔

تالیفات:

اس نے خراسان میں ''کتاب العین'' تالیف کی اور سلف کی عادت کے موافق اس پہلے لفظ پر اس نے کتاب کا نام رکھا جس سے اس کی ابتداء ہوئی۔ لیکن اس کے مکمل کرنے سے پہلے خلیل وفات پا گیا۔ اس کتاب کو مکمل کرنے کی بعض شاگردوں نے کوشش کی لیکن وہ اس کے معیار کو نہ پہنچ سکے۔ چنانچہ کتاب مضطرب اور نامکمل رہ گئی۔ اس کے علاوہ اور بھی تصنیفات ہیں کتاب النغم، کتاب العروض، کتاب الشواہد، کتاب النقط والشکل اور کتاب الایقاع۔

ابن درید

(پیدائش ۲۲۳ھ، ۸۳۸ء، وفات ۳۲۱ھ، ۹۳۳ء)

پیدائش وحالاتِ زندگی:

ابوبکر محمد بن حسن بن درید بصرہ میں پیدا ہوا اور وہیں پرورش پائی۔ اور وہاں کے ریاشی اور سجستانی علماء سے علم حاصل کیا۔ پھر زنگیوں کے فتنہ میں بصرہ چھوڑ کر عمان چلا گیا۔ وہاں بارہ سال قیام رہا اور اس دوران وہ دیہاتیوں سے لغت اور شاعری کی معلومات حاصل کرتا رہا۔ پھر بصرہ لوٹ آیا اور بخشش اور عطایا کے حصول کے لیے یہاں سے منتقل ہو کر شاہ ابن میکال اور اس کے بیٹے کے پاس فارس چلا آیا، یہ دونوں فارس کے گورنر تھے۔ ابن درید نے ان کے لیے لغت میں ''کتاب الجمہرۃ'' تالیف کی اور مقصورہ کے ذریعے ان دونوں کی تعریف کی۔ انھوں نے خوش ہو کر اسے بڑا سرکاری عہدہ عطا کیا۔ چنانچہ فارس کے تمام خطوط اس کے مشورہ سے ہی نکلتے تھے اور کوئی معاملہ اس کے دستخط کے بغیر نافذ نہ ہوتا تھا۔ جب ابن میکال اور اس کا بیٹا اپنی وزارت سے برطرف کر دیئے گئے تو یہ خراسان چلے آئے اور ابن درید ۲۸۰ھ میں بغداد چلا گیا۔ وہاں کے وزیر علی بن فرات نے بڑی عزت سے اس کا استقبال کیا اور اس کا اکرام کرتے ہوئے انعامات سے نوازا۔ خلیفہ المقتدر کو جب اس کے علمی مرتبہ کا علم ہوا تو اس نے اس کے لیے ماہانہ ۵۰ دینار وظیفہ مقرر کر دیا تاکہ اسے کمانے کی مشقت نہ ہو۔ اس کے بعد وہ علم وادب کی تحقیق میں یکسوئی سے لگا رہا اور تالیف وتصنیف کے کام میں مشغول رہا یہاں تک کہ فالج میں مبتلا ہو کر ۳۲۱ھ میں وفات پائی۔

حسن اخلاق اور علمی مرتبہ:

ابن درید آلاتِ طرب کا گرویدہ، شراب کا عادی، مال کو جمع کرنے والا اور بے کار کاموں اور ہدیہ وغیرہ میں خرچ کرنے والا تھا۔ یہاں تک کہ ایک سائل نے اس سے سوال کیا۔ اس کے پاس شراب کے ایک مٹکے کے سوا اسے دینے کے لیے کچھ نہ تھا۔ اس کے غلام نے اس پر اعتراض کیا کہ شراب صدقہ کرتے ہو تو اس نے کہا کہ میرے پاس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اور کلام اللہ کی یہ آیت تلاوت کی:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾

''کہ تم نیکی کے کامل درجے کو نہیں پہنچ سکتے یہاں تک کہ اپنا محبوب مال خرچ نہ کرو''۔

پھر اتفاق سے ایسا ہوا کہ اس کے پاس ۱۰ مٹکے شراب کے ہدیہ میں آئے تو اس نے اپنے غلام سے کہا کہ نیکی کا اجر دس گنا ہوتا ہے۔ ہم نے شراب کا ایک مٹکا دیا اور دس ہمارے پاس آ گئے۔

ابن درید لغت، ادب اور انساب میں بلند مقام حاصل کر چکا تھا۔ اور اس میں وہ خلیل ابن احمد کے درجے کو پہنچا ہوا تھا۔ اس نے شاعری میں بڑی مہارت حاصل کی یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ وہ شعراء میں سب سے زیادہ فقیہ اور فقہاء میں سب سے بڑا شاعر تھا۔ اس نے عربوں کے بارے میں چار سو قصے گھڑے اور اس میں روایت اور حکایت کا طرز اختیار کیا اور انشاء پردازی میں حسن پیدا کرنے کی کوشش کی جس سے انشاء پردازی میں اس کی فطری قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ قصے ادب کی کتابوں میں اس طرح سے بکھرے ہوئے ہیں کہ اخبارات اور نوادر جو عربوں سے منقول ہیں، ان سے ان کا فرق مشکل ہے۔ گمان کیا جاتا ہے کہ یہ فن مقامات کا اوّل موجد ہے۔ اس کی ایک نظم ہے جو مضبوط اور خوشگوار ہے جو اس کے اعلیٰ ملکہ اور طبیعت کی جولانی کی خبر دیتی ہے، اس میں بہترین حصہ اس کا مقصورہ ہے۔ جو ۲۲۹ اشعار پر مشتمل ہے جس میں عربوں کے بہت سے واقعات، ضرب الامثال اور حکمتوں کو جمع کیا گیا ہے۔ بہت سے علماء نے اس کی شرح کی ہے اور بہت سے شعراء نے اس کے مقابلے میں مقصورہ لکھے۔ ابن درید اس مقصورہ کے مطلع میں کہتا ہے:

اما ترىٰ رأسى حاكى لونه   طرة صبح تحت أذيال الدجى

اگر تو میرے سر کو دیکھ رہی ہے کہ اس کا رنگ صبح کے اوّل حصہ کے مشابہ ہے جو کہ اندھیروں میں چھپا ہوا ہے۔

واشتعل المبيض فى مسوده   مثل اشتعال النار فى جزل الغضا

اور اس کی سیاہی میں اس کی سفیدی بھڑک اٹھی ہے جس طرح آگ کیکر کی موٹی لکڑیوں میں بھڑکتی ہے۔

اس مقصورہ کے بعض اور اشعار درج ذیل ہیں:

والناس كالنبت فمنه رائق   غض نضير عوده مر الجنى

لوگوں کی مثال پودوں کی سی ہے کہ بعض تو بڑے بھرے اور تر و تازہ نظر آتے ہیں لیکن ان کا پھل کڑوا ہوتا ہے۔

ومنه ما تقتحم العين، فإن   ذقت جناه انساغ عذبا فى اللها

بعض وہ ہوتے ہیں جو حقیر نظر آتے ہیں لیکن اگر تو ان کا پھل چکھے تو وہ بہت میٹھا ہوتا ہے۔

والناس ألف منهم كواحد   وواحد كالألف إن أمر عنى

لوگوں میں بعض ایک ہزار ایک کے برابر ہوتے ہیں بعض وہ ہوتے ہیں کہ وقت آنے پر وہ اکیلے ہی ایک ہزار کے برابر ہوتے ہیں۔

وللفتى من ماله ما قدمت   يداه قبل موته لا ما اقتنى

آدمی کے لیے وہی ہے جو اس نے مرنے سے پہلے آگے بھیج دیا ہو نہ کہ وہ جو جمع کرتا رہا (اور پھر یہیں چھوڑ گیا)۔

وإنما المرء حديث بعده   فكن حديثا حسنا لمن وعى

مرنے کے بعد آدمی ایک کہانی بن جاتا ہے لہٰذا تو ان لوگوں کے لیے جو قصوں کو محفوظ کرتے ہیں، اچھی کہانی بن۔

والللوم للحر مقيم رادع والعبد لا يردعه إلا العصا

سمجھ دار آدمی کے لیے تھوڑی سی ملامت بھی کافی ہے اور غلام کے لیے تو ڈنڈا ہی کام دیتا ہے۔

وآفة العقل الهوى، فمن علا على هواه عقلهُ فقد نجا

اور عقل کو مارنے والی چیز خواہش ہے پس جس کی عقل اس کی خواہش پر غالب آ گئی وہ نجات پا گیا۔

كم من أخ مسخوطة أخلاقه أصفيته الود لخلق مرتضى

کتنے ہی دوست ہیں جن کے اخلاق درست نہیں اور میں اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہوں۔

إذا بلوت السيف محمودا فلا تذممه يوما أن تراه قد نبا

جب تو نے ایک مرتبہ تلوار کو آزما کر اچھا پالیا تو پھر اگر کبھی اس کا نشانہ خطا ہو جائے تو اسے ملامت نہ کر۔

تالیفات:

مقصورہ کے علاوہ اس کی تالیفات یہ ہیں۔ کتاب الجمہرہ فی اللغہ، کتاب الاشتقاق فی اسماء القبائل والعمائر وشعرائھا وفرسانھا، کتاب السحاب والغیث، اخبار الرواہ وغیرہ۔

علم بیان

غالب گمان یہ ہے کہ وہ پہلا شخص جس نے علم بیان میں کلام کیا ابوعبیدہ ہے۔ جس نے اپنی کتاب ''مجاز القرآن'' میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: "طلعها كانه رؤس الشياطين" کے بارے میں سوال کا جواب لکھا کہ اس آیت میں تشبیہ امرء القیس کی تشبیہ کی طرح ہے۔

ايقتلني والمشرفيّ مضاجعي ومسنونة زرق كانياب اغوال

''کیا وہ مجھے قتل کرے گا حالانکہ تیز تلوار میرے پاس ہے اور تیز دھار والی نیلگوں ہے جو کہ بھوتوں کے دانتوں کی طرح ہے''۔

عہد عباسی کا دورِ اوّل ختم ہو گیا اور علم المعانی میں کوئی کتاب مدون نہ کی گئی سوائے ان روایات کے جو بڑے ادیبوں سے بلاغت کی تعریف میں منقول ہیں جو انہوں نے کسی سوال کے جواب میں یا گفتگو کے دوران بیان کیں۔ یہاں تک کہ جاحظ آیا اور اس نے اپنی کتاب ''البیان والتبیین'' میں اس کے بعض موضوعات پر کلام کیا۔ پھر اسی طرز کو قدامہ، ابوبکر بن درید اور ابو ہلال عسکری نے اختیار کیا مگر ان لوگوں نے اگرچہ اس علم میں کلام کیا ہے لیکن ان کی مختصر تحریروں اور عمومی عبارت کی وجہ سے اس علم کے واضعین میں ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس بات کا سہرا عبدالقادر جرجانی (المتوفی ۴۷۱ھ) اور امام ابو یعقوب سکاکی (المتوفی ۶۲۶ھ) کے سر پر ہے۔ جرجانی نے اس کی مباحث ایجاد کیں اور قواعد کی بنیاد رکھی۔ اور سکاکی نے بلوا کر اس کا مکھن نکالا اور معانی کو بیان سے جدا کر کے دو مستقل علم بنا دیئے۔

رہا علم بدیع تو سب سے پہلے اس علم میں عبداللہ بن معتز نے تالیف کی۔ اس نے اس کی سترہ انواع جمع کیں اور اس کے ہم عصر قدامۃ بن جعفر نے بیس انواع گنوائیں جن میں سات وہ تھیں جنہیں عبداللہ بن معتز نے جمع کیا تھا۔ اس کے بعد دوسرے لوگوں نے بھی انہیں کی پیروی کرتے ہوئے مزید انواع کا استخراج کیا یہاں تک کہ خزانۃ الادب جو کہ ابن حجہ حموی متوفی ۸۳۷ھ کی کتاب ہے، اس میں یہ انواع ایک سو بیالیس تک پہنچ گئیں۔

ان فنون میں کبھی کمال پیدا نہ ہو سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جس وقت یہ فنون پیدا ہوئے اس وقت عربوں میں ضعف اور زبان میں عجمیت داخل ہو چکی تھی۔ اہل مشرق ان فنون میں اہل مغرب سے زیادہ پختہ تھے کیونکہ عجمی ان میں دلچسپی لیتے تھے اور ان کی نظر ان میں تیز تھی۔ اہل مغرب نے صرف علم بدیع ہی پر کچھ توجہ دی کیوں کہ اس کے لینے میں آسانی تھی۔ چنانچہ انھوں نے اسے اپنی شاعری میں داخل کیا اور اس کے ابواب اور فروعات کو مرتب کیا۔

تاریخ

اس دور کے آغاز میں عربوں کے ہاں تاریخ کو مدون کرنے کی ابتداء ہوئی۔ اس وقت تاریخ صرف اسی قدر مدون تھی جس قدر دین میں اس کی ضرورت تھی۔ مثلاً مغازی کا علم تاکہ اس کے ذریعے ان اوقات اور جگہوں کی پہچان ہو جہاں آیات اور احادیث وارد ہوئیں۔ اسی طرح فتوحات کا علم تاکہ یہ بات معلوم ہو کہ کون سے علاقے صلح یا جنگ کے بعد فتح ہوئے تاکہ جزیہ اور خراج کا نظام ٹھیک ہو اور طبقات کا علم تاکہ صحابہ و تابعین میں سے شریعت کو روایت کرنے والے اور عربی ادب کی حفاظت کرنے والوں کی پہچان حاصل ہو۔ عرب لوگ تاریخ کو اس طرز پر مدون کرنے میں تمام لوگوں پر سبقت حاصل کرنے والے ہیں۔ اور انساب کا علم تاکہ قریش اشراف اور سادات قبائل کی پہچان ہو سکے۔ ان کے رتبے معلوم کیے جا سکیں اور اس کے مطابق وظائف مقرر ہوں۔ اسی طرح ایام عرب کے بارے میں بھی لکھا گیا تاکہ اشعار کے اسباب کو پہچان کر ان کی اغراض کو سمجھا جا سکے۔ ان موضوعات پر لکھنے والے مشہور تاریخ دان بالترتیب یہ ہیں۔ ابن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ، واقدی متوفی ۲۰۷ھ، ابن سعد متوفی ۲۳۰ھ، کلبی متوفی ۲۰۶ھ اور اصمعی متوفی ۲۱۶ھ۔

جب اقوام عالم کی تاریخ کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا اور عربوں نے اسے دیکھا اور اپنی مخصوص تاریخ کی اب حاجت نہ رہی تو انھوں نے تاریخ کو اور وسیع کر دیا اور مزید کئی موضوعات اس میں داخل کر دیئے چنانچہ عمدۃ المورخین محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی مبسوط تاریخ کی کتاب لکھی جس میں حوادث کو سن وار ترتیب دیا۔ اس کے بعد دوسرے مؤرخین نے بھی اسی طرز کو اپنا لیا۔ اور علمی و ادبی مباحث کو اپنی کتابوں میں داخل کر کے وہ ابن جریر طبری پر فوقیت حاصل کر گئے۔ جیسے کہ ابو زید بلخی المتوفی ۲۲۲ھ "البدء والتاریخ" کے مصنف، مسعودی متوفی ۳۴۶ھ "مروج الذہب" کے مصنف، ابن الندیم متوفی ۳۸۵ھ "الفہرست" کے مصنف، ابن مسکویہ متوفی ۴۲۱ھ "تجارب الامم" کے مصنف۔ اس کے بعد مؤرخین نے تاریخ میں نئی کتاب کی تالیف کی بجائے پہلی مدون کتابوں کے ضمیمے اور حواشی لکھنے شروع کر دیئے۔ چنانچہ ایک جماعت نے ابن جریر طبری کی کتاب پر تکملے اور اضافے لکھ کر اسے ۶۱۶ھ کی تاریخ تک پھیلا دیا۔ اور اس زمانے کے آخری مؤرخ ابوالحسن علی بن اثیر نے ابن جریر طبری کی کتاب اور اس کے ضمیموں اور اضافہ جات کو جمع کر کے تفصیل سے لکھا اور ۶۲۷ھ تک کے واقعات کو جمع کر دیا۔

تاریخ نویسی میں عربوں کا طرز:

تاریخ نویسی میں عربوں کے دو طریقے تھے۔ایک تو یہ کہ سن وار واقعات کو سند کے ساتھ ذکر کرتے خواہ وہ واقعات کسی بھی جگہ واقع ہوئے ہوں۔اس طرز میں واقعات میں کوئی ربط اور اتصال نہ ہوتا تھا۔جیسا کہ ابن جریر طبری، ابن الاثیر جزری اور ابوالفداء نے کیا۔یہ طریقہ پڑھنے والے کی طبیعت پر گراں گزرنے کے باوجود عربوں کے ہاں اصل تھا، جیسا کہ ان کا اس فن کا نام ''تاریخ'' رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے جس کا مطلب ''وقت کی تعیین'' ہے۔ برخلاف یونانیوں کے کہ انہوں نے اس کا نام حکایت اور قصہ رکھا کیونکہ وہ واقعات کو عمدہ اور پرکشش طریقے سے بیان کرتے تھے۔تاریخ نویسی کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ واقعات کو قوموں اور حکومتوں کے ادوار کی ترتیب سے لکھا جائے جیسا کہ مسعودی، ابن الطقطقی، ابن خلدون اور ابن عبری نے کیا۔

باوجود اس بات کے کہ دونوں طریقوں کے مؤرخین اس فن میں بہت کچھ لکھ چکے تھے لیکن پھر بھی وہ اس فن کے صحیح طریقے کو نہ پہنچ سکے اور نہ اس میں کمال پیدا کر سکے،اور اس کی بڑی وجہ وسائل کی کمی اور حکام کی دخل اندازی تھی۔خلفاء جانبداری اور بادشاہوں کی مدارات کی وجہ سے نقد اور تنقید کی راہ اختیار نہ کرتے۔انھوں نے حوادث و واقعات کی صحت کی تحقیق کیے بغیر اور ان کے اسباب و انجام پر نظر رکھے بغیر اندازے سے واقعات کو لکھنا شروع کر دیا۔انھوں نے کسی قوم کے اقتصادی، اجتماعی اور ادبی حالات لکھنے کی بجائے جنگ و فتح، خلفاء کی ولایت اور معزولی اور پیدائش و وفات لکھنے پر اکتفاء کیا۔وہ اس بات کو بھول گئے کہ کسی بھی قوم کے احوال کا تغیر اور میلانات کی تبدیلی اس قوم کی سیاست پر بڑا اثر ڈالتی ہے۔تعجب خیز بات ہے کہ ابن خلدون جو کہ فلسفہ تاریخ میں تمام لوگوں پر سبقت لینے والا ہے، وہ بھی ان بیشتر عیوب سے خالی نہ رہ سکا۔

لیکن اس کمی میں مؤرخین معذور تھے کیونکہ فن تاریخ میں کمال صرف اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب اس کے وسائل مہیا ہوں اور دیگر علوم میں کمال حاصل ہو۔مثلاً علم مسکوکات، علم دستاویزات، علم اقتصادیات، علم اعداد و شمار، علم تنقید، علم آثار قدیمہ۔عرب چونکہ اس تمام سے یا اکثر سے ناواقف تھے اس لیے انھوں نے حوادث کے ظاہر کو دیکھا اور تاریخ کے موجودہ مفہوم تک نہ پہنچ سکے۔

علوم شرعیہ

علم حدیث

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ابو جعفر منصور پہلا آدمی تھا جس نے احادیث کو مدون کرنے کا کام کیا۔اسے ڈر تھا کہ محدثین کے فوت ہو جانے سے یہ علم ضائع ہو جائے گا۔چنانچہ اس نے امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کو ''موطا'' لکھنے کا حکم دیا۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث اور فقہ کا ایک مجموعہ تالیف کیا۔اس کے بعد فقہ میں وسعت اور فضیلت حاصل کرنے کے لیے حدیث کی تحصیل میں علماء میں مقابلہ شروع ہو گیا۔اور بازار میں اس سودے کی مانگ بڑھ گئی اور اس کی روایت پھیل گئی۔اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ محدثین میں بہت سے اہل بدعت اور فرقہ پرست داخل ہو گئے۔انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولا اور راویوں کے بھولے پن سے فائدہ اٹھاتے

ہوئے جھوٹی احادیث اس علم میں داخل کر دیں۔ چنانچہ جھوٹی باتیں بڑھ گئیں اور لوگوں کو حق کی پہچان نہ رہی۔ اسی وجہ سے ائمہ حدیث نے بڑی چستی سے احادیث کی جانچ پڑتال اور کانٹ چھانٹ اور راویوں میں جرح و تعدیل شروع کر دی۔ سب سے پہلے یہ کام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۳۸ھ نے کیا۔ انھوں نے حدیث کو فقہ سے جدا کیا۔ ان کے بعد امام بخاری اور امام مسلم علیہما الرحمۃ تشریف لائے انھوں نے صحیح احادیث کو اپنی کتابوں میں جمع کیا۔ پھر ایک ہی زمانے میں چار کتابیں تالیف کی گئیں جس سے احادیث کی چھ صحیح کتابیں مکمل ہوئیں۔ وہ چار کتابیں بمع مصنفین درج ذیل ہیں:

① ترمذی شریف ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ

② ابو داؤد شریف ابو داؤد سجستانی متوفی ۲۷۵ھ

③ نسائی شریف ابو عبدالرحمٰن نسائی متوفی ۳۰۳ھ

④ سنن ابن ماجہ ابو عبداللہ ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ

تمام لوگوں کا ان چھ کتابوں کی صحت پر اتفاق ہے چنانچہ وہ ان کے ذریعے احادیث کی جمع، تشریح اور تلخیص میں مشغول ہو گئے۔ ان کے بعد جو کتب احادیث تالیف ہوئیں ان کا دار مدار انھیں چھ کتابوں پر ہے اور انھیں کے تابع ہیں۔

محدثین

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

(پیدائش ۱۹۴ھ، ۸۱۰ء، وفات ۲۵۶ھ، ۸۷۰ء)

پیدائش و حالاتِ زندگی:

ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ بخارا میں پیدا ہوئے اور وہیں حالت یتیمی میں پرورش پائی۔ علوم عربیہ میں پختگی پیدا کی اور نو سال کی عمر میں حدیث کا علم حاصل کرنا شروع کیا۔ بلوغت سے پہلے ہی کئی ہزار احادیث یاد کر لیں۔ ۲۱۱ھ میں اپنی والدہ اور بھائی کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ دونوں تو واپس آ گئے اور وہ حدیث کا وسیع علم حاصل کرنے کے لیے وہیں ٹھہر گئے۔ اسی غرض سے انھوں نے مشرق کے بیشتر ممالک کی طرف سفر کیا اور وہاں کے علماء وفقہاء سے احادیث اور فقہ حاصل کی۔ آخر کار قسمت کا چکر انہیں واپس اپنے ملک لے آیا۔ یہاں خلق قرآن کے فتنہ کی آزمائش میں مبتلا ہوئے اور قرآن پاک کے قدیم اور غیر مخلوق ہونے کا فتویٰ دیا۔ چنانچہ اسی پاداش میں بخارا سے جلاوطن کیا گیا اور سمرقند سے تین فرسخ دور ایک بستی میں وفات پائی۔

سولہ سال کی عمر میں بخاری شریف لکھی۔ اس میں نو ہزار حدیث جمع کیں جو کہ چھ لاکھ احادیث سے چھانٹی گئیں تھیں۔ تین ہزار احادیث مختلف اسناد سے مکرر لائی گئیں ہیں۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بخاری شریف تمام کتب احادیث میں صحیح ترین کتاب ہے حتیٰ کہ مسلم شریف سے بھی صحت میں بڑھی ہوئی ہے۔

مسلم بن حجاج

(پیدائش ۲۰۶ھ، ۸۲۰ء، وفات ۲۶۱ھ ۸۷۵ء)

ابوحسین مسلم بن حجاج قشیری ۲۰۶ھ میں پیدا ہوئے اور علم حدیث کے حصول کے لیے حجاز، عراق اور مصر کا سفر کیا۔ بغداد کئی مرتبہ آئے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے علم حاصل کیا اور ان کی دوستی اختیار کی اور ان پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دیتے اور ان کی حمایت کرتے، امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہما سے بھی احادیث حاصل کیں اور تین لاکھ احادیث سے چھانٹ کر صحیح مسلم لکھی۔ صحت اور مرتبہ میں اس کی ثانوی حیثیت ہے۔ پھر نیساپور میں مستقل رہنا شروع کر دیا اور نفع بخش تجارت کی بنا پر خوشحال زندگی گزارتے رہے یہاں تک کہ اللہ کو پیارے ہوئے۔

علم فقہ

شروع اسلام میں ہی یہ علم نشو و نما پانے لگا۔ بنی عباس کے دور میں اس کی تحریر و تدوین ہوئی اور اسی زمانے میں اسے پختگی حاصل ہوئی۔ اس وقت مدینہ منورہ فقہاء و محدثین کا ٹھکانا اور فقہ و حدیث کے طالب علموں کا قبلہ بنا ہوا تھا۔ جب عراق میں عباسیوں کی حکومت مستحکم ہوئی تو وہاں والوں میں علم فقہ پھیلنے لگا اور وہاں فقہاء کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی جس نے احکام شریعت کی تخریج میں حجازی علماء کے طریق سے ہٹ کر ایک دوسری راہ اختیار کی۔ چونکہ فقہاءِ حجاز روایت کے فن میں مہارت اور فن حدیث میں وسعت رکھتے تھے اس لیے انھوں نے احکام شریعت کی بنیاد نصوص کو بنایا۔ چنانچہ جب تک ان کے پاس کوئی روایت موجود ہوتی اس وقت تک وہ قیاس جلی یا خفی کی طرف توجہ نہ کرتے تھے۔ یہی ''اہل حدیث'' کہلاتے ہیں اور ان کے امیر امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ فقہاء عراق روایت میں متشدد ہونے اور احادیث کا ذخیرہ کم ہونے کی وجہ سے نیز اس وجہ سے کہ وہ آریائی نسل تھے، انھوں نے احکام کے استنباط کے لیے قیاس کی راہ اختیار کی۔ یہی ''اصحاب رائے'' کہلائے۔ اور ان کے امیر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ خلیفہ منصور کی سیاست نے اس بات کا تقاضا کیا کہ عراق کو حجاز پر، بغداد کو مدینہ پر اور ایران کو عرب پر فوقیت حاصل ہو۔ چنانچہ اس نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بغداد بلا لیا اور ان کی عزت اور اکرام کیا اور ان کے مذہب کی تائید کی۔ اس وجہ سے عراق، فارس، خراسان، ہندوستان، چین اور ترکی میں حنفی مذہب پھیل گیا اور مالکی مذہب صرف حجاز، مغرب اقصیٰ اور اندلس ہی میں رہا۔ اس کے بعد محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ آئے۔ وہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار تھے۔ عراق کا سفر کیا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب سے قیاسی مسائل حاصل کیے۔ اور دونوں مذہبوں کے مابین ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالنے میں کامیاب ہو گئے۔ مصر کے سفر سے انھیں اپنے مذہب کی تحقیق و تہذیب کا موقع ملا اور وہاں جدید انداز سے اسے مرتب کر کے پھیلا دیا۔ اس کے بعد امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ آئے۔ انھوں نے علم حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اور قیاس بعض احناف سے حاصل کیا اور ایک نیا مذہب بنا لیا جو کہ نجد اور بحرین کے علاقوں میں پھیلا۔ اس مذہب میں سنت کا اہتمام تھا اور فروعی مسائل میں تشدد تھا۔ یہی چار مذاہب ہیں جو کتاب اللہ اور صحیح سنتِ رسول پر قائم ہیں۔ ان کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا اور پورے عالم میں انہی چاروں کی تقلید کی جانے لگی۔

فقہاء کرام

امام ابوحنیفہ نعمان

(پیدائش ۸۰ھ، ۶۹۹ء، وفات ۱۵۰ھ، ۷۶۷ء)

پیدائش وحالاتِ زندگی:

نعمان بن ثابت کوفیوں کے قبیلہ تیم اللہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کے آباء واجداد کابل کے فارسی تھے۔ شروع میں ریشمی کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ پھر علوم دین کی طرف متوجہ ہوئے اور ان لوگوں سے علم حاصل کیا جو بالمشافہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملے اور ان سے روایات نقل کیں۔ وہ علوم میں مہارت کی بدولت ایسے مشہور ہوئے کہ منصور نے انہیں قاضی بنانے کا ارادہ کیا لیکن انھوں نے انکار کردیا اور کہا کہ منصور! اللہ سے ڈرو اور صرف انھیں لوگوں کو یہ عہدہ سپرد کرو جو اللہ سے ڈرتے ہوں۔ مجھے اعتدال کی حالت میں اپنے اوپر اعتماد نہیں ہے تو غضب کی حالت میں کیسے اعتماد کروں۔ منصور نے کہا کہ تو جھوٹ بولتا ہے تو اس کی صلاحیت رکھتا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ آپ نے تو خود ہی میرے بارے میں فیصلہ کردیا۔ آپ کے لیے یہ کیسے ممکن ہوگا کہ ایسے شخص کو قاضی بنائیں جو بڑا جھوٹا ہے۔ لیکن منصور اس پر راضی نہ ہوا اور انھیں جیل میں ڈال دیا، اور اسی قید میں رہ کر یہیں اللہ کو پیارے ہوئے۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ سارا ایک بہانہ بنایا گیا تھا حقیقت یہ تھی کہ امام صاحب کو اس لیے قید کیا گیا کہ وہ علویوں کی طرف مائل تھے۔

اخلاق اور حلیہ:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ درمیانے قد اور گندمی رنگ کے تھے۔ خوش الحان، بلند آواز اور خوش مقال تھے۔ وہ بہت توجہ اور غور کرنے والے، بہت خاموش رہنے والے، قناعت پسند اور غیبت سے دور رہنے والے تھے۔ کبھی اپنے دشمن کا بھی برا تذکرہ نہ کرتے۔

علم وادب:

امام صاحب اپنے دور کے تمام دوسرے علوم میں مہارت رکھتے تھے سوائے عربیت کے۔ عربی میں ان کی زبان خام تھی اور اس میں عجمیت کی جھلک آجاتی تھی۔ قوت استدلال بہت مضبوط تھی یہاں تک کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہ ایسے آدمی ہیں کہ اگر میں کہوں کہ اس ستون کو سونے کا ثابت کرو تو وہ اسے دلائل سے ثابت کردیں گے۔ امام صاحب پہلے شخص ہیں جنھوں نے فقہ کی باب سازی کی اور اس کی فصول مرتب کیں اور قیاس کے لیے اصول وضع کیے۔ عراق میں ملحدین نے احادیث گھڑنا شروع کیں جس وجہ سے امام صاحب نے رائے کو علوم میں جگہ دی اور وہ اس بات پر حریص تھے کہ اپنے دین میں انھیں کوئی شک نہ رہے۔ ان کے نزدیک صرف سترہ احادیث صحیح تھیں۔ ان کے شاگردوں میں عراق وکوفہ کے فقہاء کرام تھے۔ مثلاً قاضی ابویوسف متوفی ۱۸۲ھ، محمد بن حسن متوفی ۱۸۹ھ، زفر بن ہذیل ۱۵۸ھ وغیرہ۔ ان کی تالیفات میں "کتاب الفقہ الاکبر فی اصول الدین"، "کتاب المخارج فی الحیل" اور ایک وصیت نامہ ہے جو انھوں نے اپنے اصحاب کو اصول میں کیا۔

مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ

(پیدائش ۹۵ھ،۷۱۲ء، وفات ۱۷۹ھ۷۹۵ء)

پیدائش وحالاتِ زندگی:

ابوعبداللہ مالک بن انس اصحی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ ربیعہ الرأی متوفی ۱۳۶ھ سے علم حاصل کیا اور علوم دین میں اتنی گہرائی پیدا کر لی کہ حدیث میں حجت اور فقہ میں امام بنے۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے خلیفہ منصور کو خلافت سے ہٹانے اور محمد بن عبداللہ جو کہ آل علی رضی اللہ عنہ سے تھے، کی بیعت کا فتویٰ دیا۔ خلیفہ کے چچا جعفر بن سلمان امیر مدینہ کو اس پر بہت غصہ آیا۔ اس نے انھیں ننگا کر کے ستر کوڑے لگوائے لیکن اس سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی عزت وشرف میں مزید اضافہ ہوا۔ منصور نے فوراً ان سے معذرت کر لی اور منا لیا اور کہا کہ لوگوں میں آپ کے اور میرے علاوہ کوئی فقیہ نہیں ہے۔ میں خلافت میں مشغول ہوں تو آپ لوگوں کے لیے ایسی کتاب لکھ دیں جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رخصتوں، ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سختیوں اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شواذ سے پرہیز کریں اور اپنی تصنیف کو لوگوں کے لیے نہایت آسان فہم بنا دیجیے۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ''موطا امام مالک'' تصنیف کی۔ اس کتاب کو ۱۷۴ھ میں مہدی نے اور پھر رشید نے ان سے سنا اور انعامات سے نوازا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ علم کے آفتاب، رواۃ حدیث کے لیے قبلہ اور فتویٰ میں سند بنے رہے یہاں تک کہ مدینہ میں ہی ان کا انتقال ہوا۔

حلیہ اور اخلاق:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھورے اور انتہائی سفید رنگ کے تھے۔ سر بڑا اور گنجا تھا۔ وہ خوش ہیئت، باوقار، بارعب اور عفیف انسان تھے۔ بغیر وضو کے حدیث بیان نہ کرتے۔ باوجود ضعف کے مدینہ میں سواری پر سفر نہ کرتے تھے۔ علم کے بارے میں امین تھے اور جس بات کو نہ جانتے تو اس میں لاعلمیت کے اظہار میں ذرا بھی جھجھک محسوس نہ کرتے تھے۔

علم وفضل:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مخلوق پر اللہ کی محبت تھے۔ وہ صرف صحیح احادیث بیان کرتے اور صرف ثقہ راویوں سے روایت کرتے۔ سنت کے بارے میں بہت کچھ جانتے تھے چنانچہ انھوں نے اپنے مذہب کی بنیاد سنت پر قائم کی۔ فقہ میں بہت ماہر تھے۔ ان کا فتویٰ حتمی شمار ہوتا تھا۔ وہ اپنے بارے میں فرماتے تھے کہ بہت کم ایسے اساتذہ ہیں جن سے میں نے علم حاصل کیا ہو اور انھوں نے مرنے سے پہلے میرے پاس آ کر مجھ سے فتویٰ طلب نہ کیا ہو۔ اسی وجہ سے مثل مشہور تھی کہ لایفتی ومالك فی المدینه یعنی جب تک مدینہ میں امام مالک موجود ہوں کسی اور سے فتویٰ نہیں لیا جائے گا۔ حدیث میں ان کی تصنیف ''موطا امام مالک'' ہے جو مالکی مذہب کی بنیاد ہے۔ اور ایک رسالہ ہے جس میں رشید کو نصیحت کی ہے۔

محمد شافعی رحمۃ اللہ علیہ

(پیدائش ۱۵۰ھ، ۷۶۷ء، وفات ۲۰۴ھ، ۸۲۰ء)

پیدائش وحالاتِ زندگی:

ان کا نام ابوعبداللہ محمد بن ادریس قرشی شافعی ہے یہ اپنے دادا کے دادا کی طرف منسوب ہیں۔ فلسطین کے شہر غزہ میں تنگدستی کے عالم میں پیدا ہوئے۔ دوسال بعد مکہ لایا گیا اور بنی ہذیل میں پرورش پائی۔ ان کی بیوہ ماں اپنے قریشی رشتہ داروں کے تعاون سے ان کی کفالت کرتیں تھیں۔ وہ ابھی بالغ بھی ہونے نہیں پائے تھے کہ ذہانت اور حافظہ کا حیرت انگیز مظاہرہ کرنے لگے۔ قرآن پاک پڑھا اور عربی زبان سیکھی اور لغت وادب کے حصول کے لیے دیہاتوں میں گئے۔ عوں نے پندرہ سال کی عمر سے پہلے ہی مؤطا حفظ کر لی تھی۔ پھر اس عمر میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے اور ان کو زبانی مؤطا سنائی تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی کامیاب ہوسکتا ہے تو یہ لڑکا ہوگا۔ ۱۹۵ھ میں بغداد تشریف لے آئے۔ ان کے اردگرد علماء جمع رہتے اور ان سے علم حاصل کرتے تھے۔ ان میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی اور قیاس میں بصیرت حاصل کی۔ پھر وہ ۱۹۹ھ میں مصر آ گئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کی، اور فسطاط (قاہرہ) میں رہنے لگے۔ جامع عمرو میں اپنے جدید مذہب کی املاء کروائی۔ وہ مسلسل عبادت، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے پاس بلا لیا اور قاہرہ میں دفن ہوئے۔

حلیہ واخلاق:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ لمبے قد کے دبلے پتلے انسان تھے خوش آواز، خوش شکل، فصیح، عقل مند اور مضبوط قوت استدلال کے مالک تھے۔ اپنے دین میں قابل اعتماد اور اخلاق میں نہایت بلندی رکھتے تھے۔

علم وفضل:

وہ کتاب اللہ اور سنت رسول میں سب سے زیادہ سمجھ دار، اصول علم وفقہ میں سب سے زیادہ بصیرت مند، لغت میں سند اور انساب واخبار میں حیرت انگیز معلومات رکھتے تھے۔ ادب ولغت میں اس درجہ بلندی اور بصیرت حاصل کر چکے تھے کہ خود اصمعی جیسے ادیب نے ان سے ہذیلی کے اشعار پڑھے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کوئی طالب علم ایسا نہیں جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا احسان مند نہ ہو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل رائے اور اہل سنت کے مابین اپنا مذہب قائم کیا۔ ان کے متبعین مختلف شہروں میں پھیل گئے اور احناف کے ساتھ درس وتدریس کے مناصب میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ دونوں مذہبوں کے متبعین میں اختلاف رونما ہوا۔ آپس میں مناظروں کی کثرت ہوئی یہاں تک کہ اس سے علمِ جدل وخلاف ظہور پذیر ہوا۔ غالب گمان ہے کہ امام شافعی وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اصول فقہ میں کلام کیا اور اس میں کتابیں تصنیف کیں۔ صاحب الفہرست نے ان کی ایک سو سے زائد کتابوں کا ذکر کیا ہے جن میں

سے اس وقت صرف تین کتابیں ہی دستیاب ہیں:

① کتاب الام۔ فقہ میں سات جلدوں پر مشتمل۔

② الرسالۃ اصول الفقہ میں۔

③ ''مسند الشافعی'' حدیث میں۔

احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

(پیدائش ۱۶۴ھ، ۷۶۳ء، وفات ۲۴۱ھ، ۸۵۵ء)

پیدائش وحالاتِ زندگی:

ابو عبد اللہ احمد بن حنبل شیبانی بغداد میں پیدا ہوئے اور وہیں یتیمی کی حالت میں پرورش پائی۔ سولہ سال کی عمر تک حدیث کا علم حاصل کیا اور بکثرت معروف ثقہ راویوں سے احادیث حاصل کیں۔ اور صحیح راوی کو ضعیف سے جدا کیا۔ احادیث کو حاصل کرنے اور انہیں جمع کرنے کے لیے دور بلاد اسلامیہ کا سفر کیا۔ یہاں تک کہ دس لاکھ احادیث یاد کرلیں جن میں سے چالیس ہزار سے کچھ اوپر احادیث کو منتخب کر کے اپنی کتاب ''المسند'' میں لکھا۔ وہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں ہونہار اور لائق طالب علم تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب مصر تشریف لائے تو ان کے بارے میں فرمایا کہ میں بغداد سے اس حال میں نکلا ہوں کہ احمد بن حنبل سے زیادہ متقی اور فقیہ کوئی نہیں تھا۔

انھوں نے کتاب وسنت سے اپنے مذہب کا استنباط کیا اور اس میں کچھ قیاس کو بھی شامل کیا۔ اجتہاد سے دوری اور روایت کو مضبوطی سے پکڑنے کی وجہ سے ان کے متبعین کی تعداد کم رہی ہے۔ رشید اور مامون کے دور میں امام صاحب اور ان کی جماعت متکلمین اور فلاسفہ کے ساتھ مناظرے اور مقابلے کرتے رہے۔ معتصم کے زمانے میں خلق قرآن کے عقیدے پر انھیں مجبور کیا گیا لیکن انھوں نے انکار کر دیا چنانچہ انھیں انتیس کوڑے مارے گئے جس سے بدن سے خون جاری ہو گیا، حواس کھو بیٹھے اور مریض بن گئے۔ متوکل کے زمانے میں جو کہ سنت کا حامی تھا، ان حالات سے چھٹکارا ہوا۔ کچھ عرصہ گزار کر اللہ کو پیارے ہوئے اور ان کی نماز جنازہ میں آٹھ لاکھ مردوں اور ساٹھ ہزار عورتوں نے شرکت کی جو ان کے بلند مرتبہ وشان پر دلیل ہے۔

علوم عقلیہ

فلسفہ:

اسلام میں آزادیٔ فکر کی وجہ سے بہت سے فرقے پیدا ہوئے اور معتزلہ کا ظہور ہوا۔ انھوں نے دینی نصوص کو عقلی احکام سے تطبیق دینا شروع کی۔ بنی عباس چونکہ قیاس ورائے کی طرف زیادہ میلان رکھتے تھے اس لیے معتزلہ کا مذہب ان میں پھیل گیا۔ مامون نے بھی اپنے خاندان کا ساتھ دیا اور جس بات کو انھوں نے چھپائے رکھا مامون نے کھلم کھلا اس کو بیان کیا۔ قرآن کے مخلوق ہونے کا قول کیا۔ اہل سنت اور معتزلہ کے درمیان جھگڑے کی آگ بھڑک اٹھی۔ مامون نے اپنے حریفوں کو مغلوب کرنے کے لیے یونانی منطق

سے مدد لی۔ چنانچہ اس نے یونانی فلسفہ کا ترجمہ کروایا اور لوگوں کو اس کی تلاش میں مشغول کیا اور لوگوں کو اس میں غور وفکر اور بحث مباحثے پر ابھارا۔ اس وجہ سے علم کلام وجود میں آیا اور یہ عربی فلسفہ کی ابتداء تھی۔

یہ بات ضرور ہے کہ عربی فلسفہ اسلامی فکر کی ترقی پذیر شکل اور تاریخ تمدنِ عربی کی پیداوار ہے۔ اس وجہ سے فلسفیوں کی تعداد کم رہی اور مشرق میں اس کا تھوڑا سا اثر ہوا لیکن وہ قدیم اور جدید فلسفہ کے درمیان حلقہ اتصال بنے اور یورپ جو ان دنوں جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا اور قرون وسطی کی جہالت میں حیران و سرگرداں تھا، اس کے لیے رہنما مینار بنے جس کی بدولت آج یورپ ترقی یافتہ اور عظیم تمدن کا حامل ہے۔

معتزلہ نے ان فلسفیوں سے ایسا ہتھیار حاصل کر لیا جس سے وہ اہل سنت سے لڑتے جھگڑتے تھے۔ اہل سنت نے ان پر طعن شروع کیا اور فلسفہ کو برا بھلا کہنے لگے۔ اور لوگوں کو ان سے ڈرایا یہاں تک کہ فلاسفہ زندیق اور ملحدین کے مترادف ہو گئے اور لوگوں میں ان کا مذاق اڑایا جاتا اور ان سے نفرت ہونے لگی۔ مامون، معتصم اور واثق چونکہ فلسفہ کے حامی اور اسے پھیلانے والے تھے، اس لیے لوگوں میں یہ نفرت ان کے زمانے میں خفیہ تھی لیکن متوکل اور اس کے جانشینوں کے زمانے میں کھلم کھلا نفرت کا اظہار ہونے لگا کیونکہ یہ حضرات سنت کے حامی اور بدعت کو مٹانے والے تھے۔ انھوں نے فلسفیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دبا دیا اور ان پر پابندیاں عائد کیں اور انھیں مجبور کیا کہ وہ چھپ کر اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں کھلم کھلا نہ کریں۔ چنانچہ ان کی ایک جماعت بنی جس کا نام ''اخوان الصفا وخلان الوفا'' تھا۔ یہ جماعت اپنے رموز اور رسومات میں جماعت ''ماسون'' کے مشابہ تھی۔ چوتھی صدی کے وسط میں بصرہ کے اندر یہ جماعت اس لیے بنائی گئی تا کہ یہ فلسفہ کے مختلف مسائل پر غور وفکر کرے اور انھیں لوگوں میں پھیلائے۔ اس جماعت نے پچاس گمنام رسالے لکھے جس میں تمام عربی فلسفہ اور یونانی فلسفہ کا نچوڑ جمع کر ڈالا۔ اس نے فلسفہ میں نئی روح پھونک دی اور اس کے لیے ترقی کی راہ ہموار کی۔ اتفاقاً اسی دور میں بغداد میں بویہیو کا غلبہ ہوا جو شیعہ تھے۔ یہ صرف اس صورت میں غالب رہ سکتے تھے جب سنی مغلوب ہوتے۔ چنانچہ فلسفہ پھر پھیلنے لگا اور اس کا بازار گرم ہو گیا اور پھر آہستہ آہستہ اس میں ضعف اضمحلال پیدا ہونا شروع ہو گیا جیسا کہ باقی علوم کے ساتھ ہوتا رہا۔

اندلس میں فلسفہ کی تاریخ بھی ویسی ہی ہے جیسی مشرق میں تھی۔ عبدالرحمٰن اوسط (متوفی ۲۳۸ھ) کے دور میں فلسفہ یہاں منتقل ہوا۔ عبدالرحمٰن نے مامون کے ساتھ اچھے تعلقات کی وجہ سے اس کی اقتداء کرتے ہوئے فلسفہ کا ساتھ دیا۔ چنانچہ اندلسیوں نے فلسفہ سیکھنا شروع کیا اور پوری توجہ سے اس میں مشغول ہو گئے۔ ابوحکم عمرو کرمانی (متوفی ۴۵۸ھ) کے ہاتھوں جب ان کے پاس اخوان الصفا کے رسائل پہنچے تو ان کا میلان فلسفہ کی طرف بڑھ گیا۔ ان میں فلاسفہ اور حکماء پیدا ہونے لگے۔ لیکن عوام ان لوگوں پر بہت ظلم کرتی تھی۔ ان لوگوں پر عوام کا عتاب بہت سخت تھا۔ لوگوں کا ساتھ دیتے ہوئے اور عوام میں محبوب و مقبول بننے کے لیے حکام نے بھی ان کی پکڑ کرنا شروع کر دی۔ ان پر پابندیاں عائد کیں۔ جب بھی کوئی فلسفہ کی بات کرتا اسے رجم کر دیا جاتا یا جلا دیا جاتا۔ اس بارے میں ابو یوسف موحدی نے چھٹی صدی کے آخر میں جو ان فلسفیوں کے ساتھ برتاؤ رکھا اس کے بعد کسی اور مثال کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس نے ان کا شیرازہ بکھیر دیا اور ان کی کتابیں جلا دیں۔ اس طرح جہالت اور ظلم کی وجہ سے اندلس کے حکام فلاسفہ کے ساتھ

لڑتے رہے اور انھیں وہاں سے نکال دیا۔ چنانچہ یہ حضرات وہاں سے نکل کر اپنے فرنگی پڑوسیوں کے پاس پناہ گیر ہوئے۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ علوم وعلماء پر اس طرح کے زوال آتے رہتے ہیں۔

فلاسفہ:

عربوں میں پہلا فلسفی جو ہمارے علم میں ہے، وہ یعقوب بن اسحاق کندی (متوفی ۲۴۶ھ) ہے۔ وہ مامون کا ہم عصر تھا اور طب، فلسفہ، حساب، منطق، ہندسہ، علم نجوم اور موسیقی میں بہت ماہر تھا۔ اس سلسلے میں اس نے دوسو اکتیس کتابیں لکھیں اور ارسطو کا طرز اختیار کیا۔ وہ یونانی سے عربی میں ترجمہ کرنے کا سب سے زیادہ ماہر تھا۔ اس کے بعد ابونصر ناراجی (متوفی ۳۳۹ھ) آیا جس کا لقب معلم ثانی ہے اور ''السیاسۃ المدینۃ'' کتاب کا مصنف ہے، موسیقی کے قانون کو ایجاد کرنے والا ہے۔ پھر ابوعلی بن سینا اور ابوحامد غزالی آئے۔ اور رہا اندلس تو اس میں ابوبکر ماجہ (متوفی ۵۳۲ھ) اور ان کے شاگرد ابن رشد، ابن طفیل (متوفی ۵۸۷ھ) جو کہ رسالہ ''حیی بن یقظان'' کے مؤلف ہیں، پیدا ہوئے۔ ہم ان میں سے تین بڑے فلاسفہ کے حالات بیان کرنے پر اکتفاء کریں گے۔

ابن سینا

(پیدائش ۳۷۰ھ، ۹۸۱ء، وفات ۴۲۸ھ، ۱۰۳۷ء)

پیدائش وحالاتِ زندگی:

الشیخ الرئیس ابوعلی حسین بن سینا جنہیں فرنگی قوم (Avicenne) کے نام سے یاد کرتی ہے، بخارا کے قریب ایک بستی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد نوح بن منصور سامانی کی طرف سے بخارا کے گورنر تھے۔ بچپن میں ہی بخارا منتقل ہو گئے تھے۔ حافظ قرآن بنے اور ادب عربی میں کمال حاصل کیا اور کچھ دوسرے علوم کی مبادیات کی تعلیم حاصل کی۔ اس دوران ابوعبیداللہ ناتلی بخارا تشریف لائے اور انھیں کتاب ایساغوجی پڑھائی اور منطق میں انھیں فاضل بنا دیا اور اس کو ہمسروں پر فائق کر دیا علم منطق کے کئی مقامات میں بصیرت پیدا کر دی۔ پھر ابن سینا علم طب کی طرف راغب ہوئے اور اس کے اصول ابوسہل مسیحی سے حاصل کیے اور انفرادی مطالعہ کرتے رہے یہاں تک کہ اس میں بلند مقام حاصل کیا۔ چنانچہ ہر طرف سے اطباء ان کے پاس مشورے کے لیے آنے لگے اور ان سے علم حاصل کرنے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ سولہ سال کی عمر میں ہی ان میں یہ تمام کمالات پیدا ہو گئے تھے۔

امیر نوح بن منصور سامانی کو ایک مرض سے نجات دلائی جو ایک موذی مرض تھا۔ انعام کے طور پر اس نے ابن سینا کو اپنا مقرب بنا لیا۔ اور انہیں اپنے کتب خانے میں جانے کی اجازت دے دی۔ ابن سینا نے وہاں نادر اور نایاب کتب کا مطالعہ کیا۔ اتفاق سے وہ کتب خانہ جل گیا اور ابوعلی بن سینا ہی وہ شخص تھا جو اس کے علوم کو حاصل کیے ہوئے تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے خود اسے جلایا تھا۔

بائیس سال کی عمر میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا تو یہ خوارزم کے قصبے کی طرف چلے گئے۔ پھر مسلسل سفر کرتے رہے اور جرجان آ گئے۔ وہاں تعلیم وتصنیف کا ارادہ کیا اور طب میں ''کتاب القانون'' تصنیف کی۔ پھر ہمذان چلے گئے۔ وہاں شمس الدولہ بن بویہ کے وزیر بنے۔ ابھی کچھ عرصہ ہی گزرا تھا کہ فوج نے ان کے خلاف بغاوت کر دی اور ان کا مال لوٹ لیا۔ امیر سے انہیں قتل کرنے کا مطالبہ کیا۔ لیکن امیر نے انھیں صرف جلاوطن کرنے پر اکتفاء کیا۔ اب بھی مشکلات ختم نہ ہوئیں بلکہ تاج الدولہ کے ہاں ان پر ایک

بری خیانت کا الزام لگا جس کی پاداش میں اس نے اپنے ایک قلعے میں چار ماہ کے لیے قید کر دیا۔ وہ بھیس بدل کر وہاں سے فرار ہوئے اور اصبہان میں علاء الدولہ کے پاس آ گئے۔ اور اسی کی حفاظت میں اطمینان کے ساتھ کچھ عرصہ گزارا۔ لیکن پے در پے مصائب سے ان کے عزائم ٹھنڈے ہو گئے اور شہوت پرستی کے غلبہ نے ان کے جسم کو بہت کمزور کر دیا۔ چنانچہ وہ ایک ایسی لاعلاج بیماری میں مبتلا ہوا جس کے آگے اس کی طب اور تدابیر بھی عاجز آ گئیں۔ اور ہمذان میں انتقال ہوا۔

تصانیف:

ابن سینا علم طب میں راسخ اور فلسفہ میں بلند مقام رکھتے تھے۔ انھوں نے ارسطو کے اصولوں کو اختیار کیا۔ اپنے دین کے بارے میں ان کا عقیدہ مضبوط تھا۔ یقین آ جانے کے بعد کبھی شک نہیں کیا۔ البتہ وہ خواہش پسند اور آزاد خیال تھے۔ فرنگیوں نے جالینوس اور ابقراط سے زیادہ ان کی کتابوں کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا۔ ان کی اکثر کتب کا ترجمہ لاتینی زبان میں کیا اور جدید فلسفہ کی عمارت انھیں کتابوں پر قائم کی۔ ان کی تعداد تقریباً سو کے قریب ہے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور کتابیں یہ ہیں۔ علم طب میں ''کتاب القانون'' اور حکمت میں ''کتاب الشفاء'' کتاب القانون کی چودہ جلدیں ہیں اور کتاب الشفا کی اٹھارہ۔

حجۃ الاسلام غزالی

(پیدائش ۴۵۰ھ، ۱۰۵۸ء، وفات ۵۰۵ھ، ۱۱۱۲ء)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

ابو حامد محمد بن محمد غزالی طوس میں پیدا ہوئے اور وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر نیساپور چلے آئے اور تھوڑی مدت میں امام الحرمین ابو معالی سے سند فراغت حاصل کی اور ان کی وفات تک ان کے ساتھ ساتھ رہے۔ اس کے بعد وہ معسکر میں وزیر نظام الملک کے پاس چلے گئے۔ اس نے ان کا پرجوش استقبال کیا اور ان کے علوم سے بہت خوش ہوا۔ امام غزالی نے وزیر کی موجودگی میں علماء کی ایک جماعت کے ساتھ مناظرہ کیا اور ان پر غالب آ گئے جس سے ان کی شہرت ہوگئی۔ چنانچہ وزیر نے مدرسہ نظامیہ جو کہ بغداد میں واقع تھا، اس میں تدریس کا شعبہ ان کے سپرد کر دیا۔ امام غزالی وہاں علوم کی تدریس کے ساتھ خود فلسفہ کا مطالعہ کرتے رہے۔ اس کے بعد فلسفے میں تعمق اور تخصص پیدا کرنے کے لیے ۴۸۸ھ میں تدریس سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ طویل بحث و تحقیق کے بعد انھیں یہ بات شرح صدر ہوئی کہ دین اور فلسفہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ چنانچہ انھوں نے فلاسفہ کی مخالفت شروع کر دی اور انھیں کے اسلحہ سے ان سے جنگ کرنے لگے۔ اور انھیں کے دلائل سے ان کے استدلال کو کمزور کیا۔ اسی وجہ سے ان کو ''حجۃ الاسلام'' کا لقب دیا گیا۔ اس کے بعد زہد کی راہ اختیار کی اور تصوف کے رستے کو اپنا لیا۔ چنانچہ انھوں نے تصوف کو حکمت کی بنیادوں پر مضبوط کیا اور علمی حقائق کے ذریعے اس کی تائید کی۔ پھر بغداد چھوڑ کر شام، شلیم، حجاز اور اسکندریہ گئے۔ انھوں نے مراکش میں امیر یوسف بن تاشفین سے ملنے کا ارادہ بھی کیا لیکن نکلنے سے پہلے انھیں امیر کی وفات کی خبر ملی چنانچہ وہ طوس واپس تشریف لے آئے اور درس و تصنیف میں مشغول ہو گئے۔ پھر مجبوراً دوسری مرتبہ مدرسہ نظامیہ کا نظام سنبھالنا پڑا۔ لیکن جلدی ہی وہ اپنے وطن واپس آ گئے اور یہاں انھوں نے اہل تصوف کے لیے خانقاہ اور دینی علوم کے لیے مدرسہ قائم کیا۔ وہ عبادت اور درس و تدریس میں مسلسل مشغول رہے یہاں تک کہ

آخرت کی طرف رخصت ہوئے۔

تصنیفات:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ شافعی میں کتاب البسیط، الوجیز اور الوسیط لکھی اور تصوف کے موضوع پر ''احیاء علوم الدین'' لکھی۔ یہ کتاب چار عنوانات پر مشتمل ہے۔ عبادات، عادات، مہلکات، منجیات۔ اس کتاب کی فضیلت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اگر اسلامی کتب ضائع ہو جائیں اور یہ کتاب باقی ہو تو یہ تمام ضائع شدہ کتابوں کی کمی پوری کر دے گی۔ ان کی ایک کتاب ''تہافت الفلاسفہ'' ہے جو انہوں نے یونانی فلسفیوں اور ان کے متبعین کے رد میں لکھی۔ یہ آخری مرتبہ مصر میں طبع ہوئی۔ اسی موضوع پر کتاب ''مقاصد الفلاسفہ'' بھی لکھی۔

ابن رشد

(پیدائش ۵۱۴ھ، ۱۱۱۸ء، وفات ۵۹۵ھ، ۱۱۹۹ء)

پیدائش وحالاتِ زندگی:

ابن رشد کا پورا نام ابوالولید محمد بن احمد بن رشد ہے۔ اہل یورپ انھیں Averroes کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ قرطبہ میں ایک معزز خاندان جو کہ عہدہ قضاء پر فائز تھا، میں پیدا ہوا۔ اپنے وقت کے علماء سے فقہ، طب اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔ پھر یکسوئی سے علم حکمت میں مشغول ہو گئے اور اس میں مہارت اور کمال پیدا کیا۔ ۵۴۸ھ میں ابن طفیل نے ان کا تعارف ابویعقوب یوسف بن عبدالمومن سے کروا دیا۔ وہ فلسفہ سے بہت محبت رکھتا تھا۔ چنانچہ ابن رشد نے اس کے لیے ارسطو کی کتابوں کی تلخیص کی۔ پھر ۵۶۵ھ میں اشبیلیہ کے قاضی مقرر ہوئے اور دو سال کے بعد اپنے وطن واپس آ گئے۔ امیر المومنین نے انھیں اپنا خاص طبیب بنانے کی دعوت دی جس بنا پر وہ مراکش چلے گئے۔ لیکن کچھ ہی عرصے بعد قاضی بن کر قرطبہ واپس آ گئے۔ جب امیر ابویعقوب وفات پا گئے اور ان کا بیٹا یعقوب المنصور ان کا جانشین بنا تو اس نے بھی ان کو اسی عہدے پر قائم رکھا۔ وہ ان کا بہت اکرام کرتا تھا لیکن زمانے کو ان کا خوشیوں میں رہنا پسند نہ آیا چنانچہ انھوں نے امیر سے ان کی شکایت کی اور ان پر زندیق اور بے دینی کے الزامات لگائے۔ امیر نے اُن کے سمیت تمام فلاسفہ کو وہاں سے نکال دیا اس کے بعد امیر کو احساس ہوا اور اس نے انھیں مراکش آنے کی دعوت دی اور ان سے معذرت کی اور بہت انعام واکرام سے نوازا لیکن کچھ ہی عرصہ میں مراکش میں ہی دنیا سے رخصت ہوئے۔

فلسفہ اور تصانیف:

اگر تناسخ کا عقیدہ درست ہوتا تو ہم کہتے کہ ارسطو کی روح مجالس حکمت کو نئے سرے سے آراستہ کرنے اور فلسفہ کی گری باتوں کو آسان کرنے کے لیے ابن رشد میں اتر آئی ہے۔ یہ عربی حکیم، یونانی حکیم (ارسطو) کی طرف بہت میلان رکھتا تھا اور اس کا یہ خیال تھا کہ ارسطو علم کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ ابن رشد نے خود کو اس کی کتابوں کی تشریح و تلخیص کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اہل یورپ نے اس کی کتابوں کا ترجمہ اپنی زبانوں میں کیا اور ان سے سیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ یہی ان کی حکمت کی بنیاد اور ترقی کا مینار بن گیا۔ ان کے بارے میں فرانسیسی فلسفی ارنسٹ رینان اپنی کتاب ''ابن رشد اور اس کا مذہب'' میں لکھتا ہے کہ وہ قرون وسطی کے بڑے فلاسفہ میں سے

تھا جنھوں نے ارسطو کی اتباع کی اور قول وفکر میں حریت کا راستہ اختیار کیا۔ ارسطو کے شاگردوں میں ابن رشد اور اس کی جماعت کا تقریباً وہی مذہب تھا جو مادہ پرستوں اور حلول کے قائلین کا تھا۔ وہ یہ گمان کرتے تھے کہ مادہ ازلی ہے اور پیدائش اس مادہ میں ایک اضطراری حرکت ہے اور یہی حرکت یا محرک خالق ہے۔ ان کے گمان میں مخلوقات چونکہ مادہ سے بنی ہیں لہٰذا وہ بھی اس کی طرح ازلی ہیں۔ لہٰذا جب کوئی سمجھ دار آدمی یکسوئی سے حصول علم میں مشغول ہو جاتا ہے تو بتدریج اللہ کی ذات میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ اور بشری عقول ایک ہیں۔ جو ساری کی ساری عقل اوّل کی طرف لوٹتی ہیں جسے وہ عقل فاعلی کا نام دیتے ہیں۔ یہی وہ عقل عام ہے جو منفرد عقول سے ہٹ کر اکیلی اللہ سے متصل ہے۔ لہٰذا اس فلسفہ کی بنیاد پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نفوس بھی جسموں کے ساتھ مر جاتے ہیں اور صرف مادہ کو ہی ہمیشگی حاصل ہے لہٰذا نہ کوئی ثواب نہ سزا، اور یہ بات کہ خالق کو صرف حوادث کے کلیات کا علم ہوتا ہے جزئیات کا نہیں۔ اللہ رب العزت ان کے ان اقوال سے بہت بلند ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی اور یورپ کے بہت سے علماء نے اس مذہب کی تردید کی۔ ان تمام کے باوجود ابن رشد اس بات پر حریص تھے کہ کسی طرح فلسفہ اور دین میں موافقت پیدا کی جائے، چنانچہ اس سلسلے میں انھوں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام یہ ہے ''فصل المقال فیما بین الشریعۃ والحکمۃ من الاتصال'' اسی طرح ایک اور کتاب ''مناھج الادلۃ فی عقائد الملۃ'' لکھی۔ امام غزالی کی کتاب ''تہافت الفلاسفۃ'' کے رد میں ایک کتاب لکھی جس کا نام ''تہافت التہافت'' رکھا۔ جس کے آخر میں لکھتا ہے:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ اس آدمی نے جس طرح حکمت میں غلطی کی اسی طرح شریعت کے بارے میں بھی غلطی کی۔ اگر اہل حق کے بارے میں طلب حق کا تقاضا نہ ہوتا تو میں اس بارے میں کچھ نہ لکھتا''۔

اس کے علاوہ بھی کئی تصنیفات ہیں مثلاً طب میں کتاب الکلیات اور فلسفہ ارسطو۔ اصل کتابیں تو نہیں ملتیں البتہ لاتینی اور عربیۃ میں کچھ تراجم مل جاتے ہیں۔

ساتویں فصل

عربی ادب میں قصے اور مقامات

قصے و کہانیاں لکھنا ادب کے بڑے فنون میں سے ایک فن ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تفریح کے ذریعے نفس کو راحت دی جائے اور عقلوں کو پر حکمت بنایا جائے۔ فرنگیوں کے ہاں اس کا بڑا مقام ہے اور اس کے لیے قوعد کو وضع کیا گیا۔ البتہ عربوں کے ہاں اس کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ جس فن کا دین میں کوئی فائدہ نہ ہو اس سے وہ اعراض کرتے تھے اور دوسرے اس وجہ سے کہ بادشاہوں کو اس کی ضرورت نہ تھی اور نیز اس کی طرف توجہ نہ کرنے کے کچھ اسباب تھے جن کی وجہ سے عربوں نے تاریخی قصوں کو شاعری میں ذکر کرنے کی کوتاہی کی اور اس وجہ سے بھی کہ یہ فن نثر کی انواع میں سے ایک نوع ہے جو زمانہ جاہلیت اور اسلام کے شروع میں بلکہ اموی عہد کے آخر تک معدوم ہی رہی یہاں تک کہ ابن مقفع فارسی نے نثر پردازی کی راہ کھول دی اور قصوں کو مدون کیا۔ پھر اس نے اور اس کے ساتھیوں نے کلیلہ و دمنہ، ہزار افسانے، دارا، الصنم الذہب جیسی کتابوں کے ترجمے کیے اور عربوں میں اس قسم کی تصانیف کا شوق پیدا ہوا اور یہ تراجم ان کے لیے نمونہ بنے۔

جب عربوں میں خوشحالی آئی اور عجمیوں نے خلافت کا بوجھ اٹھالیا تو عربوں نے اپنی راتیں شراب نوشی اور قصہ گوئی میں گزارنا شروع کر دیں۔ چنانچہ اہل مجلس قصوں کو یاد کرنے میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے لگے۔ تیسری اور چوتھی صدی کے ادیبوں نے قصوں کو بنانے اور خواص کے سامنے زبانی سنانے میں آپس میں مقابلے شروع کر دیئے۔ ان کو دیکھتے ہوئے آسودہ حال آرام پرست عوام کو بھی اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ان کے گھروں، محفلوں اور شادی بیاہ کے موقعوں پر قصہ گوئی کیا کرے۔ جوں جوں عہد عباسی کے آخر میں عالم اسلام پر مصائب و مشقتوں کا دور شروع ہوا اور سلجوقی اور مغل ظالم بادشاہوں کا دور آیا تو اس قصہ گوئی کی ضرورت زیادہ محسوس ہونے لگی۔ مصر کی عوام بے کاری، فحاشی اور منشیات یعنی بھنگ اور افیون کی عادت اپنا چکے تھے۔ چنانچہ ان کے پاس قصہ گو آنے لگے اور ان کی حیثیت ان کے ہاں بادشاہوں کے قصہ گو کی سی ہوتی تھی۔ وہ ان کو بہادر لوگوں کے واقعات، جنوں کی کہانیاں، جادوگروں کے قصے جو کہ صدیوں سے چلے آ رہے تھے، سناتے اور تاجروں اور دور دراز کے سفر کرنے والے سے ان قصوں کو حاصل کرتے پھر ان میں مبالغہ کرتے اور کچھ اپنی طرف سے باتیں شامل کر دیتے یہاں تک کہ بغیر کسی قاعدے اور خط کے حدیث کے اسلوب سے ہٹ کر اس کو بیان کیا جانے لگا۔ پھر طویل مدت کے بعد ان کے نام بھلا دیئے گئے جس طرح پرانے انگریزی قصے بیان کرنے والوں کے ناموں کو بھلا دیا گیا۔ ان قصوں میں عنترہ کے قصے، بنی ہلال، سیف بن ذی یزن، الامیرہ ذات الہمۃ، ظاہر بیبرس، علی ریبق مصری اور فیروز شاہ کے قصے شامل ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ تمام قصے مصر میں پانچویں، چھٹی اور ساتویں صدی میں لکھے گئے۔ ان میں سے بعض صلیبی جنگوں کے زمانے کے ہیں اور بعض سقوط بغداد کے بعد لکھے گئے۔ اب یہ بات کہ مصر میں لکھے گئے، تو اس کی دلیل یہ ہے کہ ان واقعات کے مقامات، حوادث کے موضوعات اور اشخاص سے پتہ چلتا ہے۔ اور ان کی مخلوط زبان اور گھٹیا اسلوب اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ قصے انہیں مذکورہ بالا صدیوں میں لکھے گئے۔ اور ان قصوں کا مضبوط اور غریب تخیل نشہ آور اشیاء کے استعمال کی وجہ سے تھا۔ اس دور کی اجتماعی حالت اور صلیبی جنگوں کے سلسلے نے ان قصوں کی تدوین کا تقاضا کیا تا کہ ان کے ذریعے جنگ کے وصف، بہادروں کی تعریف، بادشاہوں وغیرہ کی عزت اور لشکروں کو جنگ پر ابھارا جائے جیسا کہ مسلمانوں نے پہلی

صدی ہجری میں کیا۔
اس طرح ان اسباب کی وجہ سے قصہ گوئی نے عربی ادب میں جنم لیا اور یہی چیزیں یورپی ادب کے اندر قصہ گوئی کی پیدائش کے اسباب بنے۔ ان دونوں نے لڑائیوں کے اثرات سے جنم لیا اور ان دونوں کی ابتداء بہادروں کے قصوں سے ہوئی البتہ ان میں اتنا فرق ہے کہ یورپ میں ادیبوں کی توجہ اور ان کا اہتمام، تنقیدی نظر، تمدنی وسعت اور علمی ترقی کی وجہ سے یہ فن ترقی کرتا گیا لیکن عربی قصہ گوئی اپنے ابتدائی حالت پر ہی رہی۔ عوام ان سے دل بہلاتے اور خواص اس سے نفرت کرتے اور ادیب اس سے دور رہتے حتی کہ یہ اپنی ابتدائی ترقی میں رہ کر ہی ختم ہو گیا۔ البتہ عربوں نے حکایات، امثال اور مقامات میں کمال پیدا کیا۔

حکایات

الف لیلہ ولیلہ:

فن حکایات کو عربوں نے اہل فارس (ایران) سے حاصل کیا۔ اس فن میں سب سے انوکھا اور بہترین مواد دو کتابیں تھیں۔ سعدی کی کتاب ''گلستان'' اور الف لیلہ ولیلہ کی اصل کتاب۔ مشرق اور مغرب میں یہی دو کتابیں اس فن میں نمونہ سمجھی جاتی ہیں۔ لیکن عربوں نے جب اسے ایرانیوں سے حاصل کیا تو اس میں خوب اضافے کیے اور پختگی پیدا کی یہاں تک کہ وہ ایرانیوں کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے بلکہ شہرت اور اولیت انہی کو حاصل ہوئی۔ الف لیلہ ولیلہ میں عربوں نے جو اضافے کیے وہ اصل کتاب پر سبقت لے گئے اور اس پر چھا گئے۔ اور یہ کتاب عربی ادب کا بلند شاہکار بن گئی۔

اغلب یہ ہے کہ اصل میں یہ کتاب فارسی میں چھوٹی سی تھی جسے ''ہزار افسانے'' کہتے تھے۔ اس میں ایک بادشاہ، وزیر، شہزادی، شہزادہ اور اس کی کنیز دنیا زاد کی حکایات تھیں۔ عربوں نے تیسری صدی کے آخر میں اس کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا۔ پھر اس کتاب کی شہرت نے انھیں اس کی توسیع اور اضافہ کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے اس کے واقعات سے ملتے جلتے اہل عرب و ہند کے واقعات، خلفاء و امراء کے حالات اور زمانہ جاہلیت اور اسلام کے بہادروں اور سخی لوگوں کی حکایات کو اس میں شامل کر دیا۔ دسویں صدی ہجری تک اس میں اضافے ہوتے رہے اور اس میں جو کمی تھی وہ پوری ہو گئی۔ ایرانیوں کی اصل کتاب کے بہت کم اثرات باقی رہ گئے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ عربوں نے اس میں جو اضافے کیے، مثلاً جنوں اور بہادروں کے واقعات، غیبی آوازوں اور جادوگروں کی حکایات جو دل کو مدہوش کرنے والے اور مفید خاطر ہیں، ان اضافوں کی وجہ سے اصل کتاب ختم ہو کر ہی رہ گئی۔

اس کتاب کی مزید فضیلت یہ ہے کہ یہ اسلامی دور کے عصور وسطی میں مصر، شام اور عراق میں مسلمانوں اور عربوں کے اخلاق، عادات اور انتظام کی ایسی عکاسی کرتی ہے جس سے اجتماعیت کا مطالعہ کرنے والے ادیب اور فارسی مؤرخ کو بہت فائدہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اہل یورپ نے اس کتاب کے ترجمے کروانے کا خاص اہتمام کیا۔ اور اس پر بحث مباحثہ کیا گیا۔ اس کتاب کی طرز نگارش مختلف زمانوں اور مختلف علاقوں میں ہونے کی وجہ سے مختلف ہے۔ چنانچہ عربوں اور خلفاء کے حالات اور وہ حصہ جو شروع کے زمانے ترجمہ کیا گیا وہ اکثر درست اور فصیح ہے اور جو حصہ مصر اور شام کے قصہ گوئیوں نے لکھا ہے اس کی عبارت کمزور الفاظ عام اور تراکیب گھٹیا ہیں البتہ واقعات کا تسلسل عمدہ اور ربط مضبوط ہے۔

امثال

کلیلہ و دمنہ:

امثال کی ابتداء مشرق میں ہوئی اس لیے کہ یہ مطلق اور مستقل حکومتوں کا مرکز تھا۔ یہاں کے ضعیف ومحکوم لوگوں کے لیے اپنے دبے ہوئے خاموش احتجاج کو سرکش حکمرانوں تک پہنچانے کے لیے یہی اشارات اور کنایات ایک بہترین ذریعہ تھے جن میں ان کا مقصد حکمرانوں کو نصیحت کرنا ہوتا تھا۔ اس طرز کا کلام ہند میں شروع ہوا۔ پھر وہاں سے چین منتقل ہوا اور وہاں سے ایران اور پھر عرب اور یونان تک پہنچ گیا۔ ان میں قدیم ترین امثال جو ملتی ہیں وہ حکیم لقمان، ایزوب رومی اور بیدبا ہندی (جس کا نام دیر بابا ہے) کی ہیں۔ اس فن میں لکھنے والے مشہور عرب ادیب ابن مقفع ہیں۔ جو کلیلہ دمنہ کے مترجم بھی ہیں۔ یہ کتاب نصائح کے ذریعے اخلاق کو درست کرنے اور حکمت کے ذریعے عقل کی تربیت کے لیے سب سے بہترین کتاب ہے۔ اس کتاب کو بیدبا ہندی نے بیس صدیوں سے کچھ اوپر سال پہلے ذبشلیم بادشاہ کے لیے چوپائیوں اور پرندوں کی زبان سے سنسکرت زبان میں لکھا۔ اس میں بارہ باب باندھے۔ پھر اس کا فارسی میں ترجمہ ہوا اور وہاں سے عبداللہ بن مقفع نے عربی میں منتقل کیا۔ اور اس کے شروع میں ایک بلیغ مقدمہ لکھا جس میں کتاب کا تعارف اور اس کے مطالعے پر ابھارا گیا۔ اس کے بعد اصل کتاب اور عربی ترجمہ کے علاوہ باقی ترجمے نایاب ہو گئے۔ عربی ترجمہ ہی اصل کی حیثیت اختیار کر گیا اور اسی سے قدیم اور جدید زبانوں میں ترجمے ہوئے۔ زمانے کے گزرنے کے ساتھ یہ کتاب فارسی اور عربی کے ابواب کے داخل ہونے کی وجہ سے بڑھ گئی یہاں تک کہ اس کے اکیس باب ہو گئے۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (یہ ایک ضخیم کتاب ہے جسے مستشرقین کی ایک جماعت کے زیر نگرانی تالیف کیا گیا اور فرانسیسی، جرمنی اور انگریزی زبانوں میں ترجمہ کر کے شائع کیا گیا) میں ہے کہ اس کتاب کا مؤلف ایک نامعلوم برھمی ہے جس نے تین صدی قبل مسیح کشمیر میں اسے تالیف کیا جس میں ایک مقدمہ اور پانچ ابواب تھے۔ اور ہرٹل کی روایت کے مطابق اس نے اس کا نام تنترہ رکھا۔ ہرٹل وہی شخص ہے جس نے اس کتاب کا سنسکرت سے ترجمہ کیا اور اس پر ایک مقدمہ لکھا اور حواشی چڑھائے اور اسے لیسک اور برلن سے ۱۹۰۹ء میں دو جلدوں میں شائع کیا۔

اس کتاب کا ایک نسخہ اور بھی ہے جس کا نام پنچہ تنترہ ہے۔ نوشیروان کے طبیب برزویہ نے اس کے حکم سے اس کا فارسی ترجمہ کیا اور اس میں ہندی واقعات کے مزید ابواب کا اضافہ کر دیا۔ اسی سے ابن مقفع نے عربی میں ترجمہ کیا اور اس کے شروع میں ایک مقدمہ لکھا، اغلب یہ ہے کہ اس نے برزویہ کے مقدمہ میں ایسی چیزوں کا اضافہ کیا جو دین میں شک پیدا کرتی ہیں۔ کتاب میں ''باب الفحص عن امر دمنة'' اور ''باب الناسک وضَیفہ'' تک کا اضافہ کیا۔ کتاب کے بعض نسخوں میں دو ابواب کا مزید اضافہ ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ کہاں سے کتاب میں شامل ہو گئے ہیں۔ وہ دو باب یہ ہیں۔ باب مالک الحزین والبطة اور باب الحمامة والثعلب اور مالک الحزین۔

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ عبداللہ بن مقفع ہی کی کتاب ہے لیکن اس نے اس کی نسبت علماء ہند کی طرف اس لیے کی تھی تاکہ یہ کتاب مشہور ہو جائے۔ لیکن یہ احتمال بعید ہے کیونکہ ابن مقفع نے نقل اور تراجم کے جتنے کام کیے ہیں ان کی عربی اس کی طبع زاد

تحریروں کے مقابلے میں زیادہ فصیح و بلیغ ہے۔ اس کی کہانیوں کو بہت سے عرب شعراء نے نظم بھی کیا ہے مثلاً ''ابان لاحق، ابن ہباریہ۔ اس کے مقابلے میں سہل بن ہزرون نے جواباً کتاب لکھی جس کا نام ''ثعلة وعفرة'' رکھا۔

پھر امثال کے موضوع پر لکھنے میں ابن ہباریہ متوفی ۵۰۴ھ بھی مشہور ہوئے جنہوں نے ''الصادح والباغم'' کتاب لکھی۔ یہ ایک کلیلہ ودمنہ کی طرز پر لکھی ہوئی دو ہزار اشعار پر مشتمل ایک کتاب ہے۔ اس کے بعد ابن عرب شاہ متوفی ۸۵۴ھ ہیں جو کہ ''فاکہۃ الخلفاء ومفاکہۃ الظرفاء'' کے مصنف ہیں۔ یہ امثال و حکایات کا مجموعہ ہے جس میں کلیلہ و دمنہ کا طرز اختیار کیا ہے۔ مصنف نے اس میں دس باب باندھے ہیں۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اس کی امثال میں طوالت اور زائد از ضرورت کلام ہے۔ جس کی وجہ سے امثال معیوب ہوگئیں ہیں اور انشاء کو تصنع اور تکلف نے ضعیف کر دیا ہے۔

مقامات نویسی

مقامہ ایک مختصر اور خوبصورت اسلوب پر مشتمل حکایت کو کہتے ہیں جو نصیحت یا چٹ پٹی باتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اصل میں مقامہ کا معنی مقام ہے یعنی کھڑے ہونے کی جگہ۔ پھر اس میں وسعت پیدا ہوئی اور مجلس ومکان کے لیے استعمال ہونے لگا۔ پھر کثرت استعمال کی وجہ سے اہل مجلس پر بولا جانے لگا جیسے کہ اہل مجلس کو مجلس کہتے ہیں۔ آخر کار اس کا استعمال وعظ وخطبہ پر ہونے لگا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے خطباء کے مقامات، قصہ گویوں کے مقامات، زاہدوں کے مقامات۔ کہانیوں کی یہ نوع عہد عباسی کے وسط میں شروع ہوئی۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں ادب اور انشاء پردازی عروج پر تھی۔ اس فن میں بدیع الزمان نے ایسی عمدگی اور جدت پیدا کی کہ اسے اس فن کا امام تصور کیا جانے لگا۔

مقامہ سے کہانیوں کا جمال، حسن وعظ اور علمی فائدہ مقصود نہیں ہوتا۔ یہ تو ادبی فنی تحریر کا ٹکڑا ہوتا ہے جس کے ذریعے دوسرے فنون میں تقویت مقصود ہوتی ہے۔ اس میں غریب الفاظ اور نادر تراکیب خوش نما سجع کے طریقے پر جمع کی جاتیں ہیں جو اپنے قدرتی اثر سے زیادہ طبیعت کو خوش کرتیں ہیں اور لذت فائدے سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس فن میں جو کچھ انہوں نے لکھا اس میں قصہ نگاری کے قواعد کا لحاظ نہیں رکھا۔ چنانچہ اہل فن نے قصہ نگاری اور اشخاص کی تحلیل پر توجہ نہیں دی بلکہ انھوں نے اپنی ساری توجہ لفظی حسن پر قائم رکھی۔

مقامہ عام طور پر ایک معمولی سے واقعے کے گرد گھومتا ہے جس کی نسبت ایک معین آدمی کی طرف ہوتی ہے جسے قصہ نگاری کی اصطلاح میں ''ہیرو'' کہتے ہیں۔ جیسے مقامات حریری میں ابوزید سروجی اور مقامات بدیع میں ابوالفتح اسکندری۔ اس ہیرو اور دوسرے شخص میں گہرے تعلقات اور پرانی جان پہچان ہوتی ہے۔ وہ شخص ہر واقعے میں اسے دیکھتا ہے اور ہر مجلس میں اسے سنتا ہے اور ہر راز کی بات میں اس کے سامنے اچانک آجاتا ہے۔ پھر لوگوں کو اس کی بھلائی یا برائی بتاتا ہے۔ اسے راوی کہتے ہیں۔ جیسے مقامات بدیع میں عیسٰی بن ہشام اور مقامات حریری میں حارث بن ہمام۔

اب رہے مقامہ نگار تو یہ پہلے جان چکے ہیں کہ ابن درید نے چالیس واقعات گھڑے اور ان کو تصویری شکل میں پیش کیا اور

یہاں سے مقامہ لکھنے کی بنیاد پڑی۔ اس کے بعد بدیع الزمان ہمدانی متوفی ۳۹۸ھ آئے اور انھوں نے بھیک اور دوسرے موضوعات پر چار سو مقامات لکھوائے اور ان میں راوی عیسیٰ بن ہشام اور ہیرو ابوالفتح اسکندری تھے۔ ان میں سے صرف ترپن مقامات ملتے ہیں۔ بدیع الزمان کے حالات میں اس کے مقامات کے بارے کلام گزر چکا ہے۔ اس کے بعد حریری متوفی ۵۱۶ھ آئے۔ انھوں نے پچاس مقامے لکھے جنہیں حارث بن ہمام کی زبانی ابوزید سروجی کی طرف منسوب کیا اس میں بدیع کا طرز ہی اختیار کیا۔ اس بارے میں بھی کلام پہلے گزر چکا ہے۔ ان عظیم مقامہ نگاروں کے بعد ایک جماعت نے مقامہ نگاری کو اپنا موضوع بنالیا لیکن وہ ان دونوں کے درجے کو نہ پہنچ سکے۔ جیسے ابن اشترکوفی متوفی ۳۵۸ھ کی مقامات سرقسطیہ۔ یہ پچاس مقامات ہیں جن کو اس نے بصرہ میں حریری کے مقامات دیکھنے کے بعد قرطبہ میں لکھے۔ اس نے بڑی محنت، مشقت اور بے فائدہ پابندیوں سے کام لیا۔ اس میں سائب بن تمام کی زبانی منذر بن حمام کو بیان کیا۔

زمخشری متوفی ۵۳۸ھ کے مقامات جو مشہور ہیں۔ اور ابوعباس یحییٰ بن سعید ابن ماری نصرانی بطری طبیب متوفی ۵۸۶ھ کے مقامات۔ اس میں حریری کے طرز کو اختیار کیا ہے۔ اس کے بعد احمد بن اعظم رازی کے مقامات۔ یہ بارہ مقامات ہیں۔ جنہیں اس نے ۶۳۰ھ میں لکھا۔ قعقاع بن زنباع وغیرہ کو راوی بنایا۔ مقامات زینیہ جنہیں زین الدین بن صیقل جزری متوفی ۷۰۱ھ نے لکھا۔ یہ مقامات حریری کے مقابلے میں پچاس مقامات ہیں۔ انہیں ابونصر مصری کی طرف منسوب کیا اور راوی قاسم بن جریان دمشقی کو بنایا۔ اس کے بعد سیوطی کے مقامات ہیں۔ یہ مقامات کی بنسبت رسائل سے زیادہ مشابہ ہیں۔

چوتھا باب

ترکی دور

سقوطِ بغداد کے بعد:

قاہرہ نے بغداد اور قرطبہ کو کیسے پیچھے چھوڑ دیا؟ جیسا کہ آپ کے علم میں آچکا ہے کہ عہد متوکل کے بعد ایرانیوں اور ترکیوں کی باہم کشمکش، شیعہ سنی فسادات اور دلوں سے خلافت کی عظمت اور خوف نکل جانے کی وجہ سے عباسی حکومت کمزور ہو چکی تھی۔ چنانچہ بڑے بڑے مصائب پے در پے پیش آنے لگے اور دشمن غالب آتے جارہے تھے۔ یہاں تک کہ ہلاکو خان نے ۶۵۶ھ میں حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ اور اندلس میں بربریوں اور موالیوں کے غلبہ کی وجہ سے اموی حکومت بھی نڈھال ہو چکی تھی اور چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تقسیم ہو جانے کی وجہ سے یورپ والوں کے لیے انھیں ایک ایک کر کے لقمہ بنانا آسان ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ انھوں نے ۸۹۸ھ میں اسے تر لقمہ بنالیا۔ مصر و شام میں فاطمیوں کی حکومت بھی ختم ہوگئی اور مصر و شام ایوبیوں کے قبضے میں چلے گئے۔ اس کے بعد خاندان غلاماں کے ماتحت ہوئے اور پھر ۹۲۳ھ میں حکومت عثمانی ترکوں کے ماتحت آگئے۔ آپ دیکھیں گے کہ عالم اسلام پر ۵۶۰ سال ایسے گزرے ہیں کہ نہ تو کہیں عربوں کا جھنڈا نصب ہو سکا اور نہ ہی کوئی حکومت قائم ہو سکی۔ بلکہ ان کے بلاد اور آثار مغلوں، ترکوں، ایرانیوں، جرکسی قوموں اور بعد میں اسپینیوں کے لیے لوٹ مار کا سامان بنے رہے۔ ان وحشی اور جاہل عجمیوں نے عربوں کی میراث میں دست درازی کی۔ چنانچہ شہروں کو ویران کر دیا، عزتوں کو لوٹا اور کتابوں کو جلا دیا۔ مدارس کو ختم کر دیا، رصد گاہیں اکھاڑ دیں اور علماء کو قتل کیا۔ اس طرح عربی زبان اور اس کے آداب و علوم کو بہت نقصان پہنچایا۔ اس بارے میں تاتاریوں نے بغداد اور بخارا میں، صلیبیوں نے شام میں اور اہل یورپ نے اندلس میں جو تباہیاں مچائیں نمونے کے طور پر تو وہی کافی ہیں۔ اگر وہ دور عربی زبان کے آثار کو مٹا دیتا اور اسے دوسری سامی زبانوں کے ساتھ ملا دیتا تو یہ تاریخ میں کوئی انوکھی بات نہ ہوتی۔ لیکن حوادث کو برداشت کرنے کے بعد بھی وہ بلاد مغرب، مصر، شام، عرب اور جزیرہ میں دین و علم اور حکومت و عوام کی زبان بنی رہی۔ اگر ترکوں کی دھاندلی بازی اور ایرانیوں کی عصبیت پرستی نہ ہوتی تو آج یہ تمام عالم اسلام کی زبان ہوتی۔

عربی بولنے والوں کی ہلاکت کے باوجود عربی زبان کا باقی رہنا، اس کا سہرا قرآن پاک کے سر ہے۔ اس کے علاوہ جامع ازہر اور ایوبی و خاندان غلاماں کے مصر و شام کے سلاطین کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ جس وقت خراسان، ایران اور عراق میں مغل حکومت غارت گری کر رہے تھے اس وقت یہ سلاطین عربی زبان کے مددگار، اہل زبان کے لیے پناہ گاہ اور علماء کے لیے ماویٰ و ملجا بنے ہوئے تھے کیوں کہ ایوبی اگر چہ کرد قوم تھے لیکن انھوں نے عربی کو اپنی زبان بنایا اور ادب عربی کو اختیار کیا اور ان میں نامور شاعر، علماء اور مؤرخین پیدا ہوئے جیسے کہ الملک الافضل علی بن صلاح الدین متوفی ۶۰۱ھ، بہرام شاہ صاحب بعلبک متوفی ۶۲۸ھ اور الملک المؤید عماد الدین ابوالفداء متوفی ۷۲۲ھ۔ خاندان غلاماں کی حالت بھی یہی تھی۔ ان میں ایک سلطان بڑا شاعر تھا جس کا نام قانصوہ الغوری متوفی ۹۲۲ھ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے مصر کو اپنا وطن بنایا اور اسلام کو دین اور عربی کو اپنی زبان بنالیا۔ علماء کی مدد کی اور ادیبوں کو مقرب

بنایا معلمین و مصنفین کی حوصلہ افزائی کی یہاں تک کہ انھیں کے زیر سایہ ایسے بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے جنہوں نے عربی زبان اور دیگر علوم کے بکھرے اجزاء کو جامع تصنیفات میں جمع کر دیا۔ متقدمین کے علوم کی تشریح اور ان کی تلخیص نکالنے میں مشغول ہوئے۔ انھوں نے تاریخ کو مہذب کیا اور اس کے فلسفہ کو وضع کیا۔ انھوں نے اس دور میں اشعار کے لیے اوزان قائم کیے جس وقت ذوق شاعری نادر اور اس کے سننے والے کم ہو گئے تھے۔ جیسا کہ ابن منظور (لسان عرب کے مصنف)، الفیروز آبادی (قاموس کے مصنف)، ابن خلدون (مقدمہ کے مصنف) اور قلقشندی (صبح اعشیٰ کے مصنف)۔ اسی طرح الشاب الظریف وصفی الدین الحلی، ابن الوردی، ابن معتوق اور الصفدی۔ لیکن یہ تمام علماء مختلف زمانوں میں آتے رہے اس لیے وہ دکھی زبان کو سہارا نہ دے سکے ایسی زبان جسے اپنے اہل کے مرجانے سے دکھ پہنچا تھا۔ چنانچہ ہندوستان، خراسان، ایران، عراق، بلاد روم اور اندلس میں تو یہ زبان بالکل مٹ گئی اور مصر، شام اور عرب شہروں میں اس مریض کی طرح رہ گئی تھی جس کے سر پر موت منڈلا رہی ہو اور اس میں صرف روح ہی باقی ہو۔

نثر نگاری اور شاعری میں ان کا اسلوب دور عباسی کے متاخرین شعراء اور نثر نگاروں کے اسلوب کی طرح تھا۔ لیکن یہ ان حضرات کی پوری طرح تقلید بھی نہ کر سکے اور مقصد تک نہ پہنچ سکے۔ انھوں نے ساری توجہ لفظی حسن اور صنعت میں لگا دی حتیٰ کہ اگر توریہ، سجع بندی اور تجنیس میں اعراب و معانی حائل ہوتے تو وہ اعراب کی پابندی نہ کرتے اور معنی کی خوبصورتی پر توجہ نہ دیتے۔

جب خاندان غلاماں پر بنی عثمان کو کامیابی اور فتح حاصل ہوئی تو خلافت عباسیہ کی جگہ خلافت عثمانیہ قائم ہو گئی۔ اور اسلام کا دارالسلطنت قاہرہ کی بجائے قسطنطنیہ بن گیا اور عربی کی بجائے سرکاری زبان ترکی بن گئی۔ عربی زبان میں غیر عربی الفاظ بہت شامل ہو گئے اور دیوانوں میں عام زبانوں نے اور ترکی زبان نے عربی کے ساتھ مزاحمت شروع کر دی، نظم و نثر میں عربی اسلوب ختم ہو گیا اور نفوس میں ذلت اور احساس کمتری پیدا ہونے کی وجہ سے طبیعتیں بجھ گئیں اور علوم کے چشمے سوکھ گئے اور کتابیں کتب خانوں میں سکون پذیر ہوئیں۔ اور ان کے سکون میں دیمک وغیرہ نے خلل پیدا کیا اور ان کے صفحات چاٹ لیے۔ اہل مشرق پر جہالت چھا گئی اور وہ اندھے ہو گئے۔ ذلت کے بوجھ تلے دب گئے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان پر بے ہوشی بڑھتی گئی اور اندھیرے چھاتے گئے یہاں تک کہ قاہرہ کی سرحدوں پر نپولین کی توپوں کے دھماکوں سے بیدار ہوئے۔

اس دور کی نمایاں شخصیات:

مغلیہ دور میں عربی ادب کی بلندیاں ختم ہو گئیں۔ آنکھیں اندھی ہو گئیں طبیعتیں بجھ گئیں۔ لوگ جہالت کے اندھیروں میں حیران و سرگرداں تھے اور انھیں عربیت کا زوال ہی نظر آ رہا تھا الا یہ کہ مصر اور شام سے انھیں کچھ امید تھی۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان دونوں شہروں نے عربیت کے وجود کو باقی رکھا اور گرتے ہوئے ادب کو سہارا دے کر کھڑا کیا اور منتشر علم کو جمع کر دیا۔ اگر یہ دونوں شہر اس کا اہتمام نہ کرتے تو قدیم اور جدید ادب میں فرق باقی نہ رہتا۔ اگر اس کتاب میں اتنی گنجائش ہوتی کہ میں اپنے ہم وطنوں اور پڑوسی ادباء کے حالات لکھ دیتا تو یہ میرے لیے خوشی کی بات ہوتی لیکن ہمارے پاس محدود جگہ ہے۔ لیکن پھر بھی ہم ان عظیم لوگوں کے احسان اور علمی فضیلت کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے نام بمع عراق اور مغرب میں ان کے معاصرین کے ناموں کے ذکر کرتے ہیں۔

شعروادب میں نمایاں شخصیت تلعفری ہیں جو۵۹۳ھ میں موصل مقام میں پیدا ہوئے۔ ملک اشرف موسیٰ کے ساتھ رہے اور ۶۷۵ھ میں جوئے کا شکار ہوکر وفات پائی۔ مصر میں بوصیری پیدا ہوئے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدح میں قصیدہ بردہ لکھا اور ۶۹۵ھ میں مصر ہی میں انتقال ہوا۔ ابن نباتہ مصری متوفی ۷۶۸ھ اور ابن حجہ حموی متوفی ۸۲۷ھ جو اپنے دور کے بڑے ادیب تھے اور خزانہ الادب کے مصنف ہیں۔ قلقشندی مصری مؤلف صبح الاعشیٰ متوفی ۸۲۱ھ۔ اس کے بعد صفی الدین الحلی متوفی ۷۵۰ھ اور ابن معتوق متوفی ۱۰۸۷ھ۔ ان کے اشعار صنعت کے قیود کی وجہ سے ثقیل ہیں۔ اور تقلید کے دائرے کے اندر محصور۔ ان کے اشعار پر اخلاقی کمزوری غالب ہے۔ جیسے بزدلی، خوشامد، شکوئی، فحش، عریانی وغیرہ۔ البتہ بعض اشعار میں کچھ حسن اور بیان کی خوبیاں موجود ہیں۔ لغت اور اس کے علوم میں مہارت حاصل کرنے والوں میں ابن ملک مؤلف الفیہ متوفی ۶۷۳ھ، لسان العرب کے مؤلف جمال الدین بن منظور متوفی ۷۱۱ھ، المغنی فی النحو کے مصنف جمال الدین بن ہشام ۷۶۱ھ، قاموس کے مؤلف فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ شامل ہیں۔ ان حضرات نے لغت کے قواعد کو خوب تفصیل سے لکھا اور ڈکشنریوں اور دوسری کتابوں میں اس کے مواد کو جمع کر دیا۔

تاریخ اور جغرافیہ کے نامور علماء یہ ہے۔

ابن ابی اصیبعہ مؤلف عیون الانبیاء فی طبقات الاطباء متوفی ۶۶۸ھ، ابن خلکان مؤلف وفیات الاعیان متوفی ۶۸۱ھ، ابوفداء متوفی ۷۳۲ھ، شمس الدین ذہبی مؤلف تاریخ الاسلام متوفی ۷۴۸ھ، مقریزی مؤلف کتاب المواعظ والاعتبار فی ذکر الخط والآثار متوفی ۸۴۵ھ، ابن طقطقی مؤلف الفخری متوفی ۷۰۱ھ، ابن خلدون منشیء المقدمہ متوفی ۸۰۸ھ، لسان الدین بن خطیب متوفی ۷۷۶ھ، مقری مؤلف نفح الطیب متوفی ۱۰۴۱ھ، تاریخ کے بارے میں ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ تمام حوادثات کا ذکر کرتے، عبرتوں کا استنباط کرتے اور حوادثات پر تنقید وتبصرہ کرتے تھے۔ اسی طرح علمی واجتماعی مسائل میں غور وخوض بھی کیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کا طریقہ اپنے اسلاف کی بنسبت بہتر اور قدیم تاریخ کے زیادہ قریب تھا۔

اس کے علاوہ دیگر عام مؤلفین میں یہ حضرات بھی شامل ہیں۔ نویری مؤلف نہایۃ الارب فی فنون الادب متوفی ۷۳۲ھ، ابن فضل اللہ عمری مؤلف المؤلفات الجلیلۃ، کمال الدین دمیری مؤلف حیاۃ الحیوان متوفی ۸۰۸ھ۔ ان تمام حضرات نے بکھرے علم و ادب کو ایک جامع تصنیف میں یکجا کرنے کا شرف حاصل کیا، جو کہ آج کل کی انسائیکلوپیڈیا کے بہت مشابہ ہے۔ تو اب آپ غور کریں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے زمانہ کے حوادثات کے باوجود اپنی کتاب کی زبان کو ضائع ہونے سے محفوظ رکھا اور اپنے دین اور کتاب کی حفاظت کی۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے ایسے بڑے علماء پیدا ہوئے جنہوں نے زبان کے مٹے ہوئے حصے کو نئے سرے سے لکھا اور اس کی تلافی کی اور زبان کو ختم ہوجانے سے محفوظ رکھا۔

نجوم سماءٍ کلما انقض کوکب بدأ کوکبٌ تأوی الیہ کواکبہ

''یہ علماء آسمان کے ستارے ہیں کہ جب کوئی ستارہ گرتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ پر آجاتا ہے اور دوسرے ستارے اس کے گرد جمع ہوجاتے ہیں''۔

اب ہم ان میں سے چند بڑے علماء کے حالاتِ زندگی ذکر کرتے ہیں اور اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

صفی الدین حلی

(پیدائش ۶۷۷ھ، وفات ۷۵۰ھ)

پیدائش وحالاتِ زندگی:

صفی الدین ابوالبرکات عبدالعزیز بن سرایا عراق کے ایک محلے حلہ میں پیدا ہوا اور وہیں پرورش پائی اور تعلیم وتربیت حاصل کی۔ پھر وہاں امن وسلامتی میں خلل پیدا ہونے کی وجہ سے یہ جزیرہ میں ماردین کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوگیا۔ جہاں اس نے آل ارتق (۶۶۳ھ تا ۷۱۲ھ) کے بادشاہوں کی پناہ حاصل کی۔ انہوں نے اس کے دل سے خوف دور کیا اور ان کے اعزاز وانعام سے خوش حال ہوگیا۔ چنانچہ اس نے ان کی مدح میں انتیس قصیدے لکھے۔ ہر قصیدہ انتیس اشعار پر مشتمل تھا اور ہر شعر حروف ہجاء سے شروع ہوتا اور اسی پر ختم ہوتا تھا۔ اس کا نام اس نے ''درر بحور فی مدائح الملک المنصور'' رکھا جو کہ ارتقیات کے نام سے معروف ہے۔

۷۲۶ھ میں مصر آ گیا اور یہاں ملک ناصر بن قلادون کے سامنے اس کی مدح سرائی کی۔ اس نے اس کے ہاتھوں کو انعامات سے بھر دیا۔ پھر وہ ماردین واپس آ گیا اور یہاں سے بغداد چلا گیا اور وہیں وفات پائی۔

شاعری:

اس میں کوئی شک نہیں کہ صفی الدین اپنے زمانے کا بڑا شاعر تھا۔ اس کی شاعری میں لفظی فصاحت اور دلربا اسلوب پایا جاتا تھا۔ اس نے صنعت کی مختلف اقسام میں شاعری کی اور لمبے قصیدے، موشحات، مقطوعات اور زجل میں خوب عمدہ کام کیا۔ ہنسی مذاق بھی خوب کرتا تھا۔ اس نے شاعری کی گیارہ اقسام میں طبع آزمائی کی اور ان پر دیوان لکھا۔ اس نے نظم میں چند اقسام ایجاد کیں ان میں الموشح المضمن ہے جیسا کہ ابونواس کے بائیہ کی تضمین ہے۔ اس کا ایک بند یہ ہے۔

وحق الهویٰ ماحلت یوما عن الهوی　　　ولکن نجمی فی المحبة قد هوی

محبت کا حق یہ ہے کہ میں ایک دن بھی اسے نہ چھوڑوں لیکن محبت میں میرا ستارہ گر چکا ہے۔

ومن کنت أرجو وصله قتلي نوی　　　وأضنی فؤادی بالقطیعة والنوی

میں جس کے تعلق کی امید رکھتا ہوں وہ میرے قتل کا ارادہ رکھتا ہے اور میرے دل کو اس نے قطع تعلقی سے بیمار کر دیا ہے۔

لیس فی الهوی عجب　　　ان أصابنی نصب

اگر مجھے پریشانی آئی ہے تو محبت میں یہ انوکھی چیز نہیں۔

(حامل الهوی تعب　　　یستحقه الطرب)

محبت والا تھکاوٹ اور غم میں مبتلا تو ہوتا ہے۔

شاعری کا نمونہ:

حماسہ کے بارے میں لکھتا ہے:

سل الرماح العوالی عن معالینا   وسائل البیض هل خاب الرجا فینا؟

ہماری بلندی کے بارے میں بلند نیزوں سے پوچھو اور تلواروں سے دریافت کرو کہ کبھی ہماری امید ناکام ہوئی ہے؟

وسائل العرب والأتراك ما فعلت   فی أرض قبر عبید اللّٰه أیدینا

عرب اور ترکوں سے پوچھو کہ عبیداللہ کی قبر پر ہمارے ہاتھوں نے کیا کارنامے انجام دیئے۔

لما سعینا فما رقت عزائمنا   عما نروم ولا خابت مساعینا

جب بھی ہم نے کوشش کی ہے تو ہمارے عزائم مقصد کمزور نہیں ہوئے اور نہ ہی ہماری کوششیں ناکام ہوئیں۔

یا یوم وقعة زوراء العراق وقد   دنا الأعادی کما کانوا یدینونا

اے زوراء عراق کے واقعہ کے دن! ہم نے دشمن کے ساتھ ویسا ہی کیا جیسا کہ وہ ہمارے ساتھ کرتے تھے۔

بضمر ما ربطناها مسومة   إلالنغزو بها من بات یغزونا

چھریرے گھوڑوں کے ساتھ جنھیں ہم نے اپنے دشمنوں کے ساتھ لڑائی کے لیے تیار کیا تھا۔

* وفتیة إن نقل أصغوا مسامعهم   لقولنا أو دعوناهم أجابونا

اور ایسے نوجوان ساتھ تھے جو ہماری خوب اطاعت اور فرمانبرداری کرتے تھے۔

قوم إذا استخصموا کانوا فراعنة   یوما و إن حکموا کانوا موازینا

یہ ایسی قوم ہے کہ جب لڑتے ہیں تو فرعون بن جاتے ہیں اور جب فیصلہ کرنے والا بنایا جاتا ہے تو ترازو بن جاتے ہیں۔

تدرعوا العقل جلبابا فإن حمیت   نارُ الوغی خلتهم فیها مجانینا

انھوں نے عقل کی چادر اپنے اوپر لے رکھی ہے اور جب جنگ کی آگ بھڑکتی ہے تو یہ دیوانے معلوم ہوتے ہیں۔

إذا أدعوا جاءت الدنیا مصدقة   و إن دعوا قالت الأیام آمینا

جب وہ کوئی دعویٰ کرتے ہیں تو ساری دنیا ان کی تصدیق کرتی ہے اور جب وہ پکارتے ہیں تو زمانہ امین کہتا ہے۔

إنا لقومٌ أبت أخلاقنا شرفا   أن نبتدیء بالأذی من لیس یؤذینا

ہم ایسی قوم ہیں کہ ہمارے اخلاق اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم کسی ایسے شخص کو ستائیں جس نے ہمیں نہیں ستایا۔

بیض صنائعنا، سود وقائعنا،   خضر مرابعنا، حمرٌ مواضینا

ہمارے کارنامے روشن اور ہماری جنگیں تاریک ہیں۔ چراگاہیں سبز اور تلواریں سرخ ہیں۔

لا یظهر العجز منا دون نیل منی   ولو رأینا المنایا فی أمانینا

ہمارے مقصد میں کمزوری ظاہر نہیں ہوتی چاہے ہمیں اپنے مقاصد میں موت نظر آئے۔

ابن منظور

(پیدائش ۶۳۰ھ، ۱۲۳۲ء، وفات ۷۱۱ھ، ۱۳۱۱ء)

پیدائش وحالاتِ زندگی:

جمال الدین محمد بن مکرم ۱۲ محرم ۶۳۰ھ بروز پیر قاہرہ کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے کے علماء سے علم حاصل کیا مثلاً عبدالرحمٰن ابوطفیل، مرتضیٰ بن حاتم اور ابن مقبر۔ یہاں تک کہ اس قدر علم وادب حاصل کیا کہ انشاء کے دفتر میں کام کرنے لگے۔ اس وقت انشاء کے دفتر میں کام کرنے کے لیے بہت سے علوم وفنون میں مہارت ضروری تھی۔ جن کو صبح الاعشیٰ کے مصنف نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ پھر کچھ عرصہ طرابلس الغرب کے قاضی بنے رہے۔ اس دوران وہ درس وتصنیف میں بھی کمی نہ کرتے تھے حتی کہ جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کی ۵۰۰ تصنیفات تھیں۔

ابن منظور محنتی، پختہ ارادے والے اور اچھے اخلاق کے حامل تھے۔ وہ طبع رفض کے بغیر شیعیت کی طرف مائل تھے۔ لسان العرب میں جہاں کہیں اس موضوع کے متعلق کوئی بات آتی وہاں کلام کے اسلوب سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔

تصانیف:

ابن منظور میں نئی چیز کی ایجاد کا ملکہ نہیں تھا وہ اپنے ہم عصر علماء کی طرح منتشر علم کو یکجا کرنے اور بڑی کتابوں کی تلخیص کرنے میں ماہر تھے۔ ان کے بارے میں صفدی صلاح الدین نے کہا: ''میں ادب کی ایسی کوئی کتاب نہیں جانتا جسے جمال الدین بن مکرم نے مختصر نہ کیا ہو''۔ ان کی تصانیف میں ایک لسان العرب ہے۔

لسان العرب:

یہ ایک جامع لغت کی کتاب ہے جو بہت سی دوسری ڈکشنریوں پر مشتمل ہے مثلاً ازہری کی تہذیب، ابن سیدہ کی محکم، جوہری کی صحاح، ابن درید کی جمرہ اور ابن اثیر کی نہایہ۔ مؤلف نے آخری کلمات کے مطابق اسے ترتیب دیا ہے اور اس احسن انداز سے مرتب کیا ہے کہ اس سے استفادہ کرنا بہت آسان ہے۔ متقدمین رواۃ کی نصوص پر محافظت کے ساتھ عبارات کی صحت نقل میں خوب کوشش کی اور قرآن وحدیث، امثال اور شعر سے صحیح شواہد کے ذریعے ان کی تائید حاصل کی۔

اس کتاب کے مترجم، جن میں صفدی بھی ہیں، کہتے ہیں کہ اس کا پہلا نسخہ جسے مصنف نے اپنے خوبصورت خط سے لکھا وہ مصر میں المقر الاشرف کمالی مہتمم دفتر انشاء کے پاس ہے۔ وہ ستائیس حصول پر مشتمل ہے لیکن ۱۳۰۰ھ میں مصر سے بیس جلدوں میں شائع ہوا۔

ان کی تصانیف میں درج ذیل کتب بھی ہیں: ''کتاب سرور النفس بمدارک الحواس الخمس'' اس کتاب کا موضوع ہر وہ چیز ہے جس کا تعلق حس سے ہے۔ مثلاً رات دن اور ان کے اوصاف، صبح اور اس کی مدح، چاند اور اس کا ظہور، فجر کا سماں، سحر کے وقت بادِ نسیم کے جھونکے، پرندوں کا درختوں پر چہچہانا، سورج، ستارے، نجومیوں کی آراء اور اہل فلک کی آراء وغیرہ...... الخ۔ اس کے علاوہ ان کی

بہت کی تصانیف تہذیب اور اختصار پر مشتمل ہیں مثلاً مختار الاغانی، مختصر تاریخ بغداد جو خطیب بغدادی کی تصنیف ہے، مختصر مفردات الحیوان (جاحظ)، مختصر الیتیمہ (ثعالبی)، لطائف ذخیرہ (ابن بسام)۔

وہ شاعر بھی تھے اور عمدہ شاعری کرتے تھے۔ ان کی شاعری میں سے چند اشعار یہ ہے:

ضع كتابى اذا أتاك على الأر ... ض و قلبه فى يديك لماما

میرا خط جب تیرے پاس آئے تو اسے زمین پر رکھ اور وقفے وقفے بعد اپنے ہاتھوں میں الٹ پلٹ کر۔

فعلى ختمه وفى جانبيه ... قبل قد وضعتهن تؤاما

اس کی مہر پر اور اطراف میں بوسے ہیں جو میں نے یکے بعد دیگرے کیے ہیں۔

كان قصدى بها مباشرة الأر ... ض وكفيك بالتثامى إذا ما

اور میرا مقصود یہ تھا کہ میں ایک ہی وقت میں زمین پر بھی رہوں اور آپ کے ہاتھوں میں بھی۔

چند مزید اشعار یہ ہیں:

بالله إن جزت بوادى الأراك ... وقبلت أغصانه الخضر فاك

اللہ کی قسم جب تو پیلو کے درختوں کی وادی سے گزرے اور سبز ٹہنیاں تیرے منہ کو چومیں۔

فابعث إلى المملوك من بعضه ... فإننى واللّٰه ما لى (سواك)

تو ان میں سے کچھ ٹہنیاں میرے پاس بھیج دینا۔ اللہ کی قسم میرے پاس مسواک نہیں ہے۔

ابو الفداء

(پیدائش ۶۷۲ھ، ۱۲۷۳ء، وفات ۷۳۲ھ، ۱۳۳۱ء)

پیدائش وحالاتِ زندگی:

یہ الملک المؤید عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن علی ایوبی والی حماۃ ہیں۔ اس نے سردار اور اہل فضل گھرانے میں جنم لیا اور خوشحالی میں پرورش پائی۔ اپنے علوم کی تکمیل کی اور تاریخ اور علم ہیئت میں بلندی حاصل کی۔ وہ بہت جرأت مند اور بہادر تھا۔ وہ کرک میں ملک ناصر ابن قلادون کی خدمت میں رہا اور تاتاریوں کے خلاف اس کی مدد کی اور حماۃ کا علاقہ فتح کرنے کا وعدہ کیا اور اس وعدے کو نبھایا۔ چنانچہ بادشاہ نے اسے وہاں کا مطلق عنان (خود مختار) بادشاہ بنا دیا اور اس کا نام الملک المؤید رکھا۔ اسے مصر بلایا اور شاہی شعار سے نوازا۔ امراء وکبراء اس کی خدمت میں رہتے اور ہر سال اس کے پاس عمدہ ہدیے بھیجے جاتے جن میں گھوڑے، غلام اور قیمتی جواہرات ہوتے تھے۔ وہ جب تک زندہ رہا ضعیفوں کا مددگار، علماء کا پشت پناہ، تصنیف وتالیف کا دلدادہ رہا یہاں تک کہ اللہ کو پیارا ہو گیا۔

تصانیف:

ابو الفداء کی تاریخ اور جغرافیہ کے موضوع پر دو کتابیں ہیں اور یہ دونوں کتابیں عرب واہل یورپ کے لیے ان دونوں علوم

میں مرجع تھیں۔ پہلی کتاب ''المختصر فی اخبار البشر'' ہے۔ یہ عربوں کی ۷۲۹ھ تک کی عام تاریخ پر مشتمل ہے۔ اس نے اس تاریخ کی بیس سے کچھ زیادہ کتابیں تلخیص کیں اور سالوں کی ترتیب میں ابن اثیر کے طرز کو اختیار کیا ہے۔ واقعات کے نقل کرنے میں سچائی اور تنقید کے پہلو کو اختیار کیا ہے۔ دوسری کتاب ''تقویم البلدان'' ہے جس میں اس نے متقدمین کی جغرافیہ اور فلک کے بارے میں لکھی گئیں کتابوں کو جمع کیا ہے۔ اسماء کو ضبط کیا، طول وعرض کی تحقیق کی اور خاص طور پر مصر، شام، عرب اور ایران کے شہروں کے حالات بیان کرنے کا اہتمام کیا۔ اہل یورپ نے اس کتاب کو بہت اہمیت دی اور اس کا ترجمہ کیا اور وہ عرب کے جغرافیہ کے بارے میں اس کتاب پر اعتماد کرتے ہیں۔

ابن خلدون

(پیدائش ۷۳۲ھ، ۱۳۳۲ء، وفات ۸۰۸ھ، ۱۴۰۶ء)

پیدائش وحالات زندگی:

یہ ابوزید عبدالرحمن بن محمد المعروف ابن خلدون ہیں۔ ان کا نسب نامہ کندہ کے سرداروں میں وائل سے جا ملتا ہے۔ ان کے نویں دادا خلدون تیسری صدی ہجری کے آخر میں اندلس چلے گئے تھے اور اشبیلیہ میں اپنے خاندان کو ٹھہرایا۔ پھر وہاں سے جلاء وطنی کے وقت تونس منتقل ہو گئے۔ جہاں یہ بڑے عالم (ابن خلدون) ۷۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اور علم اور سرداری کے ماحول میں پرورش پائی۔ ابتداءً اپنے والد صاحب سے تعلیم حاصل کی پھر دیگر اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ قرآنی علوم میں مہارت حاصل کی اور اس کے علاوہ دوسرے علوم بھی سیکھے۔ فقہ اور عربیت میں خوب ملکہ پیدا کیا اور تاریخ میں متبحر عالم تھے۔ انہوں نے تاریخ کی ڈھکی ہوئی باتوں کو وضاحت سے بیان کیا اور تمام مباحث کی تہہ تک پہنچے یہاں تک کہ وہ انتخاب زمانہ اور بے نظیر بن گئے۔ بچپن ہی سے انہیں بادشاہوں کی خدمت میں رہنے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ وہ اندلس اور مغرب کے بہت سے بادشاہوں کے ساتھ رہے۔ کاتب، دربان اور قضاء کے عہدے پر فائز رہے۔ لیکن کسی بھی عہدے پر کچھ عرصہ ہی کام کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ عزت نفس کے مالک اور کھرے آدمی تھے اور ان کے حاسدین بہت تھے۔

۷۶۴ھ میں اندلس آ گئے جہاں الغنی باللہ والی غرناطہ ان کی آمد پر بہت خوش ہوا اور اپنے خاص احباب کو ان کے استقبال کے لیے بھیجا۔ اس نے انھیں اپنے دربار میں بٹھایا اور اپنے وزیر کو چھوڑ کر اس کی طرف زیادہ متوجہ ہونے لگا۔ جس پر وزیر کو نفرت ہوئی اور کینہ پیدا ہو گیا جسے ابن خلدون نے تاڑ لیا چنانچہ وہ بادشاہ اور وزیر کو ان کے حال پر چھوڑ کر اپنے وطن واپس آ گئے۔ پھر سیاحت شروع کر دی اور ۷۸۴ھ میں مصر پہنچے اور جامع ازھر میں تدریس شروع کر دی۔ اور سلطان برقوق کی خدمت میں رہے۔ سلطان نے ان کے مرتبے کو پہچانا اور ان کے منع کرنے کے باوجود بھی اس نے مالکی قضاء کا عہدہ ان کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے عدل وانصاف قائم کیا جس کی وجہ سے دوسرے قاضیوں کا معاملہ سرد ہو گیا اور وہ ان کے خلاف ہو گئے اور بادشاہ تک ان کی شکوہ شکایت پہنچانی شروع کر دی۔ لیکن بادشاہ نے ان کی باتوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ لیکن ابن خلدون اس تلخ زندگی سے اکتا گیا تھا اور ان مستقل

مصائب سے ان کا دل تنگ آ چکا تھا۔ اتفاقاً اسی دوران ان کا خاندان تونس سے واپس آتے ہوئے کشتی کے ڈوب جانے سے ہلاک ہوگیا جس سے انہیں سخت دھچکا لگا تو انہوں نے قضاء کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے روانہ ہوئے اور فیوم میں اپنی ذاتی زمین میں سب سے الگ تھلگ رہنے لگے۔ یہ زمین انھیں سلطان نے دی تھی۔ تدریس وتصنیف میں مشغول ہو گئے۔ پھر وہ دوسری مرتبہ قضاء کے عہدے پر فائز ہوئے اور قسمت کی گردش میں پڑ گئے۔ وہ مسلسل عہدوں پر فائز ہوتے رہے اور برطرف ہوتے رہے یہاں تک کہ مصر میں بمطابق ۸۰۸ھ وفات پائی۔

عادات واخلاق:

ان کے بارے میں لسان الدین ابن خطیب کہتے ہیں کہ وہ اہل فضل، اچھے اخلاق کے مالک، باحیاء، باوقار، خوش ہیئت، خود دار، ارادہ کے پکے، اپنے مقدر کے متلاشی، عقلی اور نقلی فنون کے ماہر، بہترین محقق کثیر الحفظ، عمدہ لکھائی والے، شان وشوکت کے شوقین، ملنسار وغیرہ وغیرہ تھے۔ یہ ایسے اوصاف تھے جن کی تصدیق ان کے آثار اور آراء سے بھی ہوتی ہے۔

انشاء پردازی اور شاعری:

ابن خلدون ایسے زمانے میں پیدا ہوئے جس میں علوم وآداب مٹ چکے تھے۔ اور صنعت نے کتابت کی روح کو ختم کر دیا تھا۔ ان کی طبیعت نے انہیں عہد اوّل کی انشاء پردازی کی طرف مائل کیا چنانچہ انہوں نے سجع بندی سے اعراض کیا اور بدیع سے متنفر ہو گئے۔ انھوں نے لفظ کو معنی کا تابع بنایا۔ اس کی تصریح انہوں نے اندلس کے بادشاہ کو لکھے ہوئے ایک خط میں کی۔ وہ فرماتے ہیں: ''میری اکثر عبارات آزاد ہوتیں ہیں ان میں میرا کوئی شریک نہیں ہوتا۔ وہ لوگ جو سجع میں تکلف سے کام لیتے تھے ان کی سجع نگارش کمزور اور لوگوں پر معانی مخفی رہتے تھے۔ جبکہ آزاد عبارتوں میں ایسا نہیں تھا۔ اور میں اس میں اس وقت منفرد تھا۔ میرے اس طرز کو اہل صناعۃ تعجب سے دیکھتے تھے۔ پھر میں نے شاعری شروع کر دی اور شاعری کے سمندروں میں غوط کھانے لگا اور میں نے اوسط درجے کی شاعری کی''۔ ابن خلدون نے جس سچائی اور صراحت کے ساتھ اپنے بارے میں فیصلہ کیا ہے وہ مزید کسی بیان کا محتاج نہیں۔

تاریخ کے بارے میں ان کی تصنیف:

ابن خلدون نے تاریخ پر کام کیا اور اس کی مباحث تحریر کیں، واقعات کی علتیں بیان کیں، اور اپنی مشہور کتاب ''العبرو دیوان المبتداء والخبر'' تصنیف کی۔ یہ تین کتابیں ہیں جو سات جلدوں پر مشتمل ہیں۔ کتاب میں ہر فصل کے شروع میں ایک حکومت سے دوسری حکومت کے تذکرے کی طرف منتقل ہونے کے وقت فلسفیانہ مقدمات لانے، واضح گفتگو، درست رائے اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کی وجہ سے اس کتاب کو امتیازی حیثیت حاصل تھی۔

لیکن ان کی فضیلت اور شہرت ان تین کتابوں میں سے پہلی کتاب کے ساتھ ہے جو مقدمہ کے نام سے معروف ہے۔ کیوں کہ یہ کتاب اجتماع، اقتصاد، تاریخی فلسفے اور اسباب وعلل کا استنباط کرنے میں انوکھی اور متنوع ابحاث پر مشتمل ہے اور یہ ان کی زندگی اور متعدد اسفار میں مشاہدے اور مطالعے کا نتیجہ ہے۔ یہ مقدمہ چھ فصلوں پر مشتمل ہے۔ **اوّل**: پیدائش اور ارتقاء۔ **دوئم**: اجتماع۔ **سوم**: عملی سیاست۔ **چھارم**: جنگی امور۔ **پنجم**: اقتصاد سیاسی۔ **ششم**: عربی زبان کے آداب کی تاریخ۔ یہ کتاب اپنے رواں اور دل پسند

اسلوب کے ساتھ ساتھ علم وادب کا خزانہ ہے۔ اغلب یہ ہے کہ ابن خلدون پہلا شخص ہے جس نے تاریخی فلسفہ کا استنباط کیا۔ اور اس کا نام ''طبیعۃ الحمران فی الخلیفہ'' رکھا۔ اپنے مقدمہ میں اس سے اسے تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اپنی باتوں پر صحیح تاریخی واقعات سے استشہاد کیا ہے۔ جو اس کی رائے کی درستگی، پختی نظر اور استنباط وتعلیل میں وسیع معلومات پر دلالت کرتی ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ علماء نے تاریخ کے بارے میں انہی کے وضع کردہ اصول وقواعد کی بنیاد پر ان کی کچھ غلطیاں وخامیاں بھی نکالی ہیں اور متقدمین پر جو اعتراضات انہوں نے کیے تھے ان سے خود نہ بچ سکے لیکن تمام عیوب سے پاک اور کامل ذات تو صرف اللہ ہی کی ہے۔

سیدہ عائشہ باعونیہ

(وفات ۹۲۲ھ، ۱۵۱۶ء)

پیدائش وحالاتِ زندگی:

یہ سیدہ فاضلہ زاہدہ عورت عائشہ بنت یوسف بن احمد باعونی ہیں۔ یہ دمشق کے ایک علاقے صالحیہ میں ایسے گھرانے میں پیدا ہوئیں جو علم وورع میں معروف تھا۔ ان کے والد، چچا، بیٹا اور بھائی فقہ، حدیث، تصوف، تاریخ اور ادب کے نامور علماء میں سے تھے۔ انہیں کے چشموں سے ان خاتون کو علمی سیرابی ملی۔ پھر اپنے دور کے بڑے علماء سے فقہ، نحو اور عروض کا علم حاصل کیا مثلاً جمال الحق والدین اسماعیل حوارنی، محی الدین ارموی۔ اس کے بعد مصر آئیں اور علامہ ابوالعباس قسطلانی شارح بخاری کی شاگردی اختیار کی۔ پھر جم کر تدریس وتالیف میں مشغول ہوگئیں اور ان کے علم وفضل سے بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ آخر کار وہ اللہ کو پیاری ہوئیں اور اپنے پیچھے کتابوں کی صورت میں اپنے بہت سے آثار چھوڑ کر گئیں۔ جن میں ایک کتاب ''الفتح المبین فی مدح الامین'' ہے یہ کتاب اس قصیدہ کی شرح ہے جو انہوں نے علم بدیع میں ابن حجۃ کی طرز پر لکھا تھا۔ ایک کتاب ''فیض الفضل'' ہے جو حضور ﷺ کی تعریف میں کہے گئے قصائد کا دیوان ہے۔ ''المواد الاھنیٰ فی المولد الاسنیٰ'' یہ کتاب حضور ﷺ کی ولادت پر ہے اور رقت آمیز اشعار اور عبارات پر مشتمل ہے۔

شاعری اور نثر نگاری میں ان کا مقام:

اس تاریک دور میں باعونہ جیسی عورت کو دیکھ کر جو علم وادب میں مردوں سے آگے نکل گئی، آدمی حیرت پر پڑ جاتا ہے۔ پر تکلف سجع بندی، بدیع پسندی اور لفظ آرائی کوئی عیب کی بات نہیں اور نہ شاعری کا مدح نبوی میں محصور رہنا کوئی عیب ہے کیونکہ انسان اپنے ماحول ہی کی پیداوار ہوتا ہے۔ اور صحیح شعر اپنے کہنے والے کے دل کی عکاسی کرتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ شعراء نے کس طرح لفظی بناوٹ کو اختیار کر لیا ہے اور دینی معانی کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ لہٰذا اگر یہ خاتون اپنے زمانے کے لوگوں کے اخلاق کو اپناتی ہے اور نثر وشاعری میں ان کی طرز اختیار کرتی ہے تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔

شاعری کا نمونہ:

انہوں نے شرح بدیعیہ کے مقدمہ میں کہا ہے:

یہ قصیدہ ایک پردہ پوش خاتون نے کہا ہے جو طبیعت کی سلامتی پر گواہ ہے، بیان کے حسن سے آراستہ ہے، اللہ تعالیٰ سے ڈر اور اس کی رضا جوئی پر مبنی ہے، اس میں بدیع کی مختلف انواع کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ حضور اکرم شافع محشر ﷺ کی مدح سے اسے بلندی حاصل ہے۔ تسمیۃ الانواع کی قیدوں سے آزاد ہے، ابداع کے افق پر اس کے طوالع روشن ہیں اور قصائد نبویہ میں اسے امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ یہ قصیدہ الہام سے لکھا گیا ہے جو کہ اہل اشارات کے لیے سند کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کا نام ''الفتح المبین فی مدح الامین'' رکھا گیا ہے۔

اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے:

فی حسن مطلع اقمار بذی سلم　　أصبحت فی زمرة العشاق کالعلم

أقول والدمع جار جارحُ مقلی　　والجارُ جار بعدل فیه متهم

اس قصیدے کے مزید اشعار یہ ہیں:

یاسعد ان ابصرت عیناك کاظمة　　وجئت سلعا فسل عن أهلها القدم

اے سعد! اگر تو کاظمہ سے ملے اور سلع آئے تو اس کے پرانے باشندوں سے پوچھنا۔

فثم أقمار ثم طالعین علی　　سویلع حیهم وانزل بحیهم

وہاں چودھویں کے چاند ہیں انہیں سلام پیش کرنا اور ان کے قبیلے میں رہائش اختیار کرنا۔

اس قصیدہ کے استخدام میں مزید اشعار:

واستوطنوا السر منی فهو موضعهم　　ولا أبوح به یوما لغیرهم

انھوں نے مجھ سے راز کو اپنے پاس رکھ لیا تو وہ ان کی جگہ ہے۔ میں ان کے علاوہ کسی پر بھی راز نہیں کھولوں گا۔

تفریق کے بارے:

قالوا هو الغیث، قلت الغیث آونة　　یهمی وغیث نداه لا یزال همی

وہ کہتے ہیں کہ "وہ بارش ہے۔ میں کہتی ہوں کہ بارش تو کبھی کبھار تیز برستی ہے لیکن ان کی عطا کی بارش تو ہر وقت تیز ہی برستی رہتی ہے۔

حسن ختام کے بارے میں:

مدحت مجدك والاخلاص ملتزمی　　فیه وحسن امتداحی فیك مختتمی

میں نے تیری عظمت و بزرگی کی تعریف پورے اخلاص سے کی اور میرا اختتام یہی ہے کہ تیری اچھی تعریف کرتی رہوں۔

ظاہر برقوق نے شریعت (نہر) پر پل بنایا تو اس نے کہا:

بنی سلطاننا برقوق جسراً   یأمر والأنام له مطیعه

ہمارے سلطان برقوق نے اپنے حکم سے پل بنایا اور مخلوق اس کی مطیع ہے۔

مجاز فی الحقیقة للبرایا   وأمر بالمرور علی الشریعه

حقیقت میں لوگوں کے لیے گزرنے کا راستہ ہے اور شریعت پر چلنے کا حکم ہے۔

دمشق کے وصف میں اس کی نظم کے اشعار:

نزه الطرف فی دمشق ففیها   کل ما تشتهی وما تختار

نگاہ کو دمشق میں گھماؤ پھراؤ وہاں تمہاری پسند اور چاہت کی ہر چیز ملے گی۔

هی فی الأرض جنة فتأمل   کیف تجری من تحتها الأنهار

یہ (دمشق) زمین پر ایک جنت ہے۔غور تو کر کہ اس کے نیچے کیسے نہریں جاری ہیں۔

کم سما فی ربوعها کل قصر   أشرقت من وجوهه الأقمار

کتنے ہی محلات ہیں اس کی زمین پر جن سے چاند روشنی حاصل کرتا ہے۔

وتناغیك بینها صادحاتٌ   خرست عند نطقها الأوتار

وہاں پرندے سریلی آوازیں نکالتے ہیں جن کی آوازوں کے سامنے موسیقی کے آلات ہیچ نظر آتے ہیں۔

کلها روضة وماد زلال   وقصور مشیدة ودیار

یہ سارا علاقہ باغات، آبِ زلال، مضبوط محلات اور گھروں سے بھرا ہوا ہے۔

پانچواں باب

دورِ جدید

پہلی فصل

عمومی جائزہ

ظالم زمانہ عرب ممالک کو مسلسل گھٹاتا جارہا تھا۔ یہاں تک کہ اٹھارویں صدی کے آخر میں عرب ممالک میں صرف عراق، شام، بلادعرب، مصر، سوڈان اور مغرب ہی باقی رہ گئے تھے۔ ان شہروں میں بھی عربی زبان ضعف اور بے سروسامانی کے عالم میں اپنے آخری سانس لے رہی تھی۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمدن کا سورج دوسری دفعہ دریائے نیل کی سرزمین پر طلوع ہوا۔ اور یہاں سے کمزوری دور ہوئی اور زندگی کی لہر دوڑنے لگی۔ مصر ہی میں اس آفتاب کی پناہ اور فریادرسی ہوئی اور مصر ہی میں اس کی بقاء اور یہاں سے دوسرے ممالک کی طرف بڑھنا ہوا۔

ان دنوں میں مصر حکماً سلطنت عثمانیہ کے ماتحت تھا اور عملاً خاندان غلاماں کے ماتحت تھا۔ مختلف قسم کے افکار ونظریات، باہم ٹکرانے والی قوتیں اور مخالف قومیں اس مصیبت زدہ قوم کے ڈھانچے کو دیمک کی طرح کھا رہی تھیں۔ کل باشندے ۳۰ لاکھ تھے۔ ناخواندگی اور جہالت عام تھی۔ وباؤں اور قحط سالی نے انہیں زخمی کردیا تھا۔ ظلم کے پنجے میں جکڑی ہوئی اور حکام کی غلام بنی ہوئی تھی۔ اور وہ خود ہی آگے بڑھنے سے رک گئے تھے۔ اس دردناک حالت میں زمانہ حرکت میں آیا اور نپولین نے آکر حملہ کردیا۔

نپولین نے ۱۷۹۸ء میں حملہ کیا تھا۔ ہم یہاں صرف اس حملے کے ادبی اثرات پر بات کریں گے۔ اس عظیم قائد کے ساتھ جو علمی جماعت آئی اسے مصر میں جدید تمدن کی باغبانی سے ہنگامے اور جنگیں نہ روک سکیں۔ انھوں نے یہاں دو مدرسے، دو رسالے، اداکاری کا تھیٹر، علمی اکیڈمی، کتب خانہ، چھاپہ خانہ، کیمیائی لیباٹری اور رصدگاہیں قائم کیں اور لوگوں کے لیے علوم کو حاصل کرنا اور غوروفکر کرنا آسان ہوگیا۔ اس جماعت کی مثال اندھیرے میں روشن چراغ کی سی ہے آخر کار مصر کی فضاء سے تاریکی اور جہالت کے بادل چھٹ گئے۔ اور لوگوں کو غوروفکر کا موقع ملا۔ لیکن جب انھوں نے آنکھیں کھولیں تو وہ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ انیسویں صدی میں ہیں اور مغرب (اہل یورپ) ان کے سامنے ایسے کھڑا تھا جیسے کوئی عقل مند انسان، بے زبان جانور کے سامنے کھڑا ہو اور وہ اس جانور کو تمسخر کے انداز میں دیکھ رہا ہو اور یورپ زندگی کے صحیح راستہ پر مادہ کو مسخر کرتا جارہا تھا اور مصر والے انہیں دیکھ کر مبہوت اور حیرت میں پڑ گئے اور دہشت زدہ ہوگئے۔

لیکن خاندان خدیویہ کا سردار محمد علی دہشت زدہ نہ ہوا۔ اور وہ تاڑ گیا کہ مغرب کو جو بھی ترقی حاصل ہوئی ہے وہ علم کی بدولت ہے اور فرانسیسیوں نے مصر کی بدحالی میں یہاں جو اچھے اثرات اور نفع مند ابحاث چھوڑیں تھیں، انھیں محمد علی بہت بڑی چیز سمجھتا تھا۔ وہ دل میں حکومت کی خواہش رکھتا تھا اور ایک خود مختار ریاست کا خواہاں تھا۔ چنانچہ وہ مصر کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوا جہاں تعلیم یافتہ شخص نہیں ملتا تھا۔ اس نے شہروں اور بستیوں میں مختلف مقاصد کے مدارس قائم کیے اور لوگوں کو جبراً تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ کیا۔ فرانس

سے علماء کی ایک جماعت تدریس وتالیف کے لیے بلائی جس میں ڈاکٹر کلوٹ بک مؤسس طبیہ کالج، گومار بک مصری مشن کے مؤسس جیسے فضلاء شامل تھے۔ اوران مدارس سے فارغ ہونے والے طلباء کو استفادے اور مزید علم حاصل کرنے کے لیے فرانس بھیجا۔ جب یہ طلباء واپس آئے تو یہ ترجمہ اور تعلیم میں مشغول ہو گئے۔ یہ چوالیس تھے۔ اس کے بعد مختلف وفد یورپ جاتے رہے یہ سارے جامع ازہر کے وفود تھے۔ اس عظیم درس گاہ کا جس طرح عربی زبان کو زوال سے محفوظ رکھنے کا احسان تھا اسی طرح آج اس زبان کو نئے سرے سے بلند کرنے میں بھی اسی کی کاوش شامل ہے۔

قاہری میں غیر ملکی زبانیں سکھانے کے مدرسے اور ترجمہ کے مراکز قائم ہوئے۔ اور مطبعہ اہلیہ کے ملبے پر جسے فرانسیسی اپنے ساتھ لائے تھے اوران کے چلے جانے سے وہ مطبعہ بھی ختم ہو گیا تھا، مطبعہ مصریہ کی عمارت قائم کی۔ اور وقائع مصریہ نکالا جو مشرق میں پہلا عربی اخبار تھا۔ یہ ساری آگ اسی چنگاری کی جلائی ہوئی تھی جسے نپولین مصر میں لایا تھا اور محمد علی نے پھونکیں مار مار کر اسے بھڑکایا۔ یہاں تک کہ شام اور تمام بلاد عرب میں اس کے شعلے بھڑکے اور سوئے ہوئے لوگوں کو جگایا اور جہالت کے بادلوں کو صاف کیا۔ مصر میں جس طرح محمد علی نے کام کیا اسی طرح لبنان میں امیر بشیر شہابی نے کام کیا۔ جہاں اس کی مدد امریکہ اور فرانس کے عیسائی مبلغین کر رہے تھے۔ ان (مبلغین) نے مدارس قائم کیے، چھاپہ خانے بنائے، کتابیں تالیف کیں، رسائل جاری کیے، اداکاری کی تعلیم دی اور ان تمام کاموں میں عربی زبان کو استعمال کیا۔ آخر کار ان کے مدارس سے نثر نگار، شعراء، صحافی اور مترجمین جو کہ لبنان کے تھے، استفادہ کر کے نکلے۔ اب یہ دونوں علاقے دوش بدوش کھڑے ہو کر عربی زبان اور علوم کے احیاء کی کوشش کر رہے تھے۔ چنانچہ کتابوں کے ترجمے ہوئے، عربی تالیفات پھیلیں، اور عربی زبان میں زندگی کی لہر دوڑی۔ لیکن ابھی تک عربی ادب اور اس کے علوم ابھرے نہ تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ محمد علی صرف ان علوم کی طرف متوجہ تھا جن کی اس وقت زیادہ ضرورت تھی۔ مثلاً جنگی، طبی، صنعتی اور ریاضی کے علوم۔ اور اس میں وہ عامی زبان اور اصطلاحی اسلوب ہی اختیار کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ محمد علی اور اس کے جانشینوں کے دور میں دفاتر کی زبان عربی اور ترکی زبان کا مجہول سا مرکب بنی ہوئی تھی۔

ان تمام وجوہات کے باوجود مصر میں عربی زبان کے مددگار ختم نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ اس کے لیے شیخ حسن عطار، بطرس کرامہ، سید علی درویش اور رفاعہ بک طہطاوی، جیسے حضرات موجود تھے جنہوں نے عربی زبان کی حفاظت اور سلامتی کے لیے کوشش کی اور اس کے اسلوبِ بیان میں جدت پیدا کی۔

یہ مبارک اٹھان آہستہ آہستہ ترقی کرتی گئی یہاں تک کہ عباس اور پھر سعید ولی عہد بنے اور یہ تحریک ٹھنڈی ہو گئی کیوں کہ یہ دونوں ولی عہد تعلیم و تعلم کا شوق نہ رکھتے تھے۔

پھر جب اسماعیل ۱۸۶۳ء میں خدیویہ کے تخت پر جلوہ گر ہوا تو اس نے بند مدارس کو کھولا اوران میں اضافہ کیا۔ اس نے علوم، ہندسہ، طب، اور جنگی فنون کے لیے مدارس قائم کیے۔ دوبارہ وفود یورپ بھیجنا شروع کیے۔ تعلیم کا کام انجام دینے کے لیے محکمہ تعلیمات کی بنیاد رکھی۔ کتب خانہ خدیویہ قائم کیا اور معلمین کے لیے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی، مصنفین کی حوصلہ افزائی کی۔ ملک میں امن وامان قائم ہو گیا اور غیر ملکی لوگ تجارت کی غرض سے یہاں آنے لگے۔ ان میں علماء اور ادباء ہوتے چنانچہ ان کا مصریوں سے

اختلاط، چھاپہ خانوں کی کثرت، مدارس کی کثرت، صحافت کی توسیع، ڈراموں کی اداکاری، علوم کے ترجمے، مجالس ادبیہ، علمی اکیڈمیاں، غیر زبانوں کی تعلیم، یورپی تہذیب کی آمد اور شخصی آزادی، یہ تمام امور طبیعتوں کی سرسبزی، ذہنوں کی وسعت، زبان کی ترقی اور ادب کی حیات کا سبب بنے۔

پھر ۱۸۸۲ء میں انگریزوں نے مصر پر قبضہ کرلیا۔ اس وقت ہر چیز اٹھنے اور ترقی کرنے کی طرف مائل تھی۔ پس حالت یہ ہوگئی کہ گویا آگ پر پانی پھینک دیا گیا ہو یا جاری پانی کے آگے بند باندھ دیا ہو۔ دورِ اسماعیل کے آخر میں علمی تحریک بہت وسیع تھی، مدارس کثرت سے پائے جاتے تھے، عربی زبان تعلیم وتصنیف کی زبان تھی۔ انگریزوں نے جب سے حکومت پر قبضہ کیا ترقی کے اسباب کو ختم کرتے رہے، اور تعلیم کو کسی اور رخ پر پلٹ دیا۔ چنانچہ انہوں نے وفود بھیجنا بند کر دیئے۔ مختلف زبانیں سکھانے والے مدارس بند کر دیئے اور مفت تعلیم کا رواج ختم کیا اور عربی زبان کو ترک کر کے تمام تر تعلیم انگریزی زبان میں کر دی۔ اور اس تعلیم کا صرف یہ مقصد رہ گیا کہ وہ حکومت کے خدام پیدا کرے نہ کہ عوام کے۔

لیکن مصری عوام اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی طاقت رکھتے تھے اور اپنی مدد آپ کرنے پر قادر تھے۔ جب ساری دنیا ترقی کی طرف گامزن تھی اس وقت یہ لوگ پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہ تھے۔ چنانچہ مصری عوام اپنی زبان کو اپنے شہروں میں غالب کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، اپنے بچوں کی تعلیم کا بندوبست خود کرنے لگے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عربی زبان پھر سے مدارس میں لوٹ آئی اور وفود یورپ جانے لگے، عوامی اور شاہی مدارس کی کثرت ہوگئی۔

۱۹۱۹ء میں آزادی حاصل کرنے کے لیے بغاوت کردی جس کی گونج تمام عالم عربی میں پھیل گئی اور بجھے ہوئے شعور کی جو کسر باقی رہ گئی تھی اسے جگا دیا۔ اب یہ مجبور عوام حکومت، رائے، قول اور عقیدے میں آزادی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ ۱۹۲۳ء میں ملنے والے آئین میں مصر کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔

پھر آزادی کے حصول کے لیے جہاد شروع ہو گیا اور ۱۹۳۶ء کے معاہدے میں ایک اور کامیابی حاصل ہوئی۔ جب دوسری جنگ عظیم ۱۹۴۵ء میں ختم ہوئی تو مصر نے انگریزوں سے اس معاہدے میں تبدیلی کا مطالبہ کیا چنانچہ اس سلسلے میں مصری اور انگریزی حکومتوں میں طویل بحثیں ہوئیں لیکن کوئی اتفاق رائے نہ ہو سکا کیوں کہ مصر چاہتا تھا کہ مصر اور سوڈان کو ملا کر تاج مصری کے ماتحت بنایا جائے اور انگریزوں کی فوج کو وادی نیل سے نکالا جائے اور اس بنیاد پر وہ نیا معاہدہ کا مطالبہ کر رہا تھا۔ جبکہ انگریز پہلے معاہدے پر مصر تھا۔ مصر نے اپنا مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کیا اور متحدہ عرب حکومتوں نے اس کی تائید کی۔ جب یہ معاملہ امریکہ میں مجلس امن کے پاس پہنچا اور مصری حکومت کے رئیس جو کہ المغفور لہ محمود فہمی النقراشی تھا، نے یہ مقدمہ پیش کیا تو حق سے باطل کی زبان کاٹ دی گئی اور انگریزی دعوے منہ توڑ دلائل کے ساتھ جھوٹے ثابت کیے گئے۔ لیکن مجلس امن نے معاملہ لٹکا دیا اور کوئی فیصلہ نہ کیا یہاں تک کہ ۲۳ جولائی ۱۹۵۲ء میں مصری لشکر ضباط الاحرار کے زیر قیادت بغاوت کے شعلے بلند ہوئے۔ فساد برپا ہوا اور خود مختاری کا مطالبہ کیا گیا اور شہر حکومتی شر وفتن اور مال داروں کی سرکشی سے پاک ہو گئے اور عدل قائم ہوا۔ پھر جمہوریت کا اعلان کیا گیا اور بادشاہت کی حدود مقرر کی گئیں اور دونوں حکومتیں اس بات پر متفق ہو گئیں کہ سوڈان کو اختیار دیا جائے چاہے تو وہ مستقل حکومت بنا لے اور چاہے تو مصر کے

ساتھ مل جائے۔ اس کے بعد انگریز وہاں سے جانے پر مجبور ہو گئے اور سوڈان نے مستقل حکومت بنانے کا فیصلہ کر لیا اور جمہوریت کا اعلان کیا۔

فروری ۱۹۵۸ء میں مصر اور شام متحد ہو گئے جس کا نام انہوں نے متحدہ عرب امارات رکھا۔ لبنان بھی اس طرح خود مختار ہو گیا اور جمہوری نظام غالب آ گیا اور ۱۴، جولائی ۱۹۵۸ء میں عراق نے بادشاہت پر حملہ کیا اور جمہوریت کا اعلان کر دیا۔ فلسطین، الجزائر اور جنوب جزائر عربیہ اسی راستے سے اپنے مقصد کو تلاش کر رہے ہیں اور ایک لمبی اندھیری رات کے بعد صبح کے منتظر ہیں۔

فصل ثانی

جدید ترقی کے وسائل

فرانسیسی طرزِ معاشرت اور محمد علی کا خود مختاری کے لیے جدوجہد کرنے کے آثار یہ تھے کہ علم ومعرفت کی روشنیاں مغرب کی جانب سے نکلیں اور مصر اور لبنان کے اطراف تک پھیل گئیں۔ لوگوں نے اس علم ومعرفت کی روشنی اور راہنمائی میں چلنا شروع کر دیا۔ یہ روشنیاں وہ ذرائع اور وسائل تھے جنہیں علوی خاندان کے امیر اور اس کے وارثوں نے مصر کی زمین پر بوئے تھے تاکہ فوجی ترقی، حکومت اور مختلف شعبوں کی تربیت کی جاسکے۔

ان ذرائع میں اہم یہ ہے:

① مدارس:

جامع ازہر میں ان دنوں جن دینی اور لسانی علوم کی تعلیم دی جا رہی تھی محمد علی کو ان میں اپنا مطلوب نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کا مطلوب یہ تھا کہ جنگی، طبی اور ریاضی کے علوم بھی پڑھائے جائیں۔ چنانچہ اس نے مختلف علمی مدارس قائم کیے اور انہیں تین درجوں میں تقسیم کیا۔ (۱) ابتدائیہ، (۲) تجہیزیہ، (۳) خاصہ۔ اور ان کا یورپ سے تعلق قائم کیا۔ وہاں سے علماء کو بلایا جاتا اور یہاں سے وفد وہاں بھیجے جاتے۔ جب ان مدارس کے درجات متعدد ہو گئے اور مقاصد بھی مختلف نوعیت کے بنتے گئے تو محمد علی نے ایک خاص ادارہ ۱۸۳۹ء میں قائم کیا جس کا نام ''دیوان المدارس'' رکھا گیا۔ اس کے پہلے چیئرمین مصطفیٰ مختار بک تھے جو کہ پہلے علمی وفد میں شامل تھے۔ علمی اور ادبی ترقی میں سب سے زیادہ مؤثر ان مدارس خاصہ میں سے مدرسہ طب، زبانیں سکھانے والے مدارس اور مدرسہ دار العلوم ہیں۔ مدرسہ طب (میڈیکل کالج) ابی زعبل میں ۱۸۳۶ء میں قائم کیا گیا جس کا مقصد فوجی لشکروں کی خدمت تھی اور اس کے اردگرد ہسپتال قائم کیے گئے تاکہ طلباء مشق بھی کرتے رہیں اور مریضوں کا علاج بھی ہوتا رہے۔ ڈاکٹر کلوٹ بک کی امارت میں اس کے اساتذہ فرانس سے بلائے گئے تھے۔ اور اہل مصر اور دوسرے علاقوں سے طلباء کو داخلے دیئے گئے تھے۔ پھر ۱۸۳۸ء میں قصر ابن عینی قاہرہ میں منتقل کر دیا گیا۔ عربی زبان کے احیاء اور جدید ثقافت کو عربی زبان سے ملانے میں اس مدرسہ کا بہت دخل ہے اور وہ اس طرح کہ اساتذہ فرانسیسی زبان میں لیکچر دیتے تھے اور اسی وقت طلباء کے لیے عربی زبان میں ترجمہ ہوتا تھا اور اس بات نے لبنان، مغرب اور دیگر علاقوں کے مترجمین کو مجبور کیا کہ وہ ڈکشنریوں اور فنون کی کتب قدیمہ کی اصطلاحات کی تفتیش وتحقیق کریں۔

رہے زبان سکھلانے والے مدارس تو محمد علی کا انہیں بنانے کا مقصد مترجمین پیدا کرنا تھا کیوں کہ طلباء کے لیے اسباق کا ترجمہ کرنے میں ان کی اشد ضرورت تھی اور اسی طرح طبی اور جنگی فنون پر مشتمل کتابوں کو عربی زبان میں نقل کرنے میں بھی ان کی ضرورت تھی۔ محمد علی نے اس ادارے کا چیئرمین المرحوم رفاعۃ بک طہطاوی کو بنایا۔ جب یہاں سے مترجمین سند فراغت لے کر فارغ ہوئے تو ۱۸۴۲ء میں رفاعۃ بک کی امارت میں ترجمہ کے کام کے لیے ایک بورڈ کی تشکیل دی جس نے مختلف جدید علوم پر مشتمل ایسی علمی کتب کا ترجمہ کیا جو غیر معروف تھیں۔

اب ہم دارالعلوم کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اس کی بنیاد علی مبارک مرحوم نے خدیو اسماعیل کے حکم سے ۱۸۷۱ء میں رکھی تا کہ یہاں کے طلباء علوم عربیہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کریں اور بعض دیگر دینی و عقلی علوم میں بھی شرکت کریں اور جدید ثقافت کا بھی کچھ حصہ حاصل کریں۔ مزید یہ کہ جب وہ سند فراغت حاصل کریں تو حکومتی مدارس میں زبان اور دین کی تعلیم دیں۔ دارالعلوم کے اساتذہ جامع ازہر کے مایہ ناز علماء میں سے تھے اور طلباء بھی جامع ازہر کے پرانے طلباء تھے۔ اس مدرسہ کا زبان کی ترقی، ادب کی بلندی اور یہاں سے فراغت ہونے والوں کے ذریعے فصاحت کی اشاعت میں بہت بڑا دخل تھا۔ یہاں کے تعلیم یافتہ تالیف، تعلیم، نثر پردازی، شاعری اور خطابت میں مہارت رکھتے تھے۔ دارالعلوم جب سے بنا اس وقت خود ہی مستقل طور پر اپنی ذمہ داری نبھاتا رہا آخر کار ۱۹۴۶ء میں اس کا جامع قاہرہ کے ساتھ الحاق کر دیا گیا اور اس کا نام ''کلیہ دارالعلوم'' رکھا گیا۔

② جامعہ ازہریہ:

ازہر قاہرہ میں پہلا جامع ہے اور مصر کا سب سے پرانا مدرسہ ہے اور دنیا میں تمام بڑے جامعات میں سب سے زیادہ صاحب اصل ہے۔ جسے جوہر صقلی نے قاہرہ کی حدود متعین کرنے کے بعد تعمیر کیا تھا تا کہ شعائر دینیہ کا قیام اور دین کے راستے سے علوی شیعیت کی تائید ہو سکے۔ دور دور سے مایہ ناز علماء اور بڑے فقہاء کو یہاں لایا اور بغیر طے کیے کھلا رزق عطا کیا اور ان کے زندگی کے مسائل حل کیے یہاں تک کہ یعقوب بن عکس جو کہ عزیز باللہ کا وزیر تھا، پہلے یہودی تھا پھر مسلمان ہوا اور علم حاصل کیا، آیا اس نے علماء کے وظائف مقرر کیے اور جامع کے قریب ہی ان کی رہائش کا بندوبست کیا۔ پھر یہ علماء ہر نماز کے بعد فقہ شیعیت کی تعلیم دینے لگے، تقریر و وعظ کا راستہ اختیار کیا، بحث مباحثہ میں پڑنے گئے، زبان اور نحو کے مسائل پر گفتگو شروع ہوئی اور اس میں مناظرے طے ہونے لگے یہاں تک کہ فاطمی حکومت ختم ہوگئی اور مصر پر ایوبیوں کے امیر صلاح الدین ایوبی ۵۶۷ھ میں غالب آ گیا۔ وہ سنی تھا اور عباسیوں سے اس نے بیعت لی اور ازہر میں شیعی فقہ کی جگہ شافعی فقہ کو لے آیا اور فقہ حنفی کو بھی یہاں جاری کیا کیوں کہ بغداد میں خلفاء کا مذہب فقہ حنفی تھا۔ صلاح الدین نے چاہا کہ تمام مسلمانوں کے دلوں کو آپس میں جوڑا جائے چنانچہ اس نے ازہر میں چاروں فقہ کی تدریس کی اجازت دے دی۔ لغوی وادبی علوم کے پھیلانے کے لیے اسے مختص کیا اور ساتھ ساتھ ریاضی اور طبیعی علوم کی تعلیم بھی جاری تھی۔ سقوط بغداد کے بعد اور خلافت وثقافت مصر منتقل ہونے کے بعد جامع ازہر نے ممالیک کے دور میں خوب ترقی کی۔ زبان اور اس کے علوم کو ضائع ہونے سے محفوظ رکھا۔ اور تمام عالم اسلام میں اسی سے علم ودین کی روشنیاں پھیلیں۔ اسی سے علماء نکلتے تھے۔ نثر نگار اور شاعر یہیں مہارت حاصل کرتے تھے لیکن آخر کار بنی عثمان کے دور میں مشرق کی عمومی غفلت نے اسے بھی آ لیا۔ دنیا جدت اختیار

کرتی رہی۔ علم آگے بڑھتا رہا اور تعلیم میں ترقی ہوتی رہی لیکن جامع ازہر اپنی پرانی حالت پر ہی رہا اور وراثت میں جو علم ملا تھا اسی پر اکتفاء کرتا رہا۔ بایں ہمہ دور جدید کے شروع میں اس میں متعدد شخصیات تھیں جو اس کے معاملات کو سنبھالتے تھے اور محمد علی نے اس کی امیدوں کو پورا کرنے اور زبان، دین اور ادب کو جہالت اور آزمائشوں سے بچانے کے لیے اسے پناہ گاہ بنانے میں مدد کی۔ لیکن مصر اپنی نیند سے بیدار نہ ہوا اور جامع ازہر کو اپنی قیادت اور راہنمائی کے لیے کوئی مناسب شخصیت نہ ملی۔ چنانچہ اس کا رخ مغرب کی طرف پھر گیا اور وہیں سے اب اس کی علمی سیرابی شروع ہوگئی۔ یہاں تک کہ جدید اور قدیم تعلیم میں فاصلہ بڑھتا گیا اور مصر میں دو مختلف ثقافتیں پھیلنے لگیں اور آپس میں مقابلہ ہونے لگا۔ ایک ثقافت قدیم کتب اور طور طریقوں کے مطابق تھی اور دوسری جدید مغربی تعلیم پر مبنی تھی۔ لہٰذا جامع ازہر کو عمومی ترقی میں شامل کرنے کے لیے اس کی اصلاح کی ضرورت تھی۔ حکومت خدیویہ نے ۱۳۰۵ھ میں شیخ انبابی کے دور میں اس کی ابتداء کی۔ اور شرعی فتویٰ حاصل کر کے مشقت سے کچھ جدید علوم اس میں داخل کیے۔ پھر امام کبیر محمد عبدہ اس کی اصلاح کے درپہ ہوا۔ اس نے عمارت کی بنیاد رکھی۔ ازہریوں نے عمارت کی تعمیر میں رکاوٹ پیدا کی لیکن سیلابی ریلہ تیز اور پانی کا بہاؤ قوی تھا چنانچہ اس کے راستے میں کوئی نہ ٹھہر سکا اور ہتھیار ڈال دیئے اور اصلاح پر رضامند ہوگئے۔ لیکن اس کی اصلاح سیاسی اور دنیوی عوامل کا شکار ہوگئی۔ چنانچہ انھوں نے عافیت ہی کو اختیار کیا اور اس کا معاملہ زمانے کے سپرد کردیا۔

اس وقت جامع ازہر دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک ابتدائی تعلیم کے لیے دوسرا ثانوی تعلیم کے لیے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے بہت سے شعبے ہیں۔ کلیہ للشریعہ، کلیہ للغۃ العربیہ، کلیہ لاصول الدین۔ اس تمام اعلیٰ شعبوں کے لیے خاص گھر بنائے گئے جو جامع ازہر سے الگ تھے۔ جامع کا چندہ بڑھ کر ایک سال میں لاکھوں کو پہنچ گیا۔ اس کے طلباء کی تعداد بیس ہزار سے زائد ہوگئی جنھیں وظائف اور رہائش کی سہولت دی جاتی۔ ان میں عربی، ترکی، سوڈانی، مغربی، ایرانی، سعودی، عراقی، ہندی، پاکستانی، انڈونیشی، شرکسی اور افغانی طلباء شامل تھے۔ سارے کے سارے عربی زبان سیکھتے اور اسلامی ثقافت حاصل کرتے۔ ان کے لیے جامع ازہر کے قریب شہر آباد کیا گیا جہاں غیر ملکی طلباء کی خوراک اور رہائش کا بندوبست کیا جاتا۔

③ جامعہ مصریہ:

مصر کی تعلیمی سیاست میں بدنیتی، تعلیم کو ثقافت کے تنگ دائرے میں محصور کرنے اور تعلیم سے صرف حکومت کے لیے خدمت گار پیدا کرنے سے اثرات یہ پڑے کہ مصر کی آزاد خود مختار عوام نے خود ہی اپنے بچوں کو تعلیم دینے کا فیصلہ کرلیا اور اس بات کا بھی ارادہ کرلیا کہ وہ اپنے شہروں میں صحیح علم کے لیے کوئی معیار مقرر کریں گے۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء میں ایک جماعت جامعہ اہلیہ بنانے پر متفق ہوگئی جو ان کے شہروں میں تعلیمی ضروریات پورا کرے۔ انہوں نے مصر کے مخیر حضرات کو دعوت دی کہ وہ اس عظیم کوشش میں اپنا مال خرچ کریں۔ ان حضرات نے ان کی پکار پر لبیک کہا۔ ان میں سب سے آگے فاطمہ بنت اسماعیل تھیں۔ ۱۹۰۸ء میں جامعہ مصریہ کھلا اور اس کا چیرمین امیر احمد فؤاد کو مصر میں رہائش اختیار کرنے سے پہلے بنایا گیا۔ اس جامعہ کے لیے یورپ کے پروفیسروں کی ایک جماعت بلائی گئی اور مصر کے بہترین ادیبوں کو اس کے لیے چنا گیا۔ انہوں نے یہاں کے ازہری اور موظف طلباء کو ادب اور فلسفہ کی خوب تعلیم دی۔ ان یورپی پروفیسرز میں جویری فلینو اور لتجان شامل تھے۔ انہوں نے ادب عربی اور تاریخ ادب عربی کے درس و تدریس

کے لیے صحیح راستہ متعین کیا۔

۱۹۲۵ء میں یہ جامعہ وزارت تعلیم کے زیر اہتمام آ گیا۔ اس ادارے نے اس جامعہ کے لیے ایک بڑی عمارت بنائی اور اس میں جدید یورپی نظام قائم کیا اور اس میں حقوق، طب، ہندسہ، زراعت، تجارت، دوا فروشی اور ڈینٹل طب کے مزید شعبے قائم کیے۔ اس سے پہلے تو علوم و آداب میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی جاتی تھی۔ پھر اس کا نام جامعہ قاہرہ رکھا گیا۔ جب تعلیم کی طرف رجحان بڑھ گیا اور طلباء کی تعداد بھی بڑھی تو اسکندریہ میں ایک اور جامعہ کو قائم کیا گیا جس کا نام ''جامعہ اسکندریہ'' رکھا گیا۔ قاہرہ میں ایک اور جامعہ قائم کیا گیا جس کا نام ''جامعہ عین الشمس'' رکھا گیا۔ اسیوط میں ایک چوتھے جامعہ کی بنیاد رکھی گئی جس کا نام جامعہ اسیوط رکھا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان چاروں جامعات، جامعہ ازہر اور جامع دمشق نے علم میں ترقی کی اور ثقافت کی روشنیاں پھیلائیں، ماضی کو حال سے ملا دیا، مشرق اور مغرب میں روابط قائم کیے، علم و عمل میں جوڑ پیدا کیا اور عربی تہذیب کو صحیح رخ پر قائم کیا۔

④ طباعت:

ٹائپ کے ذریعے حروف کی طباعت جرمن کے ایک شخص گوٹمرگ نے ۱۴۴۰ء میں کی۔ اس ایجاد کا ادب و تہذیب پر بہت اثر پڑا۔ یورپ میں ابھی ٹائپ عام نہیں ہوئی تھی کہ مشرقی زبانوں کے قالب ڈھال لیے گئے۔ ۱۵۱۴ء میں عربی کی پہلی کتاب ٹائپ کی گئی اور آہستہ آہستہ مشرقی زبانوں کی مطبوعات خصوصاً عربی مطبوعات بڑھنے لگیں جو یورپ کے بڑے بڑے شہروں سے چھپتی تھیں۔ ان بڑی مطبوعات میں عہد قدیم وجدید، نزہۃ المشتاق (ادریسی کی تصنیف)، قانون ابن سینا اور تحریر اصول اقلیدس شامل ہیں۔ اور اب تک مسلسل عمدہ قلمی نسخے چھپتے آ رہے ہیں۔ پھر ایک یہودی عالم کے ذریعے ۱۴۹۰ء آستانہ کے رستے طباعت مشرق میں داخل ہوئی۔ اس یہودی نے دینی اور علمی کتب یہاں چھپوائیں۔ لیکن عربی حروف ابھی تک یہاں ظہور پذیر نہیں ہوئے تھے۔ یہ ۱۷۰۸ء میں ظاہر ہوئے۔ عربی پریسوں میں مشہور پریس ''مطبعہ جوائب'' تھا جو کہ احمد فارس شدیاق کا تھا۔ اس میں بہت سی ادبی کتابیں طبع ہوئیں۔ بلاد عرب میں سب سے پہلا پریس لبنان میں قائم ہوا اور یہ مسیحی مبلغین کی کوشش کا نتیجہ تھا۔ سترہویں صدی کے شروع میں لبنانانی راہبوں نے بیروت میں پہلا پریس قائم کیا۔ پھر ۱۸۴۸ء میں یہاں مطبعہ کاثولیکہ کی بنیاد رکھی۔ بہت سی عربی قدیم قلمی کتابوں کو پھیلانے، علمی وادبی کتب کو چھاپنے اور عمدہ عربی طباعت کا سہرا اسی پریس کے سر ہے۔ پھر ۱۷۹۸ء میں نپولین کے ذریعے مصر بھی لبنان کے پیچھے ہولیا۔ نپولین نے یہاں منشوارت واحکامات عربی میں چھاپنے کے لیے پریس قائم کیا جس کا نام ''مطبعہ اہلیہ'' رکھا۔ لیکن نپولین کے جانے سے یہ بھی ختم ہو گیا۔ پھر ۱۸۲۱ء میں محمد علی نے اسی مطبعہ کے ملبہ پر مطبعہ بولاق قائم کیا اور اس کی ذمہ داری نقولا مسابکی سوری کے سپرد کر دی۔ اور یہاں ٹائپ کے حروف مختلف خطِ نسخ کے خوبصورت طرز پر ڈھالے گئے۔ پھر دوسری مرتبہ مصر کے ماہر خطاط جعفر بک کے حروف کی طرز پر ڈھالے گئے۔ اور وہی آج استعمال ہوتے ہیں۔ اس مطبعہ نے تقریباً تین سو کتابیں مختلف موضوعات پر مثلاً ریاضیات، طب، جراحت وغیرہ طبع کی ہیں یہ کتابیں دوسری زبانوں سے عربی میں ترجمہ کی گئیں تھیں۔ (القسم الادبی) کے فضل سے ادب کی اصل بنیادی کتابیں چھاپیں جو بعد میں مطبعہ بولاق سے جدا ہو کر دار الکتب المصریہ سے لاحق ہو گیا۔ اس وقت سے مطبعہ بولاق صرف ''مصری حوادثات''، درسی کتب اور حکومتی معاملات کی کتابیں ہی چھاپ رہا ہے۔ اور یہ اس وقت دنیا میں سب

سے بڑا عربی پریس ہے۔ اس کے بعد مصر میں پریس کی کثرت ہوگئی اور علم وادب کی تعلیم آسان ہوگئی اور قراءۃ کے پھیلانے میں بھی مدد ملی۔

⑤ صحافت:

صحافت ایک چلتا پھرتا مدرسہ ہے جو کسی ایک جگہ عمارت وغیرہ میں قائم نہیں۔ اور یہ وعظ ونصیحت کے لیے سب سے وسیع دائرہ تعلیم ہے۔ عام لوگوں کی عقلوں کو مہذب بناتا ہے، خواص کے افکار کو مرتب کرتا ہے، پست ہمتوں کو اٹھاتا ہے، خراب زبانوں کی اصلاح کرتا ہے اور امت کے دلوں کو جوڑتا ہے۔ یہ خبروں کے لیے رجسٹر، تاریخ کا محافظ اور زمانے کی تقویم کرنے والا ہے۔ پہلا عربی رسالہ ''الوقائع المصریہ'' ہے جسے محمد علی نے ۱۸۲۸ء میں استاد رفاعہ بک طہطاوی کی مدد سے جاری کیا تھا۔ ابتداءً یہ عربی اور ترکی زبان میں نکلتا تھا۔ پھر صرف عربی میں نکلنے لگا۔ اس کی ادارت کے فرائض بڑے نثر نگاروں کی جماعت انجام دے رہی تھی جس میں شیخ حسن عطار، شیخ شہاب مؤلف سفینۃ الملک، امام محمد عبدہ، شیخ عبدالکریم سلمان، اور سعد زغلول شامل تھے۔ یہ ہمیشہ قاہرہ سے ہفتہ میں تین مرتبہ نکلتا رہا۔ پھر ۱۸۵۵ء میں شام میں ایک رسالہ اس کے بعد نکلا جس کا نام ''مرآۃ الاحوال'' تھا۔ یہ سیاسی رسالہ تھا۔ اس کے مدیر رزق اللہ حسون حلبی تھے۔ ۱۸۵۸ء میں حدیقۃ الاخبار نکلا اس کے مدیر خلیل خوری تھے۔ ۱۸۶۰ء میں آستانہ میں ''جوائب'' نکلا اس کے مدیر احمد فارس شدیاق تھے۔ ۱۸۶۱ء میں تونس سے ''الرائد التونسی'' نکلا۔

اسماعیل کے دور میں محمد علی پاشا نے البقلی (الیعسوب) نکالا۔ یہ ایک طبی ماہ نامہ تھا جسے شیخ محمد دسوقی کا تعاون حاصل تھا۔ یہ دنیا میں عربی زبان میں پہلا مجلّہ تھا۔ ۱۸۶۶ء میں ابوسعود آفندی نے ایک سیاسی، ادبی اور علمی رسالہ جاری کیا جس کا نام ''وادی نیل'' تھا۔ یہ قاہرہ سے ہفتہ میں دو مرتبہ نکلتا تھا۔ ۱۸۶۹ء میں ابراہیم بک مویلحی اور محمد بک عثمان نے ''نزہۃ الافکار'' رسالہ نکالا جو ہفتہ وار نکلتا تھا اور اس میں سخت لہجہ اختیار کیا گیا تھا چنانچہ اسماعیل خدیو نے اسے بند کر دیا۔ ۱۸۷۰ء میں ''روضۃ المدارس المصریہ'' رسالہ جاری ہوا۔ یہ ایک علمی وادبی رسالہ تھا جس کی ادارت کے فرائض ایک ایسی جماعت انجام دے رہی تھی جسے علم وادب میں مقام حاصل تھا۔ پھر ''الاہرام'' ۱۸۷۶ء میں جاری ہوا اور اس کا مضمون عثمانی اور فرانسیسی سیاست تھا۔ پھر پہلی جنگ عظیم کے بعد یہ مصری ہوگیا۔ ۱۸۷۷ء میں ''الوطن'' جاری ہوا اس میں فرقہ وارانہ اقتدار پسند مضامین شامل تھے۔ مصر کا رسالہ بھی اسی نہج پر چلا۔ ۱۸۸۰ء میں ''المحروسۃ'' جاری ہوا جس کے مدیر اسحٰق ادیب تھے۔ ۱۸۸۸ء میں انگریزوں کے قبضے کے بعد ''المقطم'' نکلا یہ بھی اقتدار پسند تھا۔ ''المؤید'' جاری ہوا اور یہ اسلامی خدیوی تھا۔ پھر ''اللواء'' جاری ہوا اور یہ اسلامی وطنی تھا۔ اس کے بعد الجریدہ، الشعب، السیاسۃ، البلاغ، الجہاد، کوکب الشرق، المصری، الکتلہ، الزمان اور الجرید المسائیۃ نکلے۔ یہی بڑے یومیہ اور سیاسیہ رسائل تھے جو سارے کے سارے قاہرہ سے نکلتے تھے۔ اس وقت سب ختم ہوگئے ہیں سوائے چند ایک کے کوئی باقی نہیں۔ مثلاً الاہرام، الاخبار، الجمہوریہ اور المساء۔ وہاں مختلف ہفتہ وار رسائل بھی نکلتے تھے مثلاً الرسالۃ، الثقافۃ، اخبار الیوم، المصور، آخر الساعۃ اور التحریر۔ اور کچھ ماہنامے تھے جیسے المقتطف، الہلال، الکتاب، مجلّہ ''الازھر'' مصر میں، بیروت میں ''الادب والآداب'' قاہرہ میں مجلّہ ''مجمع اللغۃ العربیۃ'' دمشق میں مجلّہ ''المجمع العلمی العربی''۔ حکومت کے عدم تعاون اور لوگوں کی عدم رغبت کی وجہ سے اکثر رسائل بند ہو چکے ہیں۔ ان اخبارات ورسائل کی پالیسی، تحریز اور اثرات کے بارے

میں بحث کرنا طوالت چاہتا ہے۔ البتہ یہ کہنا ضروری ہے کہ صحافت، تحریر و ترجمہ کی ترقی میں فضیلت لبنان والوں کو حاصل ہے کیونکہ یہ یورپی زبانوں کو جاننے میں سبقت لے جانے والے تھے اور مغربی اقوام کے ساتھ گھلنے ملنے والے تھے۔

⑥ اداکاری:

تمثیل اپنے نئے معنی کے ساتھ عربی زبان میں پچھلی صدی کے وسط میں ہی متعارف ہوئی۔ اہل لبنان کا چونکہ غیر مدارس میں آنا جانا تھا اور وہ انگریزی آداب سے خوب واقف تھے اس لیے وہ اداکاری کے اختیار کرنے میں اہل مشرق سے سبقت لے جانے والے تھے۔ ان میں سب سے پہلے مارون نقاش متوفی ۱۸۵۵ء نے یہ کام کیا اور ۱۸۴۰ء میں پہلے عربی ڈرامہ کی اداکاری کی۔ جب اسماعیل خدیو یہ عرش پر جلوہ افروز ہوا تو اس نے ادیبوں کی حوصلہ افزائی کی، علماء کی مدد کی اور اہل فنون کی تائید کی۔ اس کے دور میں نہر سویز کی کھدائی مکمل ہوئی تو اس نے افتتاحی تقریب میں مشہور جشن منایا۔ اس نے مہمان نوازی کرتے ہوئے یہ خیال کیا کہ اس کا کوئی مہمان مصر میں قیام کے دوران اداکاری دیکھنے سے محروم نہ رہے۔ اس نے ایک خدیو یہ تھیٹر قائم کیا اور اس کے لیے باہر سے ایک جماعت منگوائی جس نے ''عایدہ'' کی اداکاری کر کے دکھائی۔ اس کے بعد مصر میں لبنان کے ادیبوں کی ایک جماعت آئی۔ ان میں سلیم نقاش اور ادیب اسحاق تھے۔ انھوں نے زیزنیا کے تھیٹر میں ۱۸۷۱ء میں کئی ڈراموں کی اداکاری کی لیکن یہ ناکام ہو گئے اور واپس چلے گئے۔ پھر یوسف خیاط اپنی جماعت کے ساتھ قاہرہ آیا یہاں اسماعیل سے ملا۔ اسماعیل نے اس کے لیے ایک تھیٹر کھولا اور پہلے ڈرامے کو دیکھنے کے لیے خود آیا۔ یہ ایک ''الظلوم'' نامی ڈرامہ تھا۔ لیکن اسماعیل یہ سمجھا کہ اس میں اس کی بے عزتی کی گئی ہے چنانچہ اس نے انھیں واپس اپنے ملک بھیج دیا۔ اور عربی ڈراموں کے لیے تھیٹر بند کر دیا۔ بعد ازاں سلیمان قرداحی اور اس کے ساتھی شیخ سلامۃ حجازی کی جماعت نے آ کر ہی اسے کھولا۔

گذشتہ زمانے میں اداکاری عوامی نہیں تھی بلکہ یہ حکومتی اور چند سرمایہ داروں کی ملکیت تھی۔ صرف امیر اور حکام لوگ ہی یہاں آتے تھے۔ پھر جب اسکندر فرح نے شارع عبدالعزیز قاہرہ میں تھیٹر قائم کیا اور شیخ سلامتی حجازی کو اپنے ساتھ ملا لیا تو یہ فن اب عوامی بن گیا۔ اس وقت یہ فن کمال و ذوق سے دور اور بے قاعدہ تھا۔ اس کی بنیاد گانے اور مزاح کی باتیں تھیں تا کہ عام لوگوں کو مائل کیا جاسکے اور انھیں خوش رکھا جائے۔ ڈراموں کی زبان نہایت کمزور، عامیانہ اور مسجع تھی، کمال کی طرف پہلا قدم اٹھانے والی جماعت جورج ابیض کی تھی جسے خدیو عباس حلمی کا تعاون حاصل تھا۔ اس نے اپنی جماعت میں تجربہ کار اداکاروں کو شامل کیا مگر یہ جماعت کچھ عرصہ بعد ہی بدنظمی، قلت مال اور عوام کی بے رغبتی کی وجہ سے ختم ہوگئی۔ اور اداکاری کا فن زمانے کے حوادث و احوال کے ساتھ ہی ابھرتا اور ڈوبتا تھا۔ اگرچہ اس کی موجودہ حالت ہر اعتبار سے قابل اطمینان نہیں لیکن وہ ناامیدی کی طرف بھی دعوت دینے والی نہیں۔ وزارت ثقافت وارشاد نے ایک تمثیلی پارٹی بنائی ہے جس میں حکومتی اور غیر حکومتی لوگ شامل ہیں۔ امید ہے کہ یہ تھیٹر کو ترقی دینے میں کردار ادا کرے گی حالانکہ اب سنیما آ گئے ہیں اور عوام نے تھیٹر میں دلچسپی لینا چھوڑ دی ہے۔

⑦ مجامع ادبیہ:

① **دمشق کا المجمع العلمی العربی:** جمہوریہ عربیہ شام میں ہمارے بھائیوں نے مجامع علمیہ قائم کرنے میں تمام عربوں سے

سبقت حاصل کی اگرچہ ان کے رستے میں رکاوٹ پیدا کی گئی اور انھیں ہتھکڑیاں بھی لگائیں گئیں۔ جیسا کہ لبنانی ترجمہ، تمثیل اور صحافت میں سبقت لے گئے تھے۔ ۸ جولائی ۱۹۱۶ء میں دمشق میں مجمع علمی عربی قائم کیا گیا جبکہ اہل شام فرانسیسی حکومت کے ماتحت ہو چکے تھے۔ اس مجمع کا قیام استاد موجد محمد کرد علی وزیر معارف شامیہ کے کہنے پر عمل میں آیا تھا۔ اس وقت اس کے اغراض و مقاصد میں وہ مسائل شامل تھے جن کا تعلق عربی آداب کو بلند کرنے سے تھا اور اسی طرح ماہر، سمجھ دار پڑھنے والوں کے لیے تحقیق و تدریس کے اصول کی تلقین کرنا بھی ان کا مقصد تھا۔ اس مجمع نے جدید علمی اصطلاحات میں الفاظ کی وضع کا اہتمام کیا جو کہ اسے سونپا گیا تھا اور بعض اداریہ وضعوں کی اصلاح کی اور دفاتر کی زبان جس قدر ممکن ہوا، درست کی اور نثر نگاروں، شعراء اور خطباء کی بعض غلطیوں کو صحیح کیا۔ بہت سے مؤلفین اور مترجمین کو اپنے مقاصد میں ان کا تعاون حاصل تھا۔ اس مجمع میں مصر، شام، عراق اور یورپ کے علماء مشرقیات کی ایک جماعت شامل تھی۔ اپنی تعلیمات، مقالات اور محاضرات کو پھیلانے کے لیے ایک رسالہ بھی جاری کیا۔ جب مصر اور شام متحدہ جمہوریہ عرب میں کچھ عرصہ کے لیے ایک ہوئے تو دمشق اور قاہرہ کا مجمع بھی ایک ہو گئے اور سال میں ایک مرتبہ مجلس مشاورت ہوتی۔

② **قاہرہ میں المجمع اللغة العربیہ:** ۱۴ شعبان ۱۳۱۵ھ بمطابق ۳ دسمبر ۱۹۳۲ء کو شاہی حکم صادر ہوا کہ وزارۃ التربیۃ والتعلیم کے زیر اہتمام قاہرہ میں عربی زبان کا ایک مجمع ملکی قائم کیا جائے۔ اس کے مقاصد یہ تھے:

[۱] عربی زبان کی سلامتی کی حفاظت اور اسے بڑھتے ہوئے علوم وفنون کے تقاضوں کے مطابق اور دور حاضر کی عمومی ضروریات زندگی کے مناسب بنانا۔ اور اس کا طریقہ کار یہ تھا کہ ڈکشنریوں یا تفاسیر یا دیگر ذرائع میں مناسب اور غیر مناسب الفاظ و تراکیب کی حدود مقرر کی جائیں۔

[۲] عربی زبان کے لیے ایک تاریخی ڈکشنری بنائے اور بعض کلمات کی تاریخ اور ان کے مدلولات کے تغیر کے بارے میں دقیق بحثوں کی نشر واشاعت کرے۔

[۳] جدید عربی لہجوں کے لیے مصر اور اس کے علاوہ دوسرے عرب شہر میں اسباق کا انتظام کرے۔

[۴] ان تمام امور میں بحث و تحقیق کرنا جن کا تعلق عربی زبان کی ترقی سے ہے بشرطیکہ وزیر معارف عمومیہ سے اس بارے میں اجازت طلب کی گئی ہو۔ یہ ادارہ چالیس اراکین پر مشتمل ہے جو بغیر کسی قومیت کی قید کے عربی زبان میں متبحر علماء سے چنے جاتے تھے۔ یہ علماء اس زبان کی سمجھ بوجھ اور لہجوں میں پختہ علم رکھتے تھے۔ پچیس اراکین دیگر مختلف شہروں میں خط و کتابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ آج اس کے اراکین میں تیس مصری ہیں، دو یورپین ایک فرانسیسی اور دوسرا انگریز، ایک مغرب سے، ایک تونس سے، ایک سعودیہ سے اور ایک عراقی ہے۔ ان کے امیر استاد احمد لطفی السید ہیں۔ اس مجمع کے دو شعبے ہیں۔

① **مؤتمر المجمع** جس میں تمام اراکین شامل ہوتے ہیں اور ہر سال چار ہفتے مسلسل میٹنگ کرتے ہیں۔

② **مجلس المجمع** جس میں مصری اراکین شامل ہیں۔ یہ ایک ہفتے میں ایک دفعہ میٹنگ کرتے ہیں۔ مجمع کا ایک رسالہ بھی نکلتا ہے جو اس کے پاس کردہ لغوی بحثوں اور علمی اصطلاحات کی نشر واشاعت کرتا ہے۔ اس رسالے کے سولہ جزو ہوتے ہیں۔ آج کل یہ مجمع بڑی عربی ڈکشنری بنانے میں خطیر رقم خرچ کر رہا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کے الفاظ کی ڈکشنری اور جدید علوم کی

اصطلاحات پر بھی کام ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے ایک درمیانے درجے کی ڈکشنری جاری کر چکا ہے جو ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے جسے لوگوں نے تعریفی کلمات کے ساتھ قبول کیا۔

③ **المجمع العلمی العراقی:** دمشق کی مجمع عربی کی طرز پر بغداد میں ایک مجمع قائم ہوا۔ اس کا مقصد مختلف موضوعات پر بحثیں، محاضرات اور قلمی نسخوں کی نشر و اشاعت ہے۔

تیسری فصل

نثر نگاری

اس دور کے شروع میں اسلاف کی کتابوں میں سے دو کتابیں رائج تھیں جو کہ نثر نگاری کے دو مختلف مذہبوں کے مطابق تھیں۔ ایک مقامات حریری اور دوسری مقدمہ ابن خلدون۔ پہلی کتاب بظاہر بارونق تھی لیکن معنی دار نہ تھی اور اسے بارونق کرنے کے لیے مصنوعی اسلوب اختیار کیا گیا اور دوسری کتاب کا اسلوب فطری، معنی دار اور مضبوط تھا۔ مقامات کی دقت صناعۃ اور شہرت کی وجہ سے عام طور پر لوگ اسے پسند کرتے تھے۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بحث وغیرہ میں پڑنے سے عقلیں عاجز آ چکیں تھیں اور جدت کی طرف قدم بڑھانے سے طبیعتیں تھک چکیں تھیں۔ لیکن جدید مدارس کے مایہ ناز علماء جو انگریزی آداب سے واقف تھے، وہ ابن خلدون کے طریقے کو ترجیح دیتے تھے کیوں کہ یہ فطری، روحِ زمانہ کے مطابق اور انگریزی اسالیب کے بہت مشابہ تھا۔ چنانچہ یہ اسلوب قاسم امین، فتحی زغلول، لطفی السیر اور ان جیسے لوگوں کی کتابوں میں مہذب طریقے سے ظاہر ہوا۔ اور بدیعی اسلوب کو دار العلوم کے علماء نے اختیار کر لیا۔ اسی طرح جامع ازہر کے علماء بھی اسی طرز پر چلے مثلاً حمزہ فتح اللہ، توفیق البکری، حفنی ناصف اور ان جیسے دیگر علماء۔ ان حضرات کے اسالیب میں تکلف پایا جاتا تھا چنانچہ انھوں نے گفتگو میں اسراف سے کام لیا، صنعت اور قیاس میں غلو اور شدت اختیار کی اور لغت کے استعمال میں متعصب ہوئے جیسا کہ دوسرے علماء کے اسالیب میں حد درازی تھی انھوں نے قواعد کا خیال نہ رکھا، زبان کے استعمال میں تسامح سے کام لیا، صیاغت کی خوبصورتی کو حقیر سمجھا اور عامیانہ راہ اختیار کی۔ اس زمانے میں لبنانی عربوں نے ایک تیسرے طریقے کی ایجاد کی جس میں غور و فکر، جدت، حرکت اور تنوع پایا جاتا تھا۔ لیکن اس کے معنی کمزور اور اس میں تساہل، دخیل اور عجمیت پائی جاتی تھی۔ لہٰذا اب ان تینوں طریقوں کے مقابلے میں ایک چوتھا طریقہ وجود میں آیا جس میں ان تینوں کی خوبیوں کو لے لیا گیا اور خرابیوں کو چھوڑ دیا گیا تاکہ ہر قسم کا ذوق اسے پسند کرے۔ یہی خالص عربی اسلوب کے احیاء کا طریقہ تھا اور اس کمی کو پورا کرنے والا تھا جو بیان کی مختلف صورتوں کے فوت ہو جانے سے پیدا ہوا تھا اور اس کا سبب یہ تھا کہ اہل بیان جدید فکری تمدن کے راستے سے کٹ چکے تھے۔ یہ طریقہ منفلوطی نثر نگاری میں ظاہر ہوا جیسا کہ بارودی شاعری میں اس کا ظہور ہوا۔ پھر فطری نثر نگاروں اور فطری شعراء نے اسے اختیار کیا اور اس میں رقت آمیزی، باریکی، سلامتی، سنجیدگی، اور قصد پایا جاتا تھا۔ پھر نثر نگاروں کی ایک جماعت آئی جس نے قدیم مشرقی ثقافت اور جدید مغربی ثقافت کو جمع کیا چنانچہ انھوں نے فنی نثر نگاری کو ایسے مقام پر پہنچا دیا جہاں وہ پہلے کسی دور میں نہیں پہنچی تھی۔ لہٰذا وہ اسلوب جسے منفلوطی، بشری، رافعی اور مازنی نے اختیار کیا اور اسی کو العقاد وطہٰ حسین نے لیا، وہی علم و ادب، فن اور تمدن میں جدید طریقے کا ثمرہ تھا۔ نثر نگاروں میں اگرچہ قوت وضعف، تعمق اور سطحی نظر، دقت پسندی اور چشم پوشی، گاز

دینے اور پھیلانے کے اعتبار سے آپس میں فرق ہوتا ہے لیکن وہ زبان کی جوہری صفات میں مشترک ہوتے ہیں مثلاً درستگی، صفائی اور نرمی اور اسی طرح بلاغت کے اصلی خواص میں اور اصالت، اختصار اور تلاؤم میں بھی مشترک ہوتے تھے۔

اس دور میں متعدد اسالیب پائے گئے۔ ہر طبقہ کا اپنا ایک اسلوب تھا مثلاً ادباء، فقہاء، وکلاء اور صحافی۔ اغراض بھی مختلف نوعیت کی تھیں۔ انھوں نے قانون، سیاست اور اجتماعی نظام پر نثر نگاری کی اور یورپی قصوں اور روایات کو جس کا انہوں نے ترجمہ کیا تھا، اپنایا۔

مختصر یہ ہے کہ موجودہ انشاء پردازی اپنے اندر زبان کی جوہری صفات اور بلاغت کے خواصِ اصلیہ لیے ہوئے تھی۔ کیونکہ یہ یورپی مذاہب، اجتماعی معاملات، ثقافتی طرز اور جدید معانی سے متاثر تھی۔ اور وہ انشاء پرداز جو اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے یا اسے اختیار کرتے تھے، بوڑھے ادیب اور کچھ نوجوان ادیب تھے۔ زبان کے علوم اور لغت کے مفردات میں انہیں کافی مہارت حاصل تھی۔ انشاء پردازی کے اس مذہب کے علماء جدید ثقافت، وسیع علم، قدیم اور جدید کے مابین موافقت کرنے اور ہٹتے ہوئے مشرق اور حد سے بڑھتے ہوئے مغرب کے درمیان جوڑ بٹھانے میں خوب مہارت رکھتے تھے اور اسی بنیاد پر وہ ممتاز تھے۔ حتیٰ کہ سمجھ دار پڑھے لکھے، انہیں کلام کے مذاہب میں ایک مذہب شمار کرتے تھے اور ان کا اسلوب نہ کسی عربی اسلوب سے ملتا نہ انگریزی سے۔ یہ مستقل اسالیب تھے جنہوں نے شخصیت کو اپنی علامت بنایا اور اصالت کی وجہ سے ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور متقدمین کا وہ اسلوب جو جمود اختیار کر چکا تھا اور جدید اسلوب جو کہ استعمال میں تھا، ان دونوں کے مابین ایک واضح مقام رکھتے تھے۔

مناسب ہے کہ یہاں ان کمزور انشاء پردازوں کا ذکر کیا جائے جنہیں کم ہمتی اور بلغاء کے طور طریقے سے ناواقفیت لے بیٹھی اور انھوں نے عامیہ اسلوب اختیار کیا لیکن اس کا نام مذہب جدید رکھتے تھے۔ ان انشاء پردازوں کی کوئی ایسی سعی نہیں جو قابل قدر ہو اور نہ ہی ایسا کوئی مذہب ہے جس کے بارے میں ہم بحث کریں۔ ان کی فکر اور انشاء پردازی صرف یہ تھی کہ عجمی اسلوب کو عربی لفظ کا جامہ پہناتے جس میں غلطیاں اور کمزوریاں پائی جاتی تھیں۔ ہم ان کے بارے میں مزید کسی بیان و تفصیل کے بغیر صرف اسی پر اکتفاء کرنا بہت سمجھتے ہیں۔

ڈرامہ اور افسانہ نویسی:

اس فن کے بارے میں عربوں نے جو کوششیں کیں ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے جہاں ہم نے بتایا تھا کہ اس فن میں عربوں کی کوتاہی طویل افسانوں کو نظم نہ کرنے کی کوتاہی کی مانند ہے کیونکہ دونوں کے اسباب و دواعی ایک ہیں۔ جب جدید ترقی کے ابتدائی ثمرات ظاہر ہونے لگے تو ہمارے ادیبوں نے جہاں دوسرا مغربی ادب اختیار کر لیا تھا وہاں انگریزی افسانوں کو بھی ان کے قواعد، مناہج اور موضوعات کے ساتھ لے لیا۔ سب سے پہلے یہ کام لبنانیوں نے کیا کیونکہ یہ یورپی لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے اور ان سے نقل کرنے میں سبقت لیے ہوئے تھے۔ جیسا کہ فرنسیس مراش حلبی متوفی ۱۸۷۲ء، سلیم بستانی ۱۸۸۴ء، جرجی بک زیدان متوفی ۱۹۱۴ء۔ پھر مصری انشاء پردازوں نے جب یہ افسانے پڑھے تو انھوں نے ان کے ساتھ گفتگو کا سا رویہ اختیار کیا۔ سب سے پہلے کچھ مترجم قصے سامنے آئے جن میں بعض حذف، زیادتی یا تبدیلی کے باعث اپنی اصل سے بُعد کی وجہ سے اقتباس کے زیادہ مشابہ تھے جیسا کہ ''غصن البان'' مؤلف نجیب حداد، مصطفیٰ منفلوطی کی ''الفضیلہ'' اور حافظ ابراہیم کا ''البؤساء''۔ بعضوں کے ترجمے میں باریکی اور مطابقت میں شدت پائی جاتی تھی۔ جیسا کہ ڈاکٹر احمد زکی کی ''مرغریت''، ابراہیم عبدالقادر مازنی کی ''ابن طبیعہ'' اور مصنف کتاب ہٰذا کی ''آلام، فرتر''

رفائیل اور فرنسی ادب کے قصے"۔ اپنی نہائی پر نقل کردہ یہ قصے مشرقی عرب میں جدید قصہ نویسی کی ترقی میں بنیادی حیثیت رکھتے تھے جسے نوجوانوں اور انشاء پردازوں نے اختیار کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مصر اور غیر مصر میں مدارس عربیہ اپنی قدیم بلاغت پر ہی قائم تھے اور یورپی مدارس کے طریقے کے مطابق ڈرامہ اور قصہ نویسی کی تعلیم ان میں رائج نہیں ہوئی۔ جب انشاء پردازی کا فن پچھلی فصل میں ذکر کردہ اسلوب کے مطابق ترقی کرنے لگا اور عربی قصہ نویسی اپنے موضوعات اور شناخت کے ذریعے ممتاز ہوئی تو کچھ مضبوط فنی قصے سامنے آئے جیسے کہ محمد حسین ہیکل کی "زینب"، طہ حسین کی "الایام"، مازنی کی "ابراہیم الکاتب"، عقاد کی "سارۃ"، توفیق حکیم کی "اہل الکہف" اور نجیب محفوظ کی "بدایہ ونہایہ"۔

رہے مقامات تو ان کا زمانۂ جدید ادب میں لفظی صنعت کے ختم ہو جانے سے ختم ہو گیا۔ لبنانی انشاء پردازوں میں شیخ ناصیف یازجی اور نقولا الترک ہی وہ آخری شخصیات ہیں جنہوں نے "حریری" کی تقلید کی۔ مصریوں نے بھی اس طریقے کو اختیار کیا لیکن انھوں نے واقعے کو طویل اور موضوع کو متنوع بنایا جیسا کہ محمد مویلحی نے "حدیث عیسیٰ بن ہشام" میں اور حافظ ابراہیم نے "لیالی سطیح" میں کیا۔ ان دونوں نے طریقہ اور اسلوب تو حریری والا ہی رکھا لیکن موضوع کو تفصیلات سے اتنا لمبا کر دیا کہ وہ مقامہ اور افسانہ کے درمیان کی ایک چیز بن گئی۔

یہ تو افسانہ نویسی کا حال تھا۔ اب رہا ڈرامہ نویسی تو یہ فن عربی ادب میں بالکل اوپرا سارہا کوئی اسے جانتا تک نہیں تھا۔ آخر کار مشاہدے اور نقل کے ذریعے مغربی ادب سے اس کا علم ہوا۔ وہ لوگ جنہوں نے مغربی ادب کا مطالعہ کیا یا دوسرے شہروں کے دورے کیے انھوں نے مکمل تیاری کے بغیر نقالی اور تقلید کرتے ہوئے اس فن میں طبع آزمائی کی لیکن وہ اپنی اس کوشش میں ناکام رہے۔ البتہ شوقی نے عربی شاعری میں جو غلطیاں چلی آرہی تھیں، ان کی درستگی کی چنانچہ تمثیلی شاعری کی۔ اور چند روایات کو نظم کر کے کمال کے رستے پر چلا۔ وہ روایات یہ ہیں۔ علی بک الکبیر، کیلوبترا، مجنوں لیلیٰ، قمبیز، عنترہ اور الست ہدی۔ پھر اللہ نے اسے انتہا پر پہنچنے سے پہلے ہی اپنے پاس بلا لیا۔ اسی طرز کو شاعر عزیز اباظۃ نے اپنی روایات میں اختیار کیا اس کی روایات یہ ہیں۔ قیس، لبنی، العباسہ، الناصر اور شجرۃ الدار۔ حکومتِ مصر انشاء پردازوں اور اداکاروں کی مدد کر کے اس فن کی ترقی کے لیے اسباب پیدا کر رہی ہے۔ امید ہے کہ ان کوششوں سے تمنا پوری ہوگی اور اس خوبصورت ادبی فن میں خدیو اسماعیل کا لگایا ہوا پودا اپنی انتہاء کو پہنچے گا۔

چوتھی فصل

جدید ترقی کے روح رواں

مصر، شام، عراق اور مغرب میں:

اس دور کے وہ مایہ ناز مصری علماء جن کی کوششوں سے اس ترقی کو تقویت ملی، یہ ہیں: شیخ عبدالرحمن جبرتی جو مؤلف ہیں اس تاریخ کی کتاب کے جوان کے نام سے ہی موسوم ہے۔ جامع ازہر میں مکمل تعلیم حاصل کی۔ پھر جس دور میں فرنسی لوگوں نے مصر پر قبضہ کیا ہوا تھا، یہ اُن کے ساتھ جا ملے۔ انھوں نے انہیں اپنے دفتر میں کاتب رکھ لیا۔ پھر یہ تالیف وتصنیف میں مشغول ہو گئے اور

''عجائب الآثار فی التراجم والاخبار'' کتاب تصنیف کی اور ۱۸۲۵ء میں انتقال ہوا۔ شیخ محمد مہدی، شیخ جامع ازہر جو کہ نپولین کے خصوصی دیوان کے رکن تھے، مصری عیسائیوں کے ہاں پیدا ہوئے اور پھر اسلام لے آئے۔ جامع ازہر میں تعلیم حاصل کی اور وہاں کے امیر بن گئے، انہوں نے کتاب ''تحفہ المستیقظ الآنس فی نزہتہ المستنیم الناعس'' تصنیف کی۔ یہ کتاب الف لیلہ ولیلہ سے ملتی جلتی ہے۔ ان کی وفات ۱۸۱۵ء میں ہوئی۔ شیخ حسن عطار جو نظم اور نثر دونوں کام کرتے تھے، قاہرہ میں پیدا ہوئے اور جامع ازہر میں تعلیم حاصل کی اور فرانسیسیوں کے ساتھ مل گئے اور شام کی طرف کوچ کیا جس سے ان کی فہم تیز اور علم میں اضافہ ہوا۔ پھر جامع ازہر میں تدریس کرنے لگے اور ترقی کرتے ہوئے وہاں کے شیخ بن گئے۔ ۱۸۳۳ء میں انتقال ہوا۔

سید علی درویش شاعر امیر عباس اوّل جو قاہرہ میں پیدا ہوئے اور اپنی شاعری کی وجہ سے عزت سے زندگی گزاری۔ ان کی شاعری کو ان کے ایک شاگرد نے اپنے دیوان میں جمع بھی کیا جس کا نام ''الاشعار بحمید الاشعار'' رکھا۔ ۱۸۵۳ء میں انتقال ہوا۔ شیخ شہاب الدین مؤلف ''سفینۃ الملک''، جو مکہ میں پیدا ہوئے اور تعلیم کے لیے مصر جامع ازہر گئے۔ ادب میں پختہ علم حاصل کیا اور حساب، ہندسہ اور موسیقی سے خاص شغف رکھتے تھے۔ پھر ''الوقائع'' میں لکھنے لگے اور مطبعہ بولاق میں تصحیح کے کام پر مشغول ہوئے یہاں تک کہ ۱۸۵۷ء میں انتقال ہوا۔ رفاعۃ بک طہطاوی جو کہ علمی تحریک کے رکن اور مدرسہ تجہیزیہ کے مدیر اور الوقائع المصریہ کے ایڈیٹر تھے۔ طہطا میں پیدا ہوئے اور جامع ازہر میں تعلیم حاصل کی۔ فرانس بھیجے جانے والے لوگوں میں محمد علی نے انھیں بھی بھیجا۔ انھوں نے اپنی تعلیم مکمل کی اور واپس آ کر تحریر، ترجمہ، تالیف اور تعلیم کے کام میں مشغول ہو گئے۔ بالآخر ۱۸۷۳ء میں انتقال ہوا۔ شاعر محمود صفوت الساعاتی جو قاہرہ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۱۸۸۰ء میں انتقال ہوا۔ شیخ عبدالہادی نجا الابیاری جو کہ فطری شاعر مستند لغوی اور کمال کے مؤلف تھے۔ ابیار میں پیدا ہوئے اور جامع ازہر میں تعلیم حاصل کی اور اسماعیل کے ساتھ جا ملے۔ اس نے انھیں اپنا امام اور مفتی بنالیا۔ اور ۱۸۸۸ء میں انتقال ہوا۔ علامہ شیخ حسین مرصفی شیخ المعلمین عمدۃ مؤلفین مؤلف ''الوسیلۃ الادبیہ فی العلوم العربیہ''۔ جامع ازہر گئے اور وہاں معلم بنے۔ ذکاوت اور نزاکت احساس جو اللہ تعالیٰ نے نابیناؤں کو عطا کیا ہے، انہیں بھی دیا۔ ۱۸۸۹ء میں انتقال ہوا۔ پھر شاعر وادیب عبداللہ پاشا فکری ہیں جو عہد اسماعیل میں تعلیمات کے مہتمم تھے۔ ''الفصول الفکریہ للمکاتب المصریہ'' کے مصنف ہیں۔ ۱۸۸۹ء میں انتقال ہوا۔ پھر مصلح کبیر علی مبارک پاشا جو کہ مدارس مصریہ کے ناظم مکتبہ خدیویہ (دارالکتب) کے ایڈیٹر، مؤلف ''الخطط التوفیقیہ'' اور ''قصہ علم الدین'' کے مصنف تھے۔ بہت سے علوم حاصل کیے اور محمد علی کی ولایت سے عہد توفیق تک بڑے عہدوں پر فائز بھی رہے اور ۱۸۹۳ء میں انتقال ہوا۔ پھر بلند پایہ ادیب سید عبداللہ ندیم جو کہ انقلابی خطیب تھے، آئے۔ ان کے حالات مستقل گزر چکے ہیں۔

ماہر مترجم محمد عثمان بک جلال جنہوں نے اپنی کتاب ''العیون الیواقظ'' میں لاونٹن کی امثال کا ترجمہ کیا اور عامیانہ زبان میں ترتوف، بول اور ورجینی کا ترجمہ کیا اور ''السیاحۃ الخدیویہ فی الاقالیم المصریہ'' کے مؤلف تھے۔ ۱۸۹۸ء میں انتقال کیا۔ سیدہ فاضلہ عائشہ تیموریہ جس نے عربی اور ترکی شاعری میں مہارت حاصل کی اور دونوں زبانوں میں دیوان لکھا اور اس کے علاوہ کتاب ''نتائج الاحوال فی الادب'' بھی تالیف کی، ۱۸۴۰ء میں مصر میں پیدا ہوئے اور ۱۹۰۲ء میں وہیں انتقال ہوا۔ پھر ماہر اجتماعیات، مفکر انشاء پرداز

قاسم بک امین آئے جو ایک مصری عورت کے آزاد کیے ہوئے تھے۔ اصلاح اجتماعی کے علم بردار اور ''تحریر المرأۃ'' اور ''المرأۃ الجدیدۃ'' کے مؤلف تھے۔ ان دونوں کتابوں کا عورتوں کی تحریکِ ترقی میں جو اثر ظاہر ہوا وہ مشہور ہے۔ ۱۹۰۸ء میں انتقال ہوا۔ بے باک خطیب، تجربہ کار سیاست دان، سچے محبّ الوطن، ماہر صحافی مصطفیٰ پاشا کامل جن کے حالات پر مستقل مضمون ہے۔ فقیہ محقق، ماہر مترجم فتحی پاشا زغلول شارح ''القانون المدنی'' اور ''المحاماۃ'' کے مؤلف، کوشاف لوبون کے مترجم اور القوانین المصریہ کے لکھنے والے ہیں۔ ۱۹۱۴ء میں انتقال ہوا۔ ماہر انشاء پرداز سید مصطفیٰ لطفی منفلوطی جن کے حالات پر بھی مستقل مضمون ہے۔ عبقری یکتا، ماہر وکیل، باکمال اصولی خطیب خوش مقال، بلند درجہ انشاء پرداز، تجربہ کار سیاست دان سعد پاشا زغول جن کے حالات پر بھی مستقل مضمون ہے۔ لغوی مؤرخ محقق احمد پاشا تیمور جو کہ الخزانۃ التیموریہ، معجم اللغۃ العامیہ، المؤلفات القیمۃ اور المقالات الممتعۃ فی اللغۃ التاریخ کے مؤلف ہیں۔ ۱۹۳۰ء میں انتقال ہوا۔ بلند پایہ ادیب، پختہ نقاد محمد بک مویلحی مؤلف ''حدیث عیسیٰ بن ہشام'' ۱۹۳۰ء میں انتقال ہوا۔ ان کے حالات پر مستقل مضمون ہے۔ میر شعراء خلیفہ المتنبی احمد بک شوقی۔ ان کے حالات پر بھی مستقل مضمون ہے۔ شاعر نیل ادیب محمد حافظ بک ابراہیم۔ ان کے حالات پر بھی مستقل مضمون ملتا ہے۔ وسیع الاطلاع ادیب، نابغہ احمد زکی پاشا جو کہ الخزانۃ الزکیۃ کے مؤلف، عربی تالیفات کے زندہ کرنے والے اور اسلامی ثقافت کے ناشر تھے۔ ۱۹۲۴ء میں انتقال ہوا۔

اس دور کے وہ لبنانی اور شامی علماء جو اس تحریک کے روح رواں تھے، یہ ہیں: معلم شاعر بطرس کرامہ حمصی۔ یہ امیر بشیر شہابی کی مدح کرنے والے اور اس کے بیٹے کے استاد اور معتمد آدمی تھے۔ ان کی شاعری تین دیوانوں میں جمع کی گئی لیکن صرف ایک دیوان مطبوعہ ملتا ہے۔ ۱۸۵۱ء میں وفات پائی۔ فلسفی شاعر فرانسیسی مراش حلبی جو سب سے پہلے آدمی ہیں جنہوں نے جدت پسندی کی دعوت دی۔ بہت سی مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۱۷۸۳ء میں نابینا ہو کر انتقال ہوا۔ صحافی ایڈیٹر ادیب اسحٰق جو کہ توفیق کے دور میں محکمہ تعلیماتِ مصر کے انشاء پردازی کے شعبے کے رئیس تھے، دمشق میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم حاصل کی اور مصر چلے گئے اور جمال الدین کے ساتھ مل گئے۔ جدید ادبی تحریک میں ان کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ ۱۸۸۵ء میں انتقال ہوا۔ مصلح اجتماعی، سیاسی انشاء پرداز شیخ عبدالرحمٰن کواکبی ''طبائع الاستبداد'' اور ''ام القریٰ'' کے مصنف۔ اکثر اسلامی ممالک کا سفر کیا اور مصر میں ۱۹۰۲ء میں انتقال ہوا۔ انشاء پرداز ادیب جمیل المدور ''حضارۃ الاسلام فی دار السلام'' کے مصنف جو بیروت میں پیدا ہوئے اور وہیں ۱۹۰۷ء میں انتقال ہوا۔ بڑے ادیب، ماہر صحافی، بہترین مترجم شیخ نجیب حداد۔ کثرت سے ترجمہ کرنے اور ڈرامے لکھنے کی وجہ سے امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ اپنی بھرپور جوانی ہی میں ۱۸۹۹ء میں انتقال ہوا۔ علامہ مستند مؤرخ مضبوط لغوی شیخ طاہر الجزائری جو کہ دمشق کے عالم اور ادیب تھے۔ ۱۹۲۵ء میں انتقال ہوا۔ مستند مؤرخ ماہر صحافی مقبول افسانہ نویس جرجی بک زیدان جو کہ ''الہلال'' کے ایڈیٹر اور تاریخ، لغت، ادب اور اجتماعیت کے موضوع پر بہت سی بیش قیمت کتابوں کے مصنف اور مشرق تاریخی ڈرامہ نویسی کے امام تھے۔ ۱۹۱۴ء میں انتقال ہوا۔ محقق فلسفی صحافی مجدد ڈاکٹر یعقوب صروف جو کہ ''المقتطف'' کے اڈیٹر اور علم جدید کے داعی تھے۔ ۱۹۲۷ء میں انتقال ہوا۔

عراق کے مایہ ناز علماء میں آل آلوسی ہیں۔ اس خاندان کے مشہور علماء میں علامہ فقیہ شہاب الدین آلوسی مشہور تفسیر ''روح المعانی'' کے مصنف ہیں جو نو جلدوں میں ہے۔ بغداد میں ۱۸۵۴ء میں انتقال ہوا۔ ان کے پوتے سید محمود شکری آلوسی عراقی جو کہ

ادیب اور ''بلوغ الأرب فی احوال العرب'' جو کہ ۳ جلدوں میں ہے، کے مصنف ہیں۔ ۱۹۶۳ء میں انتقال ہوا۔ رقت آمیز شاعر عبدالغفار اخرس متوفی ۱۸۷۳ء۔ فلسفی شاعر جمیل صدقی زہاوی متوفی ۱۹۳۷ء، ان کے حالات پر مستقل مضمون ہے۔ علامہ لغوی الأب انستاس ماری کرملی۔ قاہرہ میں مجمع اللغۃ العربیہ کے رکن تھے۔ ۱۹۴۷ء میں انتقال ہوا۔

مغرب کے مایہ ناز علماء میں سیاسی انشاء پرداز مصلح محمد بیرم۔ ''صفوۃ الاعتبار بمستودع الامصار'' نامی سفرنامے کے مصنف ہیں جو ۵ جلدوں میں ہے۔ مصر چلے گئے اور وہاں ایک رسالہ ''الاعلام'' نکالا۔ مصر میں ہی قیام کیا۔ اور ۱۸۸۹ء میں انتقال ہوا۔ وزیر عالم خیر الدین پاشا جو ''اقوم المسالک فی معرفۃ احوال الممالک'' کے مصنف ہیں اور یہ کتاب اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے۔ اور اسی قابلیت کی وجہ سے انہیں تونس کا وزیر بنایا گیا۔ اور آستانہ کی صدارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ۱۸۹۰ء میں انتقال ہوا۔ سیاسی فقیہ مصلح سید عبدالحمید بادریس الجزائری متوفی ۱۹۴۰ء۔ نوجوان جوشیلے شاعر ابوقاسم شہابی تونسی جن کا ۱۹۲۴ء میں انتقال ہوا۔

کچھ مایہ ناز انشاء پرداز، شعراء، ادباء اور خطباء باقی ہیں جن کے حالات کو ہم کچھ تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

انشاء پرداز

جمال الدین افغانی

(پیدائش ۱۲۵۳ھ، ۱۸۳۸ء، وفات ۱۳۱۴ھ، ۱۸۹۷ء)

حالاتِ زندگی اور خدمات:

سید محمد جمال الدین بن سید صفتر افغانستان کے شہر کابل کی بستی اسد آباد کے ایک شریف گھر میں پیدا ہوئے جن کا نسب نامہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے جس کی وجہ سے افغانستان کے بعض علاقوں میں یہ حاکم بھی تھے۔ ان کی تربیت ایسے گھر میں ہوئی جس میں دیہاتی صفات پائی جاتی تھیں مثلاً غیرت، آزادی، خودداری اور حمیت۔ آٹھ سال کی عمر میں ان کے والد انھیں کابل لے آئے۔ وہاں انہوں نے عربیت، ادب، عقلی اور شرعی علوم کے مبادیات کامل طریقے سے حاصل کیں۔ پھر مختلف سفروں میں ترکی، عربی، اردو، فارسی اور فرانسیسی زبان سیکھیں اور انگریزی اور روسی زبان سے دلچسپی رکھتے تھے۔ ان زبانوں کی مدد سے مشرق و مغرب کی قدیم و جدید ثقافت حاصل کی۔ پھر ہند، ایران، حجاز، مصر، ترکی انگلینڈ اور روس کا سفر کیا۔ جس سے حکومتوں کے احوال اور قوموں کے اخلاق کے بارے میں ان کا علم اور وسیع ہوگیا۔ اللہ ان سے راضی ہو وہ عظیم آدمی تھے اس لیے تواضع سے رہتے تھے، آزاد تھے اس لیے جرأت والے تھے، زاہد تھے اس لیے سخی تھے، قریشی تھے اسی وجہ سے زبان میں مٹھاس تھی۔

امیر ہونے کی وجہ سے غیرت مند تھے، طبیعت میں تیزی تھی کیونکہ حساس طبع تھے اور مردانگی کی وجہ سے صاف گو اور کھرے آدمی تھے۔ وہ خود فرماتے تھے کہ ان صفات کے حصول کے بعد مجھے سوائے دلی اطمینان کے کچھ نہیں چاہیے۔ وہ اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے کہ اس نے انھیں اتنی بہادری عطا کر دی تھی کہ وہ اپنے دل کی بات بغیر کسی خوف کے کہہ دیتے اور اپنے قول پر عمل کرتے۔ جب یہ صفات مذکورہ بالا وسائل سے ملیں تو ان کے لیے زمین وسیع ہوگئی۔ ان کی بلند ہمت نے انہیں گھر بار سے ہٹا کر تمام اسلامی ممالک اور انسانی شرف کی طرف متوجہ کر دیا۔ انھوں نے اپنی ساری قوت اس کام کے لیے وقف کر دی کہ تمام استعماری قوتوں کو ختم

کر کے تمام عالم اسلام کو ایک وحدت بنا دیں اور ایک دستوری حکومت کے قیام کے ذریعے استعماری قوتوں کے مستقل شر کو دور کیا جائے۔
وہ اپنی اس دعوت پر ایسا ہی یقین رکھتے تھے جیسا اللہ پر، یہاں تک کہ وہ اس رستے میں قید کو ریاضت، جلاوطنی کو سیاحت اور قتل کو شہادت سمجھتے تھے۔

جو لوگ سیرت افغانی کا سرسری مطالعہ کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے کتابت اور خطابت میں اپنے مقصد کو پورا کرنے میں پوری جدوجہد نہیں کی۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے سوچ وفکر کر کے پورے اندازے کے بعد تدبیر اختیار کی۔ لیکن اسلامی وحدت اس طرح بکھر چکی تھی کہ اب دوبارہ اکٹھا ہونے کی امید نہ تھی۔ اور استبدادی قوتیں اس طرح مضبوط ہو چکی تھیں کہ انہیں شکست دینا ممکن نہ تھا۔

اپنی بھرپور جوانی میں امیر افغانستان محمد اعظم کے وزیر بنے۔ اور امیر کو آزادی کی طرف مائل کیا اور آپس کے مشورے سے نظام کو چلانا شروع کیا۔ انگریز ان کے اس طرح اقدامات سے ڈر محسوس کرنے لگے۔ چنانچہ انھوں نے ان کے مخالفین کو مال دے کر بغاوت کروا دی۔ آخر کار ملکی نظام خراب ہوا اور امیر محمد اعظم کو ملک بدر کر دیا گیا، سید صاحب سکون کی تلاش میں ہندوستان اپنے ایک تاجر دوست کے پاس رہنے کے لیے نکلے۔ انگریزوں نے باڈر پر ان کا استقبال کیا اور مجبوراً حکومتی مہمان بنا دیا اور دو ماہ ٹھہرنے کی اجازت دی۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ ان کی طرف بہت زیادہ متوجہ ہونے لگے تو انھوں نے اس مدت میں کمی کر دی اور انھیں یہاں سے نکل جانے کا حکم دیا۔ قریب تھا کہ ہندوستانی عوام میں چھپی ہوئی قوت جوش مارتی جب اس نے ہندوستان کے بڑے لیڈروں سے چلتے ہوئے یہ خطاب کیا:

"قسم اس اللہ کی جس نے حق کے غلبہ اور عدل وانصاف کے قیام کا ایک راز رکھا ہے۔ اگر تمہارے چند لاکھ لوگ ہی مکھیاں بن جائیں تو وہ اپنی بھنبھناہٹ سے ہی انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دیں۔ اور اتنی مقدار کچھوے بن جائے تو وہ سمندر پار برطانوی جزیروں میں پہنچ کر انھیں چٹیل میدان بنا دے"۔

آستانہ میں صدر اعظم نے ان کا پرتپاک استقبال کیا اور حکومتی آدمیوں نے ان کی بہت عزت کی۔ پھر مجلس معارف کے رکن نامزد ہوئے۔ انھوں نے تعلیمی معاملات میں اپنی رائے پیش کی اور صنعتی امور میں ایک خطبہ دیا جس سے علم و دین کے بڑے لوگ جو حقیقت میں جاہل اور گمراہ تھے، ان کے مخالف ہو گئے۔ اس مخالفانہ کوشش کی قیادت شیخ الاسلام اپنی ذاتی غرض کی وجہ سے کر رہے تھے۔ اس نے سید صاحب پر جھوٹے الزامات گھڑے۔ اور ان کے خلاف چغلیاں کھانے لگے۔ چنانچہ سید افغانی قاہرہ جانے پر مجبور ہو گئے۔

یہاں ریاض پاشا نے ان کا زبردست استقبال کیا۔ یہاں ان کی صلاحیتیں تعلیم، انتظامات اور انقلاب میں نکھریں۔ انھوں نے اپنی تیز روشنی کے ذریعے گھروں اور قہوہ خانوں میں مقدس چراغ روشن کیے اور ان کی راہنما روشنی سے معرفت وحکمت کے طالب علماء، ادباء، مدبر اور لیڈروں کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ پھر انھوں نے اپنی اس آزاد خیال جماعت کو جسے انھوں نے اپنی تعلیمات کی روشنی پھیلانے کے لیے مینار بنایا تھا، حکومت کی ہر وزارت میں جماعت جماعت کر کے تقسیم کر دیا۔ جماعت حریت مصری کمانڈوں پر کیے جانے والے ظلم کی جانچ پڑتال کرتی اور انھیں جرا کسی کمانڈوں سے انصاف دلانے کے لیے فوجی محکموں کے خلاف احتجاج کرتی۔ قانون، مالیات، مزدوری اور ملازمت دلانے والی جماعتوں نے اپنے اپنے شعبے کے وزیروں کے خلاف احتجاج بلند کیا کہ مصریوں کو

کام اور اجرت میں دوسروں کے برابر کیا جائے۔ حکام نے جب مختلف جماعتوں کی کی گئی تقاریر کو پڑھا اور ملازمین کا شور سنا اور تعلیم یافتہ لوگوں کی بے اطمینانی اور افسوس دیکھا تو وہ ڈر گئے۔ چنانچہ توفیق خدیوی نے انھیں اپنے پاس بلا لیا اور اس بارے میں گفتگو کی۔ سید صاحب نے فرمایا: ''اصلاح کا راستہ یہ ہے کہ ملکی نظام میں شوریٰ کے مطابق قوم حصہ لے''۔

پھر جمال الدین افغانی اپنی تحریک کو مزید گرم جوشی سے چلانے لگے چنانچہ ملک کا سارا ادبی طبقہ انہیں اہمیت دینے لگا اور ان کی باتوں کو غور سے سننے لگا۔ آٹھ سال کے جہاد کے بعد معاملہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ یہاں تک کہ انگریز اُن کے اثر ورسوخ سے تنگ آ گئے اور خدیو کو حکم دیا کہ اسے یہاں سے نکال دے چنانچہ اس نے سید صاحب کو نکال دیا۔

یہ شعلہ پیرس منتقل ہو گیا اور رسالہ ''العروۃ الوثقیٰ'' کے روپ میں بلند ہوا۔ اس رسالہ کی تیز روشنی اٹھارہ ماہ تک مشرقی ممالک کے لیے مینار بنی رہی۔ اس نے ظالموں کو خوب نقصان پہنچایا، اور بحری ڈاکوؤں کے راز فاش کیے۔ اس کے بعد شاہِ عجم نے انھیں اپنے پاس بلا لیا اور اپنا وزیر بنا لیا۔ لیکن جب انھوں نے اپنا شورائی نظام اس کے سامنے پیش کیا تو اس نے چہرہ پھیر لیا۔ قیصرِ روس نے ان کی زیارت کی خواہش کی اور ان سے ان کا نظریہ پوچھا۔ تو جب انھوں نے اپنا شورائی نظام اس کے سامنے رکھا تو وہ بھی ان سے متنفر ہو گیا۔ خاقان ترک نے انھیں بلایا اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ جب انھوں نے شورائی نظام پیش کیا اور کہا کہ تمام حکومت کو دس حصوں میں تقسیم کر دیا جائے اور عثمانی امراء مقرر کر دیئے جائیں تو عبدالحمید نے بھی نگاہ پھیر لی لیکن عبدالحمید کا بہادر حکیم (افغانی) کے ساتھ رویہ سب سے نرم رہا۔ چار سال تک انھیں اکرام سے رکھا اور اس کی بہت کوشش کی کہ کسی طرح یہ کسی عہدے یا ازدواجی قید میں جکڑ دیے جائیں لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ لیکن موت اس کی طاقت رکھتی تھی کہ اس انقلابی مردِ آزاد کو جکڑے تاکہ تمام استبدادی قوتیں اپنی مقررہ میعاد پوری کر لیں۔ چنانچہ آستانہ میں مرض سرطان میں مبتلا ہو کر ۹ مارچ ۱۸۹۷ء میں وفات پا گئے۔

نثر کا نمونہ:

سید افغانی صاحب کو خبر ملی کہ عبداللہ پاشا فکری کے سامنے کسی نے ان کی مذمت کی ہے اور عبداللہ خاموش رہے اور کوئی مدافعت نہیں کی تو انھوں نے ان کے عتاب میں لکھا:

> ''میرے آقا! آپ نے حق کے بارے میں تسامح سے کام لیا ہے جبکہ آپ مقدس، حق کے پیرو اور مشکلات کا مقابلہ کرنے والے ہیں۔ میں نے اپنے یقین کو شک کے بدلے فروخت کر ڈالا ہے۔ اگر میں اس کا وہم کروں کہ آپ نے صراطِ مستقیم سے اعراض کیا ہے یا حق راستے کو چھوڑ دیا ہے جبکہ مجھے یقین ہے کہ آپ ہمیشہ بغیر افراط وتفریط کے سیدھے راستے پر چلنے والے ہیں تو اب میں اپنے علم کو جہالت سے بدل دوں گا۔ اگر میں کہوں کہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو حق کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے اور نہ ہی ظالم کے خوف سے سچ کہنے سے رکتے ہیں اور آپ بغیر کوتاہی اور تنگیٔ دل کے حق کو کھلم کھلا بیان کرنے والے ہیں چاہے باطل اپنی تمام ہلاکت اور غم انگیز قوتوں کے ساتھ آپ کے سامنے آ جائے اور آپ پر مہلک مصائب کھڑے کر دے تو میں اپنے کو جھٹلاؤں گا اور جو میری بات سنے گا وہ بھی مجھے جھٹلائے گا۔ کیونکہ عالم وجاہل، ذہین اور کند ذہن سب آپ کی پاکیزہ صفات اور صاف سیرت کے قائل ہیں۔ سب اس پر متفق ہیں کہ فضائل وہاں ہیں جہاں آپ ہیں اور حق ہر

جگہ آپ کے ساتھ ہے۔ آپ کبھی بھی اچھے اخلاق کا دامن نہیں چھوڑتے چاہے آپ کو مجبور ہی کیوں نہ کیا جائے۔
آپ میں قدرتی طور پر خیر ہی پائی جاتی ہے۔ کبھی شر آپ کے پاس بھی نہیں پھٹکتا۔ قصداً کبھی بھی غلط بات آپ سے
صادر نہیں ہوئی۔ آپ حق کا فیصلہ کرنے میں کبھی کمزور نہیں ہوتے اور سچی گواہی دینے میں کبھی بھی آپ نے سستی
نہیں دکھائی۔ ان تمام صفات کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ آپ میرے معاملے سے واقف ہیں اور میرے ظاہر اور
باطن کو جاننے والے ہیں آپ پر واجب تھا کہ حق کی حمایت کرتے جو آپ نے نہیں کی۔ اور نہ اس عہد کا پاس رکھا
جس کی رعایت آپ پر ضروری تھی۔ آپ جانتے ہیں کہ میں اپنے دل میں خدیو اور مصریوں کے لیے کوئی برائی نہیں
رکھتا اور نہ ہی اپنے دل میں کسی کے لیے کوئی دشمنی رکھتا ہوں لیکن پھر بھی آپ نے گواہی کو چھپایا۔ آپ نے مجھے
فلاں کمینے کے دانتوں میں چھوڑ دیا جو مجھے درندوں کی طرح نوچ اور چبا رہا ہے۔ سید ابراہیم لقانی سے بغض رکھتا ہے
اور میرے فلاں فلاں دشمنوں کے ابھارنے سے میرے خلاف ہو گیا ہے۔ آپ کی حق پرستی اس طرح تو نہیں ہے اور
نہ ہی آپ سے ایسا گمان ہے۔ میرے دل میں آپ کی عظمت ہے اور میں آپ کے کمالات کا اقرار کرتا ہوں لیکن
میری زبان میری اطاعت نہیں کر رہی کہ میں کہوں کہ جو ہوا اللہ تعالیٰ اسے معاف کرے۔ الا یہ کہ آپ حق کی پیروی
کریں، سچائی کو قائم کریں اور شبہ دور کرنے کے لیے گواہی میں اپنی زبان کھولیں۔ تاکہ باطل کو مٹایا جائے اور شر اور
شریروں کو ذلیل کیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ آپ حق اور عدل کے فریضہ کی ادائیگی کے لیے ایسا کریں گے۔ جناب!
اب میں لندن جا رہا ہوں اور وہاں سے پیرس جاؤں گا۔ آپ کے لیے دعا گو اور بھائی فاضل سعید امین بک کو بھی میرا
سلام عرض کر دینا۔ اسلام علیکم"۔

استاد امام محمد عبدہ

(پیدائش ۱۲۶۶ھ، ۱۸۴۹ء، وفات ۱۳۲۳ھ، ۱۹۰۵ء)

حالات زندگی:

محمد عبدہ بن عبدہ بن حسن خیر اللہ مصر کے شہر بحیرہ کے ایک محلّہ نصر میں پیدا ہوئے اور درمیانی درجہ کی دیہاتی زندگی میں پرورش
پائی۔ اپنے محلّہ کے مدرسہ میں قرآن حفظ کیا اور پھر علم کے حصول کے لیے جامع احمدیہ اور پھر ازہر تشریف لے گئے۔ لیکن شروع میں
بعض ایسے نااہل اساتذہ ملے جو انھیں مسائل بغیر تفہیم کے پڑھاتے تھے چنانچہ یہ اکتا گئے اور وہاں سے بھاگ گئے۔ جب علم کی
حلاوت چکھی تو تعلیم کی مشقتیں جھیلنا آسان ہو گیا۔ چنانچہ تعلیم میں ایسے مستغرق ہوئے کہ تھوڑے سے عرصے میں بہت سا علم حاصل
کر لیا۔ جامع ازہر کا تعلیمی معیار اس قدر بلند نہ تھا جو امام محمد عبدہ جیسے صحیح الحکم، مستند، ساحر بیان، وسیع العلم، کریمانہ اخلاق، صاحب
بصیرت جیسے طالب علم کے لیے کافی ہو لیکن حکیم المشرق فلسفی اسلام سید جمال الدین افغانی ہی وہ شخص تھے جنہوں نے انھیں ان علوم
میں کمال درجہ تک پہنچا دیا اور ان صفات سے ان میں جمال پیدا کیا۔ عہد اسماعیل میں حکیم مصر تشریف لائے تو ذہین طلباء نے اُن کے
مشرب علمی سے خوب فائدہ اٹھایا۔ یہی طلباء جدید تحریک کے داعی اور راہنما بنے۔ امام محمد عبدہ ان طلباء میں سب سے زیادہ اپنے استاد

سے نفع اٹھانے والے اوران کی توجہ کے حامی تھے۔ یہاں تک کہ حکیم نے مصر سے جاتے ہوئے ان کے بارے میں فرمایا:

''میں شیخ محمد عبدہ کے علم میں بہت بڑی خیر چھوڑ کر جا رہا ہوں''۔

جب جمال الدین مصر سے چلے گئے تو امام محمد عبدہ نے نئے سرے سے علوم میں غور وفکر کرنا شروع کیا اور دین کو اس کے سرچشموں سے حاصل کرنے لگے یہاں تک کہ وہ علوم عقلیہ، نقلیہ اور لسانیہ میں امام بن گئے۔ ۱۲۹۴ھ میں درجہ عالیہ حاصل کیا اور دار العلوم اور مدارس لسانیہ میں تاریخ وادب کے استاد بن گئے۔ اس کے بعد ''الوقائع الرسمیہ'' اور ''اصلاح اللغۃ العربیہ'' کے ایڈیٹر بنے۔

پھر لوگوں کے دلوں میں افغانی کی تعلیمات پھلنے پھولنے لگیں یہاں تک کہ عربی بغاوت تک پہنچا دیا۔ محمد عبدہ اس تحریک کے بڑھانے والے اور تعاون کرنے والے تھے۔ انھوں نے خدیو توفیق کو نکالنے کا فتویٰ بھی دیا جس کی پاداش میں انھیں جلا وطنی ہوئی۔ چنانچہ یہ شام آ گئے اور چھ سال وہاں رہے اس دوران انھوں نے ''نہج البلاغۃ'' اور ''مقامات البدیع'' کی شرحیں لکھیں۔ پھر جمال الدین کے پاس پیرس چلے گئے۔ ان دونوں نے مل کر رسالہ ''العروۃ الوثقیٰ'' نکالا اور اس کے ذریعے دین، ادب، اصلاح اور علم کی دعوت پھیلائی۔ چنانچہ عالم اسلام کے پاک نفوس اس سے بہت خوش ہوئے۔ لیکن یہ رسالہ زیادہ دیر نہ چل سکا۔ استاد محمد عبدہ نے یورپی تمدن کے بارے میں جو سنا اور دیکھا تو انھیں جاننے اور حاصل کرنے کا شوق ہوا۔ اسی لیے انھوں نے فرانسیسی زبان سیکھنا شروع کر دی اور چند ماہ میں اسے سیکھ گئے۔ پھر عمومی خدیوی معافی میں ان کی معافی ہو گئی اور یہ روشن دل وسیع علم اور پختہ عمر کے ساتھ اپنے وطن واپس پہنچے اور یہاں عدالت مرافعہ میں مشیر رکھے گئے۔ جامع ازہر میں علم بیان اور تفسیر قرآن پر درس کا اہتمام بھی کرتے۔ ان کے درس میں وکلاء، صحافی، ادیب اور ماہرین تعلیم شرکت کرتے۔ بعد ازاں مفتی کے عہدے پر فائز ہوئے اور اسی عہدے پر فائز رہے یہاں تک کہ سرطان کے مرض میں مبتلا ہو کر اسکندریہ میں انتقال ہوا اور قاہرہ میں دفن کیے گئے۔

عادات واخلاق:

استاد محمد عبدہ درمیانے قد، گندمی رنگ اور مضبوط جسم کے آدمی تھے۔ نگاہ تیز، بلیغ، فصیح، ذکی القلب، مضبوط حافظے والے تھے۔ وہ خودداری، عقل کی صفائی، دوراندیشی، عزیمت، کریمانہ اخلاق، حق گوئی یہاں تک کہ اپنے حلیے وہیئت میں بھی ابن خلدون سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ انھوں نے ابن خلدون کی طرح حق تعالیٰ کی رضا اور بدعات کے مقابلے میں عام وخاص کی دشمنی لی جیسا کہ ہر قوم میں اصلاح کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

لغت وادب میں ان کا اثر:

ان کے زمانے میں عربی زبان پر عجمیت چھائی ہوئی تھی اور نہایت کمزور اور خستہ حالت میں تھی۔ جس وقت وہ ''الجریدۃ الرسمیۃ'' کے ایڈیٹر تھے۔ وہ اخبارات اور دفاتر میں استعمال ہونے والی زبان کو بغور پڑھتے تھے اور ایسے مضامین جاری کرتے جن میں ناقص اسالیب اور غلط تراکیب کی نشاندھی کی جاتی اور ان ضعیف عبارات کے نمونے لکھے جاتے اور ان کے عیوب پر نشاندھی کی جاتی اور ان کی جگہ درست مضامین لکھے جاتے تاکہ لکھنے والوں کی اصلاح ہو سکے۔ پھر انھوں نے جامع ازہر کے طریقہ تعلیم سے ہٹ کر ایک اور انداز سے تعلیم شروع کی۔ انھوں نے عبد القاہر کی بلاغت کے موضوع پر دو کتابیں پڑھائیں جن میں ایسا اسلوب اختیار کیا جسے لوگوں

نے بہت زیادہ پسند کیا۔ زبانِ رسول ﷺ میں سے قرآن پاک کی تفسیر کی۔ وہ اپنے درس میں خطیبانہ انداز اختیار کرتے جس میں زبان زوردار، قوت استدلال اور روانی ہوتی۔ طلباء ان کے بیان سے بھی اسی طرح مستفید ہوتے جس طرح وہ ان کے علم سے مستفید ہوتے تھے۔ وہی عربی کتب کے احیاء کے لیے کوششیں کرتے رہے اور جامع ازہر میں ادب کی تعلیم کا طریقہ جاری کیا۔ احیاء کتب میں انھوں نے امام محمد محمود شنقیطی سے تعاون حاصل کیا۔ اور ادب کی تدریس میں استاد سید بن علی مرصفی پر اعتماد کیا۔

علم و دین میں ان کا اثر:

بدعات اور گمراہیوں کی وجہ سے دینی افق پر کالی گھٹائیں چھا گئیں۔ چنانچہ استاد محمد عبدہ کے فکر و علم سے ایسی روشنی اٹھی جس نے ان باطل بادلوں کو دور کر دیا اور نئے سرے سے حق کی بنیادیں قائم کیں۔ انھوں نے دیکھا کہ موجودہ علم، دین کے مقابلے پر آنا شروع ہو گیا ہے۔ وہ ان دونوں کے درمیان موافقت کے لیے کھڑے ہوئے جیسا کہ ابن سینا اور ابن رشد نے اس سے پہلے کیا۔ وہ بزبان علم و عقل قرآن کی تفسیر کرنے لگے اور عبدالقاہر کی طرز پر توحید کے بارے میں ایک رسالہ لکھا جس میں عقائد کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا اور ابہام کے اندھیروں کو ان سے دور کر دیا۔ انھوں نے جب مسیحی مبلغین اور استعمار پسند طبقہ کے اسلام پر کیے گئے اعتراضات سنے تو مضبوط اور قاطع دلائل سے ان کا رد کیا۔ ان کی کتاب "الاسلام والنصرانیۃ" اور ہانوٹو فرانسیسی پر ان کا رد اسی سلسلے کی کڑی ہیں۔

مختصر بات یہ ہے کہ امام محمد ان چوٹی کے مجتہدین اور محققین میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے حق کی مدد و نصرت کے لیے چن لیا تھا۔ چنانچہ وہ دین کی تجدید کرتے ہیں، ارکان علم کو مضبوط کرتے ہیں اور زمین سے فساد دور کرتے ہیں۔

اسلوبِ بیان:

امام محمد عبدہ کا اپنا ایک خاص اسلوب بیان ہے۔ خوبصورتی میں وہ کسی باغ کا ٹکڑا لگتا ہے۔ اسے آپ ان کے جوابات اور مقالات میں پائیں گے۔ اپنے مکاتب میں انھوں نے ابن عمید کا طرز اختیار کیا ہے۔ اس طرح اس میں بتکلف سجع بندی اور صنعت پسندی پائی جاتی ہے۔ اپنی تالیف میں انھوں نے جاحظ کا طرز اختیار کیا ہے۔ جس میں عبارت مقصود کے ساتھ ساتھ چلتی ہے اور فقرے بھی موزوں اور ترتیب وار ہوتے ہیں۔ وہ کلام کی تمام انواع کو استعمال کرتے تھے۔ ہر معنی کو اس کے مناسب اسلوب سے ادا کرتے۔ شاعری کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ انھوں نے کی ہو۔ لیکن بعض لوگ کچھ اشعار ان کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ انھوں نے مرنے سے پہلے کہے تھے۔ وہ اشعار یہ ہیں:

ولست ابالی ان یقال محمدٌ   أبل أو اکتظت علیه المآتم

مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ کہا جائے کہ محمد عبدہ صحت یاب ہوتا ہے یا اس پر بڑا ماتم کیا جاتا ہے۔

ولکن دینا قد أردت صلاحه   أحاذر أن تقضي علیه العمائم

لیکن دین کی اصلاح کا میرا ارادہ ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں عمامے اس کا خاتمہ نہ کر دیں۔

فیا رب إن قدرت رجعی قریبة   إلی عالم الأرواح وانفض خاتم

تو اے رب! اگر میری موت قریب ہے اور میری زندگی کے دن اختتام پذیر ہو چکے ہیں۔

فبارك على الإسلام وارزقه مرشداً رشيداً يضيء النهج والليل قائم

تو اسلام میں برکت دے اور اسے ایسا راہنما عطا فرما جو اندھیری رات میں بھی اس کی راہ کو روشن رکھے۔

نثر کا نمونہ:

شام کے ایک عالم نے انھیں افتاء کے منصب پر فائز ہونے کی مبارک باد پیش کی تو انہوں نے جوابی خط بھیجا جس میں انھوں نے اصلاح کے رستے میں علماء ومشائخ کی طرف سے پیش آنے والی تکالیف کا ذکر کیا:

تمہاری قوم نے میرے منصبِ افتاء پر مسرت کا اظہار کر کے میرے ساتھ انصاف کا معاملہ کیا ہے۔ شاید یہ اس وجہ سے کہ وہ جانتے ہیں کہ میں اللہ کے دین کے بارے میں سب سے زیادہ غیور ہوں، اس کے دفاع پر سب سے زیادہ حریص ہوں، موقع شناس اور تبلیغ حق میں سب سے زیادہ ماہر اور نڈر ہوں۔ ان لوگوں کے دلوں میں میرے بارے میں حسد نہیں اور نہ ہی لڑائی جھگڑا اور ہر دین دار کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے دین میں میری طرح عزیمت دکھائے اور پورے خلوص سے کام کرے خاص طور پر جب اسے جنگ سے بچا لیا جائے اور نہ اسے سفر کرنا پڑے اور نہ مال خرچ کرنا پڑے۔

میری قوم کا حال یہ ہے کہ جو جس قدر مجھ سے قریب ہے اتنا ہی مجھ سے دور ہے۔ انصاف ان سے کتنا دور ہے؟ میرے ساتھ گمان رکھتے ہیں بلکہ وہ مجھ پر حوادث کا انتظار کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حکم لگانے میں جلد بازی کرتے ہیں، وہم پر چلتے ہیں باتیں بہت بناتے ہیں اور ملامت کرنے سے لذت حاصل کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں لیکن وہ سنتے نہیں میں بلاتا ہوں وہ حاضر نہیں ہوتے، میں عمل کرتا ہوں لیکن وہ راہنمائی حاصل نہیں کرتے۔ میں انھیں ان کے فائدے کی چیزیں دیکھاتا ہوں لیکن وہ نہیں دیکھتے۔ ان کے مصالح تک انھیں لے جاتا ہوں لیکن وہ بے حس ہو جاتے ہیں۔ بلکہ وہ اپنی ہلاکت کی طرف بھاگتے ہیں۔ چیخ و پکار اور شور وغل ان کا کام ہے۔ حتی کہ جب عمل کا وقت آتا ہے تو ان کی حالت اس قوم کی سی ہو جاتی ہے جس کے بارے میں شاعر نے سچ کہا ہے۔

لكن قومي و ان كانوا ذوي عدد ليسوا من الشر في شيء و ان هانا

''میری قوم اگرچہ تعداد میں زیادہ ہے لیکن شر میں بالکل حصہ نہیں لیتی اگر چہ وہ شر معمولی درجہ کا ہی ہو''۔

میری مثال ان میں ایسی ہے کہ جیسے ایک بھائی ہو جسے اس کے بھائی جاہل سمجھتے ہوں یا باپ جس کی اولاد اس کی نافرمانی کرتی ہو یا بیٹا جس پر اس کے والدین اور رشتہ دار مہربانی نہ کریں جبکہ سب کو اس کی ضرورت بھی ہے اور اسی کا سب کو سہارا ہے۔ اس کو نقصان پہنچا کر اپنے ہی منافع ختم کرتے ہیں۔ اگر وہ چاہتے تو اسے بچا کر خود کو بچا سکتے تھے لیکن وہ ایسا ہے کہ مسلسل کوشش کر رہا ہے اور ان کی پرورش وغیرہ کی فکر کر رہا ہے جبکہ وہ غافل ہیں۔ لیکن میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ جس نے پریشانی میں مجھے صبر اور وسعت قلبی عطا فرمائی۔ پختہ عزم اور برداشت عطا فرمایا۔ میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں امید کے برآنے سے پہلے میری موت واقع نہ ہو جائے خصوصاً جب کہ میں جدوجہد مردہ زمین پر دیکھ رہا ہوں۔ ایسی زمین کہ اگر آسمان بھی پگھل کر اس پر برسے تو پھر بھی وہ کھیت یا درخت نہ اگائے اسے یاد کر کے میں ڈرتا ہوں۔ اور ناامید ہو جاتا ہوں اور میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگتا ہے۔ پھر میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہوں

اور جانتا ہوں کہ وہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور وہ کسی کا عمل ضائع نہیں کرتا تو میرا دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اور میں مسلسل اپنے کام میں لگا رہتا ہوں۔ شاید اللہ اچھی صورت پیدا کر دے۔ کاش کہ میں علماء معلمین کی جہالت اور حماقت کی شکایت اللہ سے کرتا۔ اس جاہلیت کے زمانے میں جسے مٹانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیا گیا تھا۔ اُس زمانے میں گمراہی بہت زیادہ تھی لیکن لوگوں کی فہم تیز تھی جب بھی ہدایت کا نور چمکتا تو یہ متوجہ ہوتے اور جب بھی انہیں داعی کی آواز سنائی دیتی یہ حاضر ہو جاتے۔ قرآن مجید اُن کے سینوں کو چیر رہا تھا اور نرم کر رہا تھا۔ اور ان کی برائی ختم کر رہا تھا۔ سخت چٹانوں سے رحمت اور مہربانیوں کے چشمے جاری کر رہا تھا۔ ایسے مخالفین بہت کم تھے جو سمجھنے کے بعد انکار کرتے۔ بعض اس خوف سے دور بھاگتے کہ کہیں بات کانوں میں نہ پڑ جائے۔ اگر وہ سن لیں گے تو سمجھ جائیں گے اور جب سمجھ لیں گے تو ان کی مدد کیے بغیر چارہ کار نہ ہوگا کیوں کہ سمجھ لینے کے بعد انکار کرنا ایسا ہی ہے جسے علم کے ساتھ یقین ہو۔ یہ دونوں چیزیں انسانوں میں بہت کم پائی جاتیں ہیں۔ اور آج مجھے قلت فہم، ضعف عقل، سمجھ میں خلل اور بے شعوری کی شکایت ہے۔ نہ تو وضاحت انہیں اپنی طرف مائل کرتی ہے اور نہ بلاغت مؤثر ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ ایسے کاموں پر ان کی مدح ہو جو انہوں نے نہیں کیے۔ وہ جاہل ہیں لیکن خواہش یہ ہے کہ انہیں عالم کہا جائے اور ان کے مطالبے پورے کیے جائیں۔ اگر چہ وہ کم درجہ کے لوگ ہیں لیکن بلند مرتبے کے خواہاں ہیں۔ بے شک سننے والے کی فہم کی صلاحیت کا بات کرنے والے پر بہت اثر ہوتا ہے اور بحث مباحثہ میں فکر کو درست کیا جاتا ہے۔ ناسمجھ لوگوں میں زندگی گزارنا گویا کہ گونگا ہونا ہے، اپنی فکر کی آنکھ کو ختم کرنا ہے اور عمل کی روح کو اڑا دینا ہے۔

شیخ علی یوسف

(پیدائش ۱۲۸۰ھ، ۱۸۶۳ء، وفات ۱۳۳۱ھ، ۱۹۱۳ء)

پیدائش و حالاتِ زندگی:

یہ ذہین سیاسی اور ماہر صحافی جرجان کے شہر بلصفور میں ایک پاکیزہ اور خستہ حالت گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش پر ایک سال بھی مکمل نہ ہوا تھا کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کی والدہ انھیں لے کر ننھیال بنی عدی چلی گئیں جو کہ منفلوط میں رہتے تھے۔ وہیں یہ جوان ہوئے اور قرآن حفظ کیا اور کچھ ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ۱۲۹۹ء میں ازہر بھیج دیے گئے جہاں انھوں نے چنے ہوئے اساتذہ سے چند سال علم حاصل کیا اور فقہ، بلاغت، منطق، توحید اور کچھ ابتدائی فلسفہ میں مہارت حاصل کی۔ لیکن انھوں نے اپنے اندر مزید ہمت پائی اور ازھر میں جمود اور گمنامی نظر آئی۔ ازھریوں کے طریقے سے اعراض کیا اور امراء کے بیٹوں سے تعلقات قائم کیے۔ ان کی مجالس کو تر و تازہ کیا اور ان پر اشعار کہا کرتے حتیٰ کہ مصر میں الجوائب کے ایڈیٹر مرحوم احمد فارس شدیاق تشریف لائے اور ''القاھرۃ الحرۃ'' رسالہ جاری کیا تو شیخ علی بھی ان سے جا ملے اور رسالے کی تحریر میں ان کا تعاون کرنے لگے۔ اس سے ان میں انشاء پردازی کا ملکہ اور صحافت نگاری کی مہارت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ انھوں نے ایک پرچہ نکالنا شروع کیا جس کا نام ''الآداب'' رکھا۔ یہ پرچہ ۱۳۰۷ھ تک مستقل نکلتا رہا۔ ان دنوں اللہ تعالیٰ نے اس عالی نفس اور اٹھتی ہوئی ہمت والے شخص کو ایک موقع دیا کہ وہ قیود اور حدود سے تجاوز ہو کر اور تقدیر سے بھی آگے بڑھ کر اپنے ایک ازھری دوست شیخ احمد عاضی کے ساتھ مل کر ایک سیاسی یومیہ اخبار جاری کرے

جس کا نام ''المؤید'' رکھا۔ اس روزنامہ کا پہلا پرچہ ربیع ثانی ۱۳۰۷ھ میں نکلا تھا۔ اس وقت نہ تو اس کے پاس کوئی عالی سرمایہ تھا اور نہ اسے حکومتی تعاون حاصل تھا۔ اسی طرح کسی پارٹی کی طرف سے بھی تعاون نہ تھا۔ اور نہ ہی عوام سے کوئی حوصلہ افزائی ملی۔ چنانچہ ان مسائل کی وجہ سے انھیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر کار اللہ کی مدد شامل حال ہوئی اور انھیں قابل و ماہر وکیل سعد افندی زغلول اور ماہر انشاء پرداز ابراہیم افندی لقانی اور ان جیسے دوسرے حضرات کی صحبت نصیب ہوئی۔ انھوں نے ان کی مالی اور تحریری ہر اعتبار سے مدد کی۔ لیکن دونوں شریکوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور دونوں صرف اس بات پر متفق ہوئے کہ ''المؤید'' مکمل طور پر شیخ علی کا ہو جائے اور وہ اپنے شریک کو ایک سو گنی نقد دے۔ اس مایوسی کے وقت اگر سعد زغلول دوبارہ اس پر احسان نہ کرتا تو قریب تھا کہ معاملہ ان کے ہاتھ سے نکل جاتا۔ چنانچہ انھوں نے اس رقم پر مشتمل تھیلی انھیں دی۔

اس کے بعد المؤید کامیابی کے ساتھ نکلتا رہا اور اسے حکومت کے رئیس کا تعاون اور بلند ادیبوں کی تحریری مدد حاصل تھی مثلاً سعد بک زغلول شیخ محمد عبدہ، شیخ عبدالکریم سلمان، سید توفیق بکری، فتحی بک زغلول، ابراہیم بک مویلحی، قاسم بک امین، اسماعیل پاشا اباظہ اور مصطفیٰ لطفی منفلوطی۔ یہ روزنامہ عالم اسلام میں ایسا پھیلا کہ اس سے پہلے کوئی پرچہ اتنا نہ پھیلا تھا۔ وہ دور جو جہالت کا دور تھا اس میں بھی یومیہ آٹھ ہزار نسخے طبع ہوتے۔ اس پرچے نے اسلام کے دفاع اور حکومت کی بقاء میں اس قدر کارنامے انجام دیے کہ خلیفہ، خدیو اور عوام سب اِس سے خوش تھے۔ چنانچہ انھوں نے القابات سے نوازا اور تمغے عطا کیے اور خوب تعریف کی۔ لیکن فساد پسند لوگ ان کے اور دوسروں کے درمیان دشمنی پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگے اور غیر ملکی لوگوں کے خلاف بھڑکانے لگے لیکن انھوں نے اپنے سچے جذبے اور ہمت سے ان تمام مشکلات پر قابو پا لیا۔ پھر آل سادات میں آپ نے شادی کی اور اس شادی کی بہت شہرت ہوئی۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے انھیں ہی کامیابی عطا فرمائی۔ اور وہ اپنی بیوی کو اپنے گھر لے آئے۔ اور گدی نشینی حاصل کر لی۔

شیخ علی حکومت دوستی اور تخت و تاج کی مخلصانہ خدمت کرنے میں مشہور ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ خدیو عباس نے انھیں ناصح امین بنا لیا۔ اپنے نکالے ہوئے پرچے کی وجہ سے وہ حکومت کے لیے بے تیغ تلوار اور لسان ناطق بن گئے۔ اس طرح یہ اپنی دنیا آپ پیدا کرنے والے، باصلاحیت اور اپنے حاسدین اور مخالفین کے باوجود عزت اور بلند مرتبہ زندگی گزارتے رہے اور ہر دل عزیز رہے۔ آخر کار ۲۵ اکتوبر ۱۹۱۳ء میں انتقال ہوا۔

اخلاق و فضائل:

ان کے اخلاق بہت بلند تھے اور اسی میں ان کی کامیابی کا راز تھا۔ آپ نرم خو، متواضع، وسیع القلب، صاحب مروت، وفادار، ذہین، فطین اور اپنے آپ پر بہت بھروسہ کرنے والے تھے۔ آپ عقل مند اور گہرے آدمی تھے اسی وجہ سے آپ کے مخالفین آپ پر مکر کرنے اور سازش کا الزام لگاتے تھے۔ سیاست میں بڑے تحمل سے چلتے تھے اسی لیے مخالفین آپ پر دھوکے باز ہونے کا الزام لگاتے تھے۔ وہ فضیلت کے حصول میں بہت آگے بڑھنے والے تھے اور خیر کی طرف بہت زیادہ دعوت دینے والے تھے۔ انھوں نے جو ''الجمیعة الخیریة الاسلامیة'' کی بنیاد رکھی لوگ ان کا یہ احسان کبھی نہ بھولیں گے۔ انھوں نے مدارس میں تعلیم عربی زبان میں جاری کی۔ لوگ ہمیشہ ان کے اس قول کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں کہ ''قوم کو اس کی زبان میں تعلیم دینے سے علم اس قوم میں منتقل ہو

جاتا ہے۔ اور غیر زبان میں تعلیم دینے سے صرف چند افراد تک علم پہنچتا ہے''۔

اسلوب وعلم:

شیخ نے ازھر کی تعلیم مکمل حاصل نہیں کی تھی، نہ علم کی بہت گہرائی میں گئے تھے، نہ ادب میں وسعت حاصل کی، نہ زندگی کے کسی فن میں مہارت حاصل کی اور نہ ہی کسی زبان میں لیکن پھر بھی وہ سب سے بڑے انشاء پرداز صحافی تھے۔ ان کا ایک خاص اسلوب تھا جس میں نہ صنعت کی آمیزش تھی اور نہ ملمع کاری پائی جاتی تھی۔ ان کی دل گزاری، خوش رسائی، درست فکر، معتمد دلیل اور قوت بیان ایسی صفات تھیں جو پڑھنے والے پر جادو کر دے۔ انہیں زبردست قوت مناظرہ حاصل تھی جس میں استدلال کی قوت، شدت معارضہ اور سچی نظر شامل تھی۔ وہ جریر کی طرح ادیبوں کے مقابلے میں اکیلے ہی ڈٹ جاتے اور حق بات سے انہیں شکست دے دیتے۔ انہوں نے ابتدائی جوانی میں شاعری بھی کی تھی لیکن یہ ان کے بس کی بات نہ تھی۔ شاعری میں بھی انھوں نے ازھریوں کی طرز اختیار نہ کی۔ اپنی شاعری انھوں نے اپنے ایک دیوان میں جمع بھی کی جس کا نام ''نسمة السحر'' رکھا اور ۱۳۰۳ھ میں اسے شائع کیا۔

نمونہ نثر:

لارڈ کرومر جو کہ مصر میں برطانیہ کے وائسرائے تھے ان کی روانگی پر الوادعی دعوت اوپیرا تھیٹر میں دی جہاں اس نے تقریر بھی کی جس کے رد میں انھوں نے کہا:

تقفون والفلك المحرك دائر وتقدرون فتضحك الاقدار!

''تم ٹھہرتے ہو تو فلک محرک گردش میں ہوتا ہے اور تم اندازے لگاتے ہو اور تقدیر ہنستی ہے''۔

گذشتہ سنیچر کی شام بڑے تھیٹر (اوپیرا خدیویہ) میں بڑے بڑے مقررین نے اداکاری کی۔ وہ ماضی اور مستقبل پر اس طرح فیصلے کر رہے تھے جیسے کائنات میں تقدیر فیصلے کرتی ہے۔ وہ معاملات کے توڑنے درست کرنے اور اوپر نیچے کرنے میں لگے ہوئے تھے اور لوگ چاہتے نا چاہتے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ کیونکہ اس وقت میدان میں تین ہی خطباء تھے۔ اگر یہاں کہنے کی آزادی ہوتی تو انہیں پسندیدہ باتوں کی طرح ناپسندیدہ باتیں بھی سننی پڑتیں۔

ہم نے کہا کہ انہوں نے اداکاری کی ہے اس میں کوئی مبالغہ نہیں واقعتاً انہوں نے کثیر الحوادث، متعدد مناظر اور طویل ڈرامے کے آخری منظر کی اداکاری کی ہے۔ اور اس کا ہیرو اس محفل کا آخری خطیب تھا جو لوگوں کو سب سے زیادہ دکھ دینے والا تھا۔ وہ اس سرزمین میں اپنی آخری اداکاری کے لیے کھڑا ہوا اور زبان حال سے یوں کہہ رہا تھا:

ما في وقوفك ساعة من بائس.

''تیرے تھوڑی دیر کھڑے رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں''۔

اُس نے یہ اداکاری ایسی جگہ پر کی جو قاتل کے لیے نصیحت آموز، سلطنت رفتہ اور مجد زائل (گرتی ہوئی عزت و بزرگی) کا مظہر تھا۔ اور اس ضرب المثل کا سب سے زیادہ مصداق تھا۔ کہ ''ہر قول کے لیے ایک مقام ہے''۔

اس مقالے میں وہ یہ بھی لکھتے ہیں: جیسا ان کا ارادہ تھا ویسا نہ ہو یعنی یہ مجلس اس آدمی (لارڈ) کے لیے الوداعی مجلس تھی لیکن یہ

اُس کے لیے سیاسی مظہر نہ بن سکی اور معاملہ الٹ ہو گیا کیونکہ یہ مجلس لارڈ کی دشمنی کا ایسا مظہر بن گئی کہ الوداعی پارٹی میں ایسا مظہر نہ کسی نے دیکھا اور نہ روایت کیا۔

ہم اس سے صرفِ نظر کرتے ہیں کہ رئیس مجلس پہلا مقرر نہ بن سکا، اور ابھی تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ رئیس مجلس اور رئیس وزارت کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو بات کرنے میں مقدم کیسے کیا جا سکتا ہے۔ ہم اس بات کو بھی چھوڑ دیتے ہیں کہ اس نے فرانسیسی زبان میں تقریر کی اور اپنی زبان کا اس موقع پر کوئی حصہ نہ رکھا۔ ہمیں اس سے بھی بحث نہیں کہ وہ حکومت کی طرف سے جمہور کی نمائندگی کر رہا تھا جبکہ جمہور قول اور رائے میں اس کی مخالفت کر رہی تھی۔ ہمیں اس سے بھی بحث نہیں کہ کونٹ دی سریون نے یورپی پارٹی کی نمائندگی کرتے ہوئے انگریزی استعمار کے احسانات گنوائے یا اُس نے جمہوری حکومت کی وساطت سے پیرس میں انگریزی سفارت کو کامیاب بنانا چاہا۔ ہم ان تمام چیزوں سے صرفِ نظر کرتے ہیں اور لارڈ کے اس سیاسی خطبے کی طرف توجہ کرتے ہیں جو اس نے مصر میں اپنی آخری وصیت اور آخری خدمت کی حیثیت کے طور پر دیا تھا۔

ایسے موقع پر کہ امت مصریہ کو اس جانے والے عظیم مسافر اور بزرگ سے امید تھی کہ وہ ان غلطیوں کا تدارک کرے گا جو اس سے اسلامی شریعت کے بارے میں ہوئیں جس کی وجہ سے اس نے شریعت پر ہمیشہ کے لیے جمود طاری کر دیا تھا اور جو اس نے مصری قوم کو نکما بنا کر کیں تھی۔ اسی طرح یہ بھی امید تھی کہ یہ حضرت اس موقع کو غنیمت جان کر اس کے زخموں پر مرہم رکھیں گے اور قوم یہ امید بھی رکھتی تھی کہ اپنے دورِ حکومت میں انھوں نے جو ظالم حکومتوں کی طرح مظالم ڈھائے ہیں اس بارے میں بھی معافی مانگیں گے اور اس غلطی کا تدارک بھی کرے کہ جو اس نے مصری وطنیت کو عجوبہ بنا کر کی اور اس کے جامع کو دوسرے جامعات کے مقابلے میں بھکاریوں کا چنبل بنا دیا۔ اور امیر بلا دان کی تمام سیاسی بے راہ رویاں بھلا کر جسے لارڈ نے عدل وانصاف اور ہمدردی کا دامن چھوڑ کر طویل عرصہ تک اختیار کیے رکھا، اس جانے والے (لارڈ) کے اکرام میں خوب کوشش کر رہا ہے اور اس پر مہربان ہے۔

لیکن لارڈ بیان کے لیے کھڑا ہوا تو کینہ اور جھگڑے سے بھرے ہوا تھا۔ اس کے دل میں تھا کہ وہ اس محل کو چھوڑ کر جا رہا ہے جس کے نیچے نہریں بہتیں ہیں۔ اور ایسی سلطنت کو چھوڑ کر جا رہا ہے۔ جس کے بارے میں خیال تھا کہ وہ اس پر غالب آ چکا ہے۔

لارڈ صاحب تقریر کے لیے کھڑا ہوا اور اس کے دل میں دو طرح کے خیالات تھے ایک یہاں رہنے پر زور لگا رہا تھا اور دوسرا کہہ رہا تھا کہ استعفیٰ دینے کے بعد رہنا کیسے ممکن ہے۔

اپنے علم کے مطابق اپنے تھوڑے سے دوستوں کو یاد کیا اور اپنے گمان کے مطابق بہت سے دشمنوں کا تذکرہ کیا۔ کچھ خوش ہوا کچھ ناراض، کچھ بگڑا، کچھ نرم ہوا، کچھ سخت، وعدے وعید کیے ڈانٹ ڈپٹ کی، غصہ دکھایا، ڈرایا دھمکایا، حکم چلایا اور اندازے لگائے۔

ربما اخرج الحزین جوی الحز ... ن الی غیر لائق بالسداد

کبھی غم کی سوزش غمگین کو وہاں نکال دیتی ہے جو درستگی کے لائق نہیں۔

مثلما فاتت الصلاۃ سلیما ... ن فانحی علی رقاب الجیاد

جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام سے نماز فوت ہو گئی اور وہ عمدہ گھوڑوں کی طرف متوجہ تھے۔

ابراہیم مویلحی

(پیدائش ۱۲۶۲ھ، ۱۸۴۶ء، وفات ۱۳۲۳ھ، ۱۹۰۶ء)

حالات زندگی:

یہ عظیم انشاء پرداز ایک امیر خاندان کے تاجر گھرانے میں پیدا ہوئے جسے شاہی خاندان خدیویہ کے ہاں بڑی عزت حاصل تھی۔ جوانی ہی سے انھیں کاروباری کاموں اور تجارتی معاملات میں حصہ لینے کی تربیت دی گئی تھی۔ لیکن ان کی ضدی طبیعت اور علمی ہمت اس جائز منافع پر راضی نہ ہوئی چنانچہ انھوں نے اپنا مال مختلف سٹوں اور لاٹریوں میں لگانہ شروع کر دیا۔ جس میں انھیں نقصان ہی ہوا۔ پھر وہ تنگدستی میں زندگی گزارنے لگے۔ آخر کار اسماعیل خدیو کی طرف سے نفع کی پھونک پہنچی اور اس نے انھیں عدالت مرافعہ کا جج مقرر کر دیا۔ لیکن ان میں اور عدالت کے رئیس میں ایسا اختلاف ہوا کہ جس کا حل سوائے اس کے کہ انھیں الگ کر دیا جائے، کوئی نہ تھا۔ اسماعیل خدیوی نے انھیں دوسرا کام سونپ دیا لیکن وہاں بھی ناکامی ہی رہی۔ جیسا کہ تجارت اور قضاء میں ہوئی۔ پھر شریف وزارت آئی جو پہلا دستور (آئین) مرتب کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ مویلحی ان لوگوں میں سے تھے جنہیں وطنی آئین بنانے کے لیے چنا گیا۔ لیکن ان کی کوششیں ہمیشہ ناکام رہتیں۔ پھر انھوں نے رزق کی تلاش میں انشاء پردازی اور طباعت کا کام شروع کیا۔ انھوں نے قیمتی کتب کو چھاپنے کے لیے ''جمعیۃ المعارف'' قائم کیا اور کتابوں کی طباعت کے لیے ایک مطبعہ اپنے لیے خریدا۔ پھر المغفور لہ محمد بک عثمان جلال مترجم بلیر اور مؤلف ''العیون الیواقظ'' سے مل کر ''نزہۃ الافکار'' رسالہ نکالا۔ لیکن خدیو اسماعیل اس رسالے کے شر سے خوف زدہ ہو گیا اور اسے بند کر دیا۔

۱۲۹۶ھ میں جب خدیو معزول ہو کر اٹلی چلا گیا تو اس نے ابراہیم کو اپنا کاتب بنانے کے لیے اپنے پاس بلایا۔ اس خدمت پر وہ چند سال رہے۔ اسی دوران جب کہ وہ اٹلی میں تھے انھوں نے دو رسالے نکالے۔ ''الاتحاد'' اور ''الابناء'' لیکن یہ دونوں رسالے تھوڑی دیر ہی چل سکے۔ پھر یہ ۱۳۰۴ھ میں آستانہ چلے گئے۔ جہاں عبدالحمید نے ان کی بڑی عزت کی۔ اور انھیں مجلس المعارف کا رکن بنا دیا۔ چنانچہ یہ یہاں نو سال رہے اور اس دوران ان کے تعلقات ترکی محکموں کے افسروں اور حکومت کے سربراہوں سے قائم ہو گئے۔ پھر یہ مصر واپس آ گئے اور ان پر بڑھاپے کے آثار ظاہر ہو چکے تھے اور جسم کمزور ہو چکا تھا۔ یہاں ہفت روزہ پرچہ ''مصباح الشرق'' نکالا جسے وہ نہایت خوبصورت الفاظ اور بہترین اسلوب سے ترتیب دیتے تھے۔ اجتماع، نقد اور سیاست اس پرچے کا موضوع تھا۔ اس نے ادباء کی ایک پرانی خواہش کو پورا کر دیا اور انشاء میں درست راستہ ان کے لیے واضح کیا۔ اس رسالے نے ان کے لیے امیروں اور سرداروں کی محافل میں جگہ بنا دی اور وہ موت تک اس رسالہ کو نکالتے رہے۔

ان کا اسلوب:

مویلحی کے دور میں انشاء پردازی صنعت کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی اور خستہ حال تھی۔ اس لیے مویلحی کی تحریر میں بھی بدیع کے آثار غالب تھے۔ اور ظاہری حسن و نمائش پائی جاتی تھی۔ لیکن مختلف کام کرنے، شہر شہر پھرنے، ہر قسم کے لوگوں سے ملنے، علاقوں

کے رئیسوں سے تعلقات قائم کرنے، سیاست میں بے باکی سے حصہ لینے اور صحافت میں مشق کرنے نے ان کی طبیعت کو کھول دیا اور ہر موضوع پر لکھنے، اور ہر مطلب کو بیان کرنے کی صلاحیت پیدا کر دی۔ اور انہیں بلاغت کی لگام پر قدرت دے دی، جسے یہ جدھر چاہتے پھیر لیتے تھے۔ خاص طور پر مضمون نگاری میں انہیں کمال حاصل تھا اور یہ تمام پہلوں کو نہایت اچھے انداز سے پیش کرتے تھے۔

مویلحی کی تحریر میں اگرچہ معانی کا اضطراب اور خدمت طرازی میں کمزوری تھی لیکن نثر نویسی میں وہ کام کیا جو شاعری میں بارودی نے کیا۔ یعنی انشاء پردازی کے اسلوب جو اس نے سیکھے تھے، ان میں جدت پیدا کی۔ اور بیان کے مٹے ہوئے نقوش بیان کیے۔ اس مبارک تحریک کے وہ ایک اہم رکن تھے۔

علمی آثار:

ان کے علمی آثار کا اکثر حصہ سیاسی اور اجتماعی مقالات کی شکل میں ہے جسے انھوں نے ان صحیفوں میں نشر کیا جنھیں خود جاری کیا تھا۔ مثلاً نزھۃ الافکار، الاتحاد، الانباء اور مصباح الشرق یا ان صحیفوں میں نشر کیے جنھیں ان کا تعاون حاصل تھا مثلاً انگلینڈ میں ضیاء الخافقین اور فرانس میں العروۃ الوثقی۔ اس کے علاوہ بھی اُن کی کتابیں ہیں مثلاً ریاض پاشا کے حالات کے بارے میں کتاب ''الفرج بعد الشدۃ'' ایک کتاب ''ماھنا لک'' ہے، جس میں انھوں نے دستور عثمانی سے پہلے آستانہ اور رجال المابین کے حالات ذکر کیے ہیں۔

حفنی ناصف

(پیدائش ۱۲۷۲ھ، ۱۸۵۶ء، وفات ۱۳۳۷ھ، ۱۹۱۹ء)

حالاتِ زندگی:

حفنی ناصف بن شیخ اسماعیل ناصف ۱۲۷۲ھ میں قاہرہ کے مضافات کی ایک بستی ''برکۃ الحج'' میں بحالت یتیمی اور فقیری پیدا ہوئے۔ چنانچہ ان کے ماموں اور دادی نے ان کی پرورش کی۔ پھر بستی کے مدرسہ میں داخل ہوئے اور قراءت وکتابت کی کچھ مبادیات حاصل کیں۔ اور کچھ قرآن پاک بھی حفظ کیا۔ پھر گیارہ سال کی عمر میں جامع ازھر چلے گئے اور وہاں تیرہ سال رہے۔ پھر دارالعلوم میں داخلہ لیا اور وہاں کے علوم حاصل کیے اور مدارس امیریہ میں عربی کے استاد مقرر ہوئے اور پھر لاء کالج میں تدریس کے لیے منتخب ہوئے۔ یہاں ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ وہ طلبہ کے درسوں میں خود شریک ہوں۔ چنانچہ قانون پڑھانے کے بعد انھوں نے تدریس چھوڑ دی اور سرکاری وکیل کے سیکریٹری مقرر ہوئے۔ پھر ۱۸۹۲ء میں ملکی عدالت کے جج مقرر ہوئے۔ اس شعبے میں انھوں نے اتنی محنت کی کہ طنطا کی ملکی عدالت کے نمائندہ بن گئے۔ اسی دوران جامعہ مصریہ نے انھیں عربی ادب پڑھانے کی دعوت دی جس میں انھوں نے مفید لیکچرز دیے جو تمام ایک کتاب میں جمع کر لیے گئے۔ جب وزارت تعلیم کے چیف انسپکٹر شیخ حمزہ فتح اللہ ریٹائر ہوئے تو ان کی جگہ شیخ حفنی ناصف کو مقرر کیا گیا۔ شیخ حفنی کے آنے سے مملکت ادب کھل گئی۔ اور زبان کے دن پھر گئے۔ اس مختصر دور میں انھوں نے تحقیق و بحث خوب کی یہاں تک کہ ستر سال کی عمر کو پہنچ گئے اور ریٹائر ہو گئے۔ اس کے بعد تین سال مزید زندہ رہے اور

نومبر ۱۹۱۹ء کے آخری دنوں میں انتقال ہوا، اور مقبرہ شافعی میں مدفون ہوئے۔

اخلاق:

شیخ حفنی خوش طبع، خوش مذاق، حاضر دماغ، حاضر جواب، مذاح پسند اور خوش اخلاق آدمی تھے۔ ہر علم وفن میں شریک ہوتے اور قدیم اور جدید دونوں طریقوں کو ساتھ لے کر چلتے تھے۔

نثر اور شاعری:

یہ جدید ادبی تحریک کے رکن تھے۔ اس تحریک کو انھوں نے اپنی مفید بحثوں اور تالیفات کے ذریعے حیات بخشی اور قصیدوں و مقالات کے ذریعے اسے مضبوط کیا۔ لغت کے فنون میں خوب ماہر تھے۔ زبان کے قواعد کو جاننے والے اور کلام کے اسرار میں تنقید پر بصیرت مند تھے۔ ان کا اسلوب عباسی دور کے متاخرین انشاء پردازوں کے اسلوب سے ملتا تھا جس میں باتکلف سجع بندی اور بداعت پائی جاتی تھی۔ مقالات میں ان کا اسلوب ان قیود سے آزاد تھا، لہٰذا اس میں رقت وسلاست اور سادگی ومتانت پائی جاتی تھی۔ اور شاعری کا اسلوب نثری منظوم جیسا تھا۔ اس میں لطائف اور لفظی حسن کی زیادتی پائی جاتی تھی۔ کبھی کبھار تراکیب میں ضعف بھی ظاہر ہوتا تھا لیکن مجموعی طور سے وہ رواں اور فطری تھا۔

تالیفات:

شیخ نے دوسرے مؤلفین کے ساتھ مل کر لغت عربی کے قواعد کی کتابوں کا ایک سلسلہ لکھا جو مدارس مصریہ میں پڑھایا جاتا تھا۔ ایک کتاب ''ممیزات لغۃ العرب'' لکھی۔ جسے مستشرقین کی اس کانفرنس میں پیش کیا جو ۱۸۸۶ء میں وائنا میں ہوئی۔ اور اس کے ساتھ وہ اس وفد کے سیکریٹری بھی تھے جو اس کانفرنس میں مصر کی نمائندگی کر رہا تھا۔ ایک اور کتاب ''حیاۃ اللغۃ العربیۃ'' ہے جو ان کے جامعہ مصریہ میں دیئے گئے دروس کا مجموعہ ہے۔ ''القطار السریع فی علم البدیع'' بحث ومناظرے پر ایک رسالہ لکھا۔ اسی طرح ایک رسالہ منطق کے موضوع پر لکھا ''الامثال العامیۃ'' اور ''بدیع اللغۃ العامیۃ'' ان کی اکثر کتب غیر مطبوعہ ہیں۔

نمونہ شاعری:

انھوں نے ایک رئیس کو مخاطب کر کے کہا:

أحييت آمالي وكنت أمتها … من طول ما لاقيت من اخواني

تو نے میری آرزوؤں اور امیدوں کو زندہ کر دیا جب کہ میں اپنے دوستوں کی طرف سے ملنے والی مسلسل تکلیفوں کی وجہ سے انہیں (آرزوؤں) ختم کر چکا تھا۔

أدلي بإخلاصي لهم وأذود عن … أعراضهم بجوارحي ولساني

میں ان کے ساتھ اخلاص سے پیش آیا اور اپنی زبان اور جوارح سے ان کی عزت اور آبرو کی مدافعت کی۔

محضتهم ودي فلما أيسروا … كانت بداية أمرهم نسياني

میری ان سے خالص محبت تھی لیکن جب وہ خوش حال ہوئے تو انھوں نے سب سے پہلے مجھے بھلا دیا۔

جسبي من الدنيا صديق ثابت   فرد فكنه ولا احتياج لثان

دنیا میں مجھے ایک سچا دوست کافی ہے پس آپ وہ بن جائیں اور مجھے کسی اور کی احتیاج نہیں۔

ایک دوسری جگہ کہتے ہیں:

اتقضي معي إن حان حيني تجاربي   وما نلتها إلا بطول عناء؟

کیا جب میری موت واقع ہوگی تو میرے تجربے بھی ختم ہو جائیں گے۔ جبکہ میں نے انھیں طویل مشقتوں سے حاصل کیے تھے۔

ويحزنني ألا أرى لي حيلة   لإعطائها من يستحق عطائي

مجھے قلق ہے کہ میں اپنے تجربات ان لوگوں تک منتقل نہیں کرسکتا جو ان کا استحقاق رکھتے ہیں۔

إذا ورث المثرون أبناءهم غنى   وجاهاً فما أشقى بني الحكماء

اہل ثروت اپنی اولاد کو مال کا وارث بنا دیتے ہیں جبکہ حکماء کی اولادیں کتنی بدنصیب ہیں کہ انھوں نے اپنے بڑوں سے کچھ حاصل نہ کیا۔

ان کی نثر کے نمونہ میں وہ خط ہے جو انھوں نے شیخ علی یوسف کے نام بچے کی تعزیت کے بارے میں لکھا۔ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ آپ کے اس غم کی سوزش کو کم کرے اور آپ کے آنسو تھام دے، غم کو دور کرے، آپ کو صبر عطا کرے، بے صبری سے محفوظ رکھے، آپ کو ڈھیروں اجر عطا کرے اور آئندہ آپ کو ایسی نرینہ اولاد عطا کرے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ اور آپ کو قوت نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ ابھی مضبوط اور جوان ہی ہیں اور نیک اولاد کے باپ بن سکتے ہیں جبکہ ان شہروں کے عالم سیاست اور عقل مند لوگوں میں آپ ہی کی اولاد کے مختلف رنگ ہیں اور آپ کے بڑے اثرات ہیں جس سے سالوں تک آپ کا ذکر خیر ہوتا رہے گا۔ اسلام علیک ورحمۃ اللہ

باحثۃ البادیہ

(پیدائش ۱۳۰۰ھ، ۱۸۸۳ء، وفات ۱۳۳۶ھ، ۱۹۱۸ء)

حالاتِ زندگی:

یہ سیدہ فاضلہ ملک ناصف بنت شاعر انشاء پرداز حفنی بک ناصف ہیں۔ دسمبر ۱۸۸۳ء میں قاہرہ میں پیر کے روز پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم مختلف پرائمری سکولوں میں حاصل کی۔ پھر اکتوبر ۱۸۹۳ء میں مدرسہ سنیہ میں داخلہ لیا۔ اور وہاں سے ۱۹۰۰ء میں ابتدائیہ کی ڈگری حاصل کی۔ یہ پہلا سال تھا جس میں مصری عورتوں نے ابتدائیہ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اس کے بعد اس مدرسہ کے تربیتی سیکشن میں منتقل ہوگئیں اور تدریس کی اجازت حاصل کی اور مدارس البنات الامیریہ میں تعلیمی خدمات انجام دینے لگیں۔ ۱۹۰۷ء میں ان کی شادی عبدالستار باسل سے ہوئی جو کہ فیوم میں قبیلہ رماح کے سرداروں میں سے تھے۔ فاضلہ نے تدریس چھوڑ دی اور انشاء پردازی اور تالیف میں انہماک سے مشغول ہوگئیں۔ اپنے شوہر کے ساتھ ایک مخلص اور نیک بیوی بن کر زندگی گزاری اور ہسپانوی بخار میں مبتلا ہو

کر اکتوبر ۱۹۱۸ء میں انتقال ہوا جبکہ وہ بھرپور جوانی میں تھیں۔

علم وادب میں ان کا مقام:

باحثہ کی تحریروں میں ان کے جو اخلاق واضح ہوئے وہ شیرینی روح، اخلاق کی بلندی، ذہانت، درستگی دین اور اصلاح کی طرف رغبت ہیں۔ان کے کریم والد محترم نے بچپن سے ان کے اخلاق کی نگرانی کی۔اور اپنے فنِ ادب سے انہیں غذا دی۔اور اس کی روح ان میں پھونک دی۔ چنانچہ گیارہ برس کی عمر میں ہی شاعری شروع کر دی۔ پھر انشاء پردازی کی طرف متوجہ ہوئیں اور اس میں وہ درجہ حاصل کیا کہ مرد ان پر حسد کرتے تھے۔قاسم امین کے بعد یہ پہلی عورت ہیں جنہوں نے مصری خواتین کو اٹھانے میں بہت کوشش کی۔ چنانچہ یہ پہلی مسلمان مصری عورت ہیں جنہوں نے اعلانیہ طور پر اس تحریک میں حصہ لیا حالانکہ یہ قدیم ماحول کی رہنے والی تھیں۔ اس موضوع پر انھوں نے لیکچرز کا ایک سلسلہ ''ادارۃ الجریدۃ'' میں دیا جسے ''حزب الامۃ'' نکالتی تھی۔ اور اس کے ایڈیٹر احمد لطفی سید تھے۔اس موضوع کے بارے میں انھوں نے بہت سے مقالات لکھے جو ''باحثۃ البادیۃ'' کے نام سے جاری ہوتے تھے اور یہی نام ان کا لقب پڑ گیا اور مشہور ہو گیا۔

ان تمام مقالات کو ایک کتاب میں جمع کر دیا گیا۔ جس کا نام ''النسائیات'' ہے۔اس کا اول جز شائع ہو چکا ہے۔اپنی زندگی کے آخری دنوں میں ایک طویل کتاب تصنیف کرنی شروع کی تھی جس کا نام ''حقوق النساء'' تھا۔اس کے تین مقالے ہی مکمل کیے تھے کہ انتقال ہو گیا۔

نمونہ نثر:

کتاب ''النسائیات'' میں سے ان کی تحریر کا ٹکڑا یہ ہے: گاؤں کی فضاء کس قدر صاف، پانی میٹھا اور آسمان کس قدر واضح اور صاف ہے اور شہروں کی زندگی کس قدر مصنوعی اور موت کے قریب ہے۔ دیہات خوبصورت ہوتے ہیں کیونکہ وہ فطرت کے مطابق ہوتے ہیں جبکہ شہروں میں تکلف اور ریاء کے آثار پائے جاتے ہیں۔ کہاں بجلی کی مشینوں کی گڑگڑاہٹ اور کہاں پانی کی خرخراہٹ، کہاں چمنیوں سے نکلنے والا دھواں اور کہاں ایسی فضاء جس میں پرندوں کے منڈلانے اور اونچے اونچے کھجور کے درختوں کے سوا کچھ نہیں۔ کہاں راستوں کی گرد اور کیچڑ اور کہاں ایسی زمین جو سرسبز گھاس کے فرش سے ڈھکی ہوئی ہے۔ کہاں وہ ہوا جو مکانوں کی گندگی اور گوبر سے اٹھتی ہے اور کہاں کھیتوں اور باغوں کی خوشبودار ہوا۔ شہروں میں نگاہ بھٹکتی رہتی ہے وہ چاہتی ہے کہ گھوموں پھروں لیکن دیواریں اسے واپس پھیر دیتی ہیں۔ لیکن دیہات میں نظر کو جہاں چاہو پھیرو ہر طرف لامحدود فضاء ہی پائے گی۔

ان کے قصائد میں سے ایک قصیدہ عورت کے حال پر ہے جس کا مطلع یہ ہے:

أعملت اقلامی وحینا منطقی ۔۔۔ فی النصح والمأمول لم یتحقق

میں نے نصیحت میں کبھی اپنے قلم اور کبھی زبان کو استعمال کیا لیکن امید پوری نہ ہوئی۔

أیسوؤکم أن تسمعوا لبناتکم ۔۔۔ صوتا یهز صداه عطف المشرق؟

کیا تمہیں (اے مردو!) برا لگتا ہے کہ اپنی بیٹیوں کی آواز میں ایسا اثر دیکھو جس کی پکار اہل مشرق کو ہلا کر رکھ دے۔

أيسركم أن تستمر بناتكم رهن الأساور ورهن جهل مطبق؟

کیا تم اسے پسند کرتے ہو کہ تمہاری بیٹیاں قید میں بند رہیں اور جہالت میں ڈوبی رہیں۔

هل تطلبون من الفتاة سفورها؟ حسن، ولكن أين بينكم التقي؟

کیا تم ان سے بے پردگی کا مطالبہ کرتے ہو؟ یہ مطالبہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ بتاؤ کہ تم میں تقویٰ کہاں ہے؟

لا تتقي الفتياتُ كشفَ وجوهها لكن فساد الطبع منكم تتقي

لڑکیاں اپنے چہرے کھولنے سے نہیں ڈرتیں لیکن وہ تمہاری فاسد طبیعت سے ڈرتیں ہیں۔

تخشى الفتاة حبائلاً منصوبة غشيتموها في الكلام برونق

لڑکی تو اس جال سے گھبراتی ہے جسے تم نے حسن کلام سے ڈھانپ رکھا ہے۔

لا تطفروا بل أصلحوا فتياتكم وبناتكم وتسابقوا للأليق

چھلانگ نہ مارو، بلکہ اپنی لڑکیوں کی اصلاح کرو اور اچھے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔

ودعوا النساء وشأنهن فإنما يدري الخلاص من الشقاوة من شقي

عورتوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو کیونکہ شقی آدمی ہی جانتا ہے کہ میں نے شقاوت (بدبختی) سے کیسے جان چھڑائی ہے۔

ليس السفور مع العفاف بضائر وبدونه فرط التحجب لا بقي

اگر پاک دامنی ہو تو بے پردگی نقصان نہیں دیتی اور پاک دامنی کے بغیر کئی پردوں میں رہنا بھی بے سود اور بے فائدہ ہے۔

مصطفیٰ لطفی المنفلوطی

(پیدائش ۱۲۹۳ھ، ۱۸۷۶ء، وفات ۱۳۴۲ھ، ۱۹۲۴ء)

حالاتِ زندگی:

سید مصطفیٰ لطفی اسیوط کے شہر منفلوط میں ۱۲۹۳ھ بمطابق ۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ایسے گھر میں پرورش پائی جو دینی عظمت اور فقہی میراث کا مالک تھا۔ دو سو سال سے ان کا گھرانہ قضاء اور تصوف کی لائن میں خدمات انجام دیتا رہا ہے۔ منفلوطی بھی ثقافت میں اپنے آباء اجداد کے راستے پر چلے۔ مدرسہ میں قرآن حفظ کیا اور جامع ازہر میں علم حاصل کیا۔ باوجود اس کے کہ وہ متقی تھے اور اپنے بڑوں کے سلسلے کی رعایت بھی اس کا تقاضا کرتی تھی کہ یہ دینی علوم حاصل کریں لیکن ان کی توجہ زبان اور ادب کے فنون میں رہی۔ وہ اشعار یاد کرتے، نادر کلام کو لکھ لیتے، شاعری کرتے اور مضامین لکھا کرتے تھے۔ ان کی ذکاوت اور بہترین اسلوب کی وجہ سے ازہر میں ان کی شہرت ہونے لگی۔ چنانچہ استاد محمد عبدہ نے انہیں اپنا مقرب بنا لیا اور ادب اور زندگی کے بلند مقصد تک پہنچنے کا بہترین راستہ بتایا۔ محمد عبدہ کی قربت سے منفلوطی نے سعد پاشا زغلول سے تعلقات قائم کر لیے۔ ان دو عظیم شخصیتوں کی قربت سے "المؤید" کے مالک کے ہاں ان کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔ فطرتی استعداد اور والد کی راہ نمائی کے بعد ان تینوں حضرات کا منفلوطی کے ادیب بننے میں

بڑا دخل ہے۔ ازہر میں دور طالب علمی میں ان پر خدیو عباس حلمی ثانی پر اپنے قصیدہ کے ذریعے ہجو کرنے کا الزام لگایا گیا کہ اس نے اس قصیدہ کو ایک ہفتہ وار پرچے میں شائع کیا ہے۔ انھیں قید کی سزا سنائی گئی۔ اس سزا کو انھوں نے پورا کیا۔ جب امام محمد عبدہ کا انتقال ہوا تو ان پر اعتماد اور امیدوں کی وجہ سے منفلوطی کو بہت صدمہ ہوا۔ چنانچہ وہ ناامید ہو کر اپنے شہر واپس آ گئے۔ کچھ عرصے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی امیدوں کو پھر زندہ کیا تو ''المؤید'' رسالہ میں کامیابی تلاش کرنے لگے۔ پھر جب سعد پاشا کو وزارت تعلیم ملی تو انھوں نے ''المؤید'' کے لیے منفلوطی کو عربی انشاء پرداز مقرر کر لیا۔ اور جب وزارت قانون میں منتقل ہونے کا ارادہ کیا تو انھیں بھی اپنے ساتھ لے گئے اور یہ عہدہ وہاں بھی دیا۔ پھر اپوزیشن نے حکومت سنبھالی تو انھوں نے بھی اپنا عہدہ چھوڑ دیا۔ پھر جب پارلیمینٹ قائم ہوئی تو سعد پاشا نے انھیں انشاء پردازی کے ایک عہدہ پر مقرر کیا اور یہ اسی عہدے پر رہے یہاں تک کہ پچاس سال کی عمر کے قریب ان کا انتقال ہوا۔

اخلاق:

منفلوطی ظاہراً باطناً موسیقی کا ایک ساز تھے۔ نہایت مناسب بدن، اچھا ذوق، اچھی فکر، بہترین اسلوب، خوش وضع تھے۔ آپ کو ان کے قول وفعل میں نہ عبقریت کی جھلک نظر آئے گی اور نہ غباوت اور کج فہمی کی۔ وہ بات کو درست سمجھتے لیکن کچھ تاخیر سے، درست فکر رکھتے لیکن اس کے لیے انہیں کوشش کرنی پڑتی تھی۔ وہ دقیق الحس تھے مگر کچھ سکون کے ساتھ اور پوری احتیاط سے بات کرتے۔ ان صفات کا مالک شخص لوگوں کے ہاں غبی اور جاہل شمار ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ لوگوں کی مجالس سے بچتے تھے، لڑائی جھگڑے سے دور رہتے اور خطابت کو ناپسند کرتے تھے۔ اس کے ساتھ وہ رقیق القلب، پاکیزہ، صحیح العقیدہ اور سخی تھے۔ اپنی ساری صلاحیتوں کو خاندان، وطن اور انسانیت پر قربان کرنے والے تھے۔

اسلوب وادب:

منفلوطی فطرتی ادیب تھے۔ اور وہ تکلف کی بجائے اپنی فطرتی طبیعت سے زیادہ کام لیتے تھے، اس لیے کہ تکلف سے نہ تو کوئی نیا ادیب بن سکتا ہے اور نہ ہی اونچے درجے کا ادیب اور نہ اس کے ذریعے کوئی مستقل راہ قائم کی جا سکتی ہے۔ منفلوطی کے دور میں نثر قاضی کے ادب کی ایک بگڑی ہوئی شکل تھی یا ابن خلدون کے فن کا بچا ہوا حصہ تھا لیکن آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ منفلوطی کا اسلوب ان دونوں میں سے کسی صورت میں تھا۔ بلکہ ان کا اسلوب اپنے زمانے میں ویسا ہی تھا جیسا کہ ابن خلدون کا اپنے زمانے میں، بالکل انوکھا اسلوب جسے بغیر نمونہ کے ایک مضبوط طبیعت نے پیدا کیا ہو۔

منفلوطی پہلا شخص ہے جس نے افسانہ نویسی کی اور اسے اتنا عمدہ بنایا کہ اس ماحول میں اور اس دور کے لکھنے والوں سے اس کی توقع نہ تھی۔ ان کے ادب کے پھیلنے کا راز یہ ہے کہ یہ اُس دور میں تھے جب ادب پر جمود طاری تھا۔ اچانک لوگوں کو ان کے یہ قصے نظر آنے لگے جن میں میٹھی زبان، بہترین اسلوب اور الفاظ میں حسن کے ذریعے دردوغم کی تصویر کھینچی جا رہی تھی اور معاشرے کے عیوب کو اچھے اسلوب میں بیان کیا جا رہا تھا۔ لیکن دو وجہ سے ان کے یہ قصے زیادہ نہ چل سکے۔ ایک الفاظ کی کمزوری اور دوسرے معنی کی تنگی۔ لفظی کمزوری کی وجہ یہ تھی کہ منفلوطی زبان اور ادب میں وسیع علم نہ رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ ان کی عبارات میں غلطیاں، زائد کلام اور لفظ کو غیر وضع میں لکھا ہوا پائیں گے۔ معنوی تنگی کی وجہ یہ ہے کہ وہ مشرق کے علوم میں مہارت نہ رکھتے تھے اور نہ ہی مغربی علوم کو

پورے طور میں حاصل کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ان کی عبارات میں سطحیت، سادگی اور محدودیت وادھوراپن پائیں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ منفلوطی کا درجہ نثر میں ایسا ہی ہے جیسا بارودی کا شاعری میں۔ ان دونوں نے اپنے اپنے فن کو حیات بخشی اور جدت پیدا کی اور متعین وواضح اسلوب تیار کیا اور اسلوب کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کیا۔

تالیفات اور ترجمے:

ان کی ایک کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے جس میں المؤید میں شائع کیے گئے ان کے تمام مضامین جمع کیے گئے ہیں۔ یہ مضامین تنقید، اجتماع، وصف اور مضمون پر مشتمل تھے۔ ''العبرات'' یہ منقولی یا مصنوعی افسانے ہیں۔ ''مختارات المنفلوطی'' یہ متقدمین کے اشعار اور مقالات پر مشتمل ہے۔ ان کے بعض دوستوں نے ان کے لیے الفونس کار کی تصنیف میڈولین (زیزفون درختوں کے سایہ تلے)، برناڈی سان بیر کی تصنیف بول ورجینی (فضیلت) اور ڈمون رستان کی تصنیف سیر انو وبرگ اک (شاعر) ترجمہ کردیں۔ ان تمام تصانیف کو حضرت نے آزادانہ طور پر اپنے الفاظ میں ڈھال لیا۔ اس طرح انھوں نے عربی ادب میں بیش بہا دولت کا اضافہ کیا اور جدید افسانہ نویسی کے فن کو قوت اور قابل اقتداء بنادیا۔

نثر کا نمونہ:

گذشتہ رات میں دو آدمیوں سے ملا۔ ایک امیر اور دوسرا فقر میں پریشان۔ میں نے دیکھا کہ فقیر نے اپنا ہاتھ اپنے پیٹ پر رکھا ہوا ہے جیسے اُسے کوئی درد ہو رہی ہو۔ مجھے اس کی حالت پر بڑا رحم آیا اور میں نے اس کی حالت دریافت کی۔ اُس نے بھوک کے درد کی شکایت کی۔ میں نے اُس کی کچھ بھوک دور کرنے کی کوشش کی اور پھر اسے چھوڑ کر اپنے دوست کے پاس آیا جو امیر آدمی تھا۔ میں اسے دیکھ کر حیران و پریشان ہوا کہ اس نے اپنا ہاتھ پیٹ پر رکھا ہوا تھا اور اسے ویسا ہی درد ہو رہا تھا جیسا اُس پریشان حال فقیر کو ہو رہا تھا۔ میں نے دریافت کیا تو اُس نے بدہظمی کی شکایت کی۔ میں نے کہا ''کیا تعجب خیز بات ہے۔ اگر یہ اپنا زائد کھانا فقیر کو دے دے تو کوئی بھی کسی تکلیف میں مبتلا نہ ہوگا۔ اسے مناسب تھا کہ اتنا کھاتا جس سے اس کی بھوک دور ہو جاتی اور حاجت پوری کر لیتا۔ لیکن وہ کھانے کی شہوت میں مبتلا ہے اور غلو اختیار کیے ہوئے ہے۔ اور اپنے دستر خوان پر فقیر کی پلیٹ بھی گھسیٹ لی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے سختی کی وجہ سے بدہظمی میں مبتلا کر کے سزا دی تا کہ ظالم اپنے ظلم کی وجہ سے پریشان حال ہو اور اس کی زندگی اچھی نہ گزرے۔ اس طرح کسی کا یہ قول درست ہے کہ ''امیر کی بدہظمی فقیر کی بھوک کا انتقام ہے''۔

نہ تو آسمان پانی برسانے میں کنجوسی کرتا ہے اور نہ زمین پیداوار میں بخل کرتی ہے لیکن قوی ضعیف سے ان دونوں چیزوں پر حسد کرتا ہے۔ اور ان دونوں کو کمزور سے روک لیتا ہے۔ چنانچہ کمزور فقیر، پریشان، شکوہ کرنے والا مظلوم ہو جاتا ہے۔ پس غریب و کمزور کا حق دبانے والے امیر لوگ ہیں نہ کہ آسمان وزمین۔

قوی لوگ کتنے ظالم اور پتھر دل ہوتے ہیں۔ اپنے نرم بستروں پر آرام سے سوتے ہیں جبکہ ان کا پڑوسی سردی سے کانپ رہا ہوتا ہے اور تکلیف میں آہیں بھرتا ہے اور امیروں کی نیند میں خلل پیدا نہیں کرتا۔ امیر ہر قسم کے کھانے کھٹے میٹھے دستر خوان پر سجا کر بیٹھتا ہے اور جانتا ہے کہ اس کے بہت سے رشتہ دار عزیز اقاریب دستر خوان کے ٹکڑوں پر بھوک سے بیتاب ہیں لیکن یہ بات اس کی شہوت کو

کم نہیں کر رہا۔ ان امیروں میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دل رحم سے خالی ہیں اور حیاء بھی ان کی زبانوں کو لگام نہیں دیتی۔ چنانچہ غریب فقیر کے سامنے انہیں سنانے کے لیے اپنی آسائشوں کی باتیں کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی فقیر سے اپنے خزانوں کو گننے کے لیے خدمت لیتے ہیں تا کہ اس سے اس کا دل توڑ دے اور اُس کی زندگی تکدر زدہ بنا دے اور وہ اپنی زندگی سے نفرت کرنے لگے۔ تو گویا امیر اپنے قول و فعل سے کہتا ہے ''میں نیک بخت ہوں کیونکہ غنی ہوں اور تو بد بخت ہے کیونکہ تو فقیر ہے''۔

میں انسان کو انسان صرف اسی وقت سمجھ سکتا ہوں جب کہ احسان کرنے والا ہو۔ کیوں کہ میرے نزدیک انسان اور حیوان میں فرق احسان کا ہے۔ مجھے تین قسم کے انسان ملتے ہیں۔ ایک وہ آدمی ہے جو دوسرے پر اس لیے احسان کرتا ہے تا کہ وہ اس پر احسان کرے۔ ایسا شخص مستبد و جبار ہے جو احسان کے صرف یہ معنی سمجھتا ہے کہ اس کے ذریعے دوسرے کو غلام بنا لیا جائے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو دوسرے پر احسان نہیں کرتا صرف اپنے آپ پر احسان کرتا ہے۔ یہ وہ خود غرض آدمی ہے کہ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ خون جم کر سونا بن جاتا ہے تو اس مقصد کے لیے تمام انسانوں کو ذبح کر دے۔ تیسرا وہ آدمی ہے جو نہ اپنے ساتھ بھلائی کرتا ہے اور نہ دوسرے کے ساتھ یہ بخیل بے وقوف ہے جو خود کو بھوکا رکھ کر اپنا صندوق بھر رہا ہے۔

رہا چوتھا آدمی جو دوسرے پر بھی احسان کرتا ہے اور خود اپنے اوپر بھی تو میں اس کا پتہ تو نہیں جانتا اور نہ اس سے ملا ہوں۔ میرا گمان ہے کہ یہی وہ آدمی کی قسم ہے جسے یونانی فلسفی اڈوگین کلبی دن میں چراغ لے کر ڈھونڈتا پھرتا تھا۔ جب کسی نے پوچھا کہ کیا ڈھونڈ رہے ہو تو کہا انسان کو تلاش کر رہا ہوں۔

عبدالعزیز شاویش

(پیدائش ۱۲۹۲ھ، ۱۸۷۶ء، وفات ۱۳۴۷ھ، ۱۹۲۹ء)

حالاتِ زندگی:

عبدالعزیز بن خلیل شاویش اسکندریہ کے ایک مغربی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ یہ گھرانہ تجارت کا شغل رکھتا تھا۔ پھر یہ ابتدائی قراءت اور انشاء پردازی سیکھنے لگے۔ علاقے کے ایک مدرسے میں قرآن حفظ کیا۔ پھر دین اور عربی کے علوم حاصل کرنے کے لیے اسکندریہ میں جامع الشیخ میں داخلہ لیا۔ یہاں سے اتنا حاصل کر لیا کہ اب یہ قاہرہ جا کر جامع ازھر میں داخلہ لے سکتے تھے۔ یہاں کے اذکیاء خود کو دارالعلوم میں داخلے کے لیے تیار کر رہے تھے۔ کیوں کہ دارالعلوم میں تعلیم اور مدافعت کے حصول کے لیے وقت کم لگتا تھا اور جدّت کے لیے کامیاب وسائل اس کے پاس تھے۔ چنانچہ عبدالعزیز نے وہاں داخلہ لیا۔ اور اپنے ہم عمر ساتھیوں میں سب سے زیادہ محنتی اور صاحب استقامت تھے اور دین اور کریمیت میں بڑے غیور تھے۔ جب یہاں سے سند فراغت حاصل کی تو مدرسہ ناصریہ میں ایک لمبا عرصہ تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ پھر انگلستان بھیجے جانے والے ایک وفد میں ان کا انتخاب ہوا تا کہ وہ ادب اور تربیت میں خوب مہارت حاصل کریں۔ چنانچہ انھوں نے انگریزی زبان سیکھی اور یورپی ادب حاصل کیا جس سے ان کے علم میں اضافہ ہوا اور بیان اور ثقافت میں کمال تنوع پیدا ہوا۔ پھر وہ مصر واپس آئے اور یہاں وزارت تعلیم میں بطور تفتیشی افسر مقرر ہوئے۔ وہ دوبارہ انگلستان گئے، تا کہ آکسفورڈ (یونیورسٹی) سے عربی زبان کی تعلیم حاصل کریں۔ اپنا کام پورا کرنے کے بعد وہ مصر لوٹ آئے

اور پھر دوبارہ تفتیش کا کام کرنے لگے۔ ان کے اور ان کے ساتھی مرحوم عاطف برکات کے درمیان مقابلہ رہتا تھا۔ عاطف برکات کے وزیر تعلیم سے تعلقات تھے (وزیر تعلیم سعد پاشا زغلول تھے)۔ شیخ عبدالعزیز نے سوچا کہ وہ ان تعلقات سے فائدہ اٹھائے گا چنانچہ انہوں نے ۱۹۰۸ء میں استعفیٰ دے دیا اور لواء الحزب الوطنی میں شامل ہو گئے۔ امیر مصطفیٰ پاشا کامل کی وفات کے بعد لواء کے تحریری شعبے کے صدر مقرر ہوئے۔ پھر تحریر میں راست گوئی، حق بات پر بہادری اور سیاست میں دلیری کی وجہ سے انہیں بہت سی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا جس میں تین ماہ کی قید بھی شامل ہے جو انہیں ایک جرم کی پاداش میں بھگتنا پڑی۔ جب رہائی حاصل ہوئی تو یہ یورپ چلے گئے۔ اور پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی جس وجہ سے واپس آنا دشوار ہو گیا اور وہ وہیں اپنے اہل و عیال سے دور پردیس کی ناگواریاں، فقر اور دوستوں کی طرف سے ذلت کو سہتے رہے۔ بالآخر لڑائی ختم ہوئی اور وہ ٹوٹی امیدیں اور کمزور بدن کے ساتھ اپنے وطن لوٹے لیکن یہاں کچھ لوگ ان سے ترش روئی سے پیش آئے اور ان کے مددگار کم ہو گئے۔ انہوں نے بذریعہ برلمان سیاست میں لوٹنا چاہا لیکن کامیابی نہ ہوئی تو پھر صحافت کو ذریعہ معاش بنا لیا یہاں تک کے بادشاہ کی مہربانیاں انہیں حاصل ہوئیں اور اُس نے انہیں وزارت تعلیم کے ایک تعلیمی شعبے میں نگران مقرر کر دیا۔ وہ کئی سال اس تھکا دینے والے منصب پر پوری بصیرت سے چلتے رہے اور آخرکار ایک قلبی مرض میں مبتلا ہو کر ۲۵ جنوری ۱۹۲۹ بروز جمعہ انتقال ہوا۔

وہ خوبصورت شکل کے مالک تھے۔ نہایت متواضع، زبان میٹھی، خوش مزاج، باحیاء اور سخی آدمی تھے۔ اپنے دین اور وطن کے دفاع کے سلسلے میں نہایت دلیر اور بہادر، اپنی رائے کے اظہار میں نہایت مخلص اور کریمانہ اخلاق میں سبقت لے جانے والے تھے۔ چنانچہ وہ بہت سے خیر کے کاموں میں شریک رہے مثلاً اسکندریہ میں جمعیۃ الحواساۃ الاسلامیہ کی بنیاد رکھی اور قاہرہ میں مدرسہ اعدادیہ ثانویہ قائم کیا۔ اُن کے مزاج میں شدت اور تیزی تھی جو ان کی تحریر اور بیان میں اس وقت ظاہر ہوتی جب انہیں اپنے عقیدے یا وطنیت یا کریمانہ اخلاق میں کسی قسم کی تکلیف پہنچتی۔

وہ خطابی اسلوب رکھتے تھے جس کی نرمی کلام سے زیادہ موثر تھی۔ ان کا اسلوب بلاغت میں امام علی کے اسلوب سے ملتا تھا۔ وہ ان چند انشاء پردازوں میں سے تھے جو انگریزی ادب جانتے تھے اور اس سے متاثر تھے اور قدیم اور جدید کے درمیان واسطہ تھے۔ ان کا شمار عربی زبان کے علماء، دین کے فقہاء اور بڑے صحافیوں میں ہوتا تھا۔ وہ دینی اور سیاسی موضوعات پر بہترین اسلوب وصنعت سے کام کرتے رہے۔ البتہ اتنی بات ضرور تھی کہ وہ ہم عصروں کی طرح مناسب الفاظ کا استعمال کرتے اور مقصودی گفتگو کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔

تالیفات:

ان کی معروف تالیفات میں درج ذیل کتابیں شامل ہیں: ''غنیۃ المؤدبین'' علمی اور عملی تربیت کے بارے میں۔ ''اسرار القرآن'' اس میں بعض قرآنی آیات کی عصر جدید کے مناسب تفسیر کی گئی ہے۔

نثر کا نمونہ:

وزارت تعلیم سے استعفیٰ دینے کے بعد ''لواء'' رسالے میں اپنے مقالات کے شروع میں کہتے ہیں:

''اے اللہ! تیری توفیق سے میں نے ایسی زندگی سے جان چھڑا لی ہے جس میں بزدلی اور پست ہمتی تھی۔ جس میں

دھوکہ بازی تھی۔ جس کے رائج بازاروں میں کھوٹے سکوں کے بدلے انسانی نفسیات کو خریدا جاتا ہے۔ ذمہ داریوں اور بھیدوں کو مسکرا کر فروخت کیا جاتا ہے۔ اے اللہ! تیری مدد سے میں ایک نئی زندگی شروع کر رہا ہوں۔ یہ ایسی زندگی ہے جس میں سچائی، اظہار خیال اور ارشاد عام پایا جاتا ہے۔ اس میں یہ جذبہ پایا جاتا ہے کہ اپنے وطن کے دفاع کے لیے جان قربان کروں۔ آٹھ سال گزرنے کے بعد میں نے اس زندگی کا آغاز کیا اور اس میں ایسا منصب اور مرتبہ حاصل کیا جس کی بہت سے لوگوں کو خواہش تھی۔ میں اس پر خطر زندگی کے میدان میں جدوجہد سے دبلا ہو رہا ہوں کہ یا تو مقصد کو حاصل کروں یا قبر میں پہنچ جاؤں اور میں اللہ تعالیٰ کے ان انعامات پر یقین رکھتا ہوں جو اس نے اپنے مخلص بندوں کے لیے تیار کر رکھے ہیں یعنی کامیابی اور فتح مبین"۔

ان کے ایک مقالے کا کچھ حصہ ذکر کیا جاتا ہے جو "مدرسو اللغة العربية المصريون فی بلاد الانجليز" کے عنوان سے ہے:

"جن دنوں میں نے آکسفورڈ کا سفر کیا تو مجھے مسٹر ڈنلوب نے نصیحت کی کہ میں جن عمدہ اخلاق کو اس عظیم قوم میں دیکھ رہا ہوں اس کی پیروی کروں۔ پھر کیا ہوا؟ میں اُن شہروں میں گیا اور دیکھا کہ لوگ اپنے دین پر مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں سو میں نے بھی اپنے دین کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ لوگ اپنی زبان پر بہت زیادہ حریص ہیں تو میری حرص اپنی زبان پر بہت بڑھ گئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنے وطن کے دفاع میں جان دیتے ہیں اور اپنے کاموں میں کسی کا غلبہ حرام سمجھتے ہیں اور اپنے اور اپنے مالوں پر کسی کو تعریف کا حق نہیں دیتے تو نے ان بُرے شہروں میں جبراً ان کی اقتداء کرنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنے حق میں حق گوئی اور کھری بات کو پسند کرتے ہیں اور کسی کے عقاب کی پرواہ نہیں کرتے اور نہ یہ کام کی تھکاوٹ سے ڈرتے ہیں تو میں ان تمام فضائل اور مناقب کو اختیار کرنے لگا جن کی مجھے وزارت تعلیم کے افسر نے نصیحت کی تھی۔ میں نے انہیں دیکھا کہ وہ لوگ کام کو پسند کرتے ہیں اور سستی و کاہلی کو ناپسند کرتے ہیں اور فضیلت پر ابھارتے ہیں تو میں اپنے وطن لوٹا اور ایسی مسلسل ہمت سے اپنے کاموں میں مشغول ہوا جس میں کوئی اکتاہٹ نہ ہوئی۔ لہٰذا انگریز قوم کو چاہیے کہ اپنے گرے ہوئے آدمیوں کو اٹھائیں اور ان کے خطباء اور شعراء ان مصری لوگوں کی خوب مدح بیان کریں جنہوں نے اُن کے شہروں کا سفر کیا اور ان کی خوبیوں کو اپنانے میں کامیاب ہوئے"۔

ادباء

ناصیف یازجی

(پیدائش ۱۲۱۴ھ، ۱۸۰۰ء، وفات ۱۲۸۷ھ، ۱۸۷۱ء)

حالاتِ زندگی:

ناصیف بن عبداللہ یازجی لبنان کے ایک گاؤں کفر شیما میں پیدا ہوئے اور ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے جہاں علم و فضل ادب کا دور دورہ تھا۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم ایک پادری سے حاصل کی اور ابتدائی طبی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی۔ ان کی طبیعت

میں ادب کی طرف میلان تھا۔ چنانچہ وہ اس کی طلب اور تلاش میں لگ گئے۔ کتابیں اس وقت بہت نادر تھیں اور تجارت میں مندا تھا اور کتابیں بہت دور سے ملتی تھیں۔ لہٰذا جب بھی کوئی مخطوط ان کے ہاتھ چڑھتا تو وہ اسے یاد کر لیتے یا لکھ لیتے یا اس کا خلاصہ لکھ لیتے۔ یہاں تک کہ ان کے علم میں وسعت پیدا ہوئی اور علم میں کمال پیدا ہوا اور نثر و نظم میں درک حاصل ہوا۔ امیر بشیر شہابی نے جوان دنوں باعزت مرتبے پر فائز تھے، انہیں کاتب مقرر کر لیا۔ شیخ ان کی خدمت میں بارہ سال رہے یہاں تک کہ ۱۸۴۰ء میں امیر نے انہیں اپنے شہر سے نکال دیا۔ چنانچہ وہ بیروت میں اپنے گھر والوں کے ساتھ رہنے لگے اور تدریس، تالیف، مطالعہ، مراسلت ادباء اور مشاعروں میں مشغول ہو گئے۔ آخری عمر میں فالج کے مرض میں مبتلا ہوئے اور ان کا بائیاں نصف بدن اس سے متاثر ہوا۔ اسی دوران ان کے بڑے لڑکے شیخ حبیب کا انتقال ہو گیا جس سے ان کا جسم مزید کمزور اور متاثر ہوا اور کچھ عرصہ زندہ رہے پھر انتقال ہوا۔

نثر و شاعری:

شیخ ناصیف حریری کی اتباع کرتے تھے اور انہیں کی طرز اختیار کرتے۔ بدیع کے شوقین، صنعت پر فریفتہ اور غریب الفاظ کے بہت دل دادہ تھے۔ انہوں نے مقامات لکھی جس میں ساٹھ مقامے لکھے۔ ان میں حریری کی بہترین اقتداء کی اور لفظی حسن میں انتہاء کر دی۔ وہ جس طرح نثر میں حریری سے متاثر تھے اسی طرح شعر میں متنبی سے متاثر تھے لیکن ابوطیب کی تقلید میں وہ کمزور رہے اور مقابلے میں اُس سے پیچھے رہ گئے۔ باوجود کوشش اور طبعی طاقت کے ان کی شاعری حریری اور اُن جیسے دوسرے شعراء سے مشابہت رکھتی تھی۔ خصوصاً اپنے ان قصیدوں میں نہایت غلو سے کام لیا ہے جس میں انہوں نے تاریخیں نکالیں ہیں۔ اپنے دو شعروں میں انہوں نے اٹھائیس تاریخیں نکالیں ایک ایسا قصیدہ لکھا ہے جس کے ہر مصرعہ میں تاریخ لکھی ہے مثلاً وہ قصیدہ جو انہوں نے ابراہیم پاشا کو فتح عکاء پر بطور مبارک باد لکھا تھا۔ ایسا قصیدہ لکھا ہے جس میں نقطہ والا کوئی حرف نہیں مثلاً

حول درحل ورد   هل له للحر ورد

اس کے باوجود ان کے ایسے قصائد بھی ہیں جن میں ابوطیب کا رنگ نظر آتا ہے۔ اس کے الفاظ پر شوکت، پختہ اسلوب، معانی میں جدت وندرت اور جگہ جگہ ضرب الامثال اور حکمتیں ہیں۔

تالیفات اور علمی مقام:

یازجی کی تصنیفات سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کے پاس الفاظ کا بڑا ذخیرہ تھا اور ادب میں وسیع معلومات رکھتے تھے اور زبان کے علوم میں عجیب وغریب درک حاصل تھا۔ چنانچہ ان کی ایک کتاب جس کا نام ''مجمع البحرین'' ہے۔ یہ اُن ساٹھ مقامات کا مجموعہ ہے جن میں انہوں نے حریری کی طرز اختیار کی تھی۔ دو رجزیہ شاعری پر مشتمل کتابیں ہیں ''اجمانۃ'' اور ''جوف الفرا'' پہلی علم صرف کے بارے میں ہے اور دوسری علم النحو کے بارے میں۔ صرف ونحو پر ایک مختصر کتاب ''فصل الخطاب'' ہے۔ علم بیان میں ''عقد الجمان'' ہے۔ عروض اور قواضی میں اُن کی تصنیف ''نقطۃ الدائرۃ'' ہے۔ منطق کے بارے میں ''قطب الصناعۃ''۔ اس کے بعد اُن کی شاعری کے دیوان ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں: نفحة الريحان، فاكهة الندماء في مراسلة الآدباء، ثالث القمرين۔ اُن کی اکثر کتابیں مدارس کے نصاب میں داخل ہیں اور لبنان کے بڑے مسیحی مدارس میں ہمیشہ سے پڑھائی جا رہی ہیں۔

نمونہ شاعری:

بلادِ عربیہ کی فوج کے کمانڈر اسعد پاشا کی مدح میں کہے گئے ایک قصیدے میں کہتے ہیں:

بناء العلى بين القنا والبوارق ‏ ‏ ‏ على صهوات الخيل تحت البوارق

بلند مرتبے نیزوں اور تلواروں کے درمیان گھوڑوں کی پیٹھوں پر جھنڈوں کے نیچے ہوتے ہیں۔

ولله سر في العباد و إنما ‏ ‏ ‏ قليل محل السر بين الخلائق

لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے راز ہیں لیکن مخلوق میں بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو راز رکھنے کے اہل ہوں۔

يقلب هذا الدهر أحوالنا كما ‏ ‏ ‏ تقلب فينا لاحقا إثر سابق

یہ زمانہ جس طرح خود بدلتا رہتا ہے اسی طرح ہمارے احوال کو بھی بدلتا رہتا ہے۔

و لو لا اختيار الدولة ابن سريرها ‏ ‏ ‏ لما اعتمدته في المعاني الدقائق

اگر حکومت اپنے صاحب تخت کو اختیار نہ کرتی تو اہم امور میں اُس پر اعتماد نہ کرتی۔

كريم تولى الأمر يصلح أمره ‏ ‏ ‏ كفتق تولته أنامل راتق

یہ ایسا کریم ہے جب کسی کام کو لیتا ہے تو اس کے بگاڑ کر نہایت ہوشیاری سے درست کرتا ہے۔

أقام السرايا ينفر الموج خيلها ‏ ‏ ‏ بكل لواء فوق لبنان خافق

اس نے ایسی فوجیں تیار کر رکھی ہیں جو ہر مشکل میں اپنے گھوڑے دوڑا دیتی ہیں اور اُن کا جھنڈا لبنان پر لہرا رہا ہے۔

يحدث أهل الغرب في كل ليلة ‏ ‏ ‏ بما فعلت غاراته في المشارق

اہل مغرب ہر رات اُس کے مشرقی کارناموں اور تباہ کاریوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

فيعجب من أفعاله كل عاقل ‏ ‏ ‏ ويثني على أفضاله كل ناطق

اس کے کارناموں سے ہر عاقل حیرت زدہ ہو جاتا ہے اور ہر بولنے والا اس کے احسانات کی تعریف کرتا ہے۔

تضيق بحار الشعر عنه وتستحي ‏ ‏ ‏ يحر لها في بحر كفيه غارق

شاعری کا سمندر اُس کی تعریف میں تنگ پڑ گیا ہے۔ اور شرما کر اس کے ہاتھوں کی سخاوت کے سمندروں میں غرق ہو گیا ہے۔

احمد فارس شدیاق

(پیدائش ۱۸۰۴ء، ۱۲۱۸ھ، وفات ۱۸۸۷ء، ۱۳۰۴ھ)

حالاتِ زندگی:

یہ کاتب لغوی لبنان کے ایک شہر عشقوت میں مارونیۃ خاندان میں پیدا ہوئے۔ پھر مدرسہ "عین ورقۃ" میں داخل ہوئے اور ابتدائی قراءت کا علم حاصل کیا۔ اپنے بھائی اسعد سے علم لغت اور علم نحو کا کچھ حصہ پڑھا۔ دس سال کی عمر میں شاعری شروع کی۔ بچپن سے ہی اُن کی طبیعت مفردات اور مقرادات کو یاد کرنے کی طرف مائل تھی۔ جس کی وجہ سے ایک وافر حصہ وہ یاد کر چکے تھے جس کے

اثرات بعد میں اُن کے خطبات اور تصنیف میں ظاہر ہوئے۔ پھر ایک واقعہ پیش آیا کہ ان کے بھائی اسعد، جن کی شفقت اور توجہ انہیں حاصل تھی، نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر انجیلی مذہب اختیار کر لیا۔ چنانچہ ان کے خاندان اور مذہبی مقتداؤں نے ان پر بہت ظلم ڈھائے یہاں تک کہ اسی قید میں قہرزدہ اُن کا انتقال ہو گیا۔ فارس کو اس کا بہت دکھ ہوا اور غصہ میں آ کر وہ مصر چلے گئے جہاں امریکی مبلغین کی زیرِ نگرانی رہے۔ فارس نے یہاں تعلیم و تعلم میں ایک لمبا عرصہ گزارا۔ پھر امریکیوں نے ۱۸۳۴ء میں انہیں اپنے ایک مطبع میں چھپنے والی کتابوں کی تصحیح کے لیے مالٹا بھیج دیا۔ ابھی فارس مالٹا میں ہی تھے کہ تورات سوسائٹی نے انہیں تورات کا عربی ترجمہ کرنے کے لیے اپنے پاس لندن بلا لیا۔ کچھ عرصہ لندن رہنے کے بعد پیرس چلے گئے۔ اُن دنوں تونس کا بادشاہ احمد باشا بای وہاں آیا ہوا تھا۔ چنانچہ فارس اُن کی خدمت میں رہنے لگے اور اُن کی تعریف میں شاعری کی۔ بادشاہ نے ان کی بہت قدردانی کی اور انعامات سے نوازا۔ یہاں تک کہ ایک شاعر نے کہا:

''میرا یہ گمان بھی نہ تھا کہ زمانے نے شاعری کے لیے بھی کوئی ایسا بازار چھوڑا ہے جہاں اس کی قدردانی کی جاتی ہے''۔

پھر فارس نے تونس میں اسلام قبول کیا اور اپنا نام احمد رکھا۔ وہ مستقل ''الرائد التونسی'' میں مضمون نگاری کرتے رہے اور بادشاہ سے انعامات حاصل کرتے رہے۔ ان کے علم و فضل کا چرچا عام ہو گیا۔ آخر کار مدارت عظمیٰ نے انہیں ''آستانہ'' بلا لیا۔ وہاں انہوں نے ایک رسالہ ''الجوائب'' نکالا جس کی نثر، شاعری اور سیاسی سرگرمیوں کو بہت پسند کیا گیا۔ اور مشرق و مغرب میں اسے نقل کیا جانے لگا۔ مشرق کی سیاست میں انہیں حجت اور مرجع الناس کی حیثیت حاصل تھی۔ چنانچہ عزت و ثروت ان کی طرف دوڑ کر آئی اور امراء و علماء ان کی دوستی کی خواہش رکھتے تھے اور حکومت علیہ نے انہیں القاب اور تمغوں سے نوازا۔ پھر اپنی آخری عمر میں ''الجوائب'' کی ادارت اپنے بیٹے کے سپرد کر دی۔ یہ رسالہ پوری آب و تاب سے جاری ہوتا رہا، آخر کار ۱۸۸۴ء میں سوڈانی حوادث کے اثرات کی وجہ سے بند ہو گیا۔ پھر شدیاق مصر آ گئے اور اس وقت یہ اپنی عمر کے آخری حصے میں تھے۔ مصریوں نے ان کا زبردست استقبال کیا اور بہترین رہائش کا انتظام کیا۔ پھر وہ آستانہ واپس چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔

نثر اور شاعری:

شدیاق ادب کے فنون میں کامل مہارت رکھتے تھے اور انشاء پردازی میں مزاح، سنجیدگی، وعظ، ادب اور سیاست جیسے تمام موضوعات کو زیرِ بحث لاتے تھے۔ زبان کے مفردات کے حافظ اور بیان کے مذاہب پر پوری بصیرت رکھتے تھے۔ اُن کی نظم اور نثر بہت عمدہ تھی۔ اُن کا اسلوب تراکیب سے مرکب، مناسب معانی، ہم معنی الفاظ اور جملوں کی کثرت رکھتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے کلام کو طویل کرنا، مفصل ذکر کرنا اور مبالغہ آرائی سے کام لینا اُن کی خصوصیت تھی۔ البتہ اُن کی شاعری کا مرتبہ اُن کی نثر سے کم تھا۔ اس میں وہ عمدگی اور جدت طرازی نہیں ہوتی تھی جو نثر میں تھی۔ نثر میں اُن کی حیثیت مجدّد اور شاعری میں مقلّد کی سی تھی۔ البتہ ہم عصر لوگوں کے مقابلے میں وہ نثر و شاعری دونوں میں سب پر فائق تھے۔

تالیفات:

اُن مضامین کے علاوہ جو انہوں نے تیس سال ''الجوائب'' کے ذریعے نشر کیے، بہت سی کتابیں ہیں جو اُن کے وسیع علم اور

قوتِ بازو پر دلالت کرتی ہیں۔ اُن میں مشہور یہ ہیں: ''سر اللیال فی القلب والابدال''۔ یہ ایک لغوی تجزیاتی کتاب ہے جو تمام متداول افعال اور اسماء مستعملہ پر مشتمل ہے اور صاحب قاموس سے جو لفظ، مثل، وضاحت عبارۃ اور مادہ کی ترتیب چھوٹ گئی ہے تو اس کتاب میں اُس کی نشان دہی کی گئی ہے یہ کتاب ۱۲۸۴ھ میں آستانہ سے شائع ہوئی۔ ''الساق علی الساق فیما ھو الفاریاق''۔ الفاریاق ان کے نام فارس شدیاق سے مخفف ہے اور یہ اُسے اپنے لیے استعمال کرتے تھے۔ اس ضخیم کتاب کو یورپ کی سیاحت کے دوران لکھا۔ چنانچہ اس میں اپنے اسفار، حالات اور ابتدائی عمر کی مشکلات کو ذکر کیا ہے اور اپنے خاندان کے لوگوں کو اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینے پر دھمکایا بھی ہے۔ پھر ہر موضوع پر علیحدہ طور پر مترادف الفاظ ذکر کیے ہیں مثلاً کھانے پینے کی چیزیں، سونگھنے کی چیزیں، زیورات اور جواہر کے متعلق۔ یہی اس کتاب کے مقاصد میں شامل ہے۔ اس کتاب میں ادب پر جسارت کرنے پر اور لغو مذاق اور نامناسب الفاظ کو اختیار کرنے پر اُن پر اعتراض کیا جاسکتا ہے۔

ان کے علاوہ ایک کتاب ''الجاسوس علی القاموس'' ہے جس میں اُن تمام ماخذ کو جمع کر دیا ہے جو انہوں نے القاموس کے حاشیے پر چڑھائے تھے۔ ایک اور کتاب ''کشف الخباء عن اوروبا'' ہے۔ اس کتاب میں اپنی اس سیاحت کا ذکر کیا ہے جو یورپ میں کی۔ مزید برآں ایک کتاب ''الواسطۃ فی احوال مالطۃ'' ہے۔ اس کتاب میں اس جزیرے (مالٹا) کے گزشتہ اور موجودہ حالات اور وہاں کی زمینوں اور باشندوں کے احوال ذکر کیے ہیں۔

نمونہ کلام:

لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اپنے وطن کی تعریف میں مبالغہ کرتا ہے اور اس کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ وہ اپنے وطن کی چراگاہوں، زمینوں، باغات، حوض، پہاڑ، کھائیوں، ٹیلوں، گھروں کا اور وہاں کے درختوں، سبزیوں، پرندوں، اچھی آب وہوا کا تذکرہ کرتا ہے اور یہ گمان بھی رکھتا ہے کہ یہاں کے سارے موسم بہار کی طرح خوشگوار ہیں اور ہر طرف برکت ہی برکت ہے اور یہاں کا ایک مہینہ کسی دوسرے شہر میں ایک سال سے بھی بہتر ہے۔ تمام شہروں کو اسی وطن سے خیر ملتی ہے اور سب اس کی خوراک کی احتیاج رکھتے ہیں۔ پھر وہ حیران و پریشان ہو کر ٹھنڈی سانس لیتا ہے اور غم زدہ کی طرح چیختا ہے کہ: ''جان لو کہ وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔ میں نے دنیا کی ہر اونچ نیچ دیکھی ہے، مختلف شہروں میں پھرا ہوں، ہر علاقہ میں نے دیکھا، وہاں والوں کے احوال معلوم کیے لیکن وہ زندگی کا مزہ اور رونق جو میرے وطن میں ہے کہیں نہیں دیکھی۔ میرے وطن کے بارے میں ہی شعراء نے شاعری کی ہے اور فلاں نے کئی شعر اس کے بارے میں کہے اور فلاں نے اس کی مدح میں بہترین قصیدہ کہا ہے۔ آپ بھی سنیں جو اس کے ندی نالوں، بلبلوں، چڑیوں، سرسبز و زرخیز باغات کی خوشگواری، باغوں کی ہریالی و تازگی اور گل لالہ کی رونق کے بارے میں کہا گیا ہے۔ لیکن جب آپ اُس سے کہیں کہ یہ بتاؤ کہ تمہارے قریبی پڑوسی کا کیا حال ہے؟ امید ہے کہ وہ آپ کا مددگار ہوگا۔ تو وہ کہے گا کہ ہائے میری کم بختی وہ تو بہت بُرا پڑوسی ہے۔ وہ ملک و قوم پر عار اور بدترین عیب ہے۔ پھر اُس سے پوچھیں کہ اُس سے اگلے پڑوسی کا کیا حال ہے؟ ہمارا گمان ہے کہ آپ اُس سے تعلق اور دوستی رکھتے ہوں گے تو وہ کہے گا کہ ہائے میری ہلاکت وہ پہلے والے سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ پھر پوچھیں کہ سارے محلے والے کیسے ہیں تو وہ جواب دے گا کہ ہائے میری ہلاکت وہ سب نہایت اذیت کا باعث ہیں۔ مجھے ہمیشہ اُن

سے نقصان ہی پہنچا ہے۔ اور اگر آپ اُس سے پورے شہر والوں کے بارے میں پوچھیں تو وہ کہے گا کہ ہائے میری ہلاکت وہ سب دھوکے باز، فریبی، بے وفا اور چال باز ہیں تو اُن میں سے کسی سے بھی کوئی معاملہ کرے گا تو وہ کسی نہ کسی طرح تجھے نقصان ضرور پہنچائیں گے یہ حال ہے اُس کے شہروں کے لوگوں کا۔ اب آپ زیادہ سوال نہ کریں کیونکہ جواب میں یہی باتیں آئیں گی۔ البتہ اگر آپ یہ پوچھیں کہ کیا بات ہے کہ تمہارا ملک تو اتنے محاسن کا مجموعہ ہے اور لوگ اس قدر بُرے؟۔ تو وہ جواب دے گا کہ ہمارے آباء اجداد نیک لوگ تھے۔ انہوں نے ہی باغات اور کھیتیاں قائم کیں اور اس علاقے کو آباد اور سرسبز بنایا۔ پھر زمانہ خراب ہو گیا اور نا اہل جانشین پیدا ہوئے اب وہ محاسن تو باقی ہیں لیکن لوگ بدل چکے ہیں آپ ان سے پوچھیں کہ زمانے کا کیا مطلب ہے؟ انسانی تاریخ میں وہ کبھی بھی نیک نہیں بنا۔ نقل اور مشاہدہ اس پر گواہ ہے۔ پھر یہ کیسے ہوا کہ لوگ تو بدل گئے لیکن تو نیک ہی ہے۔ اگر تو خود درست ہوتا تو تمام لوگ تجھے نیک نظر آتے جب تو کسی میں برے اخلاق دیکھے تو یاد رکھ کہ لوگوں کے عیوب پر وہی نظر رکھتا ہے جس کے اپنے حالات ان سے زیادہ خراب ہوں۔ شاعر حکیم نے کہا کہ:

و من يك ذا فم مر مريض   يجد مراً به الماء الزلالا

''جس مریض کا منہ کڑوا ہوتا ہے اُسے تازہ صاف پانی بھی کڑوا لگتا ہے''۔

جب تک آپ اپنے ہم جنسوں کے عیوب کو دیکھتے رہیں گے تب تک آپ خود ہی ذلیل رہیں گے۔ اگر کوئی شخص اپنے علاقے والوں کو اپنے سے گھٹیا سمجھتا ہے تو وہ اس قابل ہے کہ لوگ اُس کی حماقت اور جنون کو عام کرتے رہیں۔

بطرس بستانی

(پیدائش ۱۸۱۹ء، ۱۲۳۴ھ، وفات ۱۸۸۳ء، ۱۳۰۰ھ)

حالاتِ زندگی:

محقق عالم ولغوی بطرس بن بولس بستانی مارونی امیر بشیر کے زمانے میں لبنان کے دیبہ نامی بستی میں پیدا ہوئے۔ عین ورقہ مدرسے میں داخل کروایا گیا جہاں دس سال رہے اور اس دوران عربی، سریانی، لاطینی اور اطالوی زبانیں سیکھیں۔ فلسفہ، فقہ اور علم الاہیات میں مہارت حاصل کی۔ تاریخ، جغرافیہ اور حساب میں پختہ علم حاصل کیا۔ ان کے دل میں کنیسہ کی خدمت کرنے کا خیال پیدا ہوا لیکن کچھ مصروفیت کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکے اور تعلیم میں مشغول ہو گئے۔ پھر بیروت آ گئے اور یہاں امریکی مسیحی مبلغین کے ساتھ مل گئے۔ اِن کے بعد اساتذہ سے انگریزی، عربیت اور یونانی زبانیں سیکھیں۔ اس کے ساتھ کچھ جدید علوم اُن سے حاصل کیے۔ پھر انہیں کا مذہب اختیار کر لیا اور تورات کے ترجمے میں اُن کا تعاون کیا۔ پھر ۱۸۶۳ء میں ایک اسکول قائم کیا جس کا نام ''المدرسۃ الوطنیۃ'' رکھا۔ اس اسکول نے بطرس کی زیر ادارت وعنایت خوب شہرت حاصل کی۔ مصر، شام، عراق، آستانہ اور یونان سے ایک کثیر تعداد یہاں آنے لگی۔ پھر اس سکول کی تمام ذمہ داری اپنے بیٹے سلیم بستانی کے سپرد کر دی اور خود مطالعے، کتابت اور تصنیف کے لیے فراغت حاصل کی۔ چنانچہ ۱۸۶۹ء میں اپنی لغت ''المحیط'' کی تصنیف سے فارغ ہوئے۔ ۱۸۸۰ء میں ایک علمی ادبی اور سیاسی مجلّہ جاری

کیا جس کا نام ''الجنان'' رکھا۔ پھر اپنے بیٹے سلیم کو اس کا مدیر اور کاتب بنا دیا۔ اس کے بعد اس رسالے کی مدد کے لیے دو اور رسالے شائع کیے۔ ''صحیفۃ الجنۃ'' اور ''الجنینۃ''۔ اس کے بعد انسائیکلو پیڈیا کا کام شروع کیا۔ یہ ایک مشکل کام تھا جو ایک آدمی کے بس کی بات نہیں تھی بلکہ پوری ایک جماعت کا کام تھا۔ لیکن مشہور زبانوں میں کامل مہارت اور صبر واستقامت نے اُن کے لیے ہر مشکل کام کو آسان کر دیا تھا۔ چنانچہ اس کی چھ جلدیں شائع کیں اور ساتویں جلد پر کام ہو رہا تھا کہ اچانک موت نے آ پکڑا اور باقی کام ان کے بیٹوں نے پورا کیا۔ اُن کے چلے جانے سے اہل مشرق اپنی جدید ترقی کی تحریک کے لیے ایک عظیم کارکن سے محروم رہ گئے۔

علمی مقام:

بستانی ایسے وقت میں پیدا ہوئے جس وقت جہالت پھیلی ہوئی تھی اور لوگ جہالت کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے چنانچہ انہوں نے علم کا چراغ روشن کیا اور خود کو راہنمائی اور تبلیغ کے لیے وقف کر دیا۔ بہت سی کتابیں تالیف کیں، رسائل جاری کیے، مدارس قائم کیے اور اپنی زندگی کو بڑے بڑے کاموں میں مصروف رکھا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ عبقری نفس، پختہ عزم اور مضبوط ارادے کے مالک تھے۔ اس کے ہمیشہ باقی رہنے والے اثرات اور کاموں میں سے ''محیط المحیط'' ہے۔ یہ جدید طرز کی ایک لغت ہے۔ انہوں نے اس میں فیروز آبادی کی ''قاموس'' اور جوہری کی ''صحاح'' بھی جمع کر دی ہے اور اسے ثلاثی مجرد کے حروف ہجاء کی ترتیب سے مرتب کیا ہے۔ اس کتاب میں بہت سے عامیانہ الفاظ اور ان کے بالمقابل فصیح الفاظ کو ذکر کیا ہے۔ اور عجمی کلمات کے بہت سے ایسے اصول جو معروف نہ تھے، اُن کے بارے میں تحقیق پیش کی ہے کہ وہ کونسی زبان کے ہیں۔ جدید علوم کے بارے میں بہت سی اصلاحات وضع کی ہیں۔ مدارس کے طلباء کے لیے اس کتاب کا خلاصہ بھی لکھا جس کا نام ''قطر المحیط'' رکھا۔ ان کے علمی کاموں میں ''انسائیکلوپیڈیا'' بھی ہے۔ اور جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ اس کی چھ جلدیں نکالیں اور ان کے بیٹے سلیم نے ساتویں اور آٹھویں جلد مکمل کی۔ نویں جلد کے دوران اس کا بھی انتقال ہو گیا۔ پھر باقی بیٹوں نے اپنے چچا زاد بھائی سلیمان بستانی (مترجم الیڈ) کی مدد سے نویں جلد مکمل کی۔ پھر کام رُک گیا۔ سلیمان بستانی جب قاہرہ گئے تو اس عظیم کام کو مکمل کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ خود اور چچا زاد بھائیوں کو ساتھ لے کر دسویں اور گیارہویں جلد نکالی لیکن ذرائع نہ ہونے کی وجہ سے کام نامکمل رہ گیا۔ ان دو عظیم کتابوں کے علاوہ علم حساب میں ''کشف الحجاب'' اور صرف ونحو میں ''مفتاح المصباح'' اور بہت سے مقالات اور رسائل ہیں۔

ابراہیم یازجی

(پیدائش ۱۲۶۲ھ، ۱۸۴۷ء، وفات ۱۳۲۴ھ، ۱۹۰۶ء)

حالات زندگی:

علامہ لغوی ناقد انشاء پرداز شیخ ابراہیم بن ناصیف یازجی بیروت کے ایک فضل وادب میں معروف گھرانہ میں پیدا ہوئے اپنے والد شیخ ناصیف جو کہ یازجی خاندان کے بڑے تھے، سے علم حاصل کیا۔ پھر لغت وادب کی کتابوں کا پابندی سے مطالعہ کیا اور زبان کے علوم میں مہارت حاصل کی، اچھے بُرے کی پہچان ہوئی اور بہت سے نثر ونظم پارے زبانی یاد کیے۔ پھر مدرسہ بطریر کیہ میں

عربی زبان کی تدریس شروع کی یہاں تک کہ امریکی مبلغین کے تورات کے ترجمے کے مقابلے میں جب یسوع لوگوں نے تورات کا ترجمہ کرنا چاہا تو شیخ کو الفاظ کی درستگی اور ضبط کے لیے مقرر کیا۔ اس کام میں انہوں نے نو سال گزارے اور اسی دوران وہ نظم، نثر، بحث اور نقد کی مشق بھی کرتے رہے اور ان میں سے جسے چاہتے اُسے اُن رسائل میں شائع کر دیتے جن کی تحریر میں یہ بھی شریک تھے مثلاً بیروت میں ''المصباح'' اور ''الطبیب''۔ پھر ۱۸۹۴ء میں قاہرہ چلے گئے اور ۱۸۹۷ء میں ڈاکٹر بشارت زلزل کے ساتھ مل کر ''البیان'' نامی رسالہ نکالا۔ پھر خود ایک اور رسالہ نکالا جس کا نام ''الضیاء'' تھا۔ ۱۹۰۶ء میں اُن کا انتقال ہوا اور وفات تک مسلسل یہ رسالہ نکالتے رہے۔

علم و ادب:

شیخ ابراہیم عربیت کے اسرار سے باخوبی واقف تھے، مفردات کی پہچان رکھنے والے، نوادر اور بکھرے ہوئے الفاظ کے حافظ اور صحیح اور غلط کو جاننے والے تھے۔ وہ اپنے دونوں رسالوں (البیان اور الضیاء) میں انشاء پردازوں اور شعراء کا تعقب کرتے تھے اور اُن کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے اور درست بات کی طرف رہنمائی کرتے تھے۔ بسا اوقات ان میں اور شنقیطی کے درمیان جھگڑا بڑھ جاتا اور دونوں اپنے اپنے رسالوں (الضیاء اور مصباح الشرق) میں جھگڑے کو ذکر کرتے رہتے۔ یہ جھگڑا یا تو کسی لفظ کی تحریر میں ہوتا یا روایت کی تصحیح یا کسی نص کی تنقیح میں۔ اس تعقب کا یہ فائدہ ہوا کہ ادیبوں نے کلام کی نگہبانی شروع کر دی اور اب تدقیق اور دوسری کتب کی طرف مراجعت اختیار کرنے لگے۔ کتابوں اور رسائل میں اُن کی نشاندہی کی ہوئی غلطیوں سے معلمین نے استفادہ کیا اور اُن کی درستگی کو اساتذہ کی تالیفات اور طلباء کے پمفلٹوں میں شائع کیا۔ اس کے علاوہ شیخ ابراہیم دو مزید شعبوں میں مہارت رکھتے تھے۔ اُن کی شاعری عمدہ اور محکم اور نثر فطری اور بہترین تھی۔

نمونہ کلام:

انہوں نے اپنے کسی دوست کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

''جو شخص یہ جانتا ہے کہ اللہ کا فیصلہ ہو کر رہتا ہے اور زندگی میں ہار جیت ہوتی رہتی ہے۔ تو وہ کبھی غفلت نہیں کرتا اور تقدیر کے فیصلوں سے سست اور کمزور نہیں ہوتا۔ کوئی بڑی مصیبت اسے زیادہ پریشان نہیں کرتی اور مصیبت کے لمبا ہونے سے بھی وہ گھبراتا نہیں۔ زمانے میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں۔ جو شخص امور کے مبادی اور زندگی کے اتار چڑھاؤ سے واقف ہوتا ہے وہ ہمت میں تیری طرح ہوتا ہے۔ بے شک موت ایک حقیقت ہے اور زندگی میں آدمی کے ساتھ سب سے آخر میں پیش آنے ولا معاملہ موت ہی کا ہوتا ہے۔ میں زمانے کی حقیقت آپ کو سمجھانا نہیں چاہتا بلکہ میری نصیحت تو اس شخص کے لیے ہے جس پر اچانک بڑی مصیبت آ پڑی اور اسے باقی تمام کاموں سے بے خبر کر دیا اور تقدیری فیصلے اُس تک پہنچ گئے اور اسے سب کچھ بھلا دیا۔ اتنی تعزیت کافی ہے کہ میں آپ کے علمی مرتبے سے واقف ہوں اور آپ میرے حال سے واقف ہیں کہ میری حیثیت ایک سائل کی سی ہے۔ اور یہ بات مجھ پر گراں نہیں کہ آپ کی مصیبت نے میرے غموں میں اضافہ کیا ہے۔ اور میرے دکھوں کو چھیل دیا ہے۔ لیکن زمانے نے مجھے ایسا بنا دیا کہ اب کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا اور نہ مجھے امن و لڑائی کی پرواہ ہوتی ہے ایسا لگتا ہے کہ شاید ابو طیب نے میرے بارے میں ہی یہ شعر کہے ہیں:

رمانی الدهر بالأرزاء حتی فؤادی فی غشاء من نبال

* زمانے کی طرف سے مجھ پر بہت سی مصیبتیں آئیں گویا کہ میرا دل تلواروں کے نیچے ہے۔

فصرت إذا أصابتنی سهام تکسرت النصال علی النصال

پس جب مجھے تیر لگے تو تلواریں ٹوٹنے لگیں۔

حمزہ فتح اللہ

(پیدائش ۱۲۶۵ھ، ۱۸۴۹ء، وفات ۱۳۳۶ھ، ۱۹۱۸ء)

حالاتِ زندگی:

استاد ماہر لغت دان شیخ حمزہ فتح اللہ ۱۸۴۹ء میں اسکندریہ میں پیدا ہوئے۔ وہیں پرورش پائی۔ حالات درمیانے درجے کے تھے۔ قرآن حفظ کیا اور شرعی اور لسانی علوم حاصل کیے۔ پھر تونس جانے کا ارادہ کیا، وہاں کئی سال رہے اور ''الرائد التونسی'' نامی رسالہ جاری کیا۔ پھر اسکندریہ لوٹ آئے اور خدیو رفیق کی خدمت میں رہنے لگے۔ اُس نے انہیں غرابیہ بغاوت کے سال ''الاعتدال'' رسالہ نکالنے کو کہا کہ اس سے اپنی سیاست میں تائید حاصل کرے۔ لیکن یہ رسالہ ایک سال بھی مکمل نہ کر سکا۔

۱۸۸۶ء میں مستشرقین کی کانفرنس جو کہ وائنا میں منعقد ہوئی۔ اس میں حکومتِ مصر کی نمائندگی کی جس طرح ۱۸۸۹ء میں اسی کانفرنس میں جو کہ استوکھم میں منعقد ہوئی حکومتِ مصر کی نمائندگی کی۔ پھر صحافت کے بعد تعلیم کا ارادہ کیا اور ۱۸۸۸ء میں لسانی علوم کے متعلق ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس کے بعد دار العلوم قائم کیا۔ پھر تحقیق و تفتیش کے شعبے میں منتقل ہو گئے اور یہی کام کرتے رہے یہاں تک کہ ۱۹۱۲ء میں ریٹائر ہوئے اور بحث و قراءت میں مصروف ہو گئے اور اپریل ۱۹۱۸ء میں انتقال ہوا۔

علمی مقام اور اخلاق:

شیخ سلیم الصدر، کریم، اپنی زبان کے بارے میں انتہائی غیرت مند، ادب کے دلدادہ اور بحث میں اشتعال انگیز تھے۔ یہی صفات ان کے اکثر شاگردوں میں منتقل ہوئیں۔ چنانچہ انھوں نے لغت کی شان بلند کی اور مردہ ادب کو زندہ کیا۔ دار العلوم میں تدریس کے دوران ایک کتاب تالیف کی جس کا نام "المواهب الفتحیه فی علوم اللغة العربیه" ہے۔ انھیں وزارتِ تعلیم کی درسی کتب کی تنقیح میں مہارت حاصل تھی۔ نظم میں انھوں نے متقدمین کا طرز اختیار کیا اور نثر میں متاخرین کے طریقے پر چلے، انھوں نے درمیانی راہ اختیار کی جیسا کہ آپ کو ان کے نظم و نثر کے نمونوں سے معلوم ہوگا۔

نمونہ کلام:

ان کی شاعری میں سب سے عمدہ وہ قصیدہ ہے جو انھوں نے مؤتمر المستشرقین (کانفرنس) میں پڑھا۔ جس کے مطلع میں کہتے ہیں:

حمد السری یا اخی العود و النباب انبباك وعثاء إغباب وإخباب

''اے اونٹوں والے! جب تو سفر سے لوٹے گا اور تیری تعریف ہوگی تو تجھے وہ تمام پریشانیاں جو جانوروں کو ناغہ سے پانی پلانے اور تیز دوڑانے میں جھیلیں، بھولا دے گی''۔

اسی قصیدے میں حکمت کے بارے میں کہتے ہیں:

من يرد نيل مجد وهو في دعة فقد بغى من صفاة درّ أخلاب

جو آسانیوں میں رہ کر اونچے مرتبوں کا طالب ہے وہ پتھروں سے دودھ نکالنے کی کوشش کر رہا ہے۔

والمرء في موطن كالدر في صدف والتبر في معدن والنبع في غاب

جو شخص اپنے وطن میں ہو وہ ایسا ہے جیسا سیپ میں موتی، کان میں سونا اور جنگل میں کمان کی لکڑی کا درخت۔

والسيف مثل العصا إن كان مغتمداً وزامر الحي لا يحظى بإطراب

تلوار جب تک نیام میں ہو تو وہ لاٹھی کی طرح ہے۔ اور جو قبیلہ میں بانسری بجاتا ہے وہ انھیں تیز چلنے پر مائل نہیں کر سکتا۔

وأزهد الناس في علم وصاحبه أدنى الأحبة من أهل وأصحاب

علم و علماء سے بے رغبت سب سے زیادہ علماء کے رشتہ دار اور دوست احباب ہی ہوتے ہیں۔

انھوں نے سید عبدالحمید بکری کے سامنے عذر بیان کرتے ہوئے کہا:

''میرے آقا! آپ کو دیکھنے کا شوق شدت اختیار کر چکا ہے۔ آپ اپنے دل سے اس مخلص اور پکے دوست اور اس کی دوستی کے بارے میں پوچھیں جس کی دوستی زمانے کے گزرنے کے ساتھ مزید تروتازہ اور مضبوط ہو رہی ہے۔ آپ کے دل میں یہ بات نہ آئے کہ آپ کے پاس نہ آنا کسی تکبر یا کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ میں اس تاخیر پر معذرت خواہ ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہمیشہ قائم رکھے آپ تو اپنے دوست کی معذرت کو قبول کرنے والے ہیں اور ضروری مصروفیات کی وجہ سے اس کی تاخیر پر چشم پوشی کرنے والے ہیں۔ مجھے آپ سے امید ہے کہ میری یہ معذرت آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے میں رکاوٹ نہ ہوگی۔ آپ کے کتنے ہی احسان مجھ پر ہیں جن کا میں ہمیشہ شکر گزار رہوں گا۔ والسلام''۔

خطابت و خطباء

اس دور کے شروع میں فن خطابت کا وہ حال ہو گیا تھا جو دور عباسی کے آخر میں تھا۔ فن خطابت صرف مساجد اور گرجا گھروں تک ہی محدود تھی اور اس وقت اس فن میں جو کام کر رہے تھے وہ سب کے سب جاہل اور نقل کرنے والے تھے۔ جب عرابیہ بغاوت ہوئی تو اس کے بڑے سرکردوں کی زبانوں پر خطابت ظاہر ہوئی۔ ان میں زیادہ مشہور یہ ہیں: سید عبداللہ ندیم، شیخ محمد عبدہ، ادیب اسحاق اور لقانی۔ پھر بے شمار واعظ اور ادیب اس کے عادی ہو گئے۔ انھوں نے اخلاق، دین، اجتماعیت اور سیاست کے موضوع پر ہفتہ وار پروگرام رکھے۔ لیکن پرانا رنگ ابھی ان سے اترا نہیں یہاں تک کہ محب وطن، زعیم مصطفیٰ پاشا کامل متوفی ۱۹۰۸ء کا دور شروع ہوا

اوراس فن کو نئی زندگی اور تروتازگی حاصل ہوئی۔ یہ فن اس (مصطفیٰ پاشا) کے جہاد کا ایک تیز ہتھیار ثابت ہوا اور لوگوں کو نیند سے بیدار کرنے میں بڑا مددگار بنا۔ جب سے مصطفیٰ پاشا نے وطن کا نعرہ بلند کیا اور مستقل نقل و حرکت اختیار کی تو نوجوانوں نے خصوصاً حمایتیوں نے اس فن کو اپنا لیا حتیٰ کہ اب اس فن میں ایک ہونہار جماعت موجود ہے۔ شاید کہ اہل مشرق نے سعد پاشا زغلول جیسا جامع طبیعت، مضبوط گفتگو اور بلند آواز والا خطیب کبھی نہیں دیکھا۔ ہمیں امید ہے کہ آج اس دستوری نظام کے دور میں اس فن کو تیزی سے ترقی ملے گی کیونکہ سیاسی آزادی، لشکری تنافس اور پارلیمنٹ میں جھگڑوں و مباحثوں کی وجہ سے اس فن کی ضرورت بہت بڑھ گئی ہے جو اس کی ترقی کا سبب ہے۔ اگر یہ فن نہ ہوتا تو یونان میں دیمستین، رومان میں شیشرون اور عرب میں علی نہ ہوتے۔

عبداللہ ندیم

(پیدائش ۱۲۶۰ھ، ۱۸۹۶ء، وفات ۱۳۱۳ھ، ۱۹۴۷ء)

حالاتِ زندگی:

سید عبداللہ بن مصباح بن ابراہیم اسکندریہ میں پیدا ہوئے اور وہیں درمیانے طبقے کے لوگوں کی طرح پرورش پائی۔ انہوں نے کتابت اور قراءت کی ابتدائی تعلیم حاصل کی اور قرآن حفظ کیا۔ اس وقت وہ ابناء شعب کے پہلے مدرسے میں تھے۔ جب وہ بلوغت کے قریب ہوئے تو اسکندریہ کے ایک مدرسے میں داخل ہوئے اور دینی ولسانی علوم کا ایک بڑا حصہ حاصل کیا۔ ان کی طبیعت میں ادبی میلان غالب تھا۔ چنانچہ انہوں نے اشعار یاد کیے، روایات نقل کیں اور نظم ونثر میں خوب مشق کی۔ پھر علماء وادباء سے مقابلے کرنے لگے اور اس مشغولیت کی وجہ سے تعلیم کا سلسلہ موقوف رہا۔ طلبِ رزق نے انہیں عجلت میں ڈال دیا اور انہوں نے مدرسہ چھوڑ کر ٹیلی گراف کا فن سیکھنا شروع کیا۔ اسے سیکھنے کے بعد ایک عرصے تک حکومت کے ٹیلی گراف کے شعبے میں نوکری کرتے رہے۔ پھر اس کام کو بھی چھوڑ دیا اور ''المنصورہ'' شہر میں تجارت کرنے لگے لیکن تجارت سودمند نہ ہوئی اور اصل سرمایہ بھی ہلاک ہو گیا اور یہ اسکندریہ لوٹ آئے۔ اس وقت یہاں اصحاب فضل نے لڑکوں اور لڑکیوں کے مدارس قائم کرنے کے لیے ایک جمعیت اسلامیہ خیریہ کی بنیاد رکھی ہوئی تھی۔ چنانچہ ندیم بھی اس میں شریک ہو گئے اور اس جمعیت کے ماتحت پہلے مدرسہ کے ناظم مقرر ہوئے۔ حکومت نے انہیں رہائش اور مالی تعاون دیا تاکہ یہ جمعیت صرف مسلمانوں تک محدود نہ رہے۔ پھر خدیو توفیق نے اس جمعیت کو اپنی نگرانی میں لے لیا یہ جمعیت ایک سیاسی اور اجتماعی پلیٹ فارم تھا۔ لوگ کسی رات جمع ہو کر مختلف موضوعات پر عبداللہ ندیم، احمد سمیر، ادیب اسحاق اور ابراہیم لقانی جیسے خطیبوں کے بیانات سنتے تھے۔

پھر سید عبداللہ نے ایک ڈرامہ تالیف کیا جس کا عنوان ''مصر وطالع التوفیق'' تھا۔ اسے اس مدرسے کے طلباء نے پیش کیا۔ اس کا مضمون مصر کی پسپائی اور اجنبی قوم کی اس پر حکومت تھا۔ پھر افغانی کی آراء دلوں پر چھانے لگیں۔ چنانچہ ندیم نے جمعیت اور مدرسے کی مصروفیت ترک کر کے ایک رسالہ نکالا جس کا نام ''التنکیت والتبکیت'' تھا۔ یہ ہفتہ وار رسالہ تھا جو سنجیدگی کے ماحول میں مزاح پیدا کرنے کی خصوصیت سے متصف تھا۔ پھر اس کی جگہ دوسرا رسالہ نکالا جس کا نام ''الطائف'' تھا۔ یہ رسالہ تو عرابیہ بغاوت کے ایک

بگل کی حیثیت رکھتا تھا اور وطنی تحریک کے لیے میدان پیش کرتا تھا۔ خود ندیم اس بغاوت کے خطیب، تیز زبان اور مضبوط دل تھے جن کی تقریر کا اثر دلوں پر بہت پختہ ہوتا تھا۔ جب یہ بغاوت ٹھنڈی پڑ گئی اور اس کے محرکوں کو قید کر لیا گیا تو عبداللہ ندیم بھی دس سال کے لیے چھپ گئے اور بھیس بدل بدل کر مختلف شہروں میں رہتے تھے۔ لیکن انہیں پکڑ لیا گیا اور چند دن قید میں رکھا گیا۔ پھر خدیو نے انہیں اس شرط پر معاف کر دیا کہ وہ مصر چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں۔ چنانچہ وہ فلسطین میں ایک عرصہ تک رہے۔ پھر قاہرہ لوٹ آئے اور یہاں ایک ادبی رسالہ نکالا جس کا نام ''الاستاذ'' رکھا۔ یہ رسالہ اطراف میں اس انداز سے پھیلا کہ حکومت کی نیندیں حرام کر دیں چنانچہ ایک مرتبہ پھر انہیں جلا وطن کر دیا گیا۔ وہ آستانہ چلے آئے اور سلطان نے ان کی بڑی عزت کی اور انہیں الباب العالی میں مطبوعات کے لیے نگران مقرر کیا۔ موت تک اپنے اسی منصب پر فائز رہے۔

اخلاق و عادات:

سید عبداللہ ندیم کو خطابت کا فن اللہ کی طرف سے عطا کردہ تھا۔ وہ نہایت تیز اور فصیح زبان، فصیح عبارت، مشکل نکات کو جلد حل کرنے والے اور نہایت جوشیلے تھے۔ اگرچہ وہ وسیع علم کے مالک نہ تھے لیکن اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ادب اور کتابت میں بہت عمدہ طبیعت عطا فرمائی تھی۔ اور خطابت میں تبحر تھے۔ پھر وہ سیاسی و اجتماعی حالات سے گزرے جس سے ان کے تعلقات حکومتی لوگوں سے قائم ہو گئے اور مختلف جماعتوں کے قائدین سے ملنا جلنا بہت زیادہ ہو گیا۔ مختلف شہروں میں پھرتے رہتے لوگوں کے مختلف طبقات میں جایا کرتے اور اُن کے اخلاق اور اہواء کو جانچتے رہتے۔ ان تمام تجربات سے انہیں انسانی نفسیات اور حالات کے تقاضوں کے بارے میں بہت گہرا علم حاصل ہوا، اور اسے جس معنی میں بیان کرنا چاہتے بیان کر دیتے۔ یہاں تک کے سید جمال الدین افغانی نے اُن کے بارے میں کہا: میں نے ساری زندگی ندیم جیسا روشن دماغ، صاف طبیعت اپنی بات کو ڈنکے کی چوٹ پر کہنے والا، واضح دلائل بیان کرنے والا اور معانی کے لیے الفاظ کا بہترین استعمال کرنے والا نہیں دیکھا۔

نمونہ کلام:

اپنے ایک خط میں جس کے ہر دوسرے جملے (فاصلہ) کو قرآن سے پیش کرنے کی کوشش کی، وہ کہتے ہیں: لاحول ولا قوۃ الہ باللہ۔ میٹھے کو کڑوے میں بدل دیا، غلام کو آزاد پر مقدم کیا، موتی کو کنکر کے بدلے اور کنکر کو لکڑی کے بدلے بیچا گیا اور ہر کمینے نے اپنا تکبر ظاہر کیا بے شک یہ عبرت کا مقام ہے۔ سنو غور سے! چغل خور باوجود کوشش کے نہیں سمجھ پاتے اور جو کام انہوں نے نہیں کیا اُس پر اپنی مدح کے خواہش مند ہیں۔ پس آپ کس طرح ان سے عنبری صفت میں تارکول خرید سکتے ہیں۔ اور ''بغض و دشمنی اُن کے منہ سے ظاہر ہو چکی اور جو ان کے دلوں میں (بغض) ہے وہ اس سے بھی زیادہ ہے''۔ بہت عجیب بات ہے کہ وہ ہمارے ملک میں گھس آئے ہیں لیکن اس سے نفرت کرتے ہیں پھر جب انہوں نے ہماری آفت کی آہٹ پائی تب اُس سے بھاگنے لگے۔ میرے عزیز! میں اُن کے کام تجھے بتاتا ہوں ''اللہ کی رحمت سے آپ اُن کے لیے نرم دل ہوئے''۔ لیکن وہ آپ میں طمع رکھتے ہیں اور ''اگر آپ بد اخلاق سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ سے دور ہو جاتے''۔

مصطفیٰ کامل

(پیدائش ۱۲۹۰ھ، ۱۸۷۴ء وفات ۱۳۲۵ھ، ۱۹۰۸ء)

حالاتِ زندگی:

مصری تحریک کے محرک، روح وطنیہ کے جگانے والے مصطفیٰ کامل ۱۸۷۴ء میں قاہرہ کے ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے جو کرم وفضل، عفت نفس اور دین داری میں معروف تھا۔ اپنی ابتدائی اور ثانوی درجہ کی تعلیم مصری مدارس میں حاصل کی۔ پھر لاء کالج میں داخلہ لیا اور وہاں سے انیس سال کی عمر میں سند فراغت حاصل کی۔ اپنے طالب علمی کی زمانے میں وہ کتابت اور خطابت میں بہترین مہارت رکھنے کی وجہ سے طلباء اور انشاء پردازوں میں معروف ومشہور ہو گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے الہرام اور المؤید جیسے رسالوں میں اپنے بہت سے سیاسی مقالات شائع کیے۔ انہوں نے ایک ادبی ماہانامہ نکالا جس کا نام ''مجلۃ المدرسہ'' رکھا اس میں ان کی قائدانہ صلاحیتیں ظاہر ہوئیں اور بڑے بڑے مدارس کے طلبا اس پر ٹوٹ پڑے جوان کی فکر ودعوت کی تائید کرتے اُن کے کلام کو دہراتے اور اُن کے نقشِ قدم پر چلتے۔ جب انہوں نے لاء کی ڈگری حاصل کر لی تو وکالت وقضاء کے پیشے کی طرف نہیں گئے بلکہ سیاست اور صحافت کے ذریعے اپنے وطن کی خدمت کرنے لگے۔ چنانچہ انہوں نے کئی بار یورپ کا سفر کیا اور وہاں کے رسائل میں اور محفلوں میں مصر کی دعوت دیتے۔ انہوں نے فرانس اور انگلینڈ کے سیاسی حلقوں میں تعلقات قائم کیے اور اُن سے مدد اور تعاون کی اپیل کی۔ ان میں روحیہ سیدہ جولییت آدم فرنسیہ جن کو اپنے بعض خطوط میں کہتے ہیں: اگرچہ میں چھوٹا رہوں گا لیکن میری امید بڑی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مصر میں میں جوانی کی لہر پیدا کر دوں۔ لوگ کہتے ہیں کہ میرے وطن کا وجود نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میرا وطن موجود ہے اور اُس کی دلیل میرے دل میں اُس کی شدید محبت ہے جو تمام محبتوں پر غالب ہے۔

پھر انہوں نے ''اللواء'' رسالہ نکالا جسے تین زبانوں میں شائع کیا جاتا۔ عربی، انگریزی اور فرانسیسی۔ اس رسالے کے ذریعے انہوں نے اپنے ملک کا دفاع کیا اور آزادی کی تحریک میں خوب کوشش کی۔ یہاں تک کہ نوجوانی میں ہی انہیں امت کی سرداری اور حکومت کا اعتماد حاصل ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ جھگڑوں سے بھی واسطہ پڑا۔ اگر وہ چاہتے تو اپنی ان عظیم صلاحیتوں کو دولت وحکومت حاصل کرنے کے لیے لگا دیتے لیکن انہوں نے حکمت سے کام لیتے ہوئے زہد کو اختیار کیا۔ وہ ایک فکر لے کر زندگی گزارتے رہے۔ جب اس مسلسل کوشش اور جدوجہد نے ان کے ضعیف بدن کو متاثر کیا تو انہوں نے ''الحزب الوطنی'' تالیف کی تاکہ اس کے ذریعے وہ اپنی فکر کو آگے منتقل کر سکیں لیکن موت نے انہیں سوائے چند دنوں کے مزید مہلت نہ دی اور یہ کام نہ ہو سکا۔ اس وقت ان کی عمر سینتیس سال سے بھی کم تھی۔

مصطفیٰ کامل الخطیب:

مصطفیٰ کامل بہترین خطیب تھے عمدہ گفتگو بلند آواز، خوبصورت لہجہ کے مالک تھے وہ گفتگو کے دوران نہ ہچکچاتے نہ غلطی کرتے اور نہ توقف کرتے اور وہ انشاء پردازی میں میٹھی زبان اور رقیق اسلوب، مضبوط روح، سچی فکر اور عمدہ مقصد کے حامل تھے۔ انہیں وہبی

اور کسبی صفات کی وجہ سے اُن میں ایسی صلاحیت پیدا ہوگئی تھی کہ جس سے وہ مردوں کو زندہ کردیتے، بکھرے مواد کو جمع کردیتے اور لوگوں کے بجھتے ہوئے جذبات کو امیدیں دلا کر بلند کردیتے اور مضبوط دلائل کے ذریعے مخالف کی سرکشی کا مقابلہ کرتے۔

خطابت کا نمونہ:

انہوں نے اپنے ایک خطبہ میں کہا جو انہوں نے ۲۲ اکتوبر ۱۹۰۱ء میں اسکندریہ میں دیا تھا:

''اے میرے وطن! اے میرے وطن! میرا دل اور محبت تمہارے ہی لئے ہے میری زندگی اور میری جان بھی تمہارے لیے ہے۔ میری عقل، میری زبان، میرا دل سب تمہاری خدمت کے لیے وقف ہے۔ تو ہی اصل زندگی ہے اور اے مصر! تیرے بغیر کوئی زندگی نہیں۔ جاہل اور فقراء کہتے ہیں کہ میں اُس کی محبت میں پاگل ہو گیا ہوں۔ کیا کوئی مصری (اہل مصر) مصر کی محبت میں پاگل ہوئے بغیر رہ سکتا ہے؟ وہ (مصری) جب بھی اُس سے محبت کرتا ہے تو وہ محبت کے اُس درجہ تک نہیں پہنچ پاتا جس کا اس علاقے کی خوبصورتی، جلال، تاریخ اور اس کی عظمت تقاضہ کرتی ہے۔ جان لو اے ملامت کرنے والو! اس وطن کو دیکھو اور غور کرو۔ چلو پھرو اور اس کے ماضی کے حالات پڑھو اور دور دور سے اس کو دیکھنے کے لیے آنے والوں سے پوچھو کہ کیا اللہ تعالیٰ نے وطن عزیز سے بہتر کوئی جگہ پیدا کی ہے جو اس جیسی شان رکھنے والی ہو، خوبصورت ہو، جس کی مٹی سونا ہو، آسمان صاف اور پانی میٹھا ہو اور محبت پیدا کرنے والا ہو۔

ساری دنیا سے پوچھو وہ سب ایک ہی جواب دیں گے بے شک مصر دنیا کی جنت ہے اور یہاں کے لوگ جو یہاں رہتے ہیں اور نسل در نسل چلے آ رہے ہیں بہت کریم ہیں اور سب سے بڑا خطا وار وہ ہے جو اس کے حق میں تسامح کرے۔ اگر میں مصری پیدا نہ ہوتا تو اس کی آرزو کرتا کہ کاش میں مصری ہوتا''۔

سعد زغلول

(پیدائش ۱۲۷۳ھ، ۱۸۵۷ء، وفات ۱۳۴۵ھ، ۱۹۲۷ء)

حالاتِ زندگی:

سعد زغلول ایک مغربی گاؤں ''ابیانہ'' میں پیدا ہوئے۔ عمومی ثقافت کی ابتدائی تعلیم یہیں سے حاصل کی جس میں سب سے پہلے قرآن پاک کا حفظ کرنا تھا۔ پھر اُن کے والد نے انہیں جامع ازہر بھیج دیا جہاں انہوں نے دینی، لسانی اور منطقی علوم حاصل کیے۔ پھر انہیں مناظرہ اور مباحثہ کرنے میں شہرت حاصل ہوئی۔ جب سید جمال الدین افغانی مصر تشریف لائے تو یہ اُن کے ساتھ ہو لیے اور اُن سے سیکھتے تھے اور اُن کے علم سے متاثر تھے۔ فطرتی طور پر سعد میں یہ صفات تھیں کہ وہ حق کی مدد کرتے، باطل کے خلاف ڈٹ جاتے اور نقص کو دور کرنے کی کوشش کرتے۔ جب الازہر سے فارغ ہوئے تو ''الوقائع المصریہ'' میں اپنے استاد کے ساتھ کاتب مقرر ہوئے۔ وہ خود مختاری، مشورہ اور اخلاق کے موضوعات پر قلم اٹھاتے تھے۔ ''مجالس ملغاۃ'' جن احکام کو صادر کرتی اُن کی جانچ پڑتال کرتے اور پرکھتے تھے۔ پھر عدالتی فیصلوں کے نگران مقرر ہوئے۔ اُن کا حکم قاضی کا حکم شمار ہوتا چنانچہ عدالت میں اُن کی سمجھ داری

اور عدل سے حق پر فیصلے ہونے لگے۔ پھر عرابیہ بغاوت کے مقدمے میں حق کا ساتھ دینے پر انہیں معزول کر دیا گیا اور سات مہینے کے لیے الضبطیہ کی جیل میں قید کر دیا گیا۔ جب رہا ہوئے تو انہوں نے وکالت کا پیشہ اختیار کرنے کا ارادہ کیا۔ اُن دنوں وکالت کا پیشہ اختیار کرنے کے لیے عدالت میں امتحان ہوتا تھا۔ یہ پہلے وکیل تھے جنہیں مصر میں ملکی عدالتوں نے مقرر کیا۔

پھر ہائی کورٹ میں نائب قاضی مقرر کیے گئے۔ اُن دنوں انہوں نے فرانسیسی زبان سیکھی اور لاء کی ڈگری حاصل کی۔ اور اپنے تیز ذہن، محیط درس، دقیق استنباط اور ٹھیک فیصلے کی وجہ سے وہ یورپی قاضیوں پر غالب آ گئے۔ ۱۹۰۶ء میں تعلیم عامہ کے ناظم و نگران مقرر ہوئے۔ تمام علوم اس وقت انگریزی زبان میں پڑھائے جاتے تھے انہوں نے عربی میں پڑھانا شروع کیے۔ اسی وجہ سے علوم کے ترجمے ہوئے، کتابیں تالیف کی گئیں اور ثقافت پھیلنا شروع ہو گئی۔ پھر ''حقانیہ'' کے ناظم مقرر ہوئے۔ یہاں انہوں نے قضاۃ کے نظام کی اصلاح اور قوانین کی تنقیح میں کوشش کی تا کہ وہ قوانین موجود دور کے موافق ہوں اور ضرورت کو پورا کریں۔ پھر وزارت سے ہٹا دیے گئے اور امت نے انہیں ''الجمعیت التشریعیہ'' میں اپنا نائب مقرر کیا اُن کے مضبوط دلائل اور منہ توڑ جوابات کی وجہ سے وزراء اور نواب خوف زدہ ہو گئے تھے اور لوگوں کے دل اُن کی متوجہ تھے۔ جب پہلی جنگ عظیم میں صلح کا اعلان ہوا اور دنیا کے فیصلے کو غالب آنے والوں پر چھوڑا گیا تو مصر بھی آزادی کا مطالبہ کرنے کے لیے حرکت میں آیا اور سعد پاشا زغلول کی نگرانی میں ایک وفد مقرر کیا جو مصر کے مطالبوں کو پیش کرے اور اس کے تقاضوں کو ثابت کرے۔ چنانچہ انگریزی سلطنت نے انہیں ان کے ساتھیوں سمیت جزیرہ ''مالٹا'' بھیج دیا۔ جس پر مصری قوم نے ۱۹۱۹ء میں وہ بغاوت کی جو معروف ہے۔ اُن کا تقاضہ تھا کہ قید کیے گئے ساتھیوں کو رہا کیا جائے اور اُن کا معاملہ پیرس میں منعقد ہونے والی کانفرنس ''مؤتمر الصلح'' میں پیش کیا جائے۔

۱۹۲۰ء میں حکومت برطانیہ نے انہیں لندن آنے کی دعوت دی تا کہ مصری مطالبوں پر ان سے گفت و شنید کرے۔ چنانچہ یہ چند احباب کے ہمراہ گئے لیکن یہ گفتگو قوم کی امیدوں کو پورا نہ کر سکی۔ لہٰذا انہوں نے اس ملاقات کو ختم کر دیا اور مصر لوٹ آئے۔ قوم نے ان کا ایسا پر جوش استقبال کیا جیسا کہ کسی فاتح کا کیا جاتا ہے۔ انہوں نے پہلی ترتیب پر ہی جدوجہد شروع کر دی اور انگریزوں کی نیندیں حرام کر دیں چنانچہ انگریزوں نے انہیں ان کے چند ساتھیوں سمیت ایک مرتبہ پھر جزیرہ ''سیشل'' بھیج دیا۔ وہاں کچھ عرصہ رہے اور پھر جبل طارق منتقل ہو گئے اور بعد میں تمام ساتھیوں کو رہا کر والیا۔ پھر سعد پاشا فوراً فرانس چلے گئے اور کچھ عرصہ وہاں رہنے کے بعد مصر واپس لوٹ آئے۔ حکومت برطانیہ نے ۲۸ فروری ۱۹۲۲ء کو چار تحفظات کا آرڈر جاری کرنے کا اعلان کیا۔ چنانچہ ملک فؤاد اول نے شہروں کی خود مختاری کا اعلان کیا اور ۱۹۲۳ء میں دستور جاری کیا۔ وفد کو انتخابات میں بھاری اکثریت سے کامیابی ہوئی۔ سعد ۱۹۲۴ء کے شروع میں ریاسۃ الوزارۃ کے متولی بنے۔ پھر خود ہی اسی سال چھوڑ دی اور مجلس نواب کی صدارت اختیار کی اور اسی عہدہ پر قائم رہے یہاں تک کہ اللہ کو پیارے ہوئے۔

خطابت میں اُن کا مقام:

تاریخ مصر بلکہ اہل مشرق نے سعد جیسا خطیب نہیں دیکھا جو میٹھی زبان، بلند آواز، مضبوط حجت، خوبصورت لہجہ، شاندار بیان اور خوبصورت جیب ہو۔ وہ گفتگو میں شاعری کو پروتے تھے۔ اُن کے کلام میں تسلی بھی ہوتی اور لطف اندوز ہونا بھی۔ سنجیدگی اور مزاح دونوں

پہلوں کو اختیار کرتے وہ اپنے کلام میں شاعر کی طرح رقت آمیز اسلوب اختیار کرتے اور فلسفی کی طرح دقتِ نظر رکھتے اور موسیقی کی طرح خوبصورت انداز میں پیش کرتے۔

یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ سعد مضبوط آدمی تھے نوجوانی سے ہی زندگی کی دشواریوں اور کام کی مشکلات سے گزرتے تھے۔ پڑھائی کے زمانے سے ہی انہوں نے خود کو زبان اور قلم کے ادب سے خوب مانوس کیا اور حق کے میدانوں میں زندگی گزاری۔ چنانچہ ان کی عبقری شخصیت علم و معرفت میں کامل ہو چکی تھی اور خوب تجربہ اور مشق حاصل ہو چکی تھی۔ جس کی وجہ سے فی البدیہ کلام کرتے اور چار گھنٹے مسلسل گفتگو کرتے نہ ہچکچاتے، نہ تو تلا پن تھا، نہ ہی بے کار باتیں کرتے، نہ تکرار سے کام لیتے اور سامعین میں تازگی کو باقی رکھتے تھے۔ ان تمام صفات کے ساتھ ساتھ وہ جو بیان کرتے وہ لکھتے اور جو لکھتے اُسے بیان کرتے اور دونوں کاموں (خطابت وکتابت) میں عمدہ فکر، بلیغ زبان، خوبصورت خیالات، بہترین تعبیرات، درست قیاس اور مضبوط دلائل کو اختیار کرتے۔

نمونہ شاعری:

۱۹۲۱ء میں مصر لوٹنے کے بعد انھوں نے اس آواز کو مصری قوم تک پہنچایا:

لوگوں نے اپنے نواب کے لوٹنے پر بے مثال اس گرم جوشی سے استقبال کیا کہ ہر کاتب اور خطیب کو عاجز کر دیا۔ لوگ ہر طرف سے اپنے سینوں کی آگ بجھانے کے لیے اور زندہ شعور کو برانگیختہ کرنے کے لیے آنے لگے۔ ان کے جسم دلیری میں کانپ رہے تھے اور دل وطن کی سچی محبت کے ساتھ دھڑک رہے تھے۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا تا کہ وہ ان لوگوں کے گرد جمع ہو جائیں جنھوں نے ان کو اپنی خواہشات کا نشانہ بنایا۔ جو خوشی کے مظاہر ہم نے پائے، اس میں ہم نے حکمت، کرامت اور ثابت قدمی کی نشانیاں دیکھیں۔ یہی وہ صفات ہیں جن سے قومیں ترقی کرتیں ہیں اور جو قوموں کی سعادت کی ضامن ہیں اور میں نے ان مبارکبادیوں سے جن میں انہوں نے ہمیں ڈھانپا ہوا ہے دل میں ایسی گرمی محسوس کی کہ جو بڑی چٹان کو بھی پگھلا دے۔ ہم سب کے سب جو زندہ ہیں اور جو فوت ہو چکے ہیں اپنے وطن عزیز کی طرف جانے کے مشتاق ہیں اور ہمارے اس مطالبہ پر سب متفق ہیں کہ اس راستہ پر چلیں گے جو دینِ شریعت نے مقرر کیا ہے اور ہم اپنے وطن عزیز کے لیے تبھی مخلص ہو سکتے ہیں جب ہم اس بڑے امر کی اتباع کریں اور اس سیدھے راستے پر چلیں۔

ہم تمام شہروں کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے ہم پر اعتماد کر کے ہماری قدر و منزلت کو بڑھا دیا اور ہم اس وطن عزیز اور اس کے شعائر مقدسہ کی قسم کھاتے ہیں اور اس عظیم قسم میں ہمارے ساتھ ہمارے مخلص دوست بھی شامل ہیں کہ ہم اس اعتماد پر پورا اترنے کے لیے اپنی کوششوں میں کمی نہ کریں گے اور جس مقصد کو ہم نے طے کر لیا اُس کے حصول سے لحہ بھر بھی غافل نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ اُس کو پالیں۔

ہم نے یہ وعدہ اس لیے کیا ہے تا کہ ہم اپنے عزائم کو اپنے ہم مقصد ساتھیوں کے عزائم سے مضبوط کریں اور اُن کے مضبوط اتحاد کے ذریعے قوت حاصل کریں اور طویل دوری کے بعد اُن کی رؤیت سے متمتع ہوں۔ اور ہم اس بات پر ڈٹے ہوئے ہیں کہ اُن رسمی ملاقاتوں میں شرکت جن کی طرف جدید حکومت نے ہمیں بلایا ہے، صرف اس وقت ہو گی جب اُن اصولوں کو تسلیم کیا جائے جو قوم

نے پیش کیے اور جن کے احترام کا ہم نے عہد کیا ہے۔ ہمیں سب سے زیادہ محبوب یہ ہے کہ ہم متفقہ طور پر اپنے وطن کی ایسی خدمت کریں جو قوم کے ارادہ کے مطابق ہو اور اس کے عظیم مقصد کو پورا کرنے والی ہو۔

اب اس بات کی ضرورت ہے کہ ہر کوئی اپنے اپنے کام میں مشغول ہو جائے۔ طلباء مدرسے میں، کاشتکار کھیتوں میں، کاریگر اپنے پیشہ میں، تاجر اپنے کاروبار میں، کاتب اپنی کتابت میں اور عورت اپنے گھر کے کاموں میں مشغول ہو۔ ہر ایک امیر و فقیر پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہماری سرگرمیوں پر بھی نگاہ رکھے اور عالی مقصد کو اپنے سامنے رکھے اور اس کا یقین رکھے کہ جو وہ کام کر رہا ہے اس سے وطن عزیز کو ترقی حاصل ہو رہی ہے اور اس کی قوت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

ہم ہر میدان میں اپنے وطن کو سربلند رکھیں گے اور اس کی شان بڑھائیں گے۔ اللہ مصر کو خوب رونق بخشے۔

پانچویں فصل

شاعری

علوی امراء نے جو اہتمام اور توجہ علوم پر دی وہ ادب پر نہ دی چنانچہ شاعری باوجود یہ کہ بہت کم تھی، زمانہ ماضی کی طرح اسیر تقلید اور صنعت کی تابع رہی۔ پھر خدیو اسماعیل کے زمانہ میں عوامی تحریک کا ایک معمولی سا حصہ اسے بھی ملا اور اس کے مصاحبین ومقربین نے شاعری کی فضاء میں گونج پیدا کر دی مثلاً سید علی ابوالنصر، شیخ علی لیثی وغیرہ۔

اور اس تحریک کی وجہ سے شعراء کی توجہ ادب کی بڑی کتابوں کی طرف ہوئی اور خالص شاعری کے چشموں پر ان کا ورود ہونے لگا۔ بارودی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے اس وقت شاعری کا ستون قائم کیا اور اس کے مٹے ہوئے نشانات کو واضح کیا اور بڑے بڑے عباسی شعراء کے کلام کا گہرائی سے مطالبہ کیا اور اپنے زمانے کے نئے شعراء کے سامنے اسے پیش کیا چنانچہ وہ بھی جاہلی اور اسلامی شعراء کے کلام میں سے عمدہ کو حفظ کرنے لگے حتیٰ کہ طبائع شاعری خوش حال ہو گئیں اور ذوقِ صحیح ان کو حاصل ہو گیا اور اس میدان میں شعراء کے نشانات قدم ان کو مل گئے اور شاعری میں پھر سے الفاظ کی قوت اسلوب کی عمدگی مضبوط قافیہ بندی چمکدار مضامین آگئے جو بدیع وبلاغت کی صنعتی پیچیدگیوں سے عاری تھی لیکن اب ہمارے دور میں شاعری کا رخ تیزی سے خود مختاری و آزادی کی طرف پھر گیا۔ یورپی تہذیب کی اثر اندازی، غیر ملکی زبانوں کی تعلیم، نیز علمی تحریکوں کی سرگرمی کی وجہ سے شاعری جدید طرز اختیار کر رہی ہے شعراء اب نفوس میں گھس کر ان کا تجزیہ کرنے، اشخاص کی تحلیل، اشیاء کی تفصیل اور فطرت سے ہم کلام ہونے میں کوشاں ہیں۔

ان میں سے اکثر قدیم اسالیب وروایات سے الگ ہوتے جا رہے ہیں چنانچہ اب ان کے قصیدہ کی ابتداء خارج از موضوع مضامین مثلاً تغزل وتشبیب وغیرہ نہیں ہوتی کہ جس سے گریز کر کے اصل موضوع کی طرف آنا پڑے وہ پورے قصیدے کو ایک جاندار ہستی خیال کرتے ہیں جو ایک معین مقصد کے لیے کہا جاتا ہے اور اس کے تمام اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ موزون وہم آہنگ ہوتے ہیں، اختلافِ تربیت اور تبدیلی ماحول کی وجہ سے ان شعراء نے شاعری کے قدیم موضوعات مثلاً مدح، فخر، ہجاء، مذاق وآوارگی کو چھوڑ کر عوام کی ضرورت کے موضوعات کو اپنا لیا ہے مثلاً ماضی کی مجد وسروری کا مرثیہ، معاشرہ کے موجودہ نقائص وعیوب پر تنقید، خود مختاری

وآزادی کا مطالبہ وغیرہ تاہم ابھی ان میں کچھ گڑے مردے اکھیڑنے والے بھی ہیں جو ان کے کفن اتارتے اور ان کے طریقوں کو اپناتے ہیں یا مجاز وتشبیہ کے ضمن میں ان کی تعبیرات کی تقلید کرتے ہیں۔ حالانکہ اب دنیا بدل چکی ہے اور اس کے تقاضے بھی دگرگوں ہو چکے ہیں بہرحال ایسے لوگوں کو علمی تنقید اور عوامی نفرت و بیزاری ہی راہ راست پر لانے کے لیے مجبور کر سکے گی۔

بہت ہی افسوس کی بات ہے کہ اس وقت قوم کا ذہن جوش وولولہ سے معمور ہے اور ہمارے شعراء ہیں کہ ان پر جمود طاری ہے ان کی طبیعتوں کی جولانی ختم ہوگئی ہے حالانکہ شاعری کے موضوعات بہت زیادہ ہیں، قوم کے شعور واحساسات اور جذبات کی آگ بھڑک رہی ہے اور افکار میں انقلاب برپا ہے وہ تن من کی بازی لگا کر آزادی حاصل کرنے کے لیے جہاد کر رہی ہے اور یہ ہیں کہ فوج کو بغیر موسیقی کے چھوڑ کر دیواروں تلے بیٹھے انگڑائیاں لے رہے ہیں اور دھوپ میں بیٹھے جمائیاں لے رہے ہیں ہاں ایک شاعر بلبل ہے شوقی جو وقتاً فوقتاً طبیعتوں کی کدورتوں کو اپنے سریلے نغموں سے دور کرتا رہتا ہے اور مردہ قلوب میں روح پھونکتا رہتا ہے۔

جب حافظ اور شوقی کا ۱۹۳۲ء میں انتقال ہوگیا جن کے نام آخری دور کے شعراء میں سب سے اوپر ہے تو ان کی جگہ پُر کرنے کے لیے نوجوان شعراء مسابقت کرنے لگے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر میں بازار شاعری گرم ہوگیا۔ نئے شعراء نے اپنے نغموں سے فضاء میں چہل پہل پیدا کر دی اخبارات ورسائل شاعری کی چمک سے چمکنے لگے لیکن ان کی نرم ونازک آواز نے ابھی تک کانوں پر قبضہ نہیں جمایا اور نہ ہی قوم کی وحشت دور کی۔ شام میں بھی بلند پایہ شعراء پیدا ہونے لگے لیکن ہم سے دوری کی وجہ سے ان کی پوری آواز ہم تک نہ پہنچی بہرحال زمانہ جو بہترین نقاد ہے اور کھرے کو کھوٹے سے الگ کر کے صرف خالص اور حق چیز کو باقی رکھتا ہے وہی ان کوششوں پر فناء یا دوام کی مہر ثبت کرے گا۔

محمود سامی پاشا بارودی (وفات ۱۳۲۱ھ)

پیدائش وحالات زندگی:

یہ حسن بک حسنی کے بیٹے ہیں جو محمد علی پاشا کے عہد میں دنقلہ وبربر میں ناظم تھے قاہرہ میں پیدا ہوئے اور بچپن میں اپنے والد کی نگرانی میں خوش عیش زندگی گزاری لیکن ابھی سات برس کے بھی نہ ہوئے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اس کے بعد ان کے خاندان کے بعض افراد نے ان کی تربیت کا انتظام کیا اور انہیں فوجی سکول میں داخل کرا دیا، جہاں فوجی تربیت حاصل کرنے کے بعد وہ فوجی افسر بن کر نکلے۔ ساتھ ہی بچپن ہی سے انہیں شعر وشاعری کا بڑا شوق تھا۔ ہمیں یہ نہ پتہ چل سکا اس کا شوق انہیں کن اسباب کی بناء پر ہوا بہرحال وہ اپنے طور پر عربی کے بلند پایہ شعراء کے دواوین کا مطالعہ کرتے رہے اور جب جوان ہوئے تو نہایت فصیح وبلیغ گفتگو کرتے تھے اور نحو پڑھے بغیر ہی کلمات کو صحیح اعراب دیتے تھے۔ پھر اس نے جو شاعری حفظ کی تھی وہ زبان سے ظاہر ہونے لگی اور وہ مختلف موضوعات میں عمدہ شعری کرنے لگے، آستانہ کا سفر کیا اور وہاں فارسی وترکی زبان سیکھی اور ان کے ادب میں اتنا کمال حاصل کیا کہ وہ ان زبانوں کے شاعر سمجھے جانے لگے وہاں ۱۲۷۹ء میں خدیو اسماعیل کی خدمت میں پہنچے جس نے انہیں اپنا مقرب بنالیا اور ان کو مصر لے آئے یہاں وہ فوجی عہدوں میں ترقی کرتے رہے حتیٰ کہ ۱۲۹۴ء میں میجر جنرل کے عہدے پر فائز ہوئے اس دوران انہوں نے انگلینڈ وفرانس کے سفر بھی کیے جس سے ان کی ادبی قوت اور فنی معلومات میں اور اضافہ ہوا۔ وہ اس مصری فوج کے افسروں

میں سے تھے جس نے بلقان واقریطش کی بغاوت میں حکومت علیہ کی مدد کی اوران معرکوں میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

مصر آنے کے بعد وہ حکومت کے انتظامی عہدوں پر فائز رہے۔شرقیہ کے ناظم بنے پھر پولیس کے بڑے افسر بنے۔توفیق کے عہد میں وہ محکمہ اوقاف کے نگران رہے اور پھر لیفٹیننٹ جنرل کے عہدہ تک پہنچ گئے۔عربی انقلاب سے کچھ پہلے وہ محکمہ فوج کے نگران اور پھر شریف پاشا کے بعد وہ اس محکمہ کے سربراہ ہو گئے اس کے بعد ہی ہنگامہ بغاوت برپا ہو گیا فتنہ کی چنگاریاں اڑنے لگیں۔لوگوں میں عام چرچا تھا کہ بارودی اس انقلابی فتنہ کے قائد ہیں لیکن ان کے اشعار جو ہم آگے دے رہے ہیں اس الزام سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔

یہ بغاوت تب ختم ہوئی جب وادی نیل پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا حکومت نے باغیوں کو بطور سزا قید کیا اور انہیں جلاوطن کر کے جزیرہ سرندیپ بھیج دیا، انہی میں یہ شاعر تھا سترہ سال سے کچھ اوپر ہی جلاوطنی کی زندگی گزارتا رہا اور اس دوران اس نے انگریزی سیکھ لی اور عربی کی عمدہ نظمیں کہیں۔پھر خدیو عباس ثانی کی مہربانی سے ۱۳۲۷ھ میں انہیں معافی مل گئی اور شہری حقوق بھی دے دیے گئے اس کے بعد وہ پانچ سال زندہ رہے یہ زمانہ بڑھاپے کی وجہ سے مطالعہ کتب، احباب سے ملاقات اور شعر و شاعری کے پرسکون مشاغل میں گزرا۔موت سے کچھ پہلے ان کی آنکھیں جواب دے گئیں۔

شاعری:

اگر امرءالقیس کو شاعری کی تمہید اور قصیدہ گوئی میں فضیلت حاصل ہے اور بشار کو شاعری کو ترقی دینے اور حسین بنانے میں افضلیت ہے تو عربی شاعری کے احیاء وتجدید کا سہرا بارودی کے سر بندھا ہوا ہے اس وقت آخری صدیوں کی تاریکی واندھیری کی وجہ سے شاعری کی صورت بگڑ چکی تھی۔نظم ونسق بے ڈھنگا، تکلف کی کثرت، صنعت کی بھرمار، ناقص مضمون یہ سب خرابیاں تھیں لیکن بارودی نے شاعری کو چمکایا اس کو منظم وحسین بنایا لفظی ومعنوی رونق بخشی۔بارودی نے کچھ بلند پایہ شعراء مثلاً ابن المعتز، ابوفراس، رضی، طغرائی، وغیرہ کا کلام حفظ کر لیا تھا وہ اس سے بڑی حد تک متاثر اور اس کے رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ساتھ ہی انہیں ذوق سلیم اور احساس قوی بھی حاصل تھا۔چنانچہ ان سب چیزوں کے مل جانے سے ان کے پرزور وحسین اسلوب کا مرکب تیار ہوا اسی وجہ سے آپ کو ان کی شاعری کے مطالعہ کے وقت ایسا محسوس ہوگا کہ اس شاعری کے اردگرد بلند پایہ شعراء کی روحیں منڈلا رہی ہیں۔

بارودی نے جدید مضامین اور نیا اسلوب تو اختراع نہیں کیا لیکن پھر بھی وہ قادرالکلام شاعر ہے نغمہ وترنم سے عشق کی حد تک محبت ہے۔صنعت کی طرف بھی میلان ہے اسی لیے وہ معمولی معنی کو پرشوکت الفاظ میں اداء کرنے کو اس پر ترجیح دیتے تاکہ الفاظ معمولی ہوں اور معنی بلیغ ہو۔فخر، حماسہ اور وصف میں ان کی شاعری نہایت عمدہ ہے۔

اس کی تالیفات:

ان کی ایک کتاب "مختارات البارودی" چار حصوں پر مشتمل ہے جس میں انہوں نے عباسی شعراء میں سے تیس کے مختلف الموضوع اشعار کا انتخاب کیا ہے۔اپنے اس انتخاب میں وہی طریقہ اپنایا ہے جو ان کی شاعری کا ہے یعنی اولاً لفظی ومعنوی حسن پھر لفظی حسن پھر معنوی حسن پھر لفظی قبح کو ذکر کیا ہے۔ان کے اشعار کا مجموعہ حال ہی میں دو جلدوں میں مصر سے شائع ہوا ہے۔

شاعری کا نمونہ:

حماسہ و فخر میں کہتے ہیں:

ونقع كلج البحر خضت غماره   ولا معقلُ إلا المناصلُ والجُرد

جنگ اڑنے والا وہ کثیف غبار جو سمندر کے گہرے پانی کی طرح تھا میں اس میں گھس گیا جہاں تلواروں اور گھوڑوں کے سوا کوئی پناہ گاہ نہ تھی۔

صبرت له والموت يحمر تارةً   وينغلُ طوراً في العجاج فيسود

وہاں میں مقابلے میں ڈٹا رہا اور موت کی حالت یہ تھی کہ کبھی تو سرخ جوڑا پہن لیتی اور کبھی غبار میں کالے رنگ کی خوفناک شکل اختیار کر لیتی۔

فما كنت إلا الليث أنهضه الطوى   وما كنت إلا السيف فارقه الغمد

میں اس شیر کی طرح تھا جو بھوک میں حملہ کے لیے بپھرا ہوا ہو یا اس تلوار کی طرح جو بے نیام ہوگئی ہو۔

صؤول وللأبطال همسٌ من الونٰى   ضروب وقلبُ القرن في صدره يعدو

میں اس وقت حملہ کرتا ہوں جب بہادروں کے بھی پسینے چھوٹ رہے ہوتے ہیں اور اس وقت تلوار کا وار کرتا ہوں جب مدمقابل کا دل اس کے لیے سینے میں بری طرح دھڑک رہا ہوتا ہے۔

فما مهجة إلا ورمحي ضميرها   ولا لبة إلا وسيفي لها عقد

کوئی جان ایسی نہ تھی جس کو میرے نیزے نے چھیدا نہ ہو اور کوئی سینہ ایسا نہ تھا کہ میری تلوار اس کا ہار نہ بنی ہو۔

اپنی بیوی کے مرثیہ میں کہتے ہیں:

لا لوعتي تدع الفؤاد ولا يدي   تقوى على رد الحبيب الغادي

سوز و غم میرے دل کو چھوڑتا نہیں اور مجھ میں یہ طاقت نہیں کہ جانے والے محبوب کو واپس لے آؤں۔

يا دهر فيم فجعتني بحليلة   كانت خلاصة عدتي وعتادي؟

اے زمانے! تو نے مجھ سے میری بیوی کو کیوں چھین لیا وہی تو میری تمام کوششوں اور سارے مال و متاع کا حاصل تھی۔

إن كنت لم ترحم ضناي لبعدها   أفلا رحمت من الأسى أولادي؟

اگر اس کی جدائی میں میری بدحالی پر تجھے رحم نہ آیا تو کم از کم میرے بچوں کے رنج و غم پر ہی ترس کھا لیا ہوتا۔

ومن البلية أن يسام أخو الأسى   رعي التجلد وهو غير جماد

واقعی بڑی آزمائش ہے کہ ایک غم زدہ کو صبر کے لیے مجبور کیا جائے حالانکہ وہ پتھر کا بنا ہوا نہیں ہے۔

هيهات بعدك أن تقر جوانحي   أسفا لبعدك أو يلين مهادي

یہ بات ناممکن ہے کہ تمہارے بعد تمہارے غم میں مجھے قرار حاصل ہو جائے یا بستر پر مجھے چین نصیب ہو سکے۔

ولهی علیك مصاحب لمسیرتی والدمع فیك، ملازم لوسادی

دن کو جب میں چلتا ہوں تو تمہارا غم میرے ساتھ رہتا ہے اور رات کو تمہارے غم میں آنسوؤں کی وجہ سے میرا تکیہ تر رہتا ہے۔

فإذا انتهیت فأنت أول ذکرتی و إذا أویتُ فأنت آخرُ زادی

جب میں نیند سے بیدار ہوتا ہوں تو سب سے پہلے تمہاری یاد آتی ہے اور جب میں بچھونے پر آتا ہوں تو میرا آخری ساتھی تم ہی ہوتی ہو۔

ایک قصیدہ میں ذوق وشوق کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ردوا علی الصبی من عصری الخالی هل یعود سواد اللمة البالی!

میری گذشتہ عمر میں سے بچپنی زمانے کو واپس لا دو اور کیا میرے بوسیدہ بالوں کی سیاہی واپس آ سکتی ہے۔

من یدر من بات مسرورا بلذته أنی بنار الأسی من هجره صالی

جو عیش وآرام سے لذت ومزے میں رات گزار رہا ہے۔ اسے کیا خبر کہ میں اس کے ہجر وفراق کی آتش غم میں جلا جا رہا ہو۔

یا غاضبین علینا هل إلی عدة بالوصل یوم أناغی فیه إقبالی؟

اے ہم پر غصہ کرنے والو! کیا وعدہ وصل کی کوئی امید ہے کہ میں اس دن خوش بختی سے ہمکنار ہو جاؤں؟

غبتم فأظلم یومی بعد فرقتکم وساء صنع اللیالی بعد إجمالی

تم کیا گئے میرے تو دن تمہاری جدائی سے تاریک ہو گئے۔ اور وہ راتیں جو حسن سلوک سے پیش آتی تھیں بدسلوکی کرنے لگیں۔

فالیوم لا رَسنی طوع القیاد ولا قلبی إلی زهرة الدنیا بمیال

آج میں مجبور ہوں اور کبیدہ خاطر ہوں میرا دل دنیا کی زیب وزینت کی طرف مائل نہیں ہوتا۔

أبیت منفردا فی رأس شاهقة مثل القطامی فوق المرباء العالی

میں پہاڑ کی بلند چوٹیوں پر تنہا رات گزارتا ہوں اس شاہین کی طرح جو بلند آشیانے میں ہو۔

بغاوت کی آگ بھڑکانے والوں کو کہتے ہیں:

نصحت قومی: قلت الحرب مفجعة وربما تاج أمر غیر مظنون

میں نے اپنی قوم کو سمجھایا اور کہا کہ لڑائی سے بہت جانی و مالی نقصان ہوتا ہے اور بسا اوقات ایسا نتیجہ نکلتا ہے جس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔

فخالفونی وشبوها مکابرة و کان أولی بقومی لو أطاعون

لیکن انہوں نے میری بات نہ مانی اور ضد بازی میں آتش جنگ بھڑکا دی اگر وہ میری بات مان لیتی تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔

تأتي الأمور على ما ليس في خلدٍ و يخطيء الظن في بعض الأحايين

معاملات کبھی ایسی شکل اختیار کر لیتے ہیں جس کا وہم بھی نہیں ہوتا اور بعض اوقات گمان غلط ہو جاتا ہے۔

حتى إذا لم يعد في الأمر منزعة وأصبح الشر أمراً غير مكنون

یہاں تک کہ جب معاملہ ہاتھوں سے نکل گیا اور شر کھل کر سامنے آ گیا۔

أجبت إذ هتفوا باسمي ومن شيمي صدق الولاء ،وتحقيق الأظانين

تو انہوں نے میرا نام لے کر پکارا جس پر میں لبیک کہتے ہوئے حاضر ہوا۔ کیونکہ دوستی نبھانا اور اپنے سے وابستہ امیدوں کو سچ کر دکھانا میری عادت ہے۔

جلد وطنی کے بعد جزیرے کے محل کے پاس سے گزرتے ہوئے ایک قصیدہ کہا جس کے چند اشعار یہ ہیں۔ ان میں وہ عہد اسماعیلی کو یاد کرتا ہے:

هل بالحمى عن سرير الملك من يزع هيهات قد ذهب المتبوع والتبع

کیا بادشاہ کے تخت کو بچانے والا کوئی ہے ہائے سب آقا و غلام چل بسے۔

هذي الجزيرة فانظر هل ترى أحداً ينأى به الخوف أو يدنو به الطمع

یہ جزیرہ ہے ذرا یہاں نظر ڈالوں۔ کوئی ہے کہ جس سے خوف دور ہو یا لالچ اس کے قریب ہو۔

أضحت خلاء وكانت قبل منزلة للملك منها لوفد العز مرتبع

یہ ویران ہو گیا حالانکہ اس سے پہلے یہ بادشاہ کی فرودگاہ اور وفود کی آماجگاہ تھا۔

فلا مجيب يرد القول عن نباء ولا سميع إذا ناديت يستمع

اب کسی بات کا جواب دینے والا یہاں کوئی نہیں اور نہ تمہاری پکار کو کوئی سننے والا ہے۔

اسی قصیدہ میں دوسری جگہ کہتے ہیں:

زالوا فما بكت الدنيا لفرقتهم ولا تعطلت الأعياد والجمع

وہ چلے گئے لیکن نہ تو ان کے جانے پر دنیا روئی اور نہ ہی عید اور جمعے پڑھنا بند ہو گئے۔

والدهر كالبحر لا ينفك ذا كدر وإنما صفوه بين الورى لمع

زمانہ تو سمندر کی طرح ہے جو گدلا ہوتا رہتا ہے اس میں صرف وہی چیز خالص ہے جو مخلوق کے درمیان چمکدار ہے۔

لو كان للمرء فكر في عواقبه ما شاب أخلاقه حرص ولا طمع

اگر آدمی کو انجام کی فکر ہو تو اس کے اخلاق میں حرص و طمع داخل نہ ہو۔

اسماعیل صبری (وفات ۱۹۲۳ء)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

یہ فن کار شاعر نیل کے ساحلی علاقہ میں پیدا ہوا اور وہیں پرورش پائی۔ اسماعیل پاشا کے زمانے میں جوان ہوا۔ اس زمانہ میں ترقی وتمدن اور ادب کا دور دورہ تھا۔ ان کو جدید مدرسہ نظامیہ میں داخل کیا گیا اور مبتدیوں سے ترقی کرتا ہوا اٹھارہ سال کی عمر میں اعلیٰ تعلیم میں پہنچ گیا۔ اس زمانہ میں طلباء کے ادبی رسالہ روضۃ المدارس کے ابتدائی کئی شمارے شائع ہو چکے تھے۔ اس رسالہ کو لکھنے والوں میں اس زمانہ کے عمدہ قلم کار مثلاً رفاعہ بک، شیخ حسین مرصفی، استاذ بارودی، عبداللہ فکری، صالح مجددی وغیرہ شامل تھے۔ یہ رسالہ ایک ماہ میں دو بار نکلتا تھا۔ اس میں مختلف موضوعات کے مضامین اور منتخب نثر واشعار ہوتے تھے۔ صبری بہت غور وخوض سے ان کا مطالعہ کرتا اور عمدہ مضامین کا اقتباس کر کے اس کے طرز کی نقل کرتا۔ اس کی طبیعت میں قوی ملکہ، پختہ صلاحیت اور ذوق سلیم بھی تھا جو اس کی رہنمائی کرتا تھا۔ اس نے خدیو کو مبارکبادی دینے کے لیے کچھ قصیدے بھی کہے جن کو اس رسالہ میں شائع کیا اور اس وقت اس کی صرف سولہ سال عمر تھی۔ پھر وہ مصر سے یورپ جانے والے تعلیمی گروپ میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے فرانس گیا اور وہاں کی ایکس یونیورسٹی سے ۱۸۷۸ء میں قانون کی ڈگری لی اور اس دوران یورپی تہذیب کا قریب سے مطالعہ کیا اور فرانسیسی ادب کا ذائقہ چکھا۔ یہاں اس کی صلاحیتوں کو علم وفن اور جمال کا وافر حصہ ملا اور وہ خوب پھلی پھولیں چنانچہ جب مصر واپس آیا تو وہ عدالتی عہدوں پر ترقی کرتا ہوا صوبہ اسکندریہ کے گورنر بنائے گئے۔ پھر وہاں سے قانونی کونسل میں تبادلہ ہو گیا۔ ایک مدت تک وہاں کام کرتے رہے۔ پھر پنشن کی عمر کو پہنچنے کی وجہ سے سب نوکریاں چھوڑ دیں اور گھر میں ادبی صحبتوں اور شعر وشاعری کی مجالس گرمانے لگے اور قوم کو اپنے افکار وجذبات شاعری کے خوبصورت نغموں کی صورت میں پیش کرنے لگے ان کا گھر شاعروں اور ادیبوں کا مرکز بنا رہتا۔ یہ لوگ شبانہ محفلوں میں آ کر اپنے اشعار سناتے جنہیں صبری ماہر نقاد کی حیثیت سے پرکھتا اور استاذ کی حیثیت سے درست کرتا حتیٰ کہ سب اسے استاذ کے نام سے یاد کرتے اور ان کی علمی برتری تسلیم کر لی گئی۔ یہ سلسلہ چند سال تک چلتا رہا حتیٰ کہ انہیں قلبی عارضہ شروع ہو گیا چند سال تو وہ اس کا مقابلہ کرتا رہا آخر کار ۱۹۲۳ء میں جب اس کی عمر انہتر سال کی ہوئی تو موت نے اس کو پچھاڑ دیا۔

شاعری:

ہمارا فطری وجدانی شعراء کے بارے میں یہ تجربہ ہے کہ وہ عین شباب اور بہار حیات کمال حاصل کرتے ہیں جبکہ جذبات جوان، احساسات برانگیختہ، امیدیں بھرپور، اور زندگی تر وتازہ ہوتی ہے۔ لیکن صبری نے باوجود کہ خالص وجدانی شاعر ہے بارودی کی طرح صغرسنی میں کمال حاصل نہیں کیا بلکہ چالیس کے لگ بھگ میں کمال حاصل کیا اس میں یہ ملکہ مرور زمانہ، طویل مشقت اور مسلسل غور ونظر سے پیدا ہوا۔ جوانی میں اس کی شاعری تقلیدی اور غیر محکم تھی اور اس میں فکری خامی تھی اس کی حیثیت ایک ناتمام کوشش کی سی تھی، لیکن اللہ نے اس کو ذوق سلیم عطا فرمایا اور نقاد طبع بنایا چنانچہ اس نے اپنی شاعری میں عمدہ الفاظ اور نادر معانی سموئے اور وہ بحتری کی طرح محبت، دوستی، جمال اور موت کے موضوعات پر اشعار کہتا تھا پھر وہ ان غنائیہ قطعات کو جو اس کی روح کی ترجمانی اور طبیعت کی

عکاسی کرتے اور ہم عصر شعراء کے اشعار کے مقابلے میں امامت کے عہدے پر ہوتے، نہایت ترنم وسوز کے ساتھ پڑھتا۔ بقول مطران صبری اکثر کوئی اہم واقعہ دیکھ کر یا انوکھی بات سن کر یا کتاب کا مطالعہ کر کے جو اثر لیتا اسی کو شاعری میں بیان کر دیتا اشعار کی بہت چھانٹ کانٹ کرتے اور انہیں خوب الٹ پلٹ اور تبدیلی کرتے یہاں تک کہ جب وہ لفظی نزاکت اور فصاحت اسلوب کے لحاظ سے اس کے ذوق سلیم کے مطابق ہو جاتے تو ان کو چھوڑ دیتا اور بھول جاتا۔ وہ اپنے مقصود کو دو چار یا چھ اشعار میں نظم کر دیتا تھا اور اس سے تجاوز نہ کرتا تھا الا یہ کہ قصیدہ کا ارادہ ہو لیکن وہ بہت کم ہوتا تھا۔

شاعری کا نمونہ:

غزل میں کہتے ہیں:

یا لواء الحسن، أحزاب الهوى　　أيقظوا الفتنة فى ظل اللواء

اے حسن کی فوج اے عشق کے لشکر! اپنے جھنڈے کے نیچے فتنوں کو جگاؤ۔

فرقتهم فى الهوى ثاراتهم　　فاجمعى الأمر وصونى الأبرياء

محبت میں معشوقوں کے حملوں نے انہیں جدا جدا کر دیا ہے اے محبوبہ تو ان کو جمع کر اور جو بے گناہ ہیں ان کو بچا لے۔

إن هذا الحسن كالماء الذى　　فيه للأنفس، رى وشفاء

بے شک حسن اس پانی کی طرح ہے جو جانوں کی سیرابی اور صحت وشفاء کا باعث ہے۔

لا تذودى بعضنا عن ورده　　دون بعض، واعدلى بين الظماء

لہٰذا تو ہم میں سے کسی کو سیراب ہونے سے نہ روک اور اس بارے میں کسی سے امتیازی سلوک نہ کر۔

أنت يم الحسن فيه ازدحمت　　سفن الآمال يزجيها الرجاء

تو حسن کا سمندر ہے اے محبوبہ! جس میں آرزوؤں کی کشتیوں کا ہجوم ہے جنہیں امید چلا رہی ہے۔

يقذف الشوق بها فى مائج　　بين لجين: عناء وشقاء

شوق انہیں کوفت ومشقت کے دو گہرے گڑھوں میں پھینک رہا ہے۔

شدة تمضى وتأتى شدة　　تقتفيها شدة، هل من رجاء

ایک مصیبت جاتی ہے تو دوسری آ جاتی ہے۔ یہاں سختیاں ہی سختیاں ہیں کیا ان سے نجات کی کوئی امید ہے۔

ساعفى آمال أنضاء الهوى　　بقبول من سجاياك رخاء

محبت وعشق کے قتیلوں کی آرزوؤں کی لاج رکھ کیونکہ تو بہت نرم خو ہے۔

وتجلى واجعلى قوم الهوى　　تحت عرش الشمس بالحكم سواء

اپنا جلوہ دکھا اور سورج کی روشنی تلے اپنے تمام عشاق کو ایک نظر سے دیکھ۔

أقبلى نستقبل الدنيا وما　　ضمنته من معدات الهناء

تو ہماری طرف متوجہ ہو جا ہم دنیا اور اس کی آسائشوں کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔

وأسفري، تلك حلي ما خلقت لتواري بلثام أو خباء

اپنے چہرے کو نقاب سے آزاد کر یہ چہرہ اس لیے نہیں کہ نقابوں اور حجابوں میں چھپا رہے۔

واخطري بين الندامى يحلفوا أن روضا راح في النادي وجاء

ان عاشق مزاج رندوں کی محفل سے گزر جا تا کہ یہ حلفیہ کہہ سکیں کہ ایک باغ مجلس میں آ کر گیا ہے۔

وانطقي، ينثر إذا حدثتنا ناثر الدر علينا ما نشاء

اور تو ہم کلام ہوتا کہ تیری باتوں سے ہم پر وہ موتی بکھریں جن کے ہم خواہاں ہیں۔

وابسمي، من كان هذا ثغره يملأ الدنيا ابتساما وازدهاء

اور مسکرا کیونکہ جسے یہ حسین موتی دیئے گئے ہیں وہ ساری دنیا کو جگمگا دے گی۔

لا تخافي شططا من أنفس تعثر الصبوة فيها بالحياء

ان نفوس کی بے راہ روی سے نہ ڈر کہ ان میں عشق و مستی حیاء کے ساتھ اٹھکھیلیاں کر رہی ہے۔

راضت النخوة من أخلاقنا وارتضى آدابنا صدق الولاء

جرأت و تکبر ہمارے اخلاق میں راسخ ہیں اور دوستی میں خلوص و وفا ہمارا شیوہ ہے۔

فلو امتدت أمانينا إلى ملك ما كدرت ذاك الصفاء

اگر ہماری یہ آرزوئیں آگے بڑھ کر فرشتوں تک پہنچ جائیں تو ان کی پاکیزگی وصفائی میں ذرا خلل نہ آئے گا۔

أنت روحانية، لا تدعي أن هذا الشكل من طين وماء

اے محبوبہ! تو روحانی پیکر ہے یہ نہ کہہ کہ یہ شکل و صورت مٹی اور پانی سے بنی ہے۔

وانزعي عن جسمك الثوب يبن للملا تكوين سكان السماء

اپنے جسم سے یہ لباس ہٹا دے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آسمانی مخلوق کیسی ہوتی ہے۔

وأرى الدنيا جناحي ملك خلف تمثال مصوغ من ضياء

اور اس روشنی سے ڈھلی ہوئی مورتی کے پیچھے سے دنیا کو فرشتہ کے دو باز و دکھا دے۔

رخصت ہونے کے وقت کہتا ہے:

أترى أنت خاذلي ساعة التود يع يا قلب في غد أم نصيري

اے دل ذرا یہ تو بتا کہ دم وداع تو میرا ساتھ چھوڑ دے گا یا میری مدد کرے گا۔

ويك! قل لي متى أراك بجنبي - راضيا عن مكانك المهجور

تیرا برا ہو! مجھے یہ تو بتا کہ میں تجھے اپنے پہلو میں جو تیری چھوڑی ہوئی جگہ ہے کب مسرور و شاداں پاؤں گا۔

ساعة البين قطعة أنت قدت للمحبين من عذاب السعير

اے جدائی کی گھڑی تو عاشقوں کے لیے جہنم کے عذاب سے کاٹ کر لائی گئی ہے۔

لا تحيني، زوجي الفداء لما حيـ ـك غدا من صحيفة المقدور

اے جدائی کی گھڑی میرے سامنے نہ آ میری جان فداء ہو اس پر جو کل تجھے صفحہ ہستی سے مٹا دے گی۔

نیز کہتا ہے:

أقصر فؤادي فما الذكرى بنافعة ولا بشافعة في رد ما كانا

اے دل بس کر اب یاد کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہی اس یاد کی سفارش سے دل کی وہ پہلی حالت واپس آ سکتی ہے۔

سلا الفؤاد الذي شاطرته زمنا حمل الصبابة فاخفق وحدك الآنا

اے دل تیرا وہ حصہ جس کی صحبت میں تو زمانہ دراز تک رہا اب وہ بدل گیا لہٰذا تو اکیلا ہی پھڑکتا رہ۔

نیز کہتا ہے:

تمسي تذكرنا الشباب وعهده هيفاء مرهفة القوام فتذكر

نازک بدن، پتلی کمر والی محبوبہ ہمیں جوانی اور اس کا زمانہ یاد دلاتی ہے تو ہم اسے یاد کرنے لگتے ہیں۔

تثب القلوب إلى الرءوس إذا بدت وتطل من حدق العيون وتنظر

جب وہ ظاہر ہوتی ہے تو دل اچھل کر سروں میں آ جاتے ہیں جہاں وہ آنکھوں کے پپوٹوں سے جھانک کر دیکھنے لگتے ہیں۔

دوستی کے بارے میں کہتا ہے:

إذا خانني خل قديم وعقني وفوقت يوما في مقاتله سهمي

جب کوئی پرانا دوست بے وفائی کرتا ہے اور میں اس کو مارنے کے لیے اپنا تیر سیدھا کرتا ہوں۔

تعرض طيف الود بيني وبينه فكسر سهمي فانثنيت ولم أرم

تو مجھے پرانا دوستی کا زمانہ یاد آ جاتا ہے اور وہ میرے تیر کو توڑ دیتا ہے تو میں باز آ جاتا ہوں اور اسے نہیں مارتا۔

موت سے کہتا ہے:

يا موت خذ ما أبقيت الـ أيام والساعات مني

اے موت! دنوں اور گھنٹوں نے میری زندگی کا جو بقیہ حصہ چھوڑ دیا ہے تو اسے لے لے۔

بيني وبينك خطوة إن تخطها فرجت عني

میرے اور تیرے درمیان صرف ایک قدم کا فاصلہ ہے جسے بڑھا کر تو میری مشکلات آسان کر سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے ہوئے کہتا ہے:

يا رب أين ترى تقام جهنم للظالمين غداً وللأشرار

اے میرے پروردگار میں یہ تو معلوم کر نہیں سکتا کہ کل ظالموں اور مجرموں کے لیے جہنم کہاں ہوگی۔

لم يبق عفوك في السموات العلى والأرض شبراً خالياً للنار

تیرے وسیع عفو نے زمین پر اور آسمانوں پر جہنم کے لیے ایک بالشت بھی جگہ خالی نہیں چھوڑی۔

يا رب أهلني لفضلك واكفني شطط العقول وفتنة الأفكار

پروردگار مجھے اپنے فضل کا اہل بنا اور عقول و افکار کی بے راہ روی سے محفوظ رکھ۔

ومر الوجود يشف عنك لكي أرى غضب اللطيف و رحمة الجبار

اس وجود کے حجاب کو دور ہونے کا حکم دیجئے تاکہ میں مہربان کا غضب اور جبار کی رحمت دیکھ سکوں۔

يا عالم الأسرار حسبي محنة علمي بأنك عالم الأسرار

اے رازوں کو جاننے والے! میرے لیے یہی بات کافی ہے کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ عالم اسرار ہیں۔

أخلق برحمتك التي تسع الورى ألا تضيق بأعظم الأوزار

تیری وہ ہمہ گیر رحمت جو ساری دنیا پر چھائی ہوئی ہے اُن سے یہی امید ہے کہ وہ بڑے گناہ کے لیے بھی تنگ نہ ہوگی۔

احمد شوقی (وفات ۱۹۳۲ء)

پیدائش اور حالات زندگی:

احمد شوقی بن احمد شوقی قاہرہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پروان چڑھے۔ اپنے خاندان کے متعلق انہوں نے اپنے والد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ کرد عرب تھے۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ان کے باپ (شوقی کا دادا) اس ملک میں جوانی میں آئے تھے اور ساتھ میں احمد پاشا جزار کی ایک سفارشی چٹھی بھی والی مصر محمد علی پاشا کے نام لائے تھے جس پر والی مصر نے انہیں اپنے مصاحبین میں شامل کر لیا پھر وہ مختلف بڑے عہدوں پر کام کرتے رہے حتی کہ سعید پاشا نے انہیں محکمہ محصولات کا امین مقرر کر دیا۔

شوقی کے والد بہت خرچ کرنے والے تھے چنانچہ انہوں نے جو کچھ اپنے والد سے ورثہ میں پایا سب اڑا دیا۔ شوقی کی ابتدائی پرورش ان کی نانی نے کی جو اسماعیل پاشا کے زمانہ میں محل کی ایک ملازمہ تھی۔ جب شوقی چار برس کا ہوا تو انہیں حنفی محلہ کے مدرسہ شیخ صالح میں داخل کرا دیا گیا۔ ابتدائی اور ثانوی تعلیم سے چھوٹی عمر میں فراغت حاصل کر کے کالج میں داخل ہو گئے وہاں دو سال گذار کر اس کالج میں کھولے جانے والے شعبہ ترجمہ میں منتقل ہو گئے جہاں دو سال مزید گزارے پھر خدیو توفیق نے انہیں اپنے عملہ میں لے لیا اور اپنے خرچ پر انہیں قانون وادب کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے فرانس بھیج دیا جہاں انہوں نے دو سال مونپلیہ اور دو سال پیرس میں تعلیم حاصل کی۔ پھر واپس آ کر خدیو عملہ میں اپنا عہدہ سنبھال لیا اور آہستہ آہستہ ترقی کرتے رہے حتی کہ خدیو عباس ثانی کے عہد میں وہ یورپین ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ بن گئے اور اس حاکم کے دل میں انہوں نے اتنی جگہ پیدا کر لی کہ وہ کسی فیصلہ میں ان کی سفارش رد نہ کرتا اور ان کے کسی مشورہ کی مخالفت نہ کرتا، جب پہلی جنگ عظیم برپا ہوئی اور انگریزوں نے اپنی استعماری قوت کی وجہ سے خدیو

عباس کو مصر کے تخت سے اتار دیا تو ارباب حل وعقد کا مشورہ ہوا کہ شوقی بھی مصر کو خیر آباد کہہ دے۔ چنانچہ یہ مع اہل وعیال ہسپانیہ کے ایک صوبہ ہرشلونہ میں چلے گئے اور جب تک عالمی امن قیام پذیر نہ ہوا مصر واپس نہ آئے لیکن واپس آنے کے بعد سابقہ حکومت سے پختہ تعلقات اور جلا وطن کیے ہوئے خدیو کی مدح میں کہے ہوئے قصائد کی وجہ سے شاہی محل سے ان کے تعلقات استوار نہ ہو سکے۔ چنانچہ شاعر نے اپنے افکار واشعار کا رخ قوم کی طرف پھیر دیا۔ قومی شعور واحساسات کی ترجمانی کرتا رہا اور اسے مصروف جہاد رکھنے کے لیے نغمات پڑھاتا رہا حتیٰ کہ صرف مصر ہی نہیں بلکہ تمام عالم عربی ان کے اس احسان کے گن گانے لگا، قوم نے شاہی پیرا ہاؤس میں اس شاعر کے اعزاز میں ایک جشن عام منایا جس میں جلالۃ الملک فواد الاول کی سرپرستی میں مصر اور دیگر عربی ممالک کے معزز لوگوں نے حصہ لیا، شوقی قوم کی نظروں میں مسلسل عزت واحترام حاصل کرتا رہا اور اس کی شاعری پر ملک وقوم کی حمایت ومدافعت کا یہی جذبہ غالب رہا حتیٰ کہ ۱۹۳۲ء میں یہ اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔ ان کی وفات پر شاہی پیرا ہاؤس میں وزارت تعلیم اور دیگر ارباب علم وادب نے ایک تعزیتی محفل منعقد کی جس میں ملک معظم کے نمائندے نے شرکت کی۔

شاعری:

تمام نقاد اس بات پر متفق ہیں کہ شوقی ان دس صدیوں کا نعم البدل ہے جن میں متنبی کے بعد کوئی ایسا عربی شاعر موہوبی صلاحیت رکھنے والا نہیں آیا جو وحی افکار کے منقطع سلسلہ کو جاری کرتا اور ادب کے فرسودہ اسلوب میں نئی روح پھونکتا۔

شوقی کی شاعری نرم طبیعت، سچا احساس، ذوق سلیم اور روح قوی سے پھوٹ کر نکلتی تھی چنانچہ اس میں عمدہ روانی اور پختہ بندش پائی جاتی ہے اور وہ ہر قسم کے عیب، لغو وحشو، اضطراب وایجاز سے پاک صاف ہوتی ہے۔ متنبی کی طرح شوقی بھی ہر طرح کے لوگوں سے میل جول رکھنے کی وجہ سے ان کی طبیعتوں جذبات ومیلانات سے باخبر تھا اور ان کی صحیح ترجمانی کرتا تھا اور متنبی کی طرح نادر شعر، ضرب المثل اور عمدہ حکمت بھی نظم کرتا تھا۔ اور ان اشیاء کی بلا ارادہ مدح ووصف اور مرثیہ کے تحت مناسب موقعوں پر لے آتا تھا۔ اسی طرح گہرے مطالب ومضامین اور عمیق معانی کو نظم کرنے میں بھی متنبی سے کم نہیں جن میں انسانی ذہن ڈوب جاتا ہے لیکن ان کی تہہ یا ساحل کہیں نہیں ملتا۔ اس کی شاعری کے اکثر مضامین اس کے خود ساختہ ہیں بہت کم دوسروں سے لیے ہیں۔ موقع محل اور کلام کی مناسبت سے اس کے الفاظ مختلف شکلیں اختیار کر لیتے ہیں لیکن پھر بھی اس کے ایک بڑے حصہ پر شوقی کی ظرافت، طبعی شگفتگی، اور شیرینی روح کی جھلک پائی جاتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ آزاد طبع ہو کر شاعری کرتا ہے تو اس میں کچھ ایسا عنصر بھی شامل ہو جاتا ہے جو اس کے شایانِ شان نہیں ہوتا۔

شوقی اپنے دین کا پابند اور فن وزبان کا محافظ ہے چنانچہ آپ کو اس کے کلام میں جا بجا انبیاء، خلفاء، الہامی کتب اور مقدس مقامات کا ذکر ملے گا۔ وہ عباسی دور کے بلند پایہ شعراء کی طرز پر شاعری کرتا ہے اور اپنی شاعری کے لیے طویل بحریں منتخب کرتا ہے۔ نو مولود اوزان پر اس کی شاعری بہت کم ہے۔ اسی طرح ایک قصیدہ کے قافیہ میں بھی بہت کم تنوع کرتا ہے تاہم قدیم اسلوب کی پابندی اس کی راہ میں اس طرح حائل نہ ہو سکی کہ وہ عربی شاعری کی کمی کو پورا نہ کر سکتا۔ اس سے پہلے عربی شاعری غنائی تھی جسے شاعر اپنی طبیعت سے پیدا کرتا اور اپنے دل سے نکالتا۔ شوقی نے آ کر قصصی وبیانیہ شاعری کی بنیاد ڈالی اور وطنیت نیز عمومی حوادث کے

موضوعات پر طویل نظمیں کہیں جن کی مثالیں آپ ''دول العرب'' کے ارجوزۃ اور ''وادی النیل'' کے قصیدہ میں دیکھ سکتے ہیں۔
پھر اس نے ڈرامائی شاعری کی طرف توجہ دی اور اپنے مشہور ڈرامے نظم کیے مثلاً قلوپطرہ کی تباہی، مجنوں لیلیٰ، قمبیز، علی الکبیر، عنترہ، الست ہدیٰ۔ اپنی انہی جدت طرازیوں کی وجہ سے وہ عربی کا باکمال شاعر کہلایا۔ اس کی شاعری کا ایک دیوان ہے جو چار جلدوں پر مشتمل ہے علاوہ ازیں اس کی شاعری کے کچھ اور مجموعے بھی ہیں مثلاً کتاب عظماء الاسلام اور بچوں کے لیے نظموں اور ترانوں کے مجموعے۔
شوقی کی مسجع نثر بھی ہے جو صرف وزن نہ ہونے کی وجہ سے اس کی شاعری سے مختلف ہے اس نے اپنی نثر کا ایک بڑا حصہ جمع کیا ہے اور اس کا نام ''اسواق الذہب'' رکھا ہے۔ اس نے آزاد نثر میں کچھ کہانیاں بھی لکھی ہیں جن میں ''ورقۃ الآس، مذاکرات بنتاؤر، اور امیرۃ الاندلس قابل ذکر ہیں۔

شاعری کا نمونہ:

ایک قصیدہ میں دمشق کے وصف میں کہتا ہے:

آمنت باللّٰه واستثنیت جنته　　دمشق روح وجنات وریحان

میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں اور اس کی جنت کا استثناء کر کے کہتا ہوں کہ دمشق ارض جنت ہے یہاں ہر قسم کی آرائش و آسائش ہے۔

قال الرفاق وقد هبت خمائلها　　الأرض دار لها (الفيحاء) بستان

جب یہاں کے گھنے درختوں کے جھنڈ جھومے تو ساتھیوں نے کہا ساری زمین لوگوں کے لیے مکان کی طرح ہے لیکن اس کا چمن فیحاء ہے۔

جرى وصفق يلقانا بها (بردى)　　كما تلقاك دون الخلد رضوان

یہاں داخل ہوتے وقت تیز رفتار اور تھپیڑے مارتا ہوا دریا بردی اس طرح ہمارا استقبال کرتا ہے جیسے جنت میں داخلے کے وقت رضوان تمہارا استقبال کر رہا ہو۔

دخلتها وحواشيها زمردة　　والشمس فوق لجين الماء عقيان

جب میں اس میں داخل ہوا تو اس کے مضافاتی علاقے زمردیں تھے اور چاندی جیسے پانی پر سورج سونا بنا ہوا تھا۔

والحور في (دمر) أو حول (هامتها)　　حور كواشف عن ساق وولدان

''دمر'' اور ''ہامۃ'' کے ارد گرد پھیلے حور کے درخت ایسے لگ رہے تھے گویا وہ حور وغلمان ہیں جن کی پنڈلیاں کھلی ہوئیں برہنہ ہیں۔

و (ربوة) الواد في جلباب راقصة　　الساق كاسية والنحر عريان

اور وادی کا ربوہ ایسا لگ رہا ہے جیسے فراک پہنے رقص کر رہا ہو جس کی پنڈلیاں ڈھکی ہوئیں اور سینہ عریاں ہے۔

والطير تصدح من خلف العيون بها　　وللعيون كما للطير ألحان

چشموں کے پیچھے سے پرندے چہچہار ہے ہیں اور خود چشموں سے بھی پرندوں کی سی چہچہاہٹ نکل رہی ہے۔

وأقبلت بالنبات الأرض مختلفاً　　أفوافه فهو أصباغ وألوان

زمین پر مختلف پھل، پھولوں والے پودے اُگ آئے ہیں جن کی وجہ سے وہ رنگ برنگی بنی ہوئی ہے۔

وقد صغى (بردى) للريح فابتردت　　لدى ستور حواشيهن أفنان

دریائے بردی ہوا سے کان لگائے ہوئے ہے جس کی وجہ سے وہ ہوا دریا پر اگے ہوئے درختوں کی شاخوں کے پیچھے غسل کر کے ٹھنڈی ہوگئی ہے۔

ثم انثنت لم يزل عنها البلال ولا　　جفت من الماء أذيال وأردان

پھر جب وہ ہوا وہاں سے پلٹی تو اپنے اندر نمی لے کر آئی اور اس کے دامن و آستین کا پانی ابھی تک خشک نہیں ہوا۔

ایک طویل قصیدہ میں سفر اندلس کا وصف کرتے ہوئے کہتا ہے:

اختلاف النهار والليل ينسي　　أذكرا لي الصبا وأيام أنسي

دن، رات کا ادل بدل کر آنا بہت سے واقعات کو بھلا دیتا ہے۔ اے میرے دوستو! میرے بچپن اور میری محبت کے دن مجھے یاد دلاؤ۔

وصفا لي ملاوة من شباب　　صورت من تصورات ومس

اور تھوڑی دیر کے لیے میرے سامنے ایام شباب کا تذکرہ کرو جو تصورات و احساس کی آمیزش سے رونما ہوا تھا۔

عصفت كالصبا اللعوب ومرت　　سنة حلوة ولذة خلس

اور جو اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی بادِ صبا کی طرح گزر گیا جیسے میٹھی نیند اور آنکھ کی جھپک کے ساتھ ختم ہو جانے والی لذت۔

وسلا مصر: هل سلا القلب عنها　　أو أسا جرحه الزمان المؤسي

اور اے دوستو! ذرا مصر سے پوچھو کیا دل اس کی یاد کو بھلا چکا یا اس کی یاد کے زخم کو گزرا ہوا زمانہ مندمل کر سکا۔

كلما مرت الليالي عليه　　رق والعهد في الليالي تقسي

جب بھی راتیں گزرتی ہیں تو وہ دل نرم ہو جاتا ہے حالانکہ مرورِ زمانہ راتوں میں سختی پیدا کرتا۔

مستطار إذا البواخر رنت　　أول الليل أو عوت بعد جرس

جب بھی ابتدائی رات میں جہاز کی آواز یا گھنٹی کے بعد اس کی سیٹی سنتا ہوں تو دل بلیوں اچھلنے لگتا ہے۔

أحرام على بلابله الدو　　ح حلال للطير من كل جنس

کس قدر حیرانگی کی بات ہے کہ چمن کے گھنے درخت چمن کی بلبلوں کے لیے حرام ہو جائیں اور اس کے علاوہ ہر جنس کے پرندے کے لیے حلال ہوں۔

اسی قصیدہ میں دوسری جگہ کہتا ہے:

کل دارٍ أحق بالأهل إلا في خبيث من المذاهب رجس

ہر جگہ اپنے اہل کے لیے زیادہ لائق وحق دار ہے سوائے اس جگہ کے جس کو غلط طریقوں (استعماری ہتھکنڈوں) سے کام لے کر گندہ اور ناکارہ کر دیا ہو۔

نیز کہتا ہے:

وطني لو شغلت بالخلد عنه نازعتني إليه في الخلد نفسي

اے وطن! اگر مجھے تجھ سے نکال کر جنت میں بھی بھیج دیا جائے تو بھی میرا دل تیری طرف کھنچتا رہے گا۔

شهد الله لم يغب عن جفوني شخصه ساعةً ولم يخلُ حسي

خدا گواہ ہے کہ تیرا ماحول ایک پل بھی میری آنکھوں اور شعور سے اوجھل نہ ہو سکا۔

محمد حافظ ابراہیم (وفات ۱۳۵۰ھ)

پیدائش اور حالاتِ زندگی:

محمد حافظ ابراہیم اسیوط کے شہر دیروط میں ۱۸۷۰ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ اس وقت ان کے والد ابراہیم فہمی یہاں پلوں کی تعمیر کی نگرانی کرنے والے انجینئروں میں تھے۔ ابھی ان کی عمر دو سال ہی تھی کہ والد فقیری و تنگ دستی کی حالت میں دیروط میں فوت ہو گئے اس کے بعد ان کی والدہ ان کو قاہرہ میں ان کے ماموں کے پاس لے آئیں جس نے ان کو مدرسہ خیریہ میں داخل کرا دیا اس کے بعد مدرستہ المتبدیان پھر مدرسہ خدیویہ میں داخل کرایا پھر اس کے ماموں اس کو اپنے ہمراہ لے کر طنطا چلے گئے اور چند سال وہاں بے کار گزارے۔ فارغ اوقات میں مطالعہ کرتا اور اپنی طبیعت کے رنج و غم کو شعر و شاعری سے دور کرنے کی کوشش کرتا۔

اس کا ماموں کسی وجہ سے اس کے دل سے ناامیدی اور یتیمی کی ذلت کے احساس کو نہ نکال سکا چنانچہ وہ زندگی سے بھی بیزار رہنے لگا اور لوگوں سے کنارہ کرنے لگا تقدیر سے شاکی رہنے لگا اور اس زمانہ میں یہی اس کی شاعری کے موضوعات تھے۔ پھر تقدیر اسے وکلاء کے دفاتر میں لے گئی اور وہاں وہ ایک زمانہ تک روزی کماتا رہا پھر ایک اچھا موقع ملنے پر وہ ملٹری اسکول میں داخل ہو گیا اور وہاں سے ایک باقاعدہ فوجی بن کر نکلا لیکن کچھ عرصہ بعد پولیس میں بھرتی ہو گیا پھر کچھ عرصہ بعد دوبارہ فوج میں آ گیا اس کے بعد سوڈان پر مصری حملہ میں لارڈ کچنر کے زیر کمان اسے بھی وہاں بھیج دیا گیا۔ وہاں وہ ایک زمانہ تک رہا جس میں وہ بیزار و تنگ دل ہو گیا اور بغاوت کے لیے تیار ہو گیا جب مصر واپسی کی کوشش کارگر نہ ہوئی، بالآخر سن ۱۸۹۹ء میں افسروں کی ایک جماعت کے ساتھ بغاوت کر دی جس کا مقدمہ چلا اور پھر اس کو فوج میں جگہ دے دی گئی وہاں سے ریٹائرڈ ہوا تو پنشن شروع ہو گئی۔

اس کے بعد حافظ پھر پہلے کی طرح اپنی بے قرار و بے مقصد زندگی گزارنے لگا کوئی کام جم کر نہ کرتا نہ کسی مقصد کو سامنے رکھتا۔ سارا سارا دن ایک ہوٹل سے دوسرے ہوٹل اور ساری ساری رات ایک مجلس سے دوسری مجلس میں جا کر گزارتا۔ امام محمد عبدہ کے پاس چلا جاتا

ان کے بلند مرتبہ سے فائدہ اٹھاتا اور اس سہارے زندگی گزارتا لیکن ساتھ ہی خوش حال اور مالدار طبقہ میں بھی آمدورفت جاری رکھتا ان کی مجلسوں میں اپنی میٹھی میٹھی باتیں سناتا اور اپنی عمدہ شاعری پیش کرتا۔ ۱۹۱۱ء میں احمد حشمت پاشا جو اس وقت وزیر تعلیم تھا، نے اسے دارالکتب المصریہ کے ادبی شعبہ کا صدر بنادیا اور پھر مہتمم مقرر کر دیا۔ پھر وہ ۱۹۳۲ تک اسی عہدہ پر فائز رہا اور اسی سال کی گرمیوں میں وفات پائی۔

حافظ کی ادبی حیثیت:

حافظ کا بچپن انتشار و آوارگی اور بے کاری میں گزرا۔ نہ علم کی طرف میلان، نہ کسی کام میں دھیان۔ بالکل پرانے ادیبوں کی طرح مثلاً مسلم بن ولید، ابونواس وغیرہ کہ وہ بادشاہوں کے انعام واکرام پر زندگی گزارنے کے عادی تھے۔

جیسے اس کی مادی زندگی ہر گھڑی بدلتی رہتی تھی اسی طرح اس کی ادبی زندگی بھی ہر روز بدلتی رہتی تھی۔ اس نے جب دیکھا کہ اس وقت مصر میں تخت خدیویہ اور آستانہ میں تخت خلافت سے امیدیں وابستہ ہیں تو اس کی زبان عباس اور عبدالحمید کی تعریف میں رواں ہوگئی۔ پھر امام محمد عبدہ اور معززین ملک میں سے ان کے ہم جماعت لوگوں کے پاس اور قوم کے شیوخ کے پاس پہنچا، اس زمانہ میں ان کو انگریزوں سے حسن ظن اور اچھی امیدیں تھیں چنانچہ اس نے ملکہ وکٹوریہ کی تعریف میں قصائد اور ایڈورڈ ہفتم کی تاجپوشی کی نظم اور لارڈ کرومر کے لیے الوداعی اشعار کہے جن میں اس نے حکومت پرستانہ جذبہ کی تائید کی، پھر ہمہ تن قوم کی طرف متوجہ ہوگیا ان کے لیڈروں سے ملا، عوام سے رابطہ بڑھایا اور پر جوش وجواں وطنی جذبات لے کر مصطفیٰ کامل کے جھنڈے تلے آ گیا اور اپنے شکوے کو ملک کے شکوں میں گم کر دیا اور دلوں کے ساز کو جہادی ترانوں کے ساتھ بجانے لگا جوانی کی آرزوں اور عوام کے مافی الضمیر کی دل کی گہرائیوں سے ترجمانی کرنے لگا۔

وہ جوانی سے ہی شاعروں کے دواوین دیکھتا رہا اغانی کے اجزاء کو بار بار گہری نظر سے دیکھتا اور اس کی مشق کرتا حتی کہ اسے انتخاب روایت اور عمدہ کلام کو چننے میں بہت کمال حاصل ہوگیا۔ ساتھ ساتھ وہ ثقافتی فروعات واخبارات وغیرہ سے ان ضروری باتوں کو چن لیتا جن کو وہ مجالس کی گفتگو یا شاعری میں اپنے لیے کارآمد خیال کرتا۔

حافظ کی شاعرانہ حیثیت:

حافظ کا حسن اسلوب ہی اس کی خداداد صلاحیت اور امتیازی خصوصیت ہے اس باب میں وہ ان پانچ اساطین میں سے دوسرے نمبر پر ہیں جن کی آواز سے شاعری کی تحریک بیدار ہوئی (وہ پانچ یہ ہیں: بارودی، صبری، حافظ، شوقی اور مطران) اور انکی فن کاری سے بلاغت قصیدہ میں جدت آ گئی شاید یہی ان میں ایسے ہیں جو اپنے دل کے غموں کی تعبیر میں سچ بولنے اور قوم کی آرزوں کی پوری تفسیر کرنے اور عصر حاضر کی برائیوں کی صحیح عکاسی کرنے میں جداگانہ حیثیت کے مالک تھے۔ اس کی شاعری کی روح اور موضوعات کچھ تو ماضی کی انفرادی یادشتوں کی منتشر صدائے بازگشت ہیں اور کچھ حال کی آراء وافکار قوم کا اقتباس ہے۔ جب وہ شعر کہنے کا ارادہ کرتا تو اس وقت کے اہم مسائل ومباحث وآراء جو لوگوں کے ذہنوں میں گھوم رہے ہوتے یا وہ موضوعات جو اس وقت مجالس واجتماعات اور اخبارات میں زیر بحث ہوتے انہیں اپنے ذہن میں جمع کرتا پھر ان پر خوب غور فکر کر کے انہیں شاعری جامہ پہنا

دیتا اور بہترین اسلوب اور عمدہ قالب میں ڈھالتا یہاں تک کہ جب قاری کے سامنے وہ نظم آتی تو نہایت سرعت کے ساتھ وہ مضمون اس کے دل ودماغ میں اترتا چلا جاتا اور ایسا لگتا کہ وہ اس مضمون کو پہلے بھی سنے ہوئے ہے لیکن اس پر حافظ کی چھاپ اور اس کی مہر ثبت پاتا۔

شاعری کا نمونہ:

کہتا ہے کہ عربی زبان اپنے بولنے والے میں اپنی بے قدری وبد قسمتی پر مرثیہ کرتی ہے:

رجعت لنفسی فاتهمت حصاتی — ونادیت قومی فاحتسبت حیاتی

میں نے اپنی طرف دیکھا تو میں نے اپنی عقل کو متہم ٹھہرایا پھر میں نے اپنی قوم کو آواز دی تو مجھے لگا کہ میں ابھی زندہ رہوں گی۔

رمونی بعقم فی الشباب ولیتنی — عقمت فلم أجزع لقول عداتی

انہوں نے جوانی ہی میں مجھ پر بانجھ پن کا الزام لگا دیا، کاش میں بانجھ ہی ہوتی تا کہ اپنے دشمنوں کے الزام سے کوئی پریشانی تو نہ ہوتی۔

ولدت ولما لم أجد لعرائسی — رجالاً وأکفاء وأدت بناتی

میں نے بچے جنے تھے لیکن جب اپنی بیٹیوں کو دلہن بنانے کے لیے مجھے ان کے ہمسر وکفوء مرد نہ ملے تو میں نے انہیں زندہ درگور کر دیا۔

وسعت کتاب اللّٰه لفظا وغایة — وما ضقت عن آی به وعظات

میں نے کتاب اللہ کے لیے لغوی ومعنوی ہر طرح کی وسعت اپنے اندر رکھی اور اس کے معجزانہ کلام یا کسی نصیحت کے بیان میں تنگی کا ثبوت نہیں دیا۔

فکیف أضیق الیوم عن وصف آلة — وتنسیق أسماء لمخترعات

تو آج میں کسی نئے آلہ کا وصف کرنے یا نئی ایجادات کا نام رکھنے میں کیونکر تنگ وکوتاہ ہو سکتی ہوں۔

أنا البحر فی أحشائه الدر کامن — فهل سألوا الغواص عن صدفاتی

میں ایسا سمندر ہوں جس کا پیٹ موتیوں سے بھرا ہوا ہے ذرا لوگ غوطہ خوروں سے میری سیپیوں کے بارے پوچھ کر تو دیکھیں۔

فیا ویحکم أبلی و تبلی محاسنی — ومنکم وإن عز الدواء أساتی

ہائے افسوس! میں پرانی ہوتی جارہی ہوں اور میرے محاسن وخوبیاں بوسیدہ ہو گئی ہیں میری دوا تو بڑی مشکل ہے لیکن اس کے طبیب تم ہی لوگوں میں ہیں۔

فلا تکلونی للزمان فإننی — أخاف علیکم أن تحین وفاتی

تم مجھے زمانہ کے رحم وکرم پر نہ چھوڑو کیونکہ اس طرح تو مجھے ڈر ہے کہ میں بالکل ختم ہو جاؤں گی اور مر جاؤں گی۔

أری لرجال الغرب عزا ومنعة　　　وکم عز أقوام بعز لغات

میں مغرب والوں کو دیکھ رہی ہوں کہ وہ عزت وپناہ میں ہیں اور بارہا زبانوں کے غلبہ سے اہل زبان بھی غالب آجاتے ہیں۔

أتوا أهلهم بالمعجزات تفننا　　　فيا ليتكم تأتون بالكلمات

دوسرے اہل لغات اپنی قوموں کو نئی نئی ایجادات سے ہمکنار کر رہے ہیں کاش تم لوگ الفاظ ہی ایجاد کر دو۔

خمریات میں کہتا ہے:

أوشك الديك أن يصيح ونفسي　　　بين هم وبين ظن وحدس

مرغ کی اذان کا وقت ہونے والا ہے اور میرا جی غم، فکر اور ظن وتخمین میں الجھا ہوا ہے۔

يـا غـلام! المدام والـكـاس والطا　　　س وهيـيء لـنـا مكانـا كأمس

اے لڑکے! شراب، جام اور پیالہ لاؤ اور کل کی طرح جگہ ہموار ودرست کرو۔

أطلـق الشمس من غياهب هذا الـ　　　دن وآمـلأ مـن ذلك النور كأسي

اس خم کو کھول دو تا کہ اس کی تاریکیوں میں سے سورج نکل آئے اور اس جام کو نور سے لبریز کرو۔

واذن الصبح أن يلوح لعيني　　　من سناها، فذاك وقت التحسي

اور سورج کو کہو کہ میری آنکھ کے لیے روشن ہو جائے کیونکہ یہی تو میرے شراب پینے کا وقت ہے۔

وادع ندمان خلوتي والتناسي　　　وتعجل واسبل ستور الدمقس

میری جلوت وخلوت کے ہم پیالہ ساتھیوں کو آواز دو اور جلدی سے سفید ریشمی کپڑے ڈال دو۔

واسقنا يا غلام حتي ترانا　　　لا نطيق الكلام إلا بهمس

اے لڑکے ہمیں اتنی شراب پلاؤ کہ ہم بے خودی کی وجہ سے ہلکی آواز کے سوا کچھ بول بھی نہ سکیں۔

خمرة قيل إنهم عصروها　　　من خدود الملاح في يوم عرس

وہ ارغوانی شراب پلاؤ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ حسینوں کے رخساروں سے شادی کے وقت کشید کی گئی ہے۔

اپنے قصیدہ ''غادۃ الیابان'' (جاپانی دوشیزہ) میں کہتا:

لا تلم كفي إذا السيف　　　نبا صح مني العزم والدهر أبي

اگر تلوار اچٹ جائے تو میرے ہاتھ کو ملامت نہ کرنا، میرا عزم تو بالکل ٹھیک تھا لیکن زمانہ نے اس کی تصدیق نہ کی۔

رب ساع مبصر في سعيه　　　أخطأ التوفيق فيما طلبا

بارہا ہوشیار اور کوشش کرنے والا اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا۔

مرحبا بالخطب يبلوني إذا　　　كانت العلياء فيه السببا

اس مصیبت کو خوش آمدید، جو مجھے بلند مقصد کے حصول کی راہ میں آزماتی ہے۔

عقنی الدهر ولو لا أننی أوثر الحسنی عققت الأدبا

زمانہ نے میرا ساتھ نہ دیا اور اگر میں نیکی کو ترجیح نہ دیتا تو میں بھی ادب کو خیر آباد کہہ دیتا۔

إیه یا دنیا اعبسی أو فابسمی لا أرمی برقك إلا خلبا

اے دنیا! خواہ تو منہ چڑھا یا مسکرا مجھے تو تیری زرق برق دھوکہ ہی معلوم ہوتی ہے۔

أنا لو لا أن لی من أمتی خاذلا ما بت أشکو النوبا

اگر میری قوم میں ایسے لوگ نہ ہوتے جو وقت پر ساتھ چھوڑ دیتے ہیں تو میں مصائب کا شکوہ نہ کر رہا ہوتا۔

أمة قد فت فی ساعدها بغضها الأهل وحب الغربا

میری قوم کو اپنے لوگوں سے بغض اور غیروں سے محبت نے بے دست و پا کر دیا ہے۔

تعشق الألقاب فی غیر العلا وتفدی بالنفوس الرتبا

اسے اس بات کا عشق ہے کہ کارنامے سرانجام دیے بغیر ان کو بلند القاب مل جائیں اور وہ ان بے معنی مراتب کے حصول کے لیے جان کی بازی لگا رہی ہے۔

وهی والأحداث تستهدفها تعشق اللهو وتهوی الطربا

زمانے نے اسے حوادث کا تختہ مشق بنا رکھا ہے اور یہ ہے کہ اسے گانے بجانے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔

لا تبالی لعب القوم بها أم بها صرف اللیالی لعبا

اسے کوئی پرواہ نہیں کہ دوسری اقوام ان کو آلہ کار بنالیں یا حوادث زمانہ اسے ختم کر ڈالیں۔

جمیل صدقی الزہاوی (وفات ۱۳۵۴ھ)

پیدائش اور حالات زندگی:

جمیل صدقی الزہاوی ۱۸۶۳ء جون کی ۱۸ تاریخ کو بدھ کے دن بغداد میں پیدا ہوا۔ ددھیال و ننھیال دونوں کرد تھے اور انتہائی شریف خاندان تھے اس کی پرورش ایسے خاندان میں ہوئی جو دینداری، فقہ و ادب میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا چنانچہ اس کے والد محمد فیضی الزہاوی "دارالسلام" کے مفتی اور ان کے بھائی وہاں کے ایک فقیہ تھے اور مجھے جمیل نے خود بتایا کہ ان کے بھائی کو ادب سے بالکل لگاؤ نہ تھا اس لیے وہ ان کو شاعری کی روایت اور لغت کے مطالعہ سے روکتے تھے لیکن یہ اپنی عادت کے مطابق چلتا رہا، باپ بھی چشم پوشی سے کام لیتا تھا اور نہ انہیں اس کا ادب میں زیادہ غور فکر کرنا اور شاعری کی مشق کرنا ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ اس کے والد اور بھائی کا خیال تو یہ تھا کہ یہ اپنے خاندان کا ایک ستون بنے اور قضاء یا افتاء کا منصب سنبھالے، لیکن وہ اپنی ہی روش پر چلتا رہا اور شاعر و فلسفی بن گیا اور عراق میں ترکوں کی خلافت اور سنی حکومت تھی اس لیے مصری تعلیم، زبان، طریقہ، اور مقصد میں بیرونی سیاست اور خواہش کے تابع تھی

اس لیے مراکز علوم مصریہ سے یا تو فوجی بن کر نکلتا تھا یا پھر سیاسی، البتہ دینی تعلیم جو مساجد و مدارس کے صحنوں میں ہوتی تھی وہ عربی زبان، طعن و تشنیع سے پاک اور آزاد فکر پر مشتمل تھی۔ زہاوی بھی اسی تہذیب کا خوشہ چیں ہوا اور اس کے اعصاب میں جوش شاعری اس طرح موجیں مارنے لگا جس طرح بغداد کی اس نہر کی موجیں ہوتی ہیں جو بڑے دریا سے آرہی ہے۔ بعدازاں اس پر ددھیال و نھیال کا کردی رنگ غالب آیا تو اس نے جہاد کیا اور بڑے بڑے مصائب میں کود گیا دریں اثناء پچیس سال کی عمر میں اس کے حرام مغز میں کوئی بیماری وخرابی ہوگئی جو تادم حیات باقی رہی کچھ عرصہ بعد پاؤں پر فالج کا حملہ ہوا تو وہ بہت رنجیدہ ہوا اور تنگ دل ہو گیا اور شام چلا گیا پھر اسی زمانہ میں زہاوی بادشاہی فساد، کثرت جہل وغیرہ کی وجہ سے وعظ و نصیحت میں مشغول ہو گیا۔

اکثر شعراء کی طرح زہاوی نے بے کاری میں زندگی نہیں گزاری بلکہ بڑے بڑے کاموں میں اس نے حصہ لیا چنانچہ پہلے وہ بغداد میں مجلس معارف کا ایک رکن مقرر ہوا پھر سرکاری مطبع کا مدیر بنا پھر جریدہ رسمیہ'' کا محرر بنا بعدازاں محکمہ استئناف کا رکن بنا اور خلیفہ کو جب اس کے مقام کا علم ہوا تو اسے آستانہ پر بلایا یہاں اس نے آستانہ کی بدعنوانیوں کو کھولا اور اصحاب تجسس کو بھڑکا دیا اس لیے یہاں اس کی کوئی قدر نہ ہوئی۔ پھر جب خلافت عثمانیہ کا اعلان ہوا تو اس کو مکتب ملکی میں فلسفۂ اسلامیہ کا رئیس مقرر کیا گیا پھر دارالفنون میں ادب عربی کا مدرس بنا اس کے بعد بغداد واپس آیا تو مدرسۃ الحقوق میں استاذ الشریعہ مقرر ہوا پھر عراق کی طرف سے'' مجلس المبعو ثان'' کا نائب مقرر ہوا لیکن ان سب مصروفیات کے باوجود وہ راتوں کو شعر وقراءت سے اور دن کو حدیث و کتابت سے اُکتاتا نہ تھا حتیٰ کہ پہلی جنگ عظیم میں ترک غالب آگئے اور عراق میں فیصل کا تخت لگ گیا اس لیے اصحاب جیش اور سیاستدانوں کی خوب قدر ہوئی اور جو زہاوی کی طرح شاعر اور صاحب فکر تھے وہ اپنی ڈگر پر چلتے رہے ہاں کچھ دنوں کے لیے فیصل نے زہاوی کو ''مجلس اعیان عراقی'' کا رکن بنایا تھا۔ پھر اس کی شاعرانہ جرأت اور بے باکانہ رائے کی وجہ سے اسے علیحدہ ہونا پڑا اور اس عہدہ سے محرومی کا اسے بہت دکھ تھا اور اسی حالت میں قویٰ کے ضعف اور بیماریوں کے طول کے باعث فروری ۱۹۳۶ء کے اواخر میں بغداد میں انتقال ہوا۔

زہاوی علم کے میدان میں:

نوجوانی میں علوم طبعیہ اور علوم فلسفہ کا گہرا مطالعہ کرتا تھا اور اس کے لیے ان مقالات کو ذریعہ بناتا تھا جو کتب ومجلات میں ترجمہ ہو کر آتے تھے کیونکہ زہاوی کو عربی، فارسی، ترکی، اور کردی زبان کے علاوہ دوسری زبانیں نہ آتی تھیں۔

اوران مقالات سے انسانی فکر نئی تہذیب تک نہیں پہنچتی لیکن زہاوی اپنی خداداد صلاحیت اور عقل کامل کی وجہ سے ان علوم کی تہہ تک پہنچ گیا حتیٰ کہ فلسفہ میں ایک کتاب'' کائنات'' کے نام سے لکھ ڈالی اور اس طرح علم طبیعت میں بھی ایک کتاب ''الجاذ بیۃ و تعلیلھا'' کے نام سے لکھی۔ ان دونوں کتابوں میں اس نے ایک علیحدہ مذہب اپنایا ہے جس میں اس نے بڑے علماء اور مفکرین کی مخالفت کی ہے مثلاً اس کا یہ قول کہ جاذبیت کی علت ایک مادہ کا دوسرے کو کھینچنا نہیں ہے بلکہ الیکٹرون کی شعاعوں سے ایک مادہ کا دوسرے کو دھکیلنا ہے قطع نظر اس بات سے کہ اس نظریہ کی دلیل کیسی ہے یہ علیحدہ نظریہ بنانا ہی گہری سوچ وفکر اور مستقل مزاجی کی دلیل ہے۔

زہاوی شاعری کے میدان میں:

زہاوی مفکرین شعراء میں سے ہے جن کو ناقدانہ بصیرت اور عمدہ ذہانت کا وافر حصہ ملا تھا اور ان کے کان موسیقی کو پسند نہ کرتے تھے اور ان کی طبیعت میں آورد نہ تھا اسی لیے بعض اوقات الفاظ غیر پسندیدہ، وزن بے جوڑ، اسلوب سادہ ہوتا تھا لیکن ایک زندہ و جری فکر ان اشعار میں ایسے ٹھاٹھیں مارتی تھی جیسے نہر [illegible] طرح موافقت زمانہ اور حالات سے باخبر رہنے کا حریص تھا اور اس حرص کا منشاء ان کے اندر وہ طبع آزمائی تھی جو تجدد کو طلب کرتی تھی اور وہ تیز حس تھی جو تخلف کو ناپسند کرتی تھی اور زہاوی میں مزید یہ تھا کہ اسے فخر نے خود پسند بنا دیا تھا اور تکبر نے اس میں ڈنگ مارنا پیدا کر دیا تھا اس لیے اسے تعریف پسند تھی اور نقد کرنا ناپسند تھا وہ پرانے شعراء سے اس فرق کی وجہ سے تجدد کی طرف بڑھتا تھا اور جمود کے عیب نے نفرت کی وجہ سے امور عقلیہ میں رائے زنی بھی کرتا تھا اور فخر وخودستائی سے محبت کی وجہ سے خواص کے رجحانات کو سامنے رکھتا تھا اور عوام کی رائے کو ٹھیک نہ سمجھتا تھا اسی وجہ سے اس کے اکثر شعر اہل حکومت سے لڑائی کے برا ہونے اور اہل دین سے لڑائی کے نقصانات اور امت کی محبوب شے کے خلاف کرنے کو حقیر سمجھنے کے مضامین پر مشتمل ہیں۔

شاعری کا نمونہ:

اپنے ایک قصیدہ بعنوان جہل وعلم میں کہتا ہے:

يريد أناس فرقة الشعب جهدهم ... فلا عطست باليمن تلك المعاطس

کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ ان کی کوشش نے جماعتوں میں تفریق کر دی اللہ ان دشمنوں کو کبھی کامیاب نہ کرے۔

ونحن الألى ما فرق الدين بيننا ... و إن كثرت بعض الأوان الدسائس

ہم ایسے لوگ ہیں کہ دین نے ہمارے درمیان تفریق نہیں کی اگرچہ بعض اوقات خفیہ سازشیں بہت ہو جاتی ہیں۔

فعشنا وعاشت من عصور كثيرة ... جوامعنا في جنبهن الكنائس

ہم بہت زمانوں تک جیئے اور ہمارے وہ مدارس وجوامع بھی جن کے پہلوؤں میں گرجے ہوتے تھے۔

ولا يعلم الإنسان طول حياته ... صديقا يواسي أو عدوا يعاكس

اور کوئی انسان پوری زندگی غمخوار دوست یا تنگ کرنے والا دشمن نہیں ہو سکتا۔

ولكننا عشنا جميعين أعصراً ... كلانا أخو صدق كلانا مؤانس

لیکن ہم ہر حال میں دوست اور ساتھی بن کر رہیں گے۔

و إنا سنحيا والعمائم عندنا ... لها حرمة محمودة والقلانس

ہم زندہ رہیں گے اس حال میں کہ ہمارے پاس باعزت عمامے اور ٹوپیاں ہیں۔

سنحيا نعم في وحدة عربية ... لها العلم نظام لها العدل سائس

ہم وحدت عربیہ میں زندگی گزاریں گے اس کا علمی نظام ہے اور اس کا نگران منصف وعادل ہے۔

وتغرس فی قلب الشبیبة جرأة　　　علی الصدق حبا أن تطیب الغرائس

اور یہ وحدت نوجوان عورت کے دل میں بھی جرأت کو بھر دیتی ہے اور سچائی کا بیج بوتی ہے۔

ساعدنا فیما نحاول دولة　　　معظمة ترعی علاها أشاوس

ہماری اس کوشش میں عظیم مملکت ہماری مددگار ہے جس کے بڑے لوگوں کی حفاظت سارجنٹ کرتے ہیں۔

قول لشعری أیها الشعر صل وحل　　　فأنت بمیدان الفصاحة فارس

میں اپنے شعر کو کہتا ہوں کہ اے شعر! پیٹھ پر حملہ کر اور کھل کر سامنے آ کیونکہ تو میدانِ فصاحت کا شہسوار ہے۔

أغاظك أن الجهل فی الناس جاهر　　　یقول و أن العلم فی الأذن هامس

کیا تجھے یہ بات غصہ دلاتی ہے کہ جہالت لوگوں میں عام ہے اور علم صرف کان کی سرگوشی ہے۔

یمارس شعری الیوم إصلاح أمة　　　فلله شعری الیوم ماذا یمارس

اس وقت میری شاعری اصلاح امت میں لگی ہوئی ہے اللہ ہی کے لیے ہے میری اس شاعری کی کوشش۔

ستحمیك یا شعری فأنذر حکومة　　　تحل ربوع العلم وهی المدارس

اے میرے اشعار تم حکومت کو ڈراؤ تمہیں علم کے صحن یعنی مدارس پناہ دیں گے۔

حکومة عدل مهد الأرض حکمها　　　فلا البر موتور ولا البحر خانس

جہاں اس عادل بادشاہ کی حکومت ہے جس کے حکم نے زمین کو پھیلایا۔ نہ خشکی میں کوئی خرابی ہے نہ تری میں کوئی فساد۔

ولیس لها فی المغربین معارض　　　ولیس لها فی المشرقین مشاکس

اس بادشاہت کا نہ مغرب میں کوئی معارض ہے نہ مشرق میں کوئی مخالف۔

کچھ اہم اشعار:

إن الصراحة تغنی　　　ما لیس تغنی الرموز

جن چیزوں کے لیے اشارہ کافی نہیں ہوتا ان کے لیے صراحت کافی ہو جاتی ہے۔

أخو الحجا قبل أن یحـ　　　ـمل الأداة یروز

عقل مند شخص تیاری پوری کرنے سے پہلے آزمائش کرتا ہے۔

وعند من هو غر　　　یجوز ما لا یجوز

اور دھوکہ باز کے نزدیک ناجائز بھی جائز ہو جاتا ہے۔

کم جامع لکنوز　　　یفنی وتبقی الکنوز

بہت ایسے لوگ جو خزانے جمع کرنے والے تھے ختم ہو گئے اور ان کے خزانے باقی ہیں۔

وقد تموت فتاة ولا تموت عجوز

اور کبھی جوان عورت مرجاتی ہے اور بوڑھی نہیں مرتی۔

لا تجبنن فليس الـ ـجبان شيئاً يجوز

بزدل مت بن کیونکہ بزدلی بالکل جائز نہیں ہے۔

إنا نعيش بعصر فيه الجسور يفوز

ہم ایسے دور سے گزر رہے ہیں کہ اس میں جرأت مند ہی کامیاب ہے۔

لقد مشيت بليل داج بغير دليل

میں اندھیری رات میں بغیر رہنمائی کے چلا۔

فما بعدت كثيراً حتى ضللت سبيلي

ابھی تھوڑی دور ہی چلا تھا کہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔

من لي بماء براد به أبل غليلي

کوئی ہے جو مجھے ٹھنڈا پانی دے جس سے میں اپنی پیاس کو بجھا سکوں۔

طلبت شيئاً قليلاً فلم أفز بالقليل

میں نے تو تھوڑی سی چیز طلب کی تھی اور وہ تھوڑی بھی مجھے نہ ملی۔

وكم صحبت خليلاً فكان غير خليل

کتنے لوگوں کے ساتھ میں دوست بن کر رہا لیکن وہ دوست نہ تھے۔

كل الأحبة أعدا ئي عند خطب جليل

اور بڑی مصیبتوں کے وقت سارے دوست میرے دشمن ہو گئے۔

لا خير لي من بلادي وأسرتي وقبيلي

میرے لیے اپنے شہر، قبیلہ، خاندان میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

خاتمہ

استشراق ومستشرقین کے بارے میں:

اس زمانہ میں استشراق سے مراد لیا جاتا ہے مغربی لوگوں کا مشرق اور اقوام مشرق کی تاریخ، ان کی زبان، عادات، آداب، علوم، اعتقادات، اور طرز زندگی کا مطالعہ کرنا۔ لیکن چند صدی پہلے اس سے عبرانی وعربی پڑھنا مراد لیا جاتا تھا کیونکہ یہ دونوں زبانیں دین وعلم سے متعلق تھیں۔ اس وقت سارا مشرق علم کی روشنی میں نہایا ہوا تھا جہاں بغداد وقاہرہ کے میناروں سے مدنی روشنیاں پھوٹ رہی تھیں اور سارا مغرب جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوبا ہوتا تھا، سرکشی اور بربریت کا دور دورہ تھا، ان کی ثقافت صرف ان امراء کے قلعوں تک محدود تھی جنہیں کتابوں سے وحشت آتی تھی یا جو بیچارے راہبوں کے پاس کچھ باقی ماندہ علم تھا نویں اور دسویں صدی عیسوی تک ان کا یہ حال تھا کہ امراء اپنے قلعوں میں ان پڑھ ہونے پر فخر کرتے تھے اور خون ریزیاں کرتے تھے اور راہب حضرات اپنے گرجوں میں عمدہ کتابوں کی کتابت مٹاتے تھے تاکہ ان صفحات پر کتب دین لکھ سکیں حتیٰ کہ اللہ نے بعض آنکھوں سے اس پردہ کو ہٹا دیا تو انہوں نے ان اندھیریوں کے پیچھے سے مغرب میں ایک قطعہ سرزمین دیکھا جس پر مشرق کا سورج اپنی کرنیں ڈال رہا تھا۔ یہ اسپین کا ایک علاقہ تھا اور وہ روشنی بغداد سے آئی تھی چنانچہ ان میں کمالِ انسانی کی موج جاگ اٹھی اور انہوں نے علم کو طلب کیا تو صرف عربوں کے پاس ہی ملا۔

۱۱۳۰ء میں طلیطلہ میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی جس کا والی اسقفت ریمانڈ تھا۔ اس مدرسہ میں بڑی بڑی عربی کتب کو لاطینی زبان میں منتقل کرنے کا کام شروع ہوا اور ان کی اس کام پر یہود نے بھی مدد کی۔ یہ تراجم یورپ بھیجے گئے جو لطیف شعور اور پاکیزہ روح سے یکسر خالی تھے۔ بارہویں، تیرہویں، چودھویں صدی تک اس کوشش میں ترجمہ کرنے کے قواعد کا بھی اضافہ ہوا حتیٰ کہ اس وقت ان کتابوں کی تعداد جن کا عربی سے ترجمہ کیا گیا، تین سو کے قریب پہنچ گئی جیسا کہ ڈاکٹر لکارک نے اپنی کتاب ''تاریخ الطلب العربی'' میں بیان کیا ہے اور دوسرے حضرات کے شمار کے مطابق چار سو تک پہنچ گئی تھی ان میں اکثر رازی، ابوالقاسم الزہراوی، ابن رشد، ابن سینا کی کتابیں تھیں یا ان کے علاوہ دوسری وہ کتابیں تھیں جو جالینوس، بقراط، افلاطون، ارسطو اقلیدس وغیرہ کی یونانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہوا تھا۔ اور یہ کتابیں جن کا لاطینی میں ترجمہ کیا گیا یورپ ''کے جامعات میں پانچ، چھ صدیوں تک زیر تعلیم رہیں جن میں سے بعض اپنی قدر وقیمت کی وجہ سے یاد کرلی گئیں حتیٰ کہ انیسویں صدی آ گئی۔

انگریز مؤرخ ملر اپنی کتاب فلسفۃ التاریخ میں کہتا ہے کہ اسپین میں عربی مدارس، علوم کے سرچشمہ تھے اور یورپی طلباء ہر طرف سے یہاں چلے آرہے تھے اور علوم طبعیہ، ریاضیہ، اور ماوراء الطبیعیات کو سیکھتے تھے۔ اسی طرح جنوبی اٹلی میں جب سے عرب آئے وہ یورپ کی طرف ثقافت وعلم نقل کرنے کا ایک ذریعہ بن گیا، ان علمی چشموں پر آنے والوں میں راہب جربرت فرانسیسی بھی ہے جس نے اوریاق میں علم لاہوت حاصل کیا اور اشبیلیہ آیا۔ یہاں اور قرطبہ میں اس نے تین سال تک ریاضیہ اور علم فلک پڑھا پھر اپنی قوم میں واپس گیا تاکہ ان میں مشرقی نور پھیلائے لیکن قوم نے اس پر جادوگر اور کافر ہونے کا الزام لگا دیا پھر وہ ۹۹۹ء میں سدۃ البابویہ میں

سلفستر ثانی کے نام سے چلا گیا، اسی طرح شانجۂ آسٹریلیا کا بادشاہ علماءِ قرطبہ کے پاس آیا، اور اٹلی کے بعض علماء کو بھی عربی کا بہت شوق ہوا اور انہوں نے اس کو سب سے بڑے ادب والی زبان شمار کیا۔ راہب روجر نے تو اپنی قوم کو یہاں تک وصیت کی کہ عربی سیکھنے کو انگریزی پر مقدم سمجھیں اور کہا ''اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے حکمت سے نوازتا ہے اور اللہ نے لاطینیوں کو نہ نوازنا چاہا بلکہ یہود، عرب اور اغریق کو نواز دیا ہے۔

لیکن استشراق علوم عرب اور مشرقی تہذیب سے انتفاع میں محصور نہ رہا بلکہ اس سے نکل کر تجارتی، استعماری، اور دینی اغراض میں بھی داخل ہو گیا۔ چنانچہ یورپ کی مضبوط جماعتیں ان چیزوں کی طرف متوجہ ہوئیں اور مشرقی حالات کے پہچاننے، اس کے اطراف کو دیکھنے، اس کے آثار کو کھولنے، خزانوں کے نکالنے، اس کے ادب کو زندہ کرنے، کتب کو چھاپنے اور فن کو ظاہر کرنے میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے لگے۔ بعد ازاں استشراق ایک مستقل فن بن گیا جس میں مشرق کی موجودہ اور مردہ زبانوں کا پتہ چلانا، ان زبانوں کے آداب وفنون سے باخبر ہونا مطلوب ہے اور اس کام کے لیے انہوں نے چھاپے خانے قائم کیے، کتابیں اور رسالے لکھے، مجلس شاورت قائم کی، مجلّے جاری کیے، مخطوطے جمع کیے، عمدہ کتابیں نشر کیں، ان پر حواشی لکھے۔ نام، موضوعات اور مکان کے اعتبار سے مختلف قسم کی فہرستیں بنائیں۔ پھر الفاظ کی تحقیق میں عمدہ ابحاث لکھیں، اصول کو مضبوط کیا، اغلاط کی تصحیح کی، صحیح علمی اسلوب پر نامعلوم چیزوں کو معلوم کیا اور اس میں منطقی انداز اپنایا چنانچہ یہ لوگ عرب لغت دان اور ادب کی تاریخ لکھنے والوں کے رہبر و پیشوا بن گئے اسی طرح مادہ کو موجود کرنے اور بحث کو منظم کرنے میں اور باریکیوں کو تلاش کرنے، درست بات کو حاصل کرنے اور فروع کا شمار کرنے میں بھی دوسروں سے آگے بڑھ گئے۔

مشہور مستشرقین:

فرانسیسی مستشرقین میں جو مشہور ہوئے وہ یہ ہیں: ویٹر دوق دورلیان کا طبیب اس کی وفات ۱۶۶۷ء میں ہوئی۔ انہوں نے تاریخ ابن المکین، تاریخ تیمور لنگ، ابن عرب شاہ کی علم منطق، ابن سینا کی امراض عقلیہ اور طغرائی کی اللامیہ، ان تمام کتب کو فرانسیسی زبان میں منتقل کیا۔ ہربلو، ان کی وفات ۱۶۹۶ء میں ہوئی یہ چودہویں سرلویس کا امین اور معہد فرنسا میں عربی کا استاذ تھا اس نے المکتبۃ الشرقیۃ کے نام سے کتاب لکھی جو بطرز معجم ہے۔ اس میں مشرقی فلسفہ، ادب اور اجتماع کو جمع کیا ہے۔ سڈیکو، ان کی وفات ۱۸۳۲ء میں ہوئی یہ عربوں کے ہاں علم الفلک سپیشلسٹ تھے۔ انہوں نے ابن الہیثم کی ہندسہ کا کچھ حصہ اور علم الریاضیات، جامع المساوی والغایات، ابوالحسن علی کی آداب فلکیہ کی کتاب کو نشر کیا۔ کوسین دی پرسفال، ان کی وفات ۱۸۳۵ء میں ہوئی انہوں نے ''تاریخ صقلیہ تحت حکم المسلمین'' کو نقل کیا اور معلقات سبعہ، امثال لقمان کو نشر کیا، اور ''الجداول الفلکیہ من الربح الحاکمی'' اور مقامات حریری کو چھپوایا اور ''الف لیلۃ'' کے ایک جزء کا ترجمہ کیا سلفستر دساسی ان کی وفات ۱۸۳۸ء میں ہوئی انہوں عربی وفارسی میں کمال حاصل کیا اور ان دونوں زبانوں میں مغربی مستشرقین کی ایک جماعت کے احوال لکھے ایک کتاب عربی میں بنام ''الانیس المفید للطالب المستفید'' لکھی جس میں نظم ونثر کا ایک مجموعہ لکھا اور مقامات کی ایک مختصر شرح لکھی، کلیلہ ودمنہ الفیہ ابن مالک، رحلۃ عبداللطیف البغدادی، کو نشر کیا پھر

تین مذکرات لکھے جو مصر سے فرانس آنے والے مجامع کو پیش کیے۔ مارسل، ان کی وفات ۱۸۵۴ء میں ہوئی انہوں نے "الحملۃ الفرنسیۃ فی المصر" کا ترجمہ کیا۔ مصر کے حالات پر ایک کتاب بھی لکھی، عربی اشعار کا ایک مجموعہ بھی اس کی طرف منسوب ہے اور اس نے ابن میمون، ابن سینا، ضامری، قزوینی وغیرہ کے عمدہ مقالات بھی "مجلۃ الآسیویۃ" میں نشر کیے۔ کترمیران کی وفات ۱۸۵۷ء میں ہوئی انہوں نے دساسی سے عربی پڑھی اور فرانس میں مجمع اللغوی کا رکن مقرر ہوا پھر مجلۃ الآسیویہ کا محرر بنا۔ اس نے فرانسیسی میں مقریزی کی بعض کتب سلوک کو نقل کیا اور مقدمہ ابن خلدون کو فرانسیسی اور عربی میں نشر کیا اسی طرح میدانی رحمۃ اللہ علیہ کی امثال میں کچھ منتخب مضامین بھی شائع کیے اور کتاب الروضتین لابن شامہ کو بھی شائع کیا، مجلّہ آسیویہ میں نبطی، عباسی، اور فاطمیوں کے بارے میں کچھ ابحاث بھی لکھیں اسی طرح کتاب الاغانی ذوق الشرقیین فی الکتب، حیاۃ المسعودی وآثارہ بھی انہی کی تصانیف ہیں۔

اَلمانی مستشرقین میں سے یہ حضرات مشہور ہوئے فریتاغ ان کی وفات ۱۸۶۱ء میں ہوئی انہوں نے بھی دساسی سے عربی حاصل کی اور دیوان حماسہ لابو تمام کو بمع اس کی شرح تبریزی کے ساتھ اور زبدۃ الطلب فی تاریخ حلب ابن الندیم کی، فاکہۃ الخلفاء، لابن عرب شاہ کو نقل کیا۔ اور ایک چار جلدوں میں عربی لاطینی ڈکشنری لکھی۔ جوستاف فلوجل ان کی وفات ۱۸۷۰ء میں ہوئی۔ طبقات الحنفیہ اور قرآن مجید کو نشر کیا۔ فلیشر ان کی وفات ۱۸۸۸ء میں ہوئی انہوں نے مشرقی آداب کے بارے میں بہت کتابیں لکھیں اور تفسیر بیضاوی، زمخشری کی المفصل کو نشر کیا۔ فردنان وستفیلڈ ان کی وفات ۱۸۹۰ء میں ہوئی انہوں نے حافظ ذہبیؒ کی طبقات، سیرت ابن ہشام، ابن خلکان کی وفیات الاعیان، اور یاقوتی کی معجم البلدان کو نشر کیا۔ نلڈکی ان کی وفات ۱۹۳۱ء میں ہوئی اور انہوں نے المانی زبان میں تاریخ القرآن، تاریخ عروۃ ابن الورد، جاہلی شاعری کی بحث، معلقات سبعہ وغیرہ کے بارے میں بحث لکھی۔

انگریز مستشرقین میں سے یہ مشہور ہوئے۔ ایڈورڈ لین اس کی وفات ۱۸۷۴ء میں ہوئی جوانی مصر میں گزاری پھر مصر کے حالات پر ایک کتاب لکھی۔ ایک دوسری کتاب مصریوں کی عادت وخصائل کے بارے میں لکھی جس کے کئی مضامین مجلۃ الرسالہ میں ترجمہ کے ساتھ شائع ہوئے پھر مکمل کتاب ۱۹۴۹ء میں چھپی۔ ایک عربی انگلش ڈکشنری لکھی، الف لیلہ ولیلہ کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ ولیم مویر اس کی وفات ۱۹۰۵ء میں ہوئی اس کی تصانیف میں سے حیاۃ النبی، تاریخ اسلامی، تاریخ الخلافۃ، اہم ہیں اور یہ کتابیں انگریزی وہندی یونیورسٹیوں میں معتمد مراجع ہیں۔

اٹلی کے جو مستشرقین مشہور ہوئے، یہ ہیں: ڈافیڈ سنطالانا اس کی وفات ۱۹۳۱ء میں ہوئی تونس میں پیدا ہوئے اور روما میں تعلیم حاصل کی۔ شافعی ومالکی مذہب پر اچھی دسترس حاصل تھی۔ ۱۹۱۰ء میں مصر کی یونیورسٹی میں فلسفہ کے استاذ مقرر ہوئے اور اس کے متعلق عمدہ دستاویزات چھوڑیں۔ نلینو اس کی وفات ۱۹۳۸ء میں ہوئی اس کو ۱۹۰۹ء میں عربی زبان کی ادبی تاریخ میں دستاویز لکھنے کے لیے کہا گیا جس کو لکھ کر انہوں نے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچایا۔ عربوں کے مسائل جغرافیہ اور فلکیہ کا بھی اہتمام کیا۔ اغناطیوس جویدی، اس کی وفات ۱۹۲۵ء میں ہوئی اس کو بھی مصر کی یونیورسٹی میں تدریس کے لیے کہا گیا جہاں انہوں نے فصیح عربی میں تدریس کی۔

اگر آپ اس موضوع کو اچھی طرح سے پڑھنا چاہیں تو استاذ نجیب العقیقی کی کتاب "المستشرقین" پڑھیں انہوں نے استشراق کی تاریخ اس طرح بیان کی ہے کہ اس سے تسلی ہو جاتی ہے اور مزید کی ضرورت نہیں رہتی۔